باسم

تحریر: ردا فاطمہ

وہ ایک وسیع و عریض صحرا تھا، جہاں چاروں طرف بس ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی۔ دور دور تک، زمین پانی کی طرح چمک رہی تھی، جیسے کوئی سراب ہو۔ افق پر سنہری اور نارنجی رنگ زمین پر مدھم چھاپ چھوڑ رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے، نہ ہی یہ کہ وہ یہاں کیسے پہنچی ہے۔ چاروں طرف ویرانی تھی، کسی ذی روح کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، مگر پرندے، وہاں بے شمار پرندے موجود تھے۔ مختلف رنگوں کے پرندے، جن کی موجودگی یہاں، صحرا میں، غیر معمولی اور ناممکن سی لگتی تھی۔ ان کی پرواز اور چہچہاہٹ کا شور فضا کو بھرے ہوئے تھا، اور ہر پرندہ مختلف رنگوں کے پروں سے سجا ہوا تھا۔ ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ خاموشی میں عجیب سا خوف پیدا کر رہی تھی، مگر وہ خوفزدہ نہیں لگ رہی تھی۔ وہ بس اپنی گہری بھوری آنکھوں سے ان پرندوں کو دیکھ رہی تھی، جیسے پہلی بار ان کا مشاہدہ کر رہی ہو۔ وہ حیران تھی، تھکی ہوئی اور بے

چین بھی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا، اور اس کی آنکھوں میں حیرت چھپی تھی۔ اچانک، پسند منظر سے ایک گہری اور سنجیدہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ان پرندوں میں سے ایک پرندہ تمہیں اُڑا کر لے جائے گا، وہ تمہیں قید سے نکالے گا، وہ تمہارا قید کا ساتھی ہوگا۔"

یوں لگتا تھا آواز فضا میں چاروں اطراف گونج رہی ہے۔ وہ منجمد ہو گئی، اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، اس کی جسمانی حالت سخت دباؤ سے بھری گئی۔ ہوا میں تناؤ بڑھ گیا۔ یہاں تو کوئی ذی بشر نہیں پھر یہ آواز، وہ بے اختیار پلٹی۔ لیکن... اس کی دھڑکن تیز ہو گئی، اس نے دل کی دھڑکن کی آواز کو اپنے کانوں میں محسوس کیا۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ پیچھے کچھ نہیں تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا، سوائے خالی، سرد ہوا کے پھر یہ آواز... وہ واپس پلٹی تو، سامنے سے سب پرندے غائب ہو چکے تھے۔ وہاں کوئی نہیں تھا، ہر جانب سناٹا چھا چکا تھا۔ وہ خود کو اکیلا محسوس کرنے لگی۔ اس خوف ناک تنہائی میں وہ چیخ جانے کے قریب تھی۔ اس نے چاروں اطراف نگاہ دوڑائی۔

"ان پرندوں میں سے ایک تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا، تمہیں قید سے آزاد کرائے گا، وہ تمہارا ساتھی ہوگا۔"

یہ آواز فضا میں ہر طرف گونج رہی تھی۔ وہ ساکت ہو گئی، اس کی آنکھوں میں خوف چھلکنے لگا، اور اس کا جسم تناؤ سے بھر گیا۔ ہوا میں سنجیدگی اور تناؤ مزید بڑھنے لگا۔ یہاں تو کوئی انسان نہیں تھا، پھر یہ آواز؟ وہ بے ساختہ پلٹی، لیکن کچھ نہیں تھا، کوئی بھی نہیں تھا۔

اس کی دھڑکن تیز ہو گئی، اور اسے یوں لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن فضا میں سنائی دے رہی ہو۔ وہ واپس پلٹی تو سامنے سے سارے پرندے غائب ہو چکے تھے۔ وہاں صرف سناٹا اور تنہائی باقی رہ گئی تھی۔

وہ خود کو یکایک بہت تنہا محسوس کرنے لگی۔ خوف اوہ خود کو یکایک بہت تنہا محسوس کرنے لگی۔ خوف اس کے دل میں گھر کرنے لگا اور وہ چیخنے کے قریب تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ "کون سا پرندہ؟ کون مجھے اس قید سے نجات دلائے گا؟" وہ بے اختیار پکار اٹھی، اور اس کی اپنی ہی آواز اسے واپس سنائی دی، جیسے صحرا اس کی بات دہرا رہا ہو۔

کون سا پرندہ؟ کون سا پرندہ؟ کیا کوئی اس قید سے مجھے بچائے گا؟ وہ خلق کے بل غرائی۔ اس کی آواز چاروں اطراف سے ہوتی دوبارہ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ پھر اچانک اسے قہقہوں کی آواز سنائی دی، جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ خطرناک قہقہوں کی گونج ہر جانب سے۔ یہ اس کے بخت کے قہقے تھے وہ جانتی تھی۔ وہ پہچانتی تھی۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی، آنسو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔ اس نے التجا بھری نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ یکایک منظر بدلنے لگا۔ افق پر چھایا نارنجی اور سنہری رنگ تاریکی میں تبدیل ہونے لگا۔ چند لمحوں میں، ہر طرف سیاہی چھا گئی۔ اس تاریکی میں دوبارہ پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ پھر دوبارہ ایک صدا، ایک آواز، اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ تمہاری قید کا ساتھی۔ وہ

تمہیں اس قید سے آزاد کروائے گا۔ سخت بھاری گرج دار آواز۔ قید کا ساتھی۔ دوبارہ دہرایا گیا۔ ہاہاہاہاہا۔ ایک اور قہقہہ۔

"تمہاری قید کا ساتھی۔ وہ تمہیں اس قید سے آزاد کرائے گا۔"

یہ الفاظ پھر دہرائے گئے۔ ایک اور قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔ افق کا سنہرا نارنجی رنگ سیاہی میں تبدیل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سیاہی ہی سیاہی ہو پھیل گئی۔ اسی لمحے، اس کی آنکھ کھلی اور اس نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے سرمئی دیواروں سے گرے کمرے میں پایا۔ کمرے کی تین دیواریں تھیں۔۔ چوتھی دیوار کی جگہ لوہے کی سلاخیں لگی تھیں، جو کمرے کو ایک جیل کی طرح بنا رہی تھیں۔ ان سلاخوں کے پیچھے، ایک اور تاریکی میں ڈوبا کمرہ نظر آتا تھا، جو برسوں سے خالی تھا۔ وہ کمرے کے کونے میں بیٹھی تھی، گھٹنوں کو سینے سے لپٹائے، بانہیں اپنے جسم کے گرد کس کر باندھی ہوئی تھیں، اور اس کے لمبے بھورے الجھے ہوئے بال زمین کو چھو رہے تھے۔

وہ تین سال سے قید میں تھی۔ اس کے پاس صرف ایک چھوٹی سی نوٹ بک، ایک ٹوٹا ہوا پین، اور اس کے ذہن میں گونجتی چند یادیں تھیں۔ اُس نے اپنی ہتھیلی کو شیشے کی کھڑکی پر رکھا۔ وہ اور کھڑکی، دونوں ایک دوسرے کی طرح تنہا تھے، دونوں بس کسی کی عدم موجودگی کے احساس میں موجود تھے۔

اس نے اپنے تقریباً بے کار پین کو دیکھا، جس میں بہت کم سیاہی باقی تھی، اور لکھنے کا ارادہ بدل لیا، کوشش ترک کر دی۔ اس نے اپنی چھوٹی نوٹ بک کو ایک رومال میں لپیٹ کر

دیوار میں دھکیل دیا۔ پھر وہ اپنے کپڑوں سے ڈھکے ہوئے پتلے بستر پر بیٹھ گئی اور اُس خواب کے بارے میں سوچنے لگی جو تقریباً ہر رات اس کے ذہن میں آتا تھا۔ وہ سو نہیں سکتی تھی۔ وہ دوبارہ ان قہقہوں کو سننے کی متحمل نہیں تھی۔ وہ اس خواب کو دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی، کیونکہ یہ خواب کہیں نہ کہیں اسے نجات کی امید دیتے تھے۔ قید سے نجات کی امید۔ اور امید اگر حقیقت میں تبدیل نہ ہو تو یہ تکلیف دیتی ہے۔ ایسی تکلیف سے ناامید رہنا بہتر ہے۔ وہ بھی ایسی امید سے ناامید رہنا چاہتی تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود، وہ لاشعوری طور پر اس قید کے ساتھی کا انتظار کرتی تھی۔ کبھی کبھی یہ انتظار اتنا طویل ہو جایا کرتا تھا کہ وہ نیند کی گہرائی میں چلی جاتی۔ لیکن آج... آج نا جانے کیوں اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

ایسے ہی الجھنوں میں مبتلا بیٹھے، اس نے دروازے میں کھڑکی نما سوراخ کے کھلنے کی طرف چرچراہٹ سنی۔ یہ سوراخ کھانا دینے یا زیادہ تر کوئی پیغام پہنچانے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اسے اُس سوراخ سے دو کان اور دو آنکھیں دکھائی دیں۔

تمہیں ایک سیلمیٹ مل رہا ہے۔ "اسے بتایا گیا۔"

ایک اور پاگل، بالکل تمہاری طرح! "انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔"

اس نے گہری سانس لی اور اپنے سر کو گھٹنوں میں چھپا لیا۔ یہ لوگ "درستور سوسائٹی" کے پیروکار تھے، ایک ایسی تنظیم جو معاشرے کو نئے سرے سے تشکیل دینے کی مہم چلا رہی تھی۔ وہی سوسائٹی جس نے اسے اس کے والدین کے گھر سے نکالا تھا اور ایک پاگل

خانے میں بند کر دیا تھا، اُس جرم کے لیے جو اس نے انجانے میں کیا تھا۔ وہی سوسائٹی جس نے اسے اپنے مرے ہوئے والدین کا چہرہ تک دیکھنے کی اجازت نہ دی، اور جنازے میں شرکت سے بھی محروم رکھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اسے ایک سفید اور سرخ وین میں آٹھ گھنٹوں تک سفر کروا کر، سیٹ کے ساتھ ہتھکڑیاں لگا کر لایا گیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے والدین نے اسے لے جانے پر کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ رخصت ہوتے وقت وہ روئی نہیں تھی۔ لیکن اسے جو نہیں تھا وہ یہ کہ باہر کی دنیا کیسی تھی۔ اسے اس دنیا کی ہلکی سی یادیں تھیں

کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ کھڑکی تھی۔ وہ زیادہ تر وقت کھڑکی کے پاس بیٹھ کر باہر دیکھتی رہتی۔ جب سورج غروب ہوتا تو بھورے، سرخ، پیلے، اور نارنجی رنگ آسمان پر پھیل جاتے۔ درختوں کی شاخیں ہوا میں لہراتیں، اور ہوا ان کے بوسیدہ پتوں کو نیچے دھکیل دیتی، اور وہ پتے بے بسی سے فوجیوں کے جوتوں تلے کچلے جانے کے لیے چھوڑ دیئے جاتے۔ اُس نے اپنی ہتھیلی کو شیشے کی کھڑکی پر رکھا۔ وہ اور کھڑکی دونوں تنہا تھے، دونوں کسی چیز کی عدم موجودگی کے احساس میں موجود تھے۔

صبح کی آواز دوبارہ اس کے کانوں میں گونجی۔ "ایک سیلمیٹ! مطلب میرے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔" اس نے خود کلامی کی۔

کسی حقیقی انسان سے بات کرنا شاید چیزوں کو آسان بنادے۔ وہ سارا دن مشق کرتی رہی، اپنے ہونٹوں کو ان الفاظ کے ارد گرد گھماتی رہی جواب اسے اجنبی لگنے لگے تھے۔ وہ حیران تھی کہ اسے بولنا یاد ہے۔

پھر اس نے دیوار سے اپنی چھوٹی نوٹ بک نکالی اور اپنے احساسات کو کاغذ پر اتارنے لگی۔ کچھ وقت بعد اس نے لکھنے کا ارادہ بدل دیا اور پھر سے خیالوں میں گم ہو گئی۔ شاید سیلمیٹ ہونا ٹھیک ہو۔ وہ انجانے میں سیلمیٹ کا انتظار کرنے لگی۔ انتظار اتنا طویل ہو گیا کہ وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

••••••☆☆☆••••••

جب وہ جاگی، تو اس کی آنکھیں دو آنکھوں کے سامنے تھیں۔ اس نے یک دم حلق میں آئی چیخ کو روکا اور خوف کے مارے بھاگنے کی کوشش کو دباتے ہوئے مفلوج ہو گئی۔

تم......" وہ بات مکمل نہ کر سکی۔ وہ جالیوں کے ساتھ ٹیک لگائے سو گئی تھی اور جب" اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

تو تم ایک لڑکی ہو۔" وہ مسکرایا، اس کی مسکراہٹ میں کوئی خوشی نہیں تھی۔ اس کی" آنکھوں میں مایوسی اور خوف تھا۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف لپک رہی تھیں جیسے وہ اتنی بار کھولنے کی ناکام کوشش کر چکی تھی کہ گنتی بھول گئی تھی۔

انہوں نے اسے ایک لڑکے کے ساتھ بند کر دیا تھا۔ ایک لڑکے کے ساتھ۔ یقیناً وہ اسے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

انہوں نے جان بوجھ کر یہ کیا تھا، جان بوجھ کر اس کے ساتھ والے سیل میں ایک لڑکا لایا ۔اسے اذیت دینے کے لیے، رات بھر اسے جاگتا رکھنے کے لیے۔تاکہ وہ اسے مار سکے، اور وہ اس کی موت کو حادثہ کا نام دے سکیں۔

اس لڑکے نے سیاہ شرٹ اور سیاہ ہی جینز پہن رکھی تھی۔ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑیں گئیں تھیں۔اس کی آنکھیں گہری سیاہ، بال گہرے بھورے، چہرہ سنجیدہ،اور جسم مضبوط تھا۔وہ خوبصورت تھا لیکن خطرناک۔

وہ ہنسا اور دیوار کے ساتھ رکھے اپنے بستر پر موجود معمولی سی رضائی کا جائزہ لیا، جو اس کے اوپری حصے کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔وہ گدے پر پھیل گیا۔ تکیہ گردن کے نیچے رکھا، دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔وہ اپنے بستر کے ایک کونے میں سمٹ گئی۔

یااللہ۔" وہ بہت خوفزدہ تھی، بہت مفلوج،اور بہت پریشان۔"

توتم... پاگل ہو؟اسی لیے یہاں ہو؟" دیوار سے ٹیک لگائے،اس نے پرسکون انداز میں" پوچھا۔

وہ پاگل نہیں تھی۔وہ بولنا چاہتی تھی، لیکن خاموش رہی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تاکہ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔"میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ اس کا یقین کرنا چاہتی تھی، مگر کر نہیں سکی۔

تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکے نے پوچھا۔ اس کے جواب نہ دینے پر اس نے دوبارہ پوچھا، "تمہارا نام کیا ہے؟" لیکن اس نے دوبارہ کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بستر کے ایک کونے میں سر گھٹنوں میں دیے بیٹھ گئی۔

••••••☆☆☆••••••

صبح اپنے ساتھ بارش کی خوشبو لے کر آئی۔

کمرہ گیلی مٹی اور بکھری ہوئی زمین کی مہک سے بھر گیا تھا۔ ہوا میں نمی اور مٹی کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور دبے قدموں کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ اپنی ناک کھڑکی کے ٹھنڈے شیشے سے لگادی اور سانسوں کی دھند کو شیشے پر پھیلتے ہوئے محسوس کیا۔ آنکھیں بند کیں اور بارش کے نرم اور مدھم شور کو سننے لگی۔ بارش کی بوندیں اسے یاد دلاتی تھیں کہ بادلوں کا بھی دل ہوتا ہے جو دھڑکتا ہے، جو بولتا نہیں مگر روتا ہے۔

وہ بارش کی ان ننھی بوندوں کے بارے میں سوچنے لگی، جو آسمان سے گرتی ہیں، لڑکھڑاتی ہیں، اور زمین پر پہنچ کر ٹوٹ جاتی ہیں۔ شاید وہ اپنے پیراشوٹ بھول جاتی ہیں، اسی لیے زمین پر گرتے ہی زخمی ہو جاتی ہیں۔

کھڑکی کے پار مناظر اسے بتاتے تھے کہ وہ پہاڑوں سے زیادہ دور نہیں تھی اور یقیناً پانی کے قریب تھی، لیکن آج کل سب کچھ پانی کے قریب ہی ہوتا ہے۔ اسے صرف یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس سمت کا سامنا کر رہی تھی۔ صبح کی ابتدائی روشنی میں وہ آنکھیں

سکوڑ کر باہر دیکھتی تھی۔ وہ سورج کو ایک لاپرواہ چیز کی طرح دیکھتی تھی جو کسی کی پرواہ کیے بغیر اپنے وقت پر غروب ہو جاتا تھا، اور یہ نہیں دیکھتا تھا کہ اس کی غیر موجودگی لوگوں کو کس طرح بدل دیتی ہے، وہ ہر طرف تاریکی چھوڑ جاتا ہے۔ اندھیرا۔

اچانک ایک ہلکی سی سرسراہٹ نے اسے قیدی کے جاگنے کا اشارہ دیا۔ وہ بے ساختہ ایسے مڑی، جیسے وہ چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔ ایک بار ایسا ہوا تھا، جب اس نے کھانا چوری کیا تھا، والدین نے اس کی وضاحت پر یقین نہیں کیا تھا کہ وہ گلی کے کنارے والی بلیوں کی مدد کر رہی تھی۔ لیکن ان کا یقین کبھی نہ بن سکا کہ وہ کسی جانور کا بھی خیال رکھ سکتی ہے، بلکہ ان کو تو کبھی بھی اس پر یقین نہیں آیا تھا۔ اور اسی شک نے اسے یہاں قید کر دیا تھا۔

قیدی اسے دیکھ رہا تھا۔ نیوی بلیو ٹی شرٹ، خاکی کارگو پینٹ، اور مضبوط سیاہ جوتوں میں ملبوس، وہ مکمل طور پر تیار تھا۔ اس کے برعکس، وہ لڑکی اپنے پرانے، پیوند زدہ کپڑوں میں، اور تھکے ہوئے مگر گلابی چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ قیدی کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں، اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے گالوں پر بہتی ہوئی گلابی رنگت کو صاف کیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ "مجھے مت دیکھو۔

وہ چاہتی تھی کہ قیدی کی نظریں اسے نہ چھوئیں۔ وہ اسے کسی ایسے کی یاد دلاتا تھا جسے وہ جانتی تھی۔ اس کی آنکھیں، وہ انہیں پہچانتی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" قیدی نے سر کو جھکاتے ہوئے پوچھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے ساکت ہو گئی، پلکیں جھپکائیں اور سانس روک لی۔ ایک طوفان تھا جو اس کی روح کو چیر رہا تھا۔

"تم یہاں کیوں ہو؟" اس نے نظریں کنکریٹ کی دیوار کی دراڑوں پر جمائے ہوئے سوال کیا۔ تین دیواروں میں آٹھ دراڑیں تھیں، جو سرمئی رنگ میں تھیں۔ فرش، چھت اور دیواریں سب کچھ ایک ہی پتھر کے تختے سے بنایا گیا تھا۔ بدحال پلنگ کا فریم۔ ایک چھوٹی سی مربع کھڑکی، جو توڑنے کے لیے بہت زیادہ مضبوط تھی۔ اس کی امید دم توڑ چکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا۔ اس کی انگلی فرش پر ایک سست راستہ تلاش کر رہی تھی۔

وہ فرش پر بیٹھ گئی جہاں دھات اور مٹی کی بو تھی۔ قیدی اس کے سامنے بیٹھا تھا، اس کی ٹانگیں اس کے نیچے فولڈ تھیں، اس کے جوتے اس جگہ کے لیے زیادہ چمکدار لگ رہے تھے۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے۔" یہ سوال نہیں تھا، بغیر کسی تاثر کے ایک بیان تھا۔

اس کی انگلیاں مٹھی میں بند ہو گئیں۔ "تم خطرناک ہو۔" وہ بمشکل بولی۔ شاید وہ جھوٹ بول رہی تھی، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

قیدی نے طنزیہ ہنسی ہنسی۔ اس کی آواز مردہ ہوا میں گونجی۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ ان نظروں سے نظر نہیں ملانا چاہتی تھی جو اس کی طرف گڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک

گہری سانس بھری اور باسی آکسیجن کا ذائقہ لیا۔ اسے اپنے گلے میں ایک جانی پہچانی گھٹن محسوس ہوئی، جیسے وہ کچھ نگلنے کی کوشش کر رہی ہو جسے وہ پہلے بھی سہہ چکی تھی۔

دروازے پر دو دستکوں نے اس کے منتشر خیالات کو اپنی جگہ پر واپس لایا۔

قیدی ایک لمحے میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور دروازے کو دیکھنے لگا۔

وہاں کوئی نہیں ہے۔" اس نے اسے بتایا۔ "یہ صرف ہمارا ناشتہ ہے۔" نا جانے کتنے ناشتے ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک نہیں جان پائی تھی کہ وہ جو کھا رہی تھی وہ کس چیز سے بنا تھا۔ اس کی بو بہت بری ہوتی تھی۔ ایک بے شکل چاولوں کا ڈھیر، بد شکل کھانا جو ہمیشہ ایک جیسا ہی دیا جاتا تھا۔ کبھی بہت میٹھا، کبھی بہت نمکین، ہمیشہ ناقابل برداشت۔ زیادہ تر وقت وہ اتنی بھوکی ہوتی کہ فرق محسوس کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ کر چھوٹی سی سلاٹ کھولی اور کھانے کی ٹرے اٹھائی۔ وہ بے اختیار چلایا۔

شٹ!" اس نے ٹرے پکڑتے ہی بے ساختہ پھینک دیا۔ اور اپنی ہتھیلی کو قمیض کے ساتھ رگڑنے لگا۔ "شٹ۔ شٹ۔" اس نے اپنی انگلیوں کو مٹھی میں بند کر لیا۔ اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔

ٹرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے تمہیں کم از کم چار منٹ انتظار کرنا چاہیے تھا۔" اس نے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ قیدی اپنے ہاتھوں پر موجود جلے ہوئے نشانات کو دیکھ رہا تھا۔ "مجھے لگتا ہے کہ وہ یہ جان بوجھ کر کرتے ہیں۔" اس نے دھیرے سے کہا اور اپنی

مٹھی کھول کر جلے ہوئے زخموں کے نشانات دیکھنے لگی۔ زخم بھر جاتے ہیں، نشان باقی رہ جاتے ہیں۔

"اوہ! تو تم مجھ سے بات کر رہی ہو؟" وہ غصے میں تھا۔ اس کی آنکھیں چند لمحوں کے لیے اس کی آنکھوں سے ملیں، پھر اس نے نظریں چرا لیں۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ شرمندہ تھا۔ اس کا تاثر مضبوط تھا۔ اتنا مضبوط کہ کسی لڑکی کے سامنے ایسی احمقانہ غلطی کرے، اتنا مضبوط کہ اپنے درد کو چھپا لے۔

"ان پرندوں میں سے ایک تمہیں لے جائے گا، تمہیں اس قید سے نکالے گا، وہ تمہارا قید کا ساتھی ہو گا۔" اسے اپنا خواب یاد آیا۔ "کیا یہ میرا قید کا ساتھی ہے؟ کیا یہ مجھے آزاد کرے گا؟ کیا میرے خواب سچے ہیں؟"

ہیلو، ڈائری۔ اس نے اپنی ڈائری کھولی اور ناکارہ پین سے لکھنا شروع کیا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میرے اندر کی تنہائی میری جلد سے باہر نکل کر پھٹنے والی ہے اور میں نہیں جانتی کہ رونا، چیخنا، یا ہنسنا کچھ بھی حل کرے گا۔ میں سمجھے جانے، پیار کیے جانے، اور محسوس کیے جانے کے لیے اتنی مایوس ہو جاتی ہوں کہ مجھے لگتا ہے کہ میں ایک متبادل کائنات کی ایک کھائی میں گرنے والی ہوں جہاں کوئی بھی مجھے کبھی تلاش نہیں کر سکے گا۔ میری اپنی ماں نے مجھے اپنی باہوں میں نہیں سمیٹا۔ میرے والد نے کبھی میرے سرد ہاتھوں کو گرم نہیں کیا۔ میں ایک ایسی دنیا میں رہتی ہوں جو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سالوں سے چیخ رہی ہوں اور کسی نے مجھے نہیں سنا۔" وہ اپنے خیالات میں

محو تھی جب قیدی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس نے ڈائری سے نظریں ہٹا کر قیدی کی طرف دیکھا جو جالیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا کھانے کی ٹرے کو دیکھ رہا تھا۔

تمہیں بھوک نہیں ہے؟"اس کی آواز اب نیچی تھی، تھوڑی پریشان۔"

میں سالوں سے بھوکی ہوں۔وہ اسے بتانا چاہتی تھی"نہیں"۔ایک ٹوٹی ہوئی سانس" اس کے ہونٹوں سے نکلی اور جب وہ پلٹی تو قیدی اسے گھور رہا تھا۔وہ اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔

اس کی آنکھیں۔ان آنکھوں میں کچھ تھا۔ایک لمحے کے لیے دنیا رک گئی۔

یہ وہ نہیں ہے۔یہ وہ نہیں ہے۔یہ وہ نہیں ہے۔"وہ خود سے کہتی رہی۔"

کیا ہوا؟"اس کی آواز حیرت کو چھپانے کی ناکام کوشش تھی۔"

کچھ نہیں۔"اس نے مختصر جواب دیا۔"

پھر اس نے دوبارہ نظریں اس شفاف مربع پر مرکوز کر لیں جو اس کی آزادی کے درمیان حائل تھا۔وہ اس کھڑکی کو توڑ کر باہر بھاگ جانا چاہتی تھی۔وہ بڑی، بہتر اور مضبوط ہونا چاہتی تھی۔وہ وہ پرندہ بننا چاہتی تھی جو اُڑ جائے، جو اس قید سے آزاد ہو جائے۔"تم کیا لکھ رہی ہو؟"قیدی نے دوبارہ سوال کیا۔"تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتی؟"وہ دوبارہ بولا۔

وہ سانس روک کر بیٹھی رہی۔اس کی نظریں کھڑکی پر مرکوز تھیں اور اس کا دماغ بے بسی کے جواز پر، کچھ نہ کرنے کے باوجود سب کچھ برباد کر دینے پر۔ "ان پرندوں میں سے "ایک پرندہ ہو گا۔ وہ اُڑے گا۔ وہ تمہیں آزاد کرے گا۔ وہ تمہارا قید کا ساتھی ہو گا۔

اگر تم مجھے جان جاؤ گے تو تم بھی چلے جاؤ گے۔ "اس نے سرگوشی کی۔ قیدی نے مزید" کچھ نہیں کہا۔

جب لوگ مجھے جاننے لگتے ہیں تو عجیب چیزیں ہوتی ہیں۔ بری چیزیں۔ مردہ" چیزیں۔ "وہ آنکھیں سکیڑے غور سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ دوبارہ ڈائری پر جھک گئی۔

!ہیلو دنیا

"مجھے بھول جاؤ۔ "

ٹھک ٹھک ٹھک۔

قیدی اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

یہ نہانے کا وقت ہے۔ "باہر سے آواز آئی۔"

دروازہ ایک گہرائی میں کھلا۔ وہاں نہ کوئی رنگ تھا، نہ روشنی، اور نہ کوئی امید تھی۔ صرف خوف تھا۔ کوئی الفاظ نہیں تھے، کوئی ہدایت نہیں تھی۔ بس ایک کھلا ہوا دروازہ تھا جو ہر بار ایک ہی پیغام دیتا تھا۔

"یہ کیا ہے؟ کیا وہ ہمیں باہر جانے دے رہے ہیں؟" اس نے چہرے پر حیرت اور نا سمجھی کے تاثرات چہرے پر لیے پوچھا۔

"وہ ہمیں کبھی باہر نہیں جانے دیں گے۔ یہ نہانے کا وقت ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"نہانے کا؟" اس کی آواز میں اب کوئی تاثرات باقی نہیں تھے لیکن تجسس ابھی بھی موجود تھا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں جلدی کرنی ہو گی۔"

"رکو۔ کیا؟" اس نے اس کے بازو کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔ "مگر وہاں روشنی نہیں ہے۔ ہم یہ بھی نہیں دیکھ سکتے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"جلدی کرو۔" اس نے نظریں فرش پر مرکوز کر لیں۔

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" دور سے ایک الارم بجا۔ بھنبھناہٹ لمحہ بہ لمحہ قریب آتی گئی۔ "جلد ہی پورا قید خانہ انتباہ کی آواز سے گونج اٹھا۔ "کچھ مت کہو۔

"لیکن..."

"کچھ نہیں۔" وہ غصے میں بولی۔ اور اسے اپنے ساتھ لے کر قید خانے کے پیچیدہ راستوں سے گزرنے لگی۔ یہ ایک گھر تھا۔ ایک 'مرکز برائے پریشان نوجوانوں کے لیے، ٹوٹے ہوئے خاندانوں کے نظر انداز کیے گئے بچوں کے لیے، ذہنی طور پر پریشان لوگوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک قید خانہ تھا۔ انہیں کچھ بھی نہیں کھلایا

جاتا تھا اور ان کی آنکھوں نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا، سوائے اس وقت کے جب شیشے کی دراڑوں سے روشنی اندر آتی تھی، جنہیں وہ کھڑکیاں کہتے تھے۔ راتیں چیخوں، سسکیوں، ہچکیوں اور اذیت ناک آوازوں سے بھری ہوتی تھیں۔ آوازیں سنائی دیتی تھیں، جو یا تو جبر یا اختیار سے پیدا ہوتیں۔ اس نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ کیوں۔ "میں نے پہلے چند مہینے اپنی بدبو میں گزارے۔ کسی نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ غسل خانے اور شاورز کہاں ہیں۔ یہاں کا نظام کیسے کام کرتا ہے؟ کوئی آپ سے بات نہیں کرتا جب تک کہ وہ کوئی بری خبر نہ ہو۔" اس نے قیدی کو بتایا۔

عمارت کے پیچیدہ راستوں میں، وہ اپنے سیلمیٹ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی حفاظت کرنے کی یہ خواہش اس کے اندر کی نرمی کو ظاہر کرتی تھی۔ یہ خوف اور نادانی کے درمیان پروان چڑھتا ہوا عجیب سا رشتہ تھا۔ شاید وہ ایک دوست کی تلاش میں تھی، اسی لیے وہ اسے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ اس دنیا میں جہاں خوف، تنہائی اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں تھا، اسے شاید ایک دوست چاہیے تھا۔

ابھی چھ فٹ کا فاصلہ طے کرنا ہے پھر جہاں دیوار کی کھردری سطح ہموار ہو جائے گی، "وہاں دائیں مڑنا ہے۔ دو فٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک لکڑی کا دروازہ آئے گا جس کا ہینڈل ٹوٹا ہوا ہے۔" اس نے راستہ بتایا۔ سیلمیٹ چند لمحوں تک خاموش رہا، اس کی خاموشی سے وہ پریشان ہونے لگی۔

کیا تم ابھی تک یہاں ہو؟" اس نے سوچا کہ شاید یہ ایک جال ہو۔ شاید وہ اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ وہ کبھی نہیں جان پائی کہ یہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ کبھی نہیں جان سکی کہ قید کافی ہو گی یا نہیں، لیکن وہ ہمیشہ یہی سوچتی رہی کہ وہ اسے قتل کر سکتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ایک ممکنہ حقیقت لگتی تھی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کی مستحق نہیں تھی۔ لیکن وہ یہاں اس بات کے لیے قید تھی جو اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا، اور کسی کو پرواہ نہیں تھی کہ یہ محض ایک حادثہ تھا۔

اس کے والدین نے کبھی اس کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس طرف۔" اس کی ہدایت پر اس نے دائیں جانب قدم اٹھایا۔ "اور ہاں۔" اس کی آواز پر وہ رکا۔ اندھیرے میں ہاتھ مارتے ہوئے اس نے صابن کے دو ٹکڑے ڈھونڈے، ایک دوسرے سے دوگنا بڑا تھا۔ "اپنا ہاتھ کھولو۔ یہ صابن ہے، اسے ضائع مت کرنا۔ "یہاں ہر روز صابن نہیں ملتا، آج ہم خوش قسمت ہیں۔

"کپڑوں کا کیا کریں گے؟"

"تمہیں انہیں اتارنا پڑے گا۔"

ایک ہنسی سنائی دی۔ "نہیں! مجھے پتہ ہے۔ میرا مطلب ہے کہ انہیں شاور کرتے وقت "کہاں رکھوں؟

کوشش کرو کہ انہیں گیلا نہ کرو۔ یہاں تولیے نہیں ہیں، اس لیے چال یہ ہے کہ جسم" کے کسی بھی حصے کو زیادہ پانی سے نہ بھگویا جائے۔ اگر ایسا کرو گے تو کبھی صحیح طریقے سے نہیں سوکھو گے اور اگلے ہفتے نمونیا سے مر جاؤ گے۔"

ہمارے پاس کتنا وقت ہے؟" سیلمیٹ نے گہری سانس لی۔"

"پانچ منٹ۔"

یاخدا! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" اور وہ اس کے بتائے ہوئے راستوں سے ہوتا ہوا حمام تک پہنچ گیا۔

جب وہ واپس اپنے سیل میں آیا تو وہ وہاں پہلے سے ہی موجود تھی۔ اس نے اپنے بال نچوڑ لیے تھے اور اپنے بوسیدہ لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے ٹینس جوتے وہ واحد چیز تھے جو ابھی تک اچھی حالت میں تھے۔ وہ زیادہ چلتی نہیں تھی، شاید اسی لیے۔ اسے دیکھ کر وہ خوش ہوئی کہ وہ جلدی سیکھ گیا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا۔" ویسے مجھے لگتا ہے کہ یہاں بہت کم لوگ ہیں۔ میں نے گن کر چار یا پانچ لوگ دیکھے ہیں۔"

ایسی بات نہیں ہے۔ یہاں بہت سے لوگ مقیم ہیں۔" اس نے کہنا شروع کیا۔" پاگل خانے کے رہائشی یا تو واقعی پاگل ہیں اور شاور کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکتے یا انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔" شاید وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

تمہارا نام کیا ہے؟" سیلمیٹ نے پوچھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے نہیں" معلوم کیوں، لیکن وہ اسے قابو میں نہیں کر پا رہی تھی۔" تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتیں؟"

تم جلدی یہاں ایڈجسٹ ہو جاؤ گے۔ "پچیس سالوں میں، اُس نے اس جیسے کسی کو" نہیں دیکھا تھا۔ پچیس سالوں میں، اُس نے اپنی عمر کے کسی لڑکے سے بات نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ ایک عفریت تھی۔ وہ کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر نہ سل گئیں۔ اُس کے پاس اُس کا بستر، اُس کا کمبل، اُس کا تکیہ تھا۔ شاید ابھی دوست بننے کا وقت نہیں آیا تھا۔ شاید اُس نے مدد کرنے میں جلد بازی کی تھی۔ شاید وہ واقعی صرف اسے تکلیف پہنچانے کے لیے یہاں تھا۔ لیکن اگر وہ گرم نہ رہی تو وہ بیمار ہو جائے گی۔ اس نے دل میں سوچا اور کمبل اٹھا کر اپنے کندھوں پر ڈال دیا۔

اسے بستر کے اسپرنگز کی چرچراہٹ سنائی دی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور فرش کو دیکھنے لگی۔ "تمہیں اس پتلے کمبل میں سردی لگ رہی ہو گی۔" وہ بوسیدہ کمبل کو یاد کرتے ہوئے بولی۔

نہیں۔ "وہ گہری سانس لیتے ہوئے نرمی سے بولا۔"

اس نے کندھوں پر بکھرا کمبل ایک طرف رکھا اور کھڑی ہو گئی۔ "کیا تمہیں بخار ہے؟" وہ اُس کے چہرے پر بخار کی علامات تلاش کرنے لگی۔ "کیا تمہیں چکر آ رہے ہیں؟ کیا تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے؟" وہ اپنی بیماری کی علامات یاد کرتے ہوئے سوال پر سوال کرنے لگی۔ جب ایک ہفتے تک، اُس کے جسم نے اسے بستر سے باندھ کر رکھا،

جب وہ دروازے تک رینگنے اور اپنے کھانے میں منہ کے بل گرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیسے زندہ بچی۔

تمہارا نام کیا ہے؟" یہ سوال وہ پہلے ہی چار بار پوچھ چکا تھا۔"

تم بیمار ہو سکتے ہو۔" وہ صرف یہ کہہ پائی۔"

"میں بیمار نہیں پڑوں گا۔ میں عام طور پر سردی میں ہی رہتا تھا۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "میں کل بہت غصے میں تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ تلخ رویہ اختیار کیا، مجھے افسوس ہے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ کل کھانے سے ہاتھ جلنے پر اس سے ذرا سا بدمزاج ہو گیا تھا۔ اُس نے نظریں ملانے کی ہمت کی۔ کیا واقعی کوئی اس سے معذرت کر رہا ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے؟ وہ کچھ پل ٹھہر کر اس قیدی کو دیکھتی رہی جس کی آنکھیں بالکل سیاہ رنگ کی تھیں۔ اُس کا چہرہ بے تاثر تھا، اُس کے نقوش محتاط انداز میں تراشے ہوئے تھے۔ جب سے وہ یہاں آیا تھا وہ پوری رات اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

تو تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتیں؟" وہ جالی کی طرف بڑھا اور وہ جم گئی۔"

"عالیانہ!" اس نے سرگوشی کی سی آواز میں بتایا۔ "میرا نام عالیانہ ہے۔"

اُس کے لب نرم پڑے اور وہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں لرزش پیدا کرنے والی حد تک جان لیوا تھی۔ "عالیانہ!" اس نے اُس کا نام دہرایا جیسے یہ لفظ اسے محظوظ کر رہا ہو، اسے خوشی دے رہا ہو۔ پچیس سالوں میں کسی نے اُس کا نام اس طرح نہیں لیا تھا۔

اُسے معلوم نہیں کہ یہ کب شروع ہوا۔ اُسے معلوم نہیں کہ یہ کیوں شروع ہوا۔ اُسے کچھ نہیں معلوم، سوائے چیخوں کے۔

اُس کی ماں کی چیخیں جب اُس کی غلطی سے اُس کی آٹھ سالہ بہن مر گئی تھی۔ اُس کے والد کی چیخیں جب اُنہیں پتا چلا کہ اُس نے اپنی بہن کے ساتھ کیا کیا۔ اور اُس کے والدین کی چیخیں جب وہ اُسے اُس کے کمرے میں بند کرتے اور کہتے کہ اُسے شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ اُسے اس گھر میں رہنے دے رہے ہیں، اُسے کھانا دے رہے ہیں۔ یہ انسانیت سے عاری سلوک اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا، جو ان کی اولاد تھی۔

تم نے ہماری زندگیاں برباد کر دیں" "تم نے ہماری خوشیاں چھین لیں۔ تمہاری ماں کی" تمام امیدیں ختم کر دیں۔ تمہیں نظر نہیں آتا کہ تم نے کیا کیا ہے۔ کیا تمہیں نہیں دکھتا کہ تم نے سب کچھ برباد کر دیا ہے؟" یہ سب سوال اس نے کئی بار سنے تھے۔

اُس نے جو کچھ برباد کیا، اُسے ٹھیک کرنے کی بہت کوشش کی۔ وہ بتانے کی کوشش کرتی کہ یہ سب ایک حادثہ تھا، ایک غلطی تھی۔ وہ ہر روز معافی مانگنے کی کوشش کرتی، اُمید

کرتی کہ شاید ایک دن وہ اُسے معاف کر دیں گے۔ وہ ہمیشہ بہتر بننے کی کوشش کرتی رہی، لیکن وہ یہ کبھی نہیں جان سکی کہ کیسے۔

دنیا گول نہیں ہے، دنیا چپٹی ہے۔ کیونکہ اُسے اس چپٹی دنیا کے ایک کنارے سے نیچے پھینک دیا گیا تھا، اور وہ سالوں سے دوبارہ اوپر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن جب کوئی آپ کو ہاتھ دینے کے لیے تیار نہ ہو تو کشش ثقل کو شکست دینا تقریباً ناممکن ہے۔

میں اتنا برا نہیں ہوں جتنا تمہیں شکل سے لگ رہا ہوں۔ "ایک دو تین سیکنڈز گزرے"

۔

میرا نام ارسل ہے۔ "اس نے لیٹتے ہوئے آہستگی سے بتایا۔"

ارسل۔ کتنا اچھا نام ہے۔ قیدی کا نام بہت خوبصورت تھا۔ یہ ایک ایسا نام تھا جو اُسے ہمیشہ سے پسند تھا۔

وہ وقت ضائع کیے بغیر اپنے بستر کی طرف بڑھی اور تھکن سے چور بستر پر گر گئی۔ دھات کے کنڈلوں نے اُس کی جلد پر زخم کرنے کی دھمکی دی، لیکن وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اُسے یہ محسوس تک نہیں ہوا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے وہ سوئی نہیں تھی۔ اور اب، جب وہ آخرکار نیند کے آگے ہار ماننے کو تھی، صرف ایک ہی خیال اُس کے ذہن میں آ رہا تھا۔ "ارسل ایک اچھا نام ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

"میں پاگل نہیں ہوں۔"

میں پاگل نہیں ہوں۔" یہ جملے اُس کے دماغ میں بار بار گونج رہے تھے۔ خوف نے اُس" کی پلکیں کھول دیں۔ اُس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا، دماغ میں درد بھری یادیں گردش کر رہی تھیں، جنہیں وہ بھول نہیں پائی تھی۔ اندھیرے میں گھورتی اُس کی آنکھیں خالی دیواروں پر ٹھہر گئیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنی دیر سوئی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اُس کی چیخوں نے اُس کے ساتھی قیدی کو ڈرایا یا نہیں۔ کبھی کبھی، نیند میں، وہ زور زور سے چیخ اٹھتی تھی۔

ارسل جالی کے پیچھے سے اُسے گھور رہا تھا۔ عالیانہ کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔ وہ بمشکل اپنے آپ کو سیدھا کر پائی۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھی، اور اگلے ہی لمحے ارسل نے جالی کے پار سے اپنا کمبل اُس کی جانب بڑھایا۔ وہ اتنی تکلیف میں تھی کہ بغیر کچھ سوچے کمبل کو اپنے جسم کے قریب کھینچ لیا۔ پھر اُسے احساس ہوا کہ اُس نے ارسل کا واحد کمبل لے لیا ہے۔ یہ خیال اُس کے ذہن میں نہیں آیا کہ ارسل بھی اُتنی ہی سردی محسوس کر رہا ہوگا جتنی وہ محسوس کر رہی ہے۔

رات کے اندھیرے میں، ارسل کا جسم ساکت تھا اور اُس کا سایہ سیاہ پس منظر میں مضبوط دکھائی دے رہا تھا۔ "اس جگہ پر چیخیں کبھی نہیں رکتی، نہیں؟" اُس نے ایک پل کے لیے سوچا، پھر پوچھا۔

"نہیں۔" اُس نے آہستگی سے جواب دیا۔ اُس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا، ارسل نے ضرور اُس کی چیخیں سنی ہوں گی۔ کبھی کبھی وہ چاہتی تھی کہ وہ کبھی نہ سوئے۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کہ اگر وہ بالکل بھی حرکت نہ کرے تو شاید وقت رک جائے اور درد بھی ختم ہو جائے۔ وہ گھنٹوں تک حرکت نہ کرتی، اپنے جسم کو ایک مقام پر منجمد کر لیتی۔ اگر وقت رک جائے تو کچھ بھی غلط نہیں ہو سکتا۔

"تم ٹھیک ہو؟" ارسل کی آواز میں فکر نمایاں تھی۔ کچھ گھنٹے پہلے وہ لاپرواہ لگ رہا تھا، لیکن اب وہ بہت محتاط اور خاموش تھا۔ اُس نے کیا سنا ہو گا جب وہ سو رہی تھی؟ وہ خود سے سوال کرنے لگی۔

وہ چاہتی تھی کہ ارسل کو اپنی دہشت سے بچا لے۔ کہیں دور سے ایک اذیت ناک چیخ سنائی دی، جس نے اُس کے ذہن کو جھنجھوڑ دیا۔ کنکریٹ کی موٹی دیواروں کے پیچھے دفن اس کمرے میں، چیخ کی گونج مدھم تھی، لیکن پھر بھی ناقابلِ برداشت۔ ہر رات ایسی آوازیں آتی تھیں جو وہ سن نہیں پاتی تھی، لیکن محسوس کر سکتی تھی۔ ہر رات وہ سوچتی تھی کہ شاید اگلی باری اُس کی ہو۔

"تم پاگل نہیں ہو۔" ارسل کی آواز پر وہ چونکی۔ اُس نے سر جھکایا، اور آنکھیں اُس پر مرکوز کر لیں۔ کھڑکی سے چاند کی چاندنی کمرے میں مدھم سی روشنی پیدا کر رہی تھی۔

"میں نے سوچا تھا کہ یہاں ہر کوئی پاگل ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ انہوں نے مجھے ایک پاگل کے ساتھ بند کر دیا ہے۔"

میں نے بھی یہی سوچا تھا۔"اُس نے گہری سانس لی۔ "

چند سیکنڈ خاموشی میں گزر گئے، پھر ارسل نے اسے ایک وسیع اور مسرت بخش مسکراہٹ دی، جو اُس کے جسم میں بجلی بن کر کوند گئی۔ اُس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی، اور اُس کے گھٹنے لرزنے لگے۔ تین سالوں سے اُس نے ایسی مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ ارسل کھڑا ہو گیا۔

عالیانہ نے اپنا کمبل ارسل کی طرف بڑھایا، لیکن اُس نے منع کرتے ہوئے کہا کہ اُسے سردی نہیں لگ رہی۔ "کیا ہوا؟" کچھ پل کے بعد ارسل نے دوبارہ پوچھا۔

کچھ نہیں۔"اُس نے جواب دیا اور کپڑے میں لپٹی اپنی چھوٹی ڈائری نکالی۔ "

!ہیلو ڈائری

یہ قید خانہ ایک خوفناک جگہ ہے، ایک ایسی جگہ جہاں چیخیں رات بھر گونجتی ہیں، جہاں" دیواروں کے پیچھے موجود زندگیاں اذیت میں سسک رہی ہیں۔ یہاں کوئی روشنی نہیں " ہے، صرف اندھیرا ہے۔ یہاں صرف خوف ہے جو ہر جگہ چھایا ہوا ہے۔

سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ارسل کی آواز پر وہ چونکی۔ پین اس کے ہاتھ سے چھوٹ " گیا۔ اس نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر ارسل کو دیکھا۔ وہ دیوار سے سر ٹکائے ایک بازو گھٹنے پر رکھے بیٹھا تھا۔

کیا کہا؟" وہ بمشکل کہہ پائی۔ "

میں نے کہا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اتنے سالوں میں کبھی" کسی نے اسے تسلی نہیں دی تھی۔ اتنے پر سکون الفاظ۔ چاشنی سے لپٹے الفاظ۔

ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ بار بار یہی بات دہراتا رہا۔"

••••••☆☆☆••••••

آج برفباری ہو رہی تھی۔ آج اس کی مربع کھڑکی سے چاند نظر نہیں آ رہا تھا، وہ بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ چاند ہمیشہ سے اس کا وفادار ساتھی رہا تھا، وہ کبھی بھی اسے تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ چاند ہر وقت موجود ہوتا ہے، سب کچھ دیکھتا ہے، اور ہمارے روشن و تاریک لمحات کا گواہ بنتا ہے۔ چاند انسانوں کی طرح بدلتا رہتا ہے، روز اپنے آپ کا نیا روپ دکھاتا ہے۔ کبھی مدھم، کبھی کمزور، کبھی بھرپور اور کبھی روشنی سے لبریز۔

وہ کھڑکی کے باہر برف کے سفید منظر کو اتنی دیر تک گھورتی رہی کہ خود کو بھول گئی۔ ایک برف کا گولا پکڑنے کے لیے اس نے ہاتھ باہر نکالنا چاہا، مگر اس کی مٹھی میں صرف سرد ہوا قید ہوئی۔ خالی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی مٹھی کو کھڑکی کے پار لے جا کر کسی چیز کو محسوس کر سکے، صرف اس احساس کے لیے کہ وہ بھی انسان ہے، زندہ ہے۔

کیا ٹائم ہوا ہے؟" اچانک آواز نے اسے اپنی سوچوں کی گہرائی سے واپس کھینچ لیا۔"

مجھے نہیں معلوم۔" اس نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا" کہ کیا وقت ہوا ہے۔ اسے دن، ہفتے، مہینے اور موسموں کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ اب تو اسے یہ جاننے کی پروا بھی نہیں تھی۔

"درستور حکومت نے کہا تھا کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔ لیکن اگرچہ لوگوں کی زندگی میں تھوڑا سا سکون آیا، پھر بھی زیادہ تر لوگ بھری ہوئی بندوقوں کی نال سے مارے جا رہے ہیں، نہ کہ خالی پیٹ سے۔ حالات دن بدن خراب ہو رہے ہیں۔"

"تمہیں یاد ہے کہ 'درستور' نے کہا تھا کہ امن قائم کرنے کے لیے انہیں معاشرے پر کنٹرول حاصل کرنا ہوگا؟ کہ سب مخالف آوازوں کو دبانا ہوگا؟ تمہیں یاد ہے؟" ارسل نے سوال کیا۔ اس نے خاموشی سے سر ہلاتے ہوئے ہاں کہا۔ یہ اسے ہمیشہ سے یاد تھا، غصہ، احتجاج، جوش۔

باہر کی دنیا میں لوگ مر رہے تھے۔ پرندے نظر نہیں آتے تھے۔ فصلیں سوکھ رہی تھیں۔ پھول تقریباً ناپید ہو چکے تھے۔ موسم غیر یقینی ہو چکے تھے۔ کبھی کبھار سردیوں کے دنوں میں درجہ حرارت نوے ڈگری تک پہنچ جاتا تھا، اور کبھی کبھار بنا کسی وجہ کے برفباری ہونے لگتی تھی۔ کسانوں کے لیے خوراک پیدا کرنا مشکل ہو چکا تھا۔

"درستور نے کہا تھا کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر دیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف چیزوں کو بگاڑ رہے ہیں۔" ارسل کی آواز میں مایوسی نمایاں تھی۔ "وہ جانوروں، پودوں اور انسانوں سب کو برباد کر رہے ہیں۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، پرانی یادوں کو ذہن سے نکالنے کی ناکام کوشش کی، لیکن وہ یادیں پھر بھی واپس آ گئیں۔ احتجاج، چیخیں، بھوکے بچے، جلتے دیہات۔

درستور حکومت اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔"ارسل نے کہا۔"
"""باغیوں سے لڑ رہی ہے جو اس نظام کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

اور پھر وہ سوچنے لگی کہ وہ لوگ جنہیں وہ جانتی تھی کہاں ہوں گے؟ کیا وہ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں؟ کتنے لوگ زمین میں دفن ہو چکے ہوں گے، اور کتنے قتل ہو چکے ہوں گے؟

وہ سب کچھ تباہ کر رہے ہیں۔"ارسل نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔"کتابیں، عمارت، "تاریخ کی ہر علامت۔ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دوبارہ شروع کرنا ہوگا، کہ پرانی نسلوں کی غلطیوں کو نہیں دہرایا جاسکتا۔"دروازے پر دوبار دستک ہوئی، اور وہ دونوں ہوشیار ہو "گئے۔ارسل نے بھنویں اٹھائیں۔"ناشتہ؟

چار منٹ انتظار کرو۔"اس نے یاد دلایا۔بھوک ان کے اندر چھپی ہوئی تھی، دروازے" کی دستک ہمیشہ ان کے صبر کو توڑ دیتی تھی۔

ارسل کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ آئی۔"ہاں! میں نہیں چاہتا کہ میرا ہاتھ جل جائے۔"وہ خاموشی کا مجسمہ بنی کھڑی رہی۔

مجھے اب بھی سمجھ نہیں آتا کہ تم یہاں کیوں ہو؟"ارسل نے دھیمی آواز میں پوچھا۔"

تم اتنے سوال کیوں پوچھتے ہو؟"اس نے پلٹ کر سوال کیا۔"

تمہاری آنکھیں بہت گہری ہیں۔اتنی پر سکون، میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی "ہو۔

تمہیں نہیں جاننا چاہیے۔"اس کی آواز میں لرزش تھی۔"میرے بارے میں جاننا" تمہارے لیے بہتر نہیں ہو گا۔"اس نے ارسل کی آنکھوں میں دیکھا، مگر فوراً نظریں چرا لیں۔وہ ان آنکھوں کو پہچان چکی تھی، حالانکہ وہ نہیں پہچاننا چاہتی تھی۔وہ ان آنکھوں کو ہزاروں میں بھی پہچان سکتی تھی۔وہ پانچ سال تک ایک ہی اسکول میں پڑھتے رہے تھے، لیکن ارسل نے اسے نہیں پہچانا تھا۔اسکول میں بھی وہ تنہا رہتی تھی، کسی کو اس میں دلچسپی نہیں تھی۔

ہاں، شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔"ارسل نے ہنستے ہوئے کہا۔اور اس کا ہنسنا اس کی آنکھوں "کی روشنی کو زندہ کر گیا۔

"پھر اس نے خود سے سر جھٹکا اور اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔"شاید میں پاگل ہوں۔

کیا؟"عالیانہ نے پوچھا۔"

"شاید میں واقعی پاگل ہوں۔"

••••••☆☆☆••••••

عالیانہ؟"عالیانہ کا سر بے اختیار اوپر اٹھا۔"

ارسل کی آنکھیں تشویش اور فکر سے بھری ہوئی تھیں، وہ اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

عالیانہ نے فوراً نظریں چرا لیں۔

تو، کیا وہ ہمیں دن میں صرف ایک بار کھانا دیتے ہیں؟" اس نے گلا صاف کرتے ہوئے" پوچھا۔ اس سوال پر دونوں کے چہرے چھوٹے دروازے کی درز کی طرف مڑ گئے۔

عالیانہ نے اپنے گھٹنے سینے سے لگا لیے اور کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی، اس دھاتی چیز کو نظرانداز کرتے ہوئے جو اس کی جلد میں چبھ رہی تھی۔

کھانے کا کوئی نظام نہیں ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ اس کی انگلی کمبل کے" کھردرے مواد پر لکیریں بنا رہی تھی۔ "عام طور پر صبح کچھ کھانا مل جاتا ہے، لیکن باقی وقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ کبھی... ہم خوش نصیب ہوتے ہیں۔" اس کی نظریں دیوار میں لگی چھوٹی کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ گلابی اور سرخ روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی، جیسے ایک اور دن کا آغاز ہو رہا ہو۔ وہی پرانا انجام، اور ایک اور دن کا آغاز۔ شاید آج کوئی پرندہ اسے اڑا کر لے جائے۔

"تو وہ دروازہ دن میں صرف ایک بار کھولتے ہیں؟ بس یہی؟"

اس کے دماغ میں اس پرندے کا خیال آیا، جو اسے قید سے آزاد کروا سکتا تھا۔ "ہاں! یہی "ہے۔

کوئی... گروپ تھراپی نہیں ہے؟" عالیانہ کی آنکھیں اس کی جانب اٹھیں۔ "جب" "تک تم یہاں نہیں آئے، میں نے تین سالوں میں ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔

ارسل یک دم خاموش ہو گیا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اس نے کچھ محسوس کیا تھا۔ کچھ "پل گزرنے کے بعد اس نے دوبارہ سوال کیا۔ "تم یہاں کتنے عرصے کے لیے ہو؟

مجھے نہیں معلوم۔" دور کہیں ایک مشین کی آواز سنائی دے رہی تھی، جو کرچ کرچ کر رہی تھی۔اس کی زندگی چار دیواروں میں مقید گمشدہ مواقع کی ایک ٹھوس شکل بن گئی تھی۔

تمہارے خاندان کا کیا حال ہے؟" ارسل نے سنجیدگی سے پوچھا۔"

وہ مر چکے ہیں۔مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں دفن ہیں۔" وہ اپنے خالی" ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔"تم یہاں کیوں ہو؟" عالیانہ نے اپنے ہاتھوں پر موجود زخموں کے نشانات کو دیکھا، پتلی انگلیوں کو مٹھی میں بند کیا اور کشیدگی دور کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ ارسل نے ابھی تک جواب نہیں دیا تھا۔

عالیانہ نے اس کی جانب دیکھا۔

میں پاگل نہیں ہوں۔" ارسل نے دھیرے سے بتایا۔عالیانہ نے سر ہلایا۔" یہ بات ہم سب کہتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے اپنے سر کو جھٹکا، بس تھوڑا سا۔ پھر اپنی ہونٹوں کو کاٹتے ہوئے، اس کی نظریں دوبارہ کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔

تم ہمیشہ باہر کیوں دیکھتی رہتی ہو؟" ارسل نے سوال کیا۔"

وہ اس کے سوالات سے پریشان نہیں تھی۔بس یہ عجیب تھا کہ اتنے برسوں بعد اسے کسی سے بات کرنا پڑ رہی تھی۔ عجیب تھا کہ اسے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر الفاظ بنانے کے لیے توانائی صرف کرنی پڑ رہی تھی۔کوئی اتنے عرصے سے پرواہ نہیں کرتا تھا۔کوئی اس قدر قریب نہیں آیا تھا کہ یہ سوال کرے کہ وہ کھڑکی سے باہر کیوں دیکھتی

تھی۔ کوئی بھی اسے نہیں سمجھتا تھا، کوئی بھی اس سے بات نہیں کرتا تھا، سوال نہیں کرتا تھا۔ شاید ارسل کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عالیانہ کے اندر کیا چھپا ہوا تھا۔ جب اسے معلوم ہو گا تو وہ بھی باقیوں کی طرح چلا جائے گا، اور وہ پھر تنہا رہ جائے گی۔

وہ جواب دینا بھول گئی۔ ارسل ابھی بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

عالیانہ نے چہرے پر آئے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا، کچھ کہنے کا ارادہ کیا، پھر بدل دیا۔

"تم ہر وقت کھڑکی سے باہر کیوں دیکھتی رہتی ہو؟" اس نے دہرایا۔ جب عالیانہ نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے مزید کہنا شروع کیا۔ "میں نے سوچا کہ وہ مجھے ایک لڑکی کے ساتھ قید کر رہے ہیں کیونکہ وہ پاگل ہے۔ خطرناک ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ مجھے ایک نفسیاتی مریض کے ساتھ رکھ کر اذیت دے رہے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ تم میری سزا ہو۔"

"شاید تمہارا سوچنا درست ہو۔" عالیانہ نے زخمی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

ارسل نے نظریں جھکا لیں۔ "تم نے میری مدد کیوں کی؟ تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا؟"

اس نے اپنی انگلیوں کو گننا شروع کیا۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

"تم نے میری مدد نہیں کی یا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں؟"

اس سب میں پہلی بار عالیانہ نے ہچکچاتے ہوئے اس کا نام پکارا۔"ارسل !"اس کا نام اس کے ہونٹوں پر آیا اور وہ حیران رہ گئی کہ یہ نام کتنی آسانی سے اس کی زبان سے نکل گیا۔ارسل تقریباً اتنی ہی خاموشی سے بیٹھا تھا جتنی عالیانہ۔اس کی آنکھوں میں ایک نئے قسم کے جذبات تھے جو عالیانہ کو سمجھ نہیں آرہے تھے۔ارسل نے آہستہ سے جواب "دیا۔"ہاں؟

باہر کی دنیا کیسی ہے؟"اس کا ہر لفظ پچھلے سے زیادہ مدھم تھا۔"کیا وہ اس جگہ سے بھی "بری ہے؟

ارسل کے چہرے پر درد کی ایک لہر ابھری۔اسے جواب دینے میں کچھ دیر لگی۔وہ کھڑکی "کی جانب دیکھنے لگا۔"سچ کہوں تو مجھے نہیں معلوم کہ یہاں ہونا بہتر ہے یا باہر ہونا۔

عالیانہ نے اس کی نظروں کا پیچھا کیا جو حقیقت سے جدا ہوتی کھڑکی پر جا ٹکی تھیں۔وہ اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"تمہیں پتہ ہے 'درستور' ایک بین الاقوامی تحریک تھی؟"

نہیں! مجھے نہیں معلوم۔"عالیانہ نے جھوٹ بولا۔اس نے یہ نہیں بتایا کہ اسے تین" سال پہلے اس کے گھر سے زبردستی اٹھا کر لے جایا گیا تھا۔اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ 'درستور تحریک' کے آغاز کے صرف چار ماہ بعد اسے قید کر لیا گیا تھا۔اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ اس نئی دنیا کے بارے میں کتنا کم جانتی ہے۔وہ نہیں بھولی تھی کہ جب

'درستور' کی تحریک زور پکڑ رہی تھی تو کیا ہو رہا تھا۔ اجتماعات، چیخ و پکار، قتل، غصہ، ہنگامے، اور جوش۔ اسے سب یاد تھا۔

ارسل بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "درستور نے ہر شہر میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا ہے۔ وہ اپنے رہنماؤں کو کنٹرول کر رہے ہیں اور ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، ہر حصہ ایک طاقتور شخص کے ماتحت ہے۔"

انہوں نے لوگوں کا اعتماد جیت لیا تھس۔ انہوں نے کہا کہ کسی کو معاشرے کو بچانا ہوگا، امن بحال کرنا ہوگا، اور مخالف آوازوں کو دبانا ہوگا تاکہ امن قائم ہو سکے۔" اس نے ایک زخمی آہ بھری۔ "مگر یہ سب جھوٹ تھا۔ ہر وعدہ جھوٹا تھا۔ وہ سب کچھ قابو میں لے چکے ہیں۔ باہر کی دنیا میں لوگ بھوک سے نہیں بلکہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پر مر رہے ہیں۔ عالیانہ! باہر کے حالات بہت بدتر ہیں، بہت بدتر۔" ارسل کا چہرہ بے چینی سے بھر گیا، درد کی ایک چھاپ اس کے چہرے پر ظاہر ہونے لگی تھی۔ کچھ پل ایسے ہی بیٹھنے کے بعد وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔

"ان پرندوں میں سے ایک پرندہ تمہیں اُڑا کر لے جائے گا، وہ تمہیں قید سے نکالے گا، وہ تمہارا ساتھی ہوگا۔" اس کی سماعت میں وہی آواز پھر سے گونجی۔ کیا اس کا خواب سچا ہو سکتا ہے؟ کیا واقعی ارسل وہ پرندہ تھا؟ مگر یہ ناممکن لگتا تھا، کیونکہ وہ خود مایوس معلوم لگتا تھا، اس نے کبھی بھی رہائی کی بات نہیں کی۔ خود سے یہ سوالات کرتے کرتے عالیانہ کی آنکھ لگ گئی، اور وہ بے آرام بستر پر سکون کی حالت میں سو گئی۔

••••••☆☆☆••••••

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟ تم سارا دن کونے میں بیٹھی رہتی ہو، ڈائری لکھتی رہتی ہو، میرے سوا ہر چیز کو دیکھتی ہو۔ تمہیں کاغذ کے ٹکڑے سے اتنی باتیں کرنی ہیں، مگر میں یہاں ہوں، اور تم مجھ سے بات تک نہیں کرتیں۔ میں تم سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں، پر تم مجھے نظر انداز کر دیتی ہو۔ عالیانہ! پلیز۔" ارسل نے زخمی انداز میں کہا۔ عالیانہ نے کوئی جواب دیے بغیر منہ موڑ لیا۔

"تم مجھے دیکھ کیوں نہیں رہی؟ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"ہم دونوں ایک ماہ سے سیلمیٹس ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے جانتے ہو، اور اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے جانتے ہو، تو تم غلط ہو۔ تمہیں میرے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ شاید... شاید میں واقعی پاگل ہوں۔"

"تم پاگل نہیں ہو۔" وہ دبی آواز سے بولا۔ "تم جانتی ہو کہ تم پاگل نہیں ہو۔" اس نے دہرایا۔

"تو پھر تم پاگل ہو۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی ایک تو پاگل ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ سچ نہیں ہے۔ تم جانتی ہو۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم یہاں کیوں ہو ارسل؟ اگر تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تو تم پاگل خانے میں کیا کر رہے ہو؟ اگر تم پاگل نہیں ہو، تو پھر یہاں کیا کر رہے ہو؟"

جب سے میں یہاں آیا ہوں، میں بھی تم سے یہی سوال پوچھ رہا ہوں۔" ارسل نے الٹا سوال کیا۔

"تم بہت زیادہ سوالات کرتے ہو۔ وہ ایک تلخ ہنسی ہنسا۔" اس جگہ پر شاید صرف ہم دو ہی لوگ زندہ ہیں اور تم مجھے بھی اپنے سے دور کرنا چاہتی ہو؟"

"کیا میں تمہیں اتنا برا لگتا ہوں؟" اس کا لہجہ، اس کا انداز ایسا تھا کہ اس نے خود کو اس کے الفاظ میں پھنسے ہوئے پایا، اتنی گہرائی میں کہ وہ لمحاتی طور پر خود کو بھول گئی۔ اس نے ارسل کو دیکھا جو اسے گھور رہا تھا، اس کا چہرہ سخت تھا، اس کے بال الجھے ہوئے، ہاتھ پہلو میں گرے تھے۔ اس کی آنکھیں پانی کے تالاب کی طرح تھیں۔ گہری۔ تازہ۔ صاف۔

"تم ایک سادہ سے سوال بھی جواب نہیں دے سکتیں؟" ارسل نے سر جھٹکا اور چہرا دیوار کی جانب پھیر لیا۔ اس کے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ محسوس نہیں کیا۔ وہ کچھ نہیں تھی۔ وہ خالی تھی۔ بے حس و حرکت۔ وہ اپنے جوتے کے قریب ایک چھوٹی سی دراڑ کو گھورنے لگی، ایسے جیسے وہ ہمیشہ کے لیے اس پر نظریں جمائے رکھ سکتی ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، خیالات بکھر گئے، یادیں اس کے دل میں اُمڈ آئیں۔ وہ اسے جانتی تھی۔

اس نے اس کے بارے میں سوچنا بند کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس نے اس کا چہرہ بھولنے کی بہت کوشش کی تھی۔ اس نے ان سیاہ آنکھوں کو اپنے دماغ سے نکالنے کی

بہت کوشش کی تھی، لیکن وہ اسے جانتی تھی۔ وہ اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے دیکھے ہوئے بارہ سال بیت گئے تھے۔ وہ ارسل کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ لیکن وہ پہلے ہی اسے بھول چکا تھا۔

ارسل اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔ شاید یہ بہتر تھا۔ اس امید کو چھوڑ دینا کہ وہ دوست بن سکتے ہیں، بے مقصد تھا۔ شاید یہ بہتر تھا کہ وہ سمجھے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی بجائے اس کے کہ وہ جانے کہ وہ اسے کتنا پسند کرتی ہے۔ وہ بھی بہت کچھ چھپا رہا تھا، ایسے راز جو شاید تکلیف دہ ہو سکتے تھے۔ اس کے راز اسے ڈراتے تھے۔ وہ
اسے بتاتا نہیں تھا کہ وہ یہاں کیوں ہے، حالانکہ وہ خود بھی نہیں بتاتی تھی۔ گزشتہ رات اس کی تسلی کے دو بول اس کے لیے ایک تحفہ تھے جس کا بدلہ وہ کبھی نہیں دے سکتی تھی۔

یہ ایک چلتی پھرتی مصیبت ہے۔ "اساتذہ نے کہا تھا۔ "ہم اسے گرفتار کرنے آئے ہیں۔" پولیس افسران نے کہا تھا۔ "ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔" اس کے والدین نے کہا تھا۔ شاید دنیا اس کے سیل میں بند ہونے سے محفوظ تھی۔ شاید ارسل محفوظ تھا اگر وہ اس سے نفرت کرے۔ وہ کونے میں بیٹھا تھا، اس کی بند مٹھیاں اس کے چہرے پر دھری ہوئی تھیں۔

وہ کبھی بھی اس واحد شخص کو تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی تھی جو اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔تب ہی اچانک دروازہ کھلا اور پانچ مسلح لمبے چوڑے آدمی کمرے میں داخل ہوئے،ان کی رائفلزان کے سینے پر تنی ہوئی تھیں۔

ارسل فوراً کھڑا ہوا ،عالیانہ پتھر کی ہو گئی۔وہ سانس لینا بھول گئی۔اس نے اتنے عرصے سے اتنے لوگوں کو نہیں دیکھا تھا،وہ لمحے بھر کے لیے حیران رہ گئی۔اس نے سوچا اسے چیخنا چاہیے۔"ہاتھ اوپر، پاؤں الگ۔منہ بند۔کوئی حرکت نہیں،ورنہ ہم تمھیں گولی مار دیں گے۔"

••••••☆☆☆••••••

وہ بے حرکت، سسد وساکت کھڑی رہی، جیسے کوئی نادیدہ قوت اسے روک رہی ہو۔اس کا سانس گھٹنے لگا اور اس نے اپنی گردن پر کسی چیز کی ٹھنڈک محسوس کی۔ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔حکم دینے والے شخص نے آگے بڑھ کر اپنی بندوق کے بٹ سے اس کے سر کے پیچھے ضرب لگائی۔وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گری ۔اس کے گھٹنے ٹھنڈے، سخت فرش سے ٹکرائے۔درد کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔جیسے ہی اس نے ہوا کے لیے ہانپتے ہوئے سانس لیا،اس نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس کیا۔

"عالیانہ!عالیانہ!"کوئی اس کا نام پکار رہا تھا۔

ارسل کی آواز اسے بمشکل سنائی دی، اس کی آواز بے بس تھی۔ اس نے بمشکل سر اٹھا کر ارسل کو دیکھا، جسے دو ہٹے کٹے آدمیوں نے اپنے آہنی شکنجے میں لے رکھا تھا۔ وہ ان کے قابو سے باہر تھا۔

اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں، دنیا اسے گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ درد کی شدت ہر چیز پر غالب آ چکی تھی، اور وہ بے حس و حرکت، نہ کوئی جواب دے سکتی تھی اور نہ اپنے دفاع میں کچھ کر سکتی تھی۔

تمہیں منہ بند رکھنے کی بات نہیں سمجھ آتی؟" عالیانہ نے ارسل کی تکلیف بھری آہ" سنی۔ ایک اجنبی کی آواز، جو سخت اور بے رحم تھی۔ اس نے سر کو اتنا موڑا کہ وہ دیکھ سکے کہ ایک آدمی نے ارسل کے چہرے سے صرف دو انچ کے فاصلے پر بندوق کی نال تانی ہوئی تھی۔

"!اٹھو"

ایک بھاری گرجدار آواز سنائی دی۔ پھر اس کی پسلیوں میں چمڑے کے نوکیلے جوتے کی ضرب لگی۔ تیز، سخت اور بے رحم۔ اس کا سانس رک گیا۔ وہ بمشکل کھڑے ہوتے ہوئے سانس کو نگل سکی۔

میں نے کہا اُٹھو!" اس بار جوتا اس کے پیٹ میں لگا، زیادہ سختی اور شدت کے ساتھ۔" درد اتنا شدید تھا کہ وہ چیخ بھی نہ سکی۔ اس کی دنیا اذیت میں سمٹ گئی، اور اگلے ہی لمحے ہر چیز معدوم ہو گئی، ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

"اٹھو عالیانہ۔ اگر تم نہیں اُٹھو گی، تو وہ ارسل کو مار دیں گے۔"

آواز نے درد کے بادلوں کو چیرتے ہوئے اس کے کانوں میں داخل ہونے کی کوشش کی، مگر الفاظ بمشکل اس کے ذہن تک پہنچ پائے۔ اس نے سرد اور سخت دیوار کے سہارے خود کو گھٹنوں کے بل اٹھانے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا جسم زخمی تھا، ہر حرکت اس کے اعضاء میں شدید اذیت پیدا کر رہی تھی۔ اس کی جلد پر درد کی سوئیاں چبھ رہی تھیں۔ اسے اپنی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے پٹھے مردہ ہو چکے تھے۔

بلآخر کوئی مجھے مارنے آیا ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔"

ایک عجیب قسم کا تجسس اس کے دل میں پیدا ہوا۔ کیا میرے مرے ہوئے والدین اس بات سے خوش ہوں گے؟

اسے ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ایک ظالمانہ، تمسخر آمیز ہنسی، جو خالی کمرے میں گونج رہی تھی۔

"یہ پاگل نہیں ہے؟ "

اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس سے بات کر رہے ہیں یا کسی اور سے۔ وہ اپنے سر کو سیدھا رکھنے کی جدوجہد کرتی رہی، اپنے ہوش قائم رکھنے کی کوشش کرتی رہی۔

"یہ تو رو بھی نہیں رہی۔"

دوسری آواز کہہ رہی تھی۔ "عام طور پر لڑکیاں اس وقت تک رحم کی بھیک مانگنا شروع کردیتی ہیں۔"

دیواریں چھت میں گھلنے لگیں۔ اسے تجسس ہوا کہ وہ کتنی دیر تک سانس روک سکتی ہے۔ الفاظ دھندلا گئے اور وہ آس پاس کی آوازوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ خون اس کے سر میں دوڑ رہا تھا، اس کے ہونٹ کنکریٹ کے بلاکس کی طرح بھاری ہو رہے تھے، جنہیں وہ کھول نہیں پا رہی تھی۔ اس کے پیچھے ایک بندوق تانی گئی تھی۔ اس نے دل میں خواہش کی کہ وہ اسے جلدی مار ڈالیں۔

جب آخرکار اس نے آنکھیں کھولیں تو تین دن گزر چکے تھے۔ ایک پانی کا گلاس اور کھانے کی ٹرے اس کے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سرد کھانے کو اپنی سانسوں میں کھینچا۔ اس کے جسم میں ایک مدھم درد گونج رہا تھا، بے بسی اس کے گلے کو جکڑ رہی تھی۔ کچھ بھی ٹوٹا ہوا محسوس نہیں ہو رہا تھا، لیکن جب اس نے اپنے بازو کو دیکھا تو اسے نیلے اور لال رنگ کے چوٹوں کے نشانات نظر آئے۔ ہر زخم اس پر ہونے والے تشدد کی گواہی دے رہا تھا۔

اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ ایک چھوٹے سیل میں قید تھی، جس کی دیواریں زیادہ لمبی نہیں تھیں۔ ایک چھوٹی سی جالی دار کھڑکی سے ہوا اندر آرہی تھی۔ ابھی وہ اپنے تخیل سے خود کو دہشت زدہ کر رہی تھی کہ بھاری دھاتی دروازہ کھڑکنے کی آواز

سے کھلا۔ایک محافظ اندر داخل ہوا،اس کے سینے پر دو بندوقیں لٹک رہی تھیں، وہ سیدھا اس کی جانب بڑھا۔

اٹھو!"اس بار عالیانہ ہچکچائی نہیں۔اس نے دل میں دعا کی کہ ارسل محفوظ ہو۔اس نے" چاہا کہ وہ اس جیسے انجام کو نہ پہنچے۔

میرے ساتھ چلو!"محافظ نے حکم دیا۔اس کی آواز بھاری اور گہری تھی۔وہ تقریباً" تیس سال کا لگتا تھا۔اس کے سنہری بال ایک انچ کے قریب کٹے ہوئے تھے۔وہ بمشکل اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔اس نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر سامنے کھلے دروازے کو دیکھا،چوکھٹ سے اندر آتے شخص کی نظریں عالیانہ سے ملیں اور اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔وہ وہیں چوکھٹ میں تھم سا گیا۔

وہ سانس تک نہ لے پائی۔وہ ہل بھی نہ سکی۔وہ جم گئی۔سسد و ساکت۔جامد۔پورا کمرا اسے خود پر گرتا محسوس ہوا۔اسے لگا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑی نہیں رہ پائے گی۔

چوکھٹ میں کھڑے شخص کی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئی تھیں۔اس کے بازوؤں پر فوجی ٹیٹو تھے۔اوہ خدا!نہیں۔

ارسل دروازے کی چوکھٹ میں سنجیدگی اور بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔اس کے بال مدھم روشنی میں چمک رہے تھے۔

اس نے اپنے ہتھیار سے ایک تنگ راہداری کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو۔" وہ بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے یک تک اسے دیکھے گئی۔ آنسو لڑھک کر اس کی گال پر گرا۔ ارسل کا چہرا۔ اجنبی چہرہ۔ جذبات سے عاری چہرہ۔ احساسات سے خالی چہرہ۔

وہ آگے بڑھی تو ارسل نے اس کے پیچھے بندوق تانی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اسے لگا کسی نے اس کی جان نکال لی ہے۔

ارسل اس پر بندوق تانے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں میں ارسل اجنبی تھا۔ وہ اب کچھ بھی نہیں رہا۔ وہ ایک خلا ہے، ایک خالی دنیا جہاں تمام احساسات اور جذبات ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکے ہیں۔ ارسل ایک سپاہی ہے، وہ چاہتا ہے کہ وہ مر جائے۔ وہ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھتی گئی وہ ہر احساس سے عاری تھا۔ اس کے پاؤں اپنی مرضی سے آگے بڑھتے گئے، اس کے ہونٹ بند رہے کیونکہ اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کے الفاظ، جذبات، احساسات ختم ہو چکے تھے۔

چلتے چلتے وہ ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچی۔ اس کی آنکھیں روشنی کے خلاف سکڑیں۔ فلورو سینٹ بلبوں کی تیز روشنی کے خلاف اس کی پلکیں مسلسل جھپک رہی تھیں، ایسی روشنی جو اس نے ایک عرصے سے نہیں دیکھی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئیں تھیں، اور وہ بڑے کمرے میں جگمگاتے فلورو سینٹ بلب کی تیز چمک سے اپنی آنکھیں بچانے کے لیے انہیں سکیڑنے لگی۔ سب کچھ دھندلا ہو گیا، اسے کچھ بھی صاف دکھائی نہیں

عالیانہ سلیم "ایک سخت، گونجتی ہوئی آواز نے اس کا نام پکارا۔اور ساتھ ہی اسے اتنی زور سے آگے کو دھکیلا گیا کہ وہ زمین پر منہ کے بل گری۔ایک بھاری بوٹ اس کی پیٹھ میں دبا ہوا تھا۔وہ سر اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہ تھی کہ کون اس سے مخاطب ہے۔

ملیک، روشنی کم کرواور اسے آزاد کر دو۔میں اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"حکم سرد، " مضبوط اور فولاد جیسا تھا۔آواز خطرناک حد تک پُرسکون اور بے حد طاقتور۔حکم کے مطابق روشنی اتنی کم کر دی گئی کہ جتنی اس کی آنکھیں برداشت کر سکتی تھیں۔دو سپاہیوں نے بازوؤں سے پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کیا۔اس نے چہرا اٹھا کر سامنے دیکھا۔ سامنے بیٹھے شخص کی جوانی نے اسے فوراً متاثر کر دیا۔وہ شخص تقریباً اس کا ہم عمر تھا۔ سفید رنگت پر تیکھے اور مغروریت سے بھرپور نقوش۔بے عیب جلد۔مضبوط جسم۔اس کی آنکھیں بھورے رنگ کے سب سے ہلکے شیڈ کی تھیں،ایسی آنکھیں جو اس نے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔وہ خوبصورت تھا۔وہ غیر معمولی حد تک خوبصورت تھا۔مگر اس کی ٹیڑھی مسکراہٹ میں ایک گہری بُرائی جھلک رہی تھی۔

وہ کمرے کے عین درمیان رکھی گئی تخت نما کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔اس نے سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا، جس سے جھلکتی سفید شرٹ کے ابتدائی دو بٹن کھلے تھے۔ اس کا سوٹ اس کے جسم پر فٹ تھا، چوڑے کندھے نمایاں تھے، سیاہ بال نفاست سے سنوارے گئے تھے،اور اس کے ساتھ کھڑے محافظ مستعد

اور خاموش تھے، گویا پتھر کے مجسمے ہوں۔۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ واضح تھا کہ وہ کسی معاملے کا انچارج تھا۔ اس کو فوراً اس سے نفرت محسوس ہوئی۔

تم بہت ضدی ہو، نہیں؟" اس کی بھوری آنکھیں شفاف تھیں۔ اس نے ابرو اچکا کر "

پوچھا۔

تم کبھی تعاون نہیں کرتیں۔ یہاں تک کہ تم نے اپنے سیل میٹ کے ساتھ بھی اچھا" سلوک نہیں کیا۔" اس نے ایک پل ارسل کو دیکھا۔ بس ایک پل پھر دوبارہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ لڑکھڑائی۔ دھوکے کی جلن اس کے جسم کو جلا رہی تھی۔ بھوری آنکھوں والا شخص اچانک مزاحیہ لگنے لگا، اور وہ فوراً شرمندہ ہوئی۔

"اس نے انگلیاں چٹکائیں۔ "ارسل ابراہیم! آگے آو؟

اس کا دل رک کر دوبارہ چلا جب اس نے ارسل کو دیکھا۔ ابراہیم! تو اس کا نام ارسل ابراہیم تھا۔ وہ اندر سے جل رہی تھی۔ ارسل بھوری آنکھوں والے شخص کے قریب آیا، نظریں جھائیں مگر سر نہیں، اور اس کی کرسی کے برابر کھڑا ہو گیا۔

سر!" ارسل نے کہا۔"

ہزاروں سوچیں اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں، جنہیں وہ سلجھا نہیں پا رہی تھی۔ اسے سب کچھ سمجھ آنا چاہیے تھا۔ وہ ان سپاہیوں کے بارے میں سن چکی تھی جو عوام کے بیچ میں رہ کر ان کی جاسوسی کرتے، اور حکام کو مشکوک حرکات کی اطلاع دیتے۔ ہر روز لوگ غائب ہو جاتے تھے اور کبھی واپس نہیں آتے تھے۔

اسے کیسے سمجھ نہیں آئی؟ دھوکے کا دکھ باقی سب دکھوں سے زیادہ شدید تھا۔ اس کا ذہن مسلسل اس دھوکے پر اٹکا ہوا تھا۔ کیا وہ سب جھوٹ تھا؟ وہ ہمدردی، دوستی، اپنائیت جو اس نے سالوں بعد محسوس کی تھی؟ کیا وہ سب دھوکہ تھا؟ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

لگتا ہے تم نے اس پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔" بھوری آنکھوں والے شخص نے ارسل سے کہا۔

عالیانہ نے غور سے دیکھا۔ تب اس نے اس کے سوٹ پر لگے چھوٹے رنگین بیجز کو نوٹ کیا۔ یہ فوجی اعزازات تھے۔ اس کے لیپل پر اس کا نام کندہ تھا: حیدر۔

کیا تمہیں اس بارے میں کچھ کہنا ہے؟" حیدر نے ارسل سے پوچھا، پھر عالیانہ کی طرف دیکھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں روشنی کا عکس محوِ رقص تھا، اسے دیکھتے ہوئے وہ صاف طور پر محظوظ ہو رہا تھا۔

ارسل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے عالیانہ کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ وہ چھ فٹ کا مضبوط اور خوبصورت مرد تھا۔ پروفائل سے مضبوط اور مستحکم دکھائی دیتا تھا۔ خطرناک ہتھیاروں کے ہولسٹر اس کے جسم سے جڑے ہوئے تھے۔

تمہارے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے؟" حیدر نے ایک نظر ارسل کی جانب" دیکھا۔ پھر دوبارہ سامنے دیکھا۔ فلوروسینٹ لائٹس سے اس کی آنکھوں میں روشنی جھلملا رہی تھی۔ عالیانہ کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔

نہیں سر!"ارسل نے سنجیدگی سے کہا۔"

بالکل! مجھے تم سے کچھ کہنے کی توقع کیوں ہو گی؟"حیدر اچانک بیزار ہوا۔"ایک ماہ میں" تم ایک لڑکی کو متاثر نہیں کر سکے۔"اس نے جھکے بغیر میز پر رکھا وائن گلاس اٹھایا، جس میں نارنجی رنگ کا جوس جھلک رہا تھا۔

خیر!"اس نے شاہانہ انداز میں ایک گھونٹ بھرا اور گلاس واپس رکھ دیا۔ "

"تمہاری غلطی بھی نہیں ہے۔ تم فوجی ہو، لڑکی کو متاثر کرنا کیسے جان سکتے ہو؟"

تم مجھے مارنے والے ہو؟"اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ""

اس کے الفاظ کے ساتھ ہی، کسی سپاہی کی بندوق اس کی ریڑھ کی ہڈی پر زور سے لگی، اور وہ کراہتے ہوئے فرش پر گر گئی۔ اس نے تیز سانس لی اور ارسل کی طرف نظر اٹھائی، جو اب بھی بے تاثر کھڑا تھا۔

یہ ضروری نہیں تھا، سپاہی،"حیدر نے جعلی مایوسی کے ساتھ کہا۔"میرا خیال ہے کہ" "اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں بھی یہی سوال پوچھ رہا ہوتا۔

"پھر وہ قدرے آگے جو جھکا۔"عالیانہ؟

اس نے بمشکل اپنا سر اٹھایا، اس کی نظر دھندلی تھی۔

میرے پاس تمہارے لیے ایک تجویز ہے۔" اس کی آواز میں خطرہ صاف جھلک رہا" تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے حیدر کی جانب دیکھا۔

"تمھارے پاس وہ چیز ہے جو مجھے چاہیے۔"اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"میں سمجھی نہیں۔"عالیانہ نے مشکل سے کہا۔

"میں تم میں ایک خاص دلچسپی رکھتا ہوں۔"حیدر نے بتایا۔

"میں تمھیں اپنی ٹیم میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"شاید وہ سمجھی نہیں تھی ۔حیدر نے اسکے کندھے کے پیچھے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا اور سپاہیوں نے اسے دوبارہ کھڑا کیا۔حیدر نے ایک گہری سانس لی ۔کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ارسل ابھی تک وہیں کھڑا تھا،اسے ابھی تک جانے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

"تم میری ایک خاص دلچسپی ہو۔"حیدر نے خود سے مسکراتے ہوئے بتایا۔"میں نے تمھارے ریکارڈز کا طویل عرصے تک مطالعہ کیا ہے۔تم کالج کے زمانے میں ایک بہترین فائٹر رہی ہو،اور تم نے اسپیشل فورسز سے بھی ٹرینگ لی۔"

عالیانہ اس کی خود پسندانہ اور خود غرضی سے بھرپور مسکراہٹ کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب کر دے۔

"میں تمھیں اپنی ٹیم میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔"حیدر نے چلنا بند کیا اور عین اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

"کیا؟"وہ حیرت سے بولی۔

ہم جنگ کے درمیان میں ہیں۔ شاید تم ساری باتیں نہ سمجھ سکو۔" اس نے تیزی سے کہا۔

مجھے نہیں..." الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ وہ بول پڑا۔"

میں تمہارا راز جانتا ہوں، عالیانہ۔ میں جانتا ہوں کہ تم قید خانے میں کیوں تھیں۔" تمہاری ساری زندگی ہسپتال کے ریکارڈ میں درج ہے۔ حکومت کو کی گئی شکایات، تمہارے بے ترتیب مقدمے، اور تمہارے والدین کے مطالبات کہ تمہیں قید کر دیا جائے۔" اس نے چند لمحوں کا توقف کیا۔ اس کا توقف عالیانہ کے گلے میں پھنسے ہوئے خوف کو مزید گہرا کر گیا۔ "میں یہ سب لمبے عرصے سے سوچ رہا تھا، لیکن پہلے میں یہ یقینی بنانا چاہتا تھا کہ تم واقعی نفسیاتی نہیں ہو۔ تنہائی کوئی اچھا اشارہ نہیں تھی، لیکن پھر بھی تم نے خود کو کافی اچھی طرح سنبھالا۔" اس نے ایک مسکراہٹ دی جو کہہ رہی تھی کہ وہ اس تعریف کے لیے شکریہ ادا کرے۔

میں نے ارسل کو بطور آخری احتیاط، تمہارے ساتھ رہنے کے لیے بھیجا تھا۔ میں یہ" دیکھنا چاہتا تھا کہ تم غیر مستحکم تو نہیں ہو، میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم انسانیت کے بنیادی رابطے اور بات چیت کے قابل ہو یا نہیں۔ اور مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نتائج سے بہت خوش ہوں۔" عالیانہ کو لگا جیسے کوئی اس کی جلد اکھیڑ رہا ہے۔

لگتا ہے ارسل نے اپنا کردار بہت عمدہ طریقے سے نبھایا ہے۔ وہ ایک بہترین سپاہی" ہے۔ درحقیقت، بہترین میں سے ایک۔" حیدر نے ایک نظر ارسل پر ڈالی، پھر دوبارہ

عالیانہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "لیکن فکر مت کرو، وہ ابھی تک تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

عالیانہ نے اپنے اندر کی گھبراہٹ کو دبایا، اذیت نگلی اور خود سے التجا کی کہ وہ ارسل کی طرف نہیں دیکھے گی، مگر ناکام رہی۔ ارسل کی نظریں اس کی نظروں سے ملیں، مگر اس نے اتنی جلدی نظریں چرا لیں کہ اسے یقین نہیں آیا کہ وہ واقعی ارسل ہے۔

"میں اتنا ظالم نہیں ہوں جتنا تم سوچ رہی ہو۔" حیدر نے بات جاری رکھی، اس کی آواز میں ایک عجیب لطافت تھی۔ "اگر تم اس کی کمپنی پسند کرتی ہو تو میں اسے تمہاری مستقل ذمہ داری بنا سکتا ہوں۔"

"نہیں!" عالیانہ کی سرگوشی تقریباً دب گئی۔

حیدر کے ہونٹ بے پرواہ مسکراہٹ میں مڑ گئے۔ "اور ہاں! محتاط رہنا خوبصورت لڑکی! اگر تم نے کچھ برا کیا تو، بدقسمتی سے اسے تمہیں گولی مارنی پڑے گی۔" ارسل نے حیدر کی کسی بات پر ردعمل ظاہر نہیں کیا، وہ بے تاثر اور سنجیدہ چہرہ لیے کھڑا رہا۔ وہ صرف اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ اس کے ذہن میں شاید ایک یاد بھی نہیں تھی، وہ کچھ بھی نہیں تھی۔ اس کی غداری اسے گہرائی میں دفن کر گئی تھی۔

"اگر تم میری پیشکش قبول کرتی ہو۔" حیدر نے اس کے خیالات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "تو تم میری طرح زندگی گزار سکو گی۔ تم ہم میں سے ایک بن جاؤ گی اور تمہاری زندگی ہمیشہ کے لیے بدل جائے گی۔"

اور اگر میں قبول نہ کروں؟" عالیانہ نے اپنی خوفزدہ آواز کو قابو میں رکھتے ہوئے "
پوچھا۔

حیدر ایک لمحے کے لیے مایوس نظر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ افسردگی سے جڑ گئے۔
"تمہارے پاس کوئی دوسرا انتخاب نہیں ہے۔ اگر تم میرے ساتھ کھڑی ہو گی تو تمہیں انعام دیا جائے گا۔" ایک لمحے کا توقف۔ "لیکن اگر تم نافرمانی کا انتخاب کرو؟ خیر! میرا خیال ہے کہ تم اپنے جسم کے تمام حصوں کے ساتھ بہت خوبصورت لگتی ہو، ہے نا؟" عالیانہ کی سانسیں اتنی تیز ہو گئیں کہ اس نے اپنے جسم کو لرزتا ہوا محسوس کیا۔

تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری طرح معصوم لوگوں کو اذیت دوں؟" وہ کانپتی ہوئی آواز "
میں بولی۔

"حیدر کا چہرہ ایک شاندار مسکراہٹ میں بدل گیا۔ "ہاں! یہ لاجواب ہو گا

اس سے پہلے کہ عالیانہ کوئی بات کرتی، حیدر ارسل کی جانب مڑ گیا۔ "اسے دکھاؤ کہ یہ "کیا ٹھکرا رہی ہے۔

"! ارسل نے پانچ سیکنڈ کے بعد جواب دیا۔ "جی سر

یہ ایک حکم ہے سپاہی!" حیدر کی نظریں عالیانہ پر جمی تھیں، اس کے ہونٹوں پر دبے "
ہوئے مزاح کی جھلک تھی۔

"میں اسے توڑنا چاہتا ہوں۔ یہ اپنے فائدے کے لیے کچھ زیادہ ہی ضدی ہے۔"

تم اس پیشکش کے لیے کبھی مجھے منا نہیں سکو گے!" وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے چیخی۔" غلط "اس نے کہا اور ایک ننھی سی شیشے کی ڈبیہ ارسل کی جانب اچھالی۔

" تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ "اس نے سازشی انداز میں کہا۔ عالیانہ سمجھ نہ سکی کہ اس ڈبی میں کیا ہے، شاید وہ زہر تھا یا کوئی اذیت دینے والا مواد۔

تم مجھے مار کیوں نہیں دیتے؟"اس کا جسم غصے کی تپش سے بھر گیا، لیکن آواز میں ابھی" بھی لرزش تھی۔

حیدر نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اس کے سفید ہاتھوں پر رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ اس نے شہادت کی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو تھوڑا سا اوپر اٹھایا۔ "یہ... میری جان! ایک ضیاع ہو گا۔ "اس نے نرمی سے کہا۔ "اور اس کے علاوہ "اتنا خوبصورت چہرہ کھونا افسوسناک ہو گا۔

اس نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن حیدر نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی۔

مخالفت مت کرو لڑکی۔ اس سے تمہارے لیے صرف مشکلات میں اضافہ ہو گا۔"""
حیدر کی آواز پر سکون اور مستحکم تھی۔

میں امید کرتی ہوں کہ تم جہنم میں جاؤ گے!"اس نے غصے میں تقریباً چیختے ہوئے کہا۔"

حیدر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے پہلے عالیانہ کو دیکھا پھر اس کے کندھے کے پیچھے ،پھر ایک ہاتھ اٹھا کر کسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ شاید گولی چلانے سے یا کسی اور ہولناک

حرکت سے باز رہنے کے لیے۔ "تم غلط ٹیم کے لیے لڑ رہی ہو۔ لیکن ہم اسے بدل سکتے ہیں۔ ارسل!" اس نے بلند آواز میں اسے پکارا۔

"اسے اپنی نظروں سے دور مت کرنا۔ یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔"

جی سر!" ارسل نے فوراً جواب دیا۔"

••••••☆☆☆••••••

وہ راہداری کے فرش پر گری تھی۔

اسے کھڑا ہونے دو مراد! اب میں سنبھال لوں گا۔" ارسل نے سخت لہجے میں کہا۔"

جیک نے اس کی پیٹھ سے جوتا ہٹایا۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اس خوف کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی جو اس کا منتظر تھا۔ ایک بار پھر، کسی نے اسے مارنے کی کوشش کی تاکہ وہ گھٹنوں کے بل گر جائے، لیکن وہ زمین پر گرنے سے بچ گئی۔ "چلو! آگے بڑھو!" پیچھے سے گرجتی ہوئی آواز آئی۔ اس نے اوپر دیکھا اور پایا کہ ارسل پہلے ہی آگے بڑھ چکا ہے۔ اسے اس کے پیچھے چلنا تھا۔ پناہ گاہ کے اندھیری راہداریوں میں پہنچ کر، ارسل رک گیا۔ "عالیانہ!" اس نے نرم آواز میں پکارا۔

وہ خاموش رہی، کوئی جواب نہیں دیا۔

میرا ہاتھ پکڑ لو۔" ارسل نے کہا۔"

کبھی نہیں!" اس نے ٹوٹتی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔"

ارسل نے ایک بھاری سانس لی اور دوبارہ چلنے لگا۔ وہ اسے نامعلوم منزل کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا، لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی تاکہ وہ اس کے بازوؤں میں نہ گر جائے۔ ان کا سفر توقع سے زیادہ طویل ہو رہا تھا۔ "ہم باہر جا رہے ہیں۔" ارسل نے خاموشی توڑتے ہوئے بتایا۔

سالوں بعد، ہوا اس کے چہرے پر لگی۔ اس ماحول میں فخر کرنے کے لیے کچھ خاص نہیں تھا، لیکن قید کے مہینوں کے بعد، اس مردہ زمین کی بیکار آکسیجن بھی اسے جنت جیسی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور ہوا کے دھاگوں کو اپنی انگلیوں میں محسوس کیا۔

ایسی خوشی جو اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ ہوا تازہ اور ٹھنڈی تھی۔ آج سورج اونچا تھا، چھوٹے چھوٹے برف کے پیچوں کی روشنی زمین کو منجمد رکھے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھیں روشنی کی شدت کے بوجھ تلے دب گئی تھیں، سورج کی گرم شعاعیں اسے کوٹ کی طرح ڈھانپ رہی تھیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس لمحے میں کھڑی رہ سکتی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" ارسل نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں پر اسرار تھیں، سمندر کی گہرائی کی طرح سیاہ اور بے کنار۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم میری رکھوالی کرو۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"تمہارے پاس دوسرا کوئی انتخاب نہیں ہے۔" اس کی جانب دیکھے بغیر ارسل نے کہا۔

ہمارے پاس ہمیشہ انتخاب ہوتا ہے۔" ارسل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک خالی جگہ میں تھے، جو مرجھائے ہوئے درختوں اور مرے ہوئے پتوں سے بھری تھی۔ زمین کو جنگ اور غفلت نے تباہ کر دیا تھا، لیکن یہ اب بھی اس کے لیے خوبصورت تھی کیونکہ اس نے مہینوں سے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی۔

فوجی ارسل کو دیکھ کر مارچ کرتے ہوئے رکے۔ ارسل نے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ یہ ایک عام گاڑی نہیں تھی۔ یہ ایک ٹینک تھا۔

وہ خاموشی سے ٹینک پر سوار ہو گئی اور پھر وہ دونوں خاموشی سے سفر کرنے لگے۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ کھڑکی کے پار دیکھنے لگی، ہر منظر کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کرنے لگی۔ ملبہ، آسمان کی لکیر، تباہ شدہ عمارتیں، دھاتی اور شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے، ہر تفصیل کو جذب کرنے لگی۔ دنیا سبزہ اور زندگی سے محروم ہو چکی تھی۔ سڑک کے کوئی نشانات نہیں تھے، کیونکہ ان کی ضرورت نہیں تھی۔

سڑکوں پر لمبے مستطیل دھاتی ڈبے تھے، جو مشینری سے بھرے تھے۔ یہ مشینری فوج کو مضبوط بنانے اور انسانیت کی بحالی کے لیے بنائی گئی تھی۔ پرانی دنیا کے روایتی گھروں کو ویران چھوڑ دیا گیا تھا، کھڑکیاں بکھر چکی تھیں اور چھتیں گر گئی تھیں۔ رنگ ماند پڑ چکے تھے۔ اس نے بے جان کمپاؤنڈز کو دیکھا، جو اس تباہ شدہ علاقے میں لاپرواہی سے تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ عارضی رہائش کے لیے بنائے گئے تھے، جب تک کہ نئے نظام کی تفصیلات طے نہ ہو جائیں۔

پوسٹرز ابھی بھی دیواروں پر چسپاں تھے۔ ہوا ان کے پھٹے ہوئے ٹکڑوں کو ہلا رہی تھی، لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم تھے۔ لوگوں کو خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے کھمبوں پر لاوڈ اسپیکرز نصب تھے۔ راہ چلتے لوگ سردی میں کام پر جا رہے تھے، اپنے خاندانوں کے لیے کھانا تلاش کرنے کے لیے۔ اس نئی دنیا میں امید بندوق کی نال سے نکلتی تھی۔ لوگ امید چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ حالات بہتر ہوں۔ وہ یہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ اپنی پرانی زندگیوں میں لوٹ سکتے ہیں، جہاں تعطیلات اور ہفتے کی راتوں کی پارٹیوں کی فکر ہوتی تھی۔ اسی لیے دستور نے ایک ایسے مستقبل کا وعدہ کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں تھا، لیکن شہری اسے اتنی ہی بے قراری سے ماننے کو تیار تھے۔ انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اپنی روحیں ایک ایسی طاقت کے حوالے کر رہے ہیں جو ان کی جہالت اور خوف کا فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ اب زیادہ تر لوگ احتجاج کرنے سے خوفزدہ تھے، لیکن کچھ مضبوط تھے کچھ صحیح لمحے کا انتظار کر رہے تھے، جبکہ کچھ پہلے ہی لڑائی شروع کر چکے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ کاش لڑنے میں بہت دیر نہ ہو چکی ہو۔

کتنا وقت گزرا، اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ پھر ٹینک ایک عمارت کے سامنے رکا جو باہر سے بالکل بے رونق اور غیر اہم نظر آ رہی تھی۔ بھوری اسٹیل کی چادریں چار دیواروں پر جمی تھیں، زیادہ تر کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ یہ پندرہ منزلوں کی ایک بڑی عمارت تھی جس پر کوئی نشان یا علامت نہیں تھی جو اس کی اصل شناخت ظاہر کر سکے۔ اس نے ارسل کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں تنگ تھیں اور پیشانی شکن آلود، وہ مایوسی کی تصویر

نظر آرہا تھا۔اس نے نظریں جھکا لیں اور پلٹ کر سانس لی۔"اس طرف۔"اس نے عمارت کی طرف اشارہ کیا اور آگے چلنے لگا۔وہ ٹوٹے قدموں سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔

••••••☆☆☆••••••

عمارت کی راہداریوں سے وہ فوجیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔وہ چاہتی تھی کہ وہ اس سے نفرت کرے،وہ اسے بھول جانا چاہتی تھی کہ اس نے اسے دھوکہ دیا ہے۔وہ ان لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا جو انسانیت کی آخری باقیات کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔
حقیقت نے اسے ایک زوردار تماچہ مارا،اور وہ لڑکھڑا گئی۔آگے چلتا ارسل تیزی سے پلٹا اور آگے بڑھ کر اس کو تھامنا چاہا۔

عالیانہ!"اس نے اس کا نام پکارا اور وہ سو حصوں میں ٹوٹ گئی۔"

وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی تھی،اس کا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔وہ جو اتنی دیر سے برداشت کر رہی تھی وہ مزید برداشت نہیں سکتی تھی،اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔

تمہارے پاس بندوقیں ہیں۔تم مجھے مار سکتے ہو۔تمہیں اجازت ہے۔" وہ اس کی" گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی پر وہ اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کیے ہوئے تھا۔اس کے چہرے پر کوئی جذبات ظاہر نہیں ہو رہے تھے مگر اس کی میں آنکھیں بدلی ہوئی تھیں،اس کے بازوؤں میں ایک واضح کشید گی آئی تھی۔"مجھے مار

دو۔ میری تکلیف ختم کر دو۔ تم مجھے مار سکتے ہو۔" وہ درد کی شدت سے روتے ہوئے گڑگڑائی۔

عالیانہ۔ پلیز" اس کی آواز اضطراب کے باوجود مضبوط تھی۔ "پلیز۔" اس نے احتیاط" سے اسے اس کے پیروں پر کھڑا کیا اور تھوڑا سا چلنے کے بعد وہ ایک دروازے کے سامنے رکے۔ ارسل نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا اور دروازے کے ہینڈل پر نصب چھوٹے سے سیاہ شیشے پر پھیرا۔ اسٹیل کا دروازہ اپنی جگہ سے سرکا اور ایک کمرہ ظاہر ہوا۔

کمرے کے درمیان میں ایک بڑا بیڈ تھا، فرش پر قالین بچھا ہوا تھا، دیوار کے ساتھ ایک الماری تھی اور کھڑکی سے روشنی کی مدھم جھلکیاں چمک رہی تھیں۔ ہر چیز انتہائی خوبصورت تھی۔

تم کچھ وقت یہیں گزارو گی۔" اس نے مختصر کہا۔ "

تم چلے جاؤ۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔"

یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔" ارسل نے گہرا سانس لیا۔"

کیا مطلب؟" عالیانہ نے حیرانی سے پلٹ کر اسے دیکھا۔"

حیدر چاہتا ہے کہ تم اس کی پیشکش کو سمجھو۔ اس نے تمہیں میری ذمہ داری بنایا ہے۔"
"میں یہاں سے نہیں جا سکتا۔

کیا تم میرے ساتھ رہو گے؟"ایک لمحے کا توقف۔"میں عمارت کی دوسری طرف" بیرک میں دوسرے فوجیوں کے ساتھ رہتا ہوں، لیکن، ہاں۔"اس نے مصنوعی انداز میں گلا صاف کیا۔وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔"میں آتا جاتا رہوں گا، کیونکہ تم... تم میری ذمہ داری ہو۔" وہ اس سے نفرت کرنا چاہتی تھی، لیکن وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پا رہی تھی۔ کیونکہ وہ مہربان شخص تھا، چاہے اس کی مہربانی دکھاوا ہی تھی، مگر اس نے اسے ہمدوری، دوستی اپنائیت کا ایسا احساس دلایا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں دلایا تھا۔

قدم قدم چلتی وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔اس نے سر گھٹنوں میں دبا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

تمہیں کپڑے بدلنے ہوں گے۔"کچھ لمحے بعد ارسل نے اسے آواز دی۔"

اس نے حیرت سے سر اٹھایا اور اسے ایسے دیکھا جیسے وہ سمجھ نہ پائی ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ """میں نے کپڑے بدل لیے ہیں۔

ارسل نے دوبارہ گلا صاف کیا۔" یہاں ایک باتھ روم ہے۔"اس نے دائیں جانب اشارہ کیا جہاں ایک دروازہ تھا جو کمرے سے ملحق تھا۔وہ بستر سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، ارسل نے دوبارہ بات کی۔"تم یہاں شاور لے سکتی ہو اور کپڑے بدل سکتی ہو۔ باتھ روم... یہ واحد جگہ ہے جہاں کوئی کیمرہ نہیں ہے۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

اس کمرے میں کیمرے ہیں؟"اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ارسل نے" کوئی جواب نہیں دیا۔

تم وہاں سے کپڑے لے کر پہن سکتی ہو۔" اس نے الماری کی طرف اشارہ کیا۔ پھر" الماری کی طرف بڑھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چل دی۔ اس نے الماری کا دروازہ کھولا۔ الماری مختلف رنگوں کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ ارسل نے جامنی رنگ کے لباس کو نرمی سے چھوا، لباس پر لگیں اسٹائلش جیبوں کو چھوا۔" یہ والا جوڑا پہننا۔" اسے دیکھے بغیر وہ آہستگی سے بولا تھا۔

میں کسی کے کہنے پر، کسی کا چنا ہوا لباس نہیں پہنوں گی!" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔"

تمہیں تیار ہونا ہوگا۔ حیدر دوپہر کے کھانے پر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" ارسل نے" ماتھے کو رگڑتے ہوئے کہا اور بستر پر بیٹھ گیا۔

دوپہر کا کھانا؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"

ہاں۔" ارسل سنجیدہ تھا۔"

وہ مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا؟ وہ مجھے رات کا کھانا دے گا؟" وہ خود سے بڑبڑائی۔ وہ" بھوکی تھی، اس کا پیٹ بھوک سے مڑ رہا تھا۔ وہ بھول چکی تھی کہ اچھا کھانا کیسا ہوتا ہے۔

تمہیں جلدی کرنی چاہیے۔" ارسل نے دوبارہ اپنی غیر جذباتی شکل اختیار کر لی۔"

اسے نظرانداز کیا گیا، چھوڑ دیا گیا، معاشرت سے نکال دیا گیا، گھر سے گھسیٹ کر ایک سیل میں پھینک دیا گیا تھا۔ اسے بھوکا رکھا گیا تھا۔ اسے دوستی کی پیشکش کی گئی تھی، جو

محض ایک دھوکہ تھا۔اس کے مرے ہوئے والدین،اس کے اساتذہ،ارسل، ان سب کے لیے وہ بے کار تھی۔

حیدر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"ارسل نے دہرایا۔وہ بستر سے اٹھا اور اس کے قریب" سے ہوتے ہوئے الماری کا دروازہ کھولا۔الماری رنگ برنگے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔

یہ سب تمہارے لیے ہیں۔"اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر بتایا۔"

میں نے کپڑے پہلے ہی پہنے ہوئے ہیں۔"اس نے اپنے گندے،پھٹے ہوئے کپڑوں" کی جھریاں سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ارسل کا چہرہ ایک بار پھر ناقابلِ فہم ہو گیا۔"تمہیں جلدی کرنی چاہیے۔میں تمہیں سب کچھ دکھا دیتا ہوں۔"اس سے پہلے کہ وہ کوئی مزاحمت کرتی،وہ باتھ روم کی طرف قدم اٹھا چکا تھا۔وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"مجھے باتھ روم استعمال کرنا آتا ہے۔میں ایک عام گھر میں رہتی تھی۔میرا خاندان تھا۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ بہت آہستہ سے مڑا۔اسے ایسے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور کمرے جتنے بڑے باتھ روم پر نگاہ دوڑائی،پھر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں تنگ تھیں،پیشانی تنی ہوئی،اور اس کے داہنے ہاتھ کی مٹھی بند تھی۔ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی اس کے ہونٹوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی،جیسے وہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہا ہو۔

ایک پل کے لیے اس کے دل میں رحم مانگنے اور اس کی پستول چوری کر کے خود کو گولی مارنے کی شدید خواہش جاگ اٹھی۔ عزت نفس ہی وہ واحد شے تھی جو اس کے پاس بچی تھی۔ "انہیں کیا لگتا ہے کہ وہ میری یادداشتیں، میری وفاداریاں، میری ترجیحات چند کھانوں اور ایک خوبصورت کمرے سے مٹا سکتے ہیں؟ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اتنی آسانی سے خریدی جا سکتی ہوں؟ مجھے کپڑے، جوتے یا یہ مہنگی چیزیں نہیں چاہیں۔ میں سلک میں ڈھکے جانے کی خواہش نہیں رکھتی۔ میں نے دنیا کی بے رحمی، ناانصافی، اور سرد نظروں کا سامنا کیا ہے۔ میں نے دوستوں کا دھوکہ دیکھا ہے۔" دوست جب دھوکہ دیتے ہیں تو روح تک زخمی ہو جاتی ہے۔ دل دھل جاتا ہے۔ انسان پورا کا پورا ٹوٹ جاتا ہے۔ دوستوں کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے۔

وہ رو رہی تھی، وہ ارسل کے سامنے رو رہی تھی۔ "تم لوگ سمجھتے کیا ہو؟ میں قید میں رہی ہوں، تو کیا مجھ میں احساسات نہیں ہیں؟ مجھے تکلیف نہیں ہوتی؟" ارسل یک تک پیشانی پر بل ڈالے اسے دیکھتا رہا۔

مجھے یہ بڑا کمرا، بڑا باتھ روم، مہنگے کپڑے اور جوتے نہیں چاہییں۔ "اس نے باتھ روم" شیلف پر رکھے شیمپو، صابن اور دوسری چیزوں کی طرف دیکھا۔ "یہ سب کچھ، گیزر، گرم پانی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ تم لوگ مجھے خرید نہیں سکتے۔" ارسل کے چہرے پر درد کی چھاپ نمایاں تھی۔ اڈ کے لب لفظوں میں مڑے۔

جلدی آنا، میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔" وہ تیزی سے کہتے ہوئے باہر نکل گیا یوں جیسے اگر وہ مزید یہاں رکتا تو معاملات جان لیوا ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ اپنے پرانے کپڑوں میں واپس کمرے میں آئی، تو کمرا خالی تھا۔ ارسل جا چکا تھا حالانکہ اس نے کہا تھا کہ یہیں رہے گا۔ وہ اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کچھ دیر رو کر واپس الماری کی جانب آئی اور دوبارہ الماری کھولی۔ الماری مختلف رنگوں کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایسے کپڑے جن کے بارے میں اس نے صرف سنا تھا۔ ہر جوڑا بلکل اس کے سائز کا تھا۔ حیدر نے اس کے لیے اتنی محنت کیوں کی تھی؟ اس نے الماری دوبارہ بند کر دی۔ "میں کسی کی ملکیت نہیں ہوں۔ مجھے پرواہ نہیں کہ حیدر مجھے کیسے دیکھنا چاہتا ہے۔" اس نے خود سے کہا اور پرانے کپڑوں میں ہی باہر نکل آئی۔

ارسل دروازے کے ساتھ والی دیوار سے ٹیک گائے کھڑا تھا، جوں ہی وہ باہر نکلی، اس نے بے اختیار ٹیک چھوڑی، اور سیدھا کھڑے ہو کر اس نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، کچھ کہنا چاہا مگر ارادہ بدل دیا اور چلنے لگا۔ انہوں نے کتنی منزلیں لفٹ سے طے کیں، وہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھا۔ "میں حیدر کو ہر ممکن طریقے سے مایوس کروں گی۔" اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

پھر وہ ارسل کے پیچھے ایک طویل قالین والے کوریڈور سے گزری، جو مکمل طور پر شیشے کا بنا ہوا تھا۔ ارسل نے جیب سے وہی کارڈ نکالا جس سے اس نے عالیانہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ کمرہ اتنا بڑا تھا کہ سینکڑوں لوگ

آسانی سے وہاں کھا سکتے تھے۔ چھ بینکوئٹ ٹیبلز کمرے کے پار رکھی ہوئی تھیں، نیلا ریشمی کپڑا ٹیبل کے درمیان بچھا ہوا تھا، کرسٹل کے گلدان جگہ جگہ رکھے ہوئے تھے۔ گلدانوں میں پھول بھرے تھے جو اصلی نہیں لگتے تھے۔ لیکن کمرے میں پھولوں کی پھیلی خوشبو ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پھول اصلی ہیں۔

حیدر ٹیبل کے درمیان رکھی ایک بڑی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے جیسے ہی ان دونوں کو اندر آتے دیکھا، وہ اٹھ کھڑا ہوا، اس کے اٹھتے ہی ٹیبل کے گرد بیٹھے تمام افراد بھی کھڑے ہو گئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ رکی، پھر آگے بڑھی۔ حیدر نے دھیرے سے مسکرا کر اپنی بائیں طرف کی کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عالیانہ نے بنا کچھ کہے بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔

"تمہارے کمرے میں کپڑے موجود ہیں۔" حیدر نے اس کے بیٹھتے ہی کہا اور اپنی نشست پر واپس آ گیا۔ "اب تمہیں یہ گندے ٹینس شوز بھی نہیں پہننے چاہیئے۔" اس نے ایک پل کے لیے اس سے نظر ہٹا کر اپنے گلاس میں پانی ڈالا۔ وہ اتنی پیاسی تھی کہ پوری ندی پی سکتی تھی۔ "عالیانہ؟"

اس کی بھوری آنکھیں اس پر ٹکی تھیں۔ "تمہیں بھوک نہیں لگی؟" اس کے الفاظ میٹھے تھے، لیکن زہر میں لپٹے ہوئے۔

"نہیں، شکریہ۔" اس نے جواب دیا۔

حیدر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "بیوقوفی کو بہادری سے کنفیوز مت کرو لڑکی۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔"

"میں مرنا پسند کروں گی بجائے اس کے کہ تمہارا کھانا کھاؤں۔" اس کا ضبط ختم ہوا اور وہ پھٹ پڑی۔

ارسل کے ہاتھ سے کانٹا چھوٹ کر پلیٹ میں گرا۔ حیدر نے ایک تیز نظر ارسل پر ڈالی، پھر دوبارہ عالیانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی نرمی سختی میں بدل چکی تھی۔ چند لمحے اسے گھورنے کے بعد، اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے پسٹل نکالا اور اسے دیکھتے ہوئے بغیر نشانہ باندھے ایک سمت میں فائر کیا۔ اس نے چیختے ہوئے بے اختیار سر جھکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دبی دبی چیخوں کی آواز ایک لمحے کے لیے کمرے میں گونجی، جنہیں جلد ہی دبا لیا گیا۔

کانوں سے ہاتھ پیچھے کرتے اس نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ حیدر کی بندوق کی سمت میں دیکھا۔ مہمانوں کے قریب میز پر ایک فٹ سے بھی کم جگہ پر کانچ کا گلدان تباہ حال پڑا تھا۔ پھول کانچ کی کرچیوں میں نہا چکے تھے۔ اس نے بغیر دیکھے فائر کیا تھا۔ وہ کسی کو مار سکتا تھا۔ اس نے نم آنکھوں سے حیدر کو دیکھا، جو پستول کو واپس جیب میں رکھ رہا تھا۔

"اپنے لفظوں کو بہت احتیاط سے چنو، عالیانہ۔ ایک لفظ میرے منہ سے اور یہاں تمہاری زندگی مشکل ہو جائے گی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ارسل نے کھانے کی پلیٹ

اس کے سامنے دھکیلی۔ عالیانہ نے سر اٹھا کر سامنے بیٹھے ارسل کو دیکھا۔ارسل نے سر کو معمولی سی جنبش دی، جیسے کہہ رہا ہو۔ "پلیز۔"

اس نے اپنا کانٹا اٹھالیا۔ حیدر بغیر کسی مزاح کے ہنسااور اپنی پلیٹ میں پڑے گوشت کے ٹکڑے کو چھری کانٹے کی مدد سے کاٹا۔ "کیا مجھے ارسل کو تمہارے تمام کام کرنے کے لیے کہنا پڑے گا؟ تم صرف اسی کی بات مانو گی؟" اس کا لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔اس نے ارسل کی طرف دیکھا۔ "کیا تم نے اسے کپڑے بدلنے کو نہیں کہا۔"

ارسل ذرا سا سیدھا ہوا۔ "میں نے کہا تھا سر۔"

مجھے اپنے کپڑے پسند ہیں۔" وہ درمیان میں بولی۔ "

اس نے عالیانہ کی جانب سر پھیرا۔ "کسی نے نہیں پوچھا کہ تمہیں کیا پسند ہے۔ کھانا کھاؤ۔" حیدر کی مسکراہٹ دوبارہ لوٹ آئی تھی۔

کھانے کے بعد، ارسل اور باقی دوسرے سپاہی چلے گئے۔ حیدر نے اسے واپس کمرے تک چھوڑنے کا ارادہ کیا۔

میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے نفرت کرو۔" لفٹ کی طرف جاتے ہوئے حیدر نے کہا۔ "میں صرف تمہارا دشمن بن سکتا ہوں، اگر تم چاہو۔" اسے اس کا دشمن بننا منظور تھا ، لیکن یہ منظور نہیں تھا کہ وہ اس سے نفرت کرے۔

ہم ہمیشہ دشمن رہیں گے۔"اس کی آواز سرد برف کے ٹکڑوں کی مانند تھی۔"میں کبھی" "بھی وہ نہیں بنوں گی جو تم چاہتے ہو۔

حیدر نے لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔"مجھے لگتا ہے کہ جلد ہی تم اپنا خیال بدل لوگی۔"اس کے لبوں پر ایک چھوٹی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جب اس نے عالیانہ کی جانب دیکھا۔

افسوس کی بات ہے کہ اتنی خوبصورت شکل ایک بد قسمت انسان پر ضائع ہو رہی ہے۔ حیدر کا چہرہ دیکھ کر عالیانہ نے دل میں سوچا۔

تم اور میں، عالیانہ۔"وہ کچھ وقت بعد پھر بولا۔"اگر ہم ساتھ ہوں تو ہم بہت کچھ" "بدل سکتے ہیں۔

نہیں! شکریہ۔"اس نے دل میں یہ عہد کر لیا کہ اب وہ اس سے نظر نہیں ملائے گی۔"

وہ دونوں لفٹ میں سوار ہو گئے۔ شیشے کی دیواریں انہیں ہر منزل پر موجود لوگوں کے لیے ایک تماشا بنا رہی تھیں۔اس عمارت میں کوئی راز نہیں تھا، ہر چیز صاف اور شفاف تھی۔

میری پیشکش کے بارے میں دوبارہ سوچنا۔"حیدر کا لہجہ نرم تھا، مگر اس کے الفاظ میں" ایک سرد حقیقت پوشیدہ تھی۔

"تم نے یہ کیسے معلوم کیا؟" جب لفٹ کے دروازے کھلے تو اس نے اچانک پوچھا۔ وہ دونوں ابھی تک لفٹ کے اندر ہی کھڑے تھے۔ اس کا تجسس اس پر غالب آگیا تھا۔

حیدر کے سیاہ کوٹ کے نیچے سے سفید شرٹ کے کالر جھلک رہے تھے۔ اس کا ہر انداز باوقار اور شاہانہ تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک بے عیب تھا۔ وہ ایک ایسی تصویر تھا جسے مصور نے فرصت سے دل و جان لگا کر بنایا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مخصوص چمک تھی۔ وہ بے حد خوبصورت تھا۔ بہت زیادہ خوبصورت۔

"شاید رات کو اس بارے میں بات ہو۔" اس نے بھنویں اٹھائیں اور کہنی موڑ کر عالیانہ کو اپنے بازو کی پیشکش کی، جسے اس نے نظر انداز کیا۔ وہ دونوں لفٹ سے باہر نکلے اور ہال کی جانب بڑھے۔

"اگر ممکن ہو تو کچھ اچھا پہن لینا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" عالیانہ نے ایسے ہی پوچھ لیا۔ اب وہ دونوں اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

حیدر نے سر جھٹکا، گہری سانس لی اور ذرا سا سر جھکایا، اور اس کی آنکھوں پر غور کیا، یہاں تک کہ عالیانہ اپنے سوال پر پچھتانے لگی۔

"تم میرا نام جاننا چاہتی ہو؟" اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"حیدر تمہارا آخری نام ہے، ہے نا؟" اس نے اپنی بات کو تھوڑا سنوار کر کہا۔

"حیدر کی آنکھیں تھوڑی سی تنگ ہوئیں۔"تم میرا نام جاننا چاہتی ہو؟

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ ایک راز ہے۔"

میں تمہیں اپنا نام بتا دوں گا، اگر تم مجھے اپنا نام بتاؤ۔"حیدر نے اس کی گال کو چھوا۔"

تم پہلے ہی میرا نام جانتے ہو۔"عالیانہ نے آنکھیں تنگ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک" دیا۔

"حیدر اب اس کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہا تھا۔"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔

وہ لمحہ بہ لمحہ اس کے کان کے قریب ہوا، اتنا قریب کہ وہ اس کی آفٹر شیونگ کی خوشبو سونگھ سکتی تھی۔"جو میں کہنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ میں تمہیں اپنا نام بتا دوں گا، اگر تم مجھے اپنی صلاحیت دکھاؤ۔"وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"کیا؟"

مجھے دکھاؤ کہ تم کیا کر سکتی ہو۔"وہ واپس اپنی جگہ سیدھا ہوا۔"

"میں کبھی تمہاری مدد نہیں کروں گی۔"

ٹھیک ہے۔"حیدر نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت" "نہیں ہے۔

نہیں!"عالیانہ کے دماغ میں انجانے خوف کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔"

فکر مت کرو۔" حیدر مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ میں سرد مہری تھی۔"مجھے یقین ہے کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"نہیں!" اس نے گھبرا کر کہا۔ "نہیں۔ میں نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی۔"

ٹھیک ہے۔" حیدر نے سختی سے کہا۔ "ٹھیک ہے، تم مجھ سے نہیں لڑنا چاہتی؟ تم مجھے نقصان نہیں پہنچانا چاہتی؟ میں واقعی بہت عزت افزائی محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے نگاہیں گھمائیں اور ہال میں کھڑے ایک سپاہی کو آواز دی۔ "خان؟"

خان فوراً حیدر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اونچا، لمبا چوڑا جوان تھا، حیدر سے عمر میں بڑا لگتا تھا، لیکن اس کی فرمانبرداری میں کوئی کمی نہ تھی۔اس کی سیاہ آنکھیں غیر معمولی حد تک گہری تھیں۔

مجھے محترمہ عالیانہ کو نیچے لے جانے میں تمہاری مدد چاہیے ہو گی۔" حیدر نے مصنوعی نرمی سے کہا۔ "لیکن خبردار رہنا، یہ بہت ضدی ہیں۔ یہ تمہاری گرفت سے آزاد ہونے کی پوری کوشش کریں گی۔" حیدر دھیرے سے مسکرایا تھا۔ "چاہے یہ کچھ بھی کہے یا کرے، سپاہی، تمہارا کام اسے نیچے پہنچانا ہے۔ ایم آئی کلیئر؟"

خان کی آنکھیں تھوڑی سی پھیلیں، نتھنے پھول گئے۔ وہ حیدر کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار تھا۔اس نے مختصر سانس لیا اور سر ہلا دیا۔

اگلے ہی لمحے عالیانہ بھاگنے لگی۔ راہداریوں میں موجود سپاہیوں نے فوراً اس پر بندوقیں تان لیں۔

عالیانہ اندھادھند بھاگتی رہی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ کیوں اسے لگ رہا تھا کہ وہ بچ سکتی ہے۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اسے کہیں جانا تھا۔ وہ لفٹ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اسے آگے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ حیدر کے احکام دیواروں سے ٹکرا کر اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ لیکن وہ خود اس کے پیچھے نہیں بھاگا۔ اسے بھاگنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ عالیانہ جتنا مرضی ہی بھاگ لے، وہ اسے پکڑ لے گا۔ اچانک سپاہی اس کے سامنے، اس کے دائیں، بائیں اور پیچھے کھڑے ہو گئے۔ وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک بیوقوفی بھرے دائرے میں گھوم رہی ہے، خوفزدہ اور بے بس۔

خان اس کے سامنے تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے بھر گئیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کچھ ایسا ہو جو پہلے ہو چکا تھا، جب ایک معمولی لڑائی میں ایک جوان مر گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ کسی کو نقصان پہنچائے، خاص کر خان جیسے کسی کو، جو بس ایک حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔

اسے نرمی سے پکڑنا خان۔" حیدر کی آواز میں ایک سرد سکون تھا۔ کچھ بھی اس کے قابو" سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ عمارت میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

خان آگے بڑھا۔

عالیانہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، مگر وہ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔اس نے اپنی آنکھیں زور سے بند کرلیں۔ایک،دو، تین سیکنڈ۔اس نے آنکھیں کھولیں اور ہجوم میں ایک مانوس چہرے کا اضافہ ہوا۔ارسل! جو خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

خان نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔

عالیانہ کا وجود لرزنے لگا۔اس کے دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو گئیں کہ اسے اپنی دھڑکن کی آواز کانوں میں سنائی دینے لگی۔وہ زمین پر بیٹھ گئی اور خود کو سمیٹ لیا جیسے کوئی کمزور، کانپتا ہوا پتہ ہو۔

پلیز!"اس نے بے بسی سے بھرپور التجائیہ نظروں سے دروازے کے پاس" کھڑے حیدر کی جانب دیکھا، جو سنجیدہ سا کھڑا تھا۔شاید اس کے ماتھے پر بل تھے۔

پلیز! میں نہیں لڑسکتی۔میں لڑنا نہیں چاہتی۔"اس کی آواز ٹوٹ گئی۔"

میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی۔"اس نے خان سے کہا۔"

خان نے ایک لمحے کو خاموشی سے اسے دیکھا۔"میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں چاہتا ہوں۔"اس کی آواز گہری اور افسوس سے بھری ہوئی تھی۔

یہ حکم ہے سپاہی!"حیدر نے دوبارہ زور دے کر کہا۔خان نے بندوق عالیانہ کی" جانب تانی اور اسے پکڑنے کے لیے آگے بڑھا۔

تمہیں ٹیسٹ پاس کرنا پڑے گا۔ یہ ضروری ہے۔" حیدر نے بے پرواہی سے کندھے" اچکائے۔

نہیں، نہیں، نہیں!" عالیانہ نے چیخ کر کہا۔ اس کی آنکھیں لال ہو گئیں، آنسوؤں سے" نہیں غصے سے۔ اس نے اٹھ کر خان کو دور کرنے کے لیے اس کے سینے پر لات ماری اور مہارت کے ساتھ داہنے ہاتھ سے اس کے بندوق والے ہاتھ پر ٹھوکر ماری اور بائیں ہاتھ سے اس کی بندوق تھامی۔ اور وہی بندوق اس پر تان کر اس کی ٹانگ پر گولی ماری۔ ٹھاہ۔ ایک درد بھری آہ۔ یہ سب ایک منٹ سے بھی کم وقت میں ہوا تھا۔ اس نے یک دم ہاتھ میں پکڑی بندوق زمین پر پھینک دی۔ خان زمین پر درد سے کراہ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد خون ہی خون تھا۔

وہ بے بسی سے زمین پر بیٹھ گئی۔ سسکیاں بھرنے لگی۔ رونے لگی۔ وہ حواس کھو چکی تھی۔ خان بے جان زمین پر پڑا تھا۔ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ وہ درد سے کراہ نہیں رہا تھا۔ وہ سانس نہیں لے رہا تھا۔ شاید وہ.... شاید وہ مر گیا تھا۔ وہ زار و قطار رونے لگی۔

کوئی بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، کیونکہ انہیں اس کی مدد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ ارسل کی پیشانی پر ڈھیر سارے بل تھے۔ اس کی مٹھیاں سختی سے اس کے پہلوؤں میں بند تھیں۔

کسی کواس کی مدد کرنی چاہیے!" وہ خان کو دیکھتے ہوئے چیخی۔ "کسی کواس کی مدد کرنی" چاہیے! اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ اسے.... وہ.... یا اللہ.... میں نے کیا کیا ہے۔" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

عالیانہ!" حیدر جو بازو سینے پر باندھے کھڑا تھا، تیزی سے آگے بڑھ کر پنجوں کے بل" اس کے پاس بیٹھا۔ اس کو کندھوں سے تھاما۔

مجھے ہاتھ مت لگانا۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔" اس نے اس کے ہاتھ" جھٹکنے کی کوشش کی، مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اسے تھامنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"عالیانہ! ریلیکس۔"

اس کی مدد کرو!" وہ دوبارہ چیخی۔ اس کی نظریں ابھی بھی زمین پر بے حس و حرکت" پڑے خان پر تھیں۔ کوئی اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔

پلیز۔" اس نے دھندلی آنکھوں سے حیدر کو دیکھا۔ "تمہیں اس کی مدد کرنی ہوگی!" "پلیز۔

ارسل! علی! داؤد! اس کا خیال رکھو!" حیدر نے سپاہیوں کو حکم دیا اور عالیانہ کو اٹھنے" میں مدد کی۔

وہ جیسے ہی اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی، اس کا سر چکرایا۔ اگر حیدر نے اسے دونوں بازوؤں نہ تھاما ہوتا تو وہ سیدھا زمین پر گرتی۔

عالیانہ! عالیانہ! وہ اس کا چہرا تھپتھپا رہا تھا۔ حیدر کا چہرا دھندلا ہو رہا تھا اور پھر یک دم ہر جانب اندھیرا چھا گیا۔ گہرا تاریک اندھیرا۔

••••••☆☆☆••••••

منظر دھندلا رہے تھے، صاف ہو رہے تھے۔ اس کا سر بھاری تھا، نظر دھندلی، دل بوجھل۔ وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ نہیں پائی کہ وہ یہاں کیوں لیٹی ہوئی تھی۔ کسی کے ہاتھوں کالمس اسے اپنے کندھوں پر محسوس ہوا۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" حیدر ہلکا سا سر جھکا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ اس کا ذہین بیدار ہوا۔

اچانک پرانی یادیں اس کی آنکھوں میں جل اٹھیں اور خان کا چہرہ اس کے شعور میں تیر نے لگا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

حیدر سامنے کرسی پہ جا بیٹھا اور ٹانگ پر ٹانگ جمائے اکھڑے تیوروں کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔ وہ اوپری سیاہ کوٹ اتار چکا تھا۔ اب صرف سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کی آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئی تھیں۔ وہ دلچسبی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بہت زیادہ سوئی ہو تم۔" اس نے گہری سانس کی اور کلائی موڑ کر بے پرواہ سے انداز میں ٹائم دیکھا پھر دوبارہ اسے دیکھنے لگا۔ "ایک لمحے کے لئے تم نے واقعی مجھے فکر مند کر دیا تھا۔" وہ مسکرا رہا۔ تھوڑا ہنسا بھی تھا۔

مجھے تم سے نفرت ہے۔"اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں کو قابو کرنے کی کوشش کی۔"

سوچ پیشن۔"وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔وہ اتنا پر سکون نظر آرہا تھا، جیسے وہ واقعی بہت" خوش اخلاق ہے۔وہ اسے ان آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی نرم ہو سکتی ہیں۔

"ڈر گئی تھی؟"

" میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں، میں تمہیں ناقابلِ اعتبار سمجھتی ہوں۔"

شوق سے سمجھو۔"اس نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔"

میں تمہارے لئے کھانا لایا ہوں۔"وہ کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھی اور ارد گرد نگاہ" دوڑائی۔وہ ایک بستر پر لیٹی تھی اور اس کے اوپر کمفرٹر ڈلا ہوا تھا۔فرش پر موٹا قالین بچھا ہوا تھا جو غروب آفتاب کی رنگت کا تھا۔قیمتی صوفے، بھاری پردے۔کمرے میں ہیٹرز کی گرمائش تھی۔ کمرے کا سائز اس کے کمرے جتنا ہی بڑا تھا، کمرے کا فرنیچر عام تھا، مگر قیمتی لگتا تھا۔بستر، الماری، چھوٹی میزیں، چھت سے لٹکتا ہوا فانوس۔ کمرے میں ایک اضافی دروازہ بھی تھا اور ایک کونے میں پڑی چھوٹی میز پر ایک گلدان اور ایک موم بتی خاموشی سے جل رہی تھی۔اس نے اتنے سالوں سے آگ نہیں دیکھی تھی۔اسے شعلے کو چھونے کی خواہش ہوئی۔"میں کہاں ہوں؟"اس نے غیر آرام دہ حالت میں سوال کیا۔حیدر اٹھا اور سائیڈ ٹیبل سے ناشتے کا ٹرے اٹھایا۔اس کے سوال پر "اس نے کمرے پر نظر دوڑائی جیسے وہ پہلی بار یہ کمرا دیکھ رہا ہو۔"یہ میرا بیڈ روم ہے۔

مجھے میرے اپنے کمرے میں جانا ہے۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔" اگر اس کا سر درد سے پھٹ نہ رہا ہوتا تو وہ بھاگنے کی کوشش ضرور کرتی۔

اور پھر بھی تم یہاں ہو۔" وہی مخصوص طنزیہ انداز۔ اس نے ٹرے اس کے سامنے" رکھا۔

پیاس لگی ہے؟" وہ شخص شکل سے جتنا وجیہہ تھا، زبان سے اتنا ہی مغرور تھا۔ اس" کے جواب نہ دینے پر اس نے گلاس میں پانی انڈھیلا۔

وہ الجھن میں تھی۔ اپنے خیالات کو ٹھیک سے سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ حیدر کی دو مختلف شخصیتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک طرف وہ اسے پانی کا گلاس پیش کر رہا تھا، اور دوسری طرف وہی شخص اسے اذیت دے رہا تھا۔ اس نے سر جھکا کر اپنی ہاتھوں کو ایسے دیکھا جیسے وہ پہلی بار اپنے ہاتھ دیکھ رہی ہو۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔" اس کی مدھم آواز میں الجھن نمایاں تھی۔ حیدر نے ذرا سا" سر جھکایا، نظریں قالین پر جمالیں۔ ایک لمحے کا توقف کیا۔

میں نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا تمہیں پیاس لگی ہے۔ اس میں سمجھنے کی کیا بات" ہے؟" اس نے گلاس اس کی جانب بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"یہ گرم پانی ہے۔ اسے ختم کرو۔"

اس نے گلاس کو دیکھا۔ گلاس تھاما، حیدر کی طرف نظر اٹھائی، اور پھر اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کو دیکھنے لگی۔

حیدر نے ایک گہری سانس لی۔ "مجھے یقین نہیں آرہا، لیکن تم بے ہوش ہوگئی تھیں۔ تمہیں کچھ کھانا چاہیے۔" اس نے دوبارہ توقف کیا۔ "شاید پہلے دن کے لیے یہ مشقت تھوڑی زیادہ تھی۔ مائی مسٹیک!"

"تم میرے ساتھ اتنے اچھے کیوں بن رہے ہو؟" عالیانہ نے آہستہ سے پوچھا۔ اس سوال پر حیدر کے چہرے پر آئی حیرت نے اسے مزید حیران کر دیا۔

"کیونکہ مجھے تمہاری پرواہ ہے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"تمہیں میری پرواہ ہے؟" عالیانہ نے اس کے الفاظ دہرائے۔ اس کا جسم سن ہو رہا تھا۔ غصہ اس کے شعور کی سطح پر ابھرنے لگا تھا۔ "میں نے تمہاری وجہ سے خان کو مار ڈالا!"

"تم نے اسے نہیں مارا۔" حیدر نے آہستہ سے کہا۔

اس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ "تمہارے سپاہیوں نے مجھے مارا پیٹا! تم نے مجھے یہاں قیدی کی طرح رکھا ہوا ہے! تم مجھے مارنے کی دھمکی دیتے ہو! تم مجھے کوئی آزادی نہیں دیتے اور پھر کہتے ہو کہ تمہیں میری پرواہ ہے؟" وہ پانی کا گلاس اس کے چہرے پر پھینکنے کو تیار تھی۔ "میں تمہیں جانتی ہوں، تم انتہائی ظالم انسان ہو!"

حیدر نے رخ موڑ لیا۔ "میں صرف تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" تیس سیکنڈ کے توقف کے بعد آہستہ سے کہا۔

جھوٹ !"اس نے تلخی سے کہا۔"

"تم جھوٹے ہو۔میں جانتی ہو تم کیا سوچ رہے ہو۔"

کیا سوچ رہا ہوں، مثلاً؟"اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے سنجید گی سے" سوال کیا۔اس کے لہجے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔

کرسی کے ہینڈل پر کہنی ٹکا کر، ہتھیلی گال تلے جمائے اب وہ اطمینان اسے دیکھ رہا تھا۔

یہی کہ مجھے امپریس کیسے کیا جائے؟" یہ ایک پوشیدہ سوال تھا، جس کا جواب وہ امید کر" رہی تھی کہ نفی میں ہو گا۔

پھر کچھ ایسا ہوا جس سے اس کا دل مزید بوجھل ہو گیا۔

وہ ہنس پڑا۔ لیکن الجھن کی وجہ صرف اس کا ہنسنا نہیں تھا۔وہ ہنسا تھا، مگر یہ کوئی عام سی ہنسی نہیں تھی۔

مثال کے طور پر،اس کے لبوں کا صرف ایک کونہ نہیں مڑا تھا۔نہ ہی وہ آہستہ سے مسکرایا تھا۔

جب اس کی نظریں عالیانہ کی آنکھوں سے ہٹ کر نیچے جھکیں تو اس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ تھی،اور پھر ایک مختصر، ہنسی کی سرگوشی۔

اسے جانتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، مگراس کے چہرے کی مغروریت اوراس کی سنجیدہ طبیعت کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ جانتی تھی کہ وہ محدود رد عمل دینے والا شخص تھا۔چند الفاظ اور حرکات میں سب کچھ بیان کر دیتا تھا،اور وہ ان الفاظ اور حرکات کو دیکھ بھی چکی تھی۔

مگر یہ؟

یہ وہ نہیں سمجھ پائی۔کچھ پل خاموشی میں گزرے۔

"میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔میں تمہارا ساتھی نہیں بننا چاہتی۔مجھے آزاد کرو۔"

"حیدر اٹھ کھڑا ہوا۔ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔"میں ایسا نہیں کر سکتا۔

کیوں نہیں؟"عالیانہ چیخنے والے انداز میں بولی۔"

کیونکہ میں نہیں کر سکتا۔بس۔"اس نے گلا صاف کیا،اس کی نظریں ایک لمحے کے" "لیے چھت پر ٹھہریں۔"مجھے تمہاری ضرورت ہے۔

تمہیں لوگوں کو مارنے کے لیے میری ضرورت ہے؟"اس کا لہجہ تلخ تھا۔"

حیدر نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ موم بتی کے قریب گیا اور انگشت شہادت سے شعلے کو "چھوا۔"میں خود بھی لوگوں کو مارنے کے قابل ہوں عالیانہ! میں اس میں ماہر ہوں۔

"یہ قابل نفرت ہے۔"

حیدر نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔" تمہیں کیا لگتا ہے میری عمر کے کسی شخص کے پاس اتنے سارے فوجی کیسے ہو سکتے ہیں؟ یونہی میرے بابا نے مجھے ایک پورے سیکٹر کی کمان سونپ دی؟"

تمہارے بابا؟" وہ تکیے سے ٹیک چھوڑ کر یک دم سیدھی ہو کر بیٹھی۔"

حیدر نے عالیانہ کے سوال کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔"خوف کا میکانزم بہت سادہ ہے۔لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں، اس لیے جب میں بولتا ہوں، تو وہ سنتے ہیں۔"اس نے اپنا ہاتھ ہوا میں اٹھا کر دیکھا۔ سفید جلد پر ابھری رگیں۔آرٹسٹک مینی کیور شدہ انگلیاں۔" خالی دھمکیوں کی آج کل کوئی قیمت نہیں رہی۔"

"تو تم طاقت کے لیے لوگوں کو مارتے ہو؟"

تم نے کسی کو نہیں مارا؟" سوال نہیں تھا بیان تھا۔"

تمہاری جرأت کیسے ہوئی......" وہ یک دم غصے میں آ گئی۔"

حیدر نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔" اگر اس سے تمہیں بہتر محسوس ہوتا ہے تو تم مجھ پر غصہ کر سکتی ہو۔"

"میں ۔۔۔میں تمہیں۔"

خان کے سامنے تم نے فوراً مزاحمت کیوں نہیں کی؟" وہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔" تم نے اسے خود کو کیوں ہاتھ لگانے دیا؟ کیا تمہیں سیلف ڈیفنس نہیں آتا؟"

"مجھ سے ایسے سوال مت پوچھو۔ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

اور پھر بھی تم کہتی ہو کہ تم مجھے جانتی ہو۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔"

تم جھوٹے ہو۔" حیدر نے کہا۔"

ہاں! کم از کم میں جھوٹ بولنے میں ایماندار ہوں۔" اس نے جیسے اپنی ہی تصحیح کی۔

اس نے پانی کا گلاس سائڈ ٹیبل پر پٹخا، اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ پر سکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک گہری سانس اندر کو کھینچی۔ "کیوں؟" اس نے کھردرے "انداز میں پوچھا۔" اگر تم اتنے ماہر قاتل ہو تو تمہیں میری ضرورت کیوں ہے؟

حیدر کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ ابھری جو جلد ہی غائب ہو گئی۔" ایک دن میں تمہیں "اس سوال کا جواب دوں گا۔ اور بد قسمتی سے وہ ایک دن آج نہیں ہے۔

اس نے اعتراض کرنے کی کوشش کی، مگر حیدر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ اس نے پلیٹ سے سلائس کا ٹکڑا اٹھایا اور عالیانہ کو دیا۔ "تم نے رات کے کھانے میں کچھ نہیں کھایا تھا۔ یہ تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔" اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس نے سلائس پکڑا۔ حیدر نے پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبلسے اٹھا کر ٹرے میں رکھا اور اس کی جانب مڑا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، وہ لمحے بھر کے لیے بے بس ہو گئی۔ اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا، لیکن وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

کچھ کھا کر سو جاؤ۔ میں صبح واپس آؤں گا۔" حیدر نے نرمی سے کہا۔"

میں اپنے کمرے میں کیوں نہیں سو سکتی؟" عالیانہ نے پوچھا۔"

کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں رہو۔" حیدر نے کہا۔"

"لیکن کیوں؟"

اتنے سوالات!" حیدر دروازے کی جانب مڑتے ہوئے بیزاری سے بولا۔"

اگر تم مجھے سیدھا جواب دو تو..." اس نے کہنا چاہا۔"

"!شب بخیر، عالیانہ"

کیا تم مجھے آزاد کرو گے؟" اس بار عالیانہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔"

نہیں۔" وہ موم بتی والے کونے میں رکا۔" اور میں تمہارے لیے چیزیں آسان بنانے" کا وعدہ بھی نہیں کروں گا۔" اس کی آواز میں کوئی پچھتاوا، کوئی افسوس، کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

تم جھوٹ بول رہے ہو؟" اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب کی جھلک پیدا ہوئی۔"

شاید ہاں۔" اس نے اپنے آپ سے بات کرتے ہوئے سر ہلایا، موم بتی بجھائی اور" دروازے سے باہر نکل گیا۔

اس نے اسے پیچھے سے پکارنے کی کوشش کی، اٹھنے کی کوشش کی، اپنے ہوش بحال کرنے کی بھی، لیکن ناکام رہی۔ آخر کار، وہ تھکن سے بے حال ہو کر بستر پر گر گئی۔

••••••☆☆☆••••••

"تم خودکشی کیوں نہیں کر لیتیں؟" کسی نے سکول میں اس سے پوچھا تھا۔ سوال ظالمانہ تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس سوال کا کیا جواب دے۔ شاید وہ پاگل تھی کہ اس پر غور کر رہی تھی، لیکن اس کے دل میں ہمیشہ یہ امید رہی تھی کہ اگر وہ ایک اچھی لڑکی بن جائے، سب کچھ صحیح طریقے سے کرے، صحیح باتیں کرے یا بالکل خاموش رہے، تو اس کے والدین اپنا فیصلہ بدل دیں گے۔ وہ سوچتی تھی کہ شاید وہ اس کی بات سنیں گے اور اسے ایک موقع دیں گے۔ وہ ہمیشہ یہ امید کرتی تھی کہ شاید وہ اس سے محبت کریں گے۔ یہ ایک جھوٹی امید تھی۔

"صبح بخیر۔" وہ ایک دم ڈر جانے والے انداز میں اٹھی۔ وہ بستر کے سامنے رکھی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا، اپنے سرمئی سوٹ اور چمکتے سیاہ جوتوں میں مکمل نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں اچھی نیند آئی؟" اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ حیدر کی آنکھوں کا رنگ روشن، شفاف، بھورا تھا، جسے نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ اس کے بال گہرے بھورے رنگ کے تھے جو جیل کی مدد سے ایک جانب سمٹے ہوئے تھے۔ اس نے پہلی بار دیکھا کہ اس نے بائیں چھوٹی انگلی پر سیاہ ترمری (سیاہ پتھر) کی انگوٹھی پہن رکھی ہے۔

"اب تمہیں اپنے کمرے میں واپس جانا چاہیے۔" وہ فوراً کھڑی ہوئی، جیسے ہی وہ کھڑی ہوئی، اس کا سر چکرانے لگا، خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اسے بیڈ کے کنارے کو تھامنا پڑا۔ حیدر نے اس کی لڑکھڑاہٹ پر ہلکا سا سکارا بھرا۔

تم نے وہ کھانا نہیں کھایا جو میں نے تمہارے لیے چھوڑا تھا۔" اس نے جواب دیے بغیر" کپکپاتے ہاتھوں سے سائیڈ ٹیبل پر سے پانی کا گلاس اٹھا کر پیا اور خود کو سلائس کے کچھ ٹکڑے کھانے پر مجبور کیا۔

حیدر نے اسے کمرے سے باہر لے جانے میں مدد کی، جب اس نے کمرے سے باہر قدم رکھا تو، وہ تقریباً لڑکھڑا گئی۔ اس فلور پر موجود سپاہیوں کی تعداد اس کے فلور پر موجود سپاہیوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ ہر سپاہی کے پاس کم از کم تین مختلف قسم کی بندوقیں تھیں، کچھ ان کی گردن کے گرد لٹکی ہوئی تھیں، کچھ ان کی بیلٹس سے بندھی تھیں۔ اس کو دیکھ کر ہر ایک کے چہرے پر خوف کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ ان کے بیچ سے گزرتی، ہر سپاہی اپنے ہتھیاروں کو تھوڑا مضبوطی سے پکڑ لیتا۔

ان کا تم سے ڈرنا تمہارے حق میں کام کرے گا۔" حیدر نے سرگوشی کی۔"

میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھ سے ڈریں۔" پرانی یادوں سے اس کے دل میں درد بھر" گیا۔

تمہیں چاہنا چاہیے۔" اس کی نظروں میں سنجیدگی تھی۔" اگر وہ تم سے ڈریں" "گے نہیں، تو وہ تمہارا شکار کریں گے۔

"لوگ ان چیزوں کا شکار کرتے ہیں جن سے وہ ڈرتے ہیں۔"

تب وہ جانتے ہیں کہ وہ کس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔" حیدر نے ہال کی دوسری" راہداری میں قدم رکھے، لیکن وہ وہیں کھڑی رہی، اس کے پیر زمین پر منجمد ہو گئے۔

تم نے جان بوجھ کر مجھے وہ سب کرنے پر مجبور کیا؟"حیدر اس سے تین" قدم آگے تھا، لیکن وہ اس کے چہرے پر آئی مسکراہٹ دیکھ چکی تھی۔ پھر وہ پلٹا۔

میں ہر کام جان بوجھ کر کرتا ہوں پیاری لڑکی۔"اس نے بے پرواہی سے کہا۔"

تم نے... تم نے مجھے دکھانے کے لیے یہ سب کیا۔ تم نے جان بوجھ کر یہ کروایا تاکہ" لوگ مجھ سے ڈریں۔"اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ غصے سے بھر گئی۔ اس نے ہمیشہ چاہا کہ لوگ اس سے نفرت نہ کریں۔ لیکن یہ شخص، یہ شخص اس کی سب کمزوریاں جانتا تھا۔ وہ اس کی کمزوریوں کو اس کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔

میں تمہیں بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"حیدر نے آہستہ سے کہا۔ اس کا چہرا بے" تاثر تھا۔ پھر وہ واپس مڑا اور لفٹ کا بٹن دبایا۔

"اپنے ہی سپاہیوں سے ؟"وہ غصے سے بولی۔"ایک آدمی کی جان کے بدلے۔"

اندر چلو۔"حیدر نے لفٹ کی طرف اشارہ کیا۔ لفٹ کے دروازے کھلے ہوئے" تھے۔ وہ اس کے پیچھے چل دی۔ اس نے بٹن دبایا۔ لفٹ کے دروازے بند ہو گئے۔

ہاں۔"اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔"

کیا ہاں ؟"اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔"

"ہاں، اپنے ہی سپاہیوں سے۔ ہاں، ایک آدمی کی جان کے بدلے۔"

تم میری دنیا کے بارے میں بہت کم جانتی ہو عالیانہ۔ تم سمجھ نہیں رہی۔" وہ حد سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

نہیں۔ تم نہیں کر رہی۔" اس کی لمبی مڑی ہوئی پلکیں آگ میں جھلسے کالے دھاگے کی طرح تھیں۔

تم یہ نہیں سمجھتیں کہ طاقت اور کنڑول کسی بھی وقت ہمارے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں، خاص طور پر تب جب ہمیں لگتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ تیار ہیں۔ یہ دو چیزیں حاصل کرنا مشکل ہے۔ اور انہیں برقرار رکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل۔" حیدر کی آواز میں غصہ تھا۔ عالیانہ نے کچھ بولنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اسے روک دیا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے، میں نہیں جانتا کہ میرے اپنے سپاہی مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟ تمہیں کیا لگتا ہے، میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے گرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں؟ تمہیں کیا لگتا ہے، میں نہیں جانتا، میرے لوگ مجھے گرا کر اس مقام پر آنا چاہتے جس کے لیے میں "سخت محنت کر رہا ہوں۔

اپنی تعریف مت کرو۔" وہ اس سے نظریں ہٹا کر شیشے کی دیواروں کے پار دیکھنے لگا" ۔چند سیکنڈز کا توقف۔

تم یہ نہیں سمجھتیں کہ تم اس عمارت میں ہر کسی کے لیے ایک خطرہ ہو۔ان کے پاس" تمہیں نقصان پہنچانے کی ہر وجہ موجود ہے، وہ وجہ جو تم انہیں خود دے رہی ہو۔تم یہ "نہیں سمجھتی کہ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

مجھے تکلیف دے کر!" وہ پھٹ پڑی۔"دوسروں کو تکلیف دے کر!"اس بات پر" وہ باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔اس کی ہنسی بے مزہ تھی۔سرد۔اسی پل لفٹ کا دروازہ خاموشی سے کھلا اور عالیانہ کے کمرے کا دروازہ نظر آیا۔حیدر لفٹ سے باہر نہیں نکلا۔

اپنے کمرے میں جاؤ۔کپڑے بدلو۔میں نے تمہاری الماری میں کچھ جوڑے " رکھوائے ہیں۔"اس نے سنجیدگی میں کہا۔

مجھے ویسے کپڑے پہننا پسند نہیں ہے۔"اس نے قدرے ضدی لہجے میں کہا۔"

مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں ایسے بھی پسند ہیں۔"حیدر نے سر سے پیر تک اس پر ایک" سرسری نگاہ دوڑائی۔وہ ایک دم شرمندہ ہوئی۔

میں ایک گھنٹے میں واپس آؤں گا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، لفٹ کے" دروازے اس کے منہ پر بند ہو گئے۔

وہ آگے بڑھی۔کمرے کے پاس تاریکی میں ایک سپاہی کھڑا تھا۔اس نے تاریکی میں کھڑے سپاہی کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کی۔سپاہی ارسل تھا۔

ارسل۔ کیا ارسل اس کے بارے میں جان چکا تھا؟ اس نے جو خان کے ساتھ کیا، وہ دیکھنے کے بعد ارسل اس سے نفرت کرنے لگا ہو گا۔ ایک واحد شخص جس نے اس سے نفرت نہیں کی، وہ اس کی نفرت برداشت نہیں کر پائے گی۔ وہ اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہے گا۔ عالیانہ کا دل پانی کے غبارے کی طرح اس کے سینے میں پھٹ گیا۔ اس کے پھیپھڑے اس کی پسلیوں میں جھولنے لگے۔ اسے محسوس ہوا جیسے دنیا کی ہر مٹھی نے اس کے پیٹ میں گھونسہ مارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسے فکر نہیں کرنی چاہیے تھی، لیکن وہ پریشان تھی۔

وہ کمرے کے دروازے کے پاس کھڑی ہوئی، انتظار کیا کہ ارسل اس کے لیے دروازہ کھولے، لیکن ارسل نے کوئی حرکت نہ کی۔

ارسل؟ مجھے تمہارا پنچ کارڈ چاہیے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔"

ارسل نے ایک تکلیف بھرا سانس اندر اور باہر کھینچا۔ اس کو محسوس ہوا کہ کچھ غلط ہے۔ وہ اس قریب آئی، لیکن ارسل نے سر کو تیزی سے ہلایا، جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ نہ آئے۔

لوگ اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لوگ اس سے دور رہنا چاہتے تھے۔ لوگ اسے اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ شاید ارسل بھی اب دوسرے لوگوں کی طرح بن گیا ہے، وہ اسے اپنے قریب نہیں چاہتا۔ شاید وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ یقیناً وہ نہیں چاہتا۔ اس کو کبھی اپنی جگہ نہیں بھولنی چاہیے تھی۔ اس کے ذہن نے اسے بتایا۔

ارسل بنا کچھ کہے آگے بڑھا اور ذرا سا جھک کر کارڈ پنچ کیا، دروازہ کھلا۔ اس نے محسوس کیا کہ کسی نے ارسل کو وہاں تکلیف پہنچائی ہے جہاں وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ حیدر کی باتیں عالیانہ کے ذہن میں گونج اٹھیں، اسے احساس ہوا کہ حیدر کا سر دالوداع ایک انتباہ تھا، ایک ایسا انتباہ جس نے اس کے جسم کی ہر نس کو کاٹ دیا۔ ارسل کو عالیانہ کی غلطیوں کی سزا ملے گی۔ اس کے کیے کی سزا۔

اس نے اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو پچھتاوے کے سمندر میں دفن کرنے کی کوشش کی اور دروازے کے پار قدم رکھا، اور آخری بار ارسل کی طرف دیکھا، وہ اس سے نفرت نہیں کر سکی تھی، اس سب کے باوجود بھی، جو اس نے کیا تھا، وہ اس سے چاہ کر بھی نفرت نہیں کر پائی۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا اور واحد دوست تھا۔

جامنی جوڑا پہننا، عالیانہ!" اس نے کھانستے ہوئے کہا۔ اس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔" دھیمی تھی، شاید سانس لینا اس کے لیے تکلیف کا باعث بن رہا تھا۔

اس کو تکلیف میں دیکھ کر اسے اتنی تکلیف ہوئی کہ آنسوؤں کا گولا اس حلق میں پھنس گیا، وہ جواب نہ دے پائی اور کمرے میں داخل ہوتے ہی فوراً الماری کھولی۔ جامنی لباس کو ہینگر سے کھینچا، تب ہی اسے یاد آیا کہ اسے دیکھا جا رہا تھا۔ کیمرے۔ تب اس نے سوچا کہ شاید ارسل کو کیمروں کے بارے میں بتانے کی وجہ سے سزا ملی ہے۔

اس نے جامنی لباس کے کپڑے کو چھوا، اس کی انگلیاں اس کنارے تک پہنچیں، جہاں کل ارسل کی انگلیاں پہنچی تھیں۔ آخر ارسل کو یہ جوڑا اتنا کیوں پسند ہے۔ کیوں

ضروری تھا کہ وہ یہی جوڑا پہنے؟ کسی احساس کے تحت اس نے الماری کے اندر چھوٹی لکڑی کی شیلف پر ہاتھ پھیرا اور ایک انجان سی بناوٹ نے اس کی جلد کو چھوا۔
اس کھردری چیز کا احساس جانا پہچانا تھا۔ اس نے کیمرے سے بچنے کے لیے الماری کے دروازوں کے بیچ خود کو چھپالیا۔ ارسل نے ڈائری جامنی جوڑے کی جیب میں رکھی تھی، جو عالیانہ کے ہینگر کھینچنے سے شیلف پر گر گئی تھی۔ ایک طاقتور خوشی کا احساس۔ اسے حیرت ہوئی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو کیوں نہیں بہہ رہے۔ اس کی ڈائری۔ ارسل نے اس کی ڈائری بچالی تھی۔ اس نے وہ واحد چیز بچالی تھی جو عالیانہ کی تھی۔

اس نے جامنی لباس کو پکڑ کر ڈائری کو اس کی تہوں میں چھپالیا، پھر وہ باتھ روم چلی گئی۔ باتھ روم جہاں کوئی کیمرے نہیں تھے۔ باتھ روم جا کر اس نے پیچھے سے دروازہ بند کیا۔ اسے یاد آیا کہ کل ارسل اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ اتنی غم و غصے میں تھی کہ وہ اسے سمجھ نہیں پائی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے جب اس نے نوٹ بک کھولی۔ اس نے صفحات کو پلٹا تاکہ یہ یقینی بنا سکے کہ اس کے تمام الفاظ اندر موجود ہیں، تب اس کی نظر آخری صفحے پر پڑی۔ بالکل نیچے ایک نئی سطر تھی جو اس کی ہینڈ رائٹنگ نہیں تھی۔ ایک نئی سطر جو یقیناً ارسل نے لکھی تھی۔

جیسا تمہیں دکھ رہا ہے، ویسا کچھ نہیں ہے۔" وہ ساکت ہو گئی۔ اس کے سینے میں دباؤ" پڑنے لگا۔ وہ اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سطر والا صفحہ پھاڑا اور اسے فلیش میں بہادیا۔ چھوٹی ڈائری کو جامنی لباس کی جیب میں چھپالیا۔ اسی جیب میں جہاں ارسل نے اسے رکھا تھا۔ اسی جیب میں جہاں سے ہینگر زور سے کھینچنے پر وہ گری تھی۔ جامنی لباس کی جیب۔

••••••☆☆☆••••••

دو دستکیں۔

وہ جوتے پہن رہی تھی جب اس کی نظر دروازے سے اندر آتے حیدر پر پڑی۔

تم نے اسے تکلیف پہنچائی ہے۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔"

"تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ تم کرتی ہو۔"

وہ خاموش رہی، لبوں کو مضبوطی سے بند کیے ہوئے، دل میں دعا کرتی رہی کہ اس کے ہاتھ زیادہ نہ کانپیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ارسل اب کہاں ہے، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنی بری طرح سے زخمی ہوا ہے، یا حیدر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن ارسل کے ممکنہ درد کا خیال، اسے سانس لینے نہیں دے رہا تھا۔ وہ سطر۔ کیمرے کے بارے میں بتانا۔ اس کا تکلیف زدہ چہرا۔ اگر ارسل اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا، تو یہ اس کی زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔

اس نے اپنے جیب میں رکھی ڈائری کو چھوا۔ حیدر کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر کے منظر پر مرکوز تھیں۔

اگر تم تیار ہو تو چلیں؟"اس نے کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی۔"

ہم کہاں جا رہے ہیں؟"اس نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا، لیکن حیدر نے کوئی" جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں دروازے سے باہر نکلے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ "راہداری خالی تھی۔ سنسان۔"ارسل کہاں ہے؟ سب لوگ کہاں ہیں...؟

لفٹ تک بڑھتے اس کے قدم رکے۔ عالیانہ بھی اس کے رکنے پر رکی۔ اس نے نظر موڑ کر عالیانہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

یہ لباس تم پر اچھا لگ رہا ہے۔"وہ سلک کا جامنی فرل دار لانگ فراک پہنے ہوئے" تھی۔ اس کے قدرتی سنہری کرل شدہ بال کمر پر گر رہے تھے۔ گوری رنگت۔ خوبصورت نقوش۔ گلابی ہونٹ۔ وہ واقعی کسی سلطنت کی شہزادی لگ رہی تھی۔

یہ مجھے تمہارے بے جا سوالات سے ڈسٹریکٹ کرنے میں مدد دے گا۔"اس نے اس" کے کپڑوں کو دیکھ کر کہا۔ پھر اس نے اس سے نظر ہٹائی اور اس کے اپنے ساتھ چلنے کا انتظار کیے بنا لفٹ کی جانب بڑھا۔

••••••☆☆☆••••••

ہم یہاں کیا کررہے ہیں؟" وہ دونوں سورج کی روشنی میں نہا رہے تھے۔ حیدر نے "
ایک دروازہ کھولا جو سیدھا باہر کی جانب جاتا تھا۔

اس سے پہلے کے وہ باہر کی طرف بڑھتے، حیدر نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما، عالیانہ نے سر موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

ہمیں کچھ کام نپٹانے ہیں۔" اس نے حیدر سے نظر ہٹا کر سامنے دیکھا۔ سامنے ایک لمبا" چوڑا صحن تھا۔ اس نے دوبارہ حیدر کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ایسی جگہ لے جا رہا تھا، جس کی اس نے ہمیشہ خواہش کی تھی۔ اب وہ دروازے سے باہر تھے۔ اس نے سر کو آسمان کی جانب اٹھایا۔ بادل ہمیشہ کی طرح سرمئی تھے، سورج بہت اوپر، اپنی شعاعوں کو سہارا دینے والی زمین پر نیم دراز اپنی گرمی کو منعکس کر رہا تھا۔ ہوا اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ نرم، ریشمی ہوا اس کے کھلے بالوں میں لطیف سی سرسراہٹ بکھیر رہی تھی۔

اس نے حیدر کی خود پر اٹکی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔ "یہ تمہیں خوشی دیتا ہے نا؟" حیدر نے اپنے پیروں کے نیچے دنیا کی جانب اشارہ کیا۔ تب اسے احساس ہوا کہ یہ چوکور صحن اس عمارت کا وسیع صحن ہے جو دو عمارتوں کے درمیان تھا۔ اس نے کنارے کی طرف بڑھ کر دور دور تک پھیلی بستیوں، زمینوں اور درختوں کو دیکھا۔

ٹھنڈی ہوا کی خوشبو مجھے بہت پسند ہے۔ یہ دنیا کی سب سے شاندار خوشبو"
ہے۔ تازہ۔ میٹھی۔" اس نے آنکھیں بند کر کے سر آسمان کی جانب اٹھایا اور ہوا کو محسوس

کرتے ہوئے گہری سانس لے کر خوشی سے حیدر کو بتایا اور اس کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں ،اس کی آنکھوں میں بیک وقت خوشی، پریشانی، دلچسپی اور الجھن جھلکی۔ حیدر نے سر ہلایا اور اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب کی جانب ہاتھ بڑھایا اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں ایک سنہری دستے والی بندوق تھی جو سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ عالیانہ نے گھبراہٹ سے تیز سانس لیا۔

وہ بندوق کا معائنہ کرنے لگا کہ آیا یہ شوٹ کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی۔ وہ پلٹا اور آخر کار اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو پڑھا اور ہنس دیا۔ """"ڈرو مت۔ یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔

تمہارے پاس بندوق کیوں ہے ؟""اس نے گبراہٹ سے سوال کیا اور اپنے بازوؤں"" ""کو مضبوطی سے سینے پر باندھ لیا۔""ہم یہاں اوپر کیا کر رہے ہیں؟

حیدر نے بندوق کو دوبارہ اپنی جیب میں رکھا اور چھت کے کنارے کے مخالف سرے کی طرف چل پڑا اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے پیچھے گئ اور اس کی آنکھوں کا تعاقب کیا اور ٹھٹھک کر رہ گئ۔

دس منزل نیچے چوکور صحن میں تقریباً ساٹھ قطاریں سطروں میں کھڑی تھیں، ہر قطار بالکل سیدھی اور الگ تھی۔ بہت سے سپاہی ایک قطار میں کھڑے تھے جن کی گنتی ایک نظر سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ سب سپاہی ایک منظم ہاکی لباس میں تھے۔ ہاکی پتلون،

ہاکی قمیص، ٹخنوں تک اونچے سیاہ جوتے۔ ہر سپاہی اپنی بائیں مٹھی کو دل پر رکھے کھڑا تھا۔ تو سب سپاہی یہاں تھے، اسی لیے راہداری خالی تھی۔ ارسل۔ کیا ارسل بھی وہاں تھا۔ کیا وہ اسے دیکھ رہا تھا؟

حیدر نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا سوراخ دار دھاتی ٹکڑا (منی ہینڈ اسپیکر) نکالا اور اسے اپنے ہونٹوں کے قریب کیا۔

سیکٹر فائیو۔" جب وہ بولا تو اس کی آواز پورے ہجوم"
میں گونجی۔ بھاری، سنجیدہ، گہرا، نرم لہجہ۔ ایسا لگتا تھا ہوا اس کی آواز کو نیچے کھڑے ہر سپاہی تک پہنچا رہی ہے۔

اس کے منہ سے نکلے ایک لفظ پر سپاہیوں کی پوری جماعت میں باہمی حرکت ہوئی۔ بائیں مٹھیوں کو چھوڑ کر اپنے پہلو میں گرایا گیا۔ دائیں مٹھیاں سینے پر جما دی گئیں۔ سب سپاہی ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ وہ متاثر ہوئی۔ اور حیران بھی۔

ہمارے پاس دو معاملات ہیں جنہیں نپٹانا ہے۔" حیدر کی آواز دوبارہ فضا میں گونجی۔" گہری، واضح، ناقابل یقین حد تک پر اعتماد۔

پہلا معاملہ میرے ساتھ کھڑا ہے۔" اس نے ایک پل کے لیے عالیانہ کو دیکھا پھر" دوبارہ سامنے دیکھنے لگا۔ ہزاروں آنکھیں ایک ساتھ عالیانہ پر اٹھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ کانپ رہی ہے۔

عالیانہ! یہاں آؤ۔"حیدر نے دو انگلیوں کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا۔وہ آہستہ سے اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔حیدر نے اسے کندھے سے پکڑ کر مزید قریب کیا۔ ہجوم حیران ہو گیا۔ وہ حیدر سے دور ہونے کی ہمت نہیں کر پائی۔

خان! کیا آپ آگے بڑھیں گے؟" اگلے ہی پل خان قطار سے باہر آیا، وہ فوراً" اسے پہچان گئی۔

وہ ٹھیک تھا۔ یا اللہ۔ وہ ٹھیک تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

خان کو گزشتہ رات عالیانہ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔"اس نے بات جاری" رکھی۔ سپاہیوں کے درمیان آیا تناؤ یہاں اوپر بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا، کہ یہ تقریر کہاں جا رہی ہے۔ کوئی بھی خان اور عالیانہ کی کہانی نہیں جانتا تھا۔ حیدر کے ہونٹ ایک پل کے لیے بغیر آواز کے ہنسی میں مڑے۔"یہ کچھ وقت ہمارے ساتھ گزاریں گیں، یہ میرے لیے، ہمارے لیے، ہمارے کاموں کے لیے بہت قیمتی اثاثہ ہیں۔ دستور اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ میں اسے خوش آمدید کہتا "ہوں۔ آپ کو اسے خوش آمدید کہنا چاہیے۔

سپاہیوں نے ایک ساتھ اپنی مٹھیاں پہلو میں چھوڑیں۔ سب نے ایک ساتھ حرکت کی، پانچ قدم پیچھے، پانچ قدم آگے، پانچ قدم اپنی جگہ پر۔ پھر انہوں نے اپنے بائیں بازو بلند کیے، اپنی انگلیوں کو مٹھی میں بند کیا اور ایک گھٹنے پر جھک گئے۔ یہ ایک عجیب و غریب رقص نما مشق لگتی تھی۔

کم از کم تیس سیکنڈ حیدر خاموش رہا۔انہیں ایسے ہی رہنے دیا۔پورے تیس سیکنڈ بعد اس نے لب کھولے۔

گڈ!" سپاہی اٹھے، اپنی دائیں مٹھیوں کو دوبارہ اپنے سینے پر رکھ لیا۔"

دوسرا معاملہ.... "ایک توقف... "دوسرا معاملہ پہلے سے بھی زیادہ خوشگوار ہے۔"""
اس نے بات جاری رکھی، خوشگوار کہنے پر اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی واضح جھلک نظر نہیں آئی۔اس کی آنکھیں نیچے کھڑے سپاہیوں پر تیز ہوئیں، بھورے ترمری کے ٹکڑے ان کے جسموں پر سنہری شعلوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ ایک طویل عرصہ صرف سپاہیوں کو گھورتا رہا، اپنے چند الفاظ ان کے دماغوں میں جذب ہونے دیے۔انہیں ان کے اپنے خیالات میں پاگل ہونے دیا۔انہیں ان کے گناہوں میں لرزنے دیا۔ "ملیک کے پاس ہمارے لیے ایک رپورٹ ہے۔"اس نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ کافی دیر تک کسی نے کوئی حرکت نہیں کی۔

ماحول میں ایسا تناؤ تھا کہ عالیانہ کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہونے لگا، وہ سوچنے لگی شاید اس کی جیب میں موجود بندوق اسی کے لیے ہی ہے۔ حالانکہ حیدر اسے پہلے بتا چکا تھا کہ وہ اس کے لیے نہیں ہے۔

آخر کار اس نے حیدر کی طرف دیکھنے کی جرات کی۔اس سب میں پہلی بار حیدر نے عالیانہ کی طرف دیکھا اور عالیانہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

اس کا چہرہ مکمل طور پر بے تاثر تھا ۔لیکن آنکھیں۔شعلہ دہکاتی آنکھیں۔

ملیک!"تم آ گے آسکتے ہو۔"ایک لمبا چوڑا نوجوان جو عمر میں حیدر سے بڑا تھا، ساتویں قطار کے بالکل سامنے سے باہر نکلا۔ وہ مکمل طور پر مستحکم نظر نہیں آرہا تھا۔اس نے اپنا سر ایک انچ جھکایا۔جب وہ بولا تو اس کی آواز واضح تھی۔

"سر۔" حیدر نے تقریباً ناقابل دید انداز میں ملیک کی جانب دیکھ کر سر کو معمولی سی جنبش دی۔

ہمارے پاس پرائیویٹ بی اے تھری کے خلاف ایک الزام ہے۔ تبریز نواز۔" اس کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

سب سپاہی اپنی جگہوں پر منجمد تھے، سکون میں منجمد، خوف میں منجمد، اضطراب میں منجمد۔ کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ کوئی بھی سانس نہیں لے رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہوا بھی آواز نکالنے سے ڈر رہی تھی۔

تبریز نواز۔"حیدر کے ایک لفظ پر کئی سو گردنیں ایک سمت مڑیں۔"

تبریز قطار سے باہر نکلا۔۔ چھوٹے کٹے بال۔ چہرے پر چھائیاں۔ ہونٹ مصنوعی طور پر سرخ۔ اس کا چہرا ہر ممکنہ جذبات سے خالی تھا۔اس نے اپنی زندگی میں کبھی کسی اجنبی کے لیے اتنا خوف محسوس نہیں کیا۔

پرائیویٹ تبریز نواز غیر منظم شدہ زمینوں پر پایا گیا، یہ ایسے شہریوں سے ملاقات کر" رہا تھا جو بظاہر باغی جماعت کے رکن تھے۔اس پر شک ہے کہ اس نے ہماری حساس

معلومات کو دھوکہ دیا ہے۔اس کے علاؤہ اس نے سیکٹر فائو کے شہریوں کے لیے مخصوص ذخیرہ یونٹس سے کھانااور دوسرا سامان بھی چوری کیا ہے۔" ملیک دوبارہ بولا۔

حیدر کی نظر پرائیویٹ تبریز پر جمی تھیں۔"کیا تم ان الزامات کی تردید کرتے ہو سپاہی؟" حیدر نے سنجیدگی سے کہا۔

تبریز کے نتھنے پھولے۔اس کا چہرا سخت ہوا۔جب وہ بولا تو اس کی آواز میں دراڑ تھی۔
"نہیں سر!"

حیدر نے سر ہلایا۔ایک مختصر سانس لیا۔ ہوا سے خشک ہوتے ہونٹوں کو زبان سے تر کیا۔ برق کی سی تیزی سے جیب سے بندوق نکالی اور نشانہ باندھے بغیر دس منزل نیچے کھڑے سپاہی کے ماتھے پر گولی ماردی۔ یہ سب اتنا اچانک اور اتنا جلدی ہوا کہ کوئی اس کی حرکات نہ سمجھ پایا۔بلاشبہ وہ ایک ماہر نشانہ باز تھا۔

وہ اس سب کی ناممکنیت سے اتنی حیران تھی کہ فیصلہ نہ کر پائی کہ وہ خواب میں ہے یا نہیں، وہ سمجھ نہ پائی کہ وہ مر رہی ہے یا نہیں، وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ بے ہوش ہونا ایک اچھا خیال ہے یا نہیں۔

تبریز نواز کی لاش سپاہیوں کے درمیان چوکور میدان میں پڑی تھی،اس کے جسم کے حصے بے ڈھنگے زاویوں پر مڑے تھے۔فرش پر خون پھیل رہا تھا، لیکن کسی نے حرکت نہیں کی، کوئی ایک لفظ نہیں بولا۔اس کے سوا کسی کی آنکھوں میں خوف کی جھلک نہیں تھی۔

حیدر نے بندوق کو جیکٹ کی جیب میں واپس رکھا۔"سیکٹر فائیو! آپ سب جا سکتے ہیں۔" تمام سپاہی ایک گھٹنے پر جھک گئے۔اس نے آہنی آلہ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا اور عالیانہ کی طرف دیکھا جس کے پیر زمین سے چمٹ چکے تھی۔اس نے اسے اپنے ساتھ آنے کا کہا اور واپس پلٹا۔ تین قدم اٹھا کر وہ رکا، پیچھے مڑ کر عالیانہ کو دیکھا۔وہ ابھی تک تبریز کی لاش کو دیکھ رہی تھی۔ بے یقینی سے۔ خوف سے۔اس نے تین قدم واپس عالیانہ کی جانب اٹھائے۔

چلو۔" وہ لڑکھڑائی۔اس نے آگے ہو کر اسے بازوؤں سے تھاما۔"

اسے متلی محسوس ہوئی، اس قدر بے حال کہ اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ بار بار لب کھولتی، کچھ بولنے کی کوشش کرتی، مگر اس کی زبان سے الفاظ نکل ہی نہیں پا رہے تھے۔اس کے جسم سے پسینہ پھوٹنے لگا، وہ سردی اور گرمی میں لرزنے لگی، یہاں تک کہ اس کی نظر دھندلا گئی۔

حیدر اسے دروازے کی طرف لے کر گیا۔"میں نے کہا تھا نا تمہیں زیادہ کھانا کھانا چاہیے۔"اس کی آنکھیں، اس کا چہرا، اس کی پوری شخصیت حیران کن تھی۔

تم نے اسے مار دیا۔" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بمشکل سرگوشی کر پائی۔"تم نے اسے جان" "سے مار کر دیا۔

تم تو بہت ذہین ہو۔"اس نے مصنوعی حیرت سے کہا اور عجیب سے انداز میں" مسکرایا۔

"تم نے اسے قتل کیوں کیا؟ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم اتنی آسانی سے ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم کسی انسان کی جان کیسے لے سکتے ہو؟"

"اپنی آنکھیں کھلی رکھو عالیانہ۔ یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے گھن آتی ہے۔" وہ اس کی سرد آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "سنا تم نے مجھے تم سے گھن آتی ہے۔"

"زندگی میں کبھی کبھی پہلے گولی چلانا سیکھنا پڑتا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اسے اس کے کمرے تک چھوڑنے آیا۔

"تمہیں سونا چاہیے۔" چھت سے نیچے آنے تک وہ دونوں خاموش رہے۔ جب وہ کمرے کی راہداری میں چل رہے تھے تب اس نے دھیرے سے کہا۔

"میں تمہارے کمرے میں کھانا بھجوا دوں گا۔ اس کے علاوہ کوئی تمہیں ڈسٹرب نہیں کرے گا۔"

"ارسل کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے؟ تم اسے بھی نقصان پہنچاؤ گے؟" حیدر نے ذرا سا جھجک کر اپنی وضع قطع سنبھالی۔ "تمہیں اس کی اتنی فکر کیوں ہے؟"

"کیا اسے میری نگرانی نہیں کرنی چاہیے؟ وہ یہاں نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اسے بھی مارنے والے ہو؟" وہ خود کو بہادر محسوس کر رہی تھی کیونکہ وہ خود کو پاگل محسوس کر رہی تھی۔

میں صرف تب قتل کرتا ہوں، جب ضروری ہو۔" اس نے بے پرواہی سے کہا۔ اس" کے ہر انداز میں مغرویت تھی۔

تم بہت فیاض دل ہو۔" اس نے طنزا کہا۔"

بہت سے لوگوں سے، ہاں!" اس نے سر موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔"

آج کا دن تمہیں خود کے ساتھ گزارنے دیا جائے گا۔ ہمارا اصلی کام کل شروع ہو " گا۔ صبح ارسل تمہیں میرے پاس لے آئے گا۔" اس نے عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا، لبوں پر آئی مسکراہٹ دبائی۔" اس دوران... کوشش کرنا کہ کسی کو قتل نہ "کرو۔

تم اور میں، تم اور میں ایک جیسے نہیں ہیں۔" وہ پھٹ پڑی۔ غصہ اس کی رگوں میں دوڑ" نے لگا۔

مت مانو۔" اس نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔"

"تم میری... میری غلطیوں کا موازنہ اپنے پاگل پن سے کیسے کر سکتے ہو۔"

غلطی؟" وہ آگے بڑھا۔" تم سمجھتی ہو کہ یہ تمہاری غلطی ہے؟" وہ غصے میں تھا۔"
" تمہیں ایک تحفہ ملا ہے! تمہیں ایک صلاحیت ملی ہے جسے سمجھنے کی تمہیں پرواہ نہیں! تم اپنی صلاحیتوں کو استعمال میں لانے سے ڈرتی ہو۔ تم سے غلطیاں ہوئیں، تمہیں "... انہیں سدھارنا چاہیے تھا، تمہیں ان غلطیوں سے سیکھنا چاہیے تھا۔ تمہاری صلاحیت

"!میرے پاس کوئی صلاحیت نہیں ہے"

تم غلط ہو۔"وہ اسے گھور رہا تھا۔اس کی آنکھیں اتنی سرد تھیں کہ اسے لگا وہ اس سے" نفرت کرتا ہے۔

خیر تم قاتل ہو۔ تمہیں ضرور صحیح ہونا چاہیے۔"اس نے جیسے ہار مان لی۔"

جا کر سو جاؤ۔"اس کی مسکراہٹ میں بم پوشیدہ تھے۔"

جہنم میں جاؤ۔"وہ غصے سے برہم ہوتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔اس کے جاتے ہی حیدر" کی مسکراہٹ تھم گئی اور وہ واپس لفٹ کے دروازے کی طرف چلنے لگا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ ارسل ٹھیک ہے یا نہیں، کہ وہ کبھی واپس آئے گا یا نہیں۔ جب بھی وہ اس کی بات نہیں مانے گی، حیدر اسے تکلیف دینا جاری رکھے گا۔ اسے اس کی اتنی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔"کیا پتہ میری ڈائری میں وہ سطر، شاید حیدر کی چال کا ایک حصہ ہو۔"اس نے خود کلامی کی۔

وہ بیڈ سے اتر کر سخت فرش پر آ کر بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔"ان میں سے ایک پرندہ آئے گا۔وہ تمہیں قید سے آزاد کروائے گا۔وہ تمہارا قید کا ساتھی ہو گا۔"ذہن میں ایک بار پھر وہ پرانا خواب ابھرا۔وہ خواب جھوٹا تھا۔بلاشبہ وہ خواب جھوٹا تھا۔آنسو بے

اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ پاگل خانے والا قید خانہ اس قید خانے سے بہتر تھا، کم از کم اسے اپنے دشمنوں کے ساتھ اپنے ملک کے خلاف کھڑا نہیں ہونا پڑا تھا۔

تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے بے اختیار لبوں پر ہاتھ رکھا اور آواز پر حلق تک آئی" چیخ دم توڑ گئی۔ اس نے ارسل کو اندر آتے نہیں دیکھا تھا۔

عالیانہ؟" وہ اس سے چند فٹ دور کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔" پر سکون۔ بے نیاز۔

مجھے وہاں بیڈ پر نیند نہیں آرہی تھی۔" وہ کوئی جواب دیئے بغیر سیدھا باتھ روم چلا" گیا۔

کیا اس نے عالیانہ کو کوئی اشارہ کیا تھا؟ ایک دو تین۔ تین منٹ بعد وہ باتھ روم گئی۔ اس کی توقع کے برعکس وہ دروازے کے پار اس کا انتظار کر رہا تھا۔

عالیانہ!" اس نے اس کے نام کے حروف کو اتنے نرم انداز میں بولا کہ وہ بار بار اس" کے منہ سے اپنا نام سننا چاہتی تھی۔ اس کا چہرہ جذبات سے بھرا ہوا تھا۔

آئی ایم سوری!" اس نے اتنی آہستگی سے کہا کہ وہ بمشکل سن پائی۔ "یہ سب کچھ" ... ایسا نہیں ہے... یہ سب... یہ نہیں..." وہ صحیح الفاظ نہیں جوڑ پا رہا تھا۔ وہ مضطرب تھا۔ بے چین تھا۔

جانتی ہوں۔"اس نے اسے نوٹ بک دکھائی۔اس کی بات پر ارسل کے چہرے پر"
سکون سا چھا گیا۔اس کی آنکھیں بدلی تھیں۔

ارسل نے اس کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا، وہ کچھ نہیں جانتی تھی سوائے اس کے کہ وہ اب بھی اس کا دوست تھا۔وہ اب بھی اس کے سامنے کھڑا تھا اور وہ نہیں چاہتا کہ وہ مر جائے۔عالیانہ کے دل نے اسے تسلی دی۔وہ پر سکون نظر آ رہی تھی۔

"...عالیانہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔"میں

رکو۔"اس نے ہاتھ اٹھایا۔اس کے ہونٹوں نے آواز نکالے بغیر حرکت کی۔اس نے"
دائیں بائیں دیکھا۔پھر اس نے شاور کے شیشے کے دروازے کو کھول کر پانی کی دھار کو پوری طاقت سے چلا دیا، پانی کی گرجدار آواز پورے باتھ روم میں گونجنے لگی۔وہ بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی۔

یہاں کیمرے نہیں لگے، مگر یہاں مائیکروفون ہو سکتے ہیں۔"اس نے آہستہ سی"
آواز میں بتایا۔

تمہیں اب مزید ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"اس کے کوئی جواب نہ دینے پر وہ"
دوبارہ بولا۔

میں بہت جلد تمہیں یہاں سے نکالوں گا۔"اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے، کیونکہ قید"
سے آزادی کا خیال اور امید اسے ہمیشہ خوابوں میں ہی آتی تھی۔

اب میں چلتا ہوں۔ تمہیں صبح آٹھ بجے تک تیار ہو کر میرے ساتھ جانا ہے۔" وہ دروازے کی جانب مڑا۔ دو قدم چلا۔ کسی احساس کے تحت دوبارہ پلٹا۔"میں تمہارا دوست ہوں۔ ہمیشہ تمہارا دوست رہوں گا۔ تم اکیلی نہیں ہو، میں ہوں تمہارے ساتھ ۔یاد رکھنا میں نے تمہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا، نہ کبھی دوں گا۔ دوست دوستوں کو دھوکا نہیں دیتے۔"اس کا انداز زخمی تھا۔اس نے کہااور مزید ایک پل رکے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ وہ نیلے کمرے میں بیٹھی تھی۔ دیواریں کامل گرمیوں کے آسمان کے رنگ کے کپڑے میں لپٹی ہوئی تھیں۔ فرش پر مقالین بچھا تھا۔ پورا کمرہ خالی تھا، سوائے دو مخملی کرسیوں کے جو کسی کہکشاں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ سرمئی رنگ کے کامدار جوڑے میں، نیلی مخملی کرسی پر تنہا بیٹھی تھی۔ لانگ قمیض۔ کھلا فلیئر۔ سنہری بال سمٹ کر کمر پر گر رہے تھے۔ یہ لباس اس کی زندگی میں پہنے گئے تمام لباسوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ اُس کی جیب میں موجود نوٹ بک کا وزن بھاری پتھر کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ حیدر کمرے میں داخل ہوا، اُس کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔

اُس کی آنکھیں غیر ارادی طور پر اپنے ٹینس شوز کی جانب جھکیں۔ کیا اُس نے اپنے پیروں میں اونچی ایڑیاں نہ پہن کر کوئی اصول تو نہیں توڑا۔ اُس نے اوپر دیکھا تو حیدر اُس کے عین سامنے کھڑا تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔ "

سرمئی رنگ میرا فیورٹ ہے اور یہ رنگ تم پر جچ رہا ہے۔" ایک لمحے کے لیے بھی اس" کے لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہوئی۔" یہ رنگ تمہاری آنکھوں کے رنگ کو "مزید نمایاں کرتا ہے۔

میری آنکھوں کا رنگ کیا ہے ؟"اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس کی جانب نہیں دیکھے" گی۔ کیونکہ۔ جب وہ اس کا چہرا دیکھتی، وہ خود کو لاچار محسوس کرتی تھی۔ اس کا چہرا ایسا نہیں تھا، جس سے نفرت کی جا سکے۔ اس کا چہرا دیکھ کر اس سے نفرت کرنا آسان نہیں تھا چنانچہ اُس نے اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تم سنجیدہ نہیں ہو ؟" وہ مسکرایا۔"

"تمہاری عمر کتنی ہے ؟"

تم میری عمر جاننا چاہتی ہو ؟"اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "

"نہیں۔ مجھے بس تجسس ہے۔ "

وہ اُس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھا۔" جب تک تم بات کرتے ہوئے میری طرف نہیں دیکھو گی، میں تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دوں گا۔"اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"تم چاہتے ہو کہ میں لوگوں کو اذیت دوں۔ تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری جنگ میں ہتھیار بنوں۔ تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے بے رحم، ظالم و حشی بن جاؤں۔" ایک توقف ۔"تمہاری طرف دیکھنے سے مجھے گھن آتی ہے۔

"تم اس سے کہیں گنا زیادہ ضدی ہو جتنا میں نے سوچا تھا۔"

"میں نے تمہارے کپڑے پہنے ہیں۔ تمہارا کھانا کھایا ہے۔ میں یہاں ہوں اور کیا چاہتے ہو تم؟" اُس نے نظریں حیدر کی جانب اُٹھائیں، وہ پہلے ہی اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نگاہ کی طاقت سے وہ لمحہ بھر کے لیے لرز گئی۔

"تم نے یہ سب میرے لیے نہیں کیا۔" وہ صحیح کہہ رہا تھا، وہ بہت ضدی تھی۔ کسی کے کہنے پر کچھ نہیں کرتی تھی جب تک اس کا اپنا دل نہ ہو۔ حیدر اسے جانتا تھا۔ اور اس وقت وہ اسے دیکھتے ہوئے محفوظ ہو رہا تھا۔

"تمہارے لیے کروں بھی کیوں؟" وہ ڈھٹائی سے بولی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا ۔عالیانہ نے چہرا دوسری طرف موڑ لیا۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"ناشتہ۔" اُس نے کرسی کے بازو پر ایک بٹن دبایا۔ "پھر میں تمہیں تمہارا شیڈول دوں گا۔" اگلے ہی لمحے چند، مرد اور خواتین جن کا ظاہر فوجی نہیں تھا، ٹرالیاں لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔ اُن کے چہرے سخت اور تھکے ہوئے تھے۔ وہ اپنے مخصوص سیاہ اور سفید یونیفارمز میں تھے۔

میں زیادہ تر اکیلے کھانا کھاتا ہوں۔" حیدر نے نیپکن گود میں پھیلایا اور کہنیاں میز پر ٹکا کر دونوں ہاتھ تھوڑی کے نیچے جوڑ کر اسی انداز میں اسے دیکھنے لگا۔" لیکن چونکہ تم یہاں ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو جان لیں۔ کیونکہ آگے کا وقت ہم ایک ساتھ گزاریں گے۔" خادمائیں چلی گئیں اور حیدر نے اُسے ایک ڈش میں کچھ پیش کیا۔

مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے فوراً منع کر دیا۔"

میں نے پوچھا نہیں ہے۔ کھانے کے علاوہ تمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔" اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

اس نے نظر اٹھا کر حیدر کو دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بہت سنجیدہ ہے۔

تمہیں اپنے آپ کو بھوک سے مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم صحیح سے کھانا نہیں کھاتیں، پھر تم بے ہوش ہو جاتی ہو، تم لڑ کھڑا جاتی ہو اور میرے بازوؤں میں گر جاتی ہو۔ مجھے تم صحت مند چاہیے ہو۔ تمہیں خودکشی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم میرے لیے بہت قیمتی ہو۔" آخری جملے کی ادائیگی میں اس کا لہجہ بلکل بدل گیا تھا۔

میں تمہارا کھلونا نہیں ہوں۔" وہ قدرے غصے میں بولی۔"

حیدر نے اپنی پلیٹ کو رولنگ کارٹ پر رکھا، نیپکن سے رسمی انداز میں منہ صاف کیا اور اُس لمحے م وہ واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

تمہارے لیئے سب کچھ آسان ہو گا اگر تم تعاون کرو گی۔"اُس کے الفاظ دھمکی کی" طرح صاف تھے۔

ایک دو تین چار پانچ۔ پانچ سیکنڈ گزرے۔

دنیا تم سے نفرت کرتی ہے۔"وہ فرصت سے اس کی جانب متوجہ تھا۔"

جو لوگ تمہیں جانتے ہیں، وہ سب تم سے نفرت کرتے ہیں۔ تم سے بھاگتے" ہیں۔ تمہیں تمہارے ماں باپ نے نے چھوڑ دیا، تمہارے دوستوں نے چھوڑ دیا، تمہارے ٹیچرز نے چھوڑ دیا۔ تمہیں سب نے چھوڑ دیا تھا ۔ تمہارے اپنے والدین نے تمہاری ہمت توڑ دی اور تمہیں ازالئم ٹیم کے حوالے کر دیا۔"وہ چپ چاپ سنتی رہی، اُس کا چہرہ جیسے سو ہاتھوں سے تھپڑ کھا رہا تھا۔

تمہیں سب نے چھوڑ دیا تھا عالیانہ۔اور پھر بھی..."وہ زخمی سا مسکرایا۔"اور پھر بھی" "تم کہتی ہو کہ مجھے تمہاری پرواہ نہیں ہے۔

وہ تھوڑا آگے کو جھکا۔"میں تمہاری دنیا بدل سکتا ہوں۔"اُس کے الفاظ اُس کی یقین دہانی کا آئینہ تھے، لیکن وہ غلط تھا۔وہ الٹی قوس قزح سے بھی زیادہ غلط تھا۔ مگر جو کچھ اُس نے کہا تھا وہ صحیح تھا، اُس میں حقیقت تھی، جو دل کو چیر رہی تھی۔

مجھ سے نفرت کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو۔"اُس نے اپنی بات جاری رکھی۔"میری" پیشکش مان لو، شاید تم اس سے اتنی خوش ہو، جتنا تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ۔سوچ لو، سمجھ لو۔"ایک لمحے کا توقف۔"اور خوش قسمتی سے، صرف تمہارے

لیے، میرے پاس بہت سارا صبر ہے۔" اُس کے ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی، وہ کرسی پر پیچھے کی جانب جھکا جیسے وہ وقت کا مالک ہو۔" دوسرے زاویے سے دیکھو تو، اس میں میرا نقصان نہیں کیونکہ تم حیرت انگیز طور پر خوبصورت ہو۔" اُس کے اندر کی بے چینی نے رنگ پکڑ لیا۔ وہ جھوٹا تھا، بہت برا انسان تھا، اور اُسے پرواہ بھی نہیں تھی کہ وہ صحیح تھا یا غلط۔ لیکن اس بار وہ صحیح تھا۔ اس کی ایک ایک بات سچی تھی۔ پہلے کبھی کسی نے اسے ایسے الفاظ نہیں کہے تھے۔

اس نے اسے آئینہ دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تم اور میں اتنے مختلف نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔" اس کی مسکراہٹ اتنی مغرور تھی کہ " اس کا دل چاہا، اسے مار ڈالے۔

ہم دونوں اتنے ملتے جلتے بھی نہیں ہیں۔ تم اور تمہاری خوش فہمیاں۔ ہونہہ" وہ اسے " زچ کر رہا تھا اور وہ ہو رہی تھی۔

وہ اتنی وسیع مسکراہٹ کے ساتھ ہنسا کہ اسے سمجھ نہ آیا کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔

"""ویسے، میں پچیس سال کا ہوں۔

کیا؟" وہ حیران ہوئی۔ کوئی اس کی عمر کے آدمی کو ایک پورے سیکٹر کی کمان کیسے سونپ " سکتا ہے۔ سیکٹر کی کمان سنبھالنے کے لیے اسے تقریباً پینتیس سال کا ہونا چاہیے تھا۔

میں پچیس سال کا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔" میں اپنی عمر کے حساب سے کافی " متاثر کن ہوں، میں جانتا ہوں۔" اس کا انداز، اس کے الفاظ مغرویت سے بھرپور تھے۔

میں مر کر بھی تم سے متاثر نہ ہوں۔"اس نے جھوٹ بولا کیونکہ وہ متاثر ہو چکی تھی۔" تم اپنی رائے بدلو گے۔"اس نے آہستہ سے کہا۔وہ خاموش رہی۔وہ بار بار یہی کہتا تھا تم" اپنی رائے بدلو گی، تم میرے بارے میں اپنا خیال بدلو گی۔وہ جواب دے دے کر تھک گئی، پر وہ کہہ کہہ کر نہیں تھکا تھا۔اس لیے اس نے چپ رہنا مناسب سمجھا۔

"سوال ختم ہو گئے ہیں تو جلدی کھانا کھاؤ۔ ہمیں بہت سا کام کرنا ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

وقت گزارنا اتنا مشکل نہیں جتنا یہ لگتا ہے۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا اس نے ارسل سے کوئی بات نہیں کی۔

اس نے بس ایک بار اس کو دیکھا تھا۔ صرف ایک بار۔پورے ہفتے میں صرف ایک بار۔جب وہ حیدر کے ساتھ اپنے کمرے تک آرہی تھی تب ارسل وہاں کھڑا تھا، عالیانہ نے اس سے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھی کہ حیدر کے الفاظ اس کے ذہین میں گونجے۔"تمہیں فوجیوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔اگر تمہارے پاس کوئی سوال ہو، تو تم مجھے ڈھونڈ سکتی ہو۔جب تک تم یہاں ہو، تمہیں "صرف مجھ سے ہی مطلب ہونا چاہیے۔

وہ اسے ہر جگہ ساتھ لے جاتا تھا۔اس سے بہت باتیں کرتا تھا۔اس کا شیڈول حیدر کے ساتھ ملاقات، حیدر کے ساتھ کھانے،اور حیدر کو سننے پر مشتمل تھا۔جب وہ مصروف

ہوتا، تو اسے اس کے کمرے میں بھیج دیتا۔ جب وہ فارغ ہوتا، تو وہ اس کے پاس آ جایا کرتا، یا اسے اپنے پاس بلوا لیتا۔ وہ اسے ان کتابوں کے بارے میں بتاتا ہے جو انہوں نے تباہ کر دی تھیں۔ ان آثار قدیمہ کے بارے میں بتاتا جو وہ جلانے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ اسے نئی دنیا کے حالات کے بارے میں بتاتا ، وہ اسے بتاتا کہ کیسے وہ اس کے لئے مددگار ثابت ہو گی جب وہ تیار ہو جائے گی۔ وہ اسے بتاتا کہ اسے اس کی اس مہربانی کے لئے کتنا شکر گزار ہونا چاہیے۔

وہ ارسل کی طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کی نوٹ بک میں خفیہ پیغامات بھی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

اسے جاننا تھا کہ کچھ بدل تو نہیں گیا۔ اسے جاننا تھا کہ کیا وہ پاگل ہو گئی ہے جو وہ اپنے دل میں پھولتی ہوئی اس امید کو پکڑ رہی ہے، اسے جاننا تھا کہ ارسل کا پیغام کیا مطلب رکھتا تھا۔ لیکن ہر دن جب وہ اس سے اجنبی کی طرح سلوک کرتا تو اسے خود پر شک ہونے لگتا۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن نہیں کر سکتی تھی کیونکہ حیدر اسے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ کیمرے ہر وقت اس کی نگرانی کرتے تھے۔ اس نے کہا تھا وہ اسے یہاں سے نکالے گا۔ شاید اس نے یہ ایسے ہی اسے حوصلہ دینے کے لیے کہہ دیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم میرے کمرے سے کیمرے ہٹا دو۔"

حیدر نے اپنے منہ میں موجود کھانا چبانا روکا۔ احتیاط سے نگلا اور پھر کرسی پر پیچھے کی جانب ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "بالکل نہیں۔" اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"اگر تم میرے ساتھ قیدی کی طرح سلوک کرو گے، تو میں بھی قیدی کی طرح برتاؤ کروں گی۔ مجھے ہر وقت دیکھا جانا پسند نہیں ہے۔"

"تم پر تنہا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے دوبارہ چمچ اٹھایا۔

"میری ہر سانس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ ہر ہال وے پر چار فٹ کے فاصلے پر گارڈز تعین ہیں۔ مجھے اپنے کمرے تک رسائی بھی نہیں ہے، کیمرے کوئی فرق نہیں ڈالیں گے۔" اس نے احتجاجاً کہا۔ اسے ارسل سے بات کرنی تھی، اس کے لیے کیمرے اتروانا ضروری تھا۔

"تم سٹیبل نہیں ہو، تم کسی کو مار بھی سکتی ہو۔" اس نے مزاح کیا۔

"نہیں۔" اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچی۔ "نہیں... میں نے... میں نے خان کو نہیں مارا۔"

"میں خان کی بات نہیں کر رہا۔" اس کی مسکراہٹ میں ایسا تیزاب تھا جو اس کی جلد کو جھلسا گیا۔

اس نے اسے دیکھنا نہیں چھوڑا، اس پر ہنسنا نہیں چھوڑا۔ وہ انجانے میں اسے اپنی نظروں سے اذیت دے رہا تھا۔

"وہ ایک حادثہ تھا۔" الفاظ آہستہ آواز میں اتنی تیزی سے اس کے منہ سے نکلے کہ اسے پتا ہی نہ چلا کہ اس نے واقعی بات کی ہے یا نہیں۔ اس نے سوچا کہ وہ واقعی یہاں بیٹھی ہے یا

پھر سے انیس سال کی ہو گئی ہے، جب وہ چیخ رہی تھی، مر رہی تھی۔ وہ ان یادوں کے تالاب میں غوطہ لگا رہی تھی جو وہ کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔

مال۔ بچہ۔ ایک کم عمر ماں۔ ایسکلیٹر کی سیڑھیاں۔ چیخیں۔ لوگوں کا رش۔ خون۔

وہ حیدر سے سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ وہ اس سے بہت سے سوالات پوچھنا چاہتی تھی لیکن کسی اجنبی سے کچھ کہنا، کچھ نہ کہنے سے زیادہ عجیب ہوتا ہے۔

میں نے اسے نہیں مارا۔ وہ تقریباً ساٹھ سال کا بچہ تھا۔ وہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر جا رہا تھا۔" اس کی ماں کا پورا دھیان ہاتھ میں پکڑے فون پر تھا۔ اس دن مال میں وہ بچہ اپنی ماں کا ہاتھ چھڑوا کر اا یسکلیٹر کی سیڑھیوں کی طرف بھاگا تھا۔ میں فوراً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ میں واقعی اس کے پیچھے بھاگی تھی، پر اسے مارنے کی لیے نہیں، اسے بچانے کے لیے۔" اس نے یہ سب کہنا چاہا، اسے بتانا چاہا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ یہ بات سینکڑوں لوگوں کو سینکڑوں طریقوں سے بتا چکی تھی۔ پر کسی نے اس پر یقین نہیں کیا۔ سب نے کہا کہ اس نے اسے بچے کو دھکا دیا۔ پولیس اسے لے گئی تھی۔ اس کے ماں باپ نے بھی اس پر یقین نہیں کیا تو سامنے بیٹھا شخص کیسے کر سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے سامنے بیٹھا شخص ان لوگوں میں سے نہ ہو جنہوں نے اس پر یقین نہیں کیا تھا۔

وہ مخملی کرسی پر بیٹھے سینکڑوں یادوں کے بوجھ تلے جکڑ گئی، ان خوفناک واقعات کی دہشت سے دوچار ہو کر اسے پسینہ آنے لگا۔

میں چاہتی ہوں کہ تم میرے کمرے سے کیمرے ہٹادو۔انہیں ہٹادو، ورنہ میں اپنے" حق میں لڑتے لڑتے مر جاؤں گی۔"وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

فائنلی!"حیدر کھڑا ہوا۔"میں سوچ رہا تھا کہ تم کب جاگو گی۔میں تمہارے اندر" کی آگ کے باہر آنے کا انتظار کر رہا ہوں جو روز بروز تمہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی "ہے۔تم نفرت میں دفن ہو، نہیں؟غصہ؟مایوسی؟کچھ کرنے کچھ بننے کی خواہش۔

"نہیں۔"

ہاں!بالکل ہو۔تم بالکل میری طرح ہو۔"اس نے کرسی کے کراؤن پر کہنیاں ٹکائیں" اور سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے تم سے اتنی نفرت ہے جتنی تم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

ہم ایک بہترین ٹیم بننے والے ہیں۔"وہ اسی ڈھٹائی سے بولا۔"

"ہم کچھ نہیں ہیں۔تم میرے لیے کچھ نہیں ہو۔"

میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔"وہ ذرا سا اس کے قریب جھک کر دھیمی آواز میں" بولا۔"میں تمہیں وہ قبولیت دے سکتا ہوں جس کی تمہیں تلاش ہے۔میں تمہارا دوست بن سکتا ہوں۔"وہ جم گئی۔ہچکچائی۔بول نہیں پائی۔

میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں سویت ہارٹ۔"وہ مسکرایا۔"میں نے"
تمہیں بہت طویل عرصے سے چاہا ہے۔میں نے ہمیشہ تمہارے تیار ہونے کا انتظار کیا
"ہے۔میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں جانے دوں گا۔

"میں تمہاری طرح وحشی نہیں بننا چاہتی۔"

اس چیز کو مت ٹھکراؤ جس کے لیے تم بنائی گئی ہو۔"اس نے آہستہ سے اس کے"
کندھے پر ہاتھ رکھا۔

کیا غلط ہے اور کیا صحیح ہے لوگوں کو یہ تمہیں بتانے کی اجازت نہ دو۔اپنے حق کا "
دعویٰ کرو! تم خوف سے جھک جاتی ہو، جب کہ تم فتح حاصل کر سکتی ہو۔تمہارے پاس وہ
" ...ہے جس کا تمہیں احساس تک نہیں، اور سچ کہوں تو میں حیران ہوں کہ

میں تمہاری کٹھ پتلی نہیں ہوں، میں تمہارے لیے کچھ نہیں کروں گی۔"اس کی بات"
کاٹ کر بولی۔

میں صدیوں تک تمہارے بدلنے کا انتظار کر سکتا ہوں۔"اس نے مسکراتے ہوئے"
کہا۔کچھ تھا اس کی مسکراہٹ میں جو ظاہر کر رہا تھا وہ جھوٹ نہیں بول رہا۔

یا تو تم کیمرے ہٹا دو یا میں ان کو تلاش کر کے توڑ دوں گی۔"وہ جھوٹ بول رہی تھی وہ"
جانتی تھی وہ جھوٹ بول رہی ہے۔شاید وہ بھی جانتا تھا۔

اگر تم چاہتے ہے کہ میں تمہارے ساتھ لڑوں، تو پہلے تمہیں مجھ سے لڑنا پڑے "
"گا۔ میری باتیں ماننی پڑیں گی۔

حیدر کے چہرے پر سست سیمسکراہٹ پھیلی۔ " تمہیں پتہ ہے تم غصے میں اور بھی پیاری لگتی ہو۔ "اسے کم از کم اس جواب کی امید نہیں تھی۔

اور تمہیں پتہ مجھے تم ایسے مسکراتے ہوئے بلکل اچھے نہیں لگتے۔ "وہ سر سے پیر تک " غصے سے لرز رہی تھی۔

تمہارے آس پاس یہ مسکراہٹ بے اختیار ہوتی ہے۔ "اقرار تھا یا اعتراف، جو بھی تھا سچ " تھا۔

تم بیمار ہو، تمہیں پتہ ہے تم بہت بیمار ہو۔ تم نے کبھی سائیکٹرسٹ سے "
رابطہ کیا ہے؟ اوہ کیسے کر سکتے ہو۔ پاگلوں کو بھی تم سے خطرہ ہو گا۔ "کچھ پل وہ آنکھیں سمیٹے اسے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھکا کر دل کھو کر ہنسا۔ "تم واحد ہو جو ایسا میرے منہ پر کہہ رہی ہو۔ "اس کی بھوری آنکھیں چمک اٹھیں۔ کچھ پل کا توقف۔

اگر میں تمہارے کیمرے ہٹا دوں، تو تم میرے لیے کیا کرو گی؟ "اس کی ہنسی تھم گئی " ،اب وہ مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ "

"یہ غلط ہے۔ میں تمہاری پیشکش پر غور کر سکتا ہوں اگر تم میری ایک بات پر راضی ہو جاؤ۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" اس نے دانت پیسے۔

"یہ ایک خطرناک سوال ہے۔ نہیں؟" مسکراہٹ پہلے سے بھی گہری ہوئی۔

"تمہاری شرط کیا ہے؟" وہ بے صبری سے بولی۔

"میری ہر بات ماننی پڑے گی۔"

"کیا؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا کرنے کے قابل ہو۔" اس کی آواز مستحکم تھی، اس کے بھوؤں میں تناؤ تھا۔

"میں یہ دوبارہ نہیں کروں گی!" وہ پھٹ پڑی۔ "تم نے مجھے خان کے ساتھ جو کرنے پر مجبور کیا، میں وہ دوبارہ نہیں کروں گی۔"

"خان کی اتنی پرواہ۔" وہ جیسے ناراض ہوا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اس بار..." ایک لمحے کا توقف۔ "تم مجھ سے مقابلہ کرو، مجھ سے لڑو۔ میں تمہیں تمہاری غلطیاں بتاؤں گا۔ تمہیں لڑنا سکھاؤں گا، تمہارے اندر کا خوف ختم کروں گا۔ مختصر یہ کہ میں تمہیں پریکٹس کرواؤں گا۔"

نہیں۔"اس نے اتنی شدت سے سر ہلایا کہ اسے چکر آنے لگے۔"نہیں۔ کبھی" نہیں۔ میں لڑنا کافی عرصے سے چھوڑ چکی ہوں۔ میں نہیں لڑوں گی۔"ایک بار لڑتے ہوئے اس سے ایک نوجوان بچے کی موت کو گئی تھی، تب سے اس نے لڑنا چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ سیلف ڈیفنس بھی۔

"....تم کرو گی۔اصل میں"

میں ہر گز نہیں کروں گی۔ میرے بابا نے ایک بار کہا تھا کہ عورتیں جنگیں نہیں" لڑتیں، عورتیں جنگوں میں نہیں جاتیں، تب میں ان کی بات نہیں سمجھی، پر... ایک عرصہ پہلے میں ان کی بات پر یقین کر چکی ہوں۔ میں مان چکی ہوں۔ عورتیں واقعی جنگیں نہیں لڑتیں۔"اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ افسردگی سے کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

تمہیں...... کرنا پڑے گا۔"اس نے اپنی آواز کو نرم کرنے کی کوشش کی۔"اور" تمہارے بابا بلکل ٹھیک کہتے تھے عورتیں جنگیں نہیں لڑتیں۔" عالیانہ کی آنکھوں میں پتہ نہیں کہاں سے آنسو آ گئے۔اس نے نظر اٹھا کر حیدر کو دیکھا اور وہ وہی جم گیا۔اپنی بات بھی پوری نہیں کر پایا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔"عورتیں جنگیں نہیں لڑتیں، بہادر عورتیں جنگیں لڑتی ہیں۔"اس نے انگشت شہادت سے اس کی جکی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ عالیانہ نے گلابی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بلکل مختلف لگ رہا تھا۔"یہ آج سے شروع نہیں ہوا یہ برسوں پہلے سے ہے۔ عورتیں ابتدا سے ہی جنگوں میں جایا کرتی تھیں۔ کیا تم نُسیبہ بنت کعب کے بارے میں جانتی ہو؟"وہ کچھ نہیں

بولی، بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ "نُسیبہ بنت کعب، اُمِّ عمارہ کے نام سے مشہور تھیں، وہ ایک ممتاز جنگجو تھیں جنھوں نے حضرت محمد ﷺ اور ابتدائی اسلامی فوجوں کے ساتھ کئی اہم جنگوں اور واقعات میں حصہ لیا جو ابتدائی اسلامی ریاست کی تشکیل میں اہم تھے۔ان کی جرات اور ایمان کے دفاع کے لئے ان کی وابستگی اُس دور میں خواتین کے لیے بے مثال تھی،اور بے شک اس دور میں بھی بے مثال ہے۔

نُسیبہ اُن دو خواتین میں سے ایک تھیں جنھوں نے دوسرے عقبہ کے موقع پر اسلام کی بیعت کی۔ دوسری خاتون اُم منیع اسماء بنت عمرو تھیں۔ نُسیبہ نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر یہودی قبائل کے خلاف جنگ خیبر میں بھی حصہ لیا۔ نُسیبہ اس جنگ میں بھی موجود تھیں جو مکہ کی فتح کے فوراً بعد ہوئی تھی۔ خلیفہ ابو بکر کی قیادت میں نُسیبہ نے ساٹھ سال کی عمر میں اس جنگ میں بہادری سے لڑتے ہوئے گیارہ زخم کھائے اور اپنا ہاتھ گنوا دیا۔ نُسیبہ اس وقت بھی موجود تھیں جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان اہم معاہدہ طے پایا۔اسلامی تاریخ ایسی نامور جنگجو خواتین سے بھری پڑی ہے۔ تم بھی.. عالیانہ تم ایک بہادر عورت ہو۔ تمھیں بھی تاریخ کی مثال بننا چاہیے۔ تمھیں وہ بننا چاہیے، جس کی لوگ آنے والے وقتوں میں مثال دیں۔" وہ یہ سب کیسے جانتا ہے؟ وہ اتنی گہرائی میں جا کر بات کیسے سمجھا سکتا ہے۔اس نے سنا تھا یہ لوگ مذہب کے پیروکار نہیں۔ پھر کیسے۔ "تمھیں یہ سب کیسے پتہ؟ تم لوگ تو...." وہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی "تم یہاں ایک مقصد کے تحت آئی ہو، عالیانہ۔ میں نے اپنے والد کو یقین دلایا ہے کہ تم درستور کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ثابت ہو گی۔ میں نے انہیں بتایا کہ تم معاشرے کی

ستائی ہوئی ہو۔ میں نے انہیں بتایا کہ تم شروع سے ہی لڑائی کے مقابلوں میں حصہ لے چکی ہو، اور یہ کہ میں نے تمہارے تمام ریکارڈ خود دیکھے ہیں۔ میں نے بابا کو بتایا کہ تم ان باغیوں کو قابو میں رکھ سکو گی جنہیں ہم ..."

"قابو میں رکھنا؟ تمہارا مطلب ہے انہیں ٹارچر کرنا، اذیت دینا؟"

ہاں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جیسے تصیح کی۔ "میرا مطلب اذیت دینا ہے، ٹارچر کرنا" ہے۔ ہم جنہیں بھی پکڑیں انہیں ٹارچر کرنے کے لیے تم ہماری مدد کرو گی۔" ایک لمحے کا وقفہ۔ "درد پہنچانا، معلومات حاصل کرنے کا انتہائی مؤثر طریقہ ہے۔ اور تمہارے ساتھ؟" وہ ایک پل کے لیے سنجیدہ نظر آیا۔ اس نے کچھ سوچا۔ شاید وہ کچھ پلان کر چکا تھا

۔

خیر، ٹارچر کرنا سستا، تیز، اور مؤثر ہے۔" اس نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا۔ "" جب تک ہم تمہیں زندہ رکھیں گے، تم چند دہائیوں تک ہمارے کام آؤ گی۔ یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ تم بیٹری سے نہیں چلتی۔ "

تم ... تم ..." وہ ہکلائی۔ "

حیدر نے اپنی نظریں اس پر مرکوز رکھتے ہوئے دوبارہ لب کھولے۔ "تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔ میں نے تمہیں اس پاگل خانے سے نکالا اور تمہیں اس مقام پر لے آیا۔ میں نے تمہیں وہ سب دیا جو تمہیں ایک آرام دہ زندگی گزارنے کے لیے چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں سردی اور گرمی کا امتزاج تھی۔" اب مجھے تمہاری توجہ چاہیے۔ تمہیں

چاہیے کہ تم یہ مان لو کہ تم عام لوگوں کی طرح نہیں جی سکتی۔ تم کبھی نارمل نہیں تھیں اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہو۔ اپنی حقیقت کو قبول کرو۔"

تم..م..م۔" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر الفاظ اس کے حلق میں پھنس گئے۔"

"تم ایک قاتل ہو؟ "

نہیں!" اس نے فوراً جواب دیا۔"

واقعی!" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔"

بس کرو!" وہ چیخی۔"

تم اپنے آپ سے جھوٹ بول رہی ہو۔" حیدر کی نظروں میں ٹھہراؤ تھا۔"

پھر اس نے سر جھکایا۔ "تم ساری زندگی دیوانگی کے کنارے پر رہی ہو، ہے نا؟ اتنے لوگوں نے تمہیں پاگل کہا کہ تم نے خود بھی اس بات پر یقین کر لیا۔ تمہیں لگتا شاید لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ تم نے سوچا کہ اگر تم تھوڑی اور محنت کرو، بہتر ہو جاؤ، سمجھدار ہو جاؤ، زیادہ مہربان ہو جاؤ، تو شاید دنیا تمہارے بارے میں اپنی رائے بدل لے گی۔ تم نے ہر چیز کے لیے خود کو قصوروار ٹھہرایا۔ تم نے یہ سوچ کر اپنی صلاحیتوں کو گوا دیا، کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہو گی۔ تم نے وہ جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ وہ لڑکا تمہاری وجہ سے نہیں مرا تھا۔ اور اگر مرا بھی تھا تو وہ مر چکا ہے۔ تم زندہ ہو۔ زندہ رہ کر دکھاؤ۔ ایک واقعے کی وجہ سے اپنے خوابوں سے پیچھے مت ہٹو۔ تم اپنی قیمت نہیں جانتی عالیانہ۔ میں تمہیں

تمہاری قیمت دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ عالیانہ کو پڑھنے کا فن جان چکا تھا۔ وہ اسے پڑھ چکا تھا۔ اس کے سامنے وہ کھلی کتاب کی طرح تھی۔ اس کی سانسیں رک گئیں، لب بے اختیار لرزنے لگے۔ وہ بمشکل اپنے چہرے کے تناؤ کو قابو میں رکھ پا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ حیدر یہ جانے کہ وہ صحیح ہے۔

تم نے لوگوں پر آئے غصے اور تلخی کو دبا دیا کیونکہ تمہیں محبت چاہیے تھی۔ شاید میں" تمہیں سمجھتا ہوں، عالیانہ۔ شاید تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ تمہیں یہ مان لینا چاہیے کہ تم نے اتنے عرصے تک وہ بننے کوشش کی جو تم نہیں ہو۔ پر جو کچھ بھی تم نے کیا، ان ظالموں کو کبھی خوشی نہیں ہوئی۔ وہ کبھی مطمئن نہیں ہوئے۔ انہوں نے کبھی تمہاری پرواہ نہیں کی، ہے نا؟" اس نے عالیانہ کی جانب دیکھا اور ایک لمحے کے لیے عالیانہ کو وہ ایک انسان کے طور پر نظر آیا۔ ایک لمحے کے لیے، وہ حیدر پر یقین کرنا چاہتی تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ فرش پر بیٹھ کر اپنے گلے میں پھنسے ہوئے سمندر کو آنکھوں کے ذریعے بہا دینا چاہتی تھی۔ "اب وقت آگیا ہے کہ تم جھوٹ بولنا بند کرو۔" حیدر نے نرمی سے کہا۔ "عالیانہ!" اس نے اس کے چہرے کو غیر متوقع نرمی سے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ "تمہیں اب مزید اچھا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ان سب کو تباہ کر سکتی ہو۔ تم انہیں ختم کر سکتی ہو اور...." وہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ "میں کسی کو تباہ نہیں" کرنا چاہتی، میں لوگوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتی۔

لیکن وہ اس کے لائق ہیں!" حیدر مایوسی سے بولا۔ "تم لڑائی کیوں نہیں کرنا" چاہتی۔" وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی، غصے سے کانپتے ہوئے، یہ امید کرتے ہوئے کہ اس کے پاؤں نہ لڑکھڑائیں۔ "تمہیں لگتا ہے کہ چونکہ مجھے کوئی نہیں چاہتا، چونکہ مجھے نظرانداز کیا گیا اور.... اور پھینک دیا گیا ہے تو میرے پاس دل نہیں ہے؟" اس کی آواز ہر لفظ کے ساتھ بلند ہوتی جارہی تھی، بے قابو جذبات اچانک اس کے پھیپھڑوں سے چیخنے لگے۔ "تمہیں لگتا ہے کہ مجھے محسوس نہیں ہوتا؟ تمہیں لگتا ہے کہ چونکہ مجھے تکلیف پہنچی ہے، تو مجھے بھی پہنچانی چاہیے؟ تم بھی باقی سب کی طرح ہو۔ تمہیں بھی ان "کی طرح لگتا ہے کہ میں ایک قاتل ہوں۔ تم بالکل بھی مجھے نہیں سمجھتے۔

"! عالیانہ"

"نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتی۔ میں تمہاری زندگی نہیں چاہتی۔"

وہ حیدر کی پیشکش کردہ زندگی کو اپنانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کسی اور کے لیے کچھ بھی نہیں بننا چاہتی تھی، سوائے اپنے لیے۔ وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرنا چاہتی تھی،، اس نے کبھی بھی ظالم قاتل بننے کی خواہش نہیں کی تھی۔ جب وہ بولی تو اس کے الفاظ دھیمے مگر مضبوط تھے۔ "مجھے انسان کی زندگی کی تم سے کہیں زیادہ قدر ہے، حیدر۔" حیدر تھم گیا۔ ٹھہر گیا۔ اپنی جگہ جم گیا۔ اس کے چہرے پر ایک ساتھ کئیں تاثرات ابھرے اور ختم ہوگئے۔ اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے، پھر رک گیا۔ سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے ہنسا۔

"کیا؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے اور خود کو روکنے سے پہلے پوچھا۔

"تم نے ابھی میرا نام لیا۔" حیدر کی مسکراہٹ اور بھی وسیع ہو گئی۔ "تم نے پہلے کبھی مجھے یوں براہ راست مخاطب نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے کہ میں تمہارے ساتھ کچھ ترقی کر رہا ہوں۔"

"میں نے ابھی تم سے کہا کہ میں.... " وہ بولنا شروع کرنے والی تھی پر حیدر نے اسے کاٹ دیا۔ "مجھے تمہارے اخلاقی مسائل کی کوئی فکر نہیں۔ تم بس وقت ضائع کر رہی ہو کیونکہ تم انکار کی حالت میں ہو۔ فکر نہ کرو۔ تم اس سے نکل آؤ گی۔ میں تھوڑی دیر اور انتظار کر سکتا ہوں۔"

"میں انکار کی حالت میں نہیں ہوں۔" اس نے اصرار کیا، لیکن حیدر نے اسے پھر سے روک دیا۔

"بالکل ہو۔ تمہیں ابھی پتہ نہیں ہے، عالیانہ تم بہت اچھی لڑکی ہو، بالکل میرے ٹائپ کی۔" اس نے اپنے دل پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ اس سے بحث میں جیتنا ناممکن تھا۔

"میرے کمرے کے باہر سپاہی موجود ہیں۔ میری نگرانی کے لیے میرا سپاہی موجود ہے۔" اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ "اگر تم چاہتے ہو کہ میں وہاں رہوں، تو تمہیں کیمروں کو ہٹانا ہوگا۔"

حیدر کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے تاریک ہو گئیں۔ "تمہارا سپاہی، کیا مطلب؟"

"مجھے نہیں پتا۔ تم نے ہی اسے میرے لیے مقرر کیا تھا۔"

"ہاں۔" حیدر سوچنے لگا۔ "وہ تمہیں بے آرام کرتا ہے، ہے نا؟"

ہاں.... ہاں۔ وہ مجھے بہت بے آرام کرتا ہے۔" اس نے دل پر پتھر رکھ کر جھوٹ بولنا ضروری سمجھا۔

جانتی ہو میں نے اسے کیوں منتخب کیا؟" حیدر نے پوچھا، اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے" کسی بھاری ٹرک نے اسے روند ڈالا ہو۔ تو ارسل کو منتخب کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے،
وہ منتخب کیا گیا تھا۔ وہ کوئی عام سپاہی نہیں تھا جسے یوں ہی اس کے کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔ حیدر کبھی بھی کوئی بھی کام بغیر مقصد کے نہیں کرتا تھا۔ اسے یقیناً معلوم تھا کہ ارسل اور اس کا کوئی تعلق ہے۔ وہ اس کی توقعات سے زیادہ ظالم اور چالاک تھا۔

نہیں۔" اس نے سانس لی۔ "میں نہیں جانتی۔" اس نے سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔" وہ خود کو یاد دلاتی رہی کہ سانس لینا نہ بھولے۔

اس نے خود پیشکش کی تھی۔" حیدر نے آہستہ سے کہا اور وہ حیران رہ گئی۔ "اس نے" بتایا کہ اس نے کئی سال پہلے اسکول میں تمہارے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے کہا کہ شاید تمہیں وہ یاد نہ ہو، کیونکہ وہ اب پہلے سے بہت مختلف نظر آتا ہے۔ اس نے ایک بہت قائل کرنے والی بات بھی کہی تھی۔" ایک لمحے کا وقفہ۔ "اس نے کہا کہ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا تھا کہ تمہیں قید کر دیا گیا ہے۔" حیدر نے آخر کار اس کی جانب

دیکھا۔اس کی ہڈیاں برف کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکراتی گئیں،
جو اسے اندر تک سرد کر گئیں۔

میں متجسس ہوں۔"جب وہ بولا تو اس نے سر کو ہلکا سا جھکایا جیسے وہ تھک گیا ہو۔""""
"تمہیں وہ یاد تھا؟

نہیں۔"اس نے فوراً جھوٹ بولا۔"

ارسل مجھے اس وقت سے جانتا تھا جب وہ اس سیل میں داخل ہوا تھا۔اسے پہلے سے
معلوم تھا کہ میں کون ہوں۔

اسے میرا نام پہلے سے معلوم تھا۔وہ سب ایک جال تھا۔میرا نام پوچھنا۔میرے بارے میں پوچھنا۔انجان بننا۔اوہ خدایا! وہ سب ایک جال تھا۔وہ خاموش رہی،اور یہ خاموشی کسی طرح اور بھی زیادہ تکلیف دہ تھی۔حیدر کی مسکراہٹ مزید کھل اٹھی۔"میں نے اسے کبھی نہیں بتایا کہ تمہیں کیوں قید کیا گیا تھا۔میں نے سوچا تھا کہ اس کے تجربے کو اضافی معلومات سے آلودہ نہیں ہونا چاہیے۔لیکن اس نے کہا کہ تم ہمیشہ سے طلبا کے لیے خطرہ تھیں۔سب کو ہمیشہ تم سے دور رہنے کا کہا جاتا تھا،حالانکہ کسی نے کبھی نہیں بتایا کہ کیوں۔اس نے کہا کہ وہ اس عجیب وغریب انسان کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہے جو
"تم بن گئی ہو۔

الفاظ تھے کہ ہنجر اس کے دل کو کاٹ گئے۔اس کی آنکھوں میں غصہ اُبھر آیا۔وہ اتنی زیادہ تکلیف،اتنی زیادہ ناراضگی،اتنی زیادہ خوف،اتنی زیادہ شرمندگی اور غصے سے بھری

ہوئی تھی کہ یہ سب کچھ اسکے اندر آگ کی طرح جل رہا تھا، ایک جنگل کی آگ کی طرح جو سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ حیدر کی ریڑھ کی ہڈی اپنے ہاتھوں سے مسل دے۔ وہ چاہتی تھی کہ حیدر کو یہ معلوم ہو کہ دوسروں کو تکلیف دینا، نا قابل برداشت اذیت دینا، کیا ہوتا ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ حیدر اس کا درد، خان کا درد، تبریز نواز کا درد محسوس کرے، اور وہ چاہتی تھی کہ حیدر کو بھی اسی طرح کی تکلیف پہنچے، جیسی اسے پہنچی ہے۔ لیکن شاید حیدر صحیح تھا۔ شاید کچھ لوگ واقعی اس کے مستحق ہوتے ہیں۔

میں تیار ہوں۔ میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔"اس نے خود کو" کہتے سنا۔

کیا واقعی؟"وہ حیران تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، تجسس سے بھری ہوئی" تھیں، اور وہ اپنے تجسس کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔

تم تیار ہو؟"حیدر نے تکبر سے پوچھا۔ وہ اس کی گردن توڑنے کے بارے میں " سوچنے لگی۔

اگر میں یہ کروں تو تم میرے کمرے میں موجود کیمرے ہٹا دو گے۔ تمام آلات، سب" "کچھ۔

حیدر بیٹھے بیٹھے اس کے قریب ہوا، کچھ پل اسے دیکھا، پھر اپنا سر جھکا لیا۔"میرے وعدے قابل بھروسہ نہیں ہوتے۔ عالیانہ"اس نے آہستہ سے کہا۔"کیا تم بھول گئی ہو؟"وہ مسکرایا، پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔"میں تو جھوٹ بولنے میں ماہر

ہوں، بقول تمہارے۔ایک دم سے مجھ پر اتنا بھروسہ؟"اچانک اسے حقیقت کا احساس ہوا، اور سو پاؤنڈ کی حقیقت اس پر آن پڑی ہو۔اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔اسے حیدر کے ساتھ کوئی سودا نہیں کرنا چاہیے تھا۔اسے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ یااللہ، وہ اپنا دماغ کھو بیٹھی تھی۔اس کی مٹھیاں اس کے پہلوؤں میں سختی سے بند ہو گئیں۔اسے بمشکل بولنے کی طاقت ملی۔

تم جہنم میں جا سکتے ہو۔"وہ یہاں مزید یہاں نہیں رک سکتی تھی۔"

وہ اٹھی اور کمرے کے سامنے موجود دوہرے دروازوں کی طرف اڑتی ہوئی گئی اور حیدر کے روکنے سے پہلے انہیں کھینچ کر کھول دیا۔ ارسل اسے روکنے کے لیے باہر کھڑا تھا۔حیدر نے اس کی ذمہ داری اسے سونپی تھی۔جہاں بھی وہ جاتی تھی، وہ اس کی حفاظت کے لیے موجود ہوتا۔اس کی نظریں زمین پر گر گئیں، اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، اور اس کا دل ٹکڑوں میں بکھر گیا تھا۔ظاہر ہے کہ اسے معلوم تھا کہ وہ ایک قاتل ہے۔ایک ظالم۔

اور وہ ان دونوں کے درمیان کھڑی تھی۔حیدر اس کو دیکھ رہا تھا اور ارسل اپنے ہتھیار کو۔

سپاہی، اسے واپس اس کے کمرے میں لے جاؤ اور تمام کیمرے غیر فعال کر دو۔اگر یہ" اکیلے کھانا چاہے تو کھا سکتی ہے، لیکن رات کا کھانا یہ میرے ساتھ کھائے گی۔ تم اسے "وقت پر میرے پاس لاؤ گے۔

جی، سر۔"ارسل نے ایک لمحے کے لیے پلکیں جھپکائی۔"

عالیانہ؟"حیدر نے پیچھے سے پکارا۔"

وہ رک گئی۔اس کی پیٹھ حیدر کی طرف تھی، اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

مجھے امید ہے کہ تم اپنی بات کا پاس رکھو گی۔"اس نے کہا اور رکا نہیں، واپس کمرے" میں چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

لفٹ تک پہنچنے میں اسے تین سال لگے۔اوپر جانے میں مزید دو سال۔جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی، تو وہ خود کو تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ارسل خاموش تھا، بالکل پر سکون، مکمل طور پر سنبھلا ہوا، اپنی حرکات میں مشینی۔وہ دیکھتی رہی کہ ارسل جلدی، تیزی سے، احتیاط سے کمرے میں گھوم رہا تھا، وہ چھوٹے چھوٹے آلات ڈھونڈ رہا تھا جو اس کی حرکات کو مانیٹر کرنے کے لیے رکھے گئے تھے، اور انہیں ایک ایک کر کے غیر فعال کر رہا تھا۔اگر کوئی پوچھے کہ اس کے کمرے کے کیمرے کام کیوں نہیں کر رہے، تو ارسل کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔یہ حکم حیدر کی ھانب سے آیا تھا۔اس نے سوچا تھا کہ اسے پرائیویسی کی ضرورت ہو گی۔لیکن وہ احمق تھی۔ارسل وہ لڑکا نہیں تھا جسے وہ یاد کرتی تھی۔وہ تیسری جماعت میں تھی۔وہ اس سکول میں نئی آئی تھی، کیونکہ اسے اس کے پرانے اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔اس کے والدین ہمیشہ نقل مکانی کرتے تھے، ہمیشہ اس کے پیدا کردہ مسائل سے بھاگتے تھے، ان کھیلوں کو برباد کر دیتے تھے جن میں

وہ حصہ لیتی تھی، اور ان دوستیوں سے بھاگتے تھے جو کبھی نہیں ہوئیں۔ کوئی بھی کبھی اس کے "مسئلے" کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انسانی تصورات اکثر خود مختار ہونے پر تباہ کن ہوتے ہیں۔

کوئی بھی اُس سے بات نہیں کرتا تھا۔ سب اُسے گھورتے تھے۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ وہ روتی تھی۔ زنجیروں والی باڑ کے ساتھ بیٹھ کر وہ اکیلے لنچ کرتی تھی اور کبھی آئینہ نہیں دیکھتی تھی۔ وہ اُس چہرے کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی جسے سب اتنا ناپسند کرتے تھے۔ لڑکیاں اُسے مار کر بھاگ جاتی تھیں۔ لڑکے اُس پر پتھر پھینکتے تھے۔ آج بھی کہیں نہ کہیں اُس کے جسم پر اُن پتھروں کے نشان موجود تھے۔

وہ سکول کی زنجیروں والی باڑ کے پیچھے سے دنیا کو گزرتے ہوئے دیکھتی تھی۔ وہ گاڑیوں کو، بچوں کو اتارتے والدین کو اور اُن لمحات کو دیکھتی تھی جن کا وہ کبھی حصہ نہیں بن سکی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب موت کے بارے میں بات کرنا عام نہیں تھا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب لوگوں کو لگتا تھا کہ اُن کے مسائل کا کوئی حل موجود ہے۔

اُس وقت، ارسل ابراہیم وہ لڑکا تھا جو اسکول پیدل آیا کرتا تھا۔ ارسل وہ لڑکا تھا جو اُس سے تین قطاریں آگے بیٹھتا تھا۔ اُس کے کپڑے اُس کے کپڑوں سے بھی بدتر ہوتے تھے، اور اُس کے پاس لنچ نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے کبھی اُسے کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ایک صبح، وہ اسکول ایک گاڑی میں آیا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسل کو گاڑی سے دھکے دے کر نکالا جا رہا تھا۔ اُس کا باپ نشے میں تھا اور گاڑی چلا رہا تھا، کسی وجہ سے اس۔ پر چیخ

رہا تھا۔ ارسل پر سکون کھڑا رہا، زمین کو گھورتا رہا، پھر اس نے دیکھا کہ ایک باپ نے اپنے پندرہ سالہ بیٹے کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اُس نے ارسل کو زمین پر گرتے دیکھا۔ وہ وہیں بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ جبکہ ارسل کا باپ اُسے بار بار پسلیوں پر لاتیں مار رہا تھا۔ "یہ سب تمہاری غلطی ہے! یہ تمہاری غلطی ہے، تم کمینے!" اُس کا باپ بار بار چیخ کر کہہ رہا تھا لیکن ارسل نہیں رویا۔ وہ زمین پر پڑا رہا یہاں تک کہ اُس کے باپ نے ہار مان لی اور وہاں سے چلا گیا۔ صرف اُس وقت جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ جا چکے ہیں، اُس کا جسم دھڑکنے لگا۔ اُس کا چھوٹا چہرہ مٹی میں لتھڑ گیا تھا، اُس نے اپنی باہیں اپنی زخمی پسلیوں کے گرد باندھ لیں، اور زمین پر سکڑ گیا۔ اس کا مٹی سے لت پت چہرہ واضح ہوا اور پھر وہ آہوں سسکیوں سے رونے لگا۔ اس کے آنسو اس کی کنپٹی میں جذب ہوتے گئے۔ وہ بہت تکلیف میں تھا۔ وہ نظریں نہیں ہٹا سکی۔ وہ آوازیں اور وہ منظر اس کے ذہن سے کبھی نہیں نکلا۔ تب سے اُس نے ارسل ابراہیم پر دھیان دینا شروع کیا۔ "عالیانہ! اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ "تم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں کون ہوں۔" اس نے پلٹے بغیر پوچھا۔

ارسل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اُس جانب پلٹی، وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

آئی ایم سوری۔" وہ صرف اتنا کہہ پایا۔"

وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ سب کچھ ایک ڈرامہ تھا۔ اُس کو اپنا بستر دینا، اُس کا نام پوچھنا، اُس کے خاندان کے بارے میں سوالات۔ وہ حیدر کے لیے پرفارم کر رہا تھا، وہ یہ سب معلومات حیدر تک پہچانے کے لیے پوچھ رہا تھا۔

میں کس بات پر یقین کروں۔ اسے یہ کہنا تھا۔ اُسے یہ سب نکالنا تھا۔ اُسے اپنے زخموں کو کھولنا تھا اور اُن سے تازہ خون بہانا تھا۔

یہ سچ ہے، اُس بچے کے بارے میں۔ میں نے وہ کیا تھا۔ "اُس کی آواز اتنی زیادہ کانپ" رہی تھی جتنی وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

جب میں نے پہلی بار اس کے بارے میں سنا، تو مجھے.... "ارسل بہت دیر تک خاموش" رہنے کے بعد بولا۔

کیا؟ "اس نے پوچھا۔"

یہ کبھی میرے لیے معنی نہیں رکھتا تھا۔ "ارسل نے کہا، اور ہر لفظ عالیانہ کے پیٹ میں" گھونسہ مارنے جیسا تھا۔ ارسل نے سر اٹھایا اور ایسا لگا کہ وہ ایسی اذیت میں ہے، جس میں کبھی وہ بھی نہیں تھی۔

جب میں نے اس کے بارے میں سنا، ہم سب نے اس کے بارے میں سنا۔ پورے "
"سکول نے۔

یہ ایک حادثہ تھا۔ "عالیانہ نے کہا۔ آنسو آنکھوں سے لڑھک کر گال پر گرے۔ "

وہ...وہ ایکسلیٹر سٹیئرز سے گرنے والا تھا....اور میں اُس کی مدد کرنے کی کوشش کر" "...رہی تھی...اور میں نے بس...مجھے نہیں معلوم تھا...میں نے سوچا

"میں جانتا ہوں۔"

کیا؟"اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔"

مجھے تم پر یقین تھا۔"ارسل نے کہا۔"

کیا....کیوں؟"اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو بہنے لگے۔"

ارسل نے نظریں جھکا لیں۔ پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا، پھر آہستہ سے اس کے پاس آیا۔ کئی بار لب کھولے اور بند کیے جب تک کہ الفاظ نکل نہیں گئے۔"کیونکہ میں تمہیں جانتا تھا، عالیانہ۔ میں بس صحیح وقت کا انتظار کر رہا تھا۔"اُس نے ماتھے کو چھوا۔ ایک لمحے کا توقف۔

جس دن ہم یہاں آئے تھے، اس دن میں تم سے بات کرنے والا تھا۔"ایک عجیب" قسم کی مسکراہٹ، ایک عجیب قسم کی ہنسی اُس کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ اُس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ چھت کی طرف دیکھا۔ عالیانہ سے منہ پھیر لیا۔

میں تم سے بات کرنے والا تھا۔ میں تمہیں بتانے والا تھا کہ میں تم سے پیار..."اُس" نے سر ہلایا، ایک دردناک ہنسی ہنسنے کی کوشش کی۔"لیکن تمہیں تو میں یاد بھی نہیں تھا۔ تم نے مجھے پہچانا بھی نہیں تھا۔"اس نے وہ جھوٹ سن لیا تھا جو اس نے

حیدر سے کہا۔" مجھے لگا تھا تم مجھے پہچانتی ہو بس اعتراف کرنے سے ڈر رہی ہو۔" لاکھوں سیکنڈز گزرے، وہ ہنسنا، رونا، چیخنا، بھاگنا چاہتی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ پہلے کیا کرے۔

مجھے تم یاد ہو۔ میں نے اپنی زندگی کے ہر ایک ٹوٹے ہوئے لمحے میں تمہیں یاد" کیا۔" اُس کی آواز ایک گھٹی ہوئی سرگوشی تھی جب اس نے اعتراف کیا۔

"تم وہ واحد تھے جو مجھے ایک انسان کے طور پر دیکھتے تھے۔"

اس نے کبھی عالیانہ سے بات نہیں کی تھی، ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا، لیکن وہ واحد انسان تھا جو بار کے قریب اُس کے ساتھ بیٹھنے کی ہمت کرتا تھا۔ وہ واحد تھا جو اُس کی حفاظت کے لیے کھڑا ہوتا تھا، وہ واحد تھا جو کسی کے عالیانہ کو پتھر مارنے پر آگے بڑھتا تھا۔ عالیانہ کو اس وقت شکریہ کہنے کا طریقہ بھی نہیں آتا تھا۔ ارسل وہ واحد شخص تھا جو اُس کے لیے ایک دوست جیسا تھا۔ عالیانہ نے آنکھیں کھولیں اور وہ اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم شروع سے جانتی تھیں؟"

ارسل... "اس نے ہنسنے کی کوشش کی۔"

میں تمہاری آنکھوں کو دنیا کے کسی بھی کونے میں پہچان سکتی ہوں۔" اسی پل" کمرے میں چار الگ الگ الیکٹرانک آوازیں گونجیں۔ ارسل فوراً انٹر کام کی جانب دوڑا ہے اور ایک بٹن دبایا۔

"نام اور نمبر؟"انٹر کام کی آواز نے مطالبہ کیا۔"

ارسل ابراہیم۔بی فائیو فور تھری اے۔"ایک لمحے کا توقف۔"

"سپاہی، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے کمرے کے کیمرے غیر فعال ہو چکے ہیں؟"

"جی، سر۔مجھے براہ راست احکامات دیے گئے تھے کہ ان آلات کو بند کر دیا جائے۔"

"یہ حکم کس نے دیا تھا؟"

"حیدر سر۔"ایک طویل وقفہ۔"

"ہم تصدیق کریں گے۔سیکورٹی آلات کی غیر مجاز چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں تمہیں بدنامی کے ساتھ برخاست کیا جا سکتا ہے سپاہی۔مجھے امید ہے کہ تم اس بات سے آگاہ ہو۔"

"جی ہاں سر۔"اور لائن خاموش ہو گئی۔"

ارسل نے دیوار سے سر ٹکایا، ایک لمبا سانس خارج کیا اور دیوار کے ساتھ لگے زمین پر بیٹھ گیا۔

"ہمیں یہاں سے فوراً نکلنا ہو گا۔"یہ آخری جملہ تھا جو اس نے بولا۔"

••••••☆☆☆••••••

اسکول کے بعد اس نے زندگی کے اگلے کئی سال ہسپتالوں، قانونی دفاتر، اور بچوں کے حراستی مراکز میں گزارے، گولیوں اور الیکٹرو شاک تھراپی سے گزرنے کے باوجود کچھ بھی کام نہیں آیا۔اسے ختم کرنے کی بجائے، اسے ایک ادارے میں بند کر دینا ہی واحد

حل تھا۔ جب تک وہ قید خانے میں نہیں آیا، اس نے ان سالوں میں ارسل کو نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ واقعی مختلف نظر آتا تھا۔ مضبوط، لمبا، سخت، تیز اور غصے والا۔ وہ طاقت کا مجسمہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ نرمی یا آرام کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ وہ کچھ بھی نہیں بن سکتا سوائے طاقت اور کارکردگی کے۔ اس کے چہرے کی لکیریں ہموار، اور سالوں کی سخت زندگی، تربیت اور بقا کی کوششوں سے تراشی ہوئی تھیں۔ وہ اب بچہ نہیں رہا تھا۔ اسے اب ڈر نہیں لگتا تھا۔ وہ فوج میں تھا۔ لیکن وہ اتنا مختلف بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی دنیا کی سب سے غیر معمولی سیاہ آنکھیں تھیں جو اس نے کبھی دیکھی تھیں۔ گہری اور جذبات سے لبریز۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

کیسی ہو؟ دو الفاظ جو کبھی کسی نے اس سے نہیں پوچھے۔

"میں یہاں سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

کیا واقعی تم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سنجیدہ ہو؟ کیا تم اس خطرے کو سمجھتی ہو؟" اس نے گہری سانس لی۔ "ہاں۔ میں جانتی ہوں۔" چند منٹ ایسے ہی گزرے۔ وہ کھڑکی کے پار دیکھتی رہی۔ وہ بستر پر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بھاگنے میں ناکام ہو گئے تو۔ اسے اپنے مرنے کی اتنی پرواہ نہیں تھی جتنی عالیانہ کی تھی۔ لیکن اس سب سے نکلنے کے لیے خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔ "فوجیں کسی حملے کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہنا شروع کیا۔ "کچھ بڑا ہونے والا ہے، ابھی میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا ہے لیکن مجھے لگتا ہے دستور کے خلاف خفیہ طور پر باغی جنگ

کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ خیر جو بھی ہو، جب وہ تیار ہوں گے، اس وقت ہمیں بھی تیار رہنا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا۔

"جب فوجیں جنگ کے لیے تیار ہوں گی، تب تمہیں اور مجھے بھی بھاگنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ واحد طریقہ ہے جو ہمیں بھاگنے کے لیے وقت دے گا۔ سب کی توجہ حملے پر اتنی مرکوز ہوگی کہ انہیں یہ نوٹس کرنے میں وقت لگے گا کہ ہم غائب ہیں۔ یا پھر اتنی تعداد میں لوگ جمع نہیں ہو سکیں گے کہ ہماری تلاش کے لیے نکل سکیں۔"

"لیکن... تمہارا مطلب ہے... تم میرے ساتھ چلو گے؟ تم میرے لیے یہ سب کرنے کو تیار ہو؟" ارسل کی ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں پر لرزش پیدا کر دی۔ اس کی آنکھیں نرم پڑ گئیں جب اس نے عالیانہ کو دیکھا۔

"بہت کم چیزیں ہیں جو میں تمہارے لیے نہیں کروں گا، عالیانہ۔"

ایک دم سے اس کا خواب اس کے ذہین پر سوار ہوا۔ 'ایک پرندہ۔ وہ تمہاری قید کا ساتھی ہوگا، وہ تمہیں اس قید سے آزاد کروائے گا۔' تو اس کا خواب سچا تھا۔ ارسل وہ پرندہ تھا جو اسے آزاد کروائے گا۔

"کیوں؟" چند لمحے گزرنے کے بعد عالیانہ نے پوچھا۔

"کیا مطلب کیوں؟" اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

کیوں ارسل؟ تم کیوں پرواہ کرتے ہو؟ تم میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟ مجھے سمجھ نہیں آرہی... مجھے نہیں پتہ کہ کیوں تم میرے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہو؟" ارسل زخمی سے انداز میں مسکرایا اور چہرا موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ "تمہیں یاد ہے ساتواں گریڈ، جب انمول درانی نے اسکول کے ٹرپ کے لیے دیر سے سائن اپ کیا تھا؟ تمام جگہیں بھر چکی تھیں، اور وہ روتی ہوئی بس کے باہر کھڑی تھی، کیونکہ وہ جانا چاہتی تھی؟" ارسل نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ "مجھے یاد ہے تم بس سے اتر گئی تھیں۔ تم نے اسے اپنی جگہ دے دی اور اس نے تمہیں شکریہ تک نہیں کہا۔ میں نے دیکھا تم بس کے پیچھے کھڑی تھیں جب ہم دور جا رہے تھے۔" عالیانہ کی سانس رک سی گئی۔ وہ گلابی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

تمہیں یاد ہے آٹھواں گریڈ؟ وہ ہفتہ جب منہاج لنچ کے بغیر سکول آتا تھا، تم اپنا لنچ" اسے دے دیتی تھی۔ اور جیسے ہی وہ ہفتہ ختم ہوا، اس نے تمہاری طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔" عالیانہ ابھی بھی یک تک اسے دیکھ رہی تھی۔

دسویں گریڈ میں۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ارساء خان کو تمہارے میتھ" کے پیپر سے نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ وہ مسلسل چیختی رہی کہ اگر وہ فیل ہوئی تو اس کا باپ اسے مار ڈالے گا۔ تب تم نے ٹیچر کو بتایا کہ وہ تم تھیں جو اس کے پیپر سے نقل کر رہی تھیں۔ تمہیں امتحان میں زیرو نمبر ملے اور ایک ہفتے کی سزا۔" ارسل نے سر اٹھایا، لیکن عالیانہ کی طرف نہیں دیکھا۔ "تمہارے بازوؤں پر کم از کم ایک ہفتے تک بانس کی

اسٹک کے نشان رہے تھے۔"اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے اور وہ انہیں پونچھ بھی نہیں رہی تھی۔

لاکھوں بار..... لاکھوں بار میں نے تمہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن تم نے" کبھی ایک لفظ نہیں کہا۔"اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

تم نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔"آخر کار، اس نے عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا۔"

تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں کتنا سوچا ہے۔ میں تمہاری ہر" چیز نوٹ کرتا تھا۔ میرے لیے، تم اس دنیا کی واحد اچھی چیز تھی اور ہو۔"اس نے ہتھیلی سے اس کی گال پر بہتے آنسو صاف کیے۔

ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ چار ہفتے ہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ باغیوں کو زیادہ دیر تک" "کنٹرول کر سکیں گے۔

عالیانہ نے سر ہلایا، پلکیں جھپکائیں، اور اسے دیکھ کر رونے کے درمیان مسکرائی۔

••••••☆☆☆••••••

مجھے یقین نہیں آتا کہ حیدر نے واقعی کیمرے ہٹانے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔"بار" ہفتوں میں سے ایک دن ارسل نے عالیانہ سے کہا۔

"وہ دماغی مریض ہے۔ وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہے جسے میں کبھی نہیں سمجھ پاؤں گی۔"

وہ تم سے آبسیس ہے۔"ارسل نے آہ بھری۔"

"کیا؟"

وہ ہمیشہ تمہارا ذکر کرتا رہتا ہے۔" ارسل چند لمحوں کے لیے خاموش رہا، اس کا چہرہ" سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "تمہارے یہاں آنے سے پہلے میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا... اسی لیے میں نے مداخلت کی، اسی لیے میں نے تمہیں یہاں لانے کی درخواست کی۔ حیدر نے مہینوں تمہاری معلومات اکٹھی کرنے میں
گزارے، تمہارا پتہ، طبّی ریکارڈ، ذاتی تاریخیں، خاندانی تعلقات، پیدائشی سرٹیفکیٹ سب کچھ۔ پوری فوج اس کے نئے منصوبے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کی تلاش میں ہے جس نے ایک چھوٹے بچے کو مال کی ایکسلیٹر سیڑھیوں سے دھکا دے کر مار دیا تھا۔ ایک لڑکی جس کا نام عالیانہ تھا۔" عالیانہ کا دل جیسے تھم گیا۔ اس کی سانسیں رک سی گئیں۔

ارسل نے سر ہلایا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ لڑکی تم ہی ہو، تمہیں ہی ہونا تھا۔ میں نے حیدر سے کہا کہ میں اس منصوبے میں مدد کرنا چاہتا ہوں، میں نے اسے بتایا کہ میں نے تمہارے ساتھ اسکول میں تعلیم حاصل کی ہے، اور یہ بھی کہ میں خوش ہوں کہ تم قید میں ہو۔ مجھے کچھ کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں تمہاری مدد کر سکوں گا۔ لیکن اس سب وقت میں، حیدر تمہاری صلاحیتوں کی بات کرنا بند ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ تمہیں یہاں دیکھ کر کتنا پرجوش ہے، سب کو نظر آتا ہے۔ تمہیں دیکھ کر اس کی بدلتی شخصیت اس کے سوا سب نوٹ کرتے ہیں۔ لیکن" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "حیدر بے رحم ہے،

اسے کسی پر رحم نہیں آتا۔ اسے طاقت سے محبت ہے، لوگوں کو تباہ کرنے کا جنون ہے۔ لیکن اب وہ اپنے ہوش کھو رہا ہے، عالیانہ۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے، لیکن وہ تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ تم خود اس کا انتخاب کرو۔"

ہاں، حیدر اپنے ہوش کھو رہا تھا۔ وہ شک میں مبتلا تھا، وہ صحیح تھا۔ لیکن پھر بھی وہ عالیانہ کے ساتھ اچھے سے پیش آتا، ہمیشہ پر جوش اور ہر وقت گھبراہٹ میں مبتلا رہتا۔ وہ ایک متضاد شخصیت تھا۔ اس نے عالیانہ کے کمرے کے کیمرے غیر فعال کر دیے لیکن وہ ارسل کو حکم دیتا کہ وہ عالیانہ کے کمرے کے باہر سوئے تاکہ اس بات کو یقینی بنا سکے کہ وہ بھاگ نہ جائے۔ وہ کہتا تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا تنہا کھا سکتی ہے، لیکن ناشتے اور رات کے کھانے کے لیے اسے اپنے پاس بلاتا تھا۔

وہ کئی دونوں بعد ارسل سے ملتی۔ ارسل اسے نئی ترقیات کے بارے میں بتاتا، ان سرگوشیوں کے بارے میں بتاتا جو اس نے دوسرے سپاہیوں سے سنی ہوتیں۔ اس نے اسے حیدر کے والد کے بارے میں بتایا۔ اس نے بتایا کہ حیدر کے والد دارالحکومت میں ہیں، اور کیسے وہ اپنے بیٹے کو اس پورے سیکٹر کی نگرانی کے لیے چھوڑ چکے ہیں۔ اس نے بتایا کہ حیدر طاقت سے محبت کرتا ہے۔ تباہی سے محبت کرتا ہے۔ بربادی سے محبت کرتا ہے۔ اس نے عالیانہ کو حیدر کی خطرناک ذہنیت کے بارے میں خبردار کیا۔ حالات بہت آرام دہ ہو رہے تھے اور وہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو رہی تھی۔

نیلے کمرے میں ناشتہ کرنا اب معمول بن گیا تھا۔ وہ اپنے دن وہاں گزارنے لگی تھی اور حیدر کے ساتھ تعاون کرتی نظر آتی تھی۔ حیدر نے دوبارہ اس شرط کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ نیلے کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ حیدر نے اسے نہیں بلوایا تھا، وہ خود آئی تھی، مگر دروازے میں کھڑے سپاہی اسے اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ وہ اس وقت سیاہ جوڑے میں ملبوس تھی جو حیدر نے آج کے دن کے لیے حاصل طور پر اسے پہننے کے لیے دیئے تھے۔۔ پورے آستین کے سیاہ کرتے کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ۔ بالوں کی اونچی پونی ٹیل۔ اسے اس جوڑے میں بے سکونی محسوس ہو رہی تھی، شاید یہ اس لیے کیونکہ اس نے کبھی ایسے کپڑے پہنے نہیں تھے۔ لیکن وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

"مجھے حیدر سے بات کرنی ہے۔"

" سر نے تمہیں نہیں بلایا۔ ہم ان کی اجازت کے بغیر تمہیں اندر نہیں جانے دے سکتے۔"

"تو اس سے اجازت لے لو۔ اس کو بتاؤ میں آئی ہوں۔"

"انہوں نے کہا انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ اور تمہارے ایسے بنا اجازت کے بیس میں پھرنے پر تمہیں سزا دی جائے گی۔" کہہ کر دو سپاہی آگے بڑھے۔

مجھے ہاتھ مت لگانا، ورنہ حیدر تمہیں جان سے مار دے گا۔" لیکن سپاہی اس کا بازو پکڑ چکا تھا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس کا بازو سرخ ہو گیا۔ اس نے پوری قوت سے خود کو چھڑوانے کی کوشش کی، اتنے میں۔ نیلے کمرے سے قدموں کی چاپ سنائی دی، سپاہی کی گرفت ڈھیلی پڑی اور عالیانہ منہ کے بل گرتے گرتے بچی۔ اس کے پیچھے کا دروازہ کھلا اور بند ہوا۔ اس نے اس کی موجودگی اپنے پیچھے محسوس کی اور اس لمحے اسے احساس ہوا کہ حیدر کا اس کے پیچھے ہونا کتنا خوبصورت احساس ہے۔

سیاہ کوٹ سے جھلکتی سفید شرٹ۔ سیاہ پینٹ۔ بال اپنے مخصوص انداز میں سمٹے ہوئے۔ وہ قہر برساتی نظروں سے سپاہیوں کو گھور رہا تھا۔ سپاہیوں نے گردنیں جھکا دیں۔ اس نے گردن موڑ کر عالیانہ کو دیکھا، ماتھے کے بل ایک دم غائب ہوئے اور آنکھوں میں فکر جھلکنے لگی۔

تم ٹھیک ہو؟" اس نے اس کے بازو پر سرخ نشان دیکھ لیے تھے۔ عالیانہ نے اثبات میں" سر ہلایا۔ پھر اس نے چہرا سپاہیوں کی جانب موڑا، سپاہیوں کے سر اب بھی جھکے ہوئے تھے۔

ہاتھ کس نے لگایا؟" وہ سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے ساتھ کھڑی عالیانہ سے مخاطب " ہوا۔ اس کی آواز، اتنی سرد، اتنی سنجیدہ، اتنی آہستہ، اتنی خطرناک۔

اس کے جواب نہ دینے پر اس نے دوبارہ عالیانہ کی جانب دیکھا۔

ہاتھ کس نے لگایا؟" اس نے دہرایا۔ "

عالیانہ نے سپاہی کی جانب اشارہ کیا۔اس سے پہلے کہ حیدر سپاہی کی جانب بڑھتا،عالیانہ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اس کا بائیاں ہاتھ تھام لیا۔وہ تھم گیا۔وقت تھم گیا۔ہر چیز تھم گئی۔ایک سرائیت کی لہراس کے پورے وجود میں دوڑی۔اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ کو دیکھا،جو عالیانہ کے ہاتھ میں تھا،پھر پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا ،اس نے دائیں سے بائیں بس ایک بار سر ہلایا اور وہ ہل تک نہ سکا۔ایک انجانی سی طاقت تھی اس کے لمس میں،جو اسے کچھ بھی کرنے سے روک سکتی تھی۔جو اسے کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی تھی ۔اس نے سپاہیوں کی جانب دیکھا،آنکھیں بند کیں،گہری سانس لی،اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے آزاد کر کے ہاتھ پیچھے باندھ لیئے۔

"معافی مانگو۔"

معافی چاہتا ہوں۔"ایک سپاہی نے کہا۔"

میں معافی چاہتا ہوں سر..."دوسرا سپاہی بولا جب حیدر نے اسے درمیان میں کاٹ "دیا۔

"مجھ سے نہیں اس سے معافی مانگو۔"

".....میں معافی چاہتا ہوں میں نے تمہیں"

"....آپ...."حیدر نے تصیح کی۔"آپ"

میں معافی چاہتا ہوں میں نے آپ کو ہاتھ لگایا۔"سپاہی نے بات مکمل کی۔"

اٹس اوکے۔"اس کے بعد سپاہیوں نے حیدر سے نظریں ملانے کی جرات نہیں کی" اور دوبارہ اپنی جگہ پر چلے گئے۔

جب میں نے بکواس کی تھی کہ تم میرے بغیر باہر نہیں نکلو گی، تو کیوں اکیلی" باہر آئی!" وہ شدید غصے میں تھا۔اس نے ہاتھ کی پشت دیوار پر ماری، پھر گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔ شیشے کی کرچیاں قالین پر بکھر گئیں۔

منع کیا تھا میں نے، تم سپاہیوں سے بات نہیں کرو گی۔"حیدر نے کونے میں ڈری" سہمی کھڑی عالیانہ کو دیکھا، ایک دو تین اور اس کا سارا موم کی پگھل گیا۔ وہ چاہ کر بھی اس پر غصہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس عورت کے سامنے اپنی آواز اونچی نہیں کر سکتا تھا۔

میں خود تمہارے پاس آنے والا تھا۔"اس کا لہجہ یک دم نرم ہوا۔"تم انہیں نہیں" جانتی عالیانہ۔"اس کا اشارہ سپاہیوں کی جانب تھا۔

تم نے مجھے یہ کپڑے کیوں بھجوائے۔"اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

پھر اس نے سائیڈ ٹیبل سے سیاہ لیدر کے دستانے تھامے، اور عالیانہ کی جانب پلٹا۔"یہ کس لیے ہیں؟"عالیانہ اپنی حیرانگی نہ چھپا پائی۔

قابلیت کا امتحان۔"اس نے اس کا ہاتھ تھام کر دستانے اس کے ہاتھوں میں رکھے۔ وہ " اتنی گھبراہٹ میں مبتلا تھی کہ وہ اس سے نفرت کرنے کی حالت میں بھی نہیں تھی۔

حیدر نے اسے اپنا ہاتھ پیش کیا، لیکن وہ مکمل طور پر ساکت رہی۔ وہ اپنی جگہ پر جم سی گئی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا اور اپنا سر ذرا سا آگے کو جھکاتے ہوئے کہا۔

""میرے ساتھ چلو۔""

وہ حیدر کے ساتھ چل پڑی۔ وہ اسے کسی نئی جگہ لے جا رہا ہے۔ وہ ایسی راہداریوں میں چل رہے تھے جنہیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جتنا آگے وہ بڑھتے جا رہے تھے، راہداری اتنی ہی تاریک اور تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ آخر کار وہ سمجھ گئی کہ وہ تہہ خانے کی طرف جا رہے ہیں۔ راستے میں تین چار دروازے گزرے، ہر طرف سپاہی موجود تھے، جن کی نگاہوں کا سامنا کرنے سے وہ کتراتی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس عمارت میں بہت کم خواتین ہیں۔ حیدر کی موجودگی کی وجہ سے وہ ان سینکڑوں تنہا مردوں کی نگاہوں سے محفوظ تھی۔ حیدر اس کے معاملے میں صرف ارسل پر بھروسہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا وہ ایموشن لیس ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ارسل ایک ایسی مشین ہے جو احکامات اور مطالبات پر چلتی ہے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارسل اسے کبھی دھوکہ دے سکتا۔ کوئی بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ جس کسی سے بھی وہ ملتی، وہ نظریں جھکا لیتا۔ اندھیرا ایسا لگتا تھا جیسے کسی سیاہ کینوس کو ایک چاقو نے کاٹ کر روشنی کی باریک شعائیں اندر چھوڑ دی ہوں۔ اس منظر نے اسے اپنے پرانے قید خانے کی یاد دلائی۔ اس کا جسم بے قابو خوف سے کانپنے لگا۔ وہ بندوقوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ وہ دونوں ایک دروازے کے سامنے رکے۔

اندر جاؤ۔" حیدر نے کہا۔"

اس کے سامنے ایک خالی کمرہ تھا جس میں ہلکی سی پھپھوندی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ حیدر نے ایک بٹن دبایا، اور فلورسنٹ لائٹس نے کمرے کی پیلی دیواروں اور مردہ گھاس جیسے رنگ کے قالین کو ظاہر کیا۔ دروازہ اس کے پیچھے زور سے بند ہوا۔ کمرے میں کچھ نہیں تھا سوائے مکڑی کے جالوں اور ایک بڑے آئینے کے، جو دیوار کے آدھے حصے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ حیدر اور اس کے ساتھی اسے اس آئینے کے پیچھے سے اسے دیکھ رہے ہوں گے، مگر کیوں؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ ہر جگہ سوالات ہی سوالات تھے، لیکن کہیں کوئی جواب نہیں تھا۔

اس سے پہلے وہ کچھ اور سوچتی، اسے ارد گرد سے مشینوں کی کھڑ کھڑاہٹ اور ٹوٹنے کی آوازیں محسوس ہونے لگیں۔ اچانک، زمین حرکت میں آنے لگی، اور چھت زوردار ارتعاش سے ہلنے لگی۔ یکایک، دھاتی کیل کمرے کے مختلف حصوں سے نمودار ہو کر غائب ہوتے اور پھر زمین کو چیرتے ہوئے دوبارہ ظاہر ہو جاتے۔ تب اس نے جانا کہ وہ ایک ٹارچر چیمبر میں کھڑی ہے۔

چند لمحے گزرے، اور اسپیکر سے جامد شور کے ساتھ حیدر کی آواز گونجی۔ "کیا تم تیار ہو؟"

کس چیز کے لیے تیار ہوں؟" کمرے کے خالی پن میں اپنی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے" عالیانہ نے چیختے ہوئے کہا۔ وہ خوفزدہ تھی، لوہے کے دروازے کو پیٹ رہی تھی۔

ہماری ایک ڈیل ہوئی تھی، یاد ہے؟" کمرہ جیسے اس کی بات کا جواب دے رہا تھا۔"

"کیا...؟"

میں نے تمہارے کمرے کے کیمرے بند کر دیے تھے۔اب تمہاری باری ہے کہ تم اپنا"
وعدہ پورا کرو۔"

مجھے ڈر لگ رہا ہے حیدر!" دیواروں کے درمیان نکلنے کی کوئی راہ ڈھونڈتے ہوئے وہ"
چیخی۔خوفزدہ۔ہراساں۔پریشان۔

میں اپنا متبادل بھیج رہا ہوں۔" حیدر کی آواز گونجی، ساتھ ہی دروازہ چرچراتے ہوئے"
کھلا اور ایک سات سالہ بچہ اندر داخل ہوا۔ خوبخو مال والے بچے کی عمر کا۔اوہ خدایا۔اسی عمر کا بچہ، جیسا اُس دن مال میں تھا۔اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی، اور وہ رو رہا تھا۔بچہ تھرتھراتے ہوئے کیلوں کی جانب بڑھنے لگا، اور پھر دوبارہ حیدر کی آواز گونجی "اگر تم نے اسے نہیں بچایا... تو ہم بھی نہیں بچائیں گے۔

وہ بچہ۔اسے لگا وہ مال میں کھڑی ہے۔اسے لگا وہ سات سالہ بچے کو ایکسلیٹر سٹیئرز سے گرنے سے بچانے کے لیے دوڑ رہی ہے۔اس نے دیکھا وہ بچہ خون سے لت پت سنگ مرمر کے سفید فرش پر بے جان پڑا ہے۔اسے لگتا تھا اگر وہ اس کے پیچھے نہ بھاگتی تو شاید وہ بچ جاتا وہ تیز نہ بھاگتا۔شاید وہ زندہ بچ جاتا۔سات سالہ بچہ ان دھاتی کیلوں کی جانب بڑھ رہا تھا جو چند سیکنڈ بعد ظاہر ہوئے۔وہ کپکپانے لگی، رونے لگی۔اب نہیں۔دوبارہ نہیں۔وہ دوبارہ یہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس میں ہمت نہیں تھی۔

حیدر جانتا تھا وہ اس ڈراما میں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ وہ اسے ایک اور ایسی صورت حال میں دھکیلنا چاہتا تھا جہاں وہ اس کی صلاحیتوں کا اثر دیکھ سکے، اور اس مقصد کے لیے اسے ایک معصوم بچے کو اذیت دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ بچہ غلط سمت قدم بڑھاتا، اسے کچھ کرنا تھا۔ وہ جتنا جلدی ممکن ہو سکے جالوں کو یاد کرتی ہوئی، ان سے بچتے ہوئے، کودتے ہوئے، کانٹوں سے بچتے ہوئے بچے کے قریب پہنچی۔ اس نے ایک گہری، لرزتی ہوئی سانس لی اور اسے اٹھا لیا۔ وہ اور زور سے رونے لگا۔ اس کی چیخوں نے اسے چیر کر رکھ دیا۔ وہ بچے کو گلے لگائے خود بھی رونے لگی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ واقعی اس نے ایسا کیا ہے۔ وہ خیال میں بھی اب کسی کو بچانے کی ہمت نہیں کر پاتی تھی۔ اس نے جس واقعے کو سب سے زیادہ بھلانے کی کوشش کی، حیدر نے اسی جگہ پر اسے چوٹ پہنچائی۔

زبردست!" حیدر نے اسپیکرز کے ذریعے کہا۔ مطلب وہ صحیح تھی۔ حیدر دو طرفہ آئینے کے ذریعے اسے دیکھ رہا تھا۔

بہت زبردست عالیانہ۔ میں بہت متاثر ہوا ہوں۔" وہ اس وقت اس کی پر توجہ دینے" کے قابل نہیں تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ کھیل کب تک جاری رہے گا۔ اسے بس اس بچے کو بچانا تھا۔ اس نے بچے کو دوبارہ اپنے بازوؤں میں لپٹا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ روتا ہوا بچہ خاموش ہو گیا۔ اس کا خوشی سے رونے کو دل چاہنے لگا۔ لیکن پھر بچہ اس سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اس پر گرفت کھو رہی تھی۔ "امپریسو!" ایک بار پھر

حیدر کی آواز سنائی دی۔ اسے لگا وہ اس کا مزاح اڑا رہا ہے۔ اسے اتنا غصہ آیا، اس نے بچے کو زمین پر چھوڑا اور سیدھا آئینے کی جانب بڑھی اور پوری قوت سے مکوں کی مدد سے اس دو طرفہ آئینے کو توڑ دیا۔ شیشے کے ٹکڑے جگہ جگہ بکھر گئے۔ ان دستانوں کا شاید یہی مقصد تھا۔ اس نے بچے کی آنکھوں پر سے پٹی تک نہیں اتاری تھی۔ لیکن پھر چیخیں دوبارہ شروع ہو گئیں، خوف کی نہیں درد کی چیخیں۔

ایک دو تین منٹ گزرے اور ایک پرانی مکینیکل آواز نے اس کے مردہ دل کو زندہ کر دیا۔ اسپانکس ایک ایک کر کے زمین میں واپس چلے گئے، یہاں تک کہ غائب ہو گئے۔ کمرہ اتنی جلدی بے ضرر ہوا کہ اسے شک ہوا کہ شاید اس نے خطرے کا صرف تصور کیا تھا۔ اس نے بچے کو دوبارہ فرش پر چھوڑ دیا اور شیشہ لگنے کی وجہ سے کلائی میں اٹھنے والے درد کو برداشت کرنے کے لیے لب کاٹتے ہوئے آہ بھری۔

بچہ نے دوڑنا شروع کر دیا، لیکن تھوڑا سا آگے جا کر وہ چیخا، کانپا اور فرش پر گر گیا اور خود میں لپیٹ کر رونے لگا۔ آنسو تیزی سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ وہ چاہتی تھی کہ بچے کو سہارا دے، اسے گلے لگائے، اس کے خوبصورت گالوں کو چومے اور اسے کہے کہ وہ ہمیشہ اس کا خیال رکھے گی، کہ وہ مل کر بھاگ جائیں گے، کہ وہ اس کے ساتھ کھیلے گی اور رات کو اسے کہانیاں سنائے گی، اور وہ جانتی تھی کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی نہیں کر سکے گی۔ لیکن اس نے کیا، وہ اس کی طرف لپکی۔ تب ہی دروازے سے وہ نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر وہ غصے، اور نفرت سے مغلوب ہو گئی ۔ غصہ و نفرت

ایسا تھا کہ وہ وہاں موجود ہر انسان کو مار سکتی تھی۔ وہ نفرت اور کراہت سے ابل رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس کے پاؤں نے اگلے لمحے کیسے حرکت کی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ اسے حیدر کو جان سے مارنا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے مارنا ہے۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا گریبان تھام لیا۔ وہ اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ دو قدم پیچھے لڑکھڑایا۔

میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" وہ اس کا گریبان پکڑے ہوئے چلائی۔ ٹھک ٹھک" ٹھک۔ ایک ساتھ کئیں بندوقیں لوڈ ہوئیں، اور ایک ہی پل میں پندرہ بندوقیں اس کو نشانہ بنائے کھڑی تھیں۔ حیدر نے بے اختیار داہنا ہاتھ اٹھا کر سپاہیوں کو روکا۔

تم انسان نہیں ہو، تم حیوان ہو۔" وہ اس کے سینے پر سختی سے اپنی بند مٹھیاں مارنے" لگی۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

سپاہیوں نے دوبارہ ایک ساتھ بندوقیں اس کے سر پر تانیں۔

بندوقیں نیچے کرو۔" وہ سپاہیوں پر چلایا۔"

کوئی گولی نہ چلائے۔ ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے تم سب کو ماروں گا۔" اس نے سختی سے" کہا۔

ایک دم سے اس کی گرفت کمزور پڑی، اور وہ اس کا گریبان پکڑے سر جھکا کر رونے لگی۔ "تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ وہ مرنے والا تھا۔" وہ مسلسل رو رہی تھی۔

تم نے ایک بچے کی جان بچائی ہے۔" حیدر نے آہستہ سے کہا۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گئی۔ تم نے ایک بچے کی جان لی ہے، اس نے ہمیشہ یہ سنا تھا "تم نے ایک بچے کی جان بچائی۔" یہ اس نے پہلی بار سنا تھا۔ کوئی الفاظ جان لیتے ہیں تو کوئی الفاظ جان دیتے ہیں۔

اگر تم نے مجھے دوبارہ اس طرح کی حالت میں ڈالا، تو میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ "اس" نے، ہچکچیوں کے درمیان کہا، حیدر نرمی سے اس کا کندھا تھپتپا رہا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔" ارسل اسے تسلی دے رہا تھا۔"

وہ بچہ مجھے دیکھ کر رو رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔" وہ اداس تھی۔"

"میں نے کہا نہ یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔"

"شاید حیدر میرے بارے میں صحیح ہے۔"

نہیں۔ حیدر تمہارے بارے میں غلط ہے۔" وہ دونون اس کے کمرے میں بیٹھے تھے۔"

وہ چاہتا ہے تم وہ بنو جو تم نہیں ہو۔ تمہیں اسے اپنے دماغ میں داخل نہیں ہونے دینا" چاہیے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم یہ سوچو کہ تم ایک عفریت ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ تم یہ سوچو کہ تمہارے پاس، اس کی ٹیم میں شامل ہونے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے "کہ تم یہ سوچو کہ تم کبھی بھی ایک عام زندگی نہیں جی سکو گی۔

لیکن میں ایک عام زندگی نہیں جی سکوں گی ارسل۔" عالیانہ مایوسی سے بولی۔"

"تم جی سکو گی۔ ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

تم کیسے کسی... میرے جیسے شخص کی پرواکر سکتے ہو؟" وہ بمشکل سانس لے رہی" تھی، وہ نروس اور خوفزدہ تھی۔

کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" ارسل نے اعتراف کیا۔"

اس کا دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یہ پہلی بار تھا کہ کسی نے اس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا ردعمل ظاہر کرے۔ وہ محبت کے جذبات سے ناواقف تھی۔ کیا وہ بھی ارسل سے محبت کرتی تھی؟ وہ اس سوال کا جواب نہیں جانتی تھی۔ لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ ارسل اس کا واحد دوست تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا، وہ خاموش رہی۔

••••••☆☆☆••••••

تم بلکل ویسی ہی ہو جیسی چند سال پہلے تھی۔"اس کے چہرے پر ایک ساتھ گلابی،"
سرخ،اور مہرون رنگ اُترے۔وہ نظریں جھکا کر آئینے سے ہٹی۔

میں نے سالوں سے آئینہ نہیں دیکھا۔میں اپنا چہرہ بھول گئی تھی۔"اس نے آہستہ سے" کہا۔کھڑکی سے چھن کر آتی سورج کی روشنی ارسل کے چہرے پر پڑ رہی تھی، وہ دھیرے سے مسکرایا۔

اسسے پہلے وہ دونوں کوئی بات کرتے،کمرے کے چاروں اطراف سے الارم کی آوازیں گونجنے لگی۔کمرہ بینگ سے شور مچانے لگا۔

تمام فوجی فوری طور پر کوآرڈینٹ میں رپورٹ کریں۔یہ کوڈ سیون ہے۔تمام " فوجی فوری طور پر کوآرڈینٹ میں رپورٹ کریں۔یہ کوڈ سیون ہے۔ تمام فوجی فوری طور پر کوآرڈینٹ میں رپورٹ کریں۔"آواز ابھی بھی عمارت میں نصب اسپیکر سسٹم کے ذریعے احکامات دے رہی تھی۔

شاید کوئی بیس میں داخل ہو گیا ہے۔"اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے" عالیانہ کو بتایا۔ اس کی آنکھیں عالیانہ اور دروازے کے درمیان حرکت کر رہی تھیں۔

"مجھے باہر جانا ہے پر میں تمہیں یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ "

تم جاؤ۔میں ٹھیک ہوں۔"دیواروں کے پار سے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دے" رہی تھی۔فوجی ایک دوسرے پر اتنی زور سے چیخ رہے تھے کہ انہیں دیواروں کے پار

سے سنا جا سکتا تھا۔ ارسل ابھی ڈیوٹی پر تھا۔ اسے بھی کوآرڈینیٹ کو رپورٹ کرنی تھی ا۔
اسے اپنے آپ کو برقرار رکھنا تھا جب تک وہ یہاں سے نکل نہ جائیں۔

یہ کوئی مذاق نہیں ہے، مجھے نہیں پتہ کوڈ سیون کیا ہے لیکن یہ کچھ بھی ہو سکتا"
"ہے۔ کچھ خطرناک بھی۔

ایک دھاتی کلک۔ ایک میکانیکل سوئچ۔ دروازہ کھلا اور حیدر کمرے میں داخل ہوا اور وہ
دونوں اپنی جگہ پر تھم گئے، جم گئے۔

میرے خیال میں یہ الارم کم از کم ایک منٹ سے بج رہا ہے، ارسل۔" سرد لہجہ۔ سنجیدہ"
لہجہ۔

جانتا ہوں سر۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔" وہ اچانک ایک"
مختلف شخصیت بن گیا۔ اسے اپنے جذبات چھپانے آتے تھے۔

میں یہاں اسی لیے ہوں تاکہ اس کا خیال رکھ سکوں۔ تم اپنے کمانڈنگ آفیسر کو رپورٹ"
کرو۔" عالیانہ پر ایک آخری ڈالتا وہ باہر نکل گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

ہمم۔" اس نے مصنوعی گلا صاف کیا۔"

ارسل یہاں کیا کر رہا تھا؟ اسے ڈیوٹی پر ہونا چاہیے تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے"
"کسی کو تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ مجھے لگا تمہیں اکیلے وقت گزارنا پسند ہے۔

وہ... مجھے الماری صحیح کروانی تھی۔"اس نے روانی سے جھوٹ بولا، یہ جانتے ہوئے کہ " حیدر اس پر یقین نہیں کرے گا کیونکہ وہ بے وقوف نہیں تھا۔ حیدر نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر خاموش ہو گیا۔ چند سیکنڈز کا توقف۔

میرے پاس ایک سوال ہے۔"اس کی بات نظر انداز کر کے وہ پلٹی ہی تھی کہ حیدر نے " سختی سے اس کی کلائی پکڑی۔

میں نے کہا کہ میرے پاس ایک سوال ہے عالیانہ! "حیدر نے سختی سے کہا۔"

اور اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ عالیانہ کی جیب میں تھا، اس سے پہلے وہ مزاحمت کرتی نوٹ بک حیدر کے ہاتھ میں تھی۔

"مجھے تجسس ہے کہ یہ کیا ہے؟"

وہ نوٹ بک کو دو انگلیوں کے درمیان تھامے ہوئے تھا، اس کا دل بند ہونے لگا۔

مجھے نہیں یاد کہ میں نے تمہیں کوئی نوٹ بک دی ہو۔"ماتھے پر بل ڈالے وہ اس کی " آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہا تھا۔۔

"اور مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے تمہیں اس کی اجازت دی ہو۔"

میں اسے اپنے ساتھ لائی تھی۔"اس نے کمزور آواز میں کہا۔"

اب تم جھوٹ بول رہی ہو۔"اس کی آنکھیں۔ وہ غصے میں تھا۔ بلاشبہ وہ غصے میں تھا۔"

تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ اپنے اندر کے خوف کو چھپانے کے لیے سخت لہجے میں" بولی۔

یہ ایک فضول سوال ہے، عالیانہ۔" اسی لمحے، ایک ہموار دھات کی آواز سنائی دی اور" دھڑام سے دروازہ کھلا۔

اسے چھوڑ دو، ورنہ میں تمہارے سر میں گولی مار دوں گا۔" کمرے میں ایک اور آواز" گونجی۔

ارسل نے حیدر پر بندوق تانی ہوئی تھی۔

ارسل ابراہیم۔" حیدر نے آنکھیں بند کیں، اور اس کی جانب پلٹتے ہوئے ہنسا۔"

ہم خوش قسمت ہیں کہ پوری عمارت کو خالی کروالیا گیا ہے۔ یہاں کوئی بھی نہیں ہے" جس پر تم بھروسہ کر سکو۔" ارسل بے خوف انداز میں بولا۔

میں تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں سپاہی، تمہاری فتح مختصر ہو گی۔ تم مجھے ابھی مار سکتے ہو،" کیونکہ اگر میں بچ گیا تو، میں تمہاری جسم کی ہر ہڈی کو اپنے ہاتھوں سے توڑوں گا۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ سب کر کے بچ جاؤ گے تو تم احمق ہو۔" وہی ٹھہراؤ دار لہجہ۔ بے خوف۔ پر سکون۔ سرد آواز۔

میں تمہارا سپاہی نہیں ہوں۔" ارسل کا چہرہ پتھر کی مانند تھا۔"

میں کبھی تمہارا سپاہی نہیں تھا۔ تم اپنے خود ساختہ خیالات میں اتنے مگن ہو گئے تھے کہ "
"تم نے اپنے چہرے کے سامنے موجود خطرات کو بھی نظر انداز کر دیا۔

ریئلی؟ تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں اپنے چہرے کے سامنے موجود خطرات کو نظر "
انداز کر سکتا ہوں؟" اس نے ابرو اچکا کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔ پہلی بار ارسل کے
چہرے پر بے چینی نظر آئی۔

ہم ابھی تمہیں نہیں مار سکتے، تمہیں ہمیں یہاں سے نکالنا ہو گا۔" اب کی بار عالیانہ "
بولی۔ اس نے اختیار سر موڑ کر عالیانہ کو ایسے دیکھا جیسے وہ اس نے کچھ غلط سن لیا ہو۔

تم ہمیں یہاں سے نکالنے میں ہماری مدد کرو گے۔" ارسل نے اپنی بندوق کو مزید "
مضبوطی تھامتے ہوئے کہا۔

میں اسے مار ڈالوں گا۔" حیدر نے اپنی بندوق نکالی اور بندوق کی ٹھنڈی نال عالیانہ "
کی پیشانی پر رکھی۔

تم اتنے بے وقوف نہیں ہو۔" ارسل نے اسی انداز میں کہا۔ "

اگر تم اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہلے تو ارسل ابراہیم، میں پہلے اسے ماروں گا اور "
پھر اپنے ہاتھوں سے تمہارے ٹکڑے کروں گا۔" اس نے عالیانہ کی جانب چہرا موڑا اور
اسی لمحے، ارسل نے اپنی بندوق کے دستے سے حیدر کے سر پر ضرب لگائی۔ اس دوران
حیدر کی بندوق سے فائر ہوا، مگر ارسل نے فوراً اس کا بازو پکڑ کر اس کی کلائی مروڑ دی،
جس سے حیدر کی گرفت کمزور ہوئی۔ عالیانہ نے حیدر کے ہاتھ سے بندوق چھینی اور

بندوق کی پچھلی سائیڈ سے اس کے چہرے پر زور سے ٹھوکر ماری۔ "مجھے کمتر نہ سمجھو۔" عالیانہ نے حیدر کے ماتھے پر بندوق تانتے ہوئے کہا۔

ارسل کے چہرے پر آئی حیرانگی واضح تھی۔

حیدر نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔اس کی بھوری آنکھوں میں بھروسہ،اعتبار،دل، گویا ہر چیز ٹوٹنے کا کرب تھا۔

میں نے تمہیں کبھی کمتر نہیں سمجھا،عالیانہ۔" وہ زخمی سا ہنسا اور ہاتھ کی پشت سے ناک" سے بہتا خون صاف کیا۔اس کی مسکراہٹ کرچی ہوئے آئینے جیسی تھی۔وہ اسے دیکھتی رہی۔پھر ارسل نے کچھ کہنے کا لب کھولے۔

ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔" ارسل نے حیدر کی کھوپڑی پر بندوق کو سختی سے دباتے" ہوئے عالیانہ سے کہا۔

عالیانہ نے الماری میں چھپائے ہوئے دو بیگ نکالے،ایک ارسل کو تھمادیا۔وہ پہلے سے ہی فرار کے لیے تیار تھے۔

"تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو،عالیانہ۔تم اپنا پورا مستقبل برباد کر رہی ہو۔"

تم..اگر تم یہاں سے نکل گئی تو میں چاہ کر بھی تمہیں بچا نہیں پاؤں گا۔کم از کم ایک" بار مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"اس کا لہجہ التجائیہ تھا۔

میں تمہیں آج تک نہیں سمجھ پائی، اور نہ میں سمجھنا چاہتی ہوں۔" وہ وہاں سے نکلنے کے لئے بے تاب تھی۔ غصے میں تھی کیونکہ حیدر بات کرنا بند نہیں کر رہا تھا، لیکن جتنا وہ اس کا چہرہ توڑنے کی خواہش رکھتی تھی، اس کا بے ہوش ہونا ان کے لئے خطرناک تھا۔

"تم مجھے سمجھ سکتی تھی۔ میں نے تمہیں ہزار موقعے دیے۔ میں تمہیں وہ تمام خوشیاں دے سکتا ہوں جو تم ڈیزرو کرتی ہو۔"

ارسل کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی گردن توڑ دے۔ اس کا چہرہ سخت، شدید غصے سے بھرا تھا۔ عالیانہ نے اسے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔

"تمہارے پاس اسے دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

حیدر نے ایک لمحے کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں۔ "عالیانہ! جلد بازی مت کرو۔ جلد بازی میں فیصلہ مت کرو۔ میرے ساتھ رہو۔ میں تمہارے ساتھ صبر کروں گا۔ میں تمہیں ایڈجسٹ ہونے کا وقت دوں گا۔ میں تمہارا خیال رکھوں گا۔" اس کا انداز زخمی تھا۔

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، لیکن اس نے دوبارہ بندوق حیدر کے چہرے کی طرف اٹھا دی۔

"تم دماغی مریض ہو۔ تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہتھیار بنوں۔"

میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی قابلیت کے مطابق زندگی گزارو!"اس کی آواز میں شدت" تھی۔

مجھے جانے دو۔" عالیانہ نے آہستہ سے کہا۔"میں تمہاری مخلوق نہیں بننا چاہتی۔میں" "لوگوں کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔

دنیا نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔دنیا نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا ہے، تم آج" جس جگہ ہو، جس حالت میں ہو،ان کی وجہ سے ہو! تمہیں کیا لگتا ہے کہ اگر تم یہاں سے چلی گئی تو وہ تمہیں قبول کر لیں گے؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بھاگ کر ایک عام زندگی گزار سکو گی؟ کوئی تمہاری پرواہ نہیں کرے گا۔تم ہمیشہ کی طرح ایک تنہا انسان "! رہو گی! کچھ بھی نہیں بدلا، میرے ساتھ رہو، تمہیں میری ضرورت ہے

اسے تم جیسے انسان کی کوئی ضرورت نہیں۔"ارسل کی آواز فولاد کی طرح سخت تھی۔"

پہلی بار،اس کے چہرے پر بے چینی نظر آئی.... جیسے وہ حقیقت کا سامنا کر رہا ہو۔اس کی آنکھوں میں حیرانی اور غصہ چھلک رہا تھا۔"نہیں۔"وہ زخمی انداز میں ہنسا۔"عالیانہ، پلیز۔یہ مت کہنا کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔"ارسل نے اپنے گھٹنے سے حیدر کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگائی،اور وہ تیز سانس لیتا ہوا فرش پر گرا۔اس کا چہرہ غصے اور تکلیف سے بھرا ہوا تھا۔

ارسل!"عالیانہ نے اسے روکا۔اس کی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔"

تم اسے پسند کرتی ہو؟"حیدر نے غصے سے تقریباً چیختے ہوئے پوچھا۔"

ارسل!" عالیانہ نے اسے پکارا، کمرہ اس کے سامنے دھندلا ہو رہا تھا۔ وہ کھڑکی کی" طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ ارسل کی طرف دیکھا۔

تم کودنا چاہتی ہو؟" ارسل نے حیرانی سے پوچھا۔ عالیانہ نے سر ہلا دیا۔"

"لیکن ہم پانچ منزل اوپر ہیں۔"

وہ تعاون نہیں کرے گا۔ ہم اور کیا کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن " نہیں۔" اس نے حیدر کی طرف دیکھا، وہ مسکرایا۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جو ارسل کو چبھا تھا۔ ایک دو تین سیکنڈ گزرے۔ اوہ خدایا! ارسل کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑا۔ "کوڈ سیون تو کوئی کوڈ ہی نہیں ہے" اس کا پورا جسم لرزنے لگا۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کے لب تھرتھرا رہے تھے۔

تم نے ایسا کیوں کیا؟ تم نے خطرے کی جھوٹی گھنٹی کیوں بجائی؟" عالیانہ نے پوچھا۔"

اس سے کیوں نہیں پوچھتی جسے تم نے اچانک پسند کر لیا؟ تم خود سے کیوں نہیں " پوچھتی کہ تم اپنی زندگی کا انحصار ایک ایسے شخص پر کر رہی ہو جو حقیقی اور خیالی خطرے "میں فرق ہی نہیں کر سکتا؟

ارسل نے اپنی بندوق عالیانہ کو تھمائی۔ "یہ صرف ایک مشق تھی، ایک ٹیسٹ۔" حیدر ہنسا۔

ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"ارسل نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے" کہا۔اب عالیانہ نے دونوں بندوقیں حیدر کے چہرے کی جانب تانی تھیں۔

ارسل نے بیگ سے رسی نکالی اور حیدر کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ دیے۔

ہم رسی سے نیچے جائیں گے۔پہلے میں جاؤں گا، پھر میں تمہیں پکڑوں گا۔یاد رہے" میرے چھلانگ لگانے کے بعد سینکڑوں الارمز، سیکیورٹی الرٹ ایک ساتھ بجیں گے "۔تم ان آوازوں سے گھبرانا مت۔

"حیدر قہقہ لگا کر ہنسا۔"وہ تمہیں بھاگنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

اوکے۔میں تمہارے پیچھے آؤں گی۔"اس نے فوراً فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔"

"تم کیا کر رہی ہو؟"حیدر کا لہجہ تیز تھا۔"رکو۔"

عالیانہ نے اسے نظر انداز کیا۔

عالیانہ!"اس کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی۔"

ارسل نے ایک زوردار دھچکے سے شیشے کو توڑا،اور ساتھ ہی پورے کمرے میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ہر جانب سے الارم بج اٹھے۔کمرہ عالیانہ کے قدموں کے نیچے گرج اٹھا،اور ہالز میں قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔وہ جانتی تھی کہ انہیں پکڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ارسل نے کھڑکی سے رسی باہر پھینکی اور اپنا بیگ پیٹھ پر ٹکا لیا۔"اپنا بیگ مجھے دو!"وہ اونچی آواز میں بولا،عالیانہ کو اس کی آواز سننے نہیں آئی مگر ہونٹوں کی جنبش

سے اسے یہی سمجھ آیا۔ اس نے اپنا بیگ ارسل کی جانب پھینکا جو کہ ارسل نے اسے پکڑ لیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے گئی۔ حیدر نے اس کی ٹانگ پکڑنے کی کوشش کی۔ اس کی ناکام کوشش نے اسے کو گرنے کے قریب کر دیا، مگر وہ مشکل سے کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ سپاہیوں کی دوڑتی ہوئی آوازیں اور چیخ و پکار قریب آ رہی تھیں۔ "جلدی کرو!" ارسل نے اسے کہا۔ "عالیانہ! تمہاری اس غلطی پر میں تمہیں بچا نہیں پاؤں گا۔" اس نے دوبارہ اس کی ٹانگ کو پکڑنے کی کوشش کی، سائرن اس کے کان پھاڑ رہے تھے۔ اس نے حیدر کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ بار بار خود کو کہتی رہی کہ وہ اسے نہیں دیکھے گی۔ اُس نے ایک ٹانگ کھڑکی سے باہر نکالی اور رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اب دونوں ٹانگیں باہر تھیں اور اس کے ہاتھ اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔ نیچے سے ارسل اُسے پکار رہا تھا، مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنا نیچے ہے۔ حیدر نے آخری بار اس کا نام پکارا، اور تمام کوششوں کے باوجود، اس نے اوپر دیکھا۔ حیدر کی آنکھیں اسے تیز اور کاٹتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور دعا کی کہ کاش وہ بچ جائے۔ پھر اُس نے رسی سے نیچے اترنا شروع کیا۔

••••••☆☆☆••••••

عمارت کے شور و ہنگامے نے اُس کے حواس پر شدید دباؤ ڈال رکھا تھا۔ ارد گرد ہر طرف خطرہ منڈلا رہا تھا۔ ارسل اسے نیچے کودنے کا کہہ رہا تھا اور یقین دلا رہا تھا کہ وہ اُسے

سنبھال لے گا، لیکن عالیانہ کے دل میں گرنے کا شدید خوف تھا۔ اس خوف کو تسلیم کرنا بھی اس کے لیے شرمندگی کا باعث تھا۔

کمرے میں سپاہی پہلے ہی گھس چکے تھے۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے، حیرت زدہ تھے کہ حیدر اتنی کمزوری کی حالت میں یہاں تک کیسے پہنچا۔ اسے قابو کرنا ان کے لیے آسان ثابت ہو رہا تھا، اور یہ بات عالیانہ کو بے چین کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ کہیں کوئی بڑی غلطی ہو رہی ہے۔ کچھ سپاہی ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے سر باہر نکالے ہوئے تھے، جبکہ عالیانہ جلدی سے رسی کی مدد سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اسے واپس اندر کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ حیدر انہیں ہدایات دے رہا تھا کہ کیا کرنا ہے۔

عالیانہ نے نیچے ارسل کی طرف دیکھا، جو مسلسل اسے کودنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ آخرکار اُس نے فیصلہ کر لیا۔ اس نے آنکھیں بند کیں، گہری سانس لی، اور رسی چھوڑ دی۔ وہ نیچے گری، لیکن فوراً سنبھل گئی۔ ارسل نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھاما، اور وہ دونوں بھاگنے لگے۔

ان کے سامنے بنجر اور ویران زمین پھیلی ہوئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے اسفالٹ، ناہموار سڑکیں، سوکھے درخت اور مرجھائے ہوئے پودے۔ دور پیلاہٹ زدہ شہر قدرت کے رحم وکرم پر بے حس کھڑا تھا۔ عالیانہ کے قدموں کے نیچے مردہ پتوں کی چرچراہٹ گونج

رہی تھی۔ شہری علاقے چھوٹے چھوٹے بے ترتیب گروہوں میں بکھرے ہوئے تھے، اور ارسل نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں۔

لاؤڈ اسپیکر سے ان کے خلاف پیغام نشر ہو رہے تھے۔ مشینی آوازیں سائرن کے شور کو دبا رہی تھیں، اور وہ دونوں اس ویرانی میں قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔

کرفیو نافذ ہے۔ ہر کوئی فوراً اپنے گھروں کو واپس چلا جائے۔ باغی آزاد ہیں، وہ مسلح ہیں" "اور فائر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کرفیو نافذ ہے۔

اس کے پہلو میں شدید درد ہو رہا تھا، جلد تناؤ کا شکار تھی، اور گلا خشک ہو رہا تھا۔ پانی کی طلب بڑھتی جا رہی تھی، لیکن اس وقت پانی ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کتنی دور تک دوڑ چکے ہیں۔ اردگرد صرف بوٹوں کی دھمک، ٹائروں کی چیخیں اور الارم کی خوفناک آوازیں گونج رہی تھیں۔

دوڑتے ہوئے، اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لوگ خوف زدہ ہو کر چیخ رہے تھے، پناہ کے لیے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ سپاہیوں سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ماحول میں بھگدڑ اور دہشت کا راج تھا۔ ارسل اُسے شہری علاقے سے دور، پرانی اور ترک شدہ سڑکوں کی طرف لے جا رہا تھا، جہاں سب کچھ ویران اور زنگ آلود تھا۔

وہ ان سنسان راستوں پر مسلسل بھاگتے رہے، جگہ جگہ چھپنے کی کوشش کرتے رہے۔ سورج آسمان پر ڈھل رہا تھا، اور رات قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔ عالیانہ کو بالکل

معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ سب کچھ دھندلا اور بے سمت لگ رہا تھا۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ اتنے تھوڑے وقت میں اتنا کچھ ہو جائے گا، وہ بھی ایک ہی دن میں۔

اس نے بس ایک ہی دعا کی کہ وہ دونوں زندہ بچ جائیں۔ لیکن یہ جاننا محال تھا کہ ان کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ عالیانہ کو صرف ایک بات کا یقین تھا، کہ جہاں بھی ارسل اُسے لے کر جائے گا، وہ اُس کے پیچھے چلے گی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ دونوں تنگ گلیوں میں دوڑ رہے تھے، کبھی اچانک سمت بدلتے، کبھی سیدھا بھاگتے، اور پھر یکدم مخالف سمت میں مڑ جاتے۔ ارسل کا مقصد واضح تھا—وہ تعاقب کرنے والوں کو الجھانا چاہتا تھا تاکہ ان کی توجہ بٹ جائے۔ عالیانہ اپنی پوری کوشش کے باوجود ارسل کے ساتھ قدم سے قدم نہیں ملا پا رہی تھی۔

ارسل ایک تربیت یافتہ فوجی تھا، ایسے حالات کے لیے مکمل طور پر تیار۔ اسے معلوم تھا کہ کیسے بھاگنا ہے، کہاں چھپنا ہے، اور بغیر آواز پیدا کیے کیسے حرکت کرنی ہے۔ اس کے برعکس، عالیانہ ایک نازک لڑکی تھی، جس نے طویل عرصے سے کوئی جسمانی مشقت نہیں کی تھی۔ اس کے پھیپھڑے آکسیجن حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے، اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج بھی دشوار ہو رہا تھا۔

ارسل بھی گہرے سانس لے رہا تھا، لیکن اس کے سانسوں میں عالیانہ کی طرح بے ترتیبی نہیں تھی۔ وہ اپنی رفتار کو قابو میں رکھے ہوئے تھا۔ آخر کار، ارسل کو اسے ایک سنسان

گلی میں کھینچنا پڑا۔" بلکل ایسے ہی سانس لو جیسے میں لے رہا ہوں، ٹھیک ہے؟" عالیانہ نے اپنی سانسیں قابو میں کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔" توجہ دو، عالیانہ۔" ارسل کی آنکھوں میں پختہ ارادے اور صبر کی جھلک تھی۔ وہ بے خوف نظر آ رہا تھا اور اسے ارسل کے سکون پر رشک آنے لگا۔" اپنے دل کو پر سکون کرو اور بلکل ویسے ہی سانس لو جیسے میں لے رہا ہوں۔"

ارسل نے تین چھوٹے سانس لیے، چند سیکنڈ کے لیے سانس روکا اور پھر ایک لمبے سانس کے ساتھ چھوڑ دیا۔ عالیانہ نے اس کی نقل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔" ٹھیک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسی طرح سانس لیتی رہو۔" ارسل نے رک کر ارد گرد کی خالی گلیوں کا جائزہ لیا پھر وہ دونوں دوسری گلی کی طرف بھاگنے لگے۔

گولیوں کی آوازیں ان کے پیچھے کہیں دور تھیں، دشمن غلط سمت میں جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان کا تعاقب وقتی طور پر رک گیا ہے۔ ان کی گاڑیاں انہیں تلاش نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ ارسل نے بڑی مہارت سے تمام مرکزی سڑکوں سے بچاؤ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیا کر رہا ہے، کیونکہ یہ سب کچھ وہ پہلے سے پلان کر چکا تھا۔

بھاگتے بھاگتے وہ دونوں ایک تار دار باڑ کے سامنے رکے۔" عالیانہ، کیا تم یہ باڑ پھلانگ سکتی ہو؟"

کوشش کر سکتی ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے مشکل سے باڑ عبور کی، اس کی ٹانگیں غیر ہموار نوکیلے کیلوں سے زخمی ہو گئیں، مگر وہ کامیاب ہو گئی۔ ارسل نے اس کی زخمی پیروں کو دیکھ کر آہ بھری۔ "اب ہم محفوظ جگہ پر ہیں۔"

وہ باڑ کے ساتھ ایک راہداری میں چل رہے تھے۔ ارسل نے اسے بتایا کہ وہ اس جگہ پر ٹریک نہیں کیے جا سکتے، کیونکہ یہ جگہ ان کی ٹریکنگ سسٹم میں سیو نہیں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں زہریلے پودوں کے ذریعے نیوکلیر انرجی بنتی ہے، جس کی خطرناک شعائیں کسی بھی انسان کو مارنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن یہ اتنی بھی خطرناک نہیں جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ اس جگہ کے ڈر سے یہاں فوجی نہیں آتے، حیدر نے مجھے یہاں کی زہریلی مٹی کا سیمپل لانے کی پیشکش کی تو میں نے انکار نہیں کیا۔

تھوڑا آگے جا کر ارسل نے ایک نیلا سیرم پیا۔ عالیانہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ہر فوجی کے پاس ایک شخصی ٹریکنگ ڈیوائس ہوتی ہے۔ اس نے وضاحت کی کہ یہ ڈیوائس ٹھوس شکل میں نہیں ہوتی، بلکہ سیرم کی صورت میں ہوتی ہے جو فوجیوں کے خون میں انجیکٹ کی جاتی ہے۔ یہ ڈیوائس ان کے پروسیسنگ سسٹمز سے منسلک ہوتی ہے، اور جب کوئی فوجی گم ہو جاتا ہے، تو وہ اسے فوراً تلاش کر لیتے ہیں۔ ارسل نے بتایا کہ یہاں کی تابکاری نے اس کے ٹریکنگ ڈیوائس کو دھوکا دیا، اور یہ سیرم اسے ڈسکنیکٹ کر دے گا، جس سے ہر کوئی سمجھے گا کہ وہ مر چکا ہے۔

"لیکن یہ سیرم تمہیں کہاں سے ملا؟"

ملا نہیں، چرایا تھا۔ یہ زیادہ تر انڈر کور فوجی استعمال کرتے ہیں، جو دنیا کے سامنے مرے ہوتے ہیں۔" اس کو حیرت ہوئی کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

"تیز چلو، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"لیکن... حیدر کو شک نہیں ہو گا کہ تم یہاں ہو سکتے ہو؟"

شاید۔" ارسل نے ڈھلتے سورج کی جانب دیکھا۔ ان کے سائے لمبے اور بے حرکت ہو گئے تھے۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ ہر قدم، پاگل خانے سے دور، حیدر سے دور، اُس دنیا سے دور جا رہا تھا۔ ہر قدم ایک ایسا قدم تھا جو اُس نے اپنی مرضی سے اُٹھایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار، وہ آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی، کیونکہ اُسے امید تھی اور خوشی تھی اور خوبصورتی کی سرشاری تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ جینا کیسا ہوتا ہے۔

ارسل اُسے ایک ویران جھونپڑی میں لے گیا جو جنگلی میدان کے کنارے پر تھی۔

جھونپڑی میں پودے اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں، وہ جھاڑیاں جنہیں دیکھ کر ہی کراہیت آتی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید یہی وہ "محفوظ" جگہ تھی جس کا ارسل ذکر کر رہا تھا۔

اندھیرے میں قدم رکھتے ہی ایک خاکہ سامنے آیا۔

اندر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ یہ گاڑی نہیں تھی۔ ایک ٹینک تھا۔

ارسل نے عالیانہ کی جانب دیکھا اور اُس کی حیرت پر مطمئن نظر آیا۔ اُس کے الفاظ جلدی جلدی نکل رہے تھے۔

میں نے حیدر کو یقین دلایا تھا کہ یہاں لائے گئے ٹینکوں میں سے ایک خراب ہو گیا" ہے۔ یہ بجلی سے چلنے والے ٹینک ہیں، اور میں نے کہا کہ کیمیائی نشانات کے باعث یہ خراب ہو گیا ہے۔ حیدر نے میرے لیے ایک گاڑی بھیجنے کا انتظام کیا اور کہا کہ ٹینک وہیں چھوڑ دوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

حیدر مجھے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف یہاں بھیجتا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو پتہ" چلے کہ اُس نے پانچ سو-ہزار ڈالر کا ٹینک تباہی کر دیا ہے۔ اسی لیے سرکاری رپورٹ میں "کہا گیا ہے کہ اس ٹینک کو باغیوں نے چوری کیا ہے۔

"کیا کوئی اور یہاں آکر اس ٹینک کو دیکھ نہیں سکتا تھا؟"

ارسل نے ٹینک کا مسافر دروازہ کھولا۔ "شہری اس جگہ سے بہت دور رہتے ہیں، اور کوئی "دوسرا سپاہی یہاں کبھی نہیں آیا۔ کوئی بھی شعاعوں کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔

ایک لمحے کا توقف۔ "یہ بھی ایک وجہ تھی کہ حیدر نے تمہارے معاملے میں مجھ پر اعتماد "کیا۔ اُسے پسند تھا کہ میں اپنے فرض کے لیے مرنے کو تیار تھا۔

اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم ایسے غداری کرو گے۔ "ایک لمحے کا توقف۔"

اگر ٹینک ٹریک ہو گیا تو؟" وہ خوف کے آہنی شکنجے میں تھی۔"

ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے خود ٹینک کے برقی یونٹ کو غیر فعال کیا تھا۔" اُس نے دوبارہ" اُس زبردست گاڑی کی طرف سر ہلاتے ہوئے کہا۔" مجھے لگتا تھا کہ یہ کسی دن کام آئے

گا۔ ہمیشہ تیار رہنا اچھا ہوتا ہے۔" وہ ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ بھاگنے کے لیے۔ فرار ہونے کے لیے۔

یہاں آؤ۔" اُس کی آواز نمایاں طور پر نرم تھی۔ اُس نے مدھم روشنی میں عالیانہ کی" طرف ہاتھ بڑھایا اور ٹینک میں بیٹھنے میں اس کی مدد کی۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کوئی چابی نہیں تھی، صرف ایک بٹن تھا۔ ارسل نے بٹن دبایا، ایک چھوٹی سی ہچکچاہٹ اور مشین چل پڑی۔

ہمارے پاس بہت کم وقت ہے اس سے پہلے کہ انہیں احساس ہو کہ میں زندہ"
"ہوں، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔

لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟" وہ آخر کار بولی۔ ارسل نے ایک اور بٹن دبایا۔"

"میرے گھر۔"

تمہارے پاس گھر ہے؟" وہ اتنی حیران ہوئی کہ تمام آداب بھول گئی۔"

ارسل مسکرایا۔ "ایک طرح کا گھر، ہاں۔" ٹینک حیرت انگیز طور پر تیز تھا۔ انجن نے پر سکون ہمک کی آواز نکالی، اسی لیے انہوں نے اپنے ٹینکوں کو گیس سے الیکٹرک میں تبدیل کیا تھا۔ اس طرح یہ کم نمایاں تھا۔

وہ پوچھنا چاہتی تھی اور نہیں بھی پوچھنا چاہتی تھی، پوچھنا ضروری بھی تھا اور نہیں بھی۔
"....اسے پوچھنا ہی تھا۔ اس نے خود کو مضبوط کیا۔ "تمہارے والد

کافی عرصے سے مر چکے ہیں۔" وہ اب مسکرا نہیں رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی سختی تھی جسے صرف وہی پہچان سکتی تھی۔ درد۔ تلخی۔ غصہ۔

"اوہ۔" گاڑی خاموشی سے چل رہی تھی، دونوں اپنے خیالات میں گم تھے۔ اس کو یہ سوچتے ہوئے حیرت ہوئی کہ ارسل اتنا اچھا انسان کیسے بن گیا، باوجود اس کے کہ اُس کا باپ اتنا ظالم تھا۔ اور وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر وہ فوج سے نفرت کرتا ہے تو اس نے فوج میں شمولیت کیوں اختیار کی۔

وہ کھڑکی سے باہر جھانکتی رہی، دیکھنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ کہاں سے گزر رہے ہیں، لیکن اسے کچھ زیادہ دکھائی نہیں دے رہا تھا سوائے افسردہ زمین کے پھیلے ہوئے میدانوں کے۔ جہاں وہ تھے وہاں کوئی شہری نہیں تھے، وہ بستیوں اور شہری کمپاؤنڈز سے بہت دور تھے۔ ارسل بغیر ہیڈلائٹس کے گاڑی چلا رہا تھا۔ چاند ہی واحد چراغ تھا جو ان کا راستہ روشن کر رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کتنی دیر سے ویران سڑکوں پر پھر رہے ہیں جب ارسل کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ "ہم پہنچ گئے ہیں۔"

••••••☆☆☆••••••

"ارسل... کیا یہ تم ہو؟" ایک لڑکے کی آواز آئی۔ وہ دونوں چھوٹے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

"داس!" ارسل کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اگلے ہی سیکنڈ دروازہ کھلا اور ایک دو تین وہ شخص پوری قوت سے ارسل کے گلے لگ گیا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ واقعی تم ہو! میں نے دستک پر سوچا تھا کہ یہ تم ہو، پھر مجھے لگا شاید میں غلط ہوں، لیکن پھر مجھے لگا کہ چیک کر لینا چاہیے کیا پتا واقعی تم ہو۔" داس ارسل کے گلے لگے کہہ رہا تھا، تیز تیز بولتے اسے اس ایک دم بریک لگی۔ وہ اس سے الگ ہوا، ابرو اٹھائے، سنجیدہ چہرے سے اسے گھورا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں گھر رہنے آیا ہوں۔"

"واقعی؟ کیا تم ہمیشہ کے لیے گھر آ گئے ہو؟"

"ہاں، ہمیشہ کے لیے۔" ارسل نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا، تم واقعی واپس آ گئے ہو۔" پھر اس کی نظر ارسل کے ساتھ کھڑی لڑکی پر پڑی۔ اس نے اسے سر سے پیر تک اسے جانچا، جیسے ابھی تک اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ "تم مجھے میرے گھر سے نکالنے والے ہو؟"

"نہیں، ابھی نہیں نکالوں گا۔ فکر مت کرو۔" ارسل ہنسا۔

"داس! یہ عالیانہ ہے۔" وہ داس کی سوالیہ نگاہوں کو جانچ کر فوراً بولا۔

"عالیانہ! یہ داس ہے۔ میرا۔" ایک لمحے کا توقف۔ اس نے داس کو دیکھا۔ "ایک قسم کا دوست سمجھ لو۔"

"میں مذاق کر رہا تھا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" داس نے سر جھکایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ ہمیشہ ایسے کپڑے پہنتی ہیں؟"

عالیانہ شرمندہ سی ہوئی، بھاگتے ہوئے اور باڑ پھلانگتے ہوئے اس کا لباس میلا اور گندا ہو گیا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ مزید شرمندہ ہوتی، ارسل نے فوراً مداخلت کی اور داس کو ایک عدد گھوری بخشی۔

"تو تم ہمارے ساتھ رہو گی؟" اس کی گھوری کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اس نے دوبارہ عالیانہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، وہ کچھ وقت ہمارے ساتھ رہے گی۔" پھر وہ دونوں داس کے پیچھے چلنے لگے، وہ انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔پارکنگ گیراج سے فائر ایگزٹ کے ذریعے وہ ایک پرانی عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ آخر کار وہ ایک بڑے اسٹیل دروازے کے پاس پہنچے، جہاں داس نے ایک کی پیڈ پر پاس کوڈ ڈالا۔دروازہ کھلا تو عالیانہ حیران رہ گئی۔کمرے کے اندر ایک مکمل رہائشی سیٹ اپ موجود تھا، جس میں آرام دہ صوفے، لیمپ، اور دیواروں پر خوبصورت رنگوں کے ساتھ فرش پر ایک موٹا قالین بچھا تھا۔وہ ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔اس نے سر موڑ کر پورا گھر دیکھا۔

"تمہیں پسند آیا؟" ارسل نے عالیانہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔اس نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"ایک دوسرے کو بعد میں دیکھ لینا۔میں نے کھانا بنایا ہوا ہے، آجاؤ مل کر کھا لیتے ہیں" ۔داس کچن میں جاتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔وہ دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

••••••☆☆☆••••••

"یار، تم ایک پاگل لڑکی کے ساتھ بھاگ آئے؟ تم ایک سائیکو لڑکی کے ساتھ بھاگ آئے؟ تم سوچ کیا رہے ہو؟ تم پاگل ہو گئے ہو؟ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ حیدر تمہیں مارنا چاہتا ہے!"

"وہ پاگل نہیں ہے اور وہ بہری بھی نہیں ہے بد تمیز۔" ارسل اس کی بات کاٹ کر دانت پیستے ہوئے بولا۔ وہ دونوں کچن شیلف کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے، عالیانہ چائے کا پتیلہ چولہے پر رکھ رہی تھی۔

"میں تو مزاق کر رہا تھا۔ ویسے... ارسل" ایک لمحے کا توقف۔ "چھوڑو۔" اور وہ ہنستا ہوا کچن سے باہر نکل گیا۔

"یہ دماغی طور پر ٹھیک نہیں ہے۔" اس کے جاتے ہی ارسل نے عالیانہ سے معذرت کی۔

"میں سن رہا ہوں۔" داس باہر سے چیخا۔ وہ سر جھٹک کر ہنسا، وہ بھی ہنس دی۔'

"داس بھی میری طرح تھا۔ اس کے ماں باپ نہیں ہیں، کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ کالج کے دنوں میں وہ میرا کلاس فیلو رہا۔ ایک رات میں نے اسے فٹ پاتھ پر سوتے دیکھا۔" کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کی آواز سنجیدہ تھی۔ "میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ کرائے کے گھر میں رہتا تھا، کرایا نہ دینے پر مالک مکان نے اسے گھر سے نکال دیا۔" اس نے گہری سانس باہر کو چھوڑی۔ "مجھے اس سال فوجی ٹرینگ کے لیے شہر سے باہر جانا تھا، پھر میں نے اسے یہاں رہنے کا کہا۔ وہ فوراً تو نہیں مانا پر مان گیا کیونکہ مجبور

تھا۔ میری ٹریننگ کے اگلے سال وہ بھی فوج میں آگیا، ہم دونوں نے ایک سال اکھٹے نوکری کی، لیکن پھر داس واپس آگیا، میں نہیں جانتا کیوں، میں نے پوچھا بھی نہیں ۔تب سے وہ یہاں رہتا، میرے گھر کا خیال رکھتا ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے یہ اس کا گھر ہے، کیونکہ میرے سے زیادہ وہ یہاں رہتا۔" وہ چپ چاپ سنتی رہی، سوچتی رہی کہ صرف وہ ہی نہیں ہر کوئی اپنی اپنی زندگی میں جنگیں لڑ رہا ہے۔

••••••☆☆☆••••••

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اندھیرے کے بعد کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی۔

" یہ میری غلطی نہیں ہے کہ حیدر اور پوری فوج تمہارے پیچھے ہے۔ مجھ سے روڈ کیوں ہو رہے ہو۔" داس سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ارسل ماتھے پر تیوری چڑھائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ انتہا سے زیادہ سنجیدہ تھا۔ جینز۔ سیاہ شرٹ۔ تھکی ہوئی سیاہ آنکھیں۔ الجھے ہوئے بال۔

" یہ صرف میرے بارے میں نہیں ہے داس۔ تمہیں سمجھ نہیں آ رہی؟ میں نے اپنے لیے یہ محفوظ جگہ تلاش کرنے کے لیے بہت محنت کی ہے اور تم ایک ہی صبح میں سالوں کی منصوبہ بندی برباد کر سکتے تھے۔ تم باہر کیوں نکلے؟ اگر کوئی تمہارا پیچھا کر کے مجھے ڈھونڈ لیتا تو؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے اس وقت تک بھاگنا ہوگا جب تک کہ میں عالیانہ کو محفوظ رکھنے کا راستہ نہ ڈھونڈ لوں۔ وہ ان سب چیزوں سے نمٹنے کے لئے تیار نہیں ہے۔"

ہم سب ایسی چیزوں سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔" داس نے سنجیدگی سے کہا"
۔" خود کو دھوکہ مت دو یار۔ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ وہ، وہ سب دیکھے، جو ہم نے دیکھا ہے۔ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ وہ صبح اٹھے اور اپنے گھر والوں کو مرا ہوا دیکھے، مگر ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جینے کا راستہ نکالنا پڑتا ہے۔ تم واحد نہیں "ہو جس کی زندگی میں مسئلے ہیں۔ مسئلے عمر اور حالات دیکھ کر نہیں آتے۔

ارسل نے مزید کچھ نہ کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ سو پاؤنڈ کی پریشانیوں نے اس کے کندھوں کو جھکا دیا۔ وہ آگے جھکا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

داس نے ایک نظر ارسل کو دیکھا پھر عالیانہ کی جانب دیکھا۔ عالیانہ نے بھی اسے دیکھا۔

مجھے پتہ نہیں تھا کہ پاگل اتنے پیارے بھی ہوتے ہیں۔" کلک۔"

داس دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے پیچھے ہٹا۔ ارسل دور سے اس کی پیشانی پر بندوق تانے ہوئے تھا۔

"عزت سے بات کرو، ورنہ میں اسے تمہارے دماغ میں بھر دوں گا۔"

"میں مذاق کر رہا تھا۔"

" بالکل مذاق کر رہے تھے۔"

یار، ارسل، ریلیکس ہو جاؤ۔ میرے پاس ایک سپر سیف جگہ ہے جہاں ہم تینوں جا سکتے " ہیں۔" ارسل اس کی بات کو مذاق سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

وہ 'سپر سیف جگہ 'کہاں ہے جہاں تم ہمیں لے جا سکتے ہو؟" اب کی بار عالیانہ بولی اور "
"اٹھ کر ارسل کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔" یا شاید تم ہوا میں باتیں کر رہے ہو؟

"نہیں، یہ سچ ہے۔ وہ آدمی جو اس جگہ کو چلاتا ہے شاید وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہو۔"

تمہیں کیا لگتا میں کوئی عجیب و غریب چیز ہوں جسے تم کسی کو دکھاؤ گے، اور وہ مجھ "
"میں دلچسپی ظاہر کرے گا؟

ہم کتنی دیر میں وہاں پہنچ سکتے ہیں؟" عالیانہ تیزی سے بولی۔"

تقریباً بیس کلو میٹر۔" اس نے مایوسی سے بتایا۔"

پیدل جانا وہ بھی اس کرفیو میں تقریباً ناممکن ہے۔" عالیانہ نے کہا۔"

اور اگر ہم کار لے جائیں؟" ارسل کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔"

داس نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کی حیرت آہستہ آہستہ ایک بڑی مسکراہٹ میں بدل گئی۔

اوہ! ارسل۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" ساتھ ہی خوشی میں منہ سے ایک عدد گالی "
نکالی۔

اس کے سامنے زبان سنبھال کر بات کرو۔" ارسل نے اسے سختی سے دیکھا۔"

عالیانہ نے آنکھیں گھمائیں۔" خیر ہے، میں نے اس سے بھی بدتر چیزیں سنی ہوئی
"ہیں۔

ارسل کچھ دیر کے لیے رکا، مزید پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمہارے لیے یہ سننا ٹھیک ہے۔"

"....لیکن"

ارے۔پیاری پاگل لڑکی" داس نے مداخلت کی۔" یہ میری غلطی ہے۔مجھے محتاط رہنا" چاہیے تھا، خاص طور پر جب یہاں خاتون موجود ہیں۔" داس نے ارسل کی کو آنکھ ماری۔

چلو ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" داس نے کہا۔اس کے لیے اس معمولی گھر کو" چھوڑنا مشکل ہو رہا تھا، تو ارسل اور داس اس وقت کیا محسوس کر رہے ہوں گے۔

ان سب کو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا تھا۔

تو، کیا تم نے کار چرائی ہے؟" داس نے پوچھا۔"

"نہیں، ٹینک۔"

زبردست۔ لیکن دن کے وقت یہ ذرا زیادہ نمایاں نہیں ہو گا۔مطلب ذرا زیادہ..." نظر آنے والا۔" عالیانہ نے ذرا مایوسی سے کہا۔

آہ ارسل آہ۔ بونگے، کم عقل۔ ہم کرفیو میں ٹینک کیسے چلا سکتے ہیں۔ آر" "یو سیریئس؟ سیریئسلی؟

میں نے کہا تھا زبان سنبھال کر...." ارسل نے پھر یاد دہانی کرائی۔یک دم باہر سے" بوٹوں کی چاپ سنائی دی۔وہ تینوں یک دم خاموش ہو گئے۔

کیا تم نے سنا؟" داس کی آنکھیں ہر سمت گھوم رہی تھیں۔"

"کیا....؟"

ارسل کی نظریں بھی چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔

یہاں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے؟" داس نے تیزی سے کہا۔"

"....ارسل فوراً کھڑا ہو گیا۔" عالیانہ

عالیانہ فورا کھڑی ہوئی۔ ارسل نے اپنی بندوق کو چیک کیا۔ وہ اپنے بیگ کو پیٹھ پر ڈالنے لگی، داس بھی ایسا ہی کر رہا تھا، اس کی نظریں سامنے کے دروازے پر مرکوز تھیں۔

جلدی کرو....." ارسل نے بے چینی سے بولتے ہوئے بندوق ہولسٹر میں رکھی۔"

"کتنے قریب....؟"

یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے....." داس نے جلدی سے کہا۔"

"....کیا تم"

"....داس، عالیانہ، بھاگو"

اور وہ بھاگ کر ارسل کے کمرے میں داخل ہوئے۔ ارسل نے ایک دیوار سے پردہ ہٹایا تو ایک چھپا ہوا دروازہ ظاہر ہوا، اور اسی وقت بیٹھک سے آنے والے تین بیپر سنائی دیے۔ ارسل نے خارجی دروازے پر تالا توڑنے کے لیے گولی چلائی۔ کچھ پھٹنے کی آواز آئی، جوان سے صرف چند فٹ دور تھا۔ آواز نے اس کے کانوں میں گونج پیدا کی، اس

کے جسم میں لرزش دوڑ گئی۔ وہ تقریباً اثر سے گرنے ہی والی تھی، جب ارسل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گولیوں کی آواز ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔ قدموں کی چاپ گھر میں گونج رہی تھی، لیکن وہ لوگ پہلے ہی خارجی دروازے سے بھاگ نکل چکے تھے۔ وہ تیز روشنی کی چمک سے سڑکوں کی طرف بھاگے۔ بارش رک چکی تھی۔ سڑکیں گیلی اور کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں۔

اب پوشیدہ رہنے کا فائدہ نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے انہیں پہلے ہی ڈھونڈ لیا تھا۔

بھاگتے بھاگتے داس گیلی سڑک پر ایک بڑے پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ ٹانگیں ، گٹنے، سب زخمی ہو گئے۔ اس نے درد سے آہ بھری۔ آگے بھاگتے ارسل اور عالیانہ اس کی آہ پر بے اختیار پلٹے اور واپس اس کی جانب مڑے اور اس کے ہزار منع کرنے کے باوجود اسے لے کر ایک تنگ گلی میں مڑے، اور اسے دیوار کے سہارے بیٹھا دیا۔ " معاف کرنا۔ " وہ کمزور آواز میں بولا، اس کا چہرا پسینے سے تر تھا، سیاہ بال ماتھے پر چپک " چکے تھے۔ وہ تکلیف میں تھا۔ " تم .... تم مجھے چھوڑ سکتے ہو۔

ہم تمہیں نہیں چھوڑ سکتے... " ارسل ارد گرد ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "

" اس محبت کے لیے شکریہ لیکن ٹھیک ہے۔ تم لوگ بھاگ جاؤ۔ "

تم نے ہمیں دکھانا ہے کہ کہاں جانا ہے! " ارسل کی نگاہیں گلی کی وسط میں تھیں۔ "

تم نے کہا تھا کہ تم ہماری مدد کرو گے۔ " عالیانہ بھی گھبرا کر بولی۔ "

"....میں نے سوچا تم نے کہا کہ تمہارے پاس گاڑی ہے"

تم جانتے ہو، ہم کن حالات میں گھر سے نکلے ہیں، اور کہاں سے نکلے ہیں۔"ارسل کی" نگاہیں اب بھی چکی کے کونے میں تھیں۔

میں ساتھ نہیں دے سکتا، ارسل۔ میں بمشکل چل سکتا ہوں۔"داس نے کمزوری سے" جواب دیا۔

تمہیں کوشش کرنی ہوگی...."عالیانہ نے مایوسی سے کہا۔"

باغیوں کی تلاش جاری ہے۔ وہ مسلح ہیں اور فائر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کرفیو نافذ" ہے۔ سب لوگ فوراً اپنے گھروں کو جائیں۔ باغیوں کی تلاش جاری ہے۔ وہ مسلح ہیں اور۔۔۔"لاوڈاسپیکر سڑکوں کے ارد گرد گونجنے لگے، اور لوگوں کی توجہ تنگ گلی میں جمع ہوئے جسموں کی جانب مبذول کرانے لگے۔ کچھ لوگ انہیں دیکھ کر چیخنے لگے۔ بوٹوں کی آواز تیز ہو رہی تھی۔ گولیوں کی آواز مزید وحشیانہ ہوتی جا رہی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لئے ارد گرد کی عمارتوں کا جائزہ لینے لگی اور اسے احساس ہوا کہ وہ ایک باقاعدہ علاقے میں نہیں ہیں۔ جس گلی میں وہ کھڑے تھے وہ غیر قانونی زمین پر تھی، پرانی زندگیوں کے ملبے سے بھرے ہوئے دفتری عمارتوں کی ایک سیریز۔ وہ سمجھ نہیں پائی کہ یہ عمارت باقی آبادی کی طرح کسی باقاعدہ کمپاؤنڈ میں کیوں نہیں ہے۔ وہ اپنے ہی سوالوں کے جواب دینے سے ڈر رہی تھی اور ایک خوفزدہ لمحے میں اسے داس کی

جان کا خوف لاحق ہو گیا۔ داس کی آنکھیں بند تھیں، اسے یقین تھا کہ اسے درد ہو رہا ہو گا۔

ارسل دھیمی آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ وہ حالی عمارت کے دروازے کو ٹھوکر مار کر کھول رہا تھا اور اسے اندر آنے کے لیے بلا رہا تھا۔

تم یہیں رہو۔" وہ داس سے کہہ رہا تھا۔" وہ مجھے اور عالیانہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" وہ" عالیانہ کو داس کے پاس چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے معاملے میں وہ لاپرواہی نہیں کر سکتا تھا، اسے اس نے خود ہی بچانا تھا۔

تم کیا کرنے والے ہو؟" داس نے کمزور سے آواز میں پوچھا۔"

مجھے کارچرانی ہو گی۔ پھر میں واپس تمہیں لینے آؤں گا۔" داس ارسل کے ارادے" کے سامنے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا۔

میں تمہیں لینے واپس آؤں گا۔" اپنے سفری بیگ کو زمین پر پھینک کر وہ وہ دوبارہ داس" کی طرف مڑا۔" اپنا خیال رکھنا اور اگر تم یہاں سے غائب ہوئے، تو میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" داس نے نہ ہنس کر جواب دیا، نہ غصے میں۔ اس نے صرف ایک گہری سانس لی۔" میں اپنا خیال رکھوں گا۔" ارسل نے عالیانہ کو آواز دی، اس کا ہاتھ تھاما اور دونوں کہیں غائب ہو گئے۔

••••••☆☆☆••••••

سڑکیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں، لیکن اتنے ہجوم کے باوجود، کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔ گاڑیاں شاید اس علاقے میں ناپید ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ایک دروازے کو گولی مار کر توڑا اور دونوں ملبے سے بھرے ہوئے راستے میں دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے۔ گولیوں کی آوازیں اور قدموں کی چاپ ان کے پیچھے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ان سڑکوں پر کم از کم ایک سو فوجی ان کا پیچھا کر رہے تھے، جو مختلف گروپوں میں بٹے ہوئے تھے اور شہر کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ عالیانہ جانتی تھی کہ وہ اسے قتل نہیں کریں گے۔

اسے ارسل کی فکر تھی، اسے یقین تھا کہ حیدر نے انہیں حکم دیا ہوگا کہ عالیانہ کو زندہ پکڑیں۔ وہ غصے میں بھی اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دے سکتا تھا، وہ جانتی تھی۔ بھاگتے بھاگتے، ارسل نے دو گولیاں داغیں۔ ایک بے نشانہ گئی، جبکہ دوسری کے ساتھ ایک چیخ کی آواز ابھری۔ دونوں ابھی بھی بھاگ رہے تھے۔

ارسل خاموش تھا۔ اس نے عالیانہ کو تسلی کے دو بول بھی نہیں بولے۔ اس نے عالیانہ کو بہادر بننے کا نہیں کہا، نہ ہی اس سے پوچھا کہ وہ ٹھیک ہے؟ یا کیا وہ ڈری ہوئی تو نہیں ہے؟۔ اس نے اسے یقین دلانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے، نہ ہی اس نے اسے کہا کہ اگر وہ مر جائے تو اپنا خیال رکھنا۔ اسے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

دونوں اپنے حالات کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ارسل کسی بھی لمحے مارا جا سکتا تھا۔عالیانہ کو کسی بھی وقت پکڑا جا سکتا تھا۔یہ پوری عمارت اچانک دھماکے سے تباہ ہو سکتی تھی۔داس کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ان سب کا آج مر جانا ممکن تھا۔ حقیقت واضح تھی۔

لیکن انہیں یہ خطرہ مول لینا ہی تھا۔کیونکہ آگے بڑھنا ہی زندہ رہنے کا واحد راستہ تھا۔

عالیانہ کی بندوق اس کے ہاتھ میں چمک رہی تھی، وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔اس کے پیروں میں درد تھا، لیکن وہ تیزی سے بھاگتی رہی۔اس کے پھیپھڑے اس کی پسلیوں میں دھڑک رہے تھے، لیکن وہ انہیں آکسیجن پروسیس کرنے پر مجبور کرتی رہی۔اسے حرکت کرتے رہنا تھا۔انسانی کمزوریوں کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔اس عمارت میں باہر کا راستہ ڈھونڈنا تقریباً ناممکن تھا۔ان کے قدم ٹائل شدہ فرش پر دھماکے سے چل رہے تھے،اوران کے ہاتھ مدھم روشنی میں کوئی راستہ، کوئی دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔یہ عمارت ان کی توقع سے بھی زیادہ بڑی تھی، بہت بڑی، جس میں سینکڑوں ممکنہ راستے تھے۔ارسل ایک ڈیسک کے پیچھے چھپ گیا،اور عالیانہ کو بھی نیچے کھینچ لیا۔

بیوقوف مت بنو،ارسل! تم زیادہ دیر تک بھاگ نہیں سکتے!" کوئی ان کے قریب آتا" ہوا چلا رہا تھا۔آواز ان سے دس فٹ دور بھی نہیں تھی۔

ارسل نے لبوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ جو لوگ اسے مارنے کی کوشش کر رہے تھے وہی لوگ تھے جن کے ساتھ وہ ایک وقت میں دوپہر کا کھانا کھاتا تھا۔ جن کے ساتھ وہ تربیت کرتا تھا۔ جن کے ساتھ وہ رہتا تھا۔ وہ ان لوگوں کو جانتا تھا۔

لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔ "ایک نئی آواز بولی۔ "لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔ " ہم تمہیں نہیں ماریں گے۔ ہم ایسا دکھاوا کریں گے جیسے تمہیں کھو دیا ہے۔ ہم تمہیں جانے دیں گے۔ حیدر سر کو صرف لڑکی چاہیے۔ "اس نے اپنے ہاتھ میں بندوق کو مضبوطی سے پکڑا، ایک پل کے لیے سر باہر نکال کر فائر کیا۔ اگلے ہی پل کوئی درد سے کراہتے ہوئے زمین پر گرا تھا۔

ارسل تم... "وہ کچھ کہنے ہی والا تھا جب ارسل نے اس لمحے کا فائدہ اٹھا کر بھاگنا شروع" کر دیا۔ وہ ڈیسک کے پیچھے سے نکلے اور سیڑھیوں کی جانب بھاگنے لگے۔ سیڑھی نیچے کی جانب گھومتی تھی، کسی تہہ خانے کی طرف۔ کوئی ارسل کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ان کی بے ترتیب حرکتوں کی وجہ سے نشانہ بنانا مشکل تھا۔ اس کے برعکس عالیانہ کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ بد تمیزی سے بھرپور گالیوں کا طوفان چھوڑتے ہوئے وہ ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ ارسل بھاگتے ہوئے چیزیں گرا رہا تھا، کوئی رکاوٹ، کوئی خطرہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ان کے پیچھے آنے والوں کی رفتار کو کم کر سکے۔ اس نے تہہ خانے کے چند دروازے دیکھے اور سمجھا کہ یہ علاقہ شاید قدرتی آفات کے نتیجے میں برباد ہو چکا تھا۔

ارسل!" عالیانہ نے اس کے بازو پر گرفت مضبوط کی۔ دونوں ایک دیوار کے پیچھے" چھپ گئے۔ عالیانہ نے واحد ممکنہ فرار کے راستے کی جانب اشارہ کیا۔

ارسل نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "بہت خوب۔"لیکن انہوں نے اس وقت تک حرکت نہیں کی جب تک ہوا میں تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ ایک غلط قدم، ایک دبی ہوئی چیخ۔ یہاں نیچے روشنی کی کمی تھی، ان کے پیچھے آنے والا سپاہی ارسل کی رکھی ہوئی کسی رکاوٹ سے ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔ ارسل نے بندوق کو اپنے سینے کے قریب رکھا۔ ایک گہری سانس لی اور سر باہر نکال کر فائر کیا۔ اس کا نشانہ بہترین تھا۔ بے قابو گالیوں کا طوفان اس بات کی تصدیق کر رہا تھا۔

میں صرف معذور کرنے کے لیے فائر کر رہا ہوں، مارنے کے لیے نہیں۔" اسنے عالیانہ" کو اپنی صفائی پیش کی۔

جانتی ہوں۔" عالیانہ نے جواب دیا، حالانکہ اسے یقین نہیں تھا۔ دونوں دروازے کی" جانب بھاگے اور ارسل نے زور لگا کر دروازے کی چٹخنی کو کھولا جو زنگ آلود تھی۔ دونوں مایوس ہو رہے تھے۔ عالیانہ اسے گولی مارنے کا مشورہ دینے والی تھی جب ارسل بالآخر اسے توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے دروازے کو لات مار کر کھولا اور دونوں سڑک پر جا گرے۔ ان کے سامنے چار گاڑیاں تھیں، جن میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اسے لگا کہ وہ رو دے گی۔ وہ چند قدم آگے بڑھ کر گاڑی کے پاس گئی، ارسل اپنی جگہ پر ہی تھا۔

فائنلی !"ایک آواز۔ جانی پہچانی آواز۔ مانوس آواز۔ یہ آواز ارسل کی نہیں تھی۔ یہ" آواز۔ ٹریگر کی آواز۔ گولی کی آواز۔ نہیں۔ ایک خراہت زدہ آہ۔

وہ بے اختیار پلٹی۔ حیدر کے ہاتھ میں بندوق تھی، جس کا نشانہ ارسل تھا۔ ہر جانب خون تھا۔

ارسل خون سے لت پت کمر کے بل زمین پر گرا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں گولی لگی ہے۔ اس کے ارد گرد سپاہی تھے۔ اس کی بار بار بند ہوتی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس کی ناک سے خون ، وہ اپنا سر سیدھا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بلکل مفلوج ہو گیا تھا۔ اس کی سانسوں کی بے ترتیبی سے واضح تھا کہ وہ اسے سانس لینے میں کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کے حلق سے خراہٹ زدہ آوازیں نکل رہی تھیں، پھر اس نے آنکھیں پھیر کر عالیانہ کی جانب دیکھا اور وہ سانس تک نہ لے پائی ۔ اس کے بندوق اس کے ارد گرد جمع خون کے تالاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ اس کے پاس جانے کے لیے بھاگتی پیچھے سے ایک ہاتھ آیا جو اس کے لبوں تک گیا اور اس کے منہ کو ڈھانپ دیا۔ منہ سے نکلتی چیخ حلق میں ہی دم توڑ گئی۔ اب کوئی اسے گھسیٹ رہا تھا۔ وہ دیکھ نہیں سکتی تھی کہ انہوں نے ارسل کے ساتھ کیا کیا ہے، وہ ان بازوؤں کو نوچ رہی تھی جو اسے پیچھے ہٹا رہے تھے، ہوا میں لاتیں مار رہی تھی، خلا میں چیخ رہی تھی۔ درد اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا، اس کے جوڑوں کو اکڑا رہا تھا، اس کے جسم کی ہر ہڈی کو توڑ رہا تھا۔ وہ کھلے آسمان تلے چیخنا چاہتی

تھی، وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گر کر رونا چاہتی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ اذیت اس کی چیخوں سے کیوں نہیں نکل رہی۔ شاید اس لیے کیونکہ اس کے منہ پر کسی کا ہاتھ تھا۔

"میں ہاتھ ہٹاؤں گا پر تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم چیخو گی نہیں۔" حیدر نے نرمی سے کہا۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ کہاں ہے۔ حیدر نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا، اور ایک سوئچ دبایا۔ فلوروسینٹ لائٹس مدھم گنگناہٹ کے ساتھ جلی۔ دیواروں پر تصویریں چپکائی گئی تھیں، الفاظ کے قوس وقزح کی لڑی تختیوں پر چسپاں تھیں۔ کمرے میں چھوٹی چھوٹی میزیں بکھری پڑی تھیں۔ یہ ایک کلاس روم میں تھے۔

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔ کیا تمہیں واقعی لگا تھا کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دوں گا؟" اس کی چمکتی بھوری آنکھیں اس قدر خوش تھیں کہ وہ خوفزدہ ہوگئی۔ "تم نے ارسل کو گولی ماری۔" یہ وہ واحد الفاظ تھے جو اس کی زبان سے نکلے۔ اس کا دماغ مغلوب ہوگیا تھا۔ وہ بار بار ارسل کو زمین پر گرا ہوا دیکھ رہی تھی۔ سرخ خون، سرخ خون، سرخ خون۔ اسے جاننا تھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ اسے زندہ ہونا چاہیے تھا۔

"ارسل مر گیا ہے۔" حیدر کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"نہیں۔" وہ خوف کی پانچ سوتھوں میں منجمد ہوگئی۔ غم، بے یقینی، اور یقین نہ کرنے میں ساکت۔

عالیانہ!" وہ عجیب سے سنجیدہ انداز میں بولا۔ایک پل کے لیے عالیانہ سمجھ نہ پائی کہ یہ" وہی حیدر رہے جس سے وہ بھاگی تھی۔

تم نے کچھ محسوس کیا؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ "

"جب تم نے فرار ہونے کی کوشش کی؟ کیا تم نے اسے محسوس کیا...؟"

میں نے آخری پل تمہاری آنکھیں دیکھی تھیں، میں نے محسوس کیا تھا۔وہ بدلی ہوئی" تھیں۔تمہاری آنکھیں نرم پڑی تھیں۔تم نے کبھی مجھے اس نظر سے نہیں دیکھا، تم نے کبھی نہیں دیکھا۔میں نے محسوس کیا کہ تم واپس آنا چاہتی ہو۔تمہاری آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی تھی، اپنائیت تھی۔تم مجھے ویسے پڑا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔شاید اسی کو محبت کہتے ہیں۔" حیدر کچھ بھی نہیں چھوڑتا، حیدر ہر تفصیل کو جذب کرلیتا تھا۔یہ وہ جذبات تھے جنہیں عالیانہ کل سے جھٹلا رہی تھی، اسے انسانیت کا نام دے رہی تھی۔وہ اس کی آواز میں موجود نرمی سے حیران تھی۔

ہم ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔" اس کی خاموشی سے بے فکر ہو کر اس نے دوبارہ کہا۔وہ" اس کے نرم، اس کی مخلص آنکھوں سے حیران تھی۔

"....میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہنے کا انتخاب کرو۔میں چاہتا ہوں کہ تم یہ"

تم پاگل ہو۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں چلائی۔" تم نفسیاتی مریض ہو۔" اس نے اس کا" ہاتھ جھٹکا۔اور ایک لمحے کو اس کا ہاتھ اپنی کمر پر کسی سٹیل کی چیز سے ٹکرایا۔اس کی بندوق۔اسے بچنے کی اور ارسل تک پہنچنے کی ایک امید ملی۔اسے امید کی ایک جھلک

محسوس ہوئی۔ خوف کی ایک جھلک۔ اس نے اپنے آپ کو وہ کرنے کے لیے تیار کیا جو اسے کرنا تھا اور وہ پر سکون ہو گئی۔

"میرے ساتھ چلو۔" اس کی آواز نرم تھی۔ آسان۔ سست۔ قائل کرنے والی۔ اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا کہ اس کی آواز اتنی پر کشش ہے۔

عالیانہ نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن اگلے ہی لمحے اس کا بازو حیدر کے آہنی شکنجے میں تھا۔ اس کا بازو پکڑ کر حیدر نے اسے دیوار سے لگا دیا۔ ایک ہاتھ سے اس کا بازو پکڑے دوسرا ہاتھ اس کے پیچھے دیوار پر رکھ لیا۔ وہ اتنا ہی طاقتور تھا جتنا کہ وہ نظر آتا تھا۔ "اپنے آپ سے جھوٹ مت بولو، عالیانہ۔ تم میرے ساتھ واپس جاؤ گی، چاہے تمہیں پسند ہو یا نہ ہو۔ تم یہ فیصلہ کر سکتی ہو کہ تم یہ چاہتی ہو۔ تم یہ فیصلہ کر سکتی ہو کہ تم میرے ساتھ جانا پسند کرو۔"

"کبھی نہیں۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم بیمار ہو، تم ایک درندے ہو۔" وہ رو رہی تھی۔ اس کا دل و دماغ ارسل کی جانب تھا۔

"یہ وہ جواب نہیں ہے جو میں سننا چاہتا ہوں۔" وہ واقعی مایوس نظر آیا۔

"یہ وہی جواب ہے جو تمہیں ہمیشہ مجھ سے ملے گا۔"

"لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" ایک لمحے کو سیاہ اور بھوری آنکھیں بدلی تھیں۔ ایک چمک سی آئی تھی۔ اس نے اپنی محبت کا اعتراف کیا لیکن جس جگہ پر کیا، جس موقع پر کیا، نہ وہ جگہ صحیح تھی، نہ موقع صحیح تھا۔

نہیں، تم نہیں کرتے۔ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ تم جانتے بھی ہو محبت کا مطلب" کیا ہے؟ مجھے تم پر یقین نہیں ہے۔"ایک سایہ سا گزرا تھا حیدر کے چہرے سے۔

تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ کیا کرتی ہو۔"وہ زخمی سے انداز میں بولا" ۔اس کا بازو چھوڑا، دیوار سے ہاتھ ہٹایا اور ایک گری ہوئی کرسی سیدھی کر کے اس پر بیٹھ گیا۔

مجھے تم سے نفرت ہے۔"اس نے آہستہ سے ہاتھ اپنی کمر کی جانب بڑھایا۔اس کا ہاتھ" بندوق کے قریب تھا، جیسے ہی اس نے بندوق کو چھوا، اس کا وجود ایک لمحے کو تھم گیا۔ اس کے چہرے پر خوف، الجھن، اذیت اور غصے کے آثار ایک ساتھ نمایاں ہونے لگے۔ اگلے ہی لمحے، اس کے ہاتھ میں چمکتی چاندی کی بندوق مضبوطی سے تھمی ہوئی تھی، اور اس کا نشانہ حیدر کے دل پر تھا۔ حیدر ایک لمحے کو ٹھٹھکا۔اس کی آنکھوں میں کچھ ٹوٹ سا گیا۔ وہ چاہتا تو ایک لمحے میں اسے مار سکتا تھا، اس کے پاس دو بندوقیں تھیں، پر ساری بات ہی چاہنے کی تھی۔ وہ اسے اتنا چاہتا تھا کہ، خود کو بچانے کے لیے بھی اسے نہیں مار سکتا تھا۔

وہ بے اختیار کرسی سے اٹھا، مزاحمت کرنے کے لیے نہیں، بلکہ بے یقینی سے۔ وہ عام طور پر فوجی سوٹ نہیں پہنتا تھا پر آج وہ اپنے فوجی سوٹ میں تھا۔ خوبصورت۔ پرکشش۔ مغرور۔ آج اس کے چہرے پر تکلیف کی چھاپ تھی۔اس کی

بھوری آنکھوں مین الجھن تھی۔ غم تھا۔ غصہ تھا۔ شاید تکلیف بھی تھی۔اس کی پیشانی پر بل تھے اور وہ بلکل خوفزدہ نظر نہیں آرہا تھا۔

اس نے اپنے جسم میں آہستہ آہستہ تناؤ کم ہوتا محسوس کیا۔بندوق ہاتھ میں پکڑے،اس نے لمحے بھر کے لیے اپنی آنکھیں بند کیں۔وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو،اگر تم مجھے مار کر خوش ہو تو، تمہاری خوشی سے زیادہ کچھ اور قیمتی نہیں، حیدر کی جان بھی نہیں۔ تین گہری سانسیں، خون، سرخ خون، خون میں لت پت ارسل۔اس نے آنکھیں کھولیں اور پہلی بار بندوق کا ٹریگر دبایا۔بندوق کی آواز غیر متوقع طور پر زوردار تھی،اس کی توقع سے کہیں زیادہ گرجدار۔ آواز اس کے کانوں میں گونجتی ہوئی اس کے وجود کو جھنجھوڑ گئی، لیکن اس گونج میں ایک عجیب سی موسیقی بھی تھی۔ایک ہلکی سی فتح کی خوشبو، کیونکہ اس بار خون ارسل کا نہیں تھا۔

••••••☆☆☆••••••

گولی کا نشانہ دل تھا پر چونکہ وہ نشانہ بازی نہیں جانتی تھی،اس لیے گولی اس کے بائیں کندھے کو چیرتی ہوئی اس کے جسم میں داخل ہوئی۔حیدر ایک تکلیف بھری آہ بھرتے ہوئے دو قدم پیچھے کو لڑکھڑایا اور ٹھیک۔چار سیکنڈز گزرنے کے بعد وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے کمر کے بل زمین پر گرا، لیکن بے ہوش نہیں ہوا۔وہ درد سے لبوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے دبی آواز میں کراہ رہا تھا۔عالیانہ نے پہلے اپنے ہاتھ میں پکڑی بندوق کو دیکھا، پھر خون کے تالاب کے بیچ گرے حیدر کو

دیکھا۔اس کی بندوق بے اختیار فرش پر گری۔حیدر سر سیدھا کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔اس کا سینہ تیزی سے اوپر نیچے ہو رہا تھا۔تکلیف سے اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو چکی تھیں۔عالیانہ کے آنسو بے اختیار اس کی گالوں پر بہہ رہے تھے۔وہ ان آنسوؤں کی وجہ نہیں جانتی تھی۔وہ اسکی وجہ سے تکلیف میں تھا، وہ رکنا چاہتی تھی۔وہ اسے اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔یہاں حیدر زخمی تھا وہاں ارسل۔اسے کسی ایک کو چننا تھا۔حیدر نے تیز سانس لیتے ہوئے آنکھیں پھیر کر اسے دیکھا، بس ایک لمحہ اور نظریں واپس پھیر لیں۔اس نے دو قدم حیدر کی جانب اٹھائے۔حیدر یا ارسل۔ذہین میں دونوں نام گڈ مڈ ہو رہے تھے۔وہ کس کو چنے؟ دونوں کو اس کی ضرورت تھی۔پھر اس نے خود کو ارسل کو چنتے دیکھا۔اس نے خود کو زمین پر گری بندوق اٹھاتے دیکھا۔اس نے خود کو کمرے سے باہر جاتے

دیکھا۔اب اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی کہ اُسے ارسل کو ڈھونڈنا ہے، گاڑی چرانی ہے، داس کو ڈھونڈنا ہے، اور اُن سب کو محفوظ مقام تک پہنچانا ہے۔وہ خود کو یقین دلانے لگی کہ ارسل زندہ ہے، ارسل کو کچھ نہیں ہوا۔جیسے ہی اُس کے قدم سڑک پر پڑے، اس کے کپڑوں پر حیدر کے خون کے دھبے نمایاں ہوئے۔شام کی ڈوبتی روشنی میں اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔بارش رک چکی تھی، لیکن اس کی بوندیں اب بھی سڑک پر جگمگا رہی تھیں۔مدھم شام کی روشنی میں، سڑک پر پانی کی سطح ہلکی سی چمک رہی تھی، اور ہوا میں نمی کی ہلکی سی خوشبو تحلیل ہو چکی تھی۔ہر جانب گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے زمین نے اپنے سارے غم اور خوشیوں کا بوجھ اس لمحے میں اُتار دیا ہو۔

آسمان پر بادلوں نے اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی اور ان کی بناوٹ نے شام کی روشنی کو مدھم کر دیا تھا۔ سڑک کنارے درختوں کی شاخیں ہوا میں ہل رہی تھیں، ان کے پتوں پر بارش کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ہوا کے سرد جھونکوں کے ساتھ، ایک عجیب سی خاموشی فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

اچانک ایک تیز ہوا کے جھونکے کے ساتھ وہ حقیقت کی طرف واپس آگئی جس میں وہ غرق تھی۔ اس نے گہری سانس لی، آسمان کی جانب دیکھا، اور اسے احساس ہوا کہ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں بچا، اس سے پہلے کہ روشنی ختم ہوتی۔ سڑکیں سنسان ہو چکی تھیں، وہ نہیں جانتی تھی کہ حیدر کے آدمی کہاں ہیں۔ وہ اندھیری گلیوں میں چھپتی ہوئی آگے بڑھنے لگی، یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ ارسل کہاں گرا تھا، لیکن اس کا ذہن منتشر تھا۔ وہ لمحہ اس کے ذہن میں پاگل پن کی طرح ٹھہر چکا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کہاں تلاش کرے۔ شاید وہ اپنا وقت برباد کر رہی تھی۔ اچانک، اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور اس نے خود کو ایک گلی کے کنارے چھپا لیا اور اپنے ہاتھ میں تھامی بندوق پر گرفت مزید مضبوط کرلی۔

اس نے دیکھا کہ ایک فوجی اس کے سامنے سے گزرا۔ اس کے سینے پر رائفل لٹکی تھی اور ایک چھوٹی خودکار بندوق اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنی بندوق کو دیکھنے لگی اور اُسے احساس ہوا کہ اسے بندوقوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ بس اتنا جانتی تھی

کہ کچھ بڑی ہوتی ہیں، کچھ بار بار بھری جاتی ہیں اور کچھ، جیسے اس کے ہاتھ میں تھی، ایسا نہیں کرتیں۔ شاید ارسل اسے یہ سب سکھا سکتا تھا۔

ارسل... وہ گہری سانس لے کر مزید احتیاط سے سڑکوں پر چلنے لگی۔ اسکی

سفید اور بھوری سکرٹ کیچڑ پانی اور خون سے گدلی ہو چکی تھی۔ اس کے سنہری بال الجھے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے وہ ایک دم رکی، اس نے دیکھا کہ سڑک کے ایک حصے پر ایک سیاہ سایہ پھیلا ہوا ہے، وہ تیزی سے قدم اٹھاتی سائے کی جانب بڑھی، جیسے ہی وہ قریب پہنچی، اسے احساس ہوا کہ یہ سایہ نہیں بلکہ خون کا دھبہ ہے۔ ارسل کے خون کا دھبہ۔

تب ہی کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ حلق میں آئی چیخ کو دباتے وہ بے اختیار پلٹی، ڈری ہوئی، سہمی ہوئی، خوفزدہ۔ داس پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی شرٹ میلی تھی اور پینٹ جگہ جگہ سے پھٹ چکی تھی۔ اس نے انگلی سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے ایک گلی میں لے گیا۔ داس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی، پھر گہرا سانس لیا۔

سب سے پہلے گھبرانا مت، اوکے؟ ارسل میرے پاس ہے، وہ گاڑی میں ہے۔ میں"
"...نے گاڑی چرائی ہے۔ ارسل

"کیا وہ ٹھیک ہے؟ تم اسے اکیلا کیوں چھوڑ کر آئے؟"

ریلیکس، بی بی! وہ محفوظ ہے۔ میں یہاں تمہیں لینے آیا ہوں۔ اب تم سوچ رہی ہو گی" کیوں؟ تو اگر مسٹر ارسل اُٹھتے اور تم نہ ہوتیں تو وہ مجھے مار دیتے۔ اور میں اپنی جوانی میں
"! مر کر اپنی ہونے والی بیوی کو بیوہ نہیں کرنا چاہتا

"اٹھتے ؟ کیا وہ بے ہوش ہے ؟"

چلو میرے ساتھ۔"اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اسے لے کر چلنے لگا۔" اندھیرے میں بھی وہ دیکھ سکتی تھی کہ داس کو چلنے میں کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ وہ بار بار سختی سے لب بھینچتا تھا۔اس کے علاوہ اس کے قدم لڑکھڑا بھی رہے تھے۔ سڑکیں اب خاموش تھیں، نہ کوئی سپاہی تھا، نہ کوئی شہری۔ شاید حیدر کے زخمی ہونے پر تمام سپاہی اسے بیس لے گئے تھے، یا شاید اس نے اپنی فوجیں ہٹالی تھیں۔ان دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں تھی۔

••••••☆☆☆•••••••

اسے گولی لگی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی منوں وزنی ٹرک نے کچل دیا ہو۔ گولی کا زخم اس کے تصور سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اگر یہ گولی کسی اور کی بندوق سے نکلی ہوتی، شاید یہ اتنی تکلیف نہ دیتی، لیکن حقیقت اس کے درد کو ناقابلِ برداشت بنا رہی تھی۔اس کا جسم سردی سے کپکپا رہا تھا اور وہ پسینے میں شرابور تھا۔ ہر سانس اُس کے لیے ایک جنگ کی مانند تھی۔اس کے بازو میں ایسی درد تھی جیسے کوئی تیز دھار آلہ اس کے گوشت میں بار بار پیوست ہو رہا ہو۔اس کا ذہن بکھر چکا تھا۔ کسی چیز پر توجہ مرکوز کرنا مشکل تھا۔اس کی آنکھیں بند ہونے کو تھیں اور دانت شدت سے چبانے کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ وہ زبردستی خود کو ہوش میں رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شور ناقابل برداشت ہو چکا تھا، ہر آواز اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح گونج رہی تھی۔ بہت

سے لوگ چیخ و پکار کر رہے تھے، کچھ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ اسے کانٹوں کی مانند چبھ رہے تھے۔

سر! سر!" کی آوازیں مسلسل اسے پکار رہی تھیں، جیسے وہ ابھی بھی اس کے احکامات کا" انتظار کر رہے ہوں۔ جیسے ان کے لیے بغیر اُس کی ہدایت کے کچھ کرنا ممکن نہ ہو۔ یہ احساس اسے مزید تھکا رہا تھا۔ یہ درد جسمانی تکلیف سے کہیں زیادہ تھا۔ یہ درد اس کے وجود کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ بے ہنگم شور اس کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ "سر! آپ مجھے سن سکتے ہیں؟" ایک اور آواز، مگر اس بار، یہ آواز اسے بری نہیں لگی۔ وہ دھندلاتی آنکھوں سے زمین پر پڑا تھا، اس کے ارد گرد خون ہی خون تھا۔ یہ طے تھا کہ کوئی اس کی مدد نہیں کرے گا جب تک وہ براہ راست حکم نہ دے گا۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر اسے چھو نہیں سکتا تھا، اس کی مدد کے لیے بھی نہیں۔

سر! آپ مجھے سن سکتے ہیں؟" کوئی اس کے کان کے قریب فکر مندی سے چیخ رہا تھا۔"

مجھے گولی لگی ہے، ملیک۔ میں بہرا نہیں ہوا۔" اس نے اپنی ٹوٹی ہوئی آواز کو مضبوط" کرتے ہوئے چبا چبا کر کہا اور بمشکل سانس لیتے ہوئے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں کھولیں۔ اس کی سرخ رگوں والی بھوری آنکھوں نے ملیک کی نم آنکھوں میں جھلکتی بے چینی کو دیکھا۔ "میں تمہیں سن سکتا ہوں۔" ایک ہی لمحے میں شور ختم ہو گیا۔ سپاہی خاموش ہو گئے۔ ملیک اسے دیکھ رہا تھا، پریشان اور دکھی۔ اس نے تکلیف سے بھرپور ایک گہری سانس لی۔

مجھے واپس لے جاؤ۔" وہ داہنی کہنی پر زور دے کر تھوڑی سی حرکت کر کے بیٹھنے" کی کوشش کرنے لگا۔ دنیا ایک ہی وقت میں جھک گئی اور پھر مستحکم ہو گئی۔

میڈکس کو خبر کر دو، بستر تیار کرواؤ، اور میرے بازو کو اوپر اٹھا کر زخم پر دباؤ جاری" "رکھو۔ گولی ہڈی کو چھوئی ہے، مجھے لگتا ہے سرجری کی ضرورت ہو گی۔

ملیک ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، اسے دیکھتا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس نوجوان آدمی، عمر میں حیدر سے تھوڑا بڑا ہی تھا، آنکھوں میں آنسو لیے اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا۔

شکر ہے کہ آپ ٹھیک ہیں، سر۔" اس کی آواز بے چینی سے لرز رہی تھی۔ "اللہ کا شکر" ہے کہ آپ ٹھیک ہیں۔" بھوری آنکھیں بھی پریشان تھیں۔

یہ حکم تھا، لیفٹیننٹ۔" وہ شدید درد میں تھا، مگر سنبھلا ہوا تھا۔ اگر وہ یہ نہ کہتا تو اسے ڈر" تھا ملیک بکھر جائے گا۔

جی سر!" اس نے فوراً نظریں جھکائیں سر نہیں۔ پھر وہ کھڑا ہوا۔"

"سپاہیوں کو کیا ہدایت دوں؟"

اُسے تلاش کرو۔" بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے ٹوٹی ہوئی سانس لی اور اپنی پیشانی پر" ہاتھ پھیرا۔ وہ ٹھنڈے پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

"جی سر!" ملیک نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی، مگر اس نے منع کر دیا اور اس کے بازو کو تھام کر کرسی پر بیٹھ گیا، حلق سے اٹھتی آہ کو لب بھینچ کر دباتے ہوئے اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا۔

"ایک آخری بات!"

"سر؟"

"ارسل..." اس کی آواز ابھی بھی کمزور تھی۔ اس کی سفید جلد زرد پڑھ چکی تھی۔ قدرتی۔ گلابی ہونٹ سفید اور خشک پڑ چکے تھے۔

"مجھے وہ زندہ چاہیے۔"

"پرائیویٹ ارسل ابراہیم؟"

"ہاں۔" اُس نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں اُس کے ساتھ خود نمٹنا چاہتا ہوں۔"

ملیک باہر جانے لگا جب اس نے آواز دی۔ "ملیک!" وہ پلٹا۔ حیدر کچھ پل خاموش رہا، اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"کرفیو ہٹا، اور مجھے وہ دونوں زندہ چاہییں۔" کہنے کے بعد حیدر نے تکلیف سے آنکھیں مینچ لیں۔ درد ہی درد تھا۔ تکلیف ہی تکلیف تھی۔ تاریکی ہی تاریکی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ چابی سٹارٹر میں لگی تھی۔ پیچھے کی سیٹ پر کچھ کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ شاید الارم کی آواز اور غیر متوقع کرفیو کی وجہ سے کوئی جلدی میں گھبرا کر سب کچھ چھوڑ گیا تھا۔ اُس نے اور داس نے ارسل کو سہارا دے کر مسافر سیٹ سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ جیسے ہی وہ بیٹھا، اُس کے چہرے پر درد کی شدت صاف دکھائی دینے لگی۔ جسم پر ہلکا سا پر دباؤ اُس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔ "میں ٹھیک ہوں۔" وہ دبی آواز میں بولا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ داس نے گاڑی سٹارٹ کی۔

تمہیں کیا لگتا ہے، حیدر ہمیں کب تک ڈھونڈ لے گا؟" داس نے گاڑی چلاتے ہوئے" پوچھا۔

"نہیں معلوم۔ "

ایک لمحے کا توقف۔ "تم اس سے کیسے بچ نکلی؟" ارسل نے ٹوٹی ہوئی آواز میں سرگوشی کی سی آواز میں پوچھا۔

میں نے اسے گولی ماردی۔" بار بار بند ہوتی آنکھیں ایک لمحے کو حیرت سے کھلیں۔" تعجب۔ بے یقینی۔ باقی کا سفر خاموشی میں گزرا تھا۔ داس تھا جس نے خاموشی توڑی۔

ہم پہنچ چکے ہیں، اور رات ہو چکی ہے۔ تو میرے حساب سے، ہم نے کوئی غلطی نہیں" "کی۔

داس نے گاڑی پارکنگ میں ڈال دی۔ وہ تینوں اب کسی شاندار پارکنگ گیراج میں تھے۔ ایک لمحہ پہلے وہ زمین کے اوپر تھے، اور اگلے ہی لمحے وہ ایک کھائی میں غائب ہو گئے۔ جسے تلاش کرنا تقریباً ناممکن تھا، خاص کر اندھیرے میں۔ داس سے نے اس چھپنے کی جگہ کے بارے میں سچ کہا تھا۔

پچھلے چند گھنٹوں میں وہ ارسل کو جگائے رکھنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اس کا جسم تھکاوٹ، خون کی کمی، بھوک اور بے شمار درد کی حالتوں سے لڑ رہا تھا۔

ارسل کو سیدھا میڈیکل ونگ لے جانا ہو گا۔" داس نے بتایا۔"

ان کے پاس میڈیکل ونگ بھی ہے؟" اس کا دل خوشی سے بھر گیا۔ داس مسکرا دیا۔"

یہ جگہ ہر چیز سے لیس ہے۔" اس نے ایک بٹن دبایا۔ ایک ہلکی سی روشنی نے پرانی" سیڈان کو روشن کیا۔ داس دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ "یہیں رکو۔ میں کسی کو اسٹریچر لانے کے لیے بلاتا ہوں۔" اس کا سر چکرا رہا تھا۔ جب سے داس نے اسے پانی دیا تھا، تب سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پانی کا ذائقہ بھی عجیب تھا لیکن اس نے سمجھا یہ اس کے گلے کی کڑواہٹ ہے۔

سنو۔ رکو۔ تم نے مجھے پانی میں کچھ ملا کر دیا تھا نا؟" ایک انجانے سے خوف نے اسے جکڑ" لیا۔ اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

اوہ۔ وہ، امم.... مجھے لگا تمہیں تھوڑی دیر سو جانا چاہیے۔" داس کے ہونٹوں پر ہلکی سی" مسکراہٹ آئی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...؟"

اس نے گلا صاف کیا۔ ایک بار۔ دو بار۔ اپنی قمیض کی سلوٹیں سیدھی کیں۔

میں نے... مجھے لگا تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ سفر لمبا تھا، تم تھکی ہوئی"
تھی... لیکن شاید وہ پلز پاگلوں پر اثر نہیں کرتیں.... اسی لیے تم سوئی نہیں۔ "اس نے
دو انگلیاں بڑھا کر اس کے ماتھے پر چٹکی بجائی۔ عالیانہ کا دل چاہا اس کی گردن توڑ دے۔

ارسل تمہیں مار ڈالے گا۔ "داس نے ارسل کی نیم بند آنکھوں کی طرف دیکھا۔"

"ہاں۔ لگتا ہے میں خوش قسمت ہوں کہ وہ آج مجھے نہیں مار سکے گا۔ اور ویسے بھی میں
"اس بھری جوانی میں میں اپنی فیوچر وائف کو بیوہ نہیں کرنا چاہتا۔

"تمہارا سر درد صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"....مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے"

ارے، ارے مجھ پر بھروسہ کرو۔" اس نے ہاتھ ہوا میں اٹھائے۔"

شاید ارسل بھی میری بات سے اتفاق کرے۔ "اس نے بے پرواہی سے کندھے"
اچکائے۔

میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ "ارسل کی آواز مدھم سرگوشی میں بدل گئی۔"

داس ہنس پڑا۔ "حوصلہ رکھو، بھائی۔ کچھ نہیں ہو گا تمہاری عالیانہ کو۔ "اور پھر داس
کہیں غائب ہو گیا۔ وہ ارسل کو جاگتے رہنے کا کہتی رہی۔ اس نے اسے بتایا کہ اب وہ

محفوظ ہیں۔اس کے بعد سب کچھ بہت جلدی ہوا۔چار لوگ کار کی جانب بھاگتے ہوئے آئے۔دو مرد۔دو عورتیں۔

مریض کہاں ہے؟"ایک عورت نے پوچھا۔"

داس نے ارسل کی جانب کا دروازہ کھولا۔وہ اب مسکرا نہیں رہا۔مختلف لگ رہا ہے۔مضبوط۔تیز۔سنجیدہ۔اختیار کا مظہر۔یہ لوگ اسے جانتے تھے۔

ارسل کو اسٹریچر پر ڈال کر فوری طور پر معائنہ شروع ہو گیا۔ہر جانب لوگ بیک وقت بات کر رہے تھے۔کوئی پسلیوں کے ٹوٹنے کا ذکر کر رہا تھا، تو کوئی خون کے بہاؤ کی بات کر رہا تھا۔کسی کا دھیان اس کے سانس لینے کے راستے اور پھیپھڑوں کی حالت پر تھا، تو کوئی اس کی کلائیوں کو دیکھ رہا تھا۔کوئی اس کی نبض چیک کر رہا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ وہ کب سے خون بہہ رہا ہے۔نوجوان مرد اور عورتیں اس کی طرف دیکھ رہے تھے، ان سب نے ایک جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔سفید رنگ کے سوٹ، جن کے کناروں پر سیاہ دھاریاں تھیں۔وہ ارسل کو کہیں لے جا رہے تھے۔

"رکو...رکو! میں اس کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔"

ابھی نہیں۔"داس نے اسے روکا اور نرمی سے کہا۔"

جو انہوں نے اس کے ساتھ کرنا ہے اس کے لیے تم ابھی اس کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"
"ابھی نہیں۔

"کیا مطلب ؟ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں ؟" دنیا اس کی نظروں کے سامنے دھندلانے لگی، سیاہ رنگ کی جھلکیاں مدھم فریموں کی طرح جھپک رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سب کچھ اسے الجھ رہا تھا۔ اسے اپنا سر سڑک کا ٹکڑا بنتا محسوس ہوا، جو کچلا جا رہا ہو۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ داس کون ہے۔ داس ارسل کا دوست تھا۔ ارسل اسے جانتا ہے۔ اس کا واحد دوست ارسل۔ ارسل کو اس سے دور لے جایا جا رہا تھا، وہ اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن وہ اسے اس کے ساتھ جانے نہیں دے رہے تھے۔

"وہ اس کی مدد کرنے جا رہے ہیں۔ عالیانہ! مجھے تمہاری توجہ چاہیے۔ تم ابھی بکھر نہیں سکتی۔ میں جانتا ہوں آج کا دن بہت برا تھا، لیکن تمہیں پر سکون ہونے کی ضرورت ہے۔" داس کی آواز۔ اتنی مستحکم۔

"تم کون ہو...؟" اس نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی، لیکن بھاگ نہیں سکتی تھی۔ ارسل اندر تھا۔ "تم کون ہو۔" آنسو اس کی گالوں پر بہہ رہے تھے۔

داس نے گہری سانس لی۔ "تم بھوکی ہو۔ تم تھکی ہوئی ہو۔ تم صدمے میں ہو۔ سمجھدار بنو۔ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ تم اب محفوظ ہو۔ ارسل محفوظ ہے۔ ہم محفوظ ہیں۔"

"میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرنے جا رہے ہیں۔"

"میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دے سکتا۔ تم اتنی بہادر نہیں کہ براہ راست اس کی سرجری دیکھ سکو۔"

"تم میرے ساتھ کیا کرنے جارہے ہو؟ تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہو...؟"اس کی آنکھیں پھیلیں۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ اپنے ہی تخیلات کے سمندر میں بھٹک رہی تھی، ڈوب رہی تھی اور اسے تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

داس نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا، جو پسٹل تک جارہے تھے۔ اس نے پیشانی رگڑی۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"میں واقعی یہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ "اس کی گردن کے پیچھے کچھ چبھا تھا۔ شاید ایک سوئی۔ پھر ہر جانب اندھیرا چھا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

ملیک کلپ بورڈ ہاتھ میں تھامے اُس کے بستر کے پاس خاموشی سے کھڑا تھا۔ یہ آج صبح کی دوسری ملاقات تھی۔ پہلی ملاقات میں میڈیکل ٹیم نے آکر سرجری کی کامیابی کی تصدیق کی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ گولی ایسی جگہ لگی تھی جہاں سے دل پر گہرا اثر پڑا، مگر خوش قسمتی سے فوری طبّی امداد کی وجہ سے جان بچ گئی۔ انہوں نے اس کی بہادری کی بھی تعریف کی کہ وہ اس شدید تکلیف اور دباؤ کے باوجود بے ہوش نہیں ہوا۔ مزید یہ کہا گیا تھا کہ اگر وہ باقی ہفتہ بستر پر آرام کرے تو نئی دوا اس کی صحت یابی کے عمل کو تیز کر

سکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کم از کم ایک ماہ تک سلیگ پہننے کے لیے تیار رہے اور روزمرہ کی سرگرمیوں میں احتیاط برتے۔

کوئی خبر؟" اُس کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ اُس کا بایاں بازو بنیادی طور پر اُس کے" لیے بے کار تھا۔

اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ ملیک اُسے بغور دیکھ رہا تھا، اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ پریشانی بھی۔

کیا ہوا؟" اُس نے داہنے بازو سے بستر کے فریم کو تھام کر خود کو سیدھا کرنے کی کوشش" کی۔ ہر حرکت اُس کے جسم کی توانائی کو ختم کر رہی تھی۔ درد کی شدت اور چکر کی وجہ سے اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔۔ "مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" اُس نے دبی ہوئی آواز میں "پوچھا۔ "بری خبر کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

پرائیویٹ ارسل ابراہیم فرار ہو گیا ہے، سر۔" ملیک کی آواز میں ایک لمحے کے لئے" لرزش آئی۔ "وہ زخمی تھا۔ ہماری قید میں تھا، پر کسی نے اس ہی مدد کی۔ اسے لے جانے "... میں۔ یہ ایک عورت نہیں کر سکتی۔ عالیانہ.... نہ

اس نے بے اختیار ملیک کی جانب دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں چکرا دینے والی روشنی نمودار ہوئی، جیسے کسی نے اُس کے اندر ایک طوفان کو جگا دیا ہو۔ ایک نام پر بہت کچھ یاد آیا تھا۔ اُس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے خود کو سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔

" تم بغیر ثبوت کے یہ اطلاع لائے ہو؟"

نہیں۔"ملیک کی آواز میں خوف کی جھلک تھی، جو اُس کے دل کو چیر گئی۔ ہمیں لگتا" ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کہاں جا سکتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ پرائیویٹ ارسل اور۔اور عالیان...ن نہ.... میرا مطلب وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ایک ساتھ ہیں۔" یادیں، نظریات، سرگوشیاں اور احساسات۔ وہ اُن سب کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہمم۔"اُس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔"ایسی معلومات مت دو جو میں پہلے ہی جانتا" ہوں۔"اُس نے تھکے ہوئے پر مضبوط لہجے میں کہا۔"مجھے کوئی ٹھوس ثبوت دو، "لیفٹیننٹ! جب تک تمہارے پاس ایسی کوئی خبر نہ ہو، تب تک مجھے اکیلا چھوڑ دو۔

ایک گاڑی۔ایک گاڑی چوری کی گئی تھی، سر، اور ہم اُسے ایک نامعلوم مقام پر ٹریک" کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، لیکن پھر وہ نقشے سے غائب ہو گئی، جیسے کہ اُس کا وجود ہی ختم ہو گیا ہو۔ ہم نے اُس کے ٹریکس کا پیچھا کیا۔"ملیک پرسکون انداز میں بولا۔"ٹریس ہمیں ایک ویران، سنسان علاقے تک لے گئے۔ ہم نے علاقے کی چھان بین کی پر کچھ "نہیں پایا۔

یہ کچھ تو ہے۔ کم از کم۔"اُس نے اپنی گردن کے پچھلے حصے کو دباتے ہوئے کہا۔"

"میں ایک گھنٹے بعد ایل روم میں تم سے ملوں گا۔"

لیکن سر آپ ابھی چل نہیں سکتے۔ڈاکٹرز نے آپ کو کام کرنے سے منع کیا ہے۔آپ" "کے دل کا کھچاؤ کافی سنجیدہ ہے۔

"تم جا سکتے ہو۔"

"!ج ج۔جی سر"

••••••☆☆☆••••••

کیسا محسوس کر رہی ہو؟"ایک لمبے آدمی نے کالے فریم کے چشمے لگا رکھے تھا۔ "
ایک سادہ سویٹر، جینز کی پینٹ۔اس کے بھورے بال اس کی آنکھوں پر گر رہے
تھے، اس کے ہاتھ میں ایک کلپ بورڈ تھا۔"تم کون ہو؟"وہ اس کرسی کو کھینچ کر آگے
لے آیا جس پر پہلے اس کی نظر نہیں پڑی تھی،اور اس کے بستر کے پاس بیٹھ گیا۔

"تمہیں چکر آرہے ہیں؟الجھن محسوس ہو رہی ہے؟ "

ارسل کہاں ہے؟"بھورے بالوں والے نے کاغذ پر کچھ لکھا۔"

"تم اپنے نام کے سلیم میں ایک 'ای' لکھتی ہو یا 'آئی'؟"

تم نے ارسل کے ساتھ کیا کیا؟داس کہاں ہے؟"وہ رکا،اوپر دیکھنے لگا۔وہ تیس سال"
سے زیادہ کا نہیں لگتا تھا۔اس کی ناک تھوڑی ٹیڑھی تھی،ہلکی سی داڑھی بھی تھی۔

پہلے یہ جانچ لوں کہ تم ٹھیک ہو پھر میں تمہارے سوالات کے جواب دوں گا۔مجھے "
صرف یہ بنیادی چیزیں مکمل کرنے دو۔"وہ پلکیں جھپکاتی رہ گئی۔وہ کیسا محسوس کر رہی
تھی؟اسے نہیں معلوم تھا۔کیا اس نے کوئی خواب دیکھا تھا؟شاید نہیں۔کیا اسے معلوم

تھا کہ وہ کہاں ہے؟ نہیں۔ کیا اسے لگتا تھا کہ وہ محفوظ ہے؟ نہیں معلوم۔ کیا اسے یاد تھا کہ کیا ہوا تھا؟ ہاں۔

آپ کی عمر کتنی ہے؟ تئیس سال۔

آپ کی آنکھوں کا رنگ کیا تھا؟ معلوم نہیں۔

تمہیں نہیں معلوم؟"اس نے قلم رکھا، چشمہ اتارا۔ "تمہیں کل کا واقعہ ٹھیک سے "یاد ہے، لیکن تمہیں اپنی ہی آنکھوں کا رنگ معلوم نہیں؟

میں نے کبھی غور نہیں کیا۔ بھوری ہیں یا شاید کالی، میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ اس" "سے کیا فرق پڑتا ہے؟

اجنبی نے اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھا۔ آخر کار، اسے اپنی نظریں ہٹانی پڑیں۔ "میں یہ یقینی بنانا چاہتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو پہچان سکتی ہو، کہ تم نے اپنی "یاداشت تو نہیں کھوئی۔

میں یہاں کیوں ہوں؟"اس نے پوچھا۔"

"معاف کرنا؟"

"....میرا لباس، میں تو زخمی نہیں تھی پھر آپ"

اوہ۔ "اس نے اپنا انگوٹھا کاٹا، اور کاغذات پر کچھ لکھا۔"

ہاں، جب تم یہاں آئی تھیں، تمہارے جسم پر خون اور کچھ چھوٹے زخم اور"
چوٹیں تھیں۔ ہم انفیکشن کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے،اس لیے تمہیں فرسٹ ایڈ
"دینا پڑا۔

"ہمم" وہ جلدی سے بولی۔ "لیکن کیسے؟"

"معاف کرنا؟"

اوہ۔" اس نے سر ہلایا، اور اپنے کلپ بورڈ پر لکھتے ہوئے الفاظ میں گم ہو گیا۔ "محترمہ"
ہمارے پاس لیڈی ڈاکٹرز بھی ہیں۔ انہوں نے ہی آپ کے زخم صاف کیے ہیں۔ "وہ
ایک دم سے شرمندہ سی ہوئی۔ اس نے اپنے چشمے اٹھائے، انہیں پہنا۔ "ہمارے پاس
"تمہارے لیے ایک خاص سوٹ ہے۔

خاص سوٹ؟" اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔"

ہاں۔ ہم اس پر بعد میں بات کریں گے۔" وہ رکا، مسکرایا۔ اس کی ٹھوڑی میں ایک"
ڈمپل تھا۔

"تم میرے ساتھ وہی تو نہیں کرو گی جو تم داس کے ساتھ کرنے والی تھا؟"

میں نے داس پر حملہ کیا؟" وہ شرمندہ سی ہوئی۔"

کیا نہیں کرنے والی تھی، اگر وہ فوری طور پر تمہیں بے ہوش نہ کرتا۔" اس نے کندھے"
اچکائے۔

"...مجھے بہت افسوس ہے"

مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری معافی کی قدر کرے گا۔" بھورے بالوں والا شخص اپنی ہی" لکھائی میں دلچسپی لیتے ہوئے اپنے نوٹس کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

لیکن کوئی بات نہیں۔ ہم اسی رویے کی توقع کر رہے تھے۔ تم نے ایک مشکل ہفتہ" "گزارا ہے۔

"کیا تم سائیکولوجسٹ ہو؟"

کچھ حد تک۔" اس نے اپنے ماتھے سے بال ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔"

"کچھ حد تک؟"

وہ ہنسا، رکا، قلم کو اپنی انگلیوں کے درمیان گھمایا۔

"ہاں۔ میں ایک سائیکولوجسٹ ہوں۔ کبھی کبھی۔"

اس کا کیا مطلب ہے؟" اس نے اپنے لبوں کو ہلایا، لیکن رک گیا۔ پھر وہ اسے دیکھنے" لگا۔ اتنی دیر تک دیکھتا رہا کہ وہ نظریں چرا گئی۔ پھر وہ تیزی سے کچھ لکھنے لگا۔

میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟" اس نے پوچھا۔"

"صحت یاب ہو رہی ہو۔"

"میں کتنی دیر سے یہاں ہوں؟"

تم تقریباً بارہ گھنٹے سے سو رہی ہو۔ ہم نے تمہیں ایک نشہ آور دوا دی تھی۔""اس نے " "اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔"تم ٹھیک لگ رہی ہو۔

"ارسل کہاں ہے؟"

صحت یاب ہو رہا ہے۔"اُس نے آخرکار سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "

کیا وہ ٹھیک ہے؟"اُس نے سر ہلایا۔"ہاں، وہ ٹھیک ہو رہا ہے۔"اُس کی نظریں اُس پر" جمی ہوئی تھیں۔"اس کا کیا مطلب ہے؟"اُسی لمحے دروازے پر دو دستکیں ہوئیں۔چشمہ پہنے ہوئے اجنبی نے کوئی حرکت نہ کی اور اپنے نوٹس دوبارہ پڑھنے لگا۔"اندر آجاؤ۔" اُس نے آواز دی۔داس نے محتاط نظروں سے اندر جھانک کر دیکھا۔اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ داس کو دیکھ کر اتنی خوش ہو گی۔داس آگے بڑھا۔اُس نے اسے غور سے دیکھا اور اُسے احساس ہوا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔اُس کی زخمی ٹانگ مکمل طور پر ٹھیک تھی۔اُس کا چہرہ دوبارہ نارمل ہو چکا تھا۔اُس کی آنکھوں کی سوجن ختم ہو گئی تھی، اُس کی پیشانی دوبارہ ہموار اور بے عیب ہو چکی تھی۔وہ بالکل ٹھیک تھا۔اُس کا چہرہ واقعی شاندار تھا۔مضبوط چہرا، سیاہ آنکھیں، جو اُس کے بالوں کی طرح سیاہ تھیں۔اُس کے چہرے پر ایک چمک تھی، ایک مضبوطی تھی، اُس میں تھوڑا سا خطرہ بھی محسوس ہوتا تھا۔

ہیلو پاگل لڑکی۔"اُس نے کہا۔"

آئی ایم سوری مجھے ویسے ری ایکٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔"

اوہ۔"داس نے اپنے ہاتھوں کو جیبوں میں ڈال لیا۔"

داس کی ٹی شرٹ اور پھٹی ہوئی سیاہ جینز، اُس کی توجہ کھینچ رہی تھی۔ اُس نے کافی عرصے سے کسی کو اس طرح کے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ حالیہ دنوں میں زیادہ تر آرمی کے یونیفارم یا سادہ کپڑوں میں ہی لوگ نظر آتے تھے۔

میں گھبرا گئی تھی۔ ''اُس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔''

''جانتا ہوں۔''

''معاف کرنا۔ ''

میں نے تمہیں معاف کیا۔ "داس نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بازو سینے پر باندھ '' لیے اور ایک ٹانگ کو دوسری پر رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ تمہارے لیے مشکل ہو گا۔''

''کیا چیز؟''

میرا چہرہ دیکھنا اور یہ سمجھنا کہ میں صحیح تھا، اور تم نے غلط فیصلہ کیا تھا۔ "داس نے'' کندھے اُچکائے۔

"لیکن فکر مت کرو میں یہ سب بھول جاؤں گا۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اپنا ادھورا کام اب مکمل کر دوں۔''

داس نے سر ہلایا۔ ''یہ عجیب ہے کہ کوئی پاگل ہو اور وہ واقعی پاگل نہ ہو۔ ارسل واقعی ''خوش قسمت آدمی ہے۔

کیا تم دونوں فارغ ہو چکے ؟" چشمے والے نے اُن کی باتوں کو کاٹتے ہوئے"
پوچھا۔" مجھے لگا کہ تم کسی کام سے آئے ہو۔"اُس نے داس کی جانب دیکھتے ہوئے
"کہا۔داس دیوار سے اپنا ٹیک چھوڑ کر سیدھا ہوا۔"ہاں، کیسر اس سے ملنا چاہتا ہے۔

داس اور دھان دونوں نے عالیانہ کو دیکھا۔داس نے نظریں چرا لیں مگر دھان اسے دیکھتا رہا۔"داس نے تمہیں اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"اس سر کو جھکاتے ہوئے پوچھا۔"نہیں،اس نے کچھ نہیں بتایا۔اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جانتا ہے جو ایک محفوظ جگہ رکھتا ہے اور وہ ہماری مدد کر سکتا ہے۔"دھان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پھر زور سے ہنسنے لگا۔"تم واقعی عجیب آدمی ہو، داس۔
"تم نے اسے سچ کیوں نہیں بتایا؟

اگر میں سچ بتا دیتا تو وہ کبھی نہ آتی۔"اس نے کندھے اُچکاتے ہوئے جواب دیا۔"

تمہیں کیسے معلوم؟"دخان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔"

وہ مجھے مارنے والی تھی۔"اس نے سنجیدگی سے کہا۔وہ بے چینی سے ان دونوں کو دیکھ" رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ میں ارسل سے ملنا چاہتی ہوں۔"

دھان کا چہرہ سنجیدہ ہوا۔"میرا نام دھان ہے۔ارسل ٹھیک ہے۔تم اس سے ملنا چاہتی ہو لیکن ابھی اس کے لیے وقت نہیں ہے۔"وہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

داس نے دھان کی جانب دیکھا۔اسے بھوک لگی ہو گی۔اسے کچھ کھانے کو دو۔"داس نے ہدایت کرنے والے انداز میں کہا۔

میں تمہارا نوکر نہیں ہوں، داس۔"دھان نے چڑھ کر کہا، لیکن تب تک داس کمرے" سے جا چکا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے اپنے سائز سے بڑی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔داس نے اسے بتایا تھا کہ فی الحال ان کپڑوں سے گزارا کرنا پڑے گا۔"بہت جلد کیسر تمہارے کپڑوں کا بندوبست کر دے گا اور دھان جس لباس کا ذکر کر رہا تھا، وہ ایک خاص سوٹ ہے، صرف اہم مواقع کے لیے مخصوص۔"وہ ان "خاص مواقع" کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی، لیکن خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

تم میری شرٹ خراب کر دو گی۔"عالیانہ نے شرٹ کے آستین کو بے دھیانی سے کھینچا" جب دھان تقریباً چیخ اٹھا۔

"یہ تمہارے کپڑے ہیں؟"

ہاں، اور ہمارے پاس اضافی کپڑے نہیں ہوتے اس لیے احتیاط سے۔"داس نے" جواب دیا۔

کیسر کون ہے؟"اس نے موضوع بدل کر پوچھا۔"

وہ یہاں کے تمام معاملات کا انچارج ہے، اس پوری تحریک کا سربراہ ہے۔" داس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

تحریک؟" وہ بے خد خیر اندیش ہوئی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ دھان" نے آہ بھری۔ "اگر داس نے ابھی تک تمہیں کچھ نہیں بتایا تو بہتر ہے کہ تم کیسر سے "خود سنو۔

"لیکن ارسل کہاں ہے؟"

وہ ٹھیک ہے، ارسل کو ٹھیک ہونے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔" اسے تسلی نہیں" ہوئی، مگر اس نے مزید سوال نہیں کیا۔

وہ ایک زیر زمین شہر سے گزر رہے تھے، ہال ویز اور گزرگاہیں، ہموار پتھر کے فرش، کھردری دیواریں۔ گول ڈسکیں فرش میں نصب تھیں، جو ہر چند قدموں پر مصنوعی روشنی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے وہاں کمپیوٹرز، اور ایسی مشینیں دیکھیں، جنہیں وہ پہچانتی بھی نہیں تھی، اس نے کمرے دیکھے جن کے دروازے تھوڑے کھلے تھے اور وہ تکنیکی آلات سے بھرے ہوئے تھے۔ "اس جگہ کو چلانے کے لیے بجلی کہاں سے لاتے ہو؟" وہ ان مشینوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ جھلملاتی اسکرینیں، اس زیر زمین دنیا کے ڈھانچے میں بنے ہوئے سینکڑوں کمپیوٹرز کی گونج۔ داس نے اس کے بالوں کی ایک بے ترتیب لٹ کو کھینچا۔ وہ بے اختیار مڑی۔

ہم چوری کرتے ہیں۔" وہ مسکرایا اور ایک تنگ راستے کی جانب اشارہ کیا۔ "یہاں سے۔" مختلف عمر اور نسلوں کے لوگ کمروں کے اندر اور باہر آجا رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسے گھور کر دیکھا، جبکہ کچھ اتنے مصروف تھے کہ انہیں دیکھ نہیں پائے۔ کچھ ایسے لباس میں ملبوس ہیں جیسے وہ مرد اور خواتین جو کل رات ان کی گاڑی کے پاس آئے تھے۔ وہ ایک عجیب قسم کا یونیفارم تھا۔ "یہاں سب لوگ ہمیشہ اسی طرح کا لباس پہنتے ہیں؟"

"نہیں، سب نہیں۔ اور نہ ہی ہمیشہ۔"

"اور تم؟"

آج نہیں۔" اس نے ختمی انداز میں کہا، جیسے وہ اس وقت اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔

تم نے ارسل کو کیسے ڈھونڈا؟" اُس نے اس کے پراسرار رویوں کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا اور سیدھا سوال کیا۔

ہاں۔" داس نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "ہم تمہیں بہت سی چیزیں بتانے والے ہیں۔" وہ اچانک ایک غیر متوقع راہداری میں مڑا۔ "لیکن پہلے..." داس ایک لکڑی کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ "کیسر تم سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے ہی تمہیں یہاں بلایا تھا۔"

بلایا تھا...؟" داس نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

ہاں۔" داس کو لمحہ بھر کی بے چینی محسوس ہوئی۔"

"ٹھہرو... کیا مطلب ہے تمہارا...؟"

"میرا مطلب ہے کہ میں اپنی مرضی سے تم دونوں کو یہاں نہیں لایا، کیسر نے تم دونوں کو کہا تھا۔" اُس نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"کل رات ارسل نے تمہیں میرے بارے میں بتایا تھا، تو۔" اس نے مصنوعی گلا صاف کیا۔ "جب ارسل نے مجھے فٹ پاتھ پر سوتے دیکھا تو اس وقت واقعی میرے پاس گھر نہیں تھا۔ یہ جگہ میرا گھر تھا جہاں میں روز روز نہیں آسکتا تھا۔ میں نے کیسر کو ارسل کے بارے میں بتایا، اس نے مجھے ظاہری طور پر وہاں ہی رہنے کا کہا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ آرمی جوائن کی، مگر مجھے واپس آنا پڑا، کیوں کہ کیسر کو میری ضرورت تھی اور اس جگہ کو بھی۔ میں نے ریزائن دیا اور واپس اس کے گھر رہنے لگا۔ مجھے بس ایک پریشانی تھی کہ ارسل مجھ سے ریزائن کی وجہ پوچھے گا تو میں کیا کہوں گا، پر اس نے کبھی نہیں پوچھا۔ شاید اس کی اپنی زندگی نے ہی اسے الجھا رکھا تھا۔" وہ ایک دم اداس نظر آیا۔ "وہ ہمیشہ اپنے آنے سے پہلے بتا دیتا تھا کہ وہ آنے والا ہے، اور میں اس سے پہلے اس کے گھر پہنچ جاتا۔ ایک دو چیزیں بے ترتیب کر دیتا تاکہ اسے شک نہ ہو۔ لیکن اس بار" وہ ذرا سا مسکرایا۔ ایک لمحے کا وقفہ۔ "تم دونوں ہنگامی صورتحال میں آئے۔ مجھے ہمارے خفیہ ذرائع سے علم ہوا کہ شہر میں کرفیو نافذ ہونے والا ہے کیونکہ حیدر کا سپاہی بیس سے ایک لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا۔ اور ہمیں پتہ لگا کہ وہ سپاہی ارسل تھا۔ یقین مانو پہلے تو مجھے یقین

نہ آیا۔ کیونکہ جس ارسل کو میں جانتا ہوں وہ احساسات سے خالی تھا۔ وہ ایک روبوٹ تھا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ کیسے بھاگ سکتا وہ بھی ایسی لڑکی کے ساتھ جسے پورا درستور پاگل لڑکی کہہ رہا تھا۔ میں نے خبر ری چیک کی۔ ہمارے ذرائع جھوٹی خبر نہیں لاتے، تو میں کرفیو لگنے سے پہلے اس گھر پہنچ گیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ وہیں آئے گا کیونکہ وہ گھر اس کا واحد ٹھکانہ تھا۔"

جانے سے پہلے کیسر نے مجھ سے کہا کہ میں تم دونوں کو یہاں لے آؤں۔ اسے تم دونوں سے ملنا ہے۔" اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ بس آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی۔

"جاؤ" داس نے اُسے اندر دھکیلا اور خود بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

یہ خالی جگہ تھی، جس کی سادگی میں وقار تھا۔ فرش اور چھتیں احتیاط سے جڑی ہوئی اینٹوں سے بنی تھیں۔ ہر چیز پرانی اور قدیم محسوس ہو رہی تھی، لیکن کسی طرح جدید ٹیکنالوجی اُس جگہ کو زندہ رکھ رہی تھی۔ مصنوعی روشنی غار نما حدود کو روشن کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ وہاں کیا کر رہی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا توقع کرنی چاہیے۔ اُسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کیسر کس طرح کا انسان ہے، لیکن حیدر کے ساتھ اتنا وقت گزارنے کے بعد، اُس نے زیادہ امیدیں باندھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُسے احساس نہیں ہوا کہ اُس نے سانس لینا بند کر دیا ہے جب تک کہ وہ بولا۔

"امید ہے یہ جگہ آپ کو پسند آئی ہو گی۔ "

وہ میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ بے حسی کا نقاب تھا۔ وہ سادہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ گہرا نیلا رنگ۔ سفید شرٹ۔ کوئی ٹائی نہیں۔ اُس کے چہرے پر کوئی جھریاں نہیں تھیں، لیکن اُس کے بالوں میں چاندی کی لہر تھی اور اُس کی آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ کم از کم سو سال جی چکا ہے۔ وہ شاید اپنے چالیس کی دہائی میں تھا۔ اُس کی آواز، ریشم جیسی نرم اور مضبوط تھی۔ اُس کی آنکھوں میں حقیقی تجسس کی چمک تھی۔ وہ بھول گئی کہ وہ بولنا بھی جانتی ہے۔

داس نے کہا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ "اُس نے صرف اتنا ہی کہا۔"

داس ٹھیک کہہ رہا تھا۔ "اُس نے سانس لیتے ہوئے وقت لیا اور اپنی سیٹ پر جگہ بدلتے ہوئے وقت لیا۔ اُس نے اُس کی آنکھوں کا مطالعہ کرنے، الفاظ چننے، اپنے ہونٹوں پر دو انگلیاں رکھنے میں وقت لیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اُس نے وقت کے تصور کو قابو کر لیا ہے۔ بے صبری شاید اُس کے لغت میں کوئی لفظ نہیں تھا۔ "میں نے آپ کے بارے میں... "کہانیاں سنی ہیں۔" وہ مسکرایا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا وہ سچ ہیں۔

کیا سنا ہے آپ نے؟" وہ مسکرایا، اس کے دانت اتنے سفید تھے جیسے صنوبر کے پہاڑوں" پر برف۔ اس نے اپنے ہاتھ کھولے۔ ایک لمحے کے لیے ان کا جائزہ لیا۔ پھر اس کی طرف دیکھا۔ "تم نے سپیشل فورسز میں پریکٹس کے دوران، لڑتے ہوئے ایک لڑکے کو مار دیا تھا۔" وہ پہاڑ پر چڑھ رہی تھی، اس کے پاؤں بار بار پھسل رہے تھے۔ اسے کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنے کی ضرورت تھی۔

کیا یہ سچ ہے ؟"اس نے پوچھا۔"

افواہیں آپ کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔"اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ کیسر مسکرایا" مگر ہنسا نہیں۔

میں اپنے سوالات کے جوابات چاہتی ہوں۔"اس کی آواز میں بے صبری تھی۔"بہت" وقت گزر چکا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ مجھے جھوٹی تسلی دے دی جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ میں ارسل کی خیریت کو فرض کروں۔ جب تک مجھے ثبوت نہ مل جائے، میں کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہتی۔"اس نے دل کی بات کہہ دی۔"میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میں محفوظ ہوں، اور میں یہ بھی جاننا چاہتی ہوں کہ میرا دوست محفوظ ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ صحت منداور محفوظ ہے۔ میں "تب تک تعاون نہیں کروں گی جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے۔

"آپ کی وفاداری۔ آپ کی دوستی۔ آپ یہاں بہت اچھا کام کریں گی۔"

میرے دوست....."اس نے بات شروع کی، کیسر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔" ""میرے ساتھ چلو۔

وہ جگہ بہت پیچیدہ اور منظم تھی، جتنی وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں بے شمار راستے تھے، تقریباً اتنے ہی کمرے، کچھ بڑے اور کچھ چھوٹے، جو مختلف سرگرمیوں کے لیے مختص تھے۔

یہ ڈائننگ ہال ہے۔"کیسر نے اسے بتایا۔"

"یہ ڈور میٹریز ہیں۔" اس نے مخالف سمت کی طرف اشارہ کیا۔ "

یہاں ٹریننگ کی سہولیات ہیں۔" وہ راہداری کے آخر کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ "

"یہ عام کمرے ہیں۔"

یہ باتھ رومز ہیں۔" اس نے فلور کے دونوں سروں کی طرف اشارہ کیا۔ "

یہ میٹنگ ہالز ہیں۔" وہ ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "

ہر جگہ لوگ مصروف تھے، ہر ایک بندہ کسی مخصوص روٹین میں ڈھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ لوگ انہیں دیکھ کر اوپر دیکھتے، کچھ ہاتھ ہلاتے، کچھ مسکراتے، خوشی محسوس کرتے۔ عالیانہ کو احساس ہوا کہ سب لوگ کیسر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کا لیڈر تھا۔ کیسر جواب میں سر کو معمولی سے جنبش دیتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نرم اور عاجز تھیں۔ اس کی مسکراہٹ مضبوط اور حوصلہ افزا تھی۔

داس کی بات سچ تھی۔ کیسر واقعی اس تحریک کا قائد تھا۔ ان لوگوں کے لیے وہ محض ایک پناہ گاہ نہیں، بلکہ ان کے بقا کی آخری امید تھا۔ اس کے پیچھے ایک بڑا مقصد تھا۔

ایلفا پوائنٹ میں خوش آمدید۔" کیسر نے ایک ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "

ایلفا پوائنٹ؟" عالیانہ نے حیرت سے دہرایا۔ "

یونانی حروف تہجی کا پہلا حرف۔ پہلی ترقی، ایک سلسلے کا پہلا مرحلہ۔" کیسر نے اس کے سامنے رک کر کہا۔ عالیانہ نے پہلی بار اس کے جیکٹ پر سلی ہوئی ایلفا کی علامت کو نوٹ کیا۔

"ہماری تہذیب کی پہلی امید۔ ایلفا پوائنٹ۔"

"..... لیکن کیسے... اتنی کم تعداد میں... آپ کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں"

"ہم کافی عرصے سے تعمیر کر رہے ہیں۔ عالیانہ۔" کیسر نے پہلی بار اس کا نام لیا۔ اس کی آواز مضبوط، ہموار اور مستحکم تھی۔

"ہم منصوبہ بندی کر رہے ہیں، کئی سالوں سے اپنی حکمت عملی بنا رہے ہیں۔ ہمارے انسانی معاشرے کا زوال حیرت کی بات نہیں ہے۔ ہم نے خود یہ سب اپنے اوپر لایا۔"

"یہ سب بہت افسوسناک ہے۔" عالیانہ نے دھیرے سے کہا۔

"میں اتفاق کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرا کام ان دلوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہے جو تمام امید کھو چکے ہیں۔" کیسر نے ایک اور راہداری میں قدم رکھا۔

"میرا کام لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ ہماری دنیا کے حالات کے بارے میں انہوں نے جو کچھ سنا ہے وہ سب ایک جھوٹ ہے۔"

وہ حیران ہوئی۔ "آپ کا کیا مطلب ہے؟ اس نے تقریباً ٹھوکر کھا کر گرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ حالات اتنے برے نہیں ہیں جتنے درستور ہمیں دکھاتا ہے۔"

"لیکن کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"ہمیں بس اتنا ہی ملتا ہے، جتنا وہ ہمیں دینے کی اجازت دیتے ہیں۔""""

"جانور مر رہے ہیں۔"

"چھپائے گئے ہیں۔ خفیہ چراگاہوں میں پل رہے ہیں۔"

".... لیکن ہوا.... موسم... موسم کا حال"

اتنا برا نہیں ہے جتنا وہ ہمیں یقین دلا رہے ہیں۔ یہ شاید ہمارا واحد حقیقی مسئلہ ہے۔ لیکن" یہ زمین کی منفی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے۔ انسانوں کی پیدا کردہ تبدیلیاں جنہیں ہم ابھی بھی ٹھیک کر سکتے ہیں۔" وہ عالیانہ کے سامنے مڑ کر کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں مضبوط تھیں، اس کے الفاظ میں یقین تھا۔

چیزیں بدلنے کا ابھی بھی امکان ہے۔ ہم تمام لوگوں کو تازہ پینے کا پانی فراہم کر سکتے" ہیں۔ ہم یہ یقینی بنا سکتے ہیں کہ فصلوں کو منافع کے لیے منظم نہ کیا جائے، ہم یہ یقینی بنا سکتے ہیں کہ انہیں جینیاتی طور پر تبدیل نہ کیا جائے تاکہ مینوفیکچررز کو فائدہ ہو۔ ہمارے لوگ مر رہے ہیں کیونکہ وہ انہیں کیمیکل اور کھادوں سے اگے پھل سبزیاں کھلا رہے ہیں۔ جانور مر رہے ہیں کیونکہ وہ انہیں فضلہ کھانے پر مجبور کر رہے ہیں، انہیں ان کی گندگی میں رہنے پر مجبور کر رہے ہیں، انہیں اکٹھا کر کے پنجرے میں بند کر رہے ہیں اور

ان پر ظلم کر رہے ہیں۔ پودے مرجھا رہے ہیں کیونکہ وہ زمین میں کیمیکلز ڈال رہے ہیں جو ہماری صحت کے لیے نقصان دہ ہیں۔ لیکن یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنہیں ہم ٹھیک کر سکتے ہیں۔

ہمیں جھوٹ بتایا جاتا ہے کیونکہ اس سب پر یقین کرنا ہمیں کمزور اور بے بس بنا دیتا" ہے۔ ہم اپنے کھانے، صحت، بقا کے لیے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ ہمیں مفلوج کر دیتا ہے۔ ہمارے لوگوں کو بزدل بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے بچوں کو غلام بنایا جا رہا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم اس کے خلاف لڑیں۔" کیسر کی آنکھیں جوش سے چمک رہی تھیں، اس کے مٹھیاں جوش میں بند تھیں۔ اس کے الفاظ طاقتور تھے، یقین کے بوجھ کے ساتھ بھاری، سمجھدار اور بامقصد تھے۔ کوئی شک نہیں کہ اس نے بہت سے لوگوں کو ایسی پرجوش باتوں سے متاثر کیا تھا۔ ایک ایسے مستقبل کی امید جو گم ہوتا جا رہا تھا۔ کم از کم ایک لیڈر کو قائل کرنا آنا چاہیے، اس کا اچھا ہوانا، برا ہونا بعد کی بات ہے۔

آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے نظریات درست ہیں؟ کیا آپ کے" "پاس ثبوت ہے؟

کیسر کے ہاتھ پر سکون ہوئے۔ اس کی آنکھیں خاموش ہو گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک چھوٹی سی مسکراہٹ ابھری۔ "بالکل۔" وہ تقریباً ہنس پڑا۔

اس میں ہنسی کی کیا بات ہے؟" عالیانہ نے الجھ کر پوچھا۔ "

کیسر نے سر ہلایا۔ "میں آپ کے شک سے متاثر ہوا ہوں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں، دراصل، یہ کبھی بھی اچھا خیال نہیں ہوتا کہ آپ محض جو سنتے ہو اس پر یقین کریں۔ "ایک منٹ کا توقف "آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟" اس نے دہرایا۔

یہ ساری تحریک خود ایک ثبوت ہے۔ ہم انہی سچائیوں کے سہارے زندہ ہیں۔ ہم " درستور کے مختلف ذخیرہ شدہ کمپاؤنڈز سے خوراک اور سامان حاصل کرتے ہیں۔" کیسر نے ایک اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "ہم نے ان کے کھیت، مویشی، اور فصلیں دریافت کی ہیں۔ ان کے پاس سینکڑوں ایکڑ زمین پر فصلیں اُگائی جاتی ہیں۔ کسان غلام کی طرح کام کرتے ہیں، موت کے خوف میں جیتے ہیں، اور ان کے خاندان کے افراد کو بھی اسی حالت میں رکھا جاتا ہے۔ باقی معاشرہ یا تو قتل کر دیا جاتا ہے یا پھر "مختلف سیکٹرز میں محدود کر دیا جاتا ہے، تاکہ ان پر کڑی نظر رکھی جا سکے۔

اس کی باتیں سن کر وہ اپنے چہرے کو خالی، ہموار اور غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اُس پر یقین کرنا چاہیے یا نہیں۔ "آپ کو مجھ سے کیا چاہیے؟ آپ کو کیوں پرواہ ہے کہ میں یہاں رہوں؟" کیسر ایک شیشے کی دیوار کے سامنے رُک گیا۔ اُس نے جواب دیے بغیر اندر موجود کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

آپ کا دوست ہماری مدد کی بدولت صحت یاب ہو رہا ہے۔" یہ سن کر وہ فوراً آگے " بڑھی۔ اُس نے شیشے کے پیچھے جھانکا اور ارسل کو روشنی بھرے کمرے میں سوتے ہوئے دیکھا، اُس کا چہرہ پر سکون اور مطمئن تھا۔ یہ یقیناً میڈیکل ونگ تھا۔

غور سے دیکھیں۔" کیسر نے نرمی سے کہا۔"

اس کا جسم اب بھی مشینوں سے منسلک ہیں۔ وہ یہاں چار ٹوٹی ہوئی پسلیوں کے ساتھ" پہنچا تھا۔ اُس کے پھیپھڑے قریب تھے کہ فیل ہو جائیں۔ اُس کی ران میں گولی لگی تھی، گردے زخمی تھے، اور باقی جسم بھی شدید چوٹوں کا شکار تھا۔ زخمی جلد، خون آلود کلائیاں، موچ زدہ ٹخنہ۔ اُس نے اتنا خون کھو دیا تھا کہ عام ہسپتال اسے بچانے میں ناکام رہتے۔ "اُس کا دل جیسے دہل گیا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شیشے کو توڑ کر اندر چلی جائے اور ارسل کو دیکھے۔

ایلفا پوائنٹ پر تقریباً تین سو لوگ ہیں، ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی صلاحیت ہے، کوئی" نشانے میں ماہر ہے، تو کوئی کراٹوں میں۔ کوئی چکما دینے میں ماہر ہے تو کوئی ایک ہی پل میں منصوبے بدلنے میں ماہر ہے۔ کوئی الیکٹرک نظام میں ماہر ہے تو کوئی پورا سسٹم ہیک کرنے میں ماہر ہے۔ مختصراً یہاں ہر کوئی کسی نہ کسی چیز میں ماہر ہے۔ اور نئے لوگوں کے لیے تربیت کا پورا انتظام ہے۔ یہاں لوگ تربیت کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو "ڈھونڈتے، سمجھتے اور صحیح طریقوں سے استعمال کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

میں نے آپ کو یہاں بلایا۔ کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ" آپ کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آپ اکیلی نہیں ہیں۔ "اُس نے دھیرے سے کہا۔

آپ جیسے لوگ ہمارے لیے بے حد قیمتی ہوں گی۔" کیسر نے ہمدردی بھری نظروں" سے اُسے دیکھا۔

وہ بہت نروس محسوس کرنے لگی۔ "آپ کی کیا... صلاحیت ہے ؟" اُس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

کیسر ہنس پڑا۔ "میں ہر چیز میں ماہر ہوں، کیونکہ میں لیڈر ہوں۔ میرے بابا نے آج سے تیس سال پہلے ایلفا پوائنٹ کو ڈیزائن کیا۔ وہ جانتے تھے کہ آنے والے وقتوں میں ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ اور ان کے جانے کے بعد اور درستور کے اقتدار سنبھالنے کے بعد مجھے اپنے بابا کی حکمت عملی سمجھ آئی۔ تب سے میرا مقصد بے بس، ٹوٹے ہوئے دل اور ناامید لوگوں کو امید دینا بن گیا۔ میرا مقصد ان ہارے ہوئے لوگوں کو اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے کا حوصلہ دینا بن گیا۔' وہ حیران رہ گئی۔ "کیا اس تحریک کا کوئی نام ہے ؟"

"میرے لیے ہاں۔ آپ کے لیے نہیں پتہ۔"

"آپ یہاں دوسرے لوگوں سے مل سکتی ہیں، اگر آپ چاہیں۔"

میں... ہاں... میں یہ چاہتی ہوں۔" اچانک، پتھر پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ سُن ہو گئی۔ اُس نے اپنی سانس کو قابو میں لانے کی کوشش کی۔

"ایک آواز آئی۔ "مسٹر کیسر!" کیسر چونکا، رُکا، اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ "اشعل؟

"کوئی خبر ؟ تم نے کچھ دیکھا؟ "

ہم ریڈیو پر کچھ سن رہے ہیں۔ ہمارے کیمرے اس علاقے میں معمول سے زیادہ" ٹینکوں کو گشت کرتے ہوئے دکھا رہے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ وہ قریب تر آ رہے ہیں۔"اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔ وہ اردو جانتا تھا پر اس کا ایکسنٹ برطانوی لگتا تھا۔"تربیت "کیسی جا رہی ہے؟

بہت اچھی۔"اس نے کیسر کے ساتھ کھڑی عالیانہ کو دیکھا۔"

ایک شخص ہے جس سے میں چاہتا ہوں کہ آپ ملیں۔" کیسر نے مختصر سی خاموشی کے" بعد کہا۔

اشعل نے سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی، صرف یہی نہیں، اس کی جلد بھی غیر معمولی طور پر سفید تھی۔ اس کے بال سنہری دکھائی دیتے تھے اور اس کی آنکھیں گہری نیلی تھیں، جیسے وہ شفاف ہوں۔ وہ دکھنے میں عالیانہ کی عمر کا لگتا تھا، لیکن اس سے صحت مند تھا۔

اشعل! یہ عالیانہ ہے، کل ہی یہاں پہنچی ہے۔ میں اسے ایلفا پوائنٹ کے بارے میں بتا" "رہا تھا۔

اشعل نے ایک روشن مسکراہٹ دی۔ اس نے اپنا ہاتھ عالیانہ کی طرف بڑھایا، مگر فوراً ہی پیشانی پر شکن ڈال کر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

اشعل نے پیچھے ہٹ کر شرمندہ سی مسکراہٹ دی۔ عالیانہ کا دل نرم پڑ گیا وہ اپنی مسکراہٹ روک نہیں سکی "یقین کرو ہاتھ ملانے کا رواج ہمارے ہاں بھی ہے۔" کہہ کر اس نے سلام کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"کیا تم سنجیدہ ہو؟"

"بلکل۔"

ٹھیک ہے پھر۔" اشعل نے ہنستے ہوئے کہا اور ہاتھ بڑھا کر اس سے سلام لیا۔ اس کا دل" سکون، قبولیت اور راحت سے بھر گیا۔ شاید وہ اس جگہ پر خود کو محفوظ محسوس کر سکتی تھی۔

تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی، عالیانہ۔ میں دوبارہ تم سے ملوں گا؟" اشعل نے آنکھ" مار کر کہا۔

میرے خیال میں ہاں۔ کیونکہ میں اب سے یہیں رہوں گی۔" عالیانہ نے سر ہلا کر" جواب دیا۔

اشعل نے ایک اور مسکراہٹ دی اور وہ کیسر کی طرف مڑا۔

اگر مجھے کچھ پتا چلا تو میں آپ کو بتا دوں گا۔" کیسر نے اس کے کندھے کو تسلی دینے " والے انداز میں تھپتھپایا ۔

اور اشعل جہاں سے آیا تھا واپس چلا گیا۔ وہ دل میں ایک نئ امید کے ساتھ شیشے کی دیوار کی طرف مڑی، سر ٹھنڈے شیشے سے لگایا اور دعا کی کہ ارسل جلد جاگ جائے۔ "کیا آپ اسے سلام کہنا چاہیں گی؟"

ہمم "اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"

" کیسل نے جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھولا۔ "میڈیکل ونگ لاک کیوں ہے؟

اگر آپ کو پتا ہوتا کہ ارسل کہاں ہے، تو کیا آپ اس دروازے کے پیچھے صبر سے" "انتظار کرتیں؟

اس نے نظریں نیچی کر لیں، کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہی۔

شفا ایک نازک عمل ہے، جسے جذبات سے متاثر نہیں کیا جا سکتا۔ خوش قسمتی سے" ہمارے پاس بہت اچھے معالجین ہیں۔ جو جسمانی اور ذہنی دونوں معذوریوں پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ دونوں پہلوؤں کو حل کرنا ضروری ہے، ورنہ شفا ادھوری اور ناکافی ہو گی۔ "لیکن میرے خیال میں ارسل کا آپ سے ملنا محفوظ ہے۔

اس نے احتیاط سے کمرے میں قدم رکھا۔ چمبیلی کی خوشبو اس کی نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس نے ارد گرد نگاہ دوڑائی لیکن کمرے میں کوئی پھول نہیں ملے۔

کمرے میں بیس یا اس سے زیادہ سادہ بستروں کی ایک لمبی قطار تھی، جن میں سے ایک بستر پر ارسل لیٹا تھا۔ عالیانہ نے ایک اضافی کرسی کھینچی اور خاموشی سے بیٹھ گئ

اور ارسل کے ہاتھ کو نرمی سے تھام لیا۔ محسوس کیا کہ اس کی انگلیاں گرم ہیں۔ وہ تقریباً آنسوؤں میں بہہ گئی۔ "میں باہر ہی ہوں گا۔ ہمارے پاس بات کرنے کے لیے کافی وقت ہو گا۔ آپ یقیناً تھکی ہوئی ہوں گی، ملیسا ارسل کی دیکھ بھال کرے گی۔ دراصل، وہ یہاں آپ کی نئی ساتھی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے سوالات کے جواب دینے میں خوشی محسوس کریں گی۔ "اس نے عالیانہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

آپ کا ہمارے ساتھ ہونا ہمارے لیے اعزاز ہے، مس عالیانہ۔ میں امید کرتا ہوں کہ " آپ ہمارے ساتھ مستقل طور پر شامل ہونے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں گی۔ " عالیانہ نے سر ہلایا، کیسر کمرے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد ارسل کی نیم بند آنکھیں کھل گئیں۔ وہ عالیانہ کو ایسے دیکھ رہے تھا جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو کہ وہ واقعی اس کے سامنے موجود ہے یا نہیں۔

ارسل! تم ٹھیک ہو؟" عالیانہ نے خود کو پرسکون رکھتے ہوئے پوچھا۔"

ایسے اٹھ کر سب سے پہلے تمہیں دیکھوں گا تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گا۔""
ارسل تھکی ہوئی مسکراہٹ سے ساتھ بولا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

اب ٹھیک ہوں۔" ارسل کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔"

اسی وقت کمرے میں ایک لڑکی داخل ہوئی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں، وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے لمبے بھورے بال سیدھے اور گھنے تھے، جو اونچی پونی ٹیل میں بندھے

ہوئے تھے۔ "میں میلیسا ہوں" اس نے آگے بڑھ کر بتایا۔ "ارسل کی ڈاکٹر، "تمہاری روم میٹ۔ شاید فیوچر میں ہم اچھے دوست بن جائیں۔

میں عالیانہ ہوں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ "اس نے مسکرانا ضروری سمجھا۔ پچھلے" کچھ گھنٹوں میں وہ پچھلے سالوں سے زیادہ مسکرائی تھی۔ ہنسی زندہ لوگوں کو آتی ہے، اس نے برسوں سے خود کو زندہ تسلیم نہیں کیا تھا پر اب وہ خود کو زندہ محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے بھی آپ سے مل بہت کر خوشی ہوئی۔"

ارسل تقریباً فارغ ہو چکا ہے، جیسے ہی نشہ آور دوا ختم ہو جائے گی، وہ باہر جانے کے" "لیے تیار ہو گا۔

اوہ.... یہ تو بہت اچھا ہے.... بہت شکریہ!" عالیانہ نے کہا، اور پھر دوبارہ ارسل کی" طرف دیکھا۔

اتنے میں دروازے سے ایک بچہ دوڑتا ہوا میلیسا کے پاس آیا۔ تقریبا بارہ سال کا تھا۔

آپ ادھر کیا کر رہے ہو۔ "میلیسا نے کہا پر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا وہ عالیانہ کو دیکھ" رہا تھا اور عالیانہ اسے۔

یہاں بچے بھی ہیں؟" اس نے سر ہلایا۔ میلیسا نے اسے عالیانہ کی طرف بڑھتے" دیکھا۔

معاذ عالیانہ کے پاس گیا۔ "میں اپنے دوستوں سے ناراض ہوں، کیا تم میری دوست بنو گی۔" اس نے اچانک پیشکش کر دی۔ اس کی آنکھوں میں نا جانے کیوں آنسو آ گئے۔ ایک ساتھ بہت سی یادیں آئی اور اسے اپنے ساتھ بہالے گئیں۔ حیدر۔ حیدر کا ٹارچر چیمبر۔ اس کی ہر یاد میں حیدر ہوتا۔ لاشعوری طور پر وہ اسے یاد کر رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔ ایلفا پوائنٹ پر آنے سے پہلے وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے زندہ رہنے کی دعائیں کرتی رہی۔

ضرور۔" عالیانہ نے نم آنکھوں سے اس کی گال کو چھوا، اور جھک کر اسکی گال پر بوسہ " دیا۔

میرا نام معاذ ہے۔ اور میں تمہارا نام جانتا ہوں، میں نے تمہیں کیسر کے ساتھ دیکھا" تھا، اس نے تمہیں تمہارے نام سے پکارا تو میں جان گیا۔" پھر اس نے میلیسا کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ "ایسے تو مت گھورو۔ میں واپس ہی جا رہا تھا۔" اس کی آواز میں معصومیت تھی، ہلکی سی توتلاہٹ بھی۔ وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی واپس چلا گیا۔

اس کے ماں باپ درستور کے خلاف لڑتے شہید ہو گئے، تب سے یہ یہیں رہتا۔" اس" کے جاتے ہی میلیسا نے اسے بتایا۔ یہ سن کر نا جانے کیوں عالیانہ کا دل بیٹھا سا گیا۔" یہاں اور بھی بچے رہتے ہیں؟" میلیسا نے ہاں میں سر ہلایا۔

••••••☆☆☆••••••

ملیک واحد شخص تھا جس نے کبھی اس سے نفرت نہیں کی۔ اسے اس کے عہدے کے زوال یا اقتدار کے خاتمے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اسے محسوس کرتا تھا، مگر مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتا تھا۔ شاید وہ اس عمارت میں واحد انسان تھا جو خوش تھا کہ وہ زندہ ہے۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلا، تو فوجی فوراً حرکت میں آئے، لیکن اس نے ایک اشارے سے انہیں روک دیا۔ ماتھے پر جمع پسینے کی ہلکی چمک صاف کرتے ہوئے، اس کے ہاتھ کی انگلیاں ہلکی سی لرز رہی تھیں۔ انہیں قابو میں رکھنے کے لیے بے حد توجہ اور ضبط کی ضرورت تھی۔ تاہم، اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے بھی کمزوری یا خوف کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی۔ وہاں موجود لوگ اس کی حفاظت کے لیے فکرمند نہیں تھے۔ ان کا مقصد کچھ اور تھا، وہ اسے قریب سے دیکھنا چاہتے تھے، اس کے بکھرتے ہوئے ذہن کی دراڑوں کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ ان کی نظروں سے اپنی حالت کا تجزیہ کروانا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا کام قیادت کرنا تھا، اور وہ اپنی کمزوریوں کو کبھی منظر عام پر نہیں لاتا تھا۔ اسے گولی لگی تھی، زخم مہلک نہیں تھا، لیکن چند چیزیں ایسی تھیں جنہیں سنبھالنا ضروری تھا۔ یہ زخم وقت کے ساتھ بھلا دیا جائے گا۔ لیکن زخم دینے والا ہمیشہ یاد رہے گا۔

جب وہ ایل روم کی جانب بڑھا، اس کی انگلیاں بے اختیار سکڑتیں اور کھلتیں رہیں۔ اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ راہداری کبھی اتنی لمبی محسوس ہو گی۔ اور نہ ہی یہ تصور کیا تھا کہ ہالز میں اتنے زیادہ فوجی کھڑے ہوں گے۔ ان کی تجسس بھری نظریں اور مایوسی کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔ اسے ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، ان کے خیالات

وہ جانتا تھا۔ لیکن یہ جان کر کہ وہ کیا چاہتے ہیں، وہ مزید پختہ ارادے کے ساتھ جینے کا عزم کرتا تھا۔ میں کسی کو اپنی موت سے تسلی نہیں دوں گا۔ اس نے دل میں سوچا۔

نہیں۔" چائے اور کافی کی پیشکش چوتھی بار ٹھکراتے ہوئے اُس نے کہا۔ "میں کیفین" نہیں پیتا، ملیک۔ تم کیوں ہمیشہ اصرار کرتے ہو کہ یہ میرے کھانے کے ساتھ پیش کی "جائے؟

"میں ہمیشہ امید کرتا ہوں کہ آپ اپنا فیصلہ بدل لیں گے، سر۔"

حیدر نے آہستہ سے نظر اٹھائی اور ملیک کو دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا، جیسے مزاح کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کیوں؟" اُس نے بریڈ کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔"

"کیونکہ یہ انسان کو چست کر دیتی ہے۔"

صرف بے وقوف ہی دن بھر جاگنے کے لیے کسی پھلی یا پتّے کی توانائی پر انحصار کریں" گے۔" وہ دونوں کہنیاں میز پر جما کر صرف ایک لمحے کے لیے اس کی جانب متوجہ ہوا، پھر سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگا۔ ملیک اب مسکرا نہیں رہا تھا۔

جی بلکل، سر۔" حیدر نے کنکھیوں سے دیکھا ملیک کی انگلیاں کافی کے کپ کو دھکیل" رہی ہیں۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا بریڈ کا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا۔ "میری رائے... تمہاری رائے کو اتنی آسانی سے توڑنی کے قابل نہیں ہونی چاہیے۔ اپنے عقائد پر قائم رہو۔ واضح اور منطقی دلائل بناؤ، چاہے میں اختلاف رکھوں۔"

جی سر!" اس نے آہستہ سے کہا اور چند لمحوں کے لیے خاموش رہا۔ حیدر نے دیکھا کہ "ملیک دوبارہ کافی اپنی طرف بڑھا رہا تھا۔

شاید وہ واحد شخص تھا جس سے وہ دل کی بات کر سکتا تھا۔ ملیک کو اس سیکٹر میں تعین کرنے کا حکم اس کے والد نے دیا تھا، اور اسے یہیں حیدر کے ساتھ رہنے کا کہا گیا تھا۔ اگرچہ ملیک عمر میں اس سے صرف چند سال بڑا تھا، اس کا رویہ ہمیشہ ایسا تھا جیسے وہ اس سے دس سال بڑا ہو۔ اس کے باوجود، ملیک ہمیشہ حیدر کے ماتحت رہنے پر اصرار کرتا۔ حیدر بچپن سے ملیک کو جانتا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ اکثر ملیک کو اپنے گھر کے ارد گرد دیکھتا تھا۔ وہ ان میٹنگز میں شامل ہوتا تھا جو اُس وقت ہوتی تھیں جب درستور نے ابھی اقتدار نہیں سنبھالا تھا۔ ان کے گھر میں میٹنگز کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا تھا۔ اُس کے والد ہمیشہ کچھ نہ کچھ منصوبہ بندی، بحثیں اور سرگوشیوں میں بات چیت کرتے رہتے، جن میں حیدر کو شامل ہونے کی اجازت کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ لوگ، جو ان میٹنگز کا حصہ تھے، اب درستور کی حکومت چلا رہے تھے۔

جب وہ ملیک کو دیکھتا، تو اکثر سوچتا کہ اس نے کبھی زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ وہ ابتدا سے اس نظام کا حصہ تھا، لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنی موجودہ حیثیت میں

ہی مطمئن ہے اور اسی حالت میں مرنے کے لیے تیار بھی۔ ملیک ہمیشہ تابعدار رہنا پسند کرتا تھا۔ حیدر نے کئی بار اسے بولنے کا موقع دیا، یہاں تک کہ ترقی کی پیشکش بھی کی، لیکن وہ ہر بار انکار کر دیتا۔ ملیک کی بے لوث وفاداری کی حیدر قدر کرتا تھا، لیکن اس کی حد سے زیادہ اطاعت اسے بے چینی میں مبتلا کر دیتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ملیک اپنی زندگی میں مزید کچھ پانے کی خواہش نہیں رکھتا تھا، اور یہ رویہ حیدر کے لیے ناقابلِ فہم تھا اسے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن پھر بھی، وہ بھروسہ کرتا تھا۔

ساتھیانہ گفتگو کی کمی کے باعث وہ اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ صرف سرد اور پیشہ ورانہ تعلق قائم رکھتا تھا۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ سب اس کی موت کے خواہش مند تھے، بلکہ اس لیے بھی کہ رہنما ہونے کے ناطے، غیر جانبدار فیصلے کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ اس نے خود کو تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا، ایسی زندگی جس میں نہ کوئی ساتھی تھا اور نہ کوئی ہمراز، جس کے ساتھ وہ اپنے ذہن کے بھاری بوجھ بانٹ سکتا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک سخت اور خوف زدہ لیڈر بنانے کی کوشش کی تھی، اور وہ اس میں کامیاب بھی رہا۔ اب کوئی اس کی اتھارٹی پر سوال نہیں اٹھاتا تھا، نہ کوئی متضاد رائے دیتا تھا۔ ہر کوئی اسے چیف کمانڈر کے بیٹے اور سیکٹر فائیو کے ریجنٹ کے طور پر دیکھتا تھا۔ دوستی کا تجربہ اسے کبھی نہیں ہوا تھا، نہ بچپن میں، اور نہ ہی اب۔

لیکن ایک ماہ پہلے، اس کی زندگی میں ایک تبدیلی آئی تھی۔ ایک ایسا شخص اس کی زندگی میں آیا، جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔ ایک ایسا شخص جس نے اس

کے سامنے بغیر کسی خوف کے بے جھجک بات کی، جس نے کبھی اس کے سامنے غصہ اور سچے احساسات کا اظہار کرنے سے خوف محسوس نہیں کیا، وہ واحد تھی جس نے کبھی اس کی مخالفت کی جرات کی تھی، اور اس کی آواز پر آواز اٹھائی۔

یادیں۔ تکلیف دہ یادیں۔ خوشگوار، لیکن دل کو چیر دینے والی یادیں۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ یہ پانچویں بار تھا جب اس نے ایسے آنکھیں مینچ کے ان یادوں کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس کا بازو دوبارہ درد سے کپکپانے لگا، اس نے بے اختیار جیب میں رکھی گولیوں کی جانب ہاتھ بڑھائے۔

آپ کو چوبیس گھنٹوں کے دوران چھ سے زیادہ نہیں لینی چاہیے، سر۔" اس نے ملیک کی بات کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے کیپ کھولا اور تین گولیاں منہ میں ڈال کر پانی کے بغیر چبا دیں۔ وہ واقعی چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ کانپنا بند کر دے۔

ارسل ابراہیم کے بارے میں کوئی خبر ملی۔" کھانے کے معاونین اس کے کہنے پر کمرے سے چلے گئے۔ وہ کرسی پر پیچھے کو ہو کر بیٹھا اور سامنے دیوار کو دیکھنے لگا۔ سوال نے ملیک کو بے چینی میں ڈال دیا۔ وہ کپ کے کناروں کو چھونے لگا۔

کپ کو چھوڑ دو۔" حیدر نے اسے دیکھے بغیر کہا، اس نے بے اختیار ہاتھ پیچھے کھینچا۔"

میں... سر وہ... معذرت، سر۔" اس کی ٹانگیں مسلسل بے چینی سے حرکت کر رہی" تھیں۔

رک جاؤ۔" حیدر نے حکمانہ انداز میں کیا، اس کی حرکت کرتی ٹانگیں یک دم رکیں۔"

ہمم،اب بات کرو۔"اس نے دیکھاملیک ہچکچارہاہے۔"ابھی تک کوئی خبر نہیں ملی" ۔گاڑی ایک گنجان آباد علاقے سے ملی ہے۔گاڑی کے ٹریکس بھی وہیں ختم ہو گئے۔گاڑی خراب بھی نہیں تھی جسے وہ یوں میدان میں چھوڑ گئے۔"ایک لمحے کا توقف۔"علاقہ گنجان آباد ہے، شہریوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس جگہ پر خطرناک جانور دیکھے ہیں جو انسان کو آسانی سے مار سکتے ہیں۔تو سر۔ان میں سے ایک زخمی تھا۔تو میرا مطلب ہمیں لگتا ہے کہ وہ مر چکے ہیں۔ورنہ وہ ہمیں ضرور...."وہ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ایک پل کے لیے وہ سانس نہیں لے سکا۔"کیا مطلب تمہارا۔مر گئے؟"ایک دم سے اٹھنے کی وجہ سے اس کے پٹھے میں کھچاؤ پڑا اور اس کا سر چکرانے لگا،اس نے سہارا لینے کے لیے میز کے کنارے کو پکڑا۔

"ٹرانسپورٹ کے لیے فون کرو میں تم سے دس منٹ میں چوک میں ملوں گا۔"

لیکن سر آپ کا بازو...."لیکن وہ پہلے ہی دروازے سے باہر تھا۔"

••••••☆☆☆••••••

"....ایک سپاہی فوجی سوٹ میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔"سر عالیانہ کا کمرہ میں خود دیکھ لوں گا۔"اس نے فوراً اس کی بات کاٹی۔"

اسے بار بار یاد دلایا جاتا تھا کہ وہ اب اس کے ساتھ نہیں ہے۔وہ اب بیس میں نہیں رہتی۔

وہ جانتا تھا یہ سب اس کی اپنی غلطی ہے۔ وہ خود کو یقین دلانے لگا تھا کہ وہ بہتر ہو رہی ہے۔ اس نے سوچا تھا کہ اس کی رائے نے اس کے خیالات پر اثر ڈالا ہے۔ اسے زیادہ محتاط رہنا چاہیے تھا، اپنے سپاہیوں پر نظر رکھنی چاہیے تھی۔ لیکن وہ لاپرواہ ہو گیا تھا، وہ اپنے مقصد اور بڑے ہدف سے غافل ہو گیا۔ وہ تمام وجوہات، جن کے تحت اس نے اسے بیس پر رکھا تھا، وہ ان کو بھول گیا تھا۔

شروع میں وہ ضدی اور جذباتی تھی، لیکن وقت کے ساتھ وہ پر سکون اور مطمئن ہونے لگی تھی۔ اس کی بے چینی کم ہو گئی تھی، اور یہ تبدیلی حیدر کے لیے ایک طرح سے تسلی تھی، وہ اس کی اس تبدیلی کو خود سے منسوب کرتا رہا جو اس کی غلط فہمی تھی۔ یہ سب ارسل کی وجہ سے تھا، نہ کہ اس کی۔

یہ خیال اس کے لیے ناقابل حد تک تکلیف دہ تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر ارسل جیسے بے حس اور مشینی انسان کے ساتھ جا سکتی ہے۔ ارسل کی سوچ کھوکھلی اور بے معنی تھی۔ حیدر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس نے ارسل میں کیا دیکھا یا اس میں اسے کیا ملا۔ شاید وہ اسے صرف ایک فرار کے راستے کے طور پر دیکھتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اب تک یہ نہیں سمجھ پائی کہ عام دنیا میں اس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کبھی اسے نہیں سمجھ سکیں گے۔ لیکن حیدر کا ارادہ مضبوط تھا۔ وہ اسے واپس لانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

پورے سیکٹر کے فوجی اسے تلاش کر رہے ہیں، اور ہم نے پڑوسی سیکٹروں کو بھی اطلاع" دے دی ہے، تاکہ اگر وہ وہاں پناہ لینے کی کوشش کریں بھی تو..." ملیک نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

حیدر نے اس کی بات کاٹ دی، اس کی آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہوئی۔ "کیا؟" اس کی "آواز میں سختی تھی۔ "تم نے کیا کہا؟

ملیک کا چہرہ زرد پڑ گیا، گویا اس نے کچھ ایسا کہہ دیا تھا جس سے وہ بچنا چاہ رہا تھا۔

میں صرف ایک رات کے لیے بے ہوش تھا! اور تم نے دوسرے سیکٹرز کو اطلاع" دے دی؟" حیدر کی آواز میں ضبط کے باوجود غصے کی جھلک تھی۔

اس نے ایک لمحہ لیا، سانس لینے کے لیے، اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے۔

مجھے معاف کر دیں، سر! میں نے سوچا کہ یہ سب آپ کیلئے مددگار ہوگا۔" ملیک نے" جلدی سے وضاحت دینے کی کوشش کی۔ "اور اگر وہ دوسری جگہ پناہ لینے کی کوشش کریں..." حیدر نے ضبط سے گہری سانس لی۔ خود کو سنبھالا، لیکن اس کے لہجے کی سختی کم نہ ہوئی۔

وہ میرے سپاہی کے ساتھ ہیں، لیفٹیننٹ۔ وہ اتنا احمق نہیں ہے کہ اسے دوسرے سیکٹر" لے جائے۔ ان کے پاس سیکٹر لائن عبور کرنے کے لیے نہ اجازت نامہ ہے، اور نہ "وسائل۔

لیکن..."ملیک نے کچھ کہنا چاہا۔"

وہ ایک دن سے غائب ہیں۔ وہ زخمی ہیں، انہیں مدد کی ضرورت ہے۔ وہ پیدل سفر کر" رہے ہیں، تمہارے خیال میں وہ کتنی دور جا سکتے ہیں؟" حیدر کا لہجہ اور زیادہ سخت ہو گیا۔

تم کیا سوچتے ہو، ملیک؟" اس کی آواز دھیمی لیکن خطرناک حد تک تلخ تھی۔"

ملیک ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔ "سر، مجھے معاف کر دیں۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے معافی مانگی۔

کل صبح دس بجے کواڈرینٹ میں فوج کو جمع کرو۔ مجھے حالیہ واقعات اور آئندہ اقدامات" "کے بارے میں اعلان کرنا ہے۔

جی، سر۔" ملیک نے جواب دیا، اس کی نظریں زمین پر تھیں۔ وہ حیدر کی طرف دیکھنے" کی ہمت نہیں کر پایا۔

ملیک کی اس حماقت سے ہٹ کر، حیدر کے سامنے بے شمار مسائل تھے جو فوری توجہ کے متقاضی تھے۔ وہ مزید پریشانیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ اپنی وجہ سے، نہ ملیک کی وجہ سے، اور نہ ہی کسی اور کی وجہ سے۔ اسے اپنی توجہ مرکوز رکھنی تھی کیونکہ یہ وقت زخمی ہونے کے لیے بالکل نامناسب تھا۔

اس صورتحال کی خبریں پہلے ہی قومی سطح پر پہنچ چکی تھیں۔ جلد از جلد افواہوں کو دبانے کی ضرورت تھی۔ شہری اور پڑوسی سیکٹر اس چھوٹی سی بغاوت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ملیک کی جانب سے بھیجی گئی اطلاعات کو کسی طرح روکنا لازمی تھا۔ عوام میں موجود بغاوت کی امید کو ختم کرنا ضروری تھا۔

شہری پہلے ہی مزاحمت کے لیے پرجوش تھے، کسی بھی قسم کی مخالفت ان کے جذبات کو مزید بھڑکا سکتی تھی۔ بہت سے لوگ اپنی جانیں گنوا چکے تھے، اوہ اب تک یہ نہیں سمجھتے تھے کہ درستور کے خلاف کھڑے ہونا مزید تباہی کے مترادف ہے۔ شہریوں کو پرسکون کرنا ضروری تھا۔ وہ اپنے سیکٹر میں جنگ نہیں چاہتا تھا۔ وہ اب تک یہ نہیں سمجھ پائے تھے کہ درستور کے خلاف کھڑے ہونے کا مطلب مزید تباہی ہے۔ شہریوں کو پرسکون کرنا ضروری ہے۔ وہ اپنے سیکٹر میں جنگ نہیں چاہتا تھا۔ اسے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی تھیں، لیکن اس کا دماغ منتشر اور جسم تھکا ہوا تھا۔ وہ سارا دن گرنے کے قریب رہا تھا، اور اب اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ اسے صورتحال کا کوئی حل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ کمزوری اس کے لیے اجنبی تھی۔ صرف دو دنوں میں، ایک لڑکی نے اسے مفلوج کر دیا تھا۔

اس نے مزید گولیاں کھالی تھیں، پھر بھی صبح کے مقابلے میں زیادہ کمزور محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگا کہ وہ زخمی کندھے کے درد اور مسلسل پریشانی کو نظرانداز کر لے گا، لیکن پیچیدگیاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

میں باقی دن اپنے دفتر میں رہوں گا۔ میرا کھانا وہیں بھیج دینا، اور مجھے اس وقت تک "پریشان نہ کیا جائے جب تک کوئی نئی پیشرفت نہ ہو۔"

جی، سر۔" ملیک نے مختصر جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔"

جیسے ہی دروازہ بند ہوا، حیدر نے اپنی بیماری کی شدت کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی، لیکن اس کا جسم جواب دے گیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے بستر کی جانب بڑھا اور گرنے سے بچنے کے لیے بیڈ فریم کو پکڑ لیا۔ پسینہ ایک بار پھر اس کے جسم پر بہہ رہا تھا، اسے سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے کندھوں پر پہنا اضافی کوٹ کھینچ کر اتار دیا، اور پھر بستر پر پیچھے کی طرف گر گیا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں، ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ گھٹن دور کرنے کے لیے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ٹائی کھینچ کر اتاری۔ آنکھوں کے سامنے بار بار دھند چھا رہی تھی۔ تکلیف کے باعث سانس لینے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی، بمشکل اونچے سانس لیتے ہوئے اس کا ہاتھ میڈیکل کال بٹن تک پہنچ پایا۔ وہ اسے دبانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک کسی کا سایہ اس کے اوپر آیا۔ اس نے کئی بار پلکیں جھپکائیں، لیکن سامنے والے کی شکل کا صرف ایک دھندلا سا خاکہ ہی دیکھ سکا۔ ایک لمحے کے لیے کوئی چہرہ نظر آیا، سنہری بالوں اور سیاہ آنکھوں والی لڑکی، اس نے پلکیں جھپکا کر آنکھوں کی دھند ختم کرنے کی کوشش کی مگر پھر وہ خاکہ غائب ہو گیا۔ آخر کار، اس نے ہار مان لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ درد اس کی ہڈیوں سے ہوتا ہوا گردن تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کوئی کمرے کا

دروازہ کھول کر اندر آرہا ہے۔ سب کچھ سلو موشن میں ہو رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ سرخ، پیلا، اور نیلا رنگ اس کی پلکوں کے پیچھے دھندلا رہا تھا۔ وہ آس پاس ہونے والی گفتگو کے صرف کچھ حصے سن سکا۔

"بخار بڑھ رہا ہے۔"

"شاید زخم کو سنبھالنا مشکل ہو۔"

"اس نے کتنی گولیاں کھائی ہیں؟"

اس کے دماغ میں ایک ہی خیال گونج رہا تھا۔

آس پاس کی آوازوں کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے اس کے حلق سے ایک بے ساختہ آہ نکلی۔ کوئی سخت چیز اس کی مٹھی سے ٹکرائی اور فرش پر گر گئی۔ کسی نے اس کے بائیں بازو کو مضبوطی سے پکڑا تھا۔ کوئی نوکیلی چیز اس کی رگوں میں اتاری جا رہی تھی۔ اس کے زخمی کندھے میں درد لوٹ آیا تھا۔ شاید دوبارہ سرجری کی ضرورت تھی۔ اندھیرے کی دبیز سیاہی نے اس کی آنکھوں، کانوں، اور گلے کو جکڑ لیا تھا۔ اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ نہ سن سکتا تھا، نہ دیکھ سکتا تھا، اور نہ سمجھ سکتا تھا۔ پھر، کوئی تیز اور ٹھنڈی چیز م اس کے بازو کو چبھائی گئی۔ اسے درد کا احساس کرنے کا صرف ایک لمحہ ملا، اس سے پہلے کہ وہ اس پر حاوی ہو جائے۔

••••••☆☆☆••••••

وہ نیم غنودگی میں بستر پر لیٹا تھا، جب ایک سرگوشی اس کی سماعت میں گونجی۔ "حیدر؟" کسی نے اسے پکارا۔

اس وقت صبح کے ابتدائی لمحات تھے، سورج ابھی نہیں نکلا تھا، وہ اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ اس کے سر میں اتنا درد تھا کہ وہ سر کو ہلا بھی نہیں پا رہا تھا، لیکن آس آواز کو نظرانداز کرنا مشکل تھا تو اس نے نظریں موڑ کر آواز کی سمت دیکھا۔ اور وہ سانس نہیں لے سکا۔

عالیانہ، چوکھٹ پر وہ کھڑی تھی، اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ یہاں تک کیسے پہنچی؟ اس کے ذاتی کمرے تک؟ کسی کو اسے روکنا چاہیے تھا، مگر وہ وہاں کھڑی تھی۔

تم! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ کمزور آواز میں بولا۔"

وہ اس کو کئی بار دیکھ چکا تھا، لیکن اس وقت، اسے دیکھنا اس کے دل میں عجیب سی تکلیف پیدا کر رہا تھا۔ پھر بھی، اس کے واپس نہ جانے کی خواہش رکھ رہا تھا۔ "مجھے بہت افسوس ہے۔" عالیانہ نے اپنے ہاتھوں کو مٹھیوں میں مروڑتے ہوئے نظریں جھکا لیں۔

مجھے بہت، بہت افسوس ہے۔" اس کی نظر اس کے لباس پر نظر پڑی تو وہ حیران رہ" گیا۔ یہ وہی لباس تھا جو اس نے خود عالیانہ کے لیے منتخب کیا تھا۔ گہری سیاہ رنگ کی سادہ فراک جس کے فنڈ آستین تھے۔ وہ یہ لباس بہت خوبصورتی سے پہنے ہوئے تھی۔ اس نے اس کے لیے ہر لباس خود منتخب کیا تھا۔ اس امید میں کہ شاید وہ کچھ اچھا پہننا پسند کرے۔ اور اسے اس لباس میں دیکھ کر وہ فخر کی ایک عجیب سی حس محسوس کر رہا تھا۔

مجھے بہت افسوس ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ "عالیانہ نے تیسری بار کہا۔ وہ اب بھی" حیران تھا کہ وہ اس کے بیڈ روم میں کیسے آئی ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، جو بالکل فطری نہیں تھا۔ اس نے خود پر قابو پایا ہوا تھا، لیکن اس کی موجودگی میں کچھ غلط تھا۔ وہ ہل تک نہ سکا لیکن پھر بھی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ آہستہ سے چلتی ہوئی اس تک آئی اور جھک کر اس کے کندھے کے زخم کو چھوا، اس کا جسم درد سے تڑپ اٹھا۔ پیشانی پسینے سے بھر گئی، سانس رکنے لگا۔ عالیانہ کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھنا اسے قصوروار محسوس کرا رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے اس کے کندھے کو پکڑا، اور اگلے ہی پل اس کے کندھے کو درد کے ساتھ مروڑ دیا۔ وہ چیخ اٹھا اور درد سے تڑپتے ہوئے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ اس کی گرفت اس کے بازو پر مضبوط ہوتی گئی، اور اس کے کندھے کا درد بڑھتا چلا گیا۔ "عالیانہ!" وہ درد سے گلے میں آئی آہ کو لب بھینچ کر روکتے ہوئے بمشکل بولا۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"تم کیا کر رہی ہو۔"

کیا تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی" اس کے کندھے کے زخم والے حصے پر تھا۔

ہاں۔" اکھڑتے سانس سے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں، میں اب بھی تم محبت" "کرتا ہوں۔

اس کے لبوں پر ایک میٹھی مسکراہٹ پھیلی، اس کے بازو پر اس کی گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔ وہ درد سے تڑپنے لگا، پیشانی کی رگیں ابھر گئیں، چہرہ پسینے سے بھر گیا۔

"تھوڑی دیر میں، میں واپس چلی جاؤں گی۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اس کا کندھا چھوڑ دیا۔ وہ ایک دم فکر مند نظر آئی۔

"نہیں... نہیں، مت... جاؤ.... کہیں مت جاؤ۔ دوبارہ مت جاؤ۔"

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے، میں وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"نہیں!" اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑاتے ہوئے اٹھ بیٹھا، سانس بے ترتیب اور سینہ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کمرے کا اندھیرا اسے چاروں طرف سے جکڑے ہوئے تھا۔ اس کا زخمی کندھا بے حد درد کر رہا تھا۔ اس نے پسینے سے بھرپور چہرا موڑ کر کپکپاتے ہاتھوں سے سائیڈ ٹیبل سے انجیکشن اٹھایا اور تیز سانس لیتے ہوئے بائیں بازو میں لگا دیا۔ کچھ دیر گہری سانسیں لیے دوا کو اثر ہونے میں چند لمحے لگے۔ وہ دھیرے دھیرے پرسکون ہونے لگا، لیکن عالیانہ کا نام اس کی ذہین میں تھا۔

"عالیانہ..." اس نے زخمی دل سے پکارا۔ وہ خوابوں کو قابو نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جاگنے کے لمحوں میں عالیانہ کا نام وہ واحد حقیقت تھی جسے وہ دل میں جگہ دیتا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

"کتنے فسوس کی بات ہے، میرا بیٹا ایسے بستر پر لیٹا ہے۔"

اسے یقین تھا کہ وہ ایک اور خواب دیکھ رہا ہے۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور چھت کی جانب دیکھا۔ حرکت کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ اس کا زخمی بازو اس کے سینے پر پٹی سے بندھا ہوا تھا، اور کندھے کا درد، جو پہلے ناقابل برداشت تھا، اب ہلکی سی سنسناہٹ میں بدل چکا تھا۔ مگر درد موجود تھا، جیسے ایک مستقل یاد دہانی۔ اس نے اپنے جسم میں ایک واضح تبدیلی محسوس کی۔ اس کا دماغ اب زیادہ ہوشیار تھا، اور اس کی حالت قدرے بہتر لگ رہی تھی۔ مگر ایک ناخوشگوار کھٹا ذائقہ اس کے منہ میں تھا، جو اسے یاد دلاتا تھا کہ وہ کب سے اس بستر پر پڑا ہوا ہے۔

کیا تم نے واقعی سوچا تھا کہ میں کچھ نہیں جان پاؤں گا؟" ایک مانوس آواز اس کی سماعت" سے ٹکرائی۔ اس نے نظر گھمائی تو اسے وہ چہرہ دکھائی دیا جو اس کے لیے ہمیشہ خوف اور احترام کا امتزاج رکھتا تھا۔ وہ شخص بستر کے قریب آ رہا تھا، اس کے قدموں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

تم نے ملیک پر ناراضگی دکھائی کہ اس نے دوسرے سیکٹرز کو خبر بھیجی۔ تم نے سوچا کہ " یہ بات مجھ تک نہیں پہنچے گی؟" وہ مزے لیتے ہوئے گویا ہوا۔ "سچ کہوں تو، تمہاری یہ کوشش مضحکہ خیز تھی۔ یہ گندگی ایسی نہیں جسے چھپایا جا سکے۔ تم واقعی بہت بیوقوف ہو "اگر تم ایسا سوچتے ہو۔

اس نے کنکھیوں سے اپنے زخمی کندھے کو دیکھا۔ اس کی نظریں سخت تھیں، لیکن پیشانی پر پسینے کے قطرے اس کی تھکن کا پتا دے رہے تھے۔

وہ بیٹھنے کی کوشش میں کہنیوں کے بل اٹھا، مگر ناکام رہا۔ اس کی حالت اب بھی اتنی کمزور تھی کہ وہ بمشکل ہل سکتا تھا۔

لیٹے رہو، بیٹے۔ "آواز میں جھنجھلاہٹ اور نرمی کا عجیب امتزاج تھا۔ "تم بہت بے وقوف تھے کہ جب تمہیں آرام کرنا چاہیے تھا، تم نے نہیں کیا، اور اب تم ادھر پڑے ہو ۔ تین دن سے تم بے ہوش ہو۔ "وہ ایک لمحے کے لیے رک گیا، جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ "اور جانتے ہو؟ میں ایک دن پہلے آیا ہوں۔ تمہیں دیکھنے کے لیے۔ اور تم اب بھی یوں پڑے ہو جیسے کوئی ناتواں پرندہ۔ یہ واقعی مضحکہ خیز ہے۔ "اس کے الفاظ پر غور کرتے ہوئے وہ چھت کو گھورتا رہا، لیکن جواب دینے کے لیے خود کو تیار نہ کر سکا۔

پھر وہ شخص بستر کے کنارے بیٹھا۔ گدے نے چرچراتے ہوئے اس کے وزن کو محسوس کیا۔

جانتے ہو... "اس کی آواز میں اب تھوڑی نرمی تھی، جیسے وہ کسی کہانی کی شروعات کر" "رہا ہو۔ "میں نے تمہارے بارے میں ایک دلچسپ کہانی سنی ہے۔

"اس نے ایک توقف لیا اور اس کی جانب چہرا موڑا۔ "کیا تم وہ کہانی سننا چاہو گے؟

وہ خاموش رہا، لیکن اس کی آنکھوں میں سوال واضح تھا۔

••••••☆☆☆••••••

میں جانتا ہوں تم میرے شکر گزار ہو، پر اتنے پیار سے بھی مت دیکھو۔" ارسل اسے گھور رہا تھا۔

"تم نے ہم سب سے جھوٹ بولا۔"

"یو آر ویلکم۔"

"!تم نے عالیانہ کو بے ہوشی کی دوا دی"

"یو آر ویلکم۔"

"...داس میں تمہیں"

"ارے، ارے، میں تمہارا اتنا سارا شکریہ تسلیم کرتا ہوں۔"

میرے کپڑے تم پر اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ ذرا قریب آیا، مسکرایا اور عالیانہ کو دیکھتے" ہوئے بولا۔

ارسل نے بے اختیار عالیانہ کے لباس کو دیکھا۔"میرے پاس پہننے کے لیے اور کچھ نہیں تھا۔" اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"ارسل تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔" تمہیں کچھ کہنا ہے؟

"ہاں۔ مجھے تمہیں تمہاری رہائش دکھانے کا کہا گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

تم میرے نئے روم میٹ بننے والے ہو۔"داس مسکرایا۔ارسل منہ میں کچھ بڑبڑایا۔"

معاف کرنا، بھائی، لیکن ہمارے پاس اتنے کمرے نہیں ہیں کہ تم یہاں اپنے پرائیویٹ"
"اسپیس میں رہ سکو۔"اس نے عالیانہ کو آنکھ ماری۔"برامت ماننا۔پرنس

ابھی جانا ہے؟"ارسل نے پوچھا۔"

ہاں، دوست۔میں جلدی سونا چاہتا ہوں۔میں تمہارے سست روی کا انتظار کرنے کے"
"لیے اپنی نیند قربان نہیں کر سکتا۔

".....سست"

تم سونا چاہتے ہو؟ابھی وقت کیا ہوا ہے؟"عالیانہ ارسل کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔"

رات کے گیارہ بجنے والے ہیں، زمین کے نیچے وقت کا پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے، لیکن ہم"
سب گھڑیوں کا دھیان رکھتے ہیں۔ہال وے میں مانیٹرز ہیں، ہم بھی گھڑیاں پہننے کی
"کوشش کرتے ہیں۔

باہر کی کیا صورتحال ہے؟"ارسل نے موضوع سے ہٹ کر سوال کیا۔"

بہتر ہیں۔لیکن حیدر..."داس لمحہ بھر کو رکا۔عالیانہ کا دل مٹھی میں بند ہوا۔ایک نام"
سے بہت کچھ یاد آیا تھا۔

"ہم نے کیمروں میں دیکھا ہے، وہ اور اس کے سپاہی اس علاقے میں کافی زیادہ گشت کر رہے ہیں۔ میں نے ان کی کچھ گفتگو سنی ہے۔ پتہ چلا کہ حیدر کو گولی لگی تھی۔" اس کی دل کی دھڑکنیں بڑھ گئی۔

"اسی لیے ہمیں کل رات قسمت نے بچا لیا، بظاہر فوجیوں کو واپس بیس بلایا گیا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ حیدر مر چکا ہے۔ ایک لمحے کے لیے اقتدار میں تبدیلی آئی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے، کس کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ لیکن پھر پتہ چلا کہ وہ مرا نہیں تھا، بری طرح زخمی تھا۔ اس کا بازو سلیگ میں تھا۔" داس نے مزید بتایا۔

"یہ جگہ حملے سے کتنی محفوظ ہے؟" ارسل نے اس کی جانب دیکھے بغیر پوچھا۔

"یہاں حملے کا خطرہ بہت کم ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ لوگ یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی کہیں اور چھوڑی تھی لیکن وہ کبھی ہمارے اصل مقام کا پتہ نہیں لگا سکیں گے۔ اور اگر پتہ چل بھی گیا تو وہ کبھی اندر نہیں گھس سکیں گے۔ ہماری سیکورٹی تقریباً ناقابل تسخیر ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پاس ہر جگہ کیمرے ہیں۔ ہم انہیں ان کے منصوبے بنانے سے پہلے دیکھ سکتے ہیں۔"

ایک لمحے کا توقف۔

"لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ لڑائی چاہتے ہیں، اور ہم بھی۔ ہم حملے سے نہیں ڈرتے۔ اور انہیں یہ بھی نہیں پتہ کہ ہم کس قابل ہیں۔ ہم اس لڑائی کے لیے عرصے سے تیار ہیں۔" ایک لمحے کی مکمل خاموشی۔

میں نے تمہاری سوچیں ہلا دیں۔ نہیں؟" داس نے موضوع بدلتے ہوئے مزاحیہ انداز" میں کہا اور بازو سینے پر باندھتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگالی۔

"تو تم نے میری جاسوسی بھی کی؟"

"کیا مسٹر ارسل ابراہیم اچانک تھوڑا سا خوفزدہ ہو گئے ہیں؟"

"بد تمیز نہ بنو۔"

تم کچھ چھپا رہے ہو؟" داس نے پوچھا۔ "

"ہاں۔ میری بندوق۔"

"تو! ہم یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟"

"مجھے مزید کچھ وقت چاہیے، مجھے عالیانہ سے بات کرنی ہے۔"

سیریئسلی ارسل؟ میں یہ سب دوبارہ نہیں سننا چاہتا۔" وہ ارسل کو غصے سے گھورتا" ہوئے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی ارسل نے عالیانہ کا ہاتھ تھاما۔ "اب کوئی پریشانی نہیں ہے۔ ہم واقعی محفوظ ہیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

اسی پل داس نے زور سے دروازہ کھولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ یہ دیوار شیشے کی بنی ہے،

"ہے نا؟

کوئی بھی یہ نہیں دیکھنا چاہتا۔"اس نے ارسل اور عالیانہ کے ہاتھوں کو گھورا اور عالیانہ" کی طرف سر موڑا۔

آؤ تم بھی۔ میں تمہیں میلیسا کے پاس کے چھوڑ دوں گا۔ وہ تمہیں رات کے لیے سیٹ" "کر دے گی۔

اگر مجھے نیند نہ آئے تو مجھے اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت ہے؟"ارسل نے بلا" جھجھک پوچھا۔ داس نے لب بھینچ کر آنکھیں تنگ کیں۔"میں یہ لفظ زیادہ استعمال نہیں کروں گا، ارسل، لیکن براہ کرم کوئی خفیہ نکل جانے والی چالیں کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ہمیں یہاں زندہ رہنے کے لیے چیزوں کو منظم رکھنے کی ضرورت ہے۔اس لیے سب پر "احسان کرو اور اپنے آئیڈیاز اپنی سوچوں تک رکھو۔ تم اسے صبح دیکھ لوگے۔

ارسل نے مزید مزاحمت نہیں کی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ چل دیئے۔

••••••☆☆☆•••••••

ایک نیا دن۔

ٹھک ٹھک

اس نے دروازہ کھولا۔"ارے، دھان!"وہ ابھی بھی انہی کھلے کپڑوں میں تھی۔

دھان نے اسے اوپر سے نیچے تک سرسری نظر سے دیکھا۔"کیسر نے سوچا کہ شاید تم ان "کپڑوں سے نکلنا چاہو گی۔

"تمہارے پاس میرے لیے پہننے کے لیے کچھ ہے؟ "

"ہاں، یاد ہے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے تمہارے لیے کچھ خاص تیار کیا ہے۔"

اوہ، واہ، ہاں!" وہ خوشی سے بولی۔"

چلو تمہیں دکھاتا ہوں۔" اور وہ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے دھان کے پیچھے پیچھے" چل پڑی۔

وہ اندھیری راہداریوں میں چلتی رہی، جہاں زیرِ زمین دنیا کی خاموشی کا گہرا غبار چھایا ہوا تھا۔ اس کے مکین ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے دھان سے سوال کیا، "ہم اتنی صبح "کیوں جاگے ہیں؟

میں نے سوچا کہ تم سب سے ناشتہ پر ملنا چاہو گی، تاکہ تم یہاں کے معمولات میں شامل" ہو جاؤ اور اپنی تربیت بھی شروع کر سکو۔" دھان نے سر پیچھے موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیسر نے بتایا تھا کہ یہاں سب کسی نہ کسی چیز میں ماہر ہے، تم کس چیز میں ماہر ہو؟" وہ" اس کے لمبے قدموں کا پیچھا کرتے ہوئے تقریباً اس کے قدموں پر پاؤں رکھ رہی تھی۔ ""تو تم کیا کر سکتے ہو؟

ہم نوے لوگ ہیں، جو نشانہ بازی اور فائرنگ میں ماہر ہیں۔ باقی ہمارے خاندان کے" افراد، بچے، یا قریبی دوست ہیں، جن کے پاس بھی اپنی اپنی صلاحیتیں ہیں۔ یہاں ہر شخص

دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ لہٰذا ہاں، میں بھی ان نوے میں سے ایک ہوں۔ اور اس کے علاوہ، میں ٹیلر بھی ہوں۔ میں ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے سوٹ تیار کرتا ہوں۔"

"تمہارا خاندان بھی یہاں رہتا ہے؟" اس نے بے اختیار سوال کیا، لیکن دھان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"معاف کرنا، میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں دخل اندازی کروں... مجھے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" دھان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا، اور پھر ایک چھوٹی سی، سخت ہنسی ہنسی۔ وہ چلتے چلتے رک گئی، حیرانی اور دہشت سے بھرپور۔ "میں اکیلا ہوں۔ میں یہی پلا بڑھا ہوں۔ درستور نے میرے والدین کو باغی قرار دے کر مار ڈالا تھا۔"

"اوہ! تم........"

لیکن وہ سنے بغیر پھر سے چلنے لگا۔ "اپنے آپ پر اتنی سختی نہ کرو۔ یہ شرمندگی کی بات نہیں ہے۔" لیکن دھان سن نہیں رہا اور وہ حیران ہوئی کہ کب وہ ایک حوصلہ افزا تقریر کرنے والا شخص بن گئی۔ کب اس نے اپنے آپ سے نفرت کرنے سے، خود کو قبول کرنے پر سوچ لیا۔ کب یہ اس کے لیے ٹھیک ہو گیا کہ وہ اپنی زندگی خود چنے۔

دھان اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں وہ اس سے پہلی بار ملی تھی۔ وہی سفید دیواریں، وہی چھوٹا سا بستر، بس اس بار ارسل اور داس اندر موجود تھے۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا، وہ اچانک پریشان ہو گئی۔

ارسل اپنے پاؤں پر کھڑا تھا۔ وہ بے عیب نظر آرہا تھا۔اس کے جسم پر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ وہ تھوڑا سا تکلیف کے ساتھ آگے بڑھا، بغیر کسی مشکل کے مسکرایا۔اس کی رنگت معمول سے زیادہ زرد تھی، لیکن جس رات وہ یہاں آئی تھی اس کے مقابلے میں اس کا چہرہ روشن ہے۔

عالیانہ!" وہ اسے گھورے بغیر نہیں رہ سکی،اس کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ یہ" احساس کرنا پر سکون تھا کہ وہ ٹھیک ہے۔

ارسل۔" وہ بمشکل مسکرائی۔"

صبح بخیر تمہیں بھی۔" داس نے مداخلت کی۔ وہ چونکی۔ داس کی جانب دیکھا" اوہ،" ہیلو۔" اس کی طرف ہلکا سا ہاتھ ہلایا۔

داس ناک سے ہنسا۔" چلو، اس کا سسپنس ختم کرتے ہیں۔" دھان ایک دیوار کی جانب بڑھا، جو دراصل ایک الماری تھی۔ اس نے سوٹ کو ہینگر سے اتارا۔

میں دو منٹ اس سے اکیلے میں بات کر سکتا ہوں؟ جب سے ہم یہاں پہنچے ہیں مجھے اس" سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔" ارسل نے آہستہ سے کہا۔

دھان نے اپنے چشمے اتارے، آنکھیں رگڑیں، اور ماتھے پر بل ڈالا۔" مجھے پروٹوکول کی پیروی کرنی ہے۔ مجھے اسے سب کچھ سمجھانا ہے۔" دھان نے بتایا۔

جانتا ہوں۔ تم بعد میں کر سکتے ہو۔ میں بس ایک منٹ چاہتا ہوں، میں وعدہ کرتا "ہوں۔

دھان نے ماتھے پر بل ڈالے اور اس کی جانب دیکھا۔ اس کی پیشانی پر شکن نمودار ہوئی۔ اس نے پہلے ارسل، پھر عالیانہ کی طرف دیکھا اور ایک آہ بھری۔ "ٹھیک ہے، لیکن "... جلدی۔ مجھے دیکھنا ہے کہ اس کو سوٹ فٹ ہے کہ نہیں۔ مجھے یہ چیک کرنا ہے کہ

شکریہ، یار... "اس نے فوراً سے کہا۔ ارسل نے دھان کی طرف پھیلائے ہوئے " کپڑے کو دیکھا، داس اپنی پیشانی کو رگڑتا رہا اور لوگوں کے وقت ضائع کرنے کے بارے میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ ارسل نے مسکرانے کی کوشش کی اور عالیانہ کی طرف دیکھا، جس نے کندھے جھٹک دیے۔ "ٹھیک ہے۔ ہم فوراً واپس آجائیں گے، پانچ سیکنڈ کی دوری پر.... "داس نے چلاتے ہوئے کہا۔ ان کے جاتے ہی ارسل نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔

میں تمہیں شکریہ نہیں کہہ سکا تھا۔ "ارسل آگے بڑھا، جھکا اور عالیانہ کے ہاتھ پکڑ" لیے۔ "عالیانہ۔" عالیانہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

تم نے میری زندگی بچائی۔ "اسے زندگی بچانے کے لیے "شکریہ" کہنا عجیب لگا۔ وہ" نہیں جانتی تھی کہ کیا کہنا چاہیے، بس اتنا کہہ پائی، "میں بہت خوش ہوں کہ تم ٹھیک "ہو۔

"لیکن میں نے نہیں داس نے تمہاری جان بچائی۔ میں نے تو اپنی جان بچائی تھی۔"

ایک ہی بات ہے۔ میں تمہیں تمہاری جان بچانے پر شکریہ کہہ رہا ہوں۔ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا، تو میں اس اذیت سے مر جاتا کے میں تمہیں بچا نہیں پایا۔"

پھر ارسل نے اسے ایک ارغوانی لباس دیا، جو بلکل اس کے سائز کا تھا۔ یہ وزن میں اتنا ہلکا تھا کہ کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ارسل کو حیرت انگیز نظروں سے دیکھا۔ اس نے چمکدار ارغوانی کپڑے کا معائنہ کیا، جو خاص طور پر اس کے لیے ڈیزائن کیا گیا لگتا تھا۔ ایک کالر جو گلے تک پہنچتا تھا، آستینیں کلائیوں تک تھیں، پتلونیں ٹخنوں تک پہنچی تھیں۔ یہ لباس سانس لینے کے قابل اور عجیب طور پر آرام دہ تھا۔ پھر وہ چینجنگ روم روم چلی گئی اور لباس پہن کر آئی۔

"کیسا لگ رہا ہے...؟" باہر نکل کر اس نے پوچھا۔

"زبردست۔"

"یہ کمفرٹیبل ہے لیکن میں ایک جمنسٹس کی طرح لگ رہی ہوں۔" عالیانہ نے ناک چڑھا کر ناپسندیدگی کا اعلان کیا۔

"نہیں۔ تم سپر ہیرو کی طرح لگ رہی ہو۔" ارسل نے تائید کی۔ اتنے میں دھان اور داس واپس کمرے میں آ گئے۔

"یہ سوٹ میری زندگی کو کیسے آسان بنائے گا؟" عالیانہ نے داس اور دھان کو باری باری دیکھا۔

داس نے ایک جگہ پر جم کر، بغیر کسی معذرت کے، منہ کھول کر بند کر دیا اور اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے۔ دھان آگے آیا۔ "یہ ٹچنگ کے مسئلے میں مدد کرے گا، تمہیں غیر متوقع موسم میں سر سے پاؤں تک ڈھانپنے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سوٹ درجہ حرارت کے مطابق تمہیں ٹھنڈا یا گرم رکھنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ یہ ہلکا ہے۔ یہ سوٹ تم ٹریننگ اور مشن پر ہی پہنو گی۔"

"یہ حیرت انگیز ہے۔ شکریہ!" عالیانہ دل سے مسکرائی۔

"خوش آمدید۔" دھان بڑے پیمانے پر مسکرایا۔

"اوہ.... شٹ، میں تو بھول گیا۔" کہتے ہوئے وہ الماری کے قریب گیا اور ایک جوڑی سیاہ اینکل بوٹس اور ایک جوڑی سیاہ دستانے نکالے جو کہنی سے پہلے رک جاتے تھے۔ اس نے یہ چیزیں عالیانہ کو دیں، اس نے نرم چمڑے کے لوازمات کا معائنہ کیا اور بوٹس کی لچکدار تعمیر پر حیران ہوئی۔

"یہ لباس مکمل کرتا ہے۔" دھان نے مزید کہا۔

عالیانہ نے انہیں پہنا اور داس، ارسل اور دھان کی جانب دیکھا۔

"کیسا لگ رہا ہے؟ ٹھیک ہے؟" ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر عالیانہ کو۔ پھر ایک ساتھ کہا۔ "بہت اچھا۔"

••••••☆☆☆•••••••

اس کا بایاں ہاتھ تھر تھرا رہا تھا۔ اس نے جھٹ سے اسے بیڈ کی چادر کے نیچے چھپا لیا۔ "پرائیویٹ بی اے تھری، تبریز نواز۔" وہ لمحے بھر کو رکا۔ "یہ نام تمہیں کچھ یاد دلاتا ہے؟" کچھ اس کی آنکھوں میں چبھا تھا جس کی وجہ سے اس نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے پتا چلا کہ میرے بیٹے نے آخر کار کچھ قابل" تعریف کیا ہے۔ میری حیرت کی انتہا نہیں تھی کہ تم نے ہمارے اسٹور یج کمپاؤنڈز سے چوری کرنے والے غدار فوجی کو ٹھکانے لگا دیا۔ سنا ہے تم نے اس کے ماتھے پر گولی ماری۔" وہ دھیرے سے ہنسا، لیکن اس ہنسی میں خوشی کی بجائے کچھ اور ہی چھپا تھا۔

میں نے خود کو مبارکباد دی۔ سوچا، تم آخر کار اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے لگے ہو۔ قیادت" "کے اصولوں کو سمجھنے لگے ہو۔ میں نے تقریباً تم پر فخر محسوس کیا۔

اس کی آواز میں اچانک تلخی آ گئی۔ "لیکن تب مجھے یہ سن کر دھچکا لگا کہ تبریز کا خاندان ابھی بھی زندہ ہے۔" اس نے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں جکڑ لیں۔

تمہیں تو سب سے زیادہ علم ہونا چاہیے کہ قوانین کیا کہتے ہیں۔ غدار کا خاندان بھی غدار" ہوتا ہے، اور ایک غدار کی غداری کی سزا پورے خاندان کی موت ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ حیدر کے سینے پر رکھا لیکن نظریں گویا کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

یہ بات عجیب ہے، ہے نا؟" وہ قدرے وقفے سے بولے۔ "میں نے خود سے کہا تھا کہ" اس موضوع پر بعد میں بات کروں گا۔ لیکن نہ جانے کیوں، یہ لمحہ بہت مناسب محسوس

ہوتا ہے۔" ان کے ہونٹوں پر ایک سرد مسکراہٹ تھی، الفاظ میں تلخی جو اس کی آواز میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

" میں بہت ... مایوس ہوں اگرچہ میں حیران نہیں ہوں۔" وہ آہ بھرتے ہوئے بولا۔ "ایک ہی مہینے میں، تم نے ایک فوجی کو کھو دیا، ایک ذہنی طور پر غیر مستحکم لڑکی کو قابو میں نہیں رکھ سکے،

پورا اسیکٹر الٹ پلٹ دیا، اور شہریوں کو بغاوت پر اکسانے کی راہ ہموار کی۔ اور یقین کرو، اس سب پر مجھے ذرہ برابر حیرت نہیں ہوئی۔" اس کا ہاتھ اب حیدر کی کالر بون کے قریب جا ٹھہرا۔ "لیکن سب سے بڑھ کر، تم نے ایک غدار کے خاندان پر رحم کیا۔ یہ تو بالکل ناقابل معافی ہے۔" اس کے لہجے میں طنز کا گہرا سایہ تھا، جو ہنسی میں چھپے زہر کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

حیدر کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں۔ وہ روشنیوں پر نظریں جمائے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اُس کی نظریں دھندلا رہی تھیں، جسم مکمل طور پر ساکن تھا۔ نہ وہ بول رہا تھا، نہ ہل رہا تھا۔

اس کے کالر بون پر رکھے سکندر کے ہاتھ نے حرکت کی، اور اس کا ہاتھ حیدر کے گلے کے گرد کس گیا۔ اس انگلیاں گردن کی جلد میں دھنس گئیں۔ حرکت اس قدر تیز اور وحشیانہ تھی کہ لمحہ بھر کے لیے حیدر کو سکون سا محسوس ہوا۔ گویا اس کا کوئی چھپا ہوا حصہ ہمیشہ چاہتا تھا کہ یہ سب اختتام کو پہنچے، شاید اس بار وہ واقعی مر جائے۔ لیکن ایسا کبھی

نہیں ہوتا تھا۔ سکندر کے ہاتھ ڈھیلے پڑے اس نے وہی حاصل کر لیا جو وہ چاہتا تھا۔ عذاب عذاب نہیں ہوتا جب تک اس میں راحت کی امید نہ ہو۔

وہ کھانسنے اور ہانپنے لگا، اس کے پھیپھڑے ہوا کے لیے ترسنے لگے۔ اس کا پورا جسم لرزنے لگا تھا۔ حملے اور طویل ساکنیت کی وجہ سے اس کے پٹھے مفلوج ہو چکے تھے۔ اس کی جلد پر سرد پسینہ تھا، اور سانسیں بوجھل اور تکلیف دہ تھیں۔ کھانسنے کی وجہ سے اس کا کندھا دوبارہ دکھنے لگا تھا۔

تم بہت خوش قسمت ہو۔" اس کی آواز نرم اور زہر آلود تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اٹھ " کھڑا ہوا۔

اتنے خوش قسمت کہ میں یہاں تھا تاکہ معاملات کو درست کر سکوں۔ اتنے خوش " "قسمت کہ میرے پاس وقت تھا کہ تمہاری غلطیوں کو سدھار سکوں۔

کمرہ جیسے دھندلانے لگا۔ حیدر کی نظروں کے سامنے سب کچھ گھومنے لگا۔ بہت سے خیالات دماغ میں منڈلانے لگے تھے۔

خوش قسمتی سے، میں نے تبریز نواز کی بیوی اور اس کے تین بچوں کو ڈھونڈ لیا۔" اس" نے ایک توقف لیا، جیسے اگلے الفاظ چباتے ہوئے کہہ رہا ہو۔" مجھے بتایا گیا کہ انہوں نے تمہیں سلام بھیجا ہے۔" پھر وہ لمحہ بھر کو رک گیا۔" ٹھیک ہے، یہ ان کے مرنے سے پہلے کی بات ہے، اب اس کی کوئی اہمیت نہیں لیکن میرے آدمیوں نے کہا کہ انہوں نے "مرنے سے پہلے واقعی تمہیں یاد کیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی، زہر بھری ہنسی ابھری۔ "تبریز کی بیوی نے بتایا کہ ... ان ناخوشگوار واقعات سے پہلے تم ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ تم ہمیشہ کمپاؤنڈز میں آتے، "اور شہریوں کے بارے میں سوال کرتے ہو۔

چلے جائیں یہاں سے۔" وہ بمشکل سرگوشی میں بول پایا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا، بایاں" بازو مسلسل تھرتھرا رہا تھا۔

یہ میرا بیٹا ہے !"اس کے والد نے طنزیہ انداز میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔ "ایک کمزور،" قابلِ رحم بیوقوف۔ کبھی کبھار میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں گولی مار دوں لیکن پھر سوچتا ہوں، نہیں، اس کی اپنی بیوقوفی ہی اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔" وہ انگلیاں بستر کی چادر پر جمائے، خالی نظروں سے سامنے دیکھتا رہا تھا۔

اب بتاؤ، تمہارے بازو کو کیا ہوا؟ ملیک بھی دوسروں کی طرح بے خبر لگ رہا" تھا۔" حیدر خاموش رہا۔ ایک لفظ بھی نہ کہا۔

"کیا تمہیں شرمندگی ہے کہ تمہیں اپنے ہی سپاہیوں میں سے کسی نے گولی ماری؟"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ماضی کا کوئی منظر، تکلیف دہ یاد، پھر سے ذہن میں ابھری تھی۔

اور وہ لڑکی؟" آواز میں مزید سختی آگئی۔" وہ کیسے بھاگی؟ وہ تمہارے ایک سپاہی کے" "ساتھ ہے نا؟

مجھے بتاؤ، تم اس غدار کے ساتھ کیا کرنے والے ہو؟ کیا تم اس کے ساتھ بھی نرمی برتو گے؟اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے؟" وہ اس کے قریب جھک کر سرگوشی میں گویا زہر ٹپکاتا رہا۔

میں اسے مار ڈالوں گا!" اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔"

اس کے والد زور سے ہنسے، ایسی ہنسی جو تقریباً چیخ کی مانند محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ مارا، اور انہی انگلیوں سے اس کے بال بکھیر دیے جن سے چند لمحے پہلے وہ اس کا گلا گھونٹ رہے تھے۔

بہت بہتر۔ بہت بہتر۔ اب اٹھو۔ ہمیں کام کرنا ہے۔" اور حیدر سوچنے لگا کہ شاید" واقعی، ارسل ابراہیم جیسے غدار کو ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ جینے کے لائق نہیں تھا۔

••••••☆☆☆•••••••

وہ شاور میں اتنی دیر تک رہا کہ وقت کا احساس ہی کھو بیٹھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ سب کچھ بکھرا ہوا، بے ترتیب محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے فیصلوں پر دوبارہ غور کر رہا تھا، ہر اس یقین پر شک کر رہا تھا جسے وہ پہلے ناقابلِ تردید سمجھتا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار، وہ ہڈیوں تک تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

اس کے والد یہاں تھے، وہ ایک ہی چھت کے نیچے سو رہے تھے، یہ ایک ایسی چیز تھی جس کا تجربہ اس نے کبھی دوبارہ نہیں کرنا چاہا۔ لیکن وہ یہاں تھے، اپنے نجی کوارٹرز میں

مقیم تھے جب تک کہ وہ یہاں کے حالات سے خود کو مطمئن محسوس نہ کرتے۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے سیکٹر فائیو میں تباہی پھیلائیں گے۔ جس کا مطلب تھا کہ اسے ان کا کٹھ پتلی اور پیغام رساں بننا پڑے گا، کیونکہ اس کے والد کبھی بھی اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھاتے تھے جب تک کہ وہ اسے مارنے کے قریب نہ ہوں۔ وہ دستور کے سپریم کمانڈر تھے، اور ہمیشہ گمنامی میں رہ کر حکومت کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ چنیدہ فوجیوں کے ہمراہ سفر کرتے، اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے احکامات دیتے، اور انتہائی نایاب مواقع پر دارالحکومت چھوڑتے۔ سیکٹر فائیو میں ان کی آمد کی خبر شاید اب پورے بیس سیکٹر میں پھیل چکی تھی۔ یہ خبر یقینی طور پر حیدر کے سپاہیوں کے دلوں میں خوف پیدا کر چکی تھی۔ ان کے والد کی موجودگی، خواہ حقیقی ہو یا محض افواہ، ہمیشہ اذیت اور سزا کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ ان کا چہرہ صرف ان لوگوں نے دیکھا تھا جو ان کے نشانے پر تھے۔ کافی عرصہ بیت چکا تھا جب حیدر نے آخری بار خود کو بزدل محسوس کیا تھا، لیکن اس بار کا خوف مختلف تھا۔ یہ خوف ایک تلخ حقیقت سے جڑا ہوا تھا کہ وہ اب تک مکمل طور پر مضبوط نہیں ہو پایا تھا۔ وہ بار بار خود کو اس بارے میں نہ سوچنے پر مجبور کرتا، لیکن حقیقت یہی تھی کہ اس کا ذہن اور دل اب بھی الجھے ہوئے تھے، خاص طور پر جب وہ عالیانہ کی گمشدگی کا سامنا کر رہا تھا۔ یہ صورتحال اس کے لیے جسمانی اور ذہنی طور پر ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔

آج، اس نے فیصلہ کیا کہ عالیانہ کے کمرے میں جائے گا۔ اسے وہاں جا کر اس کے سامان کی تلاشی لینی تھی تاکہ کوئی ایسا سراغ مل سکے جو اس معمہ کو حل کرنے میں مددگار

ہو۔ ارسل کے لاکرز کی پہلے ہی تلاشی لی جاچکی تھی، لیکن وہاں کچھ بھی قابل اعتراض نہیں ملا تھا۔ حیدر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ عالیانہ کے کمرے کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے، جب تک کہ وہ خود وہاں جا کر معائنہ نہ کر لے۔ یہ اس کے والد کے مطابق اس کا پہلا فرض تھا۔ "ٹھیک ہے ملیک۔ میں بتادوں گا اگر مجھے مزید مدد کی ضرورت ہوئی۔" ملیک حالیہ دنوں میں اس کے ارد گرد زیادہ نظر آنے لگا تھا۔ بظاہر وہ اسے اس وقت چیک کرنے آیا تھا جب اس نے دو دن پہلے بلائی گئی اسمبلی میں شرکت نہیں کی تھی، اور اسے نیم بے ہوش اور بے قابو حالت میں پایا تھا۔ ملیک نے اس تمام صورتحال کا الزام خود پر لے لیا تھا۔ اگر وہ کوئی اور ہوتا، تو وہ اسے عہدے سے معزول کر دیتا۔

میں معذرت خواہ ہوں، سر۔ میرا مطلب ہرگز اضافی مسائل پیدا کرنا نہیں تھا۔" " ملیک نے آہستہ سے کہا۔ اس کے کندھے جھک گئے، سر نیچے ہو گیا۔

تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے اسے دیکھے بغیر کہا۔ اس کی معذرتیں" اسے غیر آرام دہ کر رہی تھیں۔

سپاہیوں کو ایک گھنٹے میں دوبارہ جمع کرواؤ۔ مجھے حالیہ واقعات کے بارے میں ان سے" بات کرنی ہے۔" اس نے سٹینڈ پر لٹکا سیاہ کوٹ اتارا اور سلیگ کی وجہ سے اسے صرف کندھوں پر ڈالا۔

جی سر" اس نے ایک بار سر ہلاتے ہوئے، بغیر اوپر دیکھے کہا۔ "

"تم جا سکتے ہو۔"

سر۔"ملیک نے سلام کیا اور چلا گیا۔"

••••••☆☆☆•••••••

اس نے خود کو عالیانہ کے کمرے کے دروازے کے سامنے اکیلا پایا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں آنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ ایک ماہ پہلے تک، وہ یہاں سکون کی تلاش میں آیا کرتا تھا۔ ناجانے کیوں، عالیانہ کی موجودگی نے ان کوارٹرز کی بے رنگ دنیا کو ایک نئی زندگی دے دی تھی۔ وہ دن، جو عالیانہ نے یہاں گزارے، شاید پہلی بار تھا جب حیدر نے واقعی اس جگہ پر رہنے سے لطف محسوس کیا تھا۔

اس کی موجودگی ایک عجیب سی کشش رکھتی تھی۔ وہ عالیانہ کے غصے کا، اس کی بے وقوفانہ بحثوں کا انتظار کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس پر چیخے، جھگڑے، اسے جھنجھوڑ ڈالے۔ اگر کبھی عالیانہ اسے تھپڑ مارتی، تو شاید وہ خوشی سے اسے مبارکباد دیتا۔ وہ عالیانہ کو اس خوف کے خول سے نکالنا چاہتا تھا جس میں وہ قید تھی۔ وہ اسے اس کی بنائی ہوئی حدوں سے آزاد دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ عالیانہ کی اس حقیقی شخصیت سے ملنا چاہتا تھا جو خوف کے پیچھے قید تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ہی بنائی گئی رکاوٹوں سے آزاد ہو جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ عالیانہ بدل جائے، مکمل طور پر آزاد اور بے خوف ہو جائے۔ وہ انتظار کر رہا تھا، ہر دن، صبر کے ساتھ، یہ دیکھنے کے لیے کہ عالیانہ کب اپنے اندر چھپی ہوئی قوت کو پہچانے گی۔ وہ ہمیشہ عالیانہ کو آگے بڑھانے، اس کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے لیے تیار رہتا تھا

۔اور اس سب میں اس نے عالیانہ کو اس سپاہی کے سپرد کر دیا جو اسے اس سے دور لے گیا ۔اس کے لیے اسے خود کو گولی مار دینی چاہیے تھی۔اس کے بجائے، اس نے دروازہ کھولا۔

جیسے ہی وہ دہلیز پار کر کے اندر داخل ہوا، دروازے کے پینل نے خود بخود اس کے پیچھے بند ہو کر کمرے کو مکمل تنہائی میں بدل دیا۔وہ اس جگہ کو دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ کھڑا رہا، یہاں وہ عالیانہ کو دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔کمرہ اب ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔

جیسے ہی وہ دہلیز پار کر کے کمرے میں داخل ہوا، دروازے کے پینل نے خود بخود اس کے پیچھے بند ہو کر کمرے کو مکمل تنہائی میں بدل دیا۔وہ اس جگہ کو دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑا رہا، جہاں وہ عالیانہ کو دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔کمرہ اب ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔بستر بے ترتیب تھا، کمفرٹر اور چادریں الجھی ہوئی تھیں۔الماری کے دروازے کھلے ہوئے تھے، جس کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا تھا اسے عارضی طور پر ٹیپ سے جوڑا گیا تھا۔ایک لمحے کے لیے اس کے اندر ایک انجانی سی بے چینی کی لہر دوڑی۔

توجہ دو۔" وہ خود سے بولا۔"

وہ سیدھا باتھ روم میں گیا۔وہاں ٹوائلٹریز، کیبنٹ، حتیٰ کہ شاور کے اندر تک ہر جگہ کی تلاشی لی۔وہاں کچھ بھی نہیں تھی۔

واپس کمرے میں آکر، اس نے بستر کے قریب جا کر کمفرٹر اور تکیوں پر ہاتھ پھیرا، پھر بستر کی چادر اتاری۔ چادریں، کمفرٹر، اور تکیے کے غلاف فرش پر پھینک دیے، اور گدے کے نیچے تک کا جائزہ لیا۔ لیکن وہاں بھی کچھ نہیں ملا۔

سائیڈ ٹیبل۔ خالی۔ بستر کے نیچے۔ کچھ نہیں۔ لائٹ فکسچر، وال پیپر، اور الماری میں لٹکے ہر لباس کا معائنہ۔ سب بے سود۔ کمرہ خالی تھا، سراغوں سے بھی اور اس کی موجودگی سے بھی۔

مایوسی کے عالم میں، جب اس نے واپس دروازے کی جانب جانے کے لیے قدم اٹھایا، اس کے پاؤں کسی چیز سے ٹکرائے۔ اس نے بے اختیار نیچے دیکھا، اور وہاں فرش پر ایک موٹی مستطیل ڈائری تھی۔ وہ جھکا اور اسے اٹھایا۔ یہ ایک چھوٹی سی نوٹ بک تھی، جو اتنی سادہ تھی کہ بظاہر غیر اہم لگتی تھی۔ اس کی ہتھیلی میں سما جانے والی یہ نوٹ بک کئی لمحوں تک اس کی نگاہوں میں جمی رہی۔ حیرت اور تجسس نے اسے جکڑ لیا تھا۔

نوٹ بک؟" وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔ یادیں اچانک ذہن میں تازہ ہو گئیں۔ جس دن" عالیانہ فرار ہو رہی تھی، اس دن یہ نوٹ بک اس کی جیب میں تھا۔ اس نے اسے اس وقت پایا جب ارسل نے اس پر بندوق تانی تھی، اور کسی موقع پر، وہ اسے گرا بیٹھا ہو گا۔ اور اب اسے احساس ہوا کہ اسے شروع سے ہی اس کی تلاش کرنی چاہیے تھی۔

••••••☆☆☆••••••

ایک تیز دستک ہوئی اور دروازہ زور سے کھلا۔

آہ، محترمہ عالیانہ! آپ کونے میں بیٹھ کر کیا حاصل کرنا چاہتی ہیں؟" کیسر کی آسان" مسکراہٹ سب سے پہلے کمرے میں داخل ہوئی۔

عالیانہ نے ایک گہری سانس لی اور کیسر کی جانب دیکھنے کی کوشش کی، مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس کے بجائے، وہ سرگوشی میں ایک معذرت کر گئی، جس کی بازگشت کمرے کی ویرانی میں سنائی دی۔ اس کے ہاتھ، جو کانپ رہے تھے، فرش پر بچھے موٹے گدے پر سختی سے دب رہے تھے، اور اس کے ذہن میں بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ یہاں آنے کے بعد اس نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ یہ احساس اس کے لیے اذیت ناک تھا کہ وہ ان چند لوگوں کو مایوس کر رہی تھی، جو ہمیشہ اس پر مہربان رہے تھے۔

کیسر، اس کے سامنے کھڑا، بے تکلفی سے اس کا اپنی طرف دیکھنے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ عالیانہ نے آخرکار نظریں اوپر اٹھائیں۔ "معافی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی گہری آنکھیں اور دوستانہ مسکراہٹ اس حقیقت کو چھپانے کے لیے کافی تھیں کہ وہ ایلفا پوائنٹ کا لیڈر تھا، ایک ایسی تحریک کا سربراہ، جو درستور کے خلاف برسرپیکار تھی۔

"لیکن آپ کو اپنے آپ پر قابو پانا سیکھنا ہوگا، محترمہ عالیانہ۔"

ایک لمحے کا وقفہ، ایک قدم۔

کیسر کے ہاتھ ان اینٹوں کے ڈھیر پر رکے جنہیں عالیانہ کو تربیت میں استعمال کرنا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر کمرے میں بکھری دھاتی پائپوں اور لکڑی کے تختوں پر خون آلود

دھبوں کو نظر انداز کیا۔ اس نے یہ نہیں پوچھا کہ عالیانہ کے ہاتھ اتنے سختی سے بند کیوں ہیں یا کیا اس نے دوبارہ خود کو نقصان پہنچایا ہے؟

کیسر نے اس کی طرف دیکھا، مگر اس کی نظریں اس کے پیچھے کسی نامعلوم جگہ پر جمی تھیں۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے لیے مشکل ہے، لیکن آپ کو سیکھنا ہوگا۔ آپ کی زندگی اس پر منحصر ہے۔" اس کی آواز میں نرمی اور عزم کا امتزاج تھا۔

عالیانہ نے تھکے ہوئے انداز میں سر ہلایا اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔ سر دا ینٹوں کی سختی اس کی ریڑھ کی ہڈی تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے اپنے گھٹنوں کو سینے سے لپیٹ لیا اور اپنے پیروں کو زمین پر رکھے گدے میں دبا دیا۔ وہ آنسوؤں کے اتنے قریب تھی کہ اسے خوف تھا کہیں وہ چیخ نہ اٹھے۔

لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں نہیں جانتی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نہیں جانتی کہ " چیزیں کیسے ہوتی ہیں۔" اس کی آواز تھکی ہوئی تھی، اور نظریں چھت پر جمی تھیں، جہاں اس کی پلکوں کے پیچھے چھپے آنسو جھلک رہے تھے۔

پھر آپ کو سوچنا ہوگا۔" کیسر کی آواز میں کوئی ترحم یا مایوسی نہیں تھی۔ اس نے ایک " دھاتی پائپ اٹھایا اور اسے اپنے ہاتھوں میں تولنے لگا۔

آپ کو ان واقعات کے درمیان روابط تلاش کرنے ہوں گے جو آپ کے ساتھ پیش " آئے۔ جب آپ نے حیدر کے اڈے پر خان پر حملہ کیا، اور جب آپ نے خود کو آزاد

کرنے کے لیے حیدر کو گولی ماری، کیا ہوا تھا؟ آپ ان مواقع پر کیسے رد عمل دینے میں کامیاب ہوئیں؟"

کیسر نے پائپ کو عالیانہ کی طرف دھکیلا اور کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے آپ کی صلاحیتوں کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ آپ کو توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔"

توجہ۔ یہ لفظ سن کر اس کے اندر ایک بوجھل احساس جاگ اٹھا۔ ہر کوئی، ایسا لگتا تھا، اسی سے توجہ کی توقع رکھتا تھا۔ پہلے حیدر کو اس کی توجہ چاہیے تھی، اور اب کیسر کو۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا بلیزر ٹھیک کیا، جس پر ایلفا کا چمکتا ہوا سلور نشان کڑھا ہوا تھا۔

شاید آپ کسی اور کے ساتھ کام کریں۔ شاید کوئی ساتھی آپ کی مدد کر سکے تاکہ آپ" کچھ سمجھ سکیں۔"

لیکن آپ نے کہا تھا کہ مجھے اکیلے کام کرنا ہے۔" وہ حیرانگی سے بولی۔"

اس نے اسے آنکھیں چھوٹی کی۔ "دراصل، میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ اکیلے کام کریں۔ لیکن کوئی بھی آپ کے ساتھ کام کرنے کے لئے رضاکار نہیں بنا۔" وہ شرمندگی سے مر جانے کے قریب تھی۔ اُسے حیران نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ہر کوئی ارسل نہیں تھا لیکن کیسر امید بھری فراخ آنکھوں سے، جو یہ نہیں جانتی تھیں کہ اس کے یہ نئے الفاظ اُس کے لئے اور بھی بدتر ہیں، اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بدتر اس لئے کہ جتنا بھی وہ سچ جانتی

تھی، اُسے سنناب بھی تکلیف دہ تھا۔ حیدر ٹھیک کہتا تھا، وہ جہاں بھی جائے ، وہ اس سب سے بھاگ نہیں سکتی تھی۔

کیا بدلا ہے؟ اب کون میری ٹریننگ کے لئے تیار ہے؟" وہ رکی۔ "

آپ؟" اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔ "

کیسر مسکرایا۔ یہ اس قسم کی مسکراہٹ تھی جو شرمندگی کی گرمی کو اُس کے گردن تک لے آئی اور اُس کے غرور کو ریڑھ کی ہڈی سے گزارتے ہوئے توڑ دیا۔ اُسے دروازے سے بھاگنے کی خواہش کو روکنا پڑا۔

کاش کہ میرے پاس وقت ہوتا، لیکن داس آخرکار فارغ ہے۔ ہم اس کا شیڈول دوبارہ" ترتیب دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں، اُس نے کہا کہ وہ آپ کے ساتھ کام کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہے۔" ایک لمحے کی ہچکچاہٹ۔

"یعنی اگر آپ کو یہ ٹھیک لگتا ہے تو۔"

ٹھیک ہے۔" داس۔ جب سے وہ اُنہیں ایلفا پوائنٹ تک لایا تھا، تب سے انہوں نے" زیادہ وقت ساتھ نہیں گزارا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ صرف ایک کام کر رہا تھا، ایک مشن مکمل کر رہا تھا، مکمل ہونے کے بعد، وہ اپنی زندگی میں واپس چلا گیا تھا۔ بظاہر داس یہاں اہم تھا۔ اُس کے پاس کرنے کے لئے لاکھوں چیزیں تھیں۔ چیزوں کو منظم کرنا تھا۔ لوگ اُسے بہت پسند کرتے تھے، اُس کی عزت کرتے تھے۔

کیسر اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھیں روشن تھیں۔

" پھر میں اُسے ناشتے پر آپ سے ملاؤں گا۔"

"اوہ لیکن میں عام طور پر"

میں جانتا ہوں۔" کیسر نے اُس کی بات کاٹی۔ اُس کی مسکراہٹ اب ایک پتلی لکیر میں" دب گئی، اُس کی پیشانی فکر سے شکن آلود ہو گئی۔

آپ نے دوسروں کے ساتھ بہت کم وقت گزارا ہے، محترمہ عالیانہ، اگر آپ یہاں " رہنا چاہتی ہیں، تو آپ کو ہم پر اعتماد کرنا کرنا ہو گا۔ ایلفا پوائنٹ کے لوگ داس کے بہت قریب ہیں۔ وہ سب اس سے متاثر ہیں کیونکہ وہ خوش اخلاق ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح ان سب کے کام آیا ہے،۔ چونکہ یہاں کے لوگ آپ کو پرسنلی نہیں جانتے، وہ افواہوں پر یقین کر رہے ہیں، وہ آپ کو ناپسند کرتے ہیں۔ داس آپ کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اگر ہر کوئی آپ کو اور داس ساتھ وقت گزارتے ہوئے دیکھے گا، تو وہ آپ کی موجودگی کو کم ناپسند کریں گے۔ اس سے آپ کو ایڈجسٹ ہونے میں مدد ملے گی۔" وہ کیسر کو دیکھ رہی تھی۔ کیسر بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر داس اس کے ساتھ رہا تو لوگ اسے قبول کر لیں گے، کیونکہ یہاں کے لوگ داس کو بہت پسند کرتے تھے۔ گرم تیل کی طرح گرمی اُس کے چہرے پر پھیل گئی۔ وہ سکڑ گئی، دیکھنے کے لئے ایک جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی، اُس درد کو محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگی جو اُس کے سینے میں پھنس گیا تھا۔

"وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ میں کسی کو تنگ نہیں کرنا چاہتی۔ میں کسی کے راستے میں نہیں آنا چاہتی ....."

کیسر نے ایک لمبی اور بلند سانس اندر، باہر کو کھینچی اور نیچے دیکھنے لگا۔

"وہ صرف اس لئے آپ کو ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ وہ آپ کو جانتے نہیں ہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی کوشش کریں، اگر آپ کسی سے بھی جان پہچان بنانے کی تھوڑی سی کوشش کریں تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے۔" وہ رکا۔ ماتھے پر شکن ڈالی۔ "محترمہ عالیانہ، آپ یہاں دو ہفتے سے ہیں اور ابھی تک آپ نے اپنی روم میٹ تک سے بات نہیں کی۔"

"مجھے وہ بہت پسند ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

"اور پھر بھی آپ اسے نظرانداز کرتی ہیں؟ آپ اس کے ساتھ کوئی وقت نہیں گزارتیں؟ کیوں؟"

کیونکہ اس کی کبھی کوئی دوست نہیں بنی۔ کیونکہ اُسے ڈر تھا کہ وہ کچھ غلط کرے گی، کچھ غلط کہے گی اور وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح اس سے نفرت کرنے لگے گی۔

اُسے وہ بہت پسند تھی، اس کا ناگزیر انکار اور بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ اس نے دل میں سوچا مگر منہ سے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ جب اس نے کچھ نہ کہا تو کیسر نے خود سے سر ہلایا۔

"جب آپ پہلے دن آئیں تو آپ نے بہت اچھا ردعمل دیا۔ آپ اشعل کے ساتھ دوستانہ لگ رہی تھیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیا ہوا لیکن مجھے لگا کہ آپ یہاں اچھا کریں

گی۔" اشعل سنہرے بالوں والا لڑکا اُسے یاد آیا۔ وہ جو اس سے ہاتھ ملانے میں ہچکچایا تھا۔" مجھے اشعل پسند ہے، کیا وہ مجھ سے ناراض ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

ناراض؟" کیسر نے سر ہلایا اور زور سے ہنسنے لگا۔ اُس نے اُس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

میں نہیں سمجھتا، عالیانہ۔ میں نے آپ کے ساتھ صبر کرنے کی کوشش کی، میں نے آپ کو وقت دینے کی کوشش کی، لیکن میں اقرار کرتا ہوں کہ میں بہت حیران ہوں۔ جب آپ پہلی بار آئیں تو آپ بہت مختلف تھیں آپ یہاں رہنے کے لئے پرجوش تھیں! لیکن ایک ہفتے سے بھی کم عرصے میں آپ مکمل طور پر الگ ہو گئیں۔ آپ کسی سے بات نہیں کرتیں جب آپ ہالز میں چلتی ہیں آپ کسی کی جانب نہیں دیکھتیں۔ آپ کسی سے بات چیت نہیں کرنا چاہتیں۔ آپ کسی سے دوستی نہیں کرنا چاہتیں۔" اس کے لہجے میں بے زاری کی جھلک تھی۔

اُسے یہاں بسنے میں ایک دن لگا۔ ایک دن ارد گرد کا جائزہ لینے میں گزارا۔ ایک دن ایک مختلف زندگی کے خیال سے پرجوش ہونے میں صرف ہوا، اور ایک دن سب کو یہ سمجھنے میں لگ گیا کہ وہ کون ہے اور اس نے کیا کیا ہے۔

کیسر نے ان ماؤں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں کہا جو اسے ہال میں چلتے ہوئے دیکھتیں اور اپنے بچوں کو جلدی سے اس کے راستے سے ہٹا لیتیں۔ نہ ہی اس نے ان معاندانہ نظروں کا ذکر کیا، نہ ان تلخ الفاظ کا جو اسے یہاں آنے کے بعد سننے کو ملے۔

کیسر نے ان بچوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جنہیں تاکید کی گئی تھی کہ اس سے دور، بہت دور رہیں، اور ان بوڑھوں کے بارے میں بھی خاموش رہا جو اسے قریب سے دیکھتے اور اس پر نظریں جمائے رکھتے تھے۔

عالیانہ۔ایک لڑکی جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ہسپتالوں اور قید خانوں میں گزارا۔ ایک لڑکی جسے اس کے اپنے والدین نے چھوڑ دیا، پاگل قرار دیا، اور ایک ایسے پاگل خانے میں ڈال دیا جہاں تنہائی کی دیواریں اس کے گرد تنگ ہوتی گئیں، اور جہاں یہاں تک کہ چوہے بھی رہنے سے ڈرتے تھے۔

عالیانہ ایک م بخت لڑکی۔ جس پر الزام تھا کہ اس نے کھیل کے دوران اپنی چھوٹی بہن کو چھت سے دھکا دے دیا۔ عالیانہ ایک بدنصیب لڑکی، جو مدد کرنے کی کوشش میں قاتلہ کہلائی۔ ایک ایسی لڑکی جس نے لڑائی کے دوران ایک آدمی کو گھٹنوں کے بل گرنے اور ہانپنے پر مجبور کیا۔ اور ایک ایسی لڑکی جو خودکشی کرنے کی بھی ہمت نہیں کر پائی۔

یہ سب جھوٹ نہیں تھا۔ عالیانہ نے اپنے گالوں پر رنگین دھبوں اور ہونٹوں پر ان کہے الفاظ کے ساتھ کیسر کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں اپنے رازوں کو فاش کرنے سے انکار کر رہی تھیں۔ کیسر کچھ کہنے لگا، مگر رک گیا۔ اس کی نظریں عالیانہ کے چہرے کا بغور جائزہ لیتی رہیں، اور پھر اس نے اپنا ارادہ بدل لیا اور بس ہلکا سا سر ہلا دیا، ایک گہری سانس لی، اور اپنی گھڑی کو تھپتھپایا۔

رات ہونے میں صرف تین گھنٹے رہ گئے ہیں۔"اس نے کہااور باہر کی جانب مڑا" لیکن رک گیا۔

محترمہ عالیانہ!"اس نے بغیر مڑے نرمی سے کہا۔"

آپ نے ہمارے ساتھ رہنے کا، ہمارے ساتھ لڑنے کا،اور ایلفا پوائنٹ کی رکن بننے کا" انتخاب کیاہے۔"اس نے کچھ دیر توقف کیا۔

ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے،اور ہمارے پاس وقت کم ہوتا جارہاہے۔"کہہ کر" وہ باہر نکل گیااڈ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔کیسر کے قدموں کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجتی رہیں،اور وہ اپناسر دیوار کے ساتھ لگا کر پیچھے جھک گئ۔اس نے آنکھیں بند کرلیں اور چھت کی جانب دیکھنے لگی۔کیسر کی سنجیدہ، مستحکم آواز اب بھی اس کے "ذہن میں بازگشت کررہی تھی،"ہمارے پاس وقت کم ہورہاہے۔

جیسے وقت وہ شے ہو جو ختم ہو سکتی ہو۔جیسے یہ ہمیں پیدائش پر عطا کی گئی ہو،اور اگر ہم اسے غلط استعمال کریں، یا ضائع کر دیں،تو یہ ختم ہو جائے گا، بر باد ہو جائے گا۔وقت تو ہماری محدود سمجھ سے باہر ہے۔یہ لا محدود ہے، یہ ہمارے باہر وجود رکھتا ہے۔ہم اس سے باہر نہیں نکل سکتے، نہ اس کا ٹریک کھو سکتے ہیں، نہ اسے پکڑ سکتے ہیں۔وقت جاری رہتاہے یہاں تک کہ ہم ختم ہو جاتے ہیں۔وقت تو خود گھڑی کی سوئیوں کا محتاج ہے ، پھر کیوں لوگ خود کو وقت کا محتاج کہتے ہیں

رات کو لائٹس بند ہونے کے بعد کسی کو اپنے کمروں سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی رعایت کی مدت، جوان کی اچانک آمد کے باعث دی گئی تھی، اب ختم ہو چکی تھی۔ عالیانہ اور ارسل کو بھی باقی سب کی طرح سخت قوانین کی پیروی کرنی تھی۔ یہاں قوانین بے شمار تھے۔

ہر جگہ کیمرے نصب تھے، گلیوں کے کونے کونے میں۔ یہ سب ان کی حفاظت کے لیے تھا، تاکہ کسی بھی حملے کی صورت میں وہ تیار رہ سکیں۔ رات کے وقت گارڈز گشت کرتے تھے۔ کیسر اور اس کی ٹیم ایلفا پوائنٹ کی حفاظت کو ہر ممکن حد تک یقینی بناتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ان سخت اقدامات کے باعث وہ اتنی دیر تک دشمنوں سے چھپے رہے ہیں۔ وہ اس سب کو سمجھتی تھی، یہی سخت اقدامات اسے اور ارسل کو الگ رکھتے تھے۔ وہ صرف کھانے کے اوقات میں ملتے تھے۔ باقی وقت عالیانہ تربیتی کمروں میں گزارتی تھی۔ ارسل بھی اس صورتحال سے اتنا ہی ناخوش تھا جتنا وہ خود تھی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ جھکا اور احتیاط سے صفحوں پر سے شیشے کے ٹکڑے ہٹاتے ہوئے نوٹ بک اٹھائی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، دل کی دھڑکن اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس نے نوٹ بک پلٹی۔ اس کی کھردری، پرانی سطح کو انگلیوں سے محسوس کیا۔ سرورق دھندلا بھورا تھا، مٹی ذور وقت کے نشانات سے داغدار۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا، اس کی ٹانگیں بستر کے کنارے سے ٹکرا گئیں۔ اس کے گھٹنے جھک گئے، اور اس نے خود کو

گدے کے کنارے پر گرنے سے بچایا۔ اس نے ایک لرزتی ہوئی سانس لی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اس نے اس کے پاگل خانے کے وقت کی فوٹیج دیکھی تھی، مگر وہ بالکل بے کار تھی۔ روشنی ہمیشہ دھندلی رہتی تھی۔ چھوٹی سی کھڑکی کمرے کے تاریک کونوں کو روشن کرنے میں ناکام رہتی۔ وہ اکثر ایک دھندلی سی شکل میں نظر آتی تھی۔ کبھی کبھار، جب سورج کی روشنی کسی خاص زاویے سے پڑتی، تو وہ حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتی۔ کیمرے صرف اتنا جانچنے کے قابل تھے کہ وہاں کوئی حرکت ہوئی ہے، لیکن وہ خود بہت کم حرکت کرتی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت ایک ہی جگہ پر بیٹھے گزرتا تھا، بغیر ہلے جلے، یا تو اپنے بستر پر یا کمرے کے کسی تاریک کونے میں۔ وہ کبھی بات نہ کرتی تھی، اور جب کبھی اس کے لب ہلتے بھی تو وہ الفاظ نہیں، نمبروں میں بات کرتی تھی۔ وہ گنتی کرتی تھی۔ اس کے وہاں بیٹھنے میں ایک عجیب غیر حقیقی سا احساس تھا۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا، نہ ہی اس کے جسم کی واضح شکل کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ پھر بھی، کچھ تھا جو اسے متحیر کرتا تھا، اس کا سکون، اس کی بے حرکتی۔ وہ گھنٹوں ایک ہی جگہ پر بیٹھی رہتی، جیسے وقت کی قید سے آزاد ہو۔ وہ ہمیشہ سوچتا تھا کہ وہ اپنے دماغ میں کہاں ہوتی ہو گی، کیا سوچتی ہو گی، اور اس تنہائی کی دنیا میں کیسے رہتی ہو گی لیکن سب سے زیادہ وہ اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ وہ اس کی آواز سننے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے ہمیشہ توقع کی کہ وہ کسی ایسی زبان میں بات کرے جو وہ سمجھ سکتا ہے۔ جب پہلی بار انہوں نے اسے کیمرے پر بات کرتے ہوئے دیکھا، تو وہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ وہ وہیں بیٹھا رہا، جیسے وہ کسی

جادو کے زیر اثر ہو۔ اس نے دیکھا کہ اس نے ہاتھ دیوار پر رکھا اور گنتی شروع کر دی۔ تین ہزار چونیتس، اس نے اسے دیکھتے ہوئے یہ گنتی جاری رکھی۔ تین ہزار چونیتس

یہ گنتی مکمل کرنے میں اسے دو گھنٹے لگے۔ بعد میں، اسے یہ احساس ہوا کہ وہ اپنی سانسوں کی گنتی کر رہی تھی۔

اس کے بعد سے وہ اسے بھول نہیں سکا۔ وہ بیس پر پہنچنے سے پہلے ہی اس کے خیالات میں گھر کر چکی تھی۔ وہ مسلسل سوچتا رہتا کہ وہ کیا کر رہی ہو گی، کیا وہ دوبارہ بولے گی؟ وہ لڑکی، جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ پاگل اور خطرناک ہے، اتنی پرسکون کیوں دکھائی دے رہی تھی؟ کیا یہ سب ایک چال تھی؟

اس نے اس کی زندگی کے ہر اہم واقعے کی تفصیلات جاننے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اس کے تمام طبّی ریکارڈز اور پولیس رپورٹس کا مطالعہ کیا تھا۔ اسکول کی شکایات، ڈاکٹروں کی رپورٹیں، سزا کی بحالی کے فیصلے، یہاں تک کہ اس کے والدین کی طرف سے بھیجے گئے پاگل خانے کے سوالنامے، سب کچھ۔

اسے معلوم تھا کہ وہ سترہ سال کی عمر میں اسکول سے نکال دی گئی تھی، یہ بھی کہ وہ خطرناک دوائیوں کے استعمال پر مجبور تھی اور الیکٹروشاک تھراپی کے تکلیف دہ عمل سے گزر چکی تھی۔ دو سال کے عرصے میں، اسے چار مختلف جیلوں میں ڈالا گیا تھا۔ ان سب نے اسے ایک عفریت قرار دیا تھا، ایک ایسی لڑکی جس نے مبینہ طور پر تین

قتل کیئے۔ انیس سال کی عمر میں، اس کے والدین نے اسے قید کرنے کی سفارش کی، اور پھر اسے قید کر دیا گیا۔

یہ سب کچھ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

ایک لڑکی جو معاشرے کے ہاتھوں مسترد کر دی گئی، اپنے ہی خاندان کے ہاتھوں دھتکار دی گئی، اس کے اندر زیادہ جذبات ہونے چاہییں تھے۔ غصہ، افسردگی رنجش لیکن وہ سب کہاں تھے؟ وہ پاگل خانے کے دوسرے قیدیوں جیسی نہیں تھی۔ وہ قیدی جو تباہ حال تھے، کچھ دیواروں سے اپنا سر ٹکراتے تھے، کچھ اتنے دیوانے تھے کہ اپنی جلد نوچتے رہتے، یہاں تک کہ خون بہنے لگتا، کچھ بلند آواز میں خود سے بات کرتے، ہنستے گاتے، لڑتے تھے۔ اکثر قیدی اپنے کپڑے اتار پھینکتے، اپنی گندگی میں ہی پڑے رہتے۔ مگر وہ ان سب سے مختلف تھی۔ وہ باقاعدگی سے نہاتی تھی، اپنے کپڑے دھوتی تھی۔ کھانے کے وقت وہ سکون سے کھاتی اور ہمیشہ اپنی پلیٹ صاف کرتی۔ وہ گم صم خاموش بیٹھے اپنا زیادہ تر وقت کھڑکی سے باہر دیکھتے میں گزارتی، وہ تقریباً ایک سال سے قید میں تھی، لیکن اس نے اپنی انسانیت کا احساس نہیں کھویا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ جذبات کو کیسے دبا لیتی ہے۔ وہ اتنے بیرونی سکون کو کیسے برقرار رکھ سکتی ہے۔ اس نے دوسرے قیدیوں کے پروفائلز کی درخواست کی کیونکہ وہ موازنہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ کیا اس کا رویہ معمول کی بات ہے یا وہ واقعی منفرد ہے۔ وہ اُس لڑکی کی غیر معمولی شخصیت کو دیکھتا رہا، جسے نہ تو اُس نے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی پہلے سے جانتا تھا، لیکن اُس کے

لیے اُس کے دل میں ایک نا قابلِ یقین حد تک احترام پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اُس کی تعریف کرتا تھا، اُس کے سکون پر رشک کرتا تھا۔ اُن تمام مشکلات اور مصیبتوں کو جو اُس نے برداشت کیں، اُس کے صبر کی داد دیتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اُس وقت کیا محسوس کر رہا، لیکن ایک بات یقینی تھی، وہ اُسے اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اُس کے راز جاننا چاہتا تھا، اُس کی کہانی سمجھنا چاہتا تھا۔

پھر ایک دن، وہ لڑکی اپنی سیل کے اندر کھڑی ہوئی اور کھڑکی کی جانب بڑھی۔ یہ لمحہ اُس وقت کا تھا جب سورج طلوع ہو رہا تھا؛ پہلی بار اُس نے اُس کا چہرہ دیکھا۔ اُس نے اپنی ہتھیلی کھڑکی پر رکھی اور دھیمی سرگوشی میں تین الفاظ کہے، صرف ایک بار،

مجھے معاف کر دو۔ "یہ لمحہ اُس کے ذہن میں بارہا دہرایا جا چکا تھا۔ لیکن یہ ایک راز تھا،" ایسا راز جسے وہ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کی اُس لڑکی میں دلچسپی کسی نئے موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ مگر اِس دلچسپی کو چھپانے کے لیے اُسے اپنے رویے میں ایک دکھاوا، ظاہری بے حسی، اور ایک مصنوعی تکبر درکار تھا۔

وہ اُس کی تلاش میں نہیں تھا، نہ کبھی اُس نے ایسا سوچا تھا۔ اُس کی تحقیق نے اتفاق سے اسے اُس لڑکی کی فائلوں تک پہنچایا تھا۔ کیمروں کے ذریعے اُسے دیکھنے اور اُس سے بات کرنے سے بھی پہلے، اُس کا مقصد کچھ اور تھا۔ اُس کی اپنی ترجیحات تھیں، اپنی وجوہات تھیں۔ ہتھیار اور ٹیم کی کہانی تو اُس نے صرف اپنے والد کو مطمئن کرنے کے لیے بنائی تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ اُسے صرف اُس لڑکی کی معلومات تک رسائی حاصل

کرنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ یہ سب کچھ ایک جھوٹ تھا، ایک دھوکہ، جو اُسے اپنے فوجیوں اور اُن سینکڑوں کیمروں کے سامنے برقرار رکھنا تھا، جو اُس کی ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے۔

حیدر نے اُسے اُس کی صلاحیتوں کا استحصال کرنے کے لیے بیس پر نہیں بلایا تھا اور وہ اس عمل میں اُس سے محبت میں گرفتار ہونے کی توقع بھی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن یہ سچائیاں اور اُس کے حقیقی جذبات وہ اپنے ساتھ دفن کر لینے والا تھا۔

وہ تھکن سے چُور بستر پر لیٹ گیا۔ پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر اُسے چہرے کی لمبائی تک گھسیٹ دیا۔ ارسل اُسے کبھی اپنے ساتھ بھاگنے کے لیے قائل نہ کرتا، اگر وہ خود وقت نکال کر اُسے کبھی کبھار باہر لے جاتا۔ ہر قدم جو اُس نے اُٹھایا، ایک غلطی ثابت ہوا۔ ہر سوچی سمجھی تدبیر ناکام رہی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید وہ اپنے ذہن میں بنائے گئے تصورات کو توڑ دے گی اور اُس سے بات کرے گی۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ دنیا کی دوسری انسان ہے جس کی اُسے پروا ہے۔

اس نے خود کو اُٹھنے پر مجبور کیا اور اُس کی نظریں اُس نوٹ بک پر جا ٹکیں، جو اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھی۔ "وہ میری محبت تھی۔ میں نے اُسے کھو دیا ہے۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔" اس نے زخمی سا سانس لیا۔

وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ شاید میں اُسے دوبارہ کبھی نہ دیکھوں، اور یہ سب میری" اپنی غلطی ہے۔ شاید یہ نوٹ بک وہ آخری چیز ہے جو اُس کی یاد کے طور پر میرے پاس

بچی ہے۔" یہ خیالات اُس کے دل میں گونج رہے تھے۔ اُس کا ہاتھ نوٹ بک کے کور پر معلق تھا، جیسے اُسے کھولنے کی ترغیب دے رہا ہو۔ عالیانہ کو دوبارہ تلاش کرنے کی خواہش شدت اختیار کر رہی تھی، چاہے یہ ملاقات صرف کاغذ کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اُس کے اندر کا ایک حصہ خوف زدہ تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ شاید وہ، کچھ ایسا نہ دیکھ لے جو وہ دیکھنے کی اُمید کر رہا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا تھا کہ اگر یہ کسی قسم کی ڈائری نکلی، جس میں عالیانہ نے ارسل کے بارے میں اپنے خیالات اور جذبات قلم بند کیے ہوں، تو شاید وہ اپنا آپ کھول دے۔ حیدر نے اپنی مٹھی پیشانی پر رکھی، ایک لمبا اور گہرا سانس لیا۔ آخر کار، اُس نے نوٹ بک کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلا صفحہ:

"شاید مگر پاگل نہ ہونا بھی ایک فن ہے۔ زندگی اتنی شدت سے تم پر چڑھ دوڑے اور تم پاگل نہ ہو، یہ ایک بڑی بات ہے۔ زندگی عروج نہیں، زوال ہے۔ یہ اترنا اور چڑھنا نہیں ہے، بچپن میں ہمارا دل رکھنے کے لیے ہمیں یہ جھوٹ بتایا گیا تھا۔ ہم جس لمحے پیدا ہوئے، تب سے سر کے بل نیچے کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں دھوکہ دیا گیا اور ہمیں اس کا دیر سے پتہ چلا۔ ہمارا خون ہمارے سب سے زیادہ قریبی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر پوچھو تو ان کے پاس عذر تیار ہیں۔ جب قربانی مر جاتی ہے، تو قاتل مظلوم بن جاتا ہے۔ انصاف ایسی ہی چیز ہے۔ میں خود کو پرسکون رہنے کا کہتی ہوں، میں خود سے کہتی ہوں یہ سب میرے ذہن میں ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، کوئی ابھی دروازہ

کھولے گا، کوئی مجھے یہاں سے باہر نکالے گا۔ میں سوچتی ہوں ایسی چیزیں ایسے نہیں ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا۔ لوگوں کو اس طرح نہیں بھلادیا جاتا۔ اس طرح نہیں چھوڑا جاتا۔ ایسا نہیں ہوتا۔"

دوسرا صفحہ:

"جو لوگ کہتے ہیں ماضی پیچھے رہ جاتا ہے، وہ غلط کہتے ہیں۔ مستقبل، ماضی کا ہی عکس ہوتا ہے۔ مستقبل ہمیشہ ماضی کے گوندھے ہوئے آٹے سے شکل لیتا ہے۔ جب دوبارہ پیدا ہونا ممکن نہیں، تو اپنے آٹے کو سنوارنے کی خواہش میں کیا غلط ہے؟ اس سے لڑنے، اسے ٹھیک کرنے، ضرورت پڑے تو کاٹ کر پیوند لگانے میں کیا برائی ہے؟

جو زخم نظرانداز کیے گئے ہیں، وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ تم بھول جاؤ، تو بھی کسی چیز پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ اگر تمہارا ماضی ناسور بن چکا ہے تو اسے کاٹ کر پھینک دینا چاہیے تاکہ وہ تمہارے مستقبل میں زہر نہ گھولے۔ اسے کاٹ دینا چاہیے...

اب ٹھیک ہے... تم نامکمل ہو چکے ہو...

چلو ٹھیک ہے...

ٹھیک ہے...

تم زندہ ہو... میرا چہرہ خون سے لت پت ہے جب انہوں نے مجھے زمین پر پھینکا، ابھی لکھتے ہوئے بھی میرے ہاتھ لرز رہے ہیں۔ یہ قلم میری واحد آواز ہے، کیونکہ میرے

پاس کوئی اور نہیں ہے جس سے بات کر سکوں، میں اپنے ذہنی خیالات میں ڈوب رہی ہوں، اور مجھے تیرنا نہیں آتا، میں تیر نہیں سکتی۔ یہ مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ یہ مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے سینے میں کروڑوں چیخیں قید ہیں اور مجھے ان سب کو اندر رکھنا ہے کیونکہ چیخنے کا کیا فائدہ اگر کوئی سننے والا نہ ہو۔ یہاں کوئی مجھے سننے والا نہیں۔ میں نے چیزوں کو گھورنا سیکھ لیا ہے۔ دیواریں۔ میرے ہاتھ۔ دیواروں میں دراڑیں۔ انگلیوں کی لکیریں۔ کنکریٹ میں سرمئی رنگ کے درجات۔ میں ایک چیز کا انتخاب کرتی ہوں اور اسے دیکھتی ہوں، اور گھنٹوں تک دیکھتی رہتی ہوں۔ میں وقت کو اپنے دماغ میں رکھتی ہوں، سیکنڈز کا شمار کرتی ہوں۔ میں دنوں کو اپنے دماغ میں رکھتی ہوں، انہیں لکھتی ہوں۔

تیسرا صفحہ: "ایک نیا دن۔ یہاں بہت سردی ہے۔ بہت اندھیرا ہے۔ بہت بہت سردی...."

اس نے زور سے کور بند کر دیا۔ وہ مزید نہیں پڑھ سکتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جن سے محبت ہو، انہیں تکلیف میں نہیں دیکھا جا سکتا، لیکن اس کے لیے تو اُس کی تکلیف پڑھنا بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ اُسے تکلیف میں دیکھنا شاید اس کی جان لے لیتا۔

وہ پھر سے لرز رہا تھا، اور اس بار وہ خود کو روک نہیں سکتا تھا کیونکہ یہ لرزش اس کے دل کی گہرائیوں سے آ رہی تھی۔ یہ احساس کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے، اسے ہلا کر رکھ رہا تھا۔ یہ نوٹ بک عالیانہ کے بیس میں گزاری گئی زندگی کا حصہ نہیں تھی، نہ کیمپ سے

متعلق کوئی یادداشت تھی ،اور نہ ہی کسی معمولی واقعے کی کہانی تھی، یہ نوٹ بک ان دنوں کا آئینہ تھی جب وہ پاگل خانے میں تھی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ چھوٹی، بوسیدہ نوٹ بک اس کے لیے دنیا کی سب سے قیمتی چیز بن گئی۔

اس کو یہ بھی یاد نہیں کہ وہ اپنے کمرے تک کیسے پہنچا۔اسے بس یاد تھا کہ اس نے اپنے بیڈروم کا دروازہ بند کیا، دفتر کا دروازہ کھولا اور خود کو اندر قید کر لیا۔اب وہ اپنی میز پر بیٹھا تھا، کاغذات اور خفیہ مواد کو ایک طرف ہٹا کر اس نوٹ بک کے پرانے، پھٹے ہوئے کور کو دیکھ رہا تھا، جسے کھولنے سے وہ خوفزدہ تھا۔

یہ نوٹ بک عالیانہ کی زندگی کے سب سے نازک لمحات میں لکھی گئی تھی۔ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ ان گھڑیوں کا خلاصہ ہے جب تنہائی اور بے بسی اس کی ساتھی تھی۔یہ وہ اذیتوں کا نوشتہ تھا جنہیں شاید دنیا سمجھنے سے قاصر ہو۔حیدر کے سامنے اس کی زندگی کے تاریک ترین لمحے کھل رہے تھے،اور وہ بے اختیار ان میں جھانکنے پر مجبور تھا۔اگرچہ تجسس اسے بے چین کر رہا تھا، لیکن وہ جانتا تھا یہ پڑھنا اس پر بھاری پڑ سکتا ہے۔اس کو پڑھنا ایسا تھا جیسے وہ خود ان اذیتوں سے گزر رہا ہو۔

آخرکار اس نے کتاب کھولی اور اگلے صفحے پر نظریں دوڑائیں:

"تیسرا دن۔"

آج میں نے چیخنا شروع کردیا۔" اس جملے نے کندھے کی تکلیف سے بھی زیادہ شدت سے اسے تکلیف دی۔ اُس کی سانسیں بہت تیزی سے آرہی تھیں لیکن اس نے خود کو مجبور کیا کہ آگے پڑھے۔

نوٹ بک کے صفحات کسی ترتیب میں نہیں تھے۔ کبھی ابتدائی حصے میں لکھی گئی عبارت آخری صفحات پر ملتی تو کبھی کہیں اور۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ جگہ ختم ہونے پر صفحے کے کسی کونے میں لکھتی، یا حاشیے پر اپنے خیالات بکھیر دیتی۔ ہر جگہ نمبر درج تھے، مگر ان کی کوئی واضح ترتیب نہیں تھی۔ کچھ جملے بار بار دہرائے گئے تھے، کچھ کاٹے ہوئے تھے، اور کہیں پورے پیراگراف مٹا دیے گئے تھے۔ حیدر کی نظریں ایک خاص عبارت پر جا ٹھہریں؛

کتنی عجیب بات ہے، کبھی سکون نہ پانا۔ یہ جاننا کہ جہاں بھی جاؤ، کہیں پناہ نہیں ہے۔" جب درد ہمیشہ ایک سرگوشی کی دوری پر ہو۔ اس زندگی میں جس چیز سے میں ڈرتی تھی، میں ان سب کے سامنے بارش کی مانند آگئی ہوں۔ جتنا میں بھاگنے کی کوشش کرتی، اتنا ہی میں اپنے خوف میں بھگودی گئی۔ آخر کار میں گر گئی، اپنے خوف کے جال میں پھنس گئی۔ " میں خوف سے بھیگی ہوئی، زخموں سے بھری ہوں۔

اُس کی نظریں پہلے صفحے پر جا پڑیں، اور تب اُسے سمجھ آنا شروع ہوا کہ اُس نے کیا پایا ہے۔

میرا گھر وہ جگہ تھی جہاں میرے والد ہر رات مجھے کمرے میں بند کر دیتے تھے اور" میری ماں مجھ پر چیختی تھیں۔

وہ کہتی تھیں، تمہارے چہرے میں کچھ ہے جو میں برداشت نہیں کر سکتی۔

"جس طرح سے تم دیکھتی ہو... بس میری طرف مت دیکھو، وہ چیختی تھیں۔

یہ الفاظ حیدر کے دل پر گہرے نقوش چھوڑ گئے۔ وہ صفحے پلٹتا رہا، اس انتشار کے پیچھے چھپے زخموں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ہر لفظ، ہر جملہ، ہر کاٹی گئی لکیر ایک چیخ کی طرح اس کے ذہین میں گونج رہی تھی۔

ایک بار انہوں نے میرے ہاتھ کو چولہے پر رکھ دیا۔ صرف اس لیے کہ انہیں لگتا تھا کہ " میں نے ان ہاتھوں سے اپنی بہن کو چھت سے دھکا دیا تھا۔ میں تب چودہ سال کی تھی۔ ".... مجھے یاد ہے کیونکہ

یہ پڑھتے ہی نوٹ بک اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گری۔

وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، دل دھڑک رہا تھا اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔ اس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، انگلیاں جڑوں میں الجھ گئیں۔ یہ الفاظ، یہ کہانی، اسے کچھ بہت قریب کی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ اس کی کہانی کی طرح تھی۔

ایک بچے کی کہانی، جو اپنے والدین کے ہاتھوں ظلم و ستم کا شکار ہوا، قید کر دیا گیا اور آخر کار چھوڑ دیا گیا۔ یہ کہانی اس کے دماغ کے اتنے قریب تھی کہ ہر لفظ اسے ہلا کر رکھ رہا تھا۔ یہ کچھ ایسا تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ ایسا کچھ جو سیدھا اس کی ہڈیوں سے بات کر رہا تھا۔

لیکن پھر بھی، وہ خود کو اس نوٹ بک کو دوبارہ اٹھانے سے نہ روک سکا۔

اس نے اسے دوبارہ کھولا۔

"کیا میں پاگل ہو چکی ہوں؟ کیا یہ ہو چکا ہے؟ میں کیسے جانوں گی کہ میں پاگل ہوں؟"

اسی لمحے ٹیبل پر رکھا انٹر کام چیخ اٹھا۔ اس کا بایاں ہاتھ تھر تھرا رہا تھا، پیشانی پسینے سے بھیگی تھی، اور بندھا ہوا بازو جلنے لگا تھا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ اپنی آواز کو نارمل رکھے۔ "جی؟

سر، میں بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ اب بھی... خیر، اسمبلی، سر، شاید میں نے وقت "... غلط سنا۔ معاف کیجیے گا، مجھے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا

اللہ کا واسطہ ہے ملیک، معافی مانگنا بند کرو۔ میں راستے میں ہوں۔" اس نے اپنی کانپتی " ہوئی آواز کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔

جی، سر... شکریہ!" لائن منقطع ہو گئی۔ اس نے نوٹ بک کو جیب میں ڈالا اور " دروازے سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

چوکور کے صحن میں، وہ بالائی کنارے پر کھڑا تھا۔ نیچے ہزاروں چہرے اسے دیکھ رہے تھے، سپاہیوں کی قطاریں۔ خاکی شرٹ، خاکی پینٹ، سیاہ جوتے۔ ان کے بائیں ہاتھ دلوں پر تھے، چہرے جذبات سے خالی، لیکن ان کی نظروں میں خوف کی جھلک تھی۔

سیکٹر فائیو!" اس نے مائیکرو فون میں پکارا۔"

سپاہی فوراً حرکت میں آگئے، بائیں ہاتھ چھوڑ کر دائیں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔

آج ہمیں کئی اہم معاملات پر بات کرنی ہے، اور ان میں سب سے پہلی بات بالکل واضح" ہے۔" اس نے اپنے بازو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ان کے جذبات سے خالی چہروں کو بغور دیکھا۔ ان کے خیالات ان کے چہروں پر نمایاں تھے، بغاوت سے بھرپور اور نفرت سے بھرے ہوئے تاثرات۔

وہ اسے ایک ظالم اور بدکردار شخص سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے۔ نہ وہ اس کی عزت کرتے تھے، نہ ہی وہ اس سے وفادار تھے۔ وہ اس کی موجودگی سے نالاں تھے، اس بات پر غصے میں تھے کہ وہ ابھی تک زندہ کیوں ہے۔ ان کے دل میں بیزاری تھی کہ وہ اس زخم سے مر کیوں نہیں گیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر، وہ اس سے خوفزدہ تھے۔ اور یہی خوف اس کے لیے کافی تھا۔

مجھے یہ زخم اس وقت لگا جب میں ایک باغی سپاہی کا پیچھا کر رہا تھا۔ پرائیویٹ ارسل" ابراہیم نے عالیانہ سلیم، جو سیکٹر فائیو کی ایک اہم شخصیت ہیں، کو اغوا کرنے کی کوشش میں فرار کی سازش کی۔ ان پر محترمہ عالیانہ کو ان کی مرضی کے خلاف قید میں رکھنے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ لیکن سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انہوں نے دستور کے خلاف بغاوت کی ہے۔ ان کے لیے فیصلہ واضح ہے، انہیں ڈھونڈ کر موقع پر ہی ہلاک کر دیا جائے گا۔"

سپاہیوں کے چہروں پر خوف کو پہچاننا ایک آسان عمل ہوتا ہے۔ اور اس وقت بھی، خوف کی جھلک واضح تھی۔

دوسری بات۔" اس بار اس نے اپنی آواز کو دھیما کرتے ہوئے کہا۔"

سیکٹر فائیو میں استحکام بحال کرنے، اس کے شہریوں کے اعتماد کو بحال کرنے، اور حالیہ" ہنگامے کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے، درستور کے سپریم کمانڈر نے ہمارے بیس کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ کل کے یہاں پہنچ چکے ہیں۔" یہ سن کر چند سپاہیوں کے چہروں سے ان کی خوداعتمادی کا پردہ ہٹ گیا۔ وہ خود کو قابو میں رکھنے میں ناکام رہے، ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں، اور ان کے چہروں پر خوف مزید گہرا ہو گیا۔

"آپ انہیں عزت اور عقیدت کے ساتھ خوش آمدید کہیں گے۔"

سپاہی یکدم گھٹنوں کے بل گر گئے۔

ایسی طاقت کا استعمال عجیب اور حیرت انگیز تھا۔ وہ اکثر سوچتا تھا کہ آیا اس کے والد اس بات پر فخر کرتے ہوں گے کہ ان کا بیٹا صرف چند الفاظ اور اپنے لقب کی گونج ہزاروں بالغ مردوں کو جھکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ یہ ایک عجیب لیکن نشہ آور قسم کی طاقت تھی۔

اس نے دل ہی دل میں پانچ تک گنا۔

اٹھ جائیں۔" سپاہی اٹھے، اور فوراً اپنی جگہ پر مارچ کرنے لگے۔ پانچ قدم آگے، پانچ قدم پیچھے، اور پھر اپنی جگہ رک گئے۔ پھر انہوں نے بایاں بازو اٹھا کر مکے کی شکل میں جکڑا اور ایک گھٹنے پر جھک گئے۔ لیکن اس بار، اس نے انہیں اٹھنے کا حکم نہیں دیا۔

تیار ہو جاؤ۔ ہم اس وقت تک آرام نہیں کریں گے جب تک ارسل ابراہیم کو گرفتار کر" کے محترمہ عالیانہ کو بیس پر واپس نہیں لایا جاتا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں، میں سپریم کمانڈر سے مشاورت کروں گا، اور ہمارا نیا مشن واضح ہو جائے گا۔ اس دوران، آپ کو دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں:

پہلی، ہم شہریوں میں اعتماد بحال کریں گے اور انہیں ہماری نئی دنیا کے وعدے یاد دلائیں گے۔

دوسری، ارسل ابراہیم کو تلاش کر کے ان کی سزا کو ایک مثال بنائیں گے۔ ہم در ستور میں غداروں کا استقبال نہیں کرتے اور ہم معاف نہیں کرتے۔" اس نے رک کر سپاہیوں کے چہروں کو بغور دیکھا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ ان الفاظ کو دہرایا۔

••••••☆☆☆••••••

جب وہ کمرے میں آیا، تو اس کے دروازے کے باہر ایک سپاہی کھڑا تھا، جو اس کا منتظر تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے وقت اس کے قدم لمحہ بھر کو رکے، اور اس نے سپاہی پر ایک تیز نظر ڈالی۔

اپنا پیغام بیان کرو، سپاہی!" اس نے سخت لہجے میں کہا۔"

"مجھے ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کو اطلاع دوں کہ سپریم کمانڈر نے آپ کو رات آٹھ بجے اپنے کمرے میں طلب کیا ہے۔"

"پیغام موصول سمجھیں۔" اس نے مختصر جواب دیا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ لیکن سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک دیا۔ وہ غصے سے پلٹا اور سپاہی کی طرف گہری نگاہ ڈالی۔

سپاہی اس کے عین سامنے محض ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا، یہ ایک واضح بے ادبی تھی۔ اعلیٰ عہدے دار تو کیا ملیک خود بھی اس کے سامنے ایسا رویہ اختیار کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ لیکن سپریم کمانڈر کے ایلیٹ گارڈ کا معاملہ مختلف تھا۔ ان کے لیے یہ ایک اعزاز تھا کہ وہ سوائے سپریم کمانڈر کے، کسی کو جواب دہ نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت یہ سپاہی اپنی برتری کا اظہار کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ سپریم کمانڈر کے بیٹے سے کسی طور کم نہیں۔ حسد اور تلخی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

اس نے سپاہی کی سرد خاکستری آنکھوں میں جھانکا، جو تاریک گہرائی کی مانند لگ رہی تھیں۔ سپاہی نے اپنی آستینیں کہنیوں تک چڑھا رکھی تھیں، اس کے طاقتور بازو اور ان پر موجود فوجی نشانات نمایاں ہو رہے تھے۔ یہ سرخ، سبز اور نیلے رنگ کے حلقے اس کی اعلیٰ حیثیت کا مظہر تھے۔ یہ نشان ایک خاص رسم کے ذریعے بنائے جاتے تھے، جسے قبول کرنا ہر سپاہی کے لیے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی، لیکن وہ ہمیشہ اس رسم کا حصہ بننے سے انکار کرتا رہا تھا۔

سپاہی کی یہ جرأت اور رویہ نہ صرف اس کے جذبات کو جھنجھوڑ رہا تھا بلکہ اس کے صبر کا بھی امتحان لے رہا تھا۔

سپاہی ابھی تک اسے گھور رہا تھا۔

مجھے اس دعوت کی قبولیت کا براہ راست انتظار کرنا ہوگا۔" سپاہی نے ٹھہرے ہوئے" لہجے میں کہا۔

قبول سمجھو۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا اور سپاہی کی آنکھوں میں براہِ راست" دیکھا۔

اور ایک بات یاد رکھو، سپاہی!" وہ ایک قدم بڑھا کر سختی سے بولا۔" آئندہ میری" "اجازت کے بغیر میرے پانچ فٹ کے دائرے میں بھی قدم رکھنے کی ہمت مت کرنا۔

سر، میں..... "سپاہی نے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن وہ بیچ میں ہی بول پڑا۔"

مجھے لگتا ہے تمہیں کوئی غلط فہمی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ سپریم کمانڈر کے ساتھ کام کرنے کا" مطلب ہے کہ تم عام سپاہیوں کے لیے بنائے گئے قوانین سے بالاتر ہو۔ کہ تم پر وہ ضابطے لاگو نہیں ہوتے جو باقیوں پر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تمہاری بہت بڑی بھول ہے!" اس کا لہجہ مزید سخت ہو گیا۔

سپاہی نے خاموشی سے اپنا سر ہلکا سا جھکا لیا۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر میں چاہوں، تو تمہاری ملازمت اور تمہارا عہدہ تم سے چھین" سکتا ہوں۔اور یہ بھی مت بھولو کہ جس شخص کی تم اتنی بے تابی سے خدمت کرتے ہو "وہ وہی آدمی ہے جس نے چودہ سال کی عمر میں مجھے بندوق چلانا سکھایا تھا۔

سپاہی کے نتھنے غصے سے پھولنے لگے، مگر وہ سیدھا سامنے دیکھتا رہا، اپنی جگہ پر بے حرکت کھڑا رہا۔

اپنا پیغام پہنچاؤ سپاہی، اور یہ یاد رکھو، کہ آج کے بعد کبھی بھی مجھ سے بات مت" کرنا۔" سپاہی کی آنکھیں اس کے پیچھے کسی نقطے پر مرکوز تھیں، اس کے کندھے تناؤ سے سخت تھے۔ وہ انتظار کرتا رہا، چہرہ سخت اور جذبات سے عاری۔ بالآخر سپاہی نے آہستہ سے اپنے ہاتھ کو سیلوٹ کے لیے اٹھایا۔

آپ فارغ ہیں۔"اس نے سرد لہجے میں کہا اور کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر" دیا۔

دروازے سے ٹیک لگا کر وہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ اسے بس ایک پل درکار تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بستر پر رکھی بوتل کی طرف بڑھا، دو مربع گولیاں نکالیں، انہیں منہ میں ڈال کر پانی کے ساتھ نگل لیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ تاریکی ایک خوش آئند سکون کی مانند تھی، لیکن یہ سکون دیرپا نہیں تھا۔ جلد ہی اس کا چہرہ ذہن میں ابھر آیا۔ وہ بستر پر بیٹھ گیا اور اپنے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے اس وقت اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے

تھا۔اس کے پاس بے شمار کاغذی کام تھااوراس کے والد کی موجودگی کادباؤالگ۔رات کے کھانے کاخیال مزیدپریشان کن تھا۔

اس نے سختی سے آنکھیں مینچ لیں اور ایک کمزور کوشش کی کہ کسی اور چیز پر توجہ مرکوز کرے۔اس نے اپنی یادوں اور خیالات کے درمیان ایک دیوار کھینچنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔اس کا چہرہ بار باراس کے ذہن میں ابھرتا رہا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا،اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے خیالات کو مٹانے کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔یہ اذیت جیسے اسے خوشی دیتی تھی۔

وہ لڑکی اسے تباہ کررہی تھی۔وہ لڑکی جو پچھلے سال ایک پاگل خانے میں تھی۔وہ لڑکی جس نے اسے گولی ماری تھی۔اور وہ لڑکی جواس سے دور جانے کے لیے کسی اور آدمی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

ناشتہ صبح چھ سے سات بجے تک، دوپہر کا کھانا بارہ سے ایک بجے تک،اور رات کا کھانا شام پانچ سے سات بجے تک ہوتا تھا۔رات کا کھاناایک گھنٹہ طویل ہوتا کیونکہ دن کے اختتام پر یہ ان کی محنت کا انعام ہوتا۔لیکن کھانے کا وقت کوئی خاص یا عیش وعشرت کا موقع نہیں تھا۔یہ تجربہ حیدر کے ساتھ کھانے سے یکسر مختلف تھا۔یہاں سب لوگ ایک طویل قطار میں کھڑے ہو کر اپنے بھرے ہوئے کٹورے اٹھاتے اور کھانے کے علاقے کی طرف بڑھ جاتے۔کھانے کی جگہ بھی سادگی کا نمونہ تھی،ایک کمرہ جس میں

مستطیل میزیں ایک دوسرے کے متوازی رکھی ہوئی تھیں۔ کچھ بھی اضافی نہیں تھا تاکہ کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

عالیانہ نے قطار میں کھڑے ارسل کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اچانک کوئی ہلکی سی چیز اس کی کمر پر لگی۔ وہ ایک دم پلٹی۔ وہاں پیچھے اس سے چند فٹ دور داس کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ سجی تھی، آنکھیں عقیق کی طرح چمکدار، اور گہرے، سیدھے بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دبی تھی۔ وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہو۔

داس نیچے جھکا اور موزے سے بنی ایک گول چیز اٹھائی۔ اسے ہاتھ میں تولتے ہوئے اس نے دوبارہ اسے عالیانہ کی طرف پھینکنے کا ارادہ کیا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟ مجھے لگا تمہیں یہاں مجھ سے ملنا تھا۔ کیسر نے کہا تھا کہ۔۔۔"

تم موزے کیوں ساتھ لائے ہو؟ یہاں لوگ کھا رہے ہیں۔" عالیانہ نے اس کی" بات کاٹ دی۔

داس لمحہ بھر کو رکا، پھر آنکھیں گھماتے ہوئے اس کے قریب آیا اور اس کی پونی ٹیل کھینچی۔

مجھے تم سے ملنے میں دیر ہو گئی تھی، محترمہ۔ موزے پہننے کا وقت نہیں ملا۔" اس نے" ہنستے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑے موزوں اور پاؤں میں جوتوں کی جانب اشارہ کیا۔

اف! تم کتنے گندے ہو، داس!"اس نے ناک چڑھا کر کہا۔"

یہ بتانے کا بہت عجیب طریقہ ہے کہ تم میرے لیے کشش محسوس کرتی ہو۔"داس نے" ہنستے ہوئے مذاق کیا۔اس نے اپنا سر جھٹکا اور مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

داس واقعی ایک عجیب و غریب انسان تھا، ایک سنجیدہ اور غیر متزلزل شخص جو بلوغت کے دور سے گزرنے والے کسی سولہ سالہ لڑکے کی طرح لگتا تھا۔اس کے ساتھ رہنا آسان تھا۔اس کے قریب ہونے سے ہنسی فطری لگتی تھی۔

عالیانہ نے کچھ کہے بغیر باورچی خانے کی جانب قدم بڑھایا، مگر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اب بھی موجود تھی۔داس نصف قدم کے فاصلے پر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

تو آج ہم اکٹھے کام کر رہے ہیں؟"داس نے بات جاری رکھی۔"

ہاں۔"عالیانہ نے مختصراً جواب دیا۔"

تو پھر تم بس یوں ہی میرے پاس سے گزر گئیں؟ سلام تک نہیں کیا؟ میں بہت افسردہ" ہوں۔دیکھو، میں نے تو ہمارے لیے ایک میز بھی رکھی تھی۔"داس نے اپنے موزے سینے سے لگا لیے۔

عالیانہ نے اسے ایک نظر دیکھا، مگر بغیر کچھ کہے چلتی رہی۔داس نے قدم تیز کرتے ہوئے اس کے ساتھ رفتار ملائی۔

میں سنجیدہ ہوں! تمہیں اندازہ ہے کسی کو ہاتھ ہلا کر سلام کرنا اور پھر اس کے نظر انداز" کر دینے پر کیسا لگتا ہے؟ تصور کرو کہ تم کسی کو دیکھو، ہاتھ ہلا کر سلام کرو، اور وہ تمہیں نظر انداز کر دے۔ اور یہ سب کسی پبلک جگہ پر ہو! پھر تم بیوقوفوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہے ہو اور تمہارے ارد گرد کے لوگ یہ سوچ رہے ہوں، 'یہ شخص کیا کر رہا ہے؟' اور تم انہیں یقین دلانے کی کوشش کرتے ہو کہ، 'نہیں، میں قسم کھاتا ہوں، میں اسے "جانتا ہوں!' لیکن کوئی یقین نہیں کرتا۔۔۔

تم مذاق کر رہے ہو؟" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "جب سے میں یہاں ہوں، تم نے ان " "! دو ہفتوں میں شاید ایک بار مجھ سے بات کی ہو گی۔ میں تمہیں بمشکل دیکھتی ہوں

رکو، ایک منٹ!" داس نے اس کے راستے میں رک کر کہا۔ "ہم دونوں جانتے ہیں" کہ یہ ممکن نہیں کہ تم نے مجھے ہاتھ ہلاتے ہوئے نہ دیکھا ہو!" اس نے اپنے آپ کی طرف اشارہ کیا۔

لہٰذا، اگر تم میرے ساتھ کوئی کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی ہو، تو میں تمہیں پہلے ہی" "آگاہ کر دوں کہ یہ کام نہیں کرے گا۔

کیا؟" عالیانہ نے تیوری چڑھاتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔"

تم سخت بننے کا ڈرامہ نہیں کر سکتی، عالیانہ۔ پورے ایلفا پوائنٹ کی لڑکیاں مجھ پر لائن" مارنے کی کوشش کرتی ہیں، اگر تم جانتی ہو کہ میرا مطلب کیا ہے، تو یہ سخت بننے کا نیا معیار ہے!" داس نے شوخی سے کہا۔

"اوہ میرے خدا، تم پاگل ہو!" اس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ اگلے ہی پل داس ایک گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری محبت کے لیے پاگل!"

"داس!" عالیانہ کا چہرہ غصے اور شرمندگی سے لال ہو گیا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ سب لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں۔

"کیا ہوا؟ کیا میری محبت تمہیں شرمندہ کرتی ہے؟" داس کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"براہِ کرم... براہِ کرم اٹھ جاؤ... اور اپنی آواز کم کرو!" عالیانہ نے سرگوشی کے انداز میں التجا کی۔

"بالکل نہیں۔" داس نے سر جھٹک کر کہا۔

"کیوں نہیں؟" عالیانہ نے بے بسی سے پوچھا۔

"کیونکہ اگر میں اپنی آواز کم کروں گا، تو اپنی ہی آواز نہیں سن پاؤں گا۔ اور میری آواز... مجھے بہت پسند ہے!" عالیانہ اب اس کی طرف دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔

"مجھے انکار مت کرو، عالیانہ۔ میں ایک تنہا آدمی ہوں!" داس نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟"

تم میرا دل توڑ رہی ہو!" داس نے اپنی آواز مزید بلند کر لی۔ عالیانہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ کمرے کے تمام لوگ داس کو دیکھ رہے تھے۔ محظوظ ہو رہے تھے۔ ان کی نظروں میں حیرانی کے بجائے مسکراہٹ تھی۔ وہ داس کی ان حرکات کے عادی لگ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر محبت اور تفریح کا امتزاج تھا، جیسے وہ اس کی شرارتوں کو پسند کرتے ہوں۔

یہ دیکھ کر اس کو کچھ سکون ملا، مگر جب اس کی نظر ارسل پر پڑی، تو وہ فوراً بے چین ہو گئی۔ ارسل ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی، اس کا سر تھوڑا جھکا ہوا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی الجھن اور ہچکچاہٹ تھی۔ جب ارسل کی نظریں عالیانہ سے ملیں، تو اس نے ہچکچاتے ہوئے ایک چھوٹی سی مسکراہٹ دی۔ عالیانہ نے اپنی نظریں جھکا لیں اور تیز قدم اٹھا کر ارسل کی طرف چل دی۔

ارے، رکو!" داس نے عالیانہ کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔ "میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔" پھر اس نے اس جانب دیکھا جہاں ارسل کھڑا تھا۔ "اوہ! میں کیسے بھول سکتا ہوں؟ میرا روم میٹ تم سے محبت کرتا ہے۔"

اس نے گہری سانس لی اور خود کو پُر سکون کرنے کی کوشش کی۔ "سنو، میں واقعی شکر گزار ہوں کہ تم میری تربیت میں مدد کر رہے ہو۔ سچ میں ہوں۔ لیکن تم اپنی اس جعلی محبت کے اعلانات ہر جگہ نہیں کر سکتے، خاص طور پر ارسل کے سامنے!" داس نے

معذرت خواہانہ انداز میں سر ہلایا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آئی ایم سوری۔ میں سمجھ گیا ۔"اس کے چہرے پر تھوڑی سی سنجیدگی نظر آئی۔

شکریہ۔"عالیانہ نے نرم لہجے میں کہا۔"

ارسل ہماری محبت سے جل رہا ہے!"داس نے ایک بار پھر مذاق کرتے ہوئے کہا،" لیکن اس بار اس کی آواز میں شرارت زیادہ تھی۔

جاؤ، جا کر اپنا کھانا لو!"اس نے سختی سے اپنی جھنجھلاہٹ قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔"

داس ان چند لوگوں میں سے ایک تھا، ارسل کو چھوڑ کر، جو اسے ایک دوست کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کو یہ بات پسند تھی۔

ارسل نے قریب آکر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ "ہیلو" کہا، لیکن اس کے چہرے پر ایک عجیب سی پریشانی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں لکھی کہانی پڑھ سکتی تھی۔

تم ٹھیک ہو؟"عالیانہ نے نرمی سے پوچھا۔"

ہاں، میں ٹھیک ہوں۔"ارسل نے گہری سانس لی اور نظریں چرا لیں۔"

کیا ہوا؟"عالیانہ نے اسے مزید پریشان ہوتا دیکھ کر پوچھا۔"

میں تھوڑا گھبرا گیا تھا۔"ارسل نے آہستہ سے جواب دیا۔"

کس بات پر؟"عالیانہ نے فکرمندی سے پوچھا، لیکن ارسل خاموش رہا۔ وہ اس کے " کندھے کے پیچھے کسی چیز کو دیکھ رہا تھا۔

ارسل... ؟"اس نے دوبارہ کہا۔"

کچھ نہیں۔"ارسل نے چند لمحوں کے توقف کے بعد نظریں دوبارہ عالیانہ کی طرف" پھیریں۔اس سے پہلے کہ عالیانہ مزید کچھ کہہ پاتی، داس ان کے پیچھے پہنچا، وہ ان کی بات چیت تقریباً سن چکا تھا۔"کیا ہوا؟ تم لوگ اتنی دیر کیوں لگا رہے ہو؟"داس نے بے تابی سے کہا۔ارسل نے ایک گہری سانس لی، جیسے وہ اپنے خیالات کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ جلد یا بدیر وہ بات کریں گے اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ارسل نے سوچا۔

تینوں ایک خالی میز پر بیٹھے۔ارسل بنچ پر بیٹھا اور عالیانہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی، جبکہ داس ان کے سامنے بیٹھا تھا۔

تم لوگ واقعی عجیب ہو، یہ بات تمہیں معلوم ہے نا؟"داس نے عالیانہ کے کان کے" قریب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

اس نے حیرت سے داس کو دیکھا، جو آدھی حرکت میں منجمد تھا۔اس کا چمچ آدھے راستے پر رکا ہوا تھا اور وہ ان دونوں کی طرف جھکا ہوا تھا۔ چمچ سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔"یہ کیا ہے؟ تم لوگ ناشتہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ایسے کیوں "دیکھ رہے ہو؟

تمہیں اگر یہ پسند نہیں ہے تو تم جا سکتے ہو۔کسی نے تمہیں یہاں بیٹھنے کا نہیں کہا!"" ارسل نے ناراضگی سے کہا۔

ارسل ہمیشہ داس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی کوشش کرتا تھا، لیکن جیسے ہی داس بولنا شروع کرتا، ارسل کا چڑچڑاپن بڑھنے لگتا۔ وہ دونوں کالج کے زمانے کے دوست تھے، مگر داس کو ارسل کو چڑانے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور آتا تھا۔ وہ کبھی کبھی حیران ہوتی کہ یہ دونوں روم میٹس کے طور پر کیسے رہتے ہوں گے۔

میں نے آج صبح ہی تمہیں بتایا تھا کہ مجھے تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ کیسر نے کہا" ہے کہ میں تم دونوں کی مدد کروں تا کہ تم اس نئے ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ ہو سکوں۔" داس نے ہنستے ہوئے عالیانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"! مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تم نے اس آدمی میں کیا دیکھا۔ یہ شخص بہت موڈی ہے"

میں موڈی نہیں ہوں!" ارسل جھٹ سے بولا۔"

ہاں، بالکل! تم واقعی موڈی ہو۔ ہمیشہ 'چپ ہو جاؤ، داس!'، 'سو جاؤ، داس!'، 'شور" مت کرو، داس!'، 'تم اتنے خاص نہیں کہ لوگ تمہارے روم میٹ ہونے کا خواب دیکھیں، داس!' جبکہ میں جانتا ہوں کہ ہزاروں لوگ یہ خواب دیکھتے ہیں!" داس نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

تمہیں یہاں کتنی دیر بیٹھنا ہے؟" ارسل نے تھکے ہوئے انداز میں پوچھا اور نظریں جھکا" لیں۔ اس نے اپنے ہاتھ سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے گہری سانس لی۔

تمہیں اپنی قسمت پر شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں تمہاری میز پر بیٹھا ہوں۔ میں تمہیں اپنی" دوستی سے 'کول' بنا رہا ہوں!" داس نے سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم کسی اور موضوع پر بات کر سکتے ہیں؟" عالیانہ نے ان کی نوک جھونک سے تنگ آ کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" داس نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا اور ناشتے کا ایک اور نوالہ منہ میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ فکر مند ہو گئی تھی۔ اب جب وہ ارسل کو قریب سے دیکھ رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں تھکن اور ماتھے کی سلوٹیں واضح تھیں۔ وہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ ارسل کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، آخر وہ کون سی بات چھپا رہا ہے۔

"تم واقعی ٹھیک ہو؟" ارسل کی آنکھوں میں تھکن کے باوجود ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "میں ٹھیک ہوں۔"

"عالیانہ؟ ارسل؟" ایک آشنا آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔ وہ پلٹے تو دیکھا کیسر ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی موجودگی استاد کی طرح تھی۔ داس، جو باورچی خانے کی طرف جا رہا تھا، کیسر کے کندھے پر دوستانہ انداز میں تھپکی دیتے ہوئے مسکرایا۔ "میں ابھی واپس آتا ہوں!" اس نے جوشیلے انداز میں کہا اور جاتے جاتے عالیانہ کے قریب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "کوشش کرو کہ سب کے سامنے ہاتھ نہ پکڑو، یہاں بچے ہیں!"

اس نے ارسل کی طرف دیکھا، جو کھانے میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا تھا اور ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔ چنانچہ وہ جواب دینے کے لیے آگے بڑھی اور چہرے پر روشن مسکراہٹ سجائی۔ "صبح بخیر۔"

کیسر نے سر ہلاتے ہوئے اپنے بلیزر کو درست کیا۔اس کا قد مضبوط اور پر وقار تھا، اس کی مسکراہٹ میں خفیف سختی تھی۔ "میں صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ آپ دونوں کیسے ہیں۔

"میں خوش ہوں کہ آپ نے اپنے دوستوں کے حلقے کو وسیع کیا ہے، مس عالیانہ۔

اوہ، شکریہ۔ لیکن یہ میرا آئیڈیا نہیں تھا۔آپ نے ہی مجھے داس کے ساتھ بیٹھنے کو کہا" "تھا۔

ہاں،اور میں خوش ہوں کہ آپ نے میری بات مانی۔ "کیسر نے کہا،اس کی مسکراہٹ" تھوڑی گہری ہو گئی۔

عالیانہ نے ارسل کی طرف دیکھا، جواب بھی خاموش تھا، کھانے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ کیسر نے بات جاری رکھی۔ "تو، مسٹر ارسل، کیا عالیانہ نے آپ کو بتایا کہ وہ اب "داس کے ساتھ تربیت کرے گی؟ مجھے امید ہے کہ اس سے اسے ترقی میں مدد ملے گی۔

ارسل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"... خیر۔ "کیسر رکا اور دونوں کے درمیان نظریں گھمائیں۔ "مس عالیانہ، ارسل کو"

"!ارسل اتنی جلدی سے کھڑا ہوا کہ تقریباً میز سے ٹکرا گیا۔" بالکل نہیں

مسٹر ارسل..."کیسر نے کہنا شروع کیا۔"

میں اس موضوع پر یہاں بات نہیں کرنا چاہتا۔" عالیانہ بھی فوراً کھڑی ہو گئی۔ارسل" کے مٹھیوں میں تناؤ تھا، آنکھیں غصے میں تنگ ہو گئیں، اس کا پورا وجود اضطراب سے

لرز رہا تھا۔ "کیا بات ہے ؟" اس نے نرمی سے پوچھا، لیکن ماحول پہلے ہی شدید کشید گی کا شکار ہو چکا تھا۔

یہ ارسل کی بات ہے۔ "کیسر نے انتہائی محتاط اور پر سکون لہجے میں گفتگو کا سلسلہ جاری" رکھا۔

اس کا آپ کی ترقی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "اس نے اپنی آواز کو ضبط سے قابو میں" رکھتے ہوئے وضاحت کی۔

کون سی ترقی ؟" اس نے بات کاٹ کر پوچھا۔"

ہم صرف یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ... "کیسر نے وضاحت دینے کی کوشش" کی، لیکن رُک گیا۔

ہم ارسل کا ٹیسٹ ... "کیسر کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے شکست خوردگی کے آثار" نمودار ہوئے۔ ارسل نے کیسر کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اسے منع کرنے کا اشارہ کیا، جو عالیانہ کی نظر سے چھپ نہ سکا۔

ٹیسٹ ؟ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ کس بارے میں بات کر رہے ہیں۔ اور" میں جاننا چاہتی ہوں کہ میرے سوالوں کے جواب کیوں نہیں دیے جا رہے ؟ ارسل کا کون سا ٹیسٹ ؟ کیا کچھ غلط ہے ؟" اس کے لہجے میں اب پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

ارسل کا چہرہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔ "کوئی مجھے بتائے کہ ہو کیا رہا ہے!" عالیانہ نے اصرار کیا۔ کیسر نے بھنویں سکیڑ کر عالیانہ کی جانب گہری نگاہ ڈالی، پھر ارسل کی طرف متوجہ ہوا۔ "ارسل، کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ نے ہمارے شکوک ابھی تک عالیانہ سے شیئر نہیں کیے؟"

"کون سے شکوک؟" عالیانہ کا دل اب اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے سینے میں درد محسوس ہونے لگا۔

"یہ تمہارے کام کا حصہ نہیں ہے!" ارسل نے غصے سے جواب دیا۔

"اسے معلوم ہونا چاہیے۔" کیسر نے سختی سے کہا۔

"ہم ابھی کچھ نہیں جانتے!" ارسل نے شدید لہجے میں کہا۔

"ہم کافی کچھ جانتے ہیں۔" کیسر نے دباؤ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے!" ارسل نے غصے میں آکر کیسر کے سامنے قدم بڑھایا اور ناشتہ کی ٹرے کو سختی سے تھاما، پھر جانے کے لیے مڑا۔

عالیانہ نے جلدی سے اس کا بازو پکڑا۔ ارسل لمحہ بھر کو رکا اس نے ٹرے چھوڑی، اور عالیانہ کی جانب مڑ کر دیکھا۔ "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"لیکن..." عالیانہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر وہ رکا نہیں۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، عالیانہ۔ میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔"

"... ٹھیک کر دوں گا؟ کیا ٹھیک کر دوں گا؟ ارسل، میں کچھ سمجھ نہیں"

واقعی؟" داس واپس آتے ہوئے بولا۔ "یہ جذباتی ڈرامہ یہاں، سب کے "
سامنے؟" ارسل پیچھے ہٹا، اور داس کے کندھے سے ٹکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔

مت کرو!" یہ وہ آخری الفاظ تھے جو عالیانہ نے ارسل کے جانے سے پہلے سنے۔"

داس آہستہ سے سیٹی بجاتا ہوا کیسر کی طرف مڑا، جواب بھی ارسل کا نام پکار رہا تھا۔
"رک جاؤ، ارسل! بات کرو، معاملہ حل کرو۔" مگر ارسل نے پلٹ کر نہیں
دیکھا۔ کیسر ایک آخری نگاہ اس پر ڈال کر ارسل کے پیچھے چلا گیا۔

میں نے کہا تھا، وہ موڈی ہے!" داس نے سرگوشی میں کہا۔"

وہ موڈی نہیں ہے۔" عالیانہ نے زور دے کر جواب دیا۔ داس نے کندھے اچکائے۔"
""تو، تیار ہو جاؤ اپنی شامت کے لیے۔

داس!" عالیانہ نے آہستہ سے کہا۔"

"ہاں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے وہاں لے جاؤ جہاں وہ گیا ہے۔"

داس نے حیرت سے عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "اممم... اس درخواست کو انکار سمجھو۔
کیا انکار تمہارے لیے کام کرے گا؟ کیونکہ، میرے لیے تو یہ کام کر رہا ہے۔" عالیانہ نے

مایوسی سے کہا۔ "مجھے جاننا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو، نا؟ تمہیں پتا ہے کہ کیا غلط ہے؟"

"یقیناً مجھے سب پتا ہے۔ آخر میں اس غریب بندے کے ساتھ رہتا ہوں اور تقریباً اس جگہ کا مالک ہوں۔ مجھے سب معلوم ہے۔" داس نے بازو سینے پر باندھے۔

"تو پھر تم مجھے کیوں نہیں بتاتے؟ داس، پلیز!" عالیانہ کی آواز میں بے چینی نمایاں تھی۔

"ہاں،... میں یہ نہیں کروں گا۔ لیکن جانتی ہو کہ میں کیا کروں گا؟ میں تمہیں اس ڈائننگ ہال سے نکالنے میں مدد کروں گا، جہاں ہر کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔" داس نے اپنی آخری بات کچھ زیادہ بلند آواز میں کہتے ہوئے گرد و نواح میں دیکھنا شروع کیا۔

"واپس جا کر ناشتہ کرو، لوگو۔ یہاں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے!"

اسی لمحے عالیانہ کو احساس ہوا کہ وہ واقعی ایک تماشا بن چکے ہیں۔ کمرے کی ہر نظر ان پر جمی ہوئی تھی۔ اس نے کمزور سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ہوا میں لہرا کر ہلکا سا ہلایا اور داس کو اسے وہاں سے نکالنے کی اجازت دے دی۔ داس نے اسے راہداری کے ان مدھم روشنی والے حصوں میں سے ایک کی طرف لے جایا۔

"ایسے ہاتھ لہرانے کی ضرورت نہیں تھی، شہزادی۔ وہ تمہاری تاجپوشی کی تقریب نہیں تھی۔" اس نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

مجھے بتاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ناانصافی ہے! سب کو معلوم ہے، سوائے" میرے۔" داس کندھے جھٹک کر دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔" یہ میرا بتانے والا معاملہ نہیں ہے۔ یہ اس کا راز ہے۔ میرا مطلب ہے، میں اس بندے کے ساتھ مذاق کرنے کا مزہ لیتا ہوں، لیکن میں اتنا بے حس نہیں ہوں۔ اس نے مجھے کچھ نہ کہنے کے لیے "کہا تھا، اور میں کچھ نہیں کہوں گا۔

لیکن اتنا تو بتا دو، کیا وہ ٹھیک ہے؟" عالیانہ نے امید بھری نظروں سے پوچھا۔"

داس نے جھنجھلا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔" کیا تم نے کبھی کوئی ٹرین حادثہ دیکھا ہے؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔" میں نے بچپن میں ایک دیکھا تھا۔ ایک بڑی ٹرین، جس کے سینکڑوں ڈبے تھے، پٹری سے اتر گئی۔ آدھی ٹرین تباہ ہو گئی، ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ لوگ چیخ رہے تھے۔ تم جانتے ہو کہ لوگ یا تو مر چکے ہیں یا مرنے والے ہیں۔ تم "اسے دیکھنا نہیں چاہتے، لیکن تم آنکھیں بھی نہیں ہٹا سکتے۔

"وہ ایک لمحے کو رکا۔" ارسل بھی ویسا ہی ہے، ایک ٹرین حادثہ۔

اس کو اپنی سانس بھاری محسوس ہونے لگی، مگر داس بولتا رہا۔" میرا مطلب ہے، ذاتی طور پر، مجھے لگتا ہے وہ زیادہ ردعمل دے رہا ہے۔ اس سے بھی بدتر واقعات ہو چکے ہیں۔ ہم تو یہاں اپنے کانوں تک بری چیزوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن نہیں، جناب ارسل ابراہیم کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ سوتا بھی ہے۔ اور سچ کہوں تو، مجھے لگتا ہے کہ وہ تمہیں بھی ڈرا رہا ہے، اور یہ بات مجھے غصہ دلا رہی ہے کیونکہ تم بہت اچھی

ہو کہ تمہیں ارسل کے ڈرامے کا سامنا کرنا پڑے۔" مگر عالیانہ یہ سب نہیں سن رہی تھی۔اس کے ذہن میں بدترین خیالات گردش کر رہے تھے۔اسے لگ رہا تھا کہ ارسل کسی مہلک بیماری کا شکار ہے۔" تمہیں مجھے بتانا ہو گا!"اس نے ایک ہی جھٹکے میں داس کو دیوار کے ساتھ لگا دیا۔داس حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

تم مجھے سب کچھ بتاؤ گے، داس۔ تمہیں بتانا ہو گا۔مجھے جاننے کی ضرورت ہے!""""

عالیانہ نے اس کے چہرے کے قریب آ کر کہا۔

تم، ارے... تم مجھے چھوڑنا نہیں چاہو گی؟"داس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے" ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔

تم میری مدد کرو گے؟"عالیانہ نے مزید دباؤ ڈالتے ہوئے پوچھا۔"

نہیں۔"داس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔عالیانہ نے اسے مزید زور سے دیوار کے ساتھ دبا" دیا۔

ٹھیک ہے! ٹھیک ہے!"داس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور ہنستے ہوئے کہا۔"میں تمہیں" "وِنگ لیبز لے جاؤں گا۔

وِنگ لیبز؟"اس نے حیرت سے پوچھا۔"

"ہاں، یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم بیماریوں کا ٹیسٹ کرتے ہیں۔"

"وعدہ کرو اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو تم مجھے وہاں لے جاؤ گے؟ "

"اگر میں وعدہ نہ کروں تو کیا تم مجھے مار دو گی؟"

شاید۔"اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔"

توہاں، میں وعدہ کرتا ہوں۔"داس نے کہا۔عالیانہ نے اسے چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ گئی۔" اس لمحے اسے احساس ہوا کہ شاید اس نے کچھ زیادہ رد عمل دیا ہے۔

اس کے لیے معذرت، لیکن شکریہ۔مجھے تمہاری مدد کی قدر ہے۔"عالیانہ نے اپنی" ٹھوڑی بلند کرتے ہوئے کہا۔داس ہنسا اور اسے ایسے دیکھنے لگا جیسے اسے یقین نہ ہو کہ عالیانہ کون ہے۔

کیا؟"عالیانہ نے پوچھا۔"

"تمہارا وزن کتنا ہے؟"

واہ۔کیا تم ہر لڑکی سے ایسے سوال کرتے ہو؟"عالیانہ نے ناگواری سے کہا۔"

میں تقریباً ایک سو پچھتر پاؤنڈ کا ہوں۔"داس نے اپنی بات جاری رکھی۔"

تو؟ کیا تمہیں اس پر کوئی انعام چاہیے؟"عالیانہ نے غصے سے کہا۔"

ارے،ارے! دیکھو، کوئی بہت ہوشیار ہو رہا ہے۔"داس ہنستے ہوئے بولا۔"لیکن..." "تم نے مجھے دیوار کے ساتھ کیسے جکڑ لیا؟ تمہارا وزن تو کچھ بھی نہیں۔

کیا؟ تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"عالیانہ نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔"

"میں تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ تم نے مجھے دیوار کے ساتھ دبا دیا، اور میں حرکت بھی نہیں کر سکا۔"

"تم مذاق کر رہے ہو؟" عالیانہ آہستگی سے بولی، اس کی آنکھوں میں حیرت نمایاں تھی۔

"ظاہر ہے، میں مذاق کر رہا ہوں۔ تم میرے ایک ہاتھ کی مار تھیں۔" کہہ کر اس نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا، جس سے عالیانہ کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے ہلکی سی شرمندگی جھلکی، مگر فوراً غائب ہو گئی۔ اس کا دل چاہا کہ واقعی اسے مار دے، لیکن اس کی بجائے اس نے داس کی کمر پر ایک زوردار گھونسہ دے مارا۔

"اف! پاگل لڑکی، میں تمہیں..." داس نے چیختے ہوئے کہنا شروع کیا لیکن جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ اب عالیانہ کو ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بہت خوبصورت لگتی تھی۔ "اوہ، اب سمجھ آیا!"

"کیا؟" اس نے دونوں بازو سینے پر باندھ کر اسے گھورا۔

"تم مجھے چھونے کے بہانے ڈھونڈتی ہو!" داس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کی بات پر عالیانہ بے اختیار ہنس دی۔ "داس، تم واقعی پاگل ہو!" وہ اب بھی ہنس رہی تھی، جیسے سب کچھ بھول گئی ہو۔ مگر یہ کیفیت مختصر تھی، وہ فوراً حقیقت کی طرف لوٹ آئی۔

"چلو، اب مجھے ونگ لیبز لے چلو۔"

داس نے آہ بھری اور بڑی شان سے سر جھکاتے ہوئے بولا۔ "آپ کے بعد، شہزادی۔"

••••••☆☆☆••••••

یہ اجنبی راہیں، جن پر وہ گزر رہی تھی، اس کے لیے بالکل نئی تھیں۔ وہ معمول کے ہالز اور ونگز کو پیچھے چھوڑتی، اپنے تربیتی کمرے سے بھی آگے نکل آئی تھی۔ آج پہلی بار، جب سے وہ یہاں آئی تھی، اس نے اپنے ماحول پر اس قدر گہری توجہ دی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی تمام حسیات تیز ہو گئی ہوں، جیسے پوری دنیا ایک دم واضح ہو گئی ہو۔ اس کا پورا وجود کسی نئی توانائی سے معمور محسوس ہو رہا تھا۔

یہ زیرِ زمین پناہ گاہ ایک پیچیدہ اور حیرت انگیز نظام کی شکل میں تراشی گئی تھی۔ غاروں جیسی راہیں، جڑے ہوئے گلیارے، اور خفیہ اسٹوریج یونٹس، جو نایاب اشیا سے بھرے ہوئے تھے، یہ سب بجلی کے اس وسیلے سے جڑے ہوئے تھے جو تجدید کے ادارے کی ملکیت تھا۔ یہ جگہ غیر معمولی طور پر قیمتی تھی۔ کیسر نے ایک بار بتایا تھا کہ اس پناہ گاہ کو تعمیر کرنے میں ایک دہائی سے زیادہ کا عرصہ لگا تھا، اور اسے مکمل کرنے میں مزید کئی سال صرف ہوئے تھے۔ اسی دوران، اس نے اس زیرِ زمین دنیا کے دیگر افراد کو بھرتی کیا تھا۔ اب عالیانہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کیسر اس جگہ کی حفاظت کے بارے میں اتنا سخت کیوں تھا۔ اسے بھی احساس ہونے لگا کہ اگر وقت آیا، تو وہ بھی اس جگہ کو بچانے کے لیے ہر ممکن حد تک جائے گی۔

داس رک گیا۔

وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جو کسی بند راستے کی طرح لگ رہی تھی۔ یہ ایلفا پوائنٹ کا آخری سرا تھا۔

داس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا، جو اس نے اب تک چھپایا ہوا تھا۔ اس نے دیوار میں پوشیدہ ایک پینل کو کھولا، کچھ ایسا کیا جو عالیانہ دیکھ نہ سکی، پھر کارڈ کو سوائپ کیا اور ایک سوئچ دبایا۔ دیوار نے زندگی کی مانند حرکت کرنا شروع کی۔ دیوار کے مختلف حصے اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، یہاں تک کہ ایک ایسا سوراخ ظاہر ہوا جس میں وہ آسانی سے داخل ہو سکتے تھے۔ داس نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا، اور وہ جلدی سے داخل ہو گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور دیوار کو اپنے پیچھے بند ہوتے ہوئے دیکھا۔ اندر قدم رکھتے ہی عالیانہ نے اپنے آپ کو ایک وسیع و عریض جگہ میں پایا، جو کسی غار کی مانند تھی۔ یہ جگہ تین حصوں میں منقسم تھی۔ درمیانی حصہ سب سے تنگ تھا، جو گزرگاہ کا کام دیتا تھا۔ دائیں اور بائیں جانب پتلے شیشے کے دروازوں کے ساتھ مستطیل شیشے کے کمرے موجود تھے، جن کی شفاف دیواریں دونوں طرف کے کمروں کو جدا کر رہی تھیں۔ ہر چیز صاف شفاف تھی۔ ہر کمرہ سفید روشنی میں نہایا ہوا تھا، اور جھپکتی ہوئی مشینری کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ توانائی کی دھیمی گونجیں پوری فضا میں بکھری ہوئی تھیں۔

یہاں تقریباً پچیس کمرے تھے، ہر طرف دس، اور سب غیر مسدود۔ عالیانہ نے کھانے کے ہال سے کچھ چہرے پہچان لیے۔ کچھ لوگ مشینوں سے جڑے ہوئے تھے، ان کے

جسموں میں سوئیاں پیوست تھیں، اور مانیٹرز پر وہ معلومات چل رہی تھیں جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔ دروازے مسلسل کھل اور بند ہو رہے تھے۔ ہر طرف لوگوں کی سرگوشیاں، قدموں کی آوازیں، اور مائعوں کی سرسراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ کیمیکلز، آلات، اور مشینیں جگہ جگہ موجود تھیں، جن میں سے کئی کے نام بھی وہ نہ جانتی تھی۔ اور پھر، اس نے ایک آواز سنی۔

یہ آواز موٹے شیشے کی دیواروں کے پیچھے سے بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ عالیانہ نے اسے نظرانداز کرنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن وہ آواز مسلسل بلند ہوتی جا رہی تھی۔ یہ آواز ایک لمحے کے لیے تھمی، اور پھر دوبارہ گونجی۔

انسانی تکلیف کی پست اور غدار آواز وہ آواز اس کے دل و دماغ پر وار کرتی ہوئی یوں محسوس ہوئی جیسے کسی نے اس کے پیٹ میں گھونسا مار دیا ہو۔ حقیقت اس پر یلغار کرتے ہوئے اس کی جلد میں اتر گئی اور اپنے ناخن اس کی گردن پر گاڑ دیے۔ وہ اس حقیقت کے ناقابل برداشت بوجھ تلے دبنے لگی، سانس گھٹنے لگا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ "ارسل!" اس نے دیکھا۔ وہ پہلے ہی وہاں موجود تھا، ایک شیشے کے کمرے میں۔ اس کے جسم پر شرٹ نہیں تھی اور اس کے پیٹ پر جگر کے قریب مشین کی تاریں جڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، مٹھیاں سختی سے بند، جبڑا شدت سے بھینچا ہوا، اور چہرے پر اذیت کی گہری چھاپ تھی۔ عالیانہ کی سمجھ سے یہ منظر باہر تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ارسل کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یا یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ اس مشین کی

ضرورت کیا تھی جو بار بار جھپک رہی تھی اور بیپ کر رہی تھی؟ وہ حرکت کرنے سے قاصر تھی۔ سانس لینا دشوار ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی آواز اپنے ہاتھ، اپنے وجود کو یاد کرنے کی کوشش کی مگر سب بے سود رہا۔ پھر اچانک ارسل کا جسم جھٹکے سے لرز اٹھا۔ وہ درد کے خلاف لڑنے لگا، اور اس کی مٹھیاں گدی پر زور سے ضربیں لگانے لگیں۔ عالیانہ نے اسے چیختے ہوئے سنا اور اس لمحے دنیا رک سی گئی۔ ہر آواز دھندلا گئی، ہر رنگ مدھم پڑ گیا اور فرش جیسے ایک طرف جھک گیا ہو

پھر اس کی نظر کیسر پر پڑی۔ وہ ارسل کے شیشے کے کمرے کے کونے میں خاموشی سے کھڑا تھا، دیکھ رہا تھا کہ ایک چوبیس سالہ آدمی اذیت میں چیخ رہا ہے، لیکن وہ کچھ نہیں کر رہا تھا۔ نہ کوئی حرکت، نہ کوئی کوشش۔ صرف دیکھ رہا تھا، اپنی چھوٹی سی کتاب میں کچھ نوٹس لکھ رہا تھا، سر ایک طرف جھکائے، ہونٹ بھینچے، اور مشین کے مانیٹر پر نظریں جمائے۔

وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔

عالیانہ! نہیں!" داس نے بے ساختہ کہا اور اس کی کمر کے گرد اپنے مضبوط بازو لپیٹ" لیے۔ عالیانہ کو لگا کہ وہ چیخ رہی ہے، ایسی باتیں کہہ رہی ہے جو اس نے خود بھی پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ داس اسے پر سکون ہونے کا کہہ رہا تھا۔

اسی لیے میں نے تمہیں یہاں لانے سے منع کیا تھا! تم نہیں سمجھ رہی ہو۔ یہ سب" "ایسا نہیں ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔

"چھوڑو مجھے !"

"مجھے لاتیں مارنا بند کرو!"

"میں اسے مار ڈالوں گی!"

"تمہیں واقعی اونچی آواز میں یہ کہنا بند کر دینا چاہیے، ٹھیک ہے؟" داس نے سرگوشی کی۔ "تم اپنے آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے رہی ہو۔"

"مجھے چھوڑ دو، داس، خدا کی قسم..."

"مس عالیانہ!" کیسر واک وے کے دوسرے سرے پر کھڑا تھا۔ شیشے کے کمرے سے چند قدم کے فاصلے پر۔ دروازہ کھلا ہوا تھا، اور ارسل اب بے ہوش ہو چکا تھا۔ عالیانہ کے وجود میں ایک سفید گرم غصہ دہک رہا تھا، ایسا غصہ جو اس کی رگوں میں لاوا بن کر بہہ رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کی دنیا جیسے سیاہ و سفید ہو گئی تھی، ہر چیز آسانی سے تباہ کرنے اور مٹانے کے قابل لگ رہی تھی۔

داس کے بازو اب اس سے ہٹ چکے تھے، اور اسے مڑ کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی یہ جاننے کے لیے کہ وہ پیچھے ہٹ چکا ہے، خوفزدہ، الجھا ہوا، اور شاید پریشان۔ مگر عالیانہ کو اس کی پروا نہیں تھی۔

"تو یہ ہے جو تم کر رہے تھے؟" اس کی آواز میں سرد مہری اور حقارت تھی۔

کیسر نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس کی نظروں میں افسوس کا ایک سایہ ابھرا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی، لیکن عالیانہ اسے بولنے نہیں دیا۔

تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ تم اس کے ساتھ کیا کر رہے تھے؟" عالیانہ کے الفاظ سرد" اور سخت تھے۔

مس عالیانہ، براہ کرم۔" کیسر نے نرم لہجے میں جواب دیا۔"

وہ تمہارا تجربہ نہیں ہے!" عالیانہ کا غصہ پھٹ پڑا۔ "تم سمجھتے ہو کہ تم اسے اپنی تحقیق" کے لیے استعمال کر سکتے ہو؟" اس کی آواز لرز رہی تھی، مضبوطی ختم ہو چکی تھی، اور وہ بمشکل اپنے ہاتھوں کو کانپنے سے روک پا رہی تھی۔

مس عالیانہ، براہ کرم، آپ کو خود کو پر سکون کرنا ہوگا۔" کیسر نے نرمی سے کہا، جیسے وہ" کسی بچے کو سمجھا رہا ہو۔

مجھے پر سکون ہونے کو مت کہو!" اس نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔"

مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ اس کمرے سے آپ کو اتنا شدید رد عمل ہوگا۔" کیسر نے ایک" لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ اس کے غصے نے مزید شدت اختیار کر لی۔ "تم! تم خود کو 'درستور' سے بہتر سمجھتے ہو؟ تم ہمیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہو؟" اس کے الفاظ بمشکل اس کے لبوں سے نکلے۔

عالیانہ!" کیسر کی آواز گرجی، اور اس کی آنکھوں میں شدید غصے کی چمک تھی۔ عالیانہ " کو اچانک احساس ہوا کہ اس زیر زمین سرنگ میں موجود ہر شخص اب ان دونوں کی طرف متوجہ ہو چکا ہے۔ شیشے کی دیواریں لرزنے لگیں، اور کیسر غصے اور تحقیر سے بھرے ہوئے انداز میں ان کے درمیان کھڑا تھا۔

تمہیں مجھے ناراض نہیں کرنا چاہیے۔" کیسر نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر آپ" کو میرے طریقوں پر اعتراض ہے، تو میں خوشی سے آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اپنے اعتراضات معقول اور منطقی انداز میں بیان کریں۔ دوسری بات، اگر آپ کو یہ لگتا ہے کہ میں اس پر تجربہ کر رہا ہوں، تو یقیناً آپ مکمل طور پر جاہل ہیں۔ میں انسانوں پر ایسے "لیبز میں تجربات نہیں کرتا، اور شاید کوئی اور بھی نہیں کرتا۔

میری جہالت ؟"اس نے سختی سے سانس لیتے ہوئے کہا، جیسے اس کی قوت برداشت کا" آخری کنارہ چھوٹ رہا ہو۔

عالیانہ، بس کرو!" داس نے مداخلت کی کوشش کی، لیکن اس کے الفاظ عالیانہ کے" کانوں تک نہیں پہنچے۔ کیسر نے داس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے یہاں سے لے جاؤ۔ اسے واپس اس کے تربیتی کوارٹرز میں لے جاؤ۔ اور جب یہ پرسکون ہو جائے، "تو اسے سب کچھ سمجھا دینا۔

پھر وہ داس کی طرف ایک سخت نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "اور تم اور میں بعد میں اس پر "بات کریں گے۔

مگر عالیانہ کے لیے ان سب الفاظ کی کوئی اہمیت نہ رہی۔ اس کے کانوں میں صرف مشینوں کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ اس کی نظریں شیشے کے کمرے کے اندر ارسل کی بے جان اور بے ہوش پڑی ہوئی حالت پر جمی تھیں۔ وہ اندر سے مکمل طور پر ٹوٹ چکی تھی۔

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سوٹ کے اس مقام پر گیا جہاں دھان نے اسے ایمر جنسی کے وقت کے لیے ایک بٹن کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ بٹن دبانے پر مسٹرڈ گیس خارج ہوتی تھی، دھان نے اسے بار بار کہا تھا کہ بٹن دبانے سے پہلے ماسک پہننا ضروری ہو گا۔ لیکن اس وقت نہ اس نے ماسک پہنا، نہ یہ ایمر جنسی کی صورتحال تھی، نہ یہ وہ مناسب جگہ تھی جہاں اس گیس کا اخراج محفوظ ہوتا۔ یہاں ہر طرف مختلف کیمیکلز تھے۔ اگر گیس ان کیمیکلز کے ساتھ ری ایکشن کرتی تو سب کچھ تباہ ہو سکتا تھا۔ مگر وہ کچھ نہ سوچ سکی۔ غصہ عقل پر غالب آگیا۔ اس نے بٹن دبا دیا۔

ایک کلک۔ کھانسنے کی آوازیں، ہر طرف دھواں، زہریلا دھواں۔ سرنگیں لرزنے لگیں۔ ہلچل، شور، دھکم پیل، افراتفری۔ تہس نہس۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے دیکھا وہ ایک صحرا میں ہے، سخت تپتا صحرا۔ ایسا صحرا جہاں دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ مگر اس نے دیکھا دور افق پر ایک پرندہ اڑتا ہوا اس کی جانب آ رہا تھا۔ وہ پرندہ اتنا خوبصورت تھا کہ وہ اس سے نظریں نہ ہٹا پائی۔ پرندہ قریب آیا اور اس نے دیکھا وہ پرندہ زخمی ہے۔ پرندہ ٹھیک اس کے قریب آ کر زمین پر گر گیا اور

تھر تھرانے لگا۔ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں پرندے کی آنکھوں سے ملیں۔سیاہ انکھیں۔وہ ان آنکھوں کو جانتی تھی، پہچانتی بھی تھی۔

تم نے اپنی آزادی کے پرندے کو مار دیا۔" پس منظر سے ایک کرہت گرجدار آواز اس" کی سماعت سے ٹکرائی۔وہ بے اختیار پلٹی وہاں کوئی نہیں تھا۔وہ واپس مڑی۔زمین پر گرے پرندے کا وجود اب ساکت تھا، مگر اس کی آنکھیں، اس کی آنکھوں میں کرب تھا ،وہ آنکھیں اسے کسی کی یاد دلاتی تھیں، کسی ایسے شخص کی جسے وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔"تم نے اپنی آزادی کے پرندے کو مار دیا۔" ایک بار پھر آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔وہ پنجوں کے بل پرندے کے پاس بیٹھی، اس کی آنکھیں۔اس کی سیاہ آنکھیں ۔اسکی آنکھیں خو بحو حیدر جیسی تھیں۔ایک جھٹکے سے وہ اپنے حواسوں میں واپس آئی۔اس نے دھندلی آنکھوں سے پلکیں جھپکائیں، ایک بار، دو بار، پھر تیسری بار۔ایک چہرہ دھند کے پیچھے ابھرا۔ایک لڑکی کا چہرہ، جس کی شکل پوری طرح صاف نہیں ہو رہی تھی۔

کیسا محسوس کر رہی ہو؟" لڑکی کی آواز نرم تھی۔"

"ٹھیک۔"

"میلیسا؟"

ہاں، میں میلیسا ہوں اور تم میڈیکل ونگ میں ہو۔" میلیسا نے بتایا۔"

"کیا ہوا تھا؟ میں کتنی دیر بے ہوش رہی؟"

میلیسا خاموش رہی۔

میلیسا؟ میں کتنی دیر سے سو رہی ہوں؟" عالیانہ نے بے چینی سے پوچھا۔"

تم بہت بیمار تھیں... "میلیسا نے جواب دیا، لیکن وہ کچھ چھپا رہی تھیں۔"

کتنی دیر؟" اس کی آواز کمزور ہو گئی۔"

تین دن۔" اسے ایک دم متلی محسوس ہوئی، وہ تیزی سے کہنیوں کے بل" اٹھی، خوش قسمتی سے میلیسا نے پہلے ہی ایک بالٹی قریب کر دی تھی۔ عالیانہ نے اپنی معدے کی باقیات اس میں خالی کیں، اور پھر خشک قے کی۔ اس کے بدن پر اسپتال کا گاؤن تھا۔ میلیسا اس کے ہاتھ اور پاؤں صاف کر رہی تھی، گرم، گیلے کپڑے سے اس کے چہرے کو پونچھ رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایک سکون تھا جو عالیانہ کے مضطرب دل کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" میلیسا نے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔ تمہیں فکر کرنے" "کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارا خیال رکھ رہے ہیں۔

یادیں اور احساس جرم، چوٹیں۔ شفا دینے والے ٹوٹے ہڈیوں کو جوڑ سکتے ہیں، گولیوں کے زخم بھر سکتے ہیں، اور گرے ہوئے پھیپھڑوں کو بحال کر سکتے ہیں۔ اس نے خود ارسل کو اسپتال کے اسٹریچر پر دیکھا تھا، جب حیدر نے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا، مگر وہ صحت یاب ہو گیا تھا۔ میلیسا نے بتایا کہ مسٹر ڈگیس نے اس کے پھیپھڑوں کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ عالیانہ پوچھنا چاہتی تھی کہ باقی سب کیسے ہیں؟ کیا کسی کو نقصان

پہنچا؟ لیکن وہ خاموش رہی۔ میلیسا گرم کپڑے سے اس کے ہاتھ پیر پونچھ رہی تھی۔ وہ اس کا خیال رر کھ رہی تھی، ایک بار پہلے بھی کسی نے اس کا ایسے ہی خیال کیا تھا۔ جب خان کو زخمی کر کے وہ بے ہوش ہو گئی تھی، تب اس نے اس کا بہت دھیان رکھا تھا۔ ایک بار پھر سے حیدر کا خیال آیا تھا۔ وہ انجانی دنیا کا آشنا چہرہ۔ اس نے یاد کیا کہ جب وہ زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی تو حیدر نے اس کا خیال رکھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کیوں، لیکن وہ یاد ضرور آیا۔ "عالیانہ! تم واقعی ٹھیک ہو؟ "میلیسا کی آواز پر وہ خیالات کی گہرائی سے باہر آئی۔

کیا کسی کو نقصان پہنچا؟ میری وجہ سے؟ "اس نے شرمندگی سے جھجکتے ہوئے سوال" کیا۔

کیسر نے ہمیں بتایا تھا... "میلیسا نے توقف کیا۔ "سر نگیں، وہ تقریباً اپنے اوپر گر" "گئیں۔ لیکن تمہاری وجہ سے نہیں، مسٹر ڈگیس کے ری ایکشن کی وجہ سے۔

نہیں! "عالیانہ کے معدے میں جیسے پتھر بن گیا۔"

کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ "میلیسا نے اسے پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ "ایلفا" پوائنٹ پر ہمیں ایسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ تم ابھی نئی ہو، تمہیں معلوم نہیں تھا۔ "لیکن عالیانہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ "میلیسا نے کہا۔"

میں تم سب کو مار دینے کے قریب تھی۔"اس کی آواز میں مایوسی اور بے بسی" تھی۔آنکھوں میں پچھتاوے کے آنسو بھی تھے۔

"یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔"

"میں داس کو مار سکتی تھی۔کیسر کو مار سکتی تھی۔ارسل کو مار سکتی تھی۔"

ارسل !"عالیانہ کا دل بے قابو ہو گیا۔"کیا وہ یہاں ہے ؟ کیا وہ ٹھیک ہے ؟"میلیسا" خاموش رہی لیکن کمرے سے گلا صاف کرنے کی آواز آئی۔داس کونے سے باہر نکلا،اس کی آنکھوں میں تھکن اور چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"معاف کرنا،لیکن ہمیں اسے یہاں سے دور رکھنا پڑا۔"

کیوں ؟"اس کے دل میں خوف جاگا۔"

اچھا۔کہاں سے شروع کروں ؟"اس نے طنزیہ انداز میں سوال کیا اور جواب کا انتظار" کیئے بغیر دوبارہ بولنے لگا۔"جب اسے معلوم ہوا کہ کیا ہوا ہے،اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔اس نے کیسر پر غصہ نکالا،اس نے میڈیکل ونگ چھوڑنے سے انکار کر دیا، اور پھر وہ...."داس نے ماتھے پر آتے بالوں کو آنکھوں سے ہٹایا۔اس کے سوال پر غور کیا۔اور انگلیوں پر گنتی شروع کی۔

پلیز۔چھوڑ دو۔میں نہیں سن سکتی۔"اس نے اسے روکا اور سختی سے آنکھیں بند کر" لیں۔

"تم نے خود ہی پوچھا تھا۔"

"وہ کہاں ہے؟ کیا وہ ٹھیک ہے؟"

وہ ٹھیک ہو گا۔" داس نے گردن کی پشت کو رگڑا اور نظریں چراتے ہوئے بولا۔"

کیا مطلب؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔ داس نے گہری سانس لی اور میلیسا کی "
"جانب نظر پھیری۔ "کیا ہم کچھ دیر اکیلے بات کر سکتے ہیں؟

ضرور۔" میلیسا نے کہا اور فوراً کمرے سے باہر چلی گئی۔"

اس کے جاتے ہی داس نے دیوار کے ساتھ رکھی کرسی کو اٹھایا، اسے عالیانہ کے بستر کے قریب رکھا اور آرام سے بیٹھ گیا۔ ایک پاؤں دوسرے کے گھٹنے پر رکھ کر پیچھے جھک کر ہاتھ سر کے پیچھے جوڑ لیے اور خاموشی سے عالیانہ کی طرف دیکھنے لگا۔

کیا بات ہے؟" عالیانہ نے بستر پر اپنی پوزیشن بدلی تاکہ داس کو بہتر طور پر دیکھ سکے۔"
تمہیں اور ارسل کو بات کرنی ہو گی۔" داس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔"

ہاں، جانتی ہوں۔" اس نے نگلتے ہوئے جواب دیا۔"

"کیا تم واقعی جانتی ہو؟"

"ہاں!"

اچھا۔" داس نے نظریں چراتے ہوئے سر ہلایا اور اپنے پاؤں فرش پر تیز تیز ٹپکانے "
لگا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟" عالیانہ نے چند لمحے بعد پوچھا۔

داس کا پاؤں ٹپکنا بند ہوا، لیکن وہ اب بھی عالیانہ کی نظروں میں دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپا، پھر سر نیچے کر لیا۔

"یہ جو تم نے کیا، وہ بہت برا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

یہ جملہ سنتے ہی اس کے دل میں شرمندگی کا طوفان اٹھا۔ "مجھے معاف کر دو، داس۔ مجھے واقعی بہت افسوس ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا... مجھے معلوم نہیں تھا کہ..." داس نے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھا، ایسی نظروں سے جو عالیانہ کو خاموش ہونے پر مجبور کر گئیں۔ وہ اسے پرکھ رہا تھا، جانچ رہا تھا کہ آیا وہ اس پر بھروسہ کر سکتا ہے یا نہیں۔

"... میں قسم کھاتی ہوں، داس۔ میں ایسا نہیں چاہتی تھی"

"کیا تم سنجیدہ ہو؟" داس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ ایک سوال ہے، عالیانہ۔ ایک جائز سوال۔" داس کے لہجے کی سنجیدگی اتنی گہری تھی کہ عالیانہ کو ایک لمحے کے لیے اسے پہچاننے میں مشکل محسوس ہوئی۔

"میں تمہیں اور ارسل کو یہاں لایا کیونکہ کیسر چاہتا تھا کہ تم دونوں یہاں رہو۔ اسے لگا کہ ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ ہم تمہیں ایک محفوظ جگہ فراہم کر سکتے ہیں، جہاں تم ان لوگوں سے دور رہو جو تمہیں اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا چاہتے

ہیں۔ لیکن تم یہاں آکر ایسا ظاہر کرتی ہو جیسے تم کسی چیز کا حصہ بنناہی نہیں چاہتیں۔ تم لوگوں سے بات نہیں کرتیں، اپنی تربیت میں دلچسپی نہیں لیتیں، اور بنیادی طور پر کچھ بھی نہیں کرتیں۔"

مجھے معاف کردو، داس۔ میں واقعی..."اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔"

اور پھر، میں کیسر کی باتوں پر یقین کرتا ہوں جب وہ کہتا ہے کہ وہ تمہارے لیے فکر مند" ہے۔ وہ مجھے بتاتا ہے کہ تم ایڈجسٹ نہیں کر پا رہیں، کہ تمہیں یہاں کے ماحول میں گھلنے ملنے میں مشکل ہو رہی ہے۔ کہ لوگوں نے تمہارے بارے میں منفی باتیں سنی ہیں، اور وہ تمہیں وہ احترام نہیں دے رہے جو تمہیں ملنا چاہیے۔" داس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ "میں خود پر غصہ کرتا ہوں کہ میں کیسر سے پوچھے بغیر تمہیں وہاں پر لے گیا ، میں اس سب کے لیے اپنے آپ کو الزام دیتا ہوں، لیکن پھر بھی مجھے تم پر ترس آتا ہے۔" ایک لمحے کا توقف۔ اس کی سیاہ آنکھیں اس کے ماتھے پر گرے سیدھے بالوں کی طرح کالی تھیں۔ "تو میں اسے کہتا ہوں کہ میں مدد کروں گا۔ میں اپنے سارے شیڈول کو تبدیل کروالیا بس تمہیں تمہارے مسائل سے نکالنے کے لیے۔ کیونکہ مجھے لگا کہ تم ایک اچھی لڑکی ہو جسے بس غلط سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ کیسر، جو میرے لیے سب سے اہم انسان ہے، چاہتا تھا کہ میں یہ کروں۔"

اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا وہ کسی بھی لمحے داس بھی اس کی دھڑکن سن سکے گا۔

داس نے اپنے گھٹنے پر رکھا پاؤں نیچے کیا اور ذرا سا آگے کو ہو کر بیٹھا۔

لیکن پھر یہ سب کچھ ہوا۔ کیا یہ واقعی اتفاق تھا؟" داس کی آنکھوں میں سنجیدگی سے" کہا۔ "کیا یہ محض حادثہ تھا کہ میں تمہارے ساتھ کام کر رہا ہوں؟ میں؟ یہاں کے چند لوگوں میں سے ایک جنہیں اُس کمرے تک رسائی حاصل ہے یا یہ بھی محض اتفاق تھا کہ تم نے مجھے دھمکی دے کر لیبز میں لے جانے پر مجبور کیا؟ اور پھر، کسی طرح، حادثاتی طور پر، محض اتفاق سے، انجانے میں تم نے وہ بٹن دبایا جس نے اس جگہ کو اتنا ہلا دیا کہ ہم سب کو لگا کہ دیواریں گرنے والی ہیں؟" وہ اسے سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں پوری شدت سے عالیانہ پر مرکوز تھیں، جیسے وہ ہر لفظ کا جواب اس کی آنکھوں میں تلاش کر رہا ہو۔

کیا یہ محض اتفاق تھا؟" اس نے دوبارہ سوال کیا۔ "نہیں، یہ اتفاق نہیں تھا۔ نہ میرا" تمہارے ساتھ کام کرنا اتفاق تھا، نہ تمہیں لیب وِنگ لے جانا اتفاق تھا، اور نہ ہی تمہارا وہ بٹن دبانا اتفاق تھا جس سے سب کچھ تباہ ہو سکتا تھا۔ یہاں موجود ہر شخص میرے سے تربیت حاصل کرنے کا خواہش مند ہے، مگر میں نے اُس لڑکی کو تربیت دینے کا فیصلہ کیا جسے میں محض دو ہفتوں سے جانتا ہوں۔ یہ بھی کوئی اتفاق نہیں تھا، عالیانہ۔" داس کا لہجہ سخت اور آنکھیں غصے سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے داس کا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک چھوڑ کر جھکا اور نیچے دیکھنے لگا اور ہونٹوں پر انگلیاں رکھ لیں۔

داس، میں قسم کھاتی ہوں، میں نے کبھی نہیں چاہا کہ یہ سب ہو۔ مجھے خود سے نفرت" ہے۔ میں نے خود کو بہتر بنانے کی بہت کوشش کی، لیکن میں نے سب کچھ برباد کر دیا، اور پھر سب کھو دیا۔ "عالیانہ نے روتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے، اور وہ اپنے کانپتے ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔

داس نے گہری سانس لی اور اپنی نشست پر کروٹ بدلی۔ "میرا یہ سب پوچھنا ضروری تھا، عالیانہ۔ "وہ بے چین لگ رہا تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ تم رو رہی ہو، لیکن مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں کہ میں نے یہ سب" کہا۔ یہ میرا فرض ہے کہ سب کی حفاظت کے بارے میں سوچوں، اور اس کے لیے مجھے ہر زاویے کو پرکھنا پڑتا ہے۔ ابھی کسی کو یہ معلوم نہیں کہ تم کیا کر سکتی ہو، تمہیں خود بھی نہیں۔ لیکن تم بار بار یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہو کہ تم کچھ نہیں کر سکتیں، اور یہ رویہ بالکل مددگار نہیں۔ تمہیں یہ ظاہر کرنا بند کرنا ہوگا کہ تم یہ سب غیر ارادی طور پر کرتی ہو۔ اپنے غصے پر قابو پانا سیکھنا ہوگا۔ "اس نے اپنا جھکا سر نہیں اٹھایا۔ وہ اس کی گہری سانس لینے کی آواز سن سکتی تھی۔ داس پریشان لگ رہا تھا، اور عالیانہ میں ہمت نہیں تھی کہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکے۔

عالیانہ۔ "داس نے کچھ دیر بعد اسے پکارا۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر داس کو" دیکھا، وہ آنکھیں چھوٹی کیئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ "

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے نیک ارادے اچھے ہیں، پر وہ حقیقت نہیں" بدلتے۔ تم خطرناک ہو، یہاں موجود سب سے زیادہ خطرناک، کیونکہ تمہیں اپنے غصے پر کنٹرول نہیں۔" داس نے ایک لمحے کا توقف کیا، پھر کہا۔"اس لیے مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہارے کیے کو نظرانداز کروں۔ اگر تم یہاں رہنا چاہتی ہو، تو تمہیں اپنے غصے پر قابو پانے اور خود کو بہتر طریقے سے سمجھنے کی ضرورت ہے، بالکل ہماری طرح۔"اچانک دروازے پر تین دستکیں ہوئیں۔ داس کی نظریں ابھی بھی عالیانہ پر جمی تھیں، جیسے وہ اس کے جواب کا منتظر ہو۔

ٹھیک ہے۔" عالیانہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔ اسی لمحے میلیسا کمرے میں داخل ہوئی۔"

داس اٹھ کھڑا ہوا۔" تمہیں اور ارسل کو اپنی الجھنیں فوراً ختم کرنی ہوں گی۔ میرے پاس تمہارے ذاتی مسائل سے نمٹنے کا نہ وقت ہے، نہ طاقت، اور نہ ہی دلچسپی۔ میں اکثر تم سے مذاق کرتا ہوں کیونکہ دنیا تباہ ہو رہی ہے، اگر مجھے تیس سال کی عمر میں مرنا ہے تو میں کم از کم یہ یاد رکھنا چاہتا ہوں کہ ہنسنا کیسا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہارا جوکر یا بے بی سٹر ہوں۔ مجھے تمہارے اور ارسل کے مسئلوں سے کوئی سروکار نہیں۔ مجھے یہاں بہت سے کام ہیں، اور ان میں سے ایک بھی تمہاری محبت کی زندگی سے متعلق نہیں۔"اس کے لہجے میں سرد مہری نمایاں تھی۔

ایک لمحے کا وقفہ۔" کیا میری بات واضح ہے؟"اس نے سر ہلا دیا۔

توکیا تم تیار ہو؟"اس نے دوبارہ سر ہلایا۔"

"مجھے تمہارے منہ سے سننا ہے۔ اگر تم تیار ہو، تو مکمل طور پر تیار ہو۔ اب اپنے آپ پر ترس کھانا چھوڑ دو۔ تربیت کے کمرے میں بیٹھ کر رونا چھوڑ دو، صرف اس لیے کہ تم ایک پائپ نہیں ہلا سکیں۔"

"تمہیں کیسے پتا؟" اس نے گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے حیرانگی سے پوچھا۔

"کیا تم تیار ہو؟" داس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

"میں تیار ہوں۔" عالیانہ نے پختہ لہجے میں کہا۔

"اچھا۔ کل صبح چھ بجے کھانے کے ہال کے باہر ملنا۔"

"لیکن میرا ہاتھ..." عالیانہ نے اپنے پٹی بندھے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا، جو اسے خود بھی سمجھ نہیں آیا تھا کہ کیوں زخمی ہے۔

"تمہارا ہاتھ؟ کچھ بھی نہیں ہوا۔ تم ٹھیک ہو۔ تمہارا ذہن تھکن سے مفلوج تھا، اور تم تین دن کے لیے سو گئی تھیں۔ میں اسے چوٹ نہیں کہتا، بلکہ ایک مختصر چھٹی کہتا ہوں۔"

ایک لمحے کے توقف کے بعد داس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ "تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے کتنی دیر سے چھٹی نہیں لی؟"

"ہم تربیت کریں گے؟"

"یہ... تھوڑا مختلف ہو گا۔"

اگر میرا ہاتھ پٹی میں بندھا ہوا ہے تو میں کچھ کر سکتی ہوں؟"اس نے سوالیہ نظروں سے داس کی طرف دیکھا۔

مجھ پر بھروسہ کرو، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔" داس نے ہلکی آواز میں کہا اور اپنا چہرہ جھکا" لیا۔

"تم اسے ایلفا پوائنٹ میں اپنا آفیشل استقبال سمجھ سکتی ہو۔"

لیکن..." عالیانہ نے کچھ اور کہنا چاہا، مگر داس نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اُسے خاموش کر" دیا۔ پھر دو انگلیاں اپنی پیشانی پر لگا کر الوداعی اشارہ کیا، جیسے میلیسا اس کے بستر کے قریب آ رہی ہو۔ عالیانہ نے دیکھا کہ داس نے دونوں کو الوداع کہا، ایک قدم پر گھوما، اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی شام کے دو بجے تھے۔

عالیانہ؟"میلیسا نے اُسے پکارا۔ عالیانہ نے اُس کی طرف دیکھا، جو غور سے اُسے دیکھ" "رہی تھی۔" تمہیں کچھ چاہیے؟ کیا تم بستر سے باہر نکلنا چاہتی ہو؟

عالیانہ نے میلیسا کو نم آنکھوں سے دیکھا، لیکن اُس کے سوالات کا جواب دینے کے بجائے اُس کے دل میں گہری شرمندگی کی لہر اُٹھی۔ وہ خود کو ایک چھوٹی، ڈری ہوئی لڑکی کی طرح محسوس کر رہی تھی، جو دنیا سے چھپ جانا چاہتی ہو۔

معذرت... میں سب کے لیے معذرت چاہتی ہوں۔ اس سب کے لیے، تمام" پریشانیوں کے لیے، تمام نقصان کے لیے۔ واقعی، میں بہت، بہت معذرت چاہتی ہوں۔"اُس نے دھیرے سے کہا۔

معذرت کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔"میلیسا نے نرمی سے جواب دیا اور" تسلی دی۔

عالیانہ نے میلیسا کی آنکھوں میں دیکھا۔ اُس کے اندر حیرت جاگی کہ اُن آنکھوں میں کتنی شفقت اور نرمی تھی۔ نرم سبز رنگ، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سکڑتی ہوئی آنکھیں۔ میلیسا بستر کے دائیں جانب بیٹھ گئی اور اپنی لیٹیکس دستانوں میں لپٹی انگلیوں سے عالیانہ کے ہاتھ کی پٹی کو چیک کرنے لگی۔ وہ ایسا کر رہی تھی جیسے اُسے واقعی عالیانہ کی فکر ہو۔ کمرے میں یاسمین کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، ویسی ہی خوشبو جیسے پہلی بار جب عالیانہ یہاں آئی تھی، جب ارسل زخمی تھا، موت کے دہانے پر تھا۔ اُس وقت میلیسا نے اُس کی زندگی بچائی تھی۔ عالیانہ نے میلیسا کی طرف دیکھا اور اُس کی شفقت کے لیے شکر گزار ہوئی۔ اچانک، اُسے اپنی خود غرضی کا احساس ہوا اور اُس نے کچھ نیا کہنے کا فیصلہ کیا۔

شکریہ۔"اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ شرم سے سرخ ہو رہی" ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ وہ اتنی جھجک کیوں محسوس کرتی ہے۔ گفتگو کرنا اُس کے لیے اتنا مشکل کیوں تھا؟ وہ معمولی جملے اور آسان بات چیت کیوں نہیں کر پاتی، اُس کے پاس انگریزی یا اردو کے چھوٹے الفاظ بھی نہیں تھے جو وہ عجیب خاموشی کو ختم کرنے کے لیے

استعمال کر سکتی۔ وہ خود کو ایک ایسا انسان سمجھتی تھی، جو خیالات، لوگوں، اور جذبات میں اس قدر جکڑا ہوا تھا کہ اپنے دماغ سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اُسے بات چیت کیسے شروع کی جاتی ہے، یہ بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن پھر اُسے داس کے ساتھ کیے گئے وعدے یاد آئے۔ ارسل کی فکر نے اُسے جھنجھوڑا، اور اُس نے سوچا کہ شاید اُسے کچھ نیا کرنے کی ہمت کرنی چاہیے۔ شاید اُسے کسی سے دوستی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تمہیں کیسر نے بلایا ہے۔" میلیسا نے اسے بتایا۔ وہ بستر سے اترنے ہی والی تھی جب" میلیسا اس کے لیے ویل چیئر کے آئی۔ میلیسا نے بتایا کہ کیسر اور ارسل اس کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ جب وہ داس سے بات کر رہی تھی، تو اس نے کیسر کو اطلاع دی تھی کہ عالیانہ جاگ گئی ہے، اور اب وہ وہاں موجود ہیں۔ یہ سن کر عالیانہ کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ جو کچھ بھی ہونے والا ہے، وہ خوشگوار نہیں ہوگا۔

مجھے واقعی ویل چیئر کی ضرورت نہیں ہے۔" عالیانہ نے میلیسا سے کہا، جب وہ اُسے" کمرے کے باہر لے جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

شکریہ، واقعی، میں اس کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن مجھے اپنے پیروں میں خون دوڑانے کی" "ضرورت ہے۔ مجھے مضبوط رہنا ہے۔

تم خود نہیں جا سکتیں۔ تم ابھی کھڑی بھی نہیں ہو پا رہی۔" میلیسا نے فکر مندی سے" کہا۔

میں بالکل ٹھیک ہوں۔" عالیانہ نے اصرار کیا اور مسکرانے کی کوشش کی۔"

"تمہارا ہاتھ کیسا ہے؟"

ٹھیک ہے۔ واقعی، بہت بہتر لگ رہا ہے۔ بہت شکریہ۔" زخم تقریباً بھر چکے "
تھے، اب وہ اپنی انگلیاں حرکت دے سکتی تھی۔ اس نے پٹی کا معائنہ کیا، جو نرمی سے اس کے انگوٹھوں پر لپٹی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے، چلو۔ میں تمہیں کمرے میں لے چلتی ہوں۔"

نہیں... پلیز... ٹھیک ہے۔" عالیانہ نے احتجاج کیا، لیکن میلیسا نے اس کی بات پر کان" نہ دھرا اور اس کا بازو تھام لیا۔

"تم ضد کر رہی ہو۔"

"میں نہیں چاہتی کہ تمہیں تکلیف ہو۔"

ضدمت کرو۔" میلیسا نے دوبارہ کہا اور مسکرا دی۔"

میں... میں واقعی..." عالیانہ کچھ اور کہنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن میلیسا نے اُسے" سہارا دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے جانا شروع کر دیا۔ عالیانہ نے بے بسی سے ہنستے "ہوئے کہا۔" واقعی، میں ٹھیک ہوں۔

میلیسا نے اس کی طرف دیکھا اور نرمی سے مسکرا دی، یہ مسکراہٹ بے زاری کی نہیں تھی بلکہ خلوص سے بھرپور تھی۔

راہداری سے گزرتے ہوئے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ عالیانہ نے اپنے آس پاس گزرتے لوگوں کو دیکھا اور فوراً نظریں جھکا لیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس سے آنکھ ملائے۔ اسے خوف تھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ وہ جانتی تھی کہ اُس نے اُن کے خوف کو حقیقت میں بدل دیا ہے۔

وہ تمہیں پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تمہیں جانتے نہیں ہیں۔" اس کی بے چینی کو بھانپتے" ہوئے میلیسا نے اس کے کان کے قریب جھک کر آہستہ سے کہا۔

"لیکن میں تمہیں تھوڑا بہت جانتی ہوں، اور مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو۔"

عالیانہ نے کچھ نہیں کہا، کہہ ہی نہیں سکی۔ وہ خاموش رہی۔ آخر کار، میلیسا کے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئیں۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے دروازے پر دستک دی، کیونکہ اُسے نہیں معلوم تھا کہ اور کیا کرنا چاہیے۔

ایک بار۔ دو بار۔ چند لمحے انتظار کے بعد، میلیسا کی موجودگی کا احساس اس پر پوری طرح چھا گیا۔ میلیسا کی مسکراہٹیں اس کے لیے حوصلہ افزائی، ہمت اور سکون کا باعث تھیں۔ وہ اپنی طاقت اس میں منتقل کر رہی تھی، شاید یہ جانتے ہوئے کہ وہ ایک ایسی حقیقت کا سامنا کرنے والی ہے جو اسے خوشی نہیں دے گی۔ اس خیال سے وہ لمحہ بھر کے لیے مطمئن ہو گئی کہ شاید یہی سچی دوستی کی پہچان ہے۔

"مس عالیانہ۔"

کیسر نے دروازہ صرف اتنا کھولا کہ اس کا چہرہ نظر آ سکے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم اب بہتر محسوس کر رہی ہو۔"

شکریہ، میں۔۔۔"وہ بمشکل بول پائی۔"

میلیسا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔"تم نے جو کچھ کیا، اس کے لیے شکریہ۔اب میں اس کا خیال رکھوں گا۔"کیسر نے کہا۔

اس نے عالیانہ کے بازو تھوڑی دیر کے لیے دبائے اور پھر پیچھے ہٹ گئی۔

میں ٹھیک ہوں۔میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔"میلیسا نے ان دونوں کو یقین دلایا۔"

اندر آجاؤ۔"کیسر نے نرم لہجے میں کہا۔عالیانہ نے دھیرے دھیرے قدم بڑھائے اور" کیسر کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمرے کا ماحول سادہ تھا۔ایک طرف بنک بیڈ تھا اور دوسری طرف ایک سنگل بیڈ۔ ارسل سنگل بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا، کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، چہرہ ہاتھوں میں چھپائے ہوئے۔ کیسر نے دروازہ بند کیا تو ارسل چونک کر سیدھا ہوا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

عالیانہ!"ارسل کی نظریں پہلے اس کے پٹی بندھے ہاتھ پر پڑیں، پھر اس کے چہرے پر،" اور آخر میں اس کی آنکھوں میں۔وہ اس کی گہری آنکھوں میں جھانک کر ایک لمحے کے لیے کھو گیا۔عالیانہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے پھیپھڑوں سے ہوا چھین لی ہو۔

"براہ کرم بیٹھ جاؤ، عالیانہ!" کیسر نے سامنے والے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی، اپنے چکر اور متلی کو ظاہر نہ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہوئے۔ ارسل کی موجودگی اسے کسی بوجھ کی طرح محسوس ہو رہی تھی، لیکن وہ اپنے نئے بندھے ہوئے زخموں پر نظر ڈالنے لگی۔ اس کے دائیں ہاتھ پر گوز کی تنگ پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار نظریں جھکا رہی تھی، جیسے ارسل کی جانب دیکھنے کی ہمت نہ ہو۔

اس کے دل کے کسی کونے میں ایک خواہش تھی کہ ارسل اس کے پاس آئے، اسے تسلی دے کہ سب ٹھیک ہے، اور وہ چند خوشی کے لمحے واپس لے آئے جو کبھی اس کی زندگی کا حصہ تھے۔ لیکن ایک کھٹک، ایک انجانا خوف، اسے بتا رہا تھا کہ شاید کچھ غلط ہے۔

کیسر ان دونوں کے درمیان کھڑا، ہاتھ پیچھے باندھے، دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"عالیانہ، میں آپ کے رویے سے بہت، بہت مایوس ہوں۔" اس نے مدھم مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ عالیانہ کی گردن پر شرمندگی کی گرمی دوڑ گئی، وہ غیر ارادی طور پر سر جھکا گئی۔

"مجھے اپنی حرکت پر بہت افسوس ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ کیسر نے گہری سانس لی۔ کمرے میں ایک بوجھل خاموشی چھا گئی۔

"مجھے آپ سے صاف بات کرنی ہوگی۔ میں اس وقت اس مسئلے پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں اتنا غصے میں ہوں کہ اس پر سکون سے گفتگو ممکن نہیں۔ آپ کی حرکتیں۔۔۔ بچکانہ تھیں۔ خود غرضی پر مبنی تھیں اور بے حد احمقانہ تھیں!

آپ نے جو نقصان پہنچایا، وہ صرف چند چیزوں کا نہیں، بلکہ اس کمرے کی تعمیر اور اس کے پیچھے برسوں کی محنت کا ہے، میں اس کا آغاز بھی نہیں کر سکتا۔" کیسر نے خود کو روک لیا اور گہری سانس لیتے ہوئے سختی سے اپنی بات نگل لی۔

یہ موضوع کسی اور وقت زیر بحث آئے گا، شاید صرف ہمارے درمیان۔ لیکن آج میں" یہاں ہوں کیونکہ مسٹر ارسل نے مجھے یہاں آنے کو کہا ہے۔" عالیانہ نے نظر اٹھائی، کیسر کو دیکھا، پھر ارسل کی طرف دیکھا۔ ارسل کا حال ایسا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے بھاگ کھڑا ہو گا۔

کیا کوئی مسئلہ ہے؟"اس کو دل کی گہرائیوں سے محسوس ہوا کہ کچھ بہت برا ہو چکا ہے یا" ہونے والا ہے۔

ارسل اب اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بغیر پلک جھپکائے اس پر جمی ہوئی تھیں، اس کے ہاتھ گھٹنوں پر مکے کی صورت دبے ہوئے تھے۔ وہ نروس اور خوفزدہ لگ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کرے، سوائے اس کے کہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہے۔ تسلی دینے کا کوئی طریقہ اسے نہیں آتا تھا، مسکرانے کی کوشش بھی بے کار تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی اور کی کہانی میں بے یار و مددگار پھنس گئی ہو۔ کیسر دیوار کی طرف چل کر اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

میلیسا کے شکوک و شبہات کی بنیاد پر ہم نے ارسل کو لیور ٹیسٹ کروانے کا مشورہ" دیا۔" کیسر نے ارسل کی طرف دیکھا۔ اس کا ہاتھ ہلکے سے کپکپا رہا تھا، لیکن وہ بہر حال

عالیانہ کے مقابلے میں پرسکون لگ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی، گویا کوئی بوجھ اس کے سینے پر رکھا ہو۔ اس کا دماغ خوف، بے یقینی، اور پریشانی سے جل رہا تھا۔ بری خبر ہمیشہ انسان کو جھنجھوڑ دیتی ہے، اور یہ وہ لمحہ تھا جب اس کا سامنا اس تلخ حقیقت سے ہونے والا تھا۔

شروع میں ارسل نے ٹیسٹ کروانے سے انکار کر دیا۔ ہم نے اسے مختلف طریقوں" سے قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں اور داس پھر بھی ہمت نہ ہارے۔ ہم نے اسے بار بار سمجھایا کہ ٹیسٹ کروانے سے یا تو غلط فہمی دور ہو جائے گی، یا وقت پر تشخیص ہو کر علاج ممکن ہو سکے گا۔" کیسر نے لمحے بھر کے لیے رک کر سانس لیا۔ "آخر کار، ہم نے لیب میں اس کا ٹیسٹ کیا۔ رپورٹس مثبت "آئیں۔

عالیانہ کو لگا جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔
"ارسل کو ٹربرکلاسز کی تشخیص ہوئی ہے۔"

کیسر نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔ "جیسا کہ آپ نے اس دن لیب ونگ میں ارسل کو تکلیف میں دیکھا، وہ دراصل ٹربرکلاسز کے علاج کے پہلے مرحلے سے گزر رہا تھا۔ ہم نے رپورٹس موصول ہوتے ہی ارسل کی اجازت پر فوری طور پر علاج شروع کر دیا، تاکہ وائرس پورے جگر کو نقصان نہ پہنچائے۔ اور خوش قسمتی سے، ہم پہلے سیشن میں کامیاب رہے۔" اسے سمجھ نہیں آیا وہ خوش ہو یا غمگین۔

ابھی دو مزید سیشن باقی ہیں، اور ہمیں پوری امید ہے کہ وہ بھی کامیاب ہوں گے، ان شاءاللہ۔ لیکن یہ بہت ضروری ہے کہ ارسل امید نہ چھوڑے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" کیسر نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔"ہم آپ سے بس یہ چاہتے ہیں کہ آپ اسے تسلی دیں۔ آپ اس کی دوست ہیں، دوست سے بہتر کوئی تسلی نہیں دے سکتا۔ امید کے بغیر شفا ممکن نہیں، اور اگر یہ ناامید ہو گیا تو شاید دوا بھی اثر نہ کرے۔"

••••••☆☆☆••••••

یہ لڑکی اسے پاگل رہی تھی۔ بیڈ پر لیٹتے ہوئے اس نے اپنا سر پیچھے تکیے پر گرا دیا۔

"وہ یہاں سوئی تھی، اس کے بستر پر۔ وہ یہیں جاگی تھی۔ وہ یہیں تھی، اور اس نے اسے جانے دیا۔"

اس نے اپنی ناکامی کو شدت سے محسوس کیا۔ وہ اسے کھو چکا تھا۔ کب اور کیسے اس نے اپنی جیب سے اس کی نوٹ بک نکال لی، اسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔ جب اس کی نظریں نوٹ بک کے سرورق پر گئیں، تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پرانے سرورق کو گھورتے ہوئے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ نوٹ بک اس کے پاس کیسے آئی؟

"یہ اس نے کہیں سے چرائی ہو گی... لیکن کہاں سے؟" بہت کچھ تھا جو وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ بے شمار سوالات تھے جو اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ مگر سوال پوچھنے کے بجائے، اس نے ڈائری کھولی اور پڑھنے لگا۔

کبھی کبھی میں اپنی آنکھیں بند کر کے ان چار دیواریوں کو مختلف رنگوں میں رنگتی ہوں۔" میں خود کو ایسی جگہ محسوس کرتی ہوں جہاں میں گرم موزے پہنے، آگ کے قریب بیٹھی ہوں۔ پھر میں یہ سوچتی ہوں کہ کسی نے مجھے ایک کتاب دی ہو، ایسی کہانی جو میرے ذہنی عذاب کو ختم کر دے۔

میں چاہتی ہوں کہ میں کچھ اور بنوں، کہیں اور ہوں، اور اپنے خیالات کو کسی دوسری دنیا میں ڈبونا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ سب محض ایک خواب ہو، کہ یہ قید محض ایک منظر ہو، اور یہ کھڑکی کسی خوبصورت مقام پر کھلتی ہو، اگر میں اسے توڑ سکوں۔

میں فرض کرتی ہوں کہ یہ تکیہ نرم اور صاف ہے۔ میں یقین کرتی ہوں کہ بستر آرام دہ ہے۔ میں خود کو ایسی دنیا میں محسوس کرتی ہوں جہاں سب کچھ اتنا خوبصورت ہو کہ اسے حقیقت میں جینا مشکل ہو جائے۔ پھر اچانک میری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔"

ڈائری اس کے ہاتھ سے پھسل کر اس کے سینے پر آ گری۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اپنی گردن کے پچھلے حصے کو رگڑتے ہوئے تیزی سے اٹھ بیٹھا۔

اس نے ڈائری کو دوبارہ اٹھایا اور ایک اور صفحہ پلٹ دیا۔ "مجھے حیرت ہوتی ہے کہ میرے والدین کیا سوچ رہے ہوں گے۔ میں سوچتی ہوں کہ وہ کہاں ہیں۔

"کیا وہ اب ٹھیک ہیں؟ کیا وہ اب خوش ہیں؟ کیا انہیں وہ سب مل گیا جو وہ چاہتے تھے؟

یہ الفاظ اس کے دل پر جیسے وار کرتے جا رہے تھے۔ اس نے اپنی سانس کو قابو میں کرنے کی کوشش کی، مگر یہ ممکن نہ تھا۔ اسے بے شمار چیزوں پر حیرت ہو رہی تھی۔

کبھی کبھی میں کئی دن تک جاگتی رہتی ہوں اور ہر چیز کو گنتی ہوں جو میری نظروں کے "سامنے آتی ہے۔

میں دیواروں کو شمار کرتی ہوں، ان کی دراڑوں کو گنتی ہوں، بستر کی اسپرنگز اور کمبل کے دھاگوں کو گنتی ہوں۔ پھر میں کمرے کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چلنے میں لگے قدم گنتی ہوں، اپنے دانتوں اور سر کے بالوں کے ایک ایک ریشے کو شمار کرتی ہوں۔

میں اپنی سانسیں گنتی ہوں اور ایسی چیزوں کا خواب دیکھتی ہوں جو ممکن نہیں، جب تک میں اتنی تھک نہ جاؤں کہ رونے لگوں اور آخر کار نیند آجائے۔ مگر کبھی کبھی اتنی تھکن محسوس ہوتی ہے کہ میں اپنے آپ کو وہ واحد چیز مانگتے ہوئے پاتی ہوں جس کا ہمیشہ سے ارمان رہا ہے۔ وہ واحد چیز جس کا خواب میں نے ہمیشہ دیکھا ہے۔

میں ہمیشہ ایک سچے دوست کی آرزو کرتی ہوں۔ میں اس کے بارے میں خیالوں میں گم ہو جاتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ ایک دوست کا ہونا کیسا محسوس ہو گا۔

مسکرانا اور جواب میں مسکراہٹ پانا، اپنا راز کسی کے ساتھ بانٹنا، اور ایسا کوئی جو مجھے روتا ہوا نہ دیکھ سکے، جو مجھے اذیت نہ دے۔ ایسا کوئی جو میری بات سنے، میری تکلیفوں کو، اور جو مجھے کبھی نہ چھوڑے، جو میرا ہاتھ پکڑے اور کبھی نہ چھوڑے۔ ایسا کوئی جو جانتا ہو کہ "میں کبھی اس کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔

اس کے ہاتھ لرز گئے۔ پھر ایک اور صفحہ پلٹنے سے پہلے وہ رک گیا، گہری سانس لی، اور پڑھنا جاری رکھا۔

میرے والدین آج ایک کار حادثے میں چل بسے۔"

وہ مجھے پسند نہیں کرتے تھے،

پر وہ میرے والدین تھے۔

میرا دل پھٹ رہا ہے۔

میں انہیں ایک آخری بار دیکھنا چاہتی ہوں،

لیکن مجھے ان کے جنازے میں بھی جانے کی اجازت نہیں ملی۔ یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے؟"

اس نے یکدم ڈائری بند کر دی۔

اس کی تکلیف کو محسوس کرنا اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

یہ جاننا کہ اس نے یہ سب کچھ سہا، یہ احساس جیسے اسے اندر سے کھا رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بیڈ روم کے اندر چکر کاٹنے لگا۔

یہاں تک کہ اس نے دوبارہ ہمت جمع کی اور ڈائری کا ایک اور صفحہ پلٹ دیا۔

"ہم انسان ہیں۔ ہمیں کردار تفویض کیے گئے ہیں۔ زمانے ہم پر گزرے اور ہم نے اپنے اصلی وجود سے پہلے ہی اپنے اوپر روایتی تصورات کا بوجھ اٹھا لیا۔ مذاہب، نسلیں، سیاسی جماعتیں، پیروکار اور مسترد کیے جانے والے، کس کی پیروی کی جائے؟ کون سا میرا خیال ہے اور کون سا میرے اوپر فرض کیا گیا؟ یہ خیال میرا ہے یا ایسا سوچنے کو کہا گیا؟ میں، میں

ہوں؟ یا مجھے ایسا بننے کے لیے کہا گیا؟ کیا میں صرف وہی ہوں جو مجھے سکھایا گیا یا جو میں نے قبول کیا؟ اگر انسان کو اُکسایا جائے، تو کیا وہ اپنے گناہ سے بچ سکتا ہے؟ ہر دن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک ہی ڈراؤنے خواب کو بار بار جی رہی ہوں۔

میں چیخ رہی ہوں لیکن کوئی میری آواز نہیں سنتا، کوئی میری طرف نہیں آتا۔ اور یہ چیز مجھے مار رہی ہے۔

مجھے ہمیشہ اپنے آپ کو جھکانا پڑتا ہے، اپنے آپ کو کمزور، فرمانبردار اور معافی مانگنے والے کے طور پر پیش کرنا پڑتا ہے۔ بس یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں بے ضرر ہوں، کہ میں دوسرے انسانوں کے درمیان رہنے کے قابل ہوں۔ اور میں اتنی تھک چکی ہوں۔ اتنی تھک چکی ہوں کہ بس... مجھے نہیں معلوم میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔"

یا اللہ، عالیانہ!" اس نے گہری سانس لے کر کنپٹی مسلی۔"

پھر اس نے ڈائری بند کی اور اسے واپس رکھ دیا۔ فون اٹھایا اور ملیک کو کال کی۔

"گاڑی کا بندوبست کرو۔ مجھے ابھی نکلنا ہے۔"

"سر؟ ٹھیک ہے لیکن کہاں؟"

"مجھے کمپاؤنڈز کا دورہ کرنا ہے۔ اپنے شام کے اجلاس سے پہلے مجھے وہاں جانا ہے۔"

"سر، میں آپ کے ساتھ چلوں؟"

نہیں، لیفٹیننٹ، لیکن پیشکش کا شکریہ۔" اس نے مختصر کہا۔ ملیک ہچکچایا۔"

"مگر سر، آپ کی مدد کرنا میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

اس نے گہری سانس لی اور زیر لب مسکرایا۔"میں دس منٹ میں جانے کے لیے تیار ہوں گا۔"

جی سر۔ شکریہ سر۔"جب کال کٹی تو وہ ہلکی سی ہنسی میں دب گیا۔"

خدا کی قسم، اس نے تو اپنے ہوش ہی کھو دیے ہیں۔ اس نے آج سے پہلے کبھی ملیک کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ وہ اس بیچارے آدمی کو دل کا دورہ دے دینے کے قریب تھا!"

••••••☆☆☆••••••

وہ کمپاؤنڈز میں پناہ لینے آیا تھا۔ یہ جگہ اجنبی سی تھی، لیکن اتنے سارے شہریوں کو وسیع و کھلے مقام پر دیکھ کر اسے یاد آتا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اکثر سیکٹر فائیو کے ہیڈکوارٹر کی دیواروں کے اندر محصور رہتا، ان چہروں کو بھول جاتا جن کے لیے وہ لڑ رہا تھا اور جن کے ساتھ وہ لڑ رہا تھا۔ لیکن اب وہ چاہتا تھا کہ وہ انہیں یاد رکھے۔ زیادہ تر دنوں میں وہ کمپاؤنڈ کے مختلف گروپوں کا دورہ کرتا، رہائشیوں سے ملاقات کرتا اور ان کے حالات زندگی کے بارے میں سوالات کرتا۔ اسے فکر تھی کہ ان کے لیے زندگی اب کیسی ہے، کیونکہ جب دنیا باقی سب کے لیے بدل رہی تھی، اس کی اپنی زندگی ہمیشہ ایک ہی رہی تھی۔ منظم، تنہا اور بے رنگ۔

ایک وقت تھا جب حالات بہتر تھے، جب اس کے والد ہمیشہ اتنے غصے میں نہیں ہوتے تھے۔ وہ تقریباً چار سال کا تھا جب اس کے والد اسے اپنی گود میں بٹھا کر اپنی جیبوں کی

تلاشی لینے دیتے۔ اگر وہ قائل ہوتا تو وہ وہ چیز رکھ سکتا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ یہ ان کے کھیل کا حصہ تھا، لیکن یہ سب اب ماضی بن چکا تھا۔

اب، اس نے اپنی کوٹ کو اور زیادہ مضبوطی سے اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ یہ زندگی جو وہ اب گزار رہا تھا، وہی اس کے لیے اہم تھی۔ گھٹن، عیش و عشرت، بے خوابی کی راتیں اور مردہ لاشیں۔ اسے ہمیشہ یہ سکھایا گیا تھا کہ طاقت اور درد پر توجہ مرکوز کرو، حاصل کرو اور تکلیف دو۔ یہی وہ طریقہ تھا جس سے وہ اس تھکے ہوئے جسم میں زندہ رہتا تھا۔ وہ اپنے دماغ سے ان چیزوں کو نکال دیتا جو اسے پریشان کر رہی تھیں اور اس کی روح پر بوجھ بن چکی تھیں اور جو تھوڑی بہت خوشی ملتی، اسے سمیٹ لیتا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ایک عام زندگی کیسے گزاری جاتی ہے۔ وہ ان شہریوں کے ساتھ ہمدردی کرنا نہیں جانتا تھا جو اپنے گھروں سے محروم ہو چکے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ درستور سے پہلے ان کے لیے زندگی کیسی تھی۔ اس لیے وہ کمپاؤنڈز کا دورہ کرنا پسند کرتا تھا۔

اسے یہ دیکھنا اچھا لگتا تھا کہ دوسرے لوگ کیسے رہتے ہیں۔ اسے یہ پسند تھا کہ قانون اسے ان کے سوالات کا جواب دینے کا پابند کرتا ہے۔ بصورت دیگر، اس کے پاس جاننے کا کوئی طریقہ نہ ہوتا۔ مگر آج اس کی ٹائمنگ خراب تھی۔

اس نے بیس سے نکلنے سے پہلے گھڑی پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی اور یہ نہیں سوچا تھا کہ سورج کتنی جلدی غروب ہو جائے گا۔ زیادہ تر شہری اپنے گھروں یہ عارضی رہائش گاہیں چالیس فٹ لمبے شپنگ کنٹینرز سے تیار کی گئی تھیں۔ یہ کنٹینرز گروپوں کی شکل میں ایک

دوسرے کے ساتھ اور اوپر نیچے رکھے گئے تھے، ہر گروپ میں چھ یا آٹھ کنٹینرز شامل تھے۔ ہر کنٹینر کو موصل بنایا گیا تھا، اس میں ایک دروازہ اور دو کھڑکیاں لگائی گئی تھیں، اور اوپر کی منزلوں تک پہنچنے کے لیے دونوں طرف سیڑھیاں نصب کی گئی تھیں۔ چھتوں پر سولر پینلز لگائے گئے تھے جو ہر گروپ کو مفت بجلی فراہم کرتے تھے۔ یہ ان چیزوں میں سے ایک تھا جس پر اسے فخر تھا، کیونکہ یہ خیال اس کا پیش کردہ تھا۔

جب لوگوں کے لیے عارضی پناہ گاہیں تلاش کی جا رہی تھیں، اس نے پرانے شپنگ کنٹینرز کے دوبارہ استعمال کا مشورہ دیا تھا۔ یہ نہ صرف کم لاگت اور آسانی سے قابلِ نقل تھے، بلکہ انہیں حسبِ ضرورت ڈھالا بھی جا سکتا تھا۔ یہ کنٹینرز مضبوط اور موسمی اثرات کے خلاف مزاحمت رکھتے تھے اور انہیں بہت کم تعمیراتی محنت کے ساتھ مکمل کیا جا سکتا تھا۔ ایک ماہر ٹیم کے ساتھ چند دنوں میں ہزاروں یونٹس تیار کیے جا سکتے تھے۔ اس نے یہ تجویز اپنے والد کے سامنے پیش کی، یہ سوچتے ہوئے کہ یہ خیموں سے زیادہ انسانیت کے قریب اور کارآمد حل ہوگا۔

تاہم، یہ منصوبہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ بعد میں اس میں کسی قسم کی بہتری کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ لیکن یہ عارضی پناہ گاہیں جلد ہی قید خانے بن گئیں۔ شہریوں کو ان محدود علاقوں میں قید کر دیا گیا، اور کہا گیا کہ یہ انتظام وقتی ہے، کہ ایک دن وہ اپنی پرانی

زندگی اور گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ دنیا دوبارہ پہلے جیسی خوبصورت اور خوشحال ہو جائے گی۔ مگر یہ سب جھوٹ تھا۔ انہیں دوبارہ منتقل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہی ان کی مستقل زندگی بن چکی تھی۔ اس کا دل بھی ان قیدیوں کی طرح گھٹتا تھا، شاید اسی لیے وہ اکثر یہاں آتا، ان کی حالت سے اپنی کیفیت کو جوڑتا اور ان کی بے بسی کو محسوس کرتا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

مجھے بھوک نہیں ہے۔ دوا نے میری بھوک ختم کر دی ہے۔" اس نے جھوٹ بولا۔"

آہ، یہ بہت افسوسناک بات ہے۔" انہوں نے کانٹے کو پلیٹ میں پھینکنے کے انداز میں" رکھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔

ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔" یہ دو الفاظ اس نے کہے اور ان کے آدمی چند لمحوں میں غائب ہو" گئے۔ دروازہ ان کے پیچھے بند ہو گیا۔

میری طرف دیکھو۔" اس نے اوپر دیکھا، اس کی آنکھوں میں جذبات کا نام و نشان نہیں" تھا۔ وہ ان کے چہرے سے نفرت کر رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ان کی طرف دیکھنے کی تاب نہ لا سکا، کیونکہ ان کی غیر انسانی شکل دیکھنا اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ اپنے اعمال یا زندگی سے پریشان نہیں تھے، بلکہ وہ ان سب چیزوں کا لطف اٹھا رہے تھے۔ انہیں طاقت کا جنون تھا، وہ خود کو ناقابل شکست سمجھتے تھے۔ اور کچھ حد تک، وہ غلط بھی نہیں تھے۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ دنیا کا سب سے خطرناک انسان وہ ہوتا ہے جو کبھی ندامت

محسوس نہ کرے۔ وہ جو کبھی معافی نہ مانگے اور نہ ہی معافی کا طالب ہو۔ ہمارے جذبات ہمیں کمزور بناتے ہیں، نہ کہ ہمارے اعمال۔

تمہیں کیا ملا؟" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔"

اس کا ذہین فوراً اس ڈائری پر گیا، جو اس کی جیب میں تھی۔ وہ کوئی حرکت نہ کر سکا۔ وہ ہلکا سا بھی جنبش کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ اکثر یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے ہونٹوں سے جھوٹ بولتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے سچ بولتے ہیں۔ کسی آدمی کو کسی کمرے میں بند کر دو جہاں اس نے کچھ چھپایا ہو، اور پھر اس سے پوچھو کہ اس نے اسے کہاں چھپایا ہے۔ وہ کہے گا کہ اسے نہیں پتا، وہ کہے گا کہ تم نے غلط آدمی کو پکڑ لیا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ اسی جگہ کو دیکھے گا جہاں اس نے چیز چھپائی ہو۔ اور اس وقت اس کا والد اسے دیکھ رہا تھا، یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کہاں دیکھے گا، اور کیا کہے گا۔ اس نے اپنے کندھوں کو آرام دہ رکھا اور دل کی دھڑکن کو مستحکم کرنے کے لیے ایک سست، غیر محسوس سانس لیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے ظاہر کر رہا تھا کہ وہ گہری سوچوں میں غرق ہے۔

"بیٹا؟"

جی؟" اس نے اوپر دیکھا، اور حیرت کا اظہار کیا۔"

"جب تم نے آج اس کے کمرے کی تلاشی لی تو تمہیں کیا ملا؟"

ٹوٹا ہوا شیشہ۔ بکھرا ہوا بستر۔ اس کی الماری کھلی ہوئی تھی۔ اس نے صرف چند ٹوائلٹریز" اور کچھ کپڑے اٹھائے تھے۔ باقی سب کچھ اپنی جگہ پر تھا۔"اس نے گہری سانس لی اور ان کو دیکھے بغیر جواب دیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سر ہلایا۔ پھر اس نے اپنے والد کی پلیٹ دھکیلنے کی آواز سنی۔

"تم کہتے ہو کہ تمہیں نہیں پتا کہ وہ کہاں جا سکتی ہے؟"

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اور ارسل ابراہیم ایک ساتھ ہیں، ملیک کہتا ہے کہ" انہوں نے ایک گاڑی چرائی، مگر گاڑی کا سراغ ایک بنجر کھیت کے کنارے پر اچانک غائب ہو گیا۔ ہمارے دستے دنوں سے علاقے کی نگرانی کر رہے ہیں، مگر کچھ بھی نہیں "ملا۔

مزید کہاں تلاش کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ وہ کسی اور علاقے میں" چلے گئے ہوں گے؟"ان کی آواز میں ایک عجیب نوعیت کا لطف تھا۔

اس نے سکندر کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ جانتا تھا وہ محض اُسے آزمانے کے لیے سوالات پوچھ رہے ہیں، ان کے پاس پہلے سے جوابات اور حل تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ غلط جواب دے کر ناکام ہو جائے، تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ ان کے بغیر وہ ہر فیصلہ غلط کرے گا۔ وہ اُسے مذاق کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اسے نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ وہ اتنی بیوقوفی کریں گے کہ کسی دوسرے سیکٹر میں چلے جائیں۔" ان کے پاس نہ تو رسائی ہے، نہ ذرائع، اور نہ ہی صلاحیت۔ ایک آدمی شدید زخمی تھا، خون تیزی سے بہہ رہا تھا، اور وہ ہنگامی امداد سے دور تھے۔ وہ اب تک مر چکا ہوگا۔ لڑکی شاید زندہ بچی ہے، اور وہ زیادہ دور نہیں جا سکتی کیونکہ اسے ان علاقوں کی نیویگیشن کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ ان سے بے حد انجان ہے۔ اس ماحول میں ہر چیز اس کے لیے اجنبی ہے۔ اس کے علاوہ، وہ گاڑی چلانا نہیں جانتی، اور اگر وہ کسی طرح گاڑی چرانے میں کامیاب ہو بھی گئی ہوتی، تو ہمیں چوری کی اطلاع مل چکی ہوتی۔ وہ شاید اس بنجر کھیت کے چار میل کے دائرے میں گری ہوگی۔ ہمیں اسے تلاش کرنا ہوگا، اس سے پہلے کہ وہ سردی سے مر جائے۔"

سکندر مصنوعی کھنکھارے۔

ہاں! یہ دلچسپ نظریات ہیں۔ اور شاید عام حالات میں یہ واقعی سچ ثابت ہوں۔ لیکن" تم سب سے اہم تفصیل بھول رہے ہو۔" اس نے ان کی آنکھوں میں گہرا تجسس پایا۔

وہ معمولی نہیں ہے۔" انہوں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ اُس کے" دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ تیزی سے پلکیں جھپکانے لگا۔ وہ اس کا دماغ پڑھ چکے تھے

اوہ، تمہیں یقیناً شبہ ہوا ہوگا؟ تم نے قیاس آرائی کی ہوگی؟ تمہیں اس کا علم تھا، مگر تم" یقین نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور میں یہاں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ یہ سچ ہے۔ ان میں

مزید لوگ بھی ہیں۔اور انہوں نے اسے بھرتی کر لیا ہے۔" والد نے سر جھکاتے ہوئے ایک بڑی، چمکدار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

نہیں... "اُس نے آہستہ سے کہا، وہ اس بات کو دنوں سے اپنے ذہین میں جھٹلا رہا تھا۔ "

"وہ تمہارے کھلونے کو چرا کر بھاگ گئے۔ "

آپ کو کیسے پتہ ہے ؟ کیسے جانا کہ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیابی " "حاصل کر لی ؟ارسل مرنے کے قریب تھا جب میرے آدمیوں نے اسے چھوڑا۔

توجہ دو، بیٹا۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ معمولی نہیں ہیں۔ وہ تربیت یافتہ ہیں۔ وہ " تمہارے اصولوں کے مطابق نہیں چلتے۔ان کے درمیان کوئی منطق نہیں ہے جو انہیں باندھ کر رکھے۔ارسل کے کسی دوست نے اس کی مدد کی اور انہیں زیرِ زمین خفیہ مقام پر لے گیا، جہاں اب وہ دونوں رہ رہے ہیں۔مزید برآں، مجھے کافی عرصے سے علم ہے کہ ان میں سے ایک گروہ اس علاقے میں خفیہ طور پر موجود ہے۔ لیکن ان تمام سالوں میں انہوں نے کبھی میرے راستوں میں مداخلت نہیں کی۔اور میں نے بہتر سمجھا کہ انہیں اپنے آپ سے مرنے دیا جائے، تاکہ ہمارے شہری غیر ضروری خوف وہراس کا شکار نہ ہوں۔اور تم ان میں سے ایک کو بھی قابو نہیں کر پائے۔داس تمہارا سپاہی تھا نہ ؟ کبھی سوچا اس نے ریزائن کیوں دیا؟ اس سب کو چھوڑو، وہ ارسل کا واحد دوست بھی تھا۔ تو " تمہیں نہیں لگتا اس سب کا آپس میں کوئی کنکشن ہے ؟

آپ جانتے تھے ؟اس سارے وقت میں آپ جانتے تھے کہ وہ کون ہے جس نے ان" دونوں کی مدد کی اور پھر بھی آپ نے کچھ نہیں کیا؟ آپ نے کچھ نہیں کہا؟" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ غیر ضروری لگ رہا تھا۔"

اور اب ؟"اُس نے مطالبہ کیا۔"

"اب یہ ضروری لگتا ہے۔"

ناقابل یقین کہ آپ نے اس بات کو مجھ سے چھپایا! جب آپ کو میرے منصوبوں کا علم" تھا، جب آپ کو معلوم تھا کہ میں نے اسے یہاں لانے کے لیے کتنی مشکلات جھیلیں..." وہ غصے سے بولا۔

خود کو پر سکون کرو، ہم انہیں ڈھونڈنے والے ہیں۔ ملیک جس بنجر میدان کا ذکر کر رہا" ہے، وہی مقام جہاں گاڑی کا سراغ غائب ہو گیا تھا؟ وہی ہماری ہدف جگہ ہے۔ وہ زیرِ زمین موجود ہوں گے۔ ہمیں داخلے کا راستہ تلاش کرنا ہے اور انہیں اندر سے خاموشی سے تباہ کرنا ہے۔ پھر ہم ان میں سے مجرموں کو سزا دیں گے، اور باقی کو بغاوت کے خوف سے بچائیں گے۔" وہ اپنی ٹانگیں پھیلا کر ایک ٹخنے کو دوسرے کے گھٹنے پر رکھتے ہوئے پر سکون انداز میں بولا۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر آگے کو ہو کر بیٹھ گیا۔

"عام لوگ سب کچھ سنتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر حوصلہ افزا محسوس کر رہے ہیں کہ کوئی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا، اور تمہیں اس عمل میں زخمی کر دیا۔ یہ ہمارے دفاع کو کمزور اور آسانی سے نفوذ پذیر ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں..."

"لیکن میرے آدمی تلاش کر رہے ہیں۔ روزانہ علاقے کی چھان بین کر رہے ہیں لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ ہمیں کچھ ملے گا؟"

"کیونکہ اب تم ان کی قیادت کرو گے۔ ہر رات، کرفیو کے بعد، جب عام لوگ سو رہے ہوں گے۔ تم دن کی روشنی میں تلاش بند کر دو گے تاکہ شہریوں کو مزید باتیں کرنے کا موقع نہ ملے۔ خاموشی سے عمل کرو، بیٹے۔ اپنے اقدامات ظاہر مت کرو۔ میں بیس پر رہوں گا اور تمہاری ذمہ داریاں اپنے آدمیوں کے ذریعے انجام دوں گا۔ میں ضرورت کے مطابق ملیک کو ہدایات دوں گا۔ اور اس دوران، تم انہیں ڈھونڈو گے، تاکہ میں انہیں جلد از جلد ختم کر سکوں۔ بے وقوفی کافی ہو چکی ہے، اور اب میں مزید مہربان نہیں بنوں گا۔"

صرف دو ہفتوں میں، اس کی پوری دنیا بدل گئی تھی۔ اس کی ترجیحات، اس کا فوکس، سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ اب اس کا ذہن صرف ایک شخص پر مرکوز تھا، اور اپنی زندگی میں پہلی بار، وہ شخص وہ خود نہیں تھا۔ وہ سوچ نہیں سکتا تھا، رک نہیں سکتا تھا۔ عالیانہ کی ڈائری نے اسے جکڑ لیا تھا۔ اس کے خیالات اس پر حاوی ہو چکے تھے۔ اس کی محبت حد سے بڑھ چکی تھی۔ وہ اسے دیکھنے اور اس سے بات کرنے کی شدید خواہش کرتا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ راہداریوں میں تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ آنکھیں پریشان، اداس، اور خاموش تھیں۔ حالات اُسے کسی بہاؤ میں بہائے لیے جا رہے تھے، اور وہ ناپسندیدگی کے باوجود بہنا چاہتا تھا۔ یہ بہاؤ اسے تکلیف دیتا تھا، مگر پھر بھی وہ اس تکلیف کو گلے لگانے کا خواہاں تھا۔ اس کی یاد کی یہ اذیت اُسے پسند تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عالیانہ جان لے کہ اب وہ سمجھ چکا ہے کہ وہ پہلے نہیں سمجھ پایا تھا لیکن اب وہ اسے سمجھ چکا ہے۔

اب وہ اس کی پہنچ سے دور جا چکی تھی۔ وہ ان اجنبیوں کے ساتھ کہیں جا چکی تھی جو نہ اسے جانتے تھے اور نہ اس کا اتنا خیال رکھ سکتے تھے جتنا کہ وہ رکھ سکتا تھا۔ وہ اسے ایک اور اجنبی ماحول میں چھوڑ آئے تھے، اسے اس کی فکر تھی۔ اس حالت میں... اس کے ماضی کے زخموں کے ساتھ... وہ راتوں رات ٹھیک نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے والد کے ساتھ پہلے کبھی تعاون نہیں کیا تھا، نہ ہی ان کے مقاصد یا طریقوں سے متفق ہوا تھا۔ لیکن اس معاملے میں، عالیانہ کو واپس لانے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ وہ کمرے میں پہنچا اور دوائیں لے کر جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ صبح اس کی آنکھ ملیک کے ناشتے لانے پر کھلی۔ فریش ہونے کے بعد وہ کھانے کی میز کے سامنے بیٹھا۔ سیاہ پینٹ، سیاہ ٹی شرٹ پر سیاہ کوٹ۔ بال مخصوص انداز میں ایک جانب سمٹے ہوئے تھے۔ اس کے بیٹھتے ہی ملیک اس کے سامنے آ بیٹھا۔ وہ ناشتہ ملیک کے ساتھ ہی کیا کرتا تھا تاکہ اسی دوران دن بھر کا شیڈول طے ہو سکے۔

کافی کہاں ہے ؟"اس نے میز پر رکھی چیزوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ملیک نے اپنے" کانٹے کو پلیٹ میں چھوڑ دیا، خاموشی میں برتنوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دی۔اس نے "چونک کر اوپر دیکھا۔"جی، سر؟

میں چکھنا چاہتا ہوں۔"اس نے ٹوسٹ پر مکھن لگاتے ہوئے ملیک پر ایک مختصر نگاہ" ڈالی۔

تم ہمیشہ اپنی کافی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔میں نے سوچا کہ میں بھی...."وہ" جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کرسی چھوڑ کر تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔وہ اپنی پلیٹ پر جھکتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔کچھ ہی دیر بعد ملیک خود چائے کاٹرے لیے واپس آیا۔اس نے گہری سیاہ مائع کو ایک کپ میں انڈیلا، طشتری پر رکھ کر میز پر اس کے سامنے رکھ دیا،اور خود بھی دوبارہ بیٹھ گیا۔

اس نے کافی کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا۔ذائقہ غیر متوقع طور پر تلخ تھا، ویسا ہر گز نہیں جیسا اس نے سوچا تھا۔گھونٹ لیتے ہوئے اس نے ملیک کی طرف دیکھا، جو اسے یوں گھور رہا تھا جیسے کچھ غیر معمولی دیکھ رہا ہو۔

یہ اتنی بری نہیں ہے۔"اس نے کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ملیک کا چہرہ ایک وسیع" مسکراہٹ سے کھل اٹھا، ایسے جیسے کسی بچے نے اپنی پسندیدہ چیز پالی ہو۔

میں اسے کریم اور چینی کے ساتھ پیتا ہوں۔تب اس کا ذائقہ زیادہ بہتر ہو جاتا ہے۔"" ملیک کی خوشی اس کے لہجے سے چھلک رہی تھی۔

چینی؟ تم اس میں چینی ڈالتے ہو؟" اس نے کافی کے کپ کو گھورتے ہوئے ہونٹ" بھینچ کر مسکراہٹ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے۔ یہ کافی اتنی تلخ تھی کہ چینی بھی اس کی کڑواہٹ نہیں کم کر سکتی تھی۔

اور کچھ لیں گے، سر؟" ملیک نے ادب سے پوچھا۔ اس نے ہاتھ اٹھایا اور سر ہلایا۔ " "فوجیوں کو واپس بلا لو، لیفٹیننٹ۔ دن کے وقت تلاش روک دو۔ اب سے ہم کرفیو کے بعد رات میں کارروائی کریں گے۔ میں خود ٹیم کی قیادت کروں گا۔ تم بیس پر ہی رہو گے، اور سپریم اپنے دستے کے ذریعے ہدایات دیں گے۔ ان کے جو بھی مطالبات ہوں، فوراً پورے کرو۔" وہ رکا اور ملیک کی آنکھوں میں دیکھا۔ "جو کچھ ہوا ہے اس پر مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔ نہ کسی کو دیکھنے کی اجازت ہوگی اور نہ کوئی شہری کچھ کہے گا۔ از دیٹ "کلیئر؟

"جی، سر! میں فوراً احکامات جاری کر دوں گا۔"

گڈ۔" ملیک کھڑا ہوا، سر ہلایا، اور کمرے سے نکل گیا۔"

جب سے وہ گئی تھی، یہ پہلا موقع تھا جب اسے حقیقی امید محسوس ہوئی۔ انہیں یقین ہونے لگا کہ وہ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ اب، ان نئی معلومات کے ساتھ... ایک پوری فوج، چند بے خبر باغیوں کے خلاف... یہ ناممکن لگ رہا تھا کہ وہ انہیں نہ پکڑ سکیں۔ اس نے گہری سانس لی اور کافی کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ تبھی دروازہ بغیر کسی دستک کے کھلا۔

وہ جانتا تھا کہ آنے والا کون ہے۔اس نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

"اگر آپ مجھے احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ ہم آج رات حرکت کریں گے۔ اجازت دیں، تو میرے پاس اور بھی معاملات ہیں جن سے نمٹنا ضروری ہے۔"اس نے انہیں دیکھے بغیر کہا اور اپنی کرسی چھوڑ کر اٹیچڈ آفس کی طرف بڑھ گیا۔

"خود کو کیسا لگتا ہے؟ایسا معذور ہونا؟"اورنگزیب کی طنزیہ مسکراہٹ نمایاں تھی۔ "کیسے دیکھتے ہو، یہ جانتے ہوئے کہ تمہیں تمہارے اپنے ماتحتوں نے مفلوج کر دیا؟"دفتر تک جاتے اس کے قدم یہ دم رکے۔ایک دو تین پل گزرے، وہ پلٹا اور بے تاثر آنکھوں سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تمہاری کیا چاہتے ہیں آپ؟"سکندر نے نظریں اپنے جوتوں کی طرف پھیریں۔ اس لڑکی سے دلچسپی کیا ہے؟"یہ سوال ایک بجلی کی طرح اس کے وجود سے گزرا۔

"وہ تمہارے لیے صرف ایک پراجیکٹ نہیں ہے، ہے نا؟"سکندر کمرے کے بیچ کھڑے تھے، ہاتھ جیبوں میں ڈالے، نگاہوں میں سرد استہزا، جیسے وہ اپنے بیٹے کو کمتر سمجھ رہے ہوں۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"سکندر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکایا۔ "خود کو دیکھو۔ میں نے ابھی اس کا نام تک نہیں لیا، اور تم پہلے ہی بکھر گئے ہو۔ تمہارا چہرہ سفید پڑ گیا ہے۔ تمہارا داہنا ہاتھ مٹھی میں بند ہے۔ تم تیز سانس لے رہے ہو، اور تمہارا پورا جسم

تناؤ میں ہے۔"ایک لمحے کا وقفہ ہوا، جس میں اس کے دل کی دھڑکنیں مزید بے ترتیب ہو گئیں۔

تم نے خود کو دھوکہ دیا ہے، بیٹے۔ تم خود کو بہت ہوشیار سمجھتے ہو، لیکن تم بھول گئے ہو" کہ یہ چالیں تمہیں کس نے سکھائی ہیں۔"اس کا جسم ایک لمحے میں گرم اور ٹھنڈا ہو گیا۔اس نے اپنی بائیں مٹھی کھولنے کی کوشش کی، مگر وہ بے قابو کانپ رہی تھی۔وہ کچھ بولنا چاہتا تھا، اپنے والد کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ غلط ہیں، لیکن الفاظ گلے میں اٹک گئے۔

مجھے آفس میں کچھ کام ہے۔"اس نے بمشکل کہا، اس کی آواز میں لرزش تھی۔"

مجھے بتاؤ، اگر وہ دوسروں کے ساتھ مر جائے، تو تمہیں پرواہ نہیں ہو گی؟"سکندر کی" آواز میں ایک عجیب سی ملامت تھی۔دل۔میں ایک۔ٹیس سی اُٹھی تھی۔اس جملے نے اسے مکمل طور پر توڑ دیا۔"مر جائے؟"اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ لیا تھا۔وہ عالیانہ کے لیے مرنے کا لفظ بھی سن نہیں سکتا تھا۔اس لمحے اسے پوری شدت سے احساس ہوا کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔

کیا؟"اس کے ہونٹوں سے یہ لفظ لرزتے ہوئے نکلا، جیسے وہ اپنے آپ کو روکنے کی" کوشش کر رہا ہو، مگر ناکام رہا۔

سکندر نے نظریں نیچی کر لیں۔ہاتھوں کو سختی سے مٹھی میں بند کیا، پھر آہستہ سے کھولا۔ "تم نے مجھے بہت سے طریقوں سے مایوس کیا ہے۔اس بار ایسا نہ ہونے دینا۔"ان کی آواز نرم تھی، مگر اس نرمی میں چھپی دھمکی واضح تھی۔ایک لمحے کے لیے اسے لگا کہ وہ

اپنے جسم سے باہر نکل کر اپنے والد کی نظروں سے خود کو دیکھ رہا ہے۔ اپنے چہرے کی سفیدی، زخمی بازو، اور وہ ٹانگیں جو اچانک اس کا وزن برداشت کرنے کے قابل نہ رہیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے چہرے پر دراڑیں پڑ رہی ہیں، جو آہستہ آہستہ پورے وجود میں پھیل رہی ہیں۔ شاید اسے ہی ٹوٹنا کہتے ہیں۔ سکندر کی مایوس نظروں نے اسے ایسا محسوس کرایا جیسے اس نے دنیا کی سب سے بڑی غلطی کر دی ہو۔

کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے ؟" اس کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنی پر سکون آواز میں کیسے " بولا۔

آپ میرے کمرے میں بغیر اجازت داخل ہو کر مجھ پر ایسی چیزوں کا الزام لگا رہے ہیں" جنہیں سوچنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں آپ کے قوانین اور احکامات کی مکمل پیروی کر رہا ہوں۔ ہم آج رات نکلیں گے، ان کے ٹھکانے کو تلاش کریں گے، "اور آپ انہیں اپنی مرضی کے مطابق تباہ کر سکتے ہیں۔

اور وہ لڑکی ؟ تمہاری عالیانہ ؟" یہ نام سنتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ دل کی دھڑکن بے قابو" ہو گئی۔ یہ نام سرگوشی میں بھی گونج بن کر اسے توڑ رہا تھا۔

اگر میں اس کے سر میں تین گولیاں ماروں، تو تمہیں کیسا محسوس ہو گا؟ مایوس ؟ کیونکہ " تم نے اپنا 'پروجیکٹ' کھو دیا؟ یا دل خستہ ؟ کیونکہ تم نے وہ لڑکی کھو دی جس سے تم محبت کرتے ہو ؟" وقت جیسے رکنے لگا۔ کمرہ دھندلا ہو گیا۔ ہر شے پگھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ ایک نقصان ہو گا، اس پروجیکٹ میں، اسے اپنی ٹیم میں شامل کرنے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے۔ میں نے اس سب میں بہت وقت لگایا ہے۔"۔ اس نے اندرونی لرزش جو اسے نیچے گرانے کی دھمکی دے رہی تھی کو دباتے ہوئے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

سکندر کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "یہ جان کر اچھا لگا کہ تم اسے اس نظر سے دیکھتے ہو۔ لیکن یاد رکھو، پروجیکٹس ناکام بھی ہو جاتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے "کہ میں تمہارے لیے اس سے بہتر پروجیکٹ بھی ڈھونڈ لوں گا۔

یقیناً۔" اس نے خود کو کہتے ہوئے سنا۔ سکندر نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ "مجھے" معلوم تھا کہ تم سمجھو گے۔ یہ ایک اچھی کوشش تھی، بیٹے، لیکن یہ پروجیکٹ ہمیں بہت زیادہ وقت اور وسائل میں پڑا ہے، اور بدقسمتی سے یہ بے کار ثابت ہوا ہے۔ اسے ختم کر کے ہم ایک ہی وقت میں بہت سی مشکلات سے چھٹکارا پالیں گے۔ اسے بس ایک ضمنی نقصان تصور کرو۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے اس کے زخمی کندھے پر ہاتھ سے تھپکی دی۔ درد کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی، اس کی ٹانگیں تقریباً جواب دے گئیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جان بوجھ کر کیا گیا ہے، تاکہ اسے تکلیف دی جا سکے۔ سکندر نے جاتے جاتے اسے ایک آخری مسکراہٹ دی اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد وہ کچھ پل ایسے ہی دروازے کو دیکھتا رہا پھر وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔ حلق میں اترتے ہوئے آنسو تیزاب کی طرح محسوس ہو رہے

تھے۔ وہ بار بار ان آنسوؤں کو نگل رہا تھا۔ نہ جانے پہلے کتنی بار وہ ایسا کر چکا تھا، لیکن اس وقت اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ کمرہ مکمل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، اور وہ خود بھی غیر معمولی خاموش تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے روتے ہوئے دیکھے، نہ ہی سنے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ لمحہ اس کی تنہائی میں گزر جائے۔ لیکن اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، گالوں کو بھگوتے ہوئے زمین پر گرنے لگے، اس نے انہیں پونچھا نہیں۔ وہ بے بس بیٹھا رہا، اپنے آنسوؤں کو خاموشی سے بہنے دیتا رہا، یہ آنسو اس کی شکست کے خاموش گواہ تھے۔ کتنی ہی دیر وہ دیوار کے ساتھ پیٹھ ٹکائے فرش پر بیٹھا تھا۔ نا جانے کتنی بار وہ ایسے آنسو بہا چکا تھا، لیکن آج یہ سب کچھ اسے پہلے سے زیادہ ناقابل برداشت لگ رہا تھا۔

کوئی نہیں تھا جس کے پاس وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ کوئی ایسا نہیں تھا جسے وہ اپنی تکلیف سنا سکتا۔ اس کے چاروں طرف صرف خاموشی اور تنہائی تھی، جو اس کے دل کو اور زیادہ خالی محسوس کرا رہی تھی۔

وہ اپنے آپ کو ایک بیوقوف اور مایوس انسان کی طرح محسوس کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر سکندر نے عالیانہ کو ڈھونڈ لیا تو وہ اسے مار دیں گے۔ صرف اس کو سبق سکھانے کے لیے، صرف اسے تکلیف دینے کے لیے۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر یہ بات جانتے ہیں کہ وہ عالیانہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ سوچ اس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ وہ بار بار خود سے یہی کہہ رہا تھا، وہ اسے مار دیں گے، مجھے سزا دینے کے لیے وہ اسے مار دیں

گے۔ مجھے دکھ دینے کے لیے وہ اسے مار دیں گے۔ مجھے سخت بنانے کے لیے وہ اسے مار دیں گے۔اس نے اپنا سر گھٹنوں میں چھپالیااور ایک بار پھر وہ اس چھوٹے بچے کی طرح بن گیا جو اندھیرے کونوں میں چھپ کر دعا کرتا تھا کہ اس کا باپ اسے ڈھونڈ نہ پائے۔ وہ امید کرتا تھا کہ آج وہ اسے نہ ماریں، آج وہ اچھے موڈ میں ہوں۔ شاید آج سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ شاید اس کی ماں آج نہ چیخے۔ لیکن اس بار وہ اپنے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ اس بار یہ احساس مختلف تھا، یہ احساس عجیب تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے خیالات میں موجود ہے، اس کے ارد گرد ہے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ اس کی شخصیت، اس کی موجودگی کو اتنا قریب سے محسوس کر چکا تھا کہ کبھی کبھی وہ بھول جاتا تھا کہ یہی وہ لڑکی ہے جس نے اسے گولی ماری تھی۔ وہ بھول جاتا تھا کہ وہ اب بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود، وہ۔ اس سے نفرت نہیں کرتا تھا کیونکہ وہ اس سے محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ محبت آسیب ہی تو ہوتی ہے۔ اس نے سر اٹھایا۔ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسو پونچھے۔ اس کے ذہن میں صرف ایک عزم تھا، وہ اسے سکندر سے پہلے تلاش کرے گا۔ وہ اسے چھپا دے گا، یا وہ اسے بھاگنے کا کہہ دے گا۔ یا یہ بہانہ کرے گا کہ وہ ہی مر چکی ہے۔ یا شاید... شاید وہ اسے قائل کر لے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

••••••☆☆☆••••••

یہ ان کے گشت کا ساتواں دن تھا، لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ ہر رات وہ اپنے گروپ کی قیادت کرتا، ان سرد اور خاموش سردیوں کی راتوں میں، اپنے آرام دہ بستر چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلتا۔ انہوں نے ہر چھپی ہوئی گزرگاہوں، مین ہولز اور ہر ایسے نشان کو تلاش کیا جو یہ ظاہر کرے کہ ان کے قدموں کے نیچے کوئی اور دنیا موجود ہے، لیکن ہر رات، وہ خالی ہاتھ واپس لوٹ آتا۔ گزشتہ چند دنوں کی ناکامی نے اس پر ایسی بے حسی مسلط کر دی تھی کہ وہ اس کیفیت سے باہر نکلنے میں ناکام تھا۔ ہر صبح وہ بیدار ہوتا اور اسی مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا جو اس نے خود اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس سب کو کیسے ٹھیک کرے۔ اس کا دل مسلسل بوجھل رہتا تھا، جیسے کوئی نامعلوم بوجھ اسے پیس رہا ہو۔ اسے ایسا لگتا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی دیوار کو دھکیل رہا ہو، جیسے اس کے چہرے پر پلاسٹک لپیٹ دی گئی ہو، اور وہ نہ سانس لے پا رہا ہو، نہ دیکھ پا رہا ہو، نہ کچھ سن پا رہا ہو، سوائے اپنے دل کی دھڑکن کے۔ اس نے زندگی میں بہت کم چیزیں چاہی تھیں۔ کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا تھا۔ لیکن اب، وہ صرف ایک موقع چاہتا تھا۔ ایک موقع کہ وہ اسے دوبارہ دیکھ سکے، اس سے بات کر سکے، اسے بتا سکے کہ وہ اسے سمجھتا ہے۔ وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ وہ اسے نشانہ بازی سکھائے گا تاکہ اگلی بار اس کا نشانہ دل پر نہ چھوٹے۔ ایسا احساس اس نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ شرمندگی، بزدلی، کمزوری، طاقت، دہشت، اور بے حسی جیسے جذبات سے گزر چکا تھا۔ وہ خود سے نفرت اور دوسروں کی نفرت کا سامنا کر چکا تھا۔ وہ ایسی تکلیفوں سے گزرا تھا جن کا دوبارہ سامنا کرنے کا خیال بھی ناقابل برداشت تھا۔

لیکن اس سب کے باوجود، اس نے کبھی ایسا خوفناک، ہولناک، اور مفلوج کر دینے والا احساس محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ بے بس تھا، اور ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ بے بسی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر دن اسے مزید بیمار، خالی، اور بے حد تکلیف دہ محسوس کروا رہا تھا۔ محبت بے رحم اور ظالم چیز ہے۔ یہ دیمک کی طرح انسان کو اندر ہی اندر سے کھا جاتی ہے۔

وہ کوٹ اور جوتوں سمیت بستر پر پیچھے کو لیٹ گیا، اس میں انہیں اتارنے کی بھی طاقت نہیں تھی۔ ان راتوں کی طویل ڈیوٹیوں نے اسے سونے کے لیے بہت کم وقت دیا تھا، اور وہ مسلسل تھکن کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ کچھ وقت بعد ملیک اس کے کمرے میں آیا۔

ملیک، آج میں کمپاؤنڈز کے معائنے پر جا رہا ہوں۔ فوجیوں کو ہدایات دو کہ وہ منتشر ہو" جائیں اور اپنی موجودگی چھپائے رکھیں۔ ان کا کام ہے کہ آج ہر فرد پر گہری نظر رکھیں اور اپنے مشاہدات براہِ راست مجھے رپورٹ کریں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ آیا کوئی شہری مشکوک یا غیر معمولی حرکت کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ عام لوگوں کے درمیان خفیہ طور پر رہ رہے ہوں۔ ان کی خوراک اور پانی کا کوئی ذریعہ تو ہوگا، کچھ ایسا جو انہیں اس معاشرے سے جوڑ رہا ہے۔ ہمیں انہیں تلاش کرنا ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ ہم کچھ دیر میں نکلیں گے۔ سپاہیوں کو کہو کہ مکمل طور پر تیار رہیں۔" ملیک نے سر ہلایا۔ "جی سر۔" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

یہاں ہر کوئی اس سے نفرت کرتا تھا۔ دوستی کے جو نازک رشتے اس نے بنائے تھے، اب وہ بھی ٹوٹ چکے تھے۔ داس اس سے تھک چکا تھا۔ کیسر اس سے نفرت کرتا تھا، وہ مایوس تھا، غصے میں تھا۔ اس نے یہاں آکر صرف مسائل پیدا کیے تھے اور وہ واحد شخص، جس نے کبھی اس کے اندر بھلائی دیکھنے کی کوشش کی، اپنی جان کی قیمت چکا رہا ہے۔

وہ اس خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس خواب کا حیدر سے تعلق تھا، مگر کیوں؟ ارسل نے تو اسے قید سے آزاد کرالیا تھا۔ اب یہ خواب۔ وہ حال ہی میں حیدر کے بارے میں بہت زیادہ سوچنے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کی عجیب سی مہربانی، اور ساتھ ہی اس کی بے رحم، حسابی فطرت... اسے سب کچھ یاد آرہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ جب وہ پہلی بار کھڑکی سے چھلانگ لگا کر بھاگنے لگی تو حیدر نے اسے کیسے خاموش نظروں سے دیکھا تھا۔ اور پھر وہ لمحہ بھی جب اس نے اپنی گن حیدر کے دل کی جانب اٹھائی تھی۔ اس نے خود سے سوال کیا کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہی ہے جو اس سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ وہ تصور کرتی کہ اگر کبھی دوبارہ اس کا سامنا حیدر سے ہوا تو کیا ہوگا؟ کیا وہ اسے پہچانے گا؟ کیا وہ اسے زندہ چھوڑے گا، خاص طور پر اس کے بعد جب اس نے اسے مارنے کی کوشش کی تھی؟ یہ سوالات اس کے ذہن کو الجھا دیتے

تھے۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھ پاتی تھی کہ ایک پچیس سالہ لڑکا کس طرح اس مقام تک پہنچا ہو گا۔ پھر وہ اپنے آپ کو ٹوکتی کہ وہ کیوں اس کے بارے میں سوچ رہی ہے، کیوں اس کی یادوں میں گم ہو رہی ہے۔ اور آخر میں وہ یہ تسلیم کر لیتی کہ وہ خود کو دھوکہ دے رہی ہے۔ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبے وہ ساڑھے پانچ بجے سرنگوں میں ٹہل رہی تھی ۔"ہیلووووو؟" ایلفا پوائنٹ کی مشہور پتھریلی دیواریں اس کی آنکھوں کے سامنے ابھریں۔ وہ چونکی اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔ داس اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

کیا؟"اُس نے گھبراہٹ اور پریشانی سے کہا۔"

تم جلدی میں لگتی ہو۔" داس نے حیرت اور تجسس کے ساتھ اُس کی طرف دیکھتے" ہوئے کہا۔

میں پرجوش ہوں۔ آج ہم کیا کرنے والے ہیں؟" اُس نے کندھے اُچکائے، جیسے بے" پرواہو۔

داس نے ذرا سا سر جھکایا اور اُس کے کندھے کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم...اُم..." "اُس نے گلا صاف کیا۔" تم ٹھیک ہو؟

ہاں، بالکل ٹھیک ہوں۔" اُس نے جواب دیا، مگر اُس کی آواز میں ہلکی سی تھکن جھلک" رہی تھی۔

"ہوں۔"

"کیا ہوں؟"

کچھ نہیں۔"داس نے جلدی سے کہا۔"بس... تم جانتی ہو۔"اُس نے ایک مبہم سا" اشارہ اُس کے چہرے کی طرف کیا۔"تم اچھی نہیں لگ رہی، شہزادی۔ تم ویسی ہی نظر آ رہی ہو جیسے پہلے دن جب تم ارسل کے ساتھ گھر آئی تھیں۔ڈری ہوئی، تھکی ہوئی، "اور... برا نہ ماننا... شاید تمہیں ایک شاور کی ضرورت ہے۔

وہ ہلکا سا مسکرائی، وہ جانتی تھی داس اسے ہنسانے کی کوشش کر رہا ہے"میں ٹھیک ہوں۔ واقعی۔بس، یہاں تھوڑی سردی ہے۔"اُس نے نظریں جھکا لیں۔

اچھا۔ خیر، وہ ٹھیک ہو جائے گا، تم دیکھنا۔"داس نے سر ہلایا، مگر ابھی بھی اُس کی طرف" نظر نہیں کی۔

کون؟"اُس نے سانس بھرتے ہوئے پوچھا، جیسے اُس کا دم گھٹ رہا ہو۔"

ارسل۔ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"داس نے نظریں چرائیں۔ایک لمحے کے لیے، وہ سب" کچھ بھول گئی۔ اُسے ارسل کا بیمار چہرہ یاد آنے لگا، وہ بے جان آنکھیں، اور اُس کی کمزور حالت۔

تو... کیا ہمیں چلنا نہیں چاہیے؟"اُس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔"

ہاں، بالکل۔ میرے پیچھے آؤ۔"داس نے کہا اور عجیب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے" ہوئے خاموش ہو گیا۔ وہ اُسے ایک ایسے دروازے کی طرف لے گیا جو اُس نے پہلے کبھی

نہیں دیکھا تھا۔ یہ دروازہ ایک ایسے کمرے کا تھا جہاں وہ پہلے کبھی نہیں گئی تھی۔ کمرے سے لوگوں کی دھیمی آوازیں آرہی تھیں، جو اُسے مزید بے چین کررہی تھیں۔ داس نے دروازے پر دو بار دستک دی، پھر ہینڈل گھما کر کھولا، اور اچانک شور کی لہر نے اُسے جذبات سے مغلوب کر دیا۔ وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ چہرے، جو اُس نے اب تک صرف دور سے دیکھے تھے، لوگ، جو خوشیوں اور قہقہوں کا تبادلہ کررہے تھے، اور جن کے درمیان وہ کبھی خود کو خوش آمدید محسوس نہیں کرپائی تھی۔ کمرے میں کشادگی کے ساتھ ترتیب دی گئی میزیں اور کرسیاں تھیں، جیسے یہ کسی کلاس روم کی جگہ ہو۔ ایک دیوار پر ایک وائٹ بورڈ لگا تھا، جس پر اسکی نوٹس جگمگا رہے تھے۔ اُس نے کیسر کو دیکھا، جو کونے میں کھڑا، کلپ بورڈ پر نظریں جمائے، ہوئے تگا۔

"کیسر؟" داس نے اُسے آواز دی۔ کیسر نے چونک کر کلپ بورڈ سے نظریں ہٹائیں اور اُن کی طرف دیکھا۔ داس کو دیکھتے ہی اُس کے چہرے پر خوشی کی ایک چمک دوڑ گئی۔ اُس نے داس اور کیسر کے درمیان تعلق کو پہلے بھی محسوس کیا تھا، لیکن اس لمحے یہ اور بھی واضح ہوگیا۔ کیسر کے چہرے پر ایک خاص محبت تھی، ایک فخریہ اور پیار بھری محبت، جیسی عموماً والدین اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔ یہ اُسے اُن دونوں کے تعلق کی نوعیت پر غور کرنے پر مجبور کرنے لگا۔ یہ تعلق کہاں اور کیسے شروع ہوا؟ کن حالات نے انہیں جوڑا؟

اُسے احساس ہوا کہ وہ ایلفا پوائنٹ کے لوگوں کے بارے میں بہت کم جانتی ہے۔ وہ وہاں موجود لوگوں کے چمکتے چہروں کو دیکھ رہی تھی۔ مرد، عورتیں، نوجوان، اور درمیانی عمر کے افراد، مختلف قومیتوں اور شکلوں کے۔ وہ یوں ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے جیسے ایک قریبی خاندان ہو۔

یہ سب دیکھ کر اُس کے دل میں ایک عجیب سی تکلیف اُبھری، جیسے کوئی چیز اُس کے اندر چبھ رہی ہو۔ یہ ایسا تھا جیسے وہ شیشے کے پیچھے سے کسی منظر کو دیکھ رہی ہو، ایک ایسی دنیا جس کا حصہ بننے کی وہ خواہش کرتی تھی، لیکن بن نہیں سکتی تھی۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہر مشکل کے باوجود مسکراتے ہیں، جو ابھی تک امید کے دامن کو تھامے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ؟ وہ ان لوگوں کی طرح کیوں نہیں بن پائی؟ اُسے اپنی سوچوں پر شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ اُسے لگا جیسے دن کی روشنی نے اُس کے خیالات کی تاریکی اور افسردگی کو بے نقاب کر دیا ہو۔ وہ دکھاوا کرنا چاہتی تھی کہ وہ ابھی بھی پر امید ہے، کہ وہ جینے کا راستہ تلاش کر لے گی۔

اچانک کسی نے تیز سیٹی بجائی۔ "آلرائٹ ایوری ون!" اس کی گونج دار آواز نے فضا کو بھر دیا۔ اُس نے ہاتھ منہ کے قریب لا کر سب کو مخاطب کیا۔

"سب لوگ بیٹھ جائیں! ہم ان لوگوں کے لیے ایک تعارفی اجلاس کر رہے ہیں جو پہلے کبھی اس میں شامل نہیں ہوئے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی جگہ لے لیں۔" اُس نے بھیڑ کا جائزہ لیا۔

ہاں، سب آرام سے بیٹھ جاؤ۔ جہاں مرضی بیٹھو۔ سیم، تمہیں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے؟ شکریہ۔ پانچ منٹ میں شروع کریں گے، ٹھیک ہے؟" اُس نے اپنی ہتھیلی اُوپر اٹھائی، پانچ انگلیاں کھولیں۔ "پانچ منٹ۔" وہ آہستگی سے ارد گرد دیکھے بغیر سب سے قریبی خالی کرسی پر جا بیٹھی۔ اُس نے سر جھکا لیا اور نظریں لکڑی کی میز کی باریک لکیروں پر مرکوز کر دیں۔ آہستہ آہستہ، باقی لوگ بھی کرسیوں پر بیٹھنے لگے۔ اُس نے آخر کار اپنی دائیں جانب دیکھنے کی ہمت کی۔ وہاں ایک شخص بیٹھا تھا، جس کے چمکدار سیاہ بال، سفید جلد، اور گہری نیلی آنکھیں اُس کی طرف پلک جھپکاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ اشعل نے مسکرا کر دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ اُس نے جھجھکتے ہوئے سر جھکا لیا۔

اَرے! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" کسی نے کہا۔ وہ بائیں طرف مڑی تو سنہری بالوں والا ایک شخص نظر آیا۔ اُس کی ناک پر کالی پلاسٹک کی عینک ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی، اور زرد چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اُسے فوراً یاد آیا، یہ دھان تھا۔ وہی شخص جس نے اُس کا انٹرویو لیا تھا جب وہ پہلی بار ایلفا پوائنٹ پر پہنچی تھی۔ اُس نے خود کو ایک ماہرِ نفسیات بتایا تھا، لیکن وہ وہی تھا جس نے وہ خصوصی لباس ڈیزائن کیا تھا جو اُس نے پہنا ہوا تھا۔

دھان اپنے قلم کے ڈھکن کو چباتے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔ پھر اُس نے اپنی عینک کو انگلی سے ناک پر اوپر دھکیلا۔

"مجھے اصل میں معلوم نہیں کہ میں یہاں کیوں ہوں۔ داس مجھے لے آیا، لیکن اُس نے کچھ بتایا نہیں۔" اُس نے وضاحت دی۔

دھان نے آنکھیں گھمائیں اور بیزار سامنہ بنایا۔ "اف! اُس کے یہ پراسرار طریقے۔ مجھے نہیں معلوم، اُسے لوگوں کو معلق رکھنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کی زندگی کوئی فلم ہے۔ ہر چیز کے بارے میں اتنا ڈرامائی ہوتا ہے۔ ڈرامے باز!" اگر ارسل ہوتا تو وہ بھی دھان سے متفق ہوتا، اور ایک بار پھر اس کا دل ارسل کی یادوں سے بوجھل ہو گیا۔

"آہ، اُس کی باتوں پر زیادہ دھیان نہ دو۔" ایک نرم انگریزی لہجے نے گفتگو میں مداخلت کی۔ وہ مڑی تو دیکھا کہ اشعل ابھی بھی اُس کی طرف مسکرا رہا تھا۔

"دھان صبح کے وقت تھوڑا سا پاگل ہو جاتا ہے۔" اشعل نے ہنستے ہوئے کہا۔ دھان نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے بہت نیند آئی ہے!"

اشعل ہنس پڑا۔ "یہ تمہاری اپنی غلطی ہے، دوست۔ تم سمجھتے ہو کہ تین گھنٹے کی نیند پر زندہ رہ سکتے ہو؟" دھان نے چبایا ہوا قلم میز پر پھینکا اور تھکے ہوئے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرا، اپنی عینک اتار دی اور گہری سانس لی۔

"یہ رات کی گشتیں ہیں، یار۔ ہر رات کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ باہر حالات شدت اختیار کر رہے ہیں۔ سپاہی ہر جگہ گھوم رہے ہیں۔ آخر وہ کیا کر رہے ہیں یہ جاننے کے لیے مجھے پوری رات جاگنا پڑتا ہے۔" یہ سن کر وہ خود کو سوال کرنے سے نہ روک سکی۔ "تم کس

بارے میں بات کر رہے ہو؟"اُس نے دلچسپی سے پوچھا۔اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ باہر کی دنیا کی خبریں کچھ ایسی تھیں جو اُس نے کبھی نہیں سنی تھیں۔دھان نے بات جاری رکھی۔"وہ ہمیں تلاش کر رہے ہیں، جیسے یہ اب کوئی پاگل نظریہ نہیں رہا۔وہ جانتے ہیں کہ ہم ایک خطرہ ہیں،اور ایسا لگتا ہے کہ اُنہیں واقعی پتا چل گیا ہے کہ ہم کہاں ہیں۔ لیکن "یہ کیسے ممکن ہے؟

ہم باری باری شفٹوں میں گشت کرتے ہیں، زیادہ تر وقت سب ٹھیک رہتا" ہے۔"اشعل نے وضاحت کی۔

دھان نے سنجیدگی سے کہا۔"لیکن اب یہ عجیب ہو رہا ہے۔ ہمارے ٹھکانے کے بالکل قریب ہر جگہ سپاہی ہیں۔ہم انہیں کیمرے پر دیکھتے ہیں۔اور سب سے عجیب بات..." وہ جھک کر اپنی آواز نیچی کرتے ہوئے بولا۔

حیدر... حیدر ہر رات اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ہر رات۔وہ ادھر ادھر گھومتا" ہے، احکامات دیتا ہے جو میں سن نہیں پاتا۔اور اُس کا بازو ابھی بھی زخمی ہے۔وہ اُسے "ایک سلیگ میں رکھ کر گھوم رہا ہے۔

حیدر؟ وہ ان کے ساتھ ہے؟ کیا یہ... یہ غیر معمولی ہے؟"اُس کی آنکھیں پھیل" گئیں۔

یہ کافی عجیب ہے، وہ سی سی آر ہے، سیکٹر فائیو کا چیف کمانڈر اور ریجنٹ۔عام حالات میں" وہ یہ کام کسی کرنل یا لیفٹیننٹ کو تفویض کرتا۔اُسے بیس پر اپنے سپاہیوں کی نگرانی کرنی

چاہیے۔ لیکن وہ اپنی ترجیحات کے خلاف جا کر اتنا خطرہ مول لے رہا ہے۔ اپنے ہی کیمپ سے دور وقت گزارنا۔ عجیب لگتا ہے کہ وہ اتنی راتوں کو باہر جا رہا ہو۔"

بالکل۔" اشعل نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔"

اور یہ سب مجھے سوچنے پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ کس کو کمان سونپ رہا ہے؟ وہ کسی پر" بھروسہ نہیں کرتا، اُسے اپنے اختیارات دوسروں کو سونپنے کی عادت نہیں ہے، تو پھر وہ ہر رات کیمپ کیوں چھوڑ رہا ہے؟" ایک لمحے کا توقف۔" یہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو رہا ہے۔"

تمہیں کیا لگتا ہے؟ شاید وہ کسی شخص کو یا کسی چیز کو تلاش کر رہا ہے؟" عالیانہ نے ہمت" کر کے دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

ہاں۔" دھان نے گہرا سانس لیا۔" یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ اور میں واقعی جاننا چاہتا" ہوں کہ وہ کیا تلاش کر رہا ہے۔

ظاہر ہے، وہ ہمیں تلاش کر رہا ہے۔" اشعل نے کہا، مگر وہ اس بات پر قائل نہیں" دکھائی دیا۔

مجھے نہیں لگتا یہ مختلف ہے۔ وہ ہمیں سالوں سے تلاش کر رہے ہیں، لیکن انہوں نے" پہلے کبھی اس طرح نہیں کیا۔ اُنہوں نے کبھی اس قسم کے مشن پر اتنی طاقت خرچ نہیں کی، اور وہ کبھی بھی ہمارے اتنے قریب نہیں آئے۔" عالیانہ کے دماغ میں ٹکڑے

جڑنے لگے، لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ کیسے انہیں بتا سکتی تھی کہ اس خطرے کی وجہ وہ خود ہے؟ اُسے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

واہ۔" اپنے خیالات پر یقین کیے بغیر اُس نے سرگوشی کی۔"

ہاں، یہ پاگل پن ہے۔ بہر حال، اگر ہمیں آج تازہ کافی نہ ملی، تو میں واقعی پاگل ہو جاؤں" گا۔" دھان نے اپنے چبائے ہوئے قلم کو دوبارہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم شروع کرنے سے پہلے ناشتہ کریں گے؟"

نہیں۔ آج ہم ایک مختلف شیڈول پر کھانا کھائیں گے۔ اس کے علاوہ، جب ہم واپس" آئیں گے تو ہمارے پاس بہت کچھ ہو گا۔ یہ واحد فائدہ ہے۔" اشعل نے خوشخبری دی۔

"کہاں سے واپس آئیں گے؟"

اوپر، ہم اوپر جا رہے ہیں۔" دھان نے کرسی کی پشت پر ٹیک لگاتے ہوئے چھت کی" طرف اشارہ کیا۔

کیا؟ واقعی؟" اُس نے حیرت سے سوال کیا۔"

ہاں، اور لگتا ہے کہ تمہیں یہاں تمہارے کام کا پہلا تعارف ملنے والا ہے۔" اُس نے" کمرے کے سامنے کی طرف اشارہ کیا، جہاں ایک بڑی ٹرنک میز پر رکھی جا رہی تھی۔

"کیا مطلب؟ ہم اوپر کیا کریں گے؟"

بڑی چوری، مسلح ڈکیتی۔اس قسم کی چیزیں...."اشعل نے کندھے جھٹک کر کہا۔وہ ہنسی روک نہ سکی، مگر پھر دھان نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے روکا۔"وہ مذاق نہیں کر رہا۔مجھے امید ہے کہ تمہیں بندوق چلانا آتی ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

وہ سب بے گھر نظر آرہے تھے، جس کا مطلب تھا کہ وہ عام شہریوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

وہ کلاس روم سے باہر نکلے، ہر ایک نے ایک جیسے پھٹے ہوئے، سرمئی اور پھٹے ہوئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ہر شخص اپنے کپڑوں کو درست کر رہا تھا، دھان نے عینک اُتار کر جیکٹ کی جیب میں ڈال لی، کوٹ کا بٹن بند کیا۔کالر اُس کی ٹھوڑی تک آگیا تھا، وہ اُس میں دبک کر کھڑا تھا۔سیم نے اپنے منہ کے ارد گرد موٹا اسکارف لپیٹ لیا اور کوٹ کی ٹوپی سر پر چڑھالی۔اُس نے دیکھا کہ داس نے ایک جوڑی دستانے پہن لیے تھے اور اپنے کارگو پینٹ کو دوبارہ سیٹ کر رہا تھا تاکہ بندوق فٹ ہو سکے۔اشعل نے اپنی جیب سے ایک اسکال کیپ نکالی اور اُسے سر پر کھینچ لیا، پھر کوٹ کو اپنی گردن تک زپ کر دیا۔سیاہ ٹوپی کی سیاہ رنگت نیلی آنکھوں کی چمک کو اور بھی بڑھا رہی تھی، جس سے وہ اور بھی چمکدار اور تیز نظر آرہا تھا۔جب اُس نے اُسے دیکھا، تو وہ مسکرائی۔پھر اُس نے ایک جوڑی پرانے دستانے پھینکے، جو دو سائز بڑے تھے، اور اپنی جوتیوں کی تسمے کسنے لگی۔اُس نے ایک گہری سانس لی۔

تم تیار ہو؟" داس نے اُس کے پاس آکر اُس کی کہنی پکڑی۔ اُس نے سر ہلایا اور ایک چھوٹی سی مسکراہٹ پیش کی۔ جو کپڑے اُس نے پہنے تھے وہ ادھار لیے ہوئے تھے۔ اُس کے گلے میں لٹکا کارڈ، جو اُس کے سوٹ کے نیچے چھپایا گیا تھا، نیا تھا۔ آج اُسے ایک جعلی پی آر کارڈ ملا تھا۔ درست رجسٹریشن کارڈ۔ یہ ثبوت تھا کہ وہ کمپاؤنڈ میں کام کر رہی تھی اور وہاں رہائش پذیر ہے، یہ ثبوت کہ وہ ریکو لیٹڈ یٹری میں بطور شہری رجسٹرڈ ہے۔ ہر قانونی شہری کے پاس ایک آئی آر کارڈ ہوتا ہے، لیکن اُس کے پاس کبھی نہیں تھا کیونکہ اُسے دماغی اسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا۔ شناخت اُس کے لیے ضروری نہیں تھی لیکن یہ آئی آر کارڈ خاص تھا۔ ایلفا پوائنٹ میں ہر کسی کو جعلی کارڈ نہیں ملتا۔ یہ انتہائی مشکل سے نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ پتلی مستطیلیں ایک نایاب قسم کے ٹائیٹینیم سے بنی ہوتی ہیں، جس پر لیزر کے ذریعے بار کوڈ اور مالک کی ذاتی معلومات نقش کی جاتی ہیں، اور ایک ٹریکنگ ڈیوائس بھی شامل ہوتی ہے جو شہری کی موجودگی کو مانیٹر کرتی ہے۔

"یہ کارڈ سب کچھ ٹریک کرتے ہیں، یہ کمپاؤنڈز میں داخلہ اور خروج کے لیے ضروری ہیں۔ انہیں بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھیں۔ آئی آر کارڈ کا گم ہونا مطلب ہے آپ کی روزی روٹی، آپ کی آمدنی، اور آپ کی قانونی حیثیت کا کھو جانا۔" کیسر نے وضاحت کی۔

"اگر آپ کو کسی فوجی نے روکا اور شناختی ثبوت مانگا، تو آپ کو اپنا آئی آر کارڈ پیش کرنا ہوگا۔ کارڈ پیش نہ کرنے کی صورت میں، نتائج بہت ناخوشگوار ہوں گے۔ جو شہری بغیر کارڈ کے گھومتے ہیں، انہیں دستور کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ انہیں قانون کی جان

بوجھ کر خلاف ورزی کرنے والے اور مشکوک افراد کے طور پر دیکھا جاتا ہے، یہ آپ کو بغاوتی گروپوں کی طرف مائل دکھاتا ہے۔اور یہ آپ کو ایک خطرہ بنادیتا ہے، ایک خطرہ جسے درستور بے دریغ ختم کردیتا ہے۔"اس نے گہری سانس لی۔

لھذا، آپ اپنا آئی آر کارڈ کھو نہیں سکتے،اور نہ ہی کھوئیں گے۔ہمارے جعلی کارڈز میں" ٹریکنگ ڈیوائس کی چپ نہیں ہوتی، کیونکہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔لیکن !اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جعلی نہیں ہوتے۔شہریوں کے لیے آئی آر کارڈ زندگی کا حصہ ہے، اور ایلفا پوائنٹ میں،انہیں ایک امتیاز سمجھا جاتا ہے۔اور آپ انہیں اسی طرح استعمال "کریں گے۔

اُس نے بہت سی باتیں سیکھی تھیں۔ایک یہ تھی کہ یہ کارڈ صرف ان لوگوں کودیے جاتے ہیں جوایلفا پوائنٹ سے باہر مشنز پر جاتے ہیں۔اُس کمرے میں موجود تمام لوگ آج منتخب کیے گئے تھے کیونکہ وہ سب سے بہترین، مضبوط،اور قابل اعتماد تھے۔اُسے اس کمرے میں مدعو کرنا داس کی طرف سے ایک جرات مندانہ قدم تھا۔اب اُسے احساس ہوا کہ یہ اس کا طریقہ تھا اُسے بتانے کا کہ وہ اُس پر اعتماد کرتا ہے۔سب کچھ کے باوجود، وہ اُسے اور دوسروں کو بتا رہا تھا کہ وہ یہاں خوش آمدید ہے۔یہی وجہ تھی کہ دھان اور اشعل نے اُس سے اتنی آرام دہ بات چیت کی کیونکہ وہ ایلفا پوائنٹ کے نظام پر اعتماد کرتے تھے۔وہ داس پر اعتماد کرتے تھے۔اگر داس کہتا ہے کہ وہ اُس پر اعتماد کرتا ہے تو سب اس پر اعتماد کرتے ہیں، کیونکہ داس پر سب اعتماد کرتے ہیں۔اب وہ بھی اُن میں

سے ایک تھی۔ اور اُس کے پہلے سرکاری عمل کے طور پر۔ اُسے ایک چور بننا تھا۔ وہ اوپر جانے والی تھی۔ کیسر بس ٹیم کو جوائن کرنے والی تھی۔

کیسر اور داس اُسے اس مہم پر لے جا رہے تھے کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ وہ ایلفا پوائنٹ میں خوش آمدید محسوس کرے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان میں شامل ہو، انہیں قبول کرے، اور یہ سمجھے کہ ان کا مشن کیوں اتنا اہم ہے۔ کیسر چاہتا تھا کہ وہ درستور کے خلاف لڑے، ان کتابوں، اشیاء، زبان اور تاریخ کو بچانے کی کوشش کرے جو وہ تباہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ دیکھے کہ اُن کی زمین ابھی تک اتنی زیادہ خراب نہیں ہوئی کہ اسے ناقابل مرمت سمجھا جائے، اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اُن کا مستقبل بچایا جا سکتا ہے، کہ چیزیں بہتر ہو سکتی ہیں اگر طاقت صحیح ہاتھوں میں ہو۔

وہ چاہتا تھا کہ وہ اعتماد کرے۔ وہ اعتماد کرنا چاہتی تھی۔

لیکن کبھی کبھی خوف اُس پر غالب آ جاتا۔ اس کے محدود تجربات نے اُسے یہ سکھایا تھا کہ طاقت کی خواہش رکھنے والے لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بڑے اہداف، شاندار تقریریں اور آسان مسکراہٹیں اُس کے دل کو پرسکون کرنے میں ناکام رہیں۔ بندوقوں والے مرد کبھی بھی اُسے آرام نہیں دے سکے، چاہے انہوں نے کتنی ہی بار یہ وعدہ کیا ہو کہ وہ ایک اچھے مقصد کے لیے قتل کر رہے ہیں۔ کیسر آ گیا تھا۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سب پر نظر ڈالی۔ گروپ میں وہ، دھان، اشعل، داس، اور دس دوسرے لوگ

شامل تھے جنہیں وہ ابھی تک نہیں جانتی تھی۔ سب ملا کر پندرہ لوگ تھے، اور کیسر ان سب کا قائد تھا۔

آل رائٹ ایوری ون۔" کیسر نے تالی بجاتے ہوئے کہا، اس کے ہاتھوں میں دستانے" تھے۔

کیا ہم تیار ہیں؟ جو بات میں نے کی تھی، اُسے مت بھولنا۔"۔ ایک توقف، ایک محتاط" نظر۔ اُس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے ایک خاص توجہ تھی۔

گڈ، پھر۔ میرے پیچھے آؤ۔ "اس کے الفاظ کے ساتھ سب کیسر کے پیچھے چلنے لگے، اور" راہداریوں میں خاموشی چھا گئی۔ کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔

تو ہم وہاں کیسے پہنچیں گے؟ "اس نے خاموشی توڑتے ہوئے بات کرنے کی کوشش" کی۔ "چل کر۔" دھان نے مختصر جواب دیا۔ ان کے قدموں کی آواز زمین پر دھمک پیدا کر رہی تھی۔

زیادہ تر شہریوں کے پاس گاڑیاں نہیں ہیں، اور ہم کسی ٹینک میں سوار ہو کر پکڑے" نہیں جا سکتے۔ اگر ہمیں عام شہریوں کے ساتھ گھلنا ملنا ہے تو ہمیں ان کی طرح پیدل چلنا ہو گا۔" داس نے مداخلت کرتے ہوئے وضاحت کی۔

سرنگوں کا راستہ پیچیدہ تھا، اور وہ جلد ہی بھول گئی کہ کون سی سرنگ کس سمت جا رہی ہے۔ کیسر انہیں راستہ دکھا رہا تھا، اور اس نے محسوس کیا کہ وہ اس جگہ کے بارے میں کتنا

کم جانتی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کبھی اس بارے میں زیادہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ لیکن اب اسے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔

جب زمین کا فرش بدلنے لگا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ باہر نکلنے کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ وہ ایک چڑھائی پر تھے، جہاں پتھروں سے بنی سیڑھیاں تھیں۔ اوپر ایک چھوٹا سا دھاتی دروازہ نظر آیا، جس پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس کا دل بے ترتیب دھڑکنے لگا، جیسے بے چینی اور خوف ایک ساتھ ہو۔ آج وہ دنیا کو ایک عام شہری کی نظر سے دیکھے گی۔ پہلی بار، واقعی قریب سے۔ وہ دیکھے گی کہ اس نئی دنیا کے لوگ کن مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

کیسر دروازے کے پاس رک گیا، جو اتنا چھوٹا تھا کہ ایک کھڑکی معلوم ہوتا تھا۔ وہ مڑا اور سب کی طرف دیکھا۔

تم کون ہو؟" کوئی جواب نہیں آیا۔ کیسر نے اپنی پوری قامت سے کھڑے ہو کر بازو" سینے پر باندھ لیے۔ "سیم؟" اس نے کہا۔

"نام، شناختی نمبر، عمر، سیکٹر، اور پیشہ؟"

میرا نام مراد ہے، شناختی نمبر پانچ سو ستاون-آئی او ٹو۔ میں تینتیس سال کا ہوں، سیکٹر" "فائیو میں رہتا ہوں۔

پیشہ؟" کیسر نے دوبارہ پوچھا، اس کی آواز میں ہلکی سی بے صبری تھی۔"

ٹیکسٹائل۔ فیکٹری ایکس سی ٹو۔" سیم نے جواب دیا۔"

اشعل؟" کیسر نے حکم دیا۔ "

میرا نام مذاحمد کبیر ہے، شناختی نمبر چھپن-اے ایکس سیون۔ میں تینتالیس سال کا ہوں "
" اور سیکٹر پانچ میں میٹل کا کام کرتا ہوں۔

سب نے باری باری اپنا تعارف دیا۔ کیسر نے سب کی معلومات توجہ سے سنیں اور پھر سر ہلایا۔

آپ سب بولنے سے پہلے خود سے کیا تین سوال پوچھیں گے؟" ایک بار پھر خاموشی "
چھا گئی، حالانکہ سب جواب جانتے تھے۔

کیسر نے اپنی انگلیوں پر گننا شروع کیا۔ "پہلا! کیا یہ بات کرنا ضروری ہے؟ دوسرا! کیا یہ ضروری ہے کہ میں ہی یہ بات کروں؟ تیسرا! کیا یہ بات ابھی کرنا ضروری ہے؟" وہ رکا اور سب کی طرف دیکھا۔

ہم اُس وقت تک نہیں بولتے جب تک بالکل ضروری نہ ہو۔ ہم نہ ہنستے ہیں، نہ "
مسکراتے ہیں۔ اور اگر ممکن ہو تو ہم ایک دوسرے کو دیکھنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔
ہم ایسے ظاہر کرتے ہیں جیسے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں۔ ہم کسی بھی صورت
" خود کو نمایاں نہیں کرتے۔

یہ بات سمجھ آئی؟ سب کے لیے واضح ہے؟" کیسر نے توقف کے بعد پوچھا۔ "

سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور اگر کچھ غلط ہو جائے؟" عالیانہ نے پوچھا۔"

ہم بکھر جاتے ہیں، بھاگتے ہیں، اور چھپ جاتے ہیں۔ ہم صرف اپنے آپ کو بچانے کی" کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی بھی، کسی بھی حالت میں ایلفا پوائنٹ کی جگہ ظاہر نہیں کرتے۔" داس نے بتایا۔ سب نے گہری سانس لی۔ کیسر نے چھوٹے دروازے کو آہستگی سے کھولا اور باہر جھانکا، پھر انہیں پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ سب نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

••••••☆☆☆••••••

کمپاؤنڈز کے راستے میں، وہ خود کو لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لیے نظریں زمین پر جمائے چل رہی تھی۔ پھر جیسے کسی انجان احساس کے تحت اس نے سر اٹھایا، اور وہ وہیں ٹھہر گئی۔ لمحہ جیسے رک سا گیا۔ دنیا ایک پل کے لیے تھم گئی۔

سیاہ اور سفید سوٹ میں ملبوس حیدر اس سے صرف پندرہ فٹ کے فاصلے پر کھڑا سپاہیوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ سورج کی سنہری روشنی کے ہالے میں بے عیب دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا سوٹ خاص اس کے جسم لیے تیار کیا گیا تھا، اتنا فٹ کہ اس کے کندھے نمایاں ہو رہے تھے۔ سیاہ کوٹ سے جھلکتے سفید ز شرٹ کے کالر صاف دکھ رہے تھے۔ اس کے کندھوں پر کھلا ہوا پی کوٹ تھا، جس کا رنگ اس کے سیاہ بالوں سے ہم آہنگ تھا۔ سیاہ بال اپنے مخصوص انداز میں ایک جانب سیٹ تھے۔ کوٹ کے ہلکے بھورے

بٹن اس کی بھوری آنکھوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگ تھے۔ سیاہ ٹائی، چمکتے سیاہ دستانے، اور پالش شدہ بوٹ اس کی شخصیت کو اور بھی نکھار رہے تھے۔

اس کی رنگت عربی شہزادوں سی سفید اور شفاف تھی۔وہ عقیق سے بنے یونانی شہزادے کا مجسمہ لگ رہا تھا۔ایسا لگ رہا تھا وہ واقعی چمک رہا ہے،اور یہ بھی سچ تھا کہ حیدر واقعی خوبصورت تھا،ایسی خوبصورتی جس میں عام انسان داخل نہیں ہو سکتا تھا ،ارسل بھی نہیں۔وہ اسے دیکھتی رہی، نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔دل میں اٹھنے والے جذبات ناقابل فہم تھے،ایسا کچھ اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ آس پاس دیکھ رہا تھا۔دھوپ کے باعث اس کی بھوری آنکھیں شہد کے سنہری رنگ کی طرح لگ رہی تھیں اور وہ انہیں سکیڑے ہوئے تھا۔

ہوا کے زور سے اس کے کندھے پر رکھا کوٹ ذرا سا سرکا اور اس کے زخمی بازو کی جھلک دیکھی، جو پٹیوں میں جکڑا،ایک سلیگ میں بند تھا۔

اور یہ پہلا موقع تھا جب اسے حیدر کو گولی مارنے پر ندامت محسوس ہوئی۔ مگر وہ اسے معاف نہیں کر سکتی تھی۔ حیدر نے جو کچھ کیا،اور اسے جو کرنے پر مجبور کیا،وہ سب ناقابل معافی تھا۔اس نے دل میں خود کو یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ حیدر سے نفرت کرے گی۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ حیدر کو ان کمپاؤنڈز میں دیکھے گی۔اسے بلکل اندازہ نہیں تھا کہ حیدر عام شہریوں کے درمیان آتا ہے۔سچ تو یہ تھا کہ وہ کبھی نہیں جان سکی

کہ جب وہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا تھا تو کیا کرتا تھا۔ وہ حیدر کے روزمرہ کے معمولات سے بالکل انجان تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ یہاں کیا کر رہا۔ اس کی نظریں اب دور آتے جاتے لوگوں پر ٹھہری ہوئی تھیں۔ عالیانہ نے ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ حیدر کو نہیں بلکہ اس کے دائیں جانب کسی چیز کو دیکھ رہی ہے۔ اس نے ٹوپی کو نیچے کھینچ کر اپنے چہرے کو چھپانے کی کوشش کی اور کچرے کے ٹکڑے چننے کا دکھاوا کرنے لگی۔ پھر حیدر نے اپنے ارد گرد موجود سپاہیوں کو کچھ کہا، اور وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہوئے غائب ہو گئے۔ اب وہ وہاں بلکل اکیلا تھا۔ اس کی آنکھیں پریشان دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی جب وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ بے تاثر چہرہ۔ مغرور نقوش۔ خوبصورت چہرہ۔ سپاہیوں کے جاتے ہی حیدر نے داہنا ہاتھ چہرے پر پھیر کر آنکھوں کو لمحہ بھر کے لیے ڈھانپ لیا، جیسے اس کے دل میں کچھ ایسا ہے جو وہ برداشت نہ کر پا رہا ہو۔

جب حیدر نے ارد گرد دیکھا، تو اس کی نظر کچھ بچوں پر جا رکی، جو کھیل میں مصروف تھے۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن حیدر کے چہرے پر کوئی جذباتی رنگ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے مجسمے کی طرح سیدھا کھڑا رہا۔

پھر ایک آوارہ کتا حیدر کی طرف بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ٹانگوں سے ٹکرایا۔ وہ لمحے بھر کو خوفزدہ ہو گئی کہ شاید حیدر اسے نقصان پہنچائے گا۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ حیدر بندوق نکالے گا اور کتے کو سیدھا سر میں گولی مار دے گا۔ اس نے پہلے ہی اس کو ایک

انسان کے ساتھ ایسا کرتے دیکھا تھا۔ کتا حیدر کی ٹانگ کے ساتھ چپکا رہا، وہ حیرت سے دیکھتی رہی۔ حیدر کا چہرہ اس چھوٹے کتے کو دیکھ کر ٹوٹ پڑا، اس کے چہرے کی کامل شکل میں دراڑیں پڑی، حیرت اس کے بھووں کو اٹھا کر اس کی نظروں کو ایک لمحے کے لیے وسیع کر گئی۔ حیدر نے ارد گرد دیکھا، پھر وہ کتے کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر ایک نچلی باڑ کے پار غائب ہو گیا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئی کہ حیدر کیا کرنے والا ہے ۔اس نے حیدر کے بے حس رویے کو ہمیشہ بے رحمی سے جڑا دیکھا تھا اس نے دیکھا تھا کہ حیدر انسان کے ساتھ کیا کر سکتا ہے۔ اس نے حیدر کے بے حس دل، اس کی بے جان آنکھوں اور اس کے مکمل عدم اطمینان کو دیکھا تھا۔ اس کا سرد برف جیسا مزاج ایک آدمی کو بے دردی سے قتل کرنے کے بعد نہیں پگھلا، وہ کتے کے ساتھ کیا کرنے والا تھا، اسے خود یہ دیکھنا تھا۔ وہ حیدر کے بارے میں اچھا نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ وہ بیمار ہے، بگڑا ہوا ہے، وہ غلط ہے، اور ہمیشہ غلط رہے گا۔

اگر وہ کھڑی ہو سکتی تو وہ دیکھ سکتی تھی کہ حیدر اس بے چارے کتے کے ساتھ کیا کر رہا ہے ۔لیکن اس نے کیسر کی آواز سنی، ایک سرگوشی جو انہیں بلا رہی تھی۔ اس نے کہا کہ اب حیدر نظروں سے دور ہے، آگے بڑھنے کے لئے ساحل صاف ہے۔ "ہم سب چلتے ہیں، اور ہم علیحدہ علیحدہ چلتے ہیں، منصوبے پر قائم رہو! کوئی بھی دوسرے کا پیچھا نہیں کرے گا۔ ہم سب ڈراپ آف پر ملیں گے۔ اگر تم نہیں پہنچے تو ہم تمہیں پیچھے چھوڑ دیں گے۔ "تمہارے پاس تیس منٹ ہیں۔

داس نے اس کا بازو کھینچا، وہ اسے کہہ رہا تھا کہ کھڑی ہو جاؤ، توجہ دو، صحیح سمت دیکھو۔ اس نے اتنی دیر کے لیے اوپر دیکھا تا کہ دیکھ سکے کہ باقی گروپ پہلے ہی منتشر ہو چکا تھا، تاہم، داس آگے جانے سے انکار کر رہا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ منصوبے کو سمجھتی ہے ۔اس نے داس کو اپنے بغیر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اسے یاد دلایا کہ انہیں ایک ساتھ نہیں دیکھا جا سکتا۔ کہ وہ گروہوں یا جوڑوں میں نہیں چل سکتے۔ وہ واضح نہیں ہو سکتے۔ آخر کار، داس جانے کے لئے مڑ گیا۔

اس نے داس کو جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر چند قدم آگے بڑھائے تا کہ گھوم کر واپس کمپاؤنڈ کے کونے میں پہنچ سکے۔ بار کے پار جھانکنے کے لئے وہ اپنے پنجوں پر اٹھی۔ جب اس نے دوبارہ حیدر کو دیکھا تو اس نے وہ دیکھا جو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حیدر زمین پر پنجوں کے بل بیٹھا کتے کو کچھ کھلا رہا تھا۔ کتا اس کے کوٹ میں لپٹا ہوا کانپ رہا تھا۔ اور حیدر... وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔

یہ اس قسم کی مسکراہٹ تھی جو حیدر کو کسی اور میں تبدیل رہی تھی۔ وہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں ستارے بکھیر رہی تھی۔ وہ منظر ایسا تھا کہ وہ اپنی سانس روکنے پر مجبور ہو گئی۔ اس نے کبھی حیدر کو اس طرح نہیں دیکھا تھا۔

یہ سب سے خوبصورت منظر تھا جو اُس نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا تھا، اور کاش کہ وہ یہ منظر نہ دیکھتی۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ یہ احساس خوف کی مانند تھا، دل گھبرا رہا تھا، بے چینی اور مایوسی نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، اور وہ اس

منظر کی وضاحت کرنے کا طریقہ نہیں جانتی تھی۔ وہ حیدر کو اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ اسے صرف ایک درندے کی صورت میں دیکھنا چاہتی تھی، اور کچھ نہیں۔ یہ ٹھیک نہیں تھا۔

وہ اچانک غلط سمت میں بڑھ گئی، جیسے کسی نے اُسے اُس کے محور سے ہٹا دیا ہو۔ وہ اپنے قدم جمانے میں ناکام رہی اور خود پر غصہ کرنے لگی کہ اُس نے وہ قیمتی وقت ضائع کر دیا جو فرار ہونے کے لیے استعمال ہو سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کیسر اور داس اس پر غصہ کریں گے کہ اس نے اتنا خطرہ کیوں مول لیا، لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا، وہ اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے تھے۔

کتے نے اچانک حیدر کی گود چھوڑ دی اور عالیانہ کی طرف دوڑنے لگا۔ حیدر بے ساختہ کھڑا ہوا اور کتے کے پیچھے دیکھا اور اُس کی نظریں عالیانہ پر جا ٹھہریں۔

ارے، تم..." وہ شاید کتے سے مخاطب تھا۔ وہ لاشعوری طور پر کچرا چھوڑ کر آواز کی" سمت دیکھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ حیدر کی نظریں سیدھی اس پر جمی تھیں۔ حیدر اس کے سامنے منجمد سا کھڑا تھا، وہ خود بھی تھم گئی۔ دنیا بھی تھم گئی۔ وہ سیدھا اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ حیدر کا داہنا ہاتھ حرکت کرتے کرتے رکا اور پہلو میں گر گیا۔ اس کے لب بھنچ گئے، الفاظ رک گئے۔ اس کو محسوس ہوا کہ حیدر کے گلے میں الفاظ گھٹ رہے ہیں، وہ اس کی آنکھوں میں قید ہو گئی۔

حیدر وہاں کھڑا رہا، اُس کے ہونٹ اُن الفاظ کو بنانے کے لیے تیار ہو تھے جو یقینی طور پر اُسے اُس کی موت کی سزا دیں گے، صرف اُس کی بے وقوفانہ، بے معنی، احمقانہ.....

کسی نے پیچھے سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ اور اسے گھسیٹ کر باڑ کے پیچھے کی دیوار کے پار لے گیا۔ "کچھ بھی کرو، بس چیخنا مت۔" اُس شخص کی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجی۔ اُس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ "میرا ہاتھ پکڑو۔ میں تمہیں چھوڑنے والا ہوں، ٹھیک ہے؟ "

اُس نے پیچھے دیکھے بغیر ہاتھ بڑھایا اور اُن کے دستانے والے ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے۔ داس نے اس کے منہ پر رکھا ہاتھ ہٹالیا۔

تم کتنی بیوقوف ہو۔" داس نے خفگی سے کہا، لیکن عالیانہ ابھی بھی باڑ کی درز سے حیدر" کو دیکھ رہی تھی۔ حیدر ابھی بھی وہاں کھڑا تھا، جیسے کسی غیر یقینی کیفیت میں ہو۔ اس نے اپنی پلکیں جھپکائیں اور حیرانی سے ارد گرد دیکھا۔

"تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ تم میری بات سن رہی ہو؟ کیا تم پاگل ہو؟"

داس نے اسے جھنجھوڑا۔

"..... تم نے ابھی..... تمہیں کیسے؟ اوہ میرے اللہ"

یہ سب تمہارا خیر مقدم ہے۔" داس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اور اپنی آواز نیچے رکھو۔ ہم چھپے ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا ہمیں سن نہیں سکتی۔" وہ دبی آواز میں غصے سے بولا۔

"تم میرے لیے واپس کیوں آئے؟" اُس کے غصے سے ناراض ہوئے بغیر اس نے پوچھا۔

"کیونکہ تم احمق ہو۔" داس نے پھر کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے پتہ نہیں لگا، اس کی آواز پر میں خود کو اس کی طرف دیکھنے سے روک نہیں پائی۔"

"اب خاموش رہو۔" داس کی آواز کھردری تھی۔ اس نے بیٹھے بیٹھے سر باہر نکالا اور اس کو بازو سے پکڑا۔

"ہمیں اب بھاگنا پڑے گا تاکہ وہ وقت جو تم نے ضائع کیا ہے، دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔"

"تم واپس کیوں آئے، داس؟ کیسر نے کہا تھا جو پیچھے رہ گیا، وہ رہ گیا، کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ تم کیسے جانتے تھے کہ میں ابھی تک یہاں ہوں؟" اُس نے دوبارہ پوچھا۔
"کیونکہ میں تمہیں دیکھ رہا تھا۔" داس کی سرگوشی اس کے دل کی دھڑکن کو تیز کر گئی۔

"میں تمہیں ہمیشہ دیکھتا ہوں۔ یہ وہی ہے جو میں شروع سے کر رہا ہوں۔"

داس نے بے دلی سے کہا۔ "میں نے اپنا شیڈول صرف تمہارے لیے بدلا تھا۔ میرا کام تم پر نظر رکھنا ہے۔ کیسر نے مجھے تمہارا دھیان رکھنے کو کہا تھا، میں خود بھی چاہتا تھا۔ تم میرا کام تھیں۔ میں تمہیں پہلے ہی یہ بتا چکا ہوں۔" داس کی آواز سخت، تیز، بے حس تھی۔

تم ہر جگہ میرے پیچھے ہوتے ہو؟ ابھی بھی؟ ایلفا پوائنٹ پر بھی؟" وہ دونوں بھاگ" رہے تھے جب اس نے پوچھا۔ داس نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا، وہ اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی۔

"داس نے فوراً جواب نہیں دیا۔ "کچھ حد تک۔ ہاں

"لیکن کیوں؟"

ہم پہلے ہی یہ بات کر چکے ہیں۔ کیسر چاہتا تھا کہ میں یہ یقینی بناؤں کہ تم ٹھیک ہو۔ اُس" نے مجھے کہا کہ تم پر نظر رکھوں۔ کچھ خاص نہیں.... بس، یہ دیکھنا کہ تمہیں کوئی نفسیاتی خرابی تو نہیں ہو رہی۔" اُس نے اُسے تیز سانس لیتے ہوئے سنا۔

تم بہت کچھ سہہ چکی ہو۔ وہ تمہارے بارے میں تھوڑا فکر مند ہے۔ خاص طور پر ابھی" .... جو کچھ ابھی ہوا ہے اُس کے بعد۔ تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔ تم.... ایسا لگ رہا ہے "جیسے تم خود کو ٹینک کے سامنے پھینکنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

میں کبھی ایسا نہیں کروں گی۔" اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔ جو بھی ہو۔ میں صرف واضح بات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ تم صرف دو کام کرتی ہو۔ یا تو مایوس ہوتی ہو یا ارسل کے ساتھ ہوتی ہو۔ اور مجھے کہنا پڑے گا، میں ارسل کے ساتھ ہونے سے بہتر مایوسی کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"داس!" وہ اُس کا ہاتھ چھوڑنے لگی۔ داس کی گرفت اُس کی انگلیوں کے گرد مضبوط ہو گئی۔

"چھوڑنا نہیں۔" داس نے اُسے ڈانٹا۔ "چھوڑنا نہیں ہم پہنچنے والے ہیں۔" داس اُسے ایک صاف میدان کے درمیان گھسیٹ رہا تھا۔

"تم میری جاسوسی کرتے ہو۔" وہ ایک دم سے کمپاؤنڈز کی باڑ کے پیچھے چھپے۔ عالیانہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

میں تمہاری جاسوسی نہیں کر رہا تھا، بس یہ یقینی بنا رہا تھا کہ تم ٹھیک ہو۔" داس نے سخت لہجے میں کہا۔

ارسل پہلے ہی اس بارے میں میرے سر کھا چکا ہے۔" داس کی آواز میں تندی تھی، " اس کے الفاظ تیز اور بے رحم تھے۔

کیا؟ اسی وجہ سے پچھلے ہفتے وہ ناشتے پر تمہارے ساتھ بد تمیزی کر رہا تھا؟" اس نے " حیرت سے پوچھا۔

اسے لگا کہ میں صورتحال کا فائدہ اٹھا رہا ہوں۔" اس نے لفظ "فائدہ" کو ایسے کہا جیسے یہ کوئی عجیب، گندی بات ہو۔

اسے لگتا ہے کہ میں تم پر چانس مار رہا ہوں، اور میں..... مجھے بھی نہیں پتا میں کیا کہوں "۔ وہ اس بارے میں بیوقوف بن رہا تھا۔ میں تو بس اپنا کام کر رہا ہوں۔

"لیکن تم ایسا نہیں کر رہے ہو؟ تم چانس نہیں مار رہے ہو، ہے نا؟"

داس کھانسی کے ساتھ ہنسا" سنو، عالیانہ، میں اندھا نہیں ہوں۔ ہاں، تم کافی خوبصورت ہو۔ لیکن اگر تمہارے پاس وہ 'ارسل اور میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' والی بات نہ بھی ہوتی، تب بھی تم میرے ٹائپ کی نہیں ہو۔ اور سب سے اہم بات، میں کوئی گھٹیا انسان نہیں ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

میں اپنا کام سنجیدگی اور ایمانداری سے کرتا ہوں، شاید اسی لیے لوگ میری عزت" کرتے ہیں۔ لیکن ارسل دماغ کے پیچھے سے سوچتا ہے۔ شاید تمہیں اس کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے۔" داس نے ایک سخت لہجے میں کہا۔

مجھے نہیں لگتا کہ اب تمہیں اس بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے۔" عالیانہ نے" کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے جواب دیا۔

داس نے ایک گہری سانس لی۔" میں نے کہا تھا کہ مجھے تم دونوں کی محبت کی زندگی کے" بارے میں بات نہیں کرنی، لیکن میں سیدھا اسی میں جا پھنسا، ہے نا؟

چلو، اندر چلتے ہیں۔ ہمیں اس موضوع پر مزید بات کرنے کی ضرورت نہیں "
ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا

داس نے چند لمحوں تک اسے گھور کر دیکھا، پھر ایک بے زاری سے بھری سانس لی۔

یہ نہیں کہ مجھے تمہارے مسائل کی پرواہ نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ میں تمہیں اداس دیکھنا "
چاہتا ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یہ زندگی پہلے ہی کافی خراب ہے۔" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔

اور میں تمہارے ہر وقت اپنی چھوٹی سی دنیا میں کھوئے رہنے سے تنگ آچکا ہوں۔ تم "
اس سارے معاملے کو، جو کچھ ہم کرتے ہیں، ایک مذاق سمجھتی ہو۔ تم اسے سنجیدگی سے
"نہیں لیتیں۔

کیا؟" اس نے حیرت سے داس کی بات کاٹی۔ "یہ سچ نہیں ہے۔ میں اسے سنجیدگی سے "
"! لیتی ہوں

داس تلخ اور مختصر ہنسی ہنسا۔ "جھوٹ! تم ہر وقت اپنے جذبات کے بارے میں سوچتی رہتی ہو، تم ہر وقت اپنے مسائل کے بارے میں سوچتی رہتی ہو۔ واہ، کتنی تکلیف دہ بات ہے! تمہارے والدین تم سے نفرت کرتے تھے۔" اس کی آواز میں تمسخر تھا۔

یہ بہت مشکل ہے، تمہیں پاگل خانے رکھا گیا۔ تم ہر وقت ان یادوں کو سوچ کر "
تکلیف میں رہتی ہو۔ ہاں، یہ مشکل ہوگا۔ لیکن ہر وقت ان یادوں اور جذبات میں ڈوبے
"رہنے کا کیا فائدہ؟ تم کس کو متاثر کرنا چاہتی ہو؟

ایک لمحے کا توقف۔ "جہاں تک میرا خیال ہے، تمہارے پاس کھانے کو تین وقت کی روٹی ہے، پہنے کو کپڑے ہیں، رہنے کو ایک ٹھکانہ ہے۔ یہ مسائل نہیں ہیں۔ یہ تو بادشاہوں جیسی زندگی ہے۔ اور مجھے خوشی ہو گی اگر تم ہوش میں آؤ، بڑی ہو جاؤ اور اپنی عمر کے مطابق سوچنے لگو۔ "اس کے الفاظ کی تلخی نے عالیانہ کو گہرا جھٹکا دیا، لیکن داس رکا نہیں۔

تم ہر وقت دنیا کو ایسے دیکھتی ہو جیسے اس نے تمہاری آخری امید چھین لی ہو۔ یہ بے " وقوفی ہے، عالیانہ۔ اور یہ سراسر ناشکری ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ باقی دنیا کس قدر تکلیف میں ہے۔ تمہیں بالکل بھی اندازہ نہیں ہے کہ باقی دنیا اس وقت کیا کچھ برداشت کر رہی ہے۔ تمہیں کچھ نہیں پتہ، عالیانہ۔ تمہیں کچھ خبر نہیں اور نہ ہی تمہیں پرواہ ہے۔ "داس نے اپنی بات جاری رکھی۔

اگر تم ماضی میں رہ کر اپنے حال پر روتی رہو گی تو تم ہمیشہ اسی حالت میں رہو گی۔ آج تم " کل کے لیے رو رہی ہو، اور کل تم آج کے لیے روؤ گی۔ یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔ "وہ بالکل خاموش رہی، لیکن داس کی باتوں نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی باتیں تلخ تھیں پر وہ سچ کہہ رہا تھا۔

میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں چیزیں ٹھیک کرنے کا موقع دوں۔ میں تمہیں بار بار " موقع دے رہا ہوں کہ تم کچھ مختلف کرو۔ اپنے اندر جھانکو اور اس اداس چھوٹی لڑکی سے آگے بڑھو جو تم ہوا کرتی تھیں۔ رونا بند کرو۔ اندھیرے میں بیٹھ کر اپنی تکلیفوں کے

بارے میں سوچنا بند کرو۔ ہر وقت اپنے دکھ اور اذیتیں یاد کرنا بند کرو۔ جاگو، عالیانہ۔ اس دنیا میں تم اکیلی نہیں ہو جو صبح بستر سے نکلنا نہیں چاہتی۔ تم اکیلی نہیں ہو جس کے والدین کے ساتھ مسائل ہیں۔"

داس کے الفاظ سچ کے تماچے تھے۔

"تم یہ سوچ کر سورج سے منہ نہیں پھیر سکتی کہ سورج میرے لیے نہیں نکلا۔ تم اب آزاد ہو۔ تم اب اپنے والدین کے ساتھ نہیں ہو، نہ ہی اس پاگل خانے میں، اور نہ ہی حیدر کے پروجیکٹ کا حصہ۔ تمہاری زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تو ایک فیصلہ کرو، عالیانہ۔ سب کا وقت ضائع کرنا بند کرو۔ اپنا وقت ضائع کرنا بند کرو۔" داس کے الفاظ اس کے اندر گہرائی تک سرایت کر گئے۔ شرم اور تپش اس کے وجود میں آگ کی طرح بھڑک رہی تھی۔ وہ داس کے الفاظ میں چھپی سچائی کو سن کر اتنی خوفزدہ تھی کہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی۔

"چلو، ہمیں دوبارہ بھاگنا ہوگا۔" داس کی آواز اب پہلے سے نرم تھی۔ وہ اور عالیانہ باقی سب کے ساتھ وقت پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ سب ایک "ڈراپ آف" پوائنٹ پر جمع تھے، جو ایک معمولی سی خندق تھی۔ داس نے ایک لمحے کے لیے عالیانہ کی طرف دیکھا، مسکرایا، اور پھر باقی گروپ کے پاس چھوڑ کر خود کیسر کے پاس چلا گیا۔ وہ کیسر کے ساتھ مشن کے اگلے حصے کے بارے میں بات چیت کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب اسٹور یج کمپاؤنڈز میں تھے، جہاں ہر قسم کا سامان ذخیرہ کیا گیا تھا۔ وہ سب بڑی مہارت سے سامان اکٹھا کر رہے تھے، گویا یہ کام پہلے سینکڑوں بار کر چکے ہوں۔ جب سامان جمع ہو گیا، تو وہ زیر زمین راستوں کے ذریعے ایلفا پوائنٹ واپس پہنچے۔ اب سامان کو اسٹور رومز میں ترتیب سے رکھا جا رہا تھا۔ دھان نے سیلو فین میں لپٹے ہوئے ایک پیکیج کو اٹھایا اور دوسرے آدمی کی طرف پھینکا، جو عالیانہ کے قریب کھڑا تھا۔

عالیانہ نے فوراً جھک کر خود کو بچایا۔ دوسرس آدمی نے پیکیج پکڑتے ہوئے کراہا، پھر دھان کی طرف دیکھ کر ایک گالی دی۔

تمیز سے، سیم۔ تمہارے ساتھ خاتون کھڑی ہے۔" دھان نے غصے سے کہا عالیانہ کو" دھان کا اسے "خاتون" کہنا بالکل پسند نہیں آیا۔ وہ "لڑکی" بھی تو کہہ سکتا تھا۔

تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب چیزیں 'ڈی این ڈبلیو' کے حروف سے کیوں مہر بند ہیں؟" " عالیانہ نے اچانک پوچھا۔

سیم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، جیسے اس نے کوئی غیر معمولی بات سن لی ہو۔

واہ، مجھے یقین نہیں آ رہا، یہ بولتی بھی ہے!" سیم نے مذاقاً کہا۔"

ظاہر ہے کہ میں بولتی ہوں۔" عالیانہ نے بے دلی سے جواب دیا۔"

اب میں جان گیا ہوں۔" سیم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور ایک ڈبہ اس کی طرف" بڑھایا۔

اب تم جان گئے ہو؟" عالیانہ نے ڈبہ ترتیب سے رکھتے ہوئے پوچھا۔"

"ہاں، یہ معمہ حل ہوا۔"

کیا تمہیں واقعی لگا کہ میں بول نہیں سکتی؟ تمہیں لگا کہ میں گونگی ہوں؟" اس نے کچھ" دیر بعد پوچھا۔

سیم نے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کندھے کے اوپر سے اس کی طرف دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

یہ سب چیزوں پر ڈی این ڈبلیو مہر کرتے ہیں تاکہ ان کا سراغ رکھا جا سکے۔ اس میں کچھ" "خاص نہیں ہے۔

لیکن ڈی این ڈبلیو کا مطلب کیا ہے؟" عالیانہ نے تجسس سے پوچھا۔"

ڈی این ڈبلیو کا مطلب ہے 'درستور نیشن آف دا ورلڈ'۔ 'درستور' ہمیشہ سے ایک عالمی" تحریک رہی ہے۔" سیم نے وضاحت کی۔

مجھے کچھ باتیں معلوم ہیں، لیکن زیادہ تفصیلات نہیں۔" عالیانہ نے سر ہلایا۔"

خیر، اگر تمہیں کچھ دیر بعد بھی بولنا یاد رہا تو شاید کبھی ہمارے ساتھ دوپہر کے کھانے" پر شامل ہونا۔ ہم تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔" سیم نے پیشکش کی۔

واقعی؟"اس نے پرجوش انداز میں پوچھا۔"

ہاں، بچی۔ ہم کاٹتے نہیں ہیں۔" سیم نے ایک اور ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے" کہا۔

••••••☆☆☆••••••

کل کا دن غیر معمولی طور پر اچھا تھا۔ اس کو باہر نکلنے، کچھ نیا کرنے اور مصروف رہنے کا موقع ملا تھا۔ اب اسے داس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اقدامات کرنے تھے۔ اسے اپنی ترجیحات پر توجہ مرکوز کرنی تھی اور یہ سمجھنا تھا کہ وہ یہاں کیوں ہے اور کس طرح مدد کر سکتی ہے۔

ارسل کا دوسرا سیشن کل میڈیکل ونگ میں ہوا تھا، آج وہ دوبارہ مصروف تھا۔ عالیانہ نے اپنا کھانا اٹھایا اور ان چہروں کو سر ہلا کر سلام کیا جو اسے پہچاننے لگے تھے۔ وہ بیٹھنے کی جگہ تلاش کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر داس پر پڑی، جو ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ دھان، اشعل، اور سیم اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔ عالیانہ مسکراتی ہوئی ان کی طرف چل پڑی۔ دھان نے بینچ پر اس کے لیے جگہ بنائی۔ اشعل اور سیم نے سر ہلا کر اسے سلام کیا، وہ پوری توجہ سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ داس نے اسے آدھی مسکراہٹ دی۔ وہ اچھا محسوس کر رہی تھی۔ جیسے شاید سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" عالیانہ؟"

کسی نے اس کا نام پکارا۔ وہ آہستگی سے پلٹی۔ یہ آواز۔ ارسل میڈیکل ونگ سے اتنی جلدی واپس نہیں آ سکتا تھا۔

ارسل بہت خراب حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور بے رونق تھا، جیسے کسی گہری تھکن اور پریشانی نے اسے جکڑ رکھا ہو۔ اس کے ہاتھ جیبوں میں تھے، آنکھیں گہری تھیں۔ بال بکھرے ہوئے، بلو ٹی شرٹ کے سامنے کے دو بٹن کھلے ہونے کی وجہ سے اس کی کالر بون نمایاں ہو رہی تھی۔

کیا میں تم سے بات کر سکتا ہوں؟" ارسل نے مدھم آواز میں پوچھا۔ عالیانہ نے سر ہلایا" اور داس سے نظر ملائے بغیر ارسل کے ساتھ قریبی میز پر جا کر بیٹھ گئی۔

کیسے ہو؟" اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔ "میں کل تم سے ملنے آنا چاہتی تھی، لیکن "
"... جب ہم واپس آئے تو وقت

عالیانہ، کوئی بات نہیں۔ اگر تم نہیں آئی، تو میں آگیا۔ کیا فرق پڑتا ہے۔" ارسل نے" بات کاٹتے ہوئے مسکراتی نظروں سے کہا۔

اوراب، میں ٹھیک ہوں۔ تمہیں دیکھ کر۔ میں بس تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ "
"ناشتہ کے وقت تم یہاں ہو گی، ورنہ باقی دن میں تمہیں ڈھونڈ نہ پاتا۔

اس کی آواز میں سکون تھا، لیکن وہ اس کی تھکن محسوس کر سکتی تھی۔

تم کیسی ہو؟" ارسل نے توقف کے بعد دھیرے سے پوچھا۔"

اس سوال نے جیسے عالیانہ کے جذبات کا بند توڑ دیا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔

میں کیسے ٹھیک ہو سکتی ہوں ارسل ؟ تمہیں اتنی خطرناک بیماری ہے، میں جانتی ہوں تم" ریکور کر رہے ہو لیکن تم تکلیف میں ہو، میں جانتی ہو۔ تم دکھاتے نہیں ہو، تم میرے سامنے اپنی تکلیف چھپانے کی کوشش کرتے ہو لیکن میں جانتی ہوں یہ بیماری اندر ہی اندر تمہیں کھا رہی ہے۔مجھے معلوم ہے تم نے کیسر کو مجھے بتانے سے منع کیا پر میں بے "وقوف نہیں ہوں میں جانتی ہوں یہ انفیکشن اس گولی کا نتیجہ ہے۔

عالیانہ ! پلیز۔"اس نے اسے روکنا چاہا پر وہ نہیں رکی۔"

نہیں ارسل ! مجھے کہنے دو، مجھے سچ کہنے دو۔ یہ بیماری تمہیں میری وجہ سے لگی ہے۔نہ" میں تم سے ملتی۔نہ تم مجھے لے کر بیس سے بھاگتے،نہ حیدر تمہیں غدار سمجھ کر گولی مارتا،اور نہ ہی گولی وقت پر نہ نکلنے سے تمہارا لیور متاثر ہوتا،نہ تمہیں یہ بیماری لگتی،نہ تم یہ سب تکلیف جھیلتے۔سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔شاید میرے ماں باپ نے مجھے پاگل خانے بھیج کر اچھا کیا تھا۔میں واقعی خطرہ ہوں، میں منحوس......"ارسل نے ایک دم ٹیبل پر رکھے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا۔عالیانہ نے بہتے آنسوؤں سے انظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ارسل کی آنکھوں اداس تھیں۔اس کا دل اندر تک زخمی ہو گیا۔

".....عالیانہ، یہ سب سچ نہیں ہے۔ تم"

ارسل مجھے کہنے دو۔ یہ سب سچ ہے۔ تمہاری زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی جب تک" میں نہیں تھی۔ تمہارے پاس نوکری تھی، رہنے کو گھر تھا، تمہارے پاس سب کچھ تھا۔ تم نے اپنی زندگی، اپناسب کچھ میرے لیے چھوڑا۔ میرے پاس جب کوئی نہیں تھاتب تم میرا خیال رکھا۔ میری حفاظت کی۔ میرے لیے سب کچھ کیا۔ تم ہمیشہ میرے لیے ہمیشہ موجود رہے اور رہو گے میں جانتی ہوں۔ لیکن اب جب تمہیں میری سب سے زیادہ ضرورت ہے، میں تمہارے لیے موجود نہیں ہوں۔ میں اپنی زندگی میں الجھی ہوں۔ ایک طرف تمہارے احسانات دوسری طرف داس اور کیسر۔ میں تم تینوں کے بیچ کہیں پھنس گئی ہوں۔ داس چاہتا ہے کہ میں اپنی تربیت پر دھیان دوں، اس نے اپنا پورا شیڈول میرے لیے بدلا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اپنی توجہ تم پر سے ہٹا کر خود پر رکھوں۔ کیسر چاہتا ہے میں ان کی ٹیم کا حصہ بنوں، خود پر توجہ دوں۔ لیکن میں کیا چاہتی ہوں، اس کا کیا۔ میں ہر طرف سے احسانوں میں دبی ہوئی ہوں۔ میں تمہارا خیال رکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی آنکھوں سے تمہیں ٹھیک ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔ پر دوسری طرف میں داس اور کیسر کو ناخوش نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں؟" ارسل ابھی بھی اس کے ہاتھ تھام رکھے تھے، وہ بس اسے دیکھ رہا تھا، اسے اپنے دل کا غبار نکالنے دے رہا تھا۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے ارسل کو دیکھا پھر اپنا ماتھا ٹیبل پر رکھے ارسل کے ہاتھوں میں گرا کر دوبارہ رونے لگی۔

عالیانہ!"اس نے نرمی سے اسے پکارا۔اس نے سر نہیں اٹھایا۔""عالیانہ، میری" طرف دیکھو!"ارسل نے اسے دوبارہ پکارا۔اس نے آہستہ سے سر اٹھایا، ہتھیلی سے آنسو پونچھے۔"عالیانہ، پلیز..."لیکن وہ نہیں رکی۔

سب سے پہلے، یہ سمجھ لو کہ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔تم میری محبت ہونے" سے پہلے میری دوست تھیں۔اگر مجھے سو بار بھی تمہارے لیے اپنی آسائشیں چھوڑنی پڑیں تو میں چھوڑوں گا۔اگر مجھے سو بار بھی تمہارے لیے گولی کھانی پڑے تو میں کھاؤں گا۔یہ احسان نہیں ہے، یہ تمہارا دوست ہونے کے ناطے میرا فرض تھا۔اور"اس نے گہری سانس لی۔

دوسری بات، اپنے خیالات میں الجھنا چھوڑ دو۔میں جانتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو" کچھ بھی ہے، تم اسے ابھی پوری طرح نہیں سمجھتیں۔ تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔اگر تمہیں لگتا ہے کہ یہ صرف دوستی ہے، تو میں اسے قبول کرتا ہوں۔میں ہمیشہ تمہارے لیے موجود رہوں گا، چاہے صرف ایک دوست کے طور پر۔"۔محبت...."اس نے ایک آہ بھری۔

محبت الجھاتی نہیں ہے۔محبت خود کو ظاہر کر دیتی ہے۔محبت واضح ہوتی ہے، جب یہ" تمہارے دل میں جگہ بنائے گی، تو تم پہچان جاؤ گی۔تب تک، اپنی تربیت پر دھیان دو، "اپنے خوابوں پر کام کرو۔میں تمہارا انتظار کروں گا۔

"وہ دھیرے سے مسکرایا"ایک نہ ایک دن، تم مجھ سے محبت کر لو گی۔

اور میں بہتر ہو رہا ہوں۔ کیسر اور داس دن میں دو بار میرا حال پوچھنے آتے ہیں۔ میلیسا" میری دوائیوں کا خیال رکھتی ہے۔ میں واقعی ٹھیک ہوں۔ جلد ہی مکمل صحت یاب ہو جاؤں گا۔ تب تک تم مجھ سے محبت کرنے کی کوشش کرو۔" ارسل کی آخری بات پر دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

اب تم اپنا کھانا کھاؤ۔" ارسل نے کہا۔ عین اسی لمحے، کوئی اور ان کی ٹیبل پر آ بیٹھا۔ اس" نے عالیانہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرایا۔

کیسے ہو، ارسل؟ مجھے لگا تم دونوں مجھے یاد کر رہے تھے۔" ارسل مسکرا دیا۔ یہ پہلا" موقع تھا جب عالیانہ نے ارسل اور داس کو بغیر کسی نوک جھونک کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ اب اس کا دل مطمئن تھا۔ ارسل نے اس کی تمام الجھنیں سلجھا دی تھیں۔ اب وہ سکون کے ساتھ اپنی تربیت پر توجہ مرکوز کر سکتی تھی۔ وہ مطمئن تھی۔

••••••☆☆☆••••••

وہاں جو منظر تم نے پیش کیا، واقعی غیر معمولی تھا۔" وہ اس کے ارسل کے" سامنے رونے والی بات کر رہا تھا۔

ایسی تفریح ہمیں زیرِ زمین کبھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔" داس آہستگی سے سر ہلاتے" ہوئے کمرے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ عالیانہ ایک کونے میں بیٹھی تھی۔

داس تربیتی کمرے کے بیچ میں رکا اور ارد گرد نظر دوڑائی جیسے وہ اس جگہ کو پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ عالیانہ کو اب تک داس کے کام کی پوری طرح سمجھ نہیں آئی تھی، لیکن ایک بات

واضح تھی، داس ایلفا پوائنٹ کے سب سے اہم افراد میں سے ایک تھا۔ وہ ہمیشہ مصروف اور حرکت میں رہتا تھا، اور حالیہ دنوں میں اس کے علاوہ کوئی بھی اسے چند لمحوں سے زیادہ نہیں سکا تھا۔ ہ اپنے دن کا بیشتر حصہ... نظروں سے او جھل رہ کر گزارتا تھا۔

مجھے کہنا پڑے گا، وہ جملہ ؟'تم میری محبت ہونے سے پہلے میری دوست تھیں' واقعی" بے حد اثر انگیز تھا۔ بہت، بہت خوب۔ میرا خیال ہے دھان نے واقعی ایک آنسو بہادیا ہو "گا۔

چپ ہو جاؤ، داس۔" عالیانہ نے سخت لہجے میں کہا۔"

میں سنجیدہ ہوں! وہ جملہ واقعی... دل کو چھونے والا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم" "دونوں اتنے جذباتی ہو سکتے ہو۔

داس، میں ابھی تم سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں، ٹھیک ہے؟" عالیانہ نے" کہا۔

"نہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم اور میں، ہمیں کام کرنا ہے۔"

نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔"

چلو، اٹھو۔" داس نے اس کی کہنی تھام کر کھینچنے کی کوشش کی، لیکن عالیانہ ضدی بچی کی" طرح اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

"میں تمہارے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں، داس۔ پلیز، مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

داس نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا۔ دنیا اپنی آپس کی جنگیں صرف اس لیے نہیں روکے گی کہ شہزادی کا موڈ خراب ہے۔" اس نے دیوار کے ساتھ لگی ایک اینٹ پر ہاتھ مارا۔

"ویسے، شہزادی صاحبہ کو ہوا کیا ہے؟ صبح تو موڈ اچھا تھا۔"

عالیانہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر داس کو گھورا، لیکن وہ اس کے غصے کی ذرا بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔

یہاں بیٹھ کر... تم کیا کر رہی ہو؟ اس اینٹ کو توڑنے کی کوشش؟" داس نے اپنے ہاتھ" میں اینٹ کا وزن کرتے ہوئے کہا۔

اس نے ناک سے آنسوؤں کے آخری آثار صاف کرنے کی کوشش کی۔

مجھے نہیں معلوم۔ کیسر بار بار کہتا ہے کہ 'توجہ مرکوز کرو' اور 'اپنی اندرونی طاقت کو" استعمال کرو'، لیکن میں ایک اینٹ تک نہیں توڑ سکتی۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔" داس نے ایک لمحے کے لیے غور سے اسے دیکھا۔ "میرے پاس اس کا حل نہیں ہے، لیکن تمہیں پتہ ہونا چاہیئے۔" اس نے عالیانہ کے سامنے اینٹ رکھی۔ اس نے پہلے اینٹ کو دیکھا پھر داس کو۔

"یہ کیا ہے؟"

تمہاری مشق، میں چاہتا ہوں کہ تم اس اینٹ کو ہاتھ سے توڑنے کی کوشش کرو۔ تم "
" جانتی ہو کہ تم یہ کر سکتی ہو، تو اب دوبارہ کوشش کرو۔

" یہ وہ رکاوٹ ہے جو تمہارے دماغ میں ہے۔ اب اسے ختم کرو۔ "

داس، میں یہ نہیں کر سکتی... "اس نے اپنے دستانے پہنتے ہوئے ہچکچاہٹ سے کہا۔ "

"ہاں، تم کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنے آپ پر اعتماد کرنا ہوگا۔ "

"لیکن میں نہیں جانتی کہ میں یہ کر سکتی ہوں یا نہیں۔ "

" تمہیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ بس کوشش کرو اور اسے توڑ دو۔ "

عالیانہ نے داس کے سکھائے ہوئے طریقے سے ہاتھ کو حرکت دی اور اینٹ کو توڑنے کی کوشش کی، مگر کچھ نہ ہوا۔ وہ مایوس ہو گئی۔

" ! یہ نہیں ہو رہا"

فوکس کرو۔ ایک بار پھر کوشش کرو۔ "اس نے گہری سانس لی، آنکھیں بند کیں، اور "
ذہن میں اینٹ کا تصور کیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور ایک ہی پل میں اینٹ کو دو ٹکڑوں میں توڑ دیا۔

واہ! یہ ناممکن ہے! "وہ حیرت سے بولی۔ "

نہیں، یہ ممکن ہے۔ اور ابھی تم نے یہ کر دکھایا ہے! "داس مسکراتے ہوئے بولا۔ "

اس نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے داس کو دیکھا۔ "تم نے کر دکھایا!" داس نے حوصلہ افزا انداز میں کہا۔

کبھی کبھار وہ داس کے بارے میں سوچتی تھی۔ داس گوند کی طرح تھا، جس طرح گوند ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑتی ہے، داس بھی ٹوٹے ہوئے دل، ٹوٹے ہوئے انسانوں اور ٹوٹی ہوئی امیدوں کو جوڑ دیتا تھا، اپنے منفرد، خوبصورت مزاحیہ انداز میں۔ وہ سب کے کام آتا تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا۔ اندر ہی اندر وہ جانتی تھی کہ داس کی زندگی بھی نارمل نہیں تھی۔ لیکن وہ خوش رہتا تھا اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کو خوش رکھتا تھا۔ وہ بالکل صحیح تھا۔ وہ پرفیکٹ تھا۔ وہ کبھی کبھی اس جیسا بننے کی خواہش کرتی تھی۔

ٹھیک ہے؟" داس نے جوش سے کہا۔ "بہت زبردست! تمہیں بس اپنے اندر سکون" "پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

"پھر وہ کھڑا ہوا اور عالیانہ کے قریب آیا۔ "آؤ، اب ایک اور مشق کریں۔

داس نے کمرے کے کونے سے ایک اور اینٹ اٹھائی اور عالیانہ کو دی۔

اب تم دو اینٹیں ایک ساتھ توڑو گی۔" عالیانہ نے حیرانی سے داس کو دیکھا۔"

"دو اینٹیں؟"

تمہیں اپنے آپ کو آرام دینا ہو گا۔ اپنے جسم کو اس مرکز سے رابطہ کرنے دو۔ تم شاید اپنے سر میں لاکھوں ذہنی رکاوٹیں رکھے ہوئے ہو۔ تمہیں مزید خود کو روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میرے پاس کوئی ذہنی رکاوٹیں نہیں ہیں۔" وہ ہنسا۔"

تمہارے پاس ہیں۔ بلکل ہیں۔ تمہیں ذہنی قبض ہے۔" وہ ہنسی کے بیچ بولا۔ "

ذہنی کیا؟" اس نے جیسے کچھ غلط سن لیا تھا۔"

اپنے غصے کو اینٹ پر مرکوز کرو۔ اینٹ پر۔ مجھ پر نہیں۔ یاد رکھو۔ فوکس۔ تمہیں اینٹ کو" کچلنا ہے۔ اپنے آپ کو یاد دلاؤ کہ یہ وہ چیز ہے جو تم کرنا چاہتی ہو۔ یہ تمہاری اپنی مرضی ہے۔ تم یہ کسی کے لیے نہیں کر رہی، تم یہ میرے لیے نہیں کر رہی، تم یہ کسی سے لڑنے کے لیے نہیں کر رہی، یہ تم اپنے لیے کر رہی ہو۔ یہ وہ چیز ہے جو تم کرنا چاہتی ہو۔ کیونکہ تمہارا یہ کرنے کا دل ہے۔ اپنے دماغ اور جسم کو قابو میں رکھو" اس نے گہری سانس لی۔ کئی بار سر ہلایا۔

ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں کر سکتی ہوں، اور اگلے ہی پل اس نے ہاتھوں کی" "مہارت سے دو اینٹیں ایک ساتھ توڑ دیں۔

اوہ خدایا۔" اس نے ایک کمزور سی سیٹی بجائی۔"

اوہ! واہ۔ میں جانتا تھا۔ میں جانتا تھا تم یہ کر لو گی۔ بہت زبردست۔"اس کی کامیابی پر" اس سے زیادہ وہ خوش تھا۔ شاید دوست اسی کو کہتے ہیں۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ تب اس نے دیکھا داس سب کچھ چھوڑ کر آنکھیں چھوٹی لیے اسے گھور رہا تھا۔

کیا؟"اس کی ہنسی تھم گئی۔"

" کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں؟"

"کیا"

"کیا تمہیں واقعی کسی نے نہیں بتایا؟"

"کیا؟"

کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں شہزادی، کہ ہنستے ہوئے تم اور زیادہ پیاری لگتی ہو۔"اس کی" بات پر وہ ایک بار پھر ہنسی، اور داس کے کندھے پر ایک عدد مقام رسید کیا۔ داس بھی ہنسنے "لگا۔" داس تم بھی نہ۔ میں نے کہا پتہ نہیں کیا۔

"خوش رہا کرو شہزادی! ہنسی زندگی کو حسین بناتی ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

ایک اور دن آگیا۔ ایک اور ناشتہ داس کے ساتھ۔

شاید تمہیں کافی کم پینی چاہیے۔"داس نے اشعل کا ہاتھ روکا جو کافی کے کپ کی طرف" بڑھ رہا تھا۔

دھان نے فوراً اس کے ہاتھ پر تھپکی دی اور گہری نظر سے اسے گھورا۔" ویسے بھی مجھے ایسی بیکار کافی پسند نہیں۔" دھان ناک چڑھاتے ہوئے بولا۔

میں تمہاری طرح طاقت کا پاور ہاؤس نہیں ہوں، نہ ہی میں پوری رات جاگ سکتا"

"ہوں۔

میں نے یہ صرف ایک بار کیا تھا!" دھان نے فوراً وضاحت دی۔"

"پانچ بار!" اشعل نے تصحیح کی۔" تم نے پانچ بار پوری رات جاگ کر گزار دی تھی۔"

"!اور وہ ہنگامی صورتحال تھی"

پھر تم دن میں سو جاتے ہو گے؟" عالیانہ نے حیرت سے پوچھا۔"

نہیں! رات کو نہ سونا مطلب دن رات نہ سونا۔" داس نے وضاحت دی اور اشعل کی" طرف اشارہ کیا۔

اور جب یہ صاحب پوری رات جاگتے ہیں تو دن میں اپنی نیند کی ساری چڑچڑاہٹ" معصوموں پر نکالتے ہیں۔ سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ آج رات دھان نہیں سویا۔" اشعل اور داس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تالی مار کر ہنس دیے۔

اسے نیند کی سخت ضرورت ہے۔ یہ پاگل پن ہے۔" عالیانہ نے دھان کو دیکھتے ہوئے" سنجیدگی سے کہا۔

واقعی؟" اشعل نے کندھے اچکائے اور مسکرا کر بولا۔"

"ہاں! پر میں صرف ایک بار چر چڑا ہوا تھا۔"

پانچ بار!" اشعل نے دوبارہ تصیح کی۔"

"! داس نے قہقہہ لگایا۔" یہ ہمارا معصوم محنتی بچہ ہے

میں بچہ نہیں ہوں!" دھان جھینپ کر بولا اور غصے سے داس کو دیکھا۔"

میں غصے میں ہوں، پریشان ہوں، تھکا ہوا ہوں، اور مجھے بھوک بھی لگی ہے۔ اس کے" علاوہ مجھے مزید کافی کی ضرورت ہے!" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ٹرے دھکیل دی اور کھڑا ہو گیا۔ عالیانہ نے اشعل کی طرف رخ کیا۔

"تم نے کہا تھا کہ یہ کافی بیکار ہے۔"

ہاں، میں ایک افسردہ آدمی ہوں جس کے معیار بہت کم ہیں۔ بیکار چیزیں ہی افورڈ کر" سکتا ہوں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

یہ تو سچ ہے۔" اشعل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔"

چپ رہو، بچے!" دھان نے اشعل کی بات کاٹ دی۔"

تمہیں ایک وقت میں صرف ایک کپ کافی ملتی ہے۔" داس نے دھان کو دیکھتے ہوئے" کہا۔

فکر نہ کرو، میں انہیں بولوں گا کہ یہ تمہارے لیے ہے۔" دھان نے یہ کہا اور کافی" لینے چل دیا۔

داس قہقہ لگا کر ہنسا ،اس کے کندھے ہلنے لگے۔

"وہ مسکراتے ہوئے داس کی طرف مڑی۔ "تو آج ہم کیا کریں گے؟

داس نے پانی کا گلاس خالی کیا، رومال سے رسمی سامنہ پونچھا۔ "آج، میں تمھیں گولی "چلانا سکھاؤں گا۔

"بندوق؟"

ہاں۔ "داس نے سر ہلایا، پھر اپنی ٹرے اٹھائی اور ساتھ میں عالیانہ کی بھی۔"

"یہیں رکو، میں انہیں رکھنے جا رہا ہوں۔"

عالیانہ نے سر ہلایا اور داس چل دیا۔

••••••☆☆☆••••••

"!عالیانہ؟ عالیانہ"

اٹھو!" کوئی اسے جگا رہا تھا۔ وہ ایک دم بستر پر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ دل تیزی سے " دھڑکنے لگا، آنکھیں حیرت سے جھپکنے لگیں۔

کیا ہوا؟ کیا ہو رہا ہے؟ "میلیسا اس کے سر پر کھڑی تھی۔"

داس باہر کھڑا ہے، تمھیں بلا رہا ہے۔ شاید کوئی مسئلہ ہو۔ "عالیانہ نے جلدی سے بستر" چھوڑا، اتنی عجلت میں کہ چادر بھی ساتھ کھینچ لی۔

کیا تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہوا ہے ؟ کیا اُس نے کچھ بتایا؟"میلیسا نے اس کے ہاتھ میں " کپڑے تھمائے تاکہ وہ اپنا نائٹ سوٹ بدل سکے۔

"نہیں، اُس نے بس اتنا کہا ہے کہ ضروری ہے۔ ہمیں فوراً تمہیں جگانا ہو گا۔"

ٹھیک ہے۔ اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔" عالیانہ بڑبڑائی اور جلدی سے کپڑے بدلنے " لگی۔

اندھیرے نے پورے کمرے کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ کاش وہ کوئی بتی جلا سکتی، لیکن لائٹس صرف مخصوص اوقات میں ہی جلائی جا سکتی تھیں۔ بجلی بچانے اور دن رات کے ماحول کو برقرار رکھنے کا یہی نظام تھا۔

میلیسا کا شکریہ ادا کر کے عالیانہ نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا، لیکن وہ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا گئی۔

وہ ایک انسان تھا، وہ گرنے ہی والی تھی جب ارسل نے اسے تھام لیا۔

ہیلو۔"ارسل ہنستے ہوئے بولا۔"

ہیلو!" عالیانہ نے شرمندگی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔"

اچھا ہوا کہ میں یہاں تھا، ہے نا؟"اس سے پہلے کہ عالیانہ کچھ کہتی، داس نے ارسل کے " بازوؤں سے اسے کھینچ لیا۔ داس نے ایک گہری، بے ترتیب سانس لی۔ "اوہ خدا! کیا تم "دونوں کبھی سدھرو گے ؟ ہمیں فوراً جانا ہے۔

کیا ہوا ہے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔ "

سب ٹھیک ہے؟" ارسل نے پوچھا۔ "

مجھے کچھ معلوم نہیں۔" داس اندھیرے میں چلتے ہوئے بولا۔ اس کو یہ سرنگیں زبانی" یاد ہو چکی تھیں۔ "لیکن میرے خیال میں کوئی بڑا مسئلہ ہو چکا ہے۔ کیسر نے پندرہ منٹ پہلے مجھے پیغام بھیجا تھا کہ مجھے تمہیں اور ارسل کو فوراً اُس کے دفتر لے جانا ہے۔ لہٰذا، یہی "میں کر رہا ہوں۔

"لیکن ابھی؟ رات کے وقت؟"

مسائل تمہارے شیڈول کے مطابق نہیں آتے، شہزادی!" داس نے چبھتے لہجے میں" جواب دیا۔

عالیانہ خاموش ہو گئی اور ان کے پیچھے چلنے لگی۔ داس کو سرنگیں زبانی یاد تھیں، مگر عالیانہ کو تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے چلنا پڑا۔

تینوں ایک تنگ سرنگ کے آخر میں پہنچے، جہاں ایک اکیلا دروازہ تھا۔

داس نے مخصوص ترتیب سے دستک دی۔ دو بار، پھر رکا، تین بار، پھر ایک بار۔

دروازہ خود بخود کھلا، اور کیسر نے انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

دروازہ بند کرو۔" کیسر نے میز کے پیچھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کا افس ایک چھوٹا کمرا تھا" جہاں چند کتابوں کی الماریاں تھیں اور سادہ میز جو کام کرنے کے لیے استعمال کی جاتی

تھی۔سب کچھ ری سائیکل شدہ لوہے سے بنا تھا۔ میز بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کبھی پک اپ ٹرک ہوا کرتا تھا۔کمرے میں کتابوں اور کاغذوں کے ڈھیر بکھرے ہوئے تھے۔ مشینری،اور کمپیوٹر کے پرزے الماریوں پر رکھے تھے، جن میں تاریں اور برقی اکائیاں جھانک رہی تھیں، شاید وہ خراب یا ٹوٹے ہوئے تھے یا شاید کسی پروجیکٹ کا حصہ تھے جس پر کیسر کام کر رہا تھا۔دوسرے الفاظ میں اُس کا دفتر بے ترتیب تھا ۔وہ حیران تھی کہ ایک منظم شخص کا دفتر اتنا غیر منظم کیسے ہو سکتا ہے۔

بیٹھ جاؤ، میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" کیسر نے کہا۔"

وہ تینوں بیٹھے رہے۔انتظار کرتے رہے۔دیکھتے رہے۔وہ کسی کام میں مصروف تھا۔

آخر کار کیسر نے ان تینوں کی جانب دیکھا، پنسل رکھ دی۔ سر ہلایا۔دوبارہ سر ہلایا۔"تو تم "سب یہاں ہو۔

"جی، تم نے کہا تھا کہ آپ کو ہم سے بات کرنی ہے۔"

ہاں۔" کیسر نے میز پر ہاتھ باندھے۔ایک احتیاطی سانس لیا۔ ۔"

سپریم کمانڈر سیکٹر فائیو کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ چکا ہے۔"اس کے الفاظ تھے کہ داس اور" ارسل جم گئے،ان کے چہرے جیسے پتھر کے ہو گئے۔عالیانہ الجھن مین پڑھ گئی۔

"سپریم کمانڈر کون ہے؟"

"حیدر کا باپ،وہ درستور کا سپریم کمانڈر ہے۔"

"اوہ،" وہ حیرت سے بولی۔"

حیدر کا باپ اس ملک کے دارالحکومت میں رہتا ہے، سیکٹر کمانڈر اپنی رپورٹس اسے وہیں" بھیجتے ہیں۔ وہ بہت کم بار سیکٹر میں آیا ہے۔ حیدر کا باپ پورے براعظم ایشیا کا ذمہ دار ہے۔ وہ درستور کے بانیوں میں سے ایک ہے اور فی الحال ہمارا سب سے بڑا خطرہ ہے۔"اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

تو کیا یہ برے حالات پیدا کرے گا؟ اس کا باپ کیسا انسان ہے؟ اور اگر وہ دارالحکومت" چھوڑ کر یہاں آیا ہے تو یقیناً کوئی بڑی وجہ ہو گی؟ نہیں؟" کیسر نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

ہاں، میں تمہیں شروع سے بتاتا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ تم سب تفصیلات سے" "واقف ہو جاؤ۔

ہم سن رہے ہیں۔" داس نے کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا، اس کی آنکھوں میں چمک" تھی۔

ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ پہلے سے شہر میں ہے۔ وہ بہت خاموشی سے، بہت خفیہ" طریقے سے کچھ ہفتے پہلے آیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس نے سنا کہ اس کا بیٹا حال ہی میں کیا کر رہا تھا، اور وہ اس سے خوش نہیں ہے۔ خاص طور پر وہ اس بات پر غصے میں ہے کہ "تمہارے ساتھ کیا ہوا، عالیانہ۔

میرے ساتھ؟" عالیانہ کی نظریں پھیل گئیں۔"

ہاں، ہمارے ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ غصے میں ہے کہ حیدر نے تمہیں بھاگنے دیا۔ اور ظاہر ہے، اس عمل میں اپنے ایک سپاہی کو بھی کھو دیا۔" کیسر نے ارسل کی طرف اشارہ کیا۔

"اس سے بھی بدتر، اب شہریوں کے درمیان افواہیں پھیل رہی ہیں کہ ایک منحرف لڑکی ہے، جو پاگل خانے سے بھاگ کر آئی ہے، ایک قاتلہ ہے۔ اور وہ یہ جاننا شروع کر رہے ہیں کہ ایک نئی تحریک، ہماری تحریک، بغاوت کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ یہ شہریوں میں بے چینی اور مزاحمت پیدا کر رہا ہے، اور زیادہ تر شہری اس تحریک میں شامل ہونے کے لیے بے چین ہیں۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

تو حیدر کا باپ بلاشبہ اس جنگ کی قیادت کرنے اور درستور کی طاقت پر کسی بھی شک کو" ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے سب کو دیکھا۔

"دوسرے الفاظ میں، وہ ہمیں اور اپنے بیٹے کو ایک ہی وقت میں سزا دینے آیا ہے۔"

لیکن اس سے ہمارے منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، ہے نا؟" داس نے فوراً سوال" کیا۔

بالکل نہیں۔ ہمیں ہمیشہ سے معلوم تھا کہ ایک ناگزیر لڑائی ہو گی، لیکن... چیزیں بدل" گئی ہیں۔ اب جب حیدر کا باپ شہر میں ہے، تو جنگ جلد شروع ہونے والی ہے۔ جتنا ہم نے اندازہ لگایا تھا ، یہ اتنی ہی بڑی ہو گی۔ محترمہ عالیانہ، مجھے ڈر ہے کہ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔" اس نے عالیانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ ابھی تک مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

آپ بچی نہیں ہیں عالیانہ۔ میں آپ کو کسی بھی چیز کے لیے قصوروار نہیں ٹھہراتا۔" داس کہتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ آپ کا حالیہ رویہ لاعلمی کی وجہ سے تھا، بدنیتی سے نہیں، اور میں اس کی رائے پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اس کے الفاظ پر یقین رکھتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ سمجھیں کہ ہم ایک ٹیم ہیں، اور ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر اب جب آپ داس کے ساتھ کام کر رہی ہیں اور کم از کم کچھ حد تک یہ جانتی ہیں کہ آپ کس قابل ہیں، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔ ہم آپ کی مدد کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ہم آپ کا سوٹ مضبوط کریں گے، آپ کو ہتھیار فراہم کریں گے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے رکا، جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو، لیکن پھر اس نے گہری سانس لی۔

دھان! دھان نے ابھی آپ کے لیے دستانوں کا نیا جوڑا بنایا ہے۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ "ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری ٹیم میں شامل ہوں۔ اور اگر آپ میرے ساتھ تعاون کریں گی، تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ نتائج دیکھیں گی۔" اس کے الفاظ میں سنجیدگی تھی۔

اس کی نظریں کیسر کی مستحکم اور سنجیدہ آنکھوں سے جڑی رہیں۔

میں ضرور مدد کروں گی۔" کیسر نے ایک مطمئن سی آہ بھری۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ شکریہ۔" وہ تھکاوٹ کے آثار لیے اپنی کرسی پر جھک گیا اور اپنی جھریوں بھری پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔

"لیکن بتائیں، آخر ہو کیا رہا ہے؟" داس نے اس کے انداز کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک مشکل رات تھی۔" وہ اپنے الفاظ دوبارہ ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہوا نظر آیا۔

"کیا ہوا؟"

"اس نے... پیغام بھیجا ہے۔" کیسر نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، پھر بوجھل آواز میں کہا۔

"حیدر کا باپ؟" عالیانہ نے حیرت سے پوچھا۔ کیڈر نے سر ہلایا۔

"حیدر کے باپ نے پیغام بھیجا؟ ہمارے لیے؟" اس کی نظریں ارسل اور داس کی طرف گھومیں۔ ارسل کی پلکیں تیزی سے جھپکنے لگیں، اور اس کے ہونٹ حیرت میں آدھے کھلے رہ گئے۔ داس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا، اور اس کے دل میں ایک انجانا خوف سرایت کرنے لگا۔

"ہاں، حیدر کا والد۔ وہ ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ وہ... بات کرنا چاہتا ہے۔" کیسر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

داس فوراً کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

نہیں، کیسر! یہ ایک جال ہے۔ تمہیں یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تمہیں معلوم ہونا" "چاہیے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

اس نے ہمارے تین آدمیوں کو یرغمال بنالیا ہے، داس۔ مجھے ڈر ہے کہ ہمارے پاس" کوئی اور راستہ نہیں ہے۔" داس کے کندھے ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کا چہرہ برف جیسا سفید ہو گیا، ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

کیا؟ کون؟ کیسے؟" اس کی آواز لرز گئی۔ ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ" گیا۔

اشعل اور دھان آج رات اوپر نگرانی کر رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کیا ہوا۔ انہیں یقیناً" گھات لگا کر پکڑا گیا ہو گا۔ وہ بہت دور تھے۔ سکیورٹی فوٹیج میں صرف اتنا دکھائی دیا کہ سیم نے کچھ غیر معمولی دیکھا اور اس کی تفتیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ٹیپس میں کچھ نظر نہیں آیا۔ اور... "ایک لمحے کا توقف۔" سیم بھی واپس نہیں آیا۔" کیسر نے آہ بھری۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا۔ ایک لمحے بعد اس نے امید بھری نظروں سے اوپر دیکھا۔

لیکن اشعل اور دھان... وہ کوئی راستہ نکال لیں گے، ہے نا؟" اس نے ایسے سوال کیا" جیسے وہ جھوٹی تسلی بھی قبول کر لے گا۔ کیسر خاموش رہا۔ سب خاموش رہے۔" وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ دونوں تربیت یافتہ ہیں، وہ کچھ کر سکتے ہیں۔" اس نے دوبارہ کہا۔ وہ تکلیف میں تھا۔ اس نے داس کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے داس کو غصے میں ب دیکھا تھا مگر

اسنے کبھی داس کو تکلیف میں نہیں دیکھا تھا۔اس کا چمکدار چہرا بجھ گیا تھا۔اس کے ذہین
"میں بار بار یہی فقرہ دہرایا جا رہا تھا۔"اس کے دوستوں کو کچھ نہیں ہو سکتا۔

میں نہیں جانتا کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے یا ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔"
اگر انہیں مارا پیٹا گیا ہے، یا اگر انہیں پہلے ہی اذیت دی گئی ہے، یا گولی مار دی گئی ہے، اگر وہ
خون بہا کر مر رہے ہیں تو وہ یقیناً مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔اور اگر ان دونوں نے خود کو بچا
" بھی لیا۔"ایک لمحے کا توقف۔"تو وہ سیم کو پیچھے نہیں چھوڑیں گے۔

تو وہ بات کرنا چاہتا ہے۔"اس بار ارسل بولا۔"

جہاں وہ غائب ہو گئے تھے، وہاں سے ریم کو پیکج ملا۔"دھان کی ٹوٹے چشمے اور اشعل کا"
ریڈیو، خون سے لت پت۔ کیسر کے ہاتھ کانپنے لگے اور اس نے خود کو سنبھالنے کی
کوشش کی۔

عالیانہ ابھی ان لوگوں کو جاننا شروع کر رہی تھی۔اس نے ابھی سیم سے ملاقات کی تھی،
وہ ابھی دوست بنانے، ایلفا پوائنٹ کے لوگوں کے ساتھ آرام دہ محسوس کرنے کی
کوشش کر رہی تھی۔اس نے صبح اشعل، سیم اور دھان کے ساتھ ناشتہ کیا تھا۔اس کی
نظر کیسر کی دیوار پر لگی گھڑی پر گئی۔ رات کے ڈھائی بجے تھے۔اس نے انہیں آخری بار
تقریباً اکیس گھنٹے پہلے دیکھا تھا۔

دھان کو معلوم تھا، اسے پتہ تھا کہ کچھ غلط ہے۔اسے معلوم تھا کہ ان تمام فوجیوں کا"
یہاں ارد گرد گشت کرنا عجیب بات ہے۔"داس دھیرے سے بولا۔

مجھے معلوم ہے۔ میں اس کی تمام رپورٹس کو بار بار پڑھ رہا ہوں۔" کیسر نے اپنی ناک" کے پل پر انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے دباؤ ڈالا اور آنکھیں بند کر لیں۔"میں ابھی تک ساری باتوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن بہت دیر ہو چکی ہے۔ میں بہت دیر کر "چکا ہوں۔

آپ کو کیا لگتا ہے؟ وہ کیا منصوبہ بندی کر رہے تھے؟ آپ کے پاس کوئی نظریہ ہے؟"" داس کی آواز کمزور تھی۔

کاسل نے ایک گہری آہ بھری اور اپنے چہرے سے ہاتھ پھیرے" خیر، اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ حیدر رات کو اپنی فوج کے ساتھ باہر کیوں تھا۔ کہ وہ اتنے دنوں تک بیس "چھوڑنے میں کیسے کامیاب ہو سکا۔

اس کا باپ۔" ارسل نے کہا۔ کیسر نے اثبات میں سر ہلایا۔"

ہاں۔ میرا خیال ہے کہ سپریم نے خود حیدر کو بھیجا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حیدر ہمیں زیادہ" جارحانہ طور پر شکار کرنا شروع کرے۔ اسے ہمیشہ ہمارے بارے میں پتہ تھا۔ سپریم کبھی بھی بے وقوف نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ ہمارے بارے میں افواہوں پر یقین کرتا رہا ہے، اسے ہمیشہ معلوم تھا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ لیکن ہم نے اسے کبھی پہلے خطرہ نہیں دیا تھا۔ اب تک نہیں، کیونکہ اب جب شہری ہمارے بارے میں بات کر رہے ہیں، طاقت کا توازن بگڑ رہا ہے۔ لوگ دوبارہ پر جوش ہو رہے ہیں، ہماری مزاحمت میں امید ڈھونڈ

رہے ہیں، اور یہ وہ چیز نہیں ہے جسے درستور اس وقت برداشت کر سکے۔" کیسر نے وضاحت کی۔

میرے خیال میں یہ واضح ہے کہ وہ ایلفا پوائنٹ کے داخلے کو نہیں ڈھونڈ سکے، اور" یرغمال بنانے پر اکتفا کیا، اس امید کے ساتھ کہ ہم خود ہی باہر آجائیں گے۔" اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا اور اسے اوپر کرتے ہوئے کہا۔

اس میں شرائط ہیں۔ سپریم نے ہمیں آگے بڑھنے کے بارے میں بہت مخصوص" "ہدایات دی ہیں۔

اور؟" داس نے پوچھا۔"

"تم تینوں کو جانا ہوگا، اکیلے۔"

یا اللہ!" عالیانہ بولی۔"

ہم کیوں؟" ارسل حیرت سے داس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"

"اس نے مجھ سے ملنے کی درخواست نہیں کی۔ وہ مجھ میں دلچسپی نہیں رکھتا۔"

اور آپ اس پر رضامند ہو جائیں گے؟ آپ ہمیں اس کے حوالے کر دیں گے؟" ارسل" نے پوچھا۔

بالکل نہیں۔" کیسر آگے کو جھک کر بیٹھا۔"

آپ کے پاس کوئی منصوبہ ہے؟" عالیانہ نے بے چینی سے پوچھا۔"

"سپریم نے آج دوپہر ٹھیک ایک بجے آپ سب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے، ایک ایسی جگہ پر جو غیر منظم علاقہ ہے۔ تفصیلات اس نوٹ میں درج ہیں۔" وہ پل بھر کے لیے رکا اور پھر بولا۔ "حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ وہی ہے جو وہ چاہتا ہے، مجھے لگتا ہے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ ہمیں ایک ساتھ چلنا چاہیے۔ آخر کار، اسی مقصد کے لیے ہم نے تربیت حاصل کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے ارادے برے ہیں، اور مجھے پتہ ہے کہ وہ آپ کو چائے پر مدعو نہیں کر رہا۔ لہذا، ہمیں ایک جارحانہ حملے کے دفاع کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس کے آدمی مسلح ہوں گے اور لڑنے کے لیے تیار ہوں گے، اور میں اپنے لوگوں کی قیادت کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔"

"تو ہم بس چارا ہیں؟ ہمیں لڑنے کا موقع بھی نہیں ملے گا؟ ہم صرف توجہ ہٹانے کے لیے ہوں گے؟" داس نے پوچھا۔

"داس!" کیسر نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر ارسل نے تیزی سے بات کاٹی۔

"یہ نہیں ہو گا!" ارسل کی غیر متوقع جذباتیت نے سب کو حیران کن طور پر خاموش کر دیا۔

"ضرور کوئی اور راستہ ہو گا۔ ہمیں اس کے اصولوں پر نہیں کھیلنا چاہیے۔ ہمیں اس موقع کو استعمال کر کے ان پر حملہ کرنا چاہیے، یا کوئی گڑبڑ پیدا کرنی چاہیے، یا توجہ ہٹانی چاہیے تاکہ ہم جارحانہ طور پر حملہ کر سکیں! کیا ہمارے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو کچھ ایسا کر سکے کہ سارا کھیل بگاڑ دے؟ تاکہ ہمیں برتری ملے؟" ارسل نے پوچھا۔

وہ عالیانہ سے ملنا چاہتا ہے۔ تم دونوں خفیہ طور پر اس کے ساتھ جاؤ گے۔اس نے "
"صرف اور صرف عالیانہ کو طلب کیا ہے۔

کیا؟"ان دونوں کی نظریں حیرت سے پھیل گئ تھیں۔ "

"کیوں ؟"

کاش میں تمہیں بتا سکتا، کاش مجھے مزید معلومات ملتیں۔اب میں صرف انہی معلومات " کی بنیاد پر نتیجہ نکالنے کی کوشش کررہا ہوں جو میرے پاس ہیں،اور جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حیدر نے ایک بڑی غلطی کی ہے جسے درست کرنے کی ضرورت ہے۔ تم کسی نہ کسی طرح اس مسئلے میں پھنس گئ ہو۔"ایک لمحے کا وقفہ لیتے ہوئے،اس نے مزید کہا۔"حیدر کے باپ نے خاص طور پر تمہاری درخواست کی ہے کہ تم ان یرغمالیوں کے بدلے آؤ۔وہ کہتا ہے کہ اگر تم مقررہ وقت پر نہیں پہنچو گی تو وہ ہمارے لوگوں کو مار ڈالے گا۔اور اس کے الفاظ پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔بے گناہوں کا قتل کرنا "اس کے لیے معمولی بات ہے۔

اور آپ بس اسے اس میں جھونک دیں گے ؟"ارسل نے غصے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر " سوال کیا۔

کیسر نے اپنے ماتھے کو رگڑا اور سکون بھری سانس لی۔"نہیں، میں اسے کسی بھی مسئلے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔جو میں کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم سب مل کر لڑیں گے، لیکن تم دونوں مس عالیانہ کے ساتھ جاؤ گے۔ تم دونوں کو فوجی تربیت حاصل ہے، تم دونوں

ان اصولوں، تکنیکوں، اور حکمت عملیوں کو زیادہ جانتے ہو جو وہ استعمال کر سکتے ہیں۔ تم دونوں کی حفاظت کرنے میں مدد کرو گے۔ تم دونوں کی موجودگی ہمیں اس صورتحال میں برتری دے سکتی ہے۔ اگر وہ اسے اتنی شدت سے چاہتا ہے، تو اسے تم "تینوں کو قابو میں رکھنے کا کوئی طریقہ تلاش کرنا ہوگا۔

ٹھیک ہے، میں یہ کروں گی۔ میں جاؤں گی۔" عالیانہ ایک دم سے بولی۔ "

"کیا؟" ارسل نے آنکھیں پھیلا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ "عالیانہ نہیں۔ "

شاید تمہیں ایک بار سوچنا چاہیے۔" داس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، اس کی آواز " میں تھوڑی سی بے چینی تھی۔

اگر تم نہیں چاہتے، تو تمہیں ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میں جاؤں " گی۔" کیسر مسکرایا، اس کے چہرے پر سکون کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔

یہی وہ چیز ہے جس کے لیے ہم یہاں ہیں، ہے نا؟ ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔ یہ ہمارا موقع " ہے۔" اس نے ارسل اور داس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کیسر خوشی سے مسکرا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں فخر کی چمک تھی۔ "ہم ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں گے، مس عالیانہ۔ ہم آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے، ہم آپ کو مرنے "نہیں دیں گے۔ آپ ہم پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔

اسے کیسر کی زبان پر یقین تھا، اسے ارسل پر یقین تھا، اسے داس پر یقین تھا۔ اس کے دماغ کا ایک حصہ اسے بتا رہا تھا کہ اسے سپریم نے نہیں، حیدر نے بلایا ہے۔ سپریم کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شاید یہ سارا کھیل حیدر کا تھا۔ شاید یہ ایک اشارہ تھا کہ وہ ابھی تک اسے چاہتا ہے اور اس نے ہار نہیں مانی۔ اور اسے اس کا سامنا کرنا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ بیس کی راہداری میں چل رہا تھا۔ سیاہ پینٹ۔ سیاہ کوٹ جس سے جھلکتی سفید شرٹ کے صرف کالر دکھ رہے تھے۔ اس کا چہرا برسوں کا تھکا ہوا لگتا تھا۔ اس کی آنکھیں دنیا کی سب سے اداس آنکھیں تھیں، البتہ اس کا چہرا سنجیدہ تھا، پیشانی پر کوئی بل نہیں تھا۔ بال بھی اپنے مخصوص انداز میں سیٹ کیئے گئے تھے لیکن اس کو آج سے پہلے کبھی اپنے قدم اتنے بھاری محسوس نہیں ہوئے، اس کو آج سے پہلے کبھی اتنی بے بسی محسوس نہیں ہوئی ۔اس کو آج سے پہلے کبھی جان نکلتی محسوس نہیں۔ اس کو یہ سب پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا جو سب یہ سوچ کر ہو رہا تھا، کہ سکندر اس کو اذیت دینے کے لیے عالیانہ کے ساتھ کیا کریں گے۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتا اپنے کمرے تک آیا، دروازہ پیچھے سے بند ہوتے ہی اس نے تیزی سے کوٹ اتارا، سفید شرٹ کے اوپری تین بٹن کھولے، ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی، اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ اس نے بے اختیار داہنے ہاتھ سے گردن پر ہاتھ پھیرا، سانس لینے کی کوشش کی، خاموش کمرہ اس کی اکھڑی سانسوں سے گونج رہا تھا۔ اپنے پیروں پر کھڑا رہنا اس کے لیے مشکل ہو چکا تھا، وہ بے اختیار صوفے پر

بیٹھا، داہنے ہاتھ   گردن کے پچھے کو دبایا، ایک تیز سانس لی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسے کچھ کرنا تھا۔ وہ اسے مرنے نہیں دے سکتا تھا۔ ایسے نہیں۔ اس بار نہیں۔ لیکن کیسے؟ یہ وہ سوال تھا جو وہ سینکڑوں بار خود سے پوچھ چکا تھا، لیکن سینکڑوں بار وہ خود کو اس کا جواب نہ دے پایا۔

تبھی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ وہ جانتا تھا کون ہے۔

ایک قدم۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ایک اور قدم۔ اس نے پھر بھی سر نہیں اٹھایا۔ ایک اور لمحہ ایک اور قدم۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ سکندر بازو پیچھے باندھے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ماتھے پر بل ڈلے تھے جو اگلے ہی لمحے غائب ہو گئے۔ حیدر کھڑا ہوا، سکندر کو دیکھے بغیر وہ ان کے پاس سے گزر کر آفس کے دروازے کی جانب بڑھا۔"

"بہت محبت کرتے ہو اس سے؟

آفس تک جاتے اس کے قدم زنجیر ہوئے۔ چہرے کے تاثرات نہ بدلے۔ انہیں نظر انداز کر کے اس نے ایک اور قدم اٹھایا۔

کچھ کہنا چاہتے ہو؟" انہوں نے مڑے بغیر پوچھا۔"

کہو، کیا کہنا چاہتے ہو۔" وہ پلٹے، اس کی پشت کی جانب دیکھا۔ وہ نہیں پلٹا۔"

"شاید میں تمہاری بات مان لوں۔"

"مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

مجھے کہنا پڑے گا جس ماں کے تم بیٹے ہو، تم سے اسی رویے کی توقع کی جاسکتی ہے۔"وہ بہت تیزی سے پلٹا۔

ماں کو بیچ میں مت لائیں۔"وہ دھاڑا تھا۔اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو چکی تھیں"۔سکندر مسکراتے ہوئے محفوظ ہوئے۔

بہر حال ایسا کچھ مت کرنا جو مجھے غصہ دلائے۔تم جانتے ہو اس سیکٹر کی کمان کے لیئے" میرے پاس تم سے اچھے سپاہی تھے لیکن۔میں نے تمہیں چنا کیونکہ تم یہاں رہنا چاہتے تھے۔ورنہ جتنے نااہل تن ہو میں تمہیں ایک سپاہی بھی قبول نہ کروں۔"اس کا دل کسی نے ٹرک کے نیچے روند دیا۔"مجھے مجبور مت کرو کہ میں اپنا فیصلہ بدلوں۔صرف اس "لیے کہ میں تمہارا باپ ہوں، میں تمہاری غلطیاں معاف نہیں کر سکتا۔

میں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے محنت کی ہے، آپ ایسے ہی مجھے یہ سب نہیں کہہ" سکتے۔"اس کی پیشانی پر شکن تھی، آنکھوں میں غصہ تھا۔سکندر قہقہ لگا کر ہنسے، جیسے اس کا مزاق اڑا رہے ہوں۔پھر وہ ایک پل رکے بغیر باہر نکل گئے۔حیدر کچھ پل اپنی جگہ پر جما دروازے کو گھورتا رہا، پھر تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا اور ڈروازہ لاک کر دیا اور پیٹھ دروازے سے لگائے زمین پر بیٹھ گیا۔ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھ لی۔

میں نے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت محنت کی ہے، میں نے اپنا بچپن اس سب میں" گوا دیا۔اس مقام تک پہنچنے کے لیے میں نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا، میں نے اپنی خوشیاں داؤ پر لگا دیں، میں نے خود کو داؤ پر لگا دیا۔آپ مجھے ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں۔اڈ مقام

کو پانے کے لیے میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔" وہ سر گھٹنوں میں چھپائے بار بار دہرا رہا تھا ۔کچھ وقت بعد اس نے خود کو سکندر کے کمرے میں کھڑا دیکھا۔" مجھے آپ سے بات کرنی ہے، عالیانہ کے بارے میں۔" کرسی پر بیٹھے سکندر نے سر ہلایا۔

••••••☆☆☆••••••

کرنے کو بہت کچھ تھا، تیار ہونے کے لیے بہت کچھ تھا، اور بہت سے لوگ تیاری کر رہے تھے۔ وہ سب بڑے تربیتی کمرے میں کھڑے تھے۔

"یہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح ہم چاہتے تھے کہ یہ سب کچھ ہو، لیکن یہ چیزیں کبھی بھی منصوبے کے مطابق نہیں ہوتیں۔" ارسل، داس، اور وہ جنگ کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ وہ ایک بڑے ٹریننگ روم میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ اور بھی لوگ تھے جنہیں وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ ہتھیاروں کے ذمہ دار تھے۔ ایلفا پوائنٹ پر ہر ایک کا کوئی نہ کوئی کام تھا۔ ہر کوئی اپنا حصہ ڈال رہا تھا۔ ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی ذمہ داری تھی۔ وہ سب ایک ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔

"ابھی تک ہمیں یہ بالکل معلوم نہیں کہ تم یہ سب کیسے کر سکتی ہو، لیکن امید ہے کہ جب وقت آئے گا تم خود کو ظاہر کرو گی۔ اس قسم کے دباؤ والے حالات ہماری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے بہترین ہوتے ہیں۔" کیسر نے اسے تسلی دی۔

تمہیں کسی چیز کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اگر کچھ غلط ہو" جائے تو ہم وہیں ہوں گے۔"داس نے کہا۔حالانکہ اس نے کبھی نہیں کہا کہ وہ پریشان تھی۔کم از کم بلند آواز میں تو نہیں۔

یہ ہیں تمہارے نئے دستانے،انہیں آزما کر دیکھو۔"کیسر نے اسے دستانے تھمائے" ،اپنے پہلے دستانے وہ مسٹرڈ گیس کی وجہ سے جلا چکی تھی۔

یہ نئے دستانے موٹے اور نرم تھے۔کم بھاری، لیکن اس کے ہاتھوں میں بالکل فٹ " آتے تھے۔اس نے اپنی مٹھی بند کی، تھوڑا مسکرائی۔"یہ بہت اچھے ہیں۔

دھان نے انہیں کل ہی مکمل کیا تھا۔"کیسر کا چہرہ افسردہ ہو گیا، اس نے آہستگی سے" کہا۔

دھان... جب وہ ایلفا پوائنٹ پر آئی تھی،سب سے پہلے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔اس کی ٹیڑھی ناک، پلاسٹک کے چشمے،اس کے بال،اور نفسیاتی پس منظر سب کچھ یاد تھا۔اس کی کافی کی ضرورت۔

اتنے میں میلیسا ہولسٹر لیے اس کے پاس آئی۔"اپنے بازو اٹھاؤ۔"اس میں موٹے چمڑے کے کندھے کے پٹے تھے جو اس کی پیٹھ کے مرکز میں جڑے ہوئے تھے،اور پتلے کالے چمڑے کے دس مختلف پٹے تھے۔میلیسا نے سب کچھ ایک ساتھ باندھنے میں اس کی مدد کی،اور وہ ابھی تک سمجھ نہیں پائی کہ وہ کیا پہن رہی تھی۔وہ کسی وضاحت کا انتظار کر رہی تھی۔پھر اسے بندوقیں نظر آئیں۔

نوٹ میں بغیر ہتھیار کے آنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔"میلیسا نے اسے دو ہینڈ" گنز پکڑائیں، جو اس نے کل ہی فائرنگ کی مشق کے دوران دیکھی تھیں۔

"میں ان میں بہت بری ہوں۔"

اور میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ تم بغیر ہتھیار کے جاؤ۔"اس نے اسے دکھایا کہ ہولسٹر" کہاں ہیں، کس طرح بندوقیں فٹ ہوتی ہیں، ہولسٹر کو کس طرح جگہ پر باندھا جاتا ہے، اور اضافی کارتوس کہاں رکھے جاتے ہیں۔اس نے یہ نہیں بتایا کہ اسے نہیں معلوم کہ ہتھیار کیسے دوبارہ لوڈ کیا جاتا ہے۔داس اور وہ سبق کے اس حصے تک کبھی نہیں پہنچ سکے تھے۔وہ اسے یاد دلانے میں مصروف تھا کہ سوالات پوچھتے وقت ہتھیار کو اشارہ کرنے کے لیے استعمال نہ کرے۔

تمہارے پاس ذاتی اسلحے میں کافی ہتھیار ہیں۔تمہیں کسی کو گولی مارنے کی ضرورت" نہیں پڑے گی۔اور اگر تمہیں ضرورت پڑے، تو میں تجویز کرتا ہوں کہ تم یہ "اختیار سب سے آخر میں استعمال کرو۔

شکریہ !"وہ مسکرائی۔"

تمہیں یہ پسند آیا؟"کیسر نے بھی جوابی مسکراہٹ دی۔"

"بہت، سب کچھ بہترین ہے۔شکریہ۔"

بہت اچھا، میں بہت خوش ہوں۔اب، اگر تم اجازت دو تو مجھے روانگی سے پہلے کچھ دیگر معاملات دیکھنے ہیں۔ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔"اس نے اسے مختصر سی سلامی دی اور دروازے سے باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد، داس سیاہ سوٹ پہنے اس کے پاس آیا۔ وہ ایک قسم کا باڈی سوٹ تھا۔اس کے سیاہ بال اور آنکھیں اس کے لباس کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔ اس کا ہولسٹر سادہ تھا، جو اس کے بازوؤں پر بیگ کی پٹیوں کی طرح لپٹا ہوا تھا۔

عالیانہ نے بھورے رنگ کے ٹریک سوٹ جیسا سوٹ پہن رکھا تھا، جس کی آستینیں پوری تھیں۔ بالوں کو پونی تیل میں باندھا ہوا تھا،اور چہرے پر میک اپ کا نام ونشان نہ تھا۔اس کی چالیں قدرتی طور پر گلابی تھیں

اور ارسل۔

ارسل پورے آستین والی مسٹرڈ ٹی شرٹ پہنے ہوئے، خوبصورت لگ رہا تھا۔وہ پہلے سے بہتر تھا۔اس کی آنکھیں اب صحت مند تھیں۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اسے سالوں سے نہیں دیکھا۔اس کی کالی کارگو پینٹیں اسی سیاہ جوتوں میں ٹکی ہوئی تھیں۔ یہ وہی جوتے تھے جو ارسل پاگل خانے میں پہنتا تھا۔جوتے گھٹنوں تک اونچے، ہموار چمڑے سے بنے ہوئے تھے۔

"ارسل؟"

ارسل نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے سر کو معمولی سا خم دیا اور مسکرایا اور ہال سے باہر نکل گیا۔

"داس نے زور سے اپنا گلا صاف کیا۔ "تم اسے مارنے کی کوشش کر رہی ہو؟

"کیا؟"

تم ارسل کے سامنے اس طرح نہیں جا سکتی، 'اوہ ارسل، دیکھو، دیکھو، میں اپنی نئی "
"ڈریس میں کتنی پیاری لگ رہی ہوں۔ اسے آنکھیں مارنا بند کر دو۔

آنکھیں مارنا؟ تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟ میں نے کبھی بھی اس کو آنکھیں "
"نہیں ماریں! اور یہ ویسا ہی لباس ہے جیسا میں ہر روز پہنتی ہوں۔

ہاں، ٹھیک ہے لیکن یہ رنگ تم پر مختلف لگ رہا ہے۔ "اس نے بڑبڑاتے ہوئے " کندھے اچکائے۔

"تم پاگل ہو۔"

"تو میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس بیچارے پر رشک نہیں کرتا۔"

مجھے سمجھ نہیں آ رہی میں کیا کروں، میں اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش نہیں کر " رہی، داس۔ "اس نے بے دلی سے کہا۔

اوہ ۔ بھول جاؤ جو میں نے کہا۔ "داس نے ہاتھوں کو ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "

"اسے اپنے ذاتی احساسات بتانے کی دعوت نہ سمجھو۔"

"میں تمہیں اپنے احساسات کے بارے میں بتا بھی نہیں رہی۔"

"کیونکہ میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔"

کیا تمہاری کبھی کوئی گرل فرینڈ رہی ہے، داس؟"اس نے آنکھیں تنگ کیے پوچھا۔"

کیا؟"داس نے حیرت سے دیکھا۔"کیا میں شکل سے ایسا لگتا ہوں کہ میری کبھی گرل" فرینڈ نہیں رہی؟ کیا تم نے مجھے کبھی دیکھا بھی ہے؟"اس نے مصنوعی مغرویت سے کہا۔

بھول جاؤ کہ میں نے پوچھا۔"اس نے آنکھیں گھمالیں۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم نے یہ کہہ دیا۔"

تم وہ ہو جو ہمیشہ اپنے جذبات کے بارے میں بات نہ کرنے کا کہتے ہو۔"اس نے طنزیہ" انداز میں کہا۔

نہیں، میں تمہارے احساسات کے بارے میں بات نہ کرنے کا کہتا ہوں، مجھے اپنے" احساسات کے بارے میں بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

"تو تم اپنے احساسات کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔"

"... لیکن"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"اس نے نظریں پھیر لیں اور اپنے کمر پر کھینچے ہوئے پٹے کو سیدھا کیا۔"

تمہارا سوٹ....."کچھ دیر بعد وہ بولنے ہی لگی تھی کہ داس نے اسے ٹوک دیا۔"

کیا؟ کیا ہوا میرے سوٹ کو؟"اس نے بھنویں چڑھا کر اپنے لباس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ سوٹ انتہائی شاندار ہے۔میں جنگ کے دوران سب سے اچھا دکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکراہٹ روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔"تم عام لباس میں بھی اچھے رکھتے ہو داس، کیونکہ تم میرے دوست ہو۔"اس کا کہنا تھا کہ داس ایک پل کو تھم گیا، اس نے آہستہ سے نظریں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔

تم... میرا مطلب مجھے... واقعی تم نے مجھے ابھی اپنا دوست کہا؟"وہ حیران تھا۔یہ پہلی" بار تھا جب عالیانہ نے اپنے منہ سے کسی رشتے کو تسلیم کیا تھا، وہ بھی اس کے سامنے۔

"ہاں، تو کیا نہیں ہو؟"

تم ایلفا پوائنٹ پر جس دن آئی تھی تب ہی میری دوست تھی، میری دوست تھی تب ہی" میں نے تمہاری تربیت کی ذمہ داری خود لی۔ لیکن مجھے کبھی نہیں لگا تم مجھے اپنا دوست مانتی ہو۔شکریہ۔آئی ایم آنرڈ ٹو بی یور فرینڈ۔شہزادی!"کہہ کر وہ ہنس دیا۔عالیانہ بھی سر جھٹک کر ہنس دی۔انہیں جنگ پر جانا تھا۔کوئی نہ جانتا تھا کیا ہو گا، کون زندہ رہے گا، کون

مرے گا۔اس نے دل میں سب کی سلامتی کی دعا کی۔اور وہ سب ایک نئے سفر پر نکل گئے۔

••••••☆☆☆••••••

ان کے پاس سپریم کمانڈر سے ملاقات کے لیے صرف ایک گھنٹہ اور تئیس منٹ باقی تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ کیسر اور ایلفا پوائنٹ کے تمام قابل افراد پہلے ہی اپنی پوزیشنز میں تھے۔وہ آدھا گھنٹہ پہلے روانہ ہو چکے تھے اور ملاقات کی جگہ کے ارد گرد موجود متروکہ عمارتوں میں چھپے ہوئے تھے۔وہ ہر قسم کے جارحانہ حملے کے لیے تیار تھے، مگر صرف کیسر کے اشارے پر۔ کیسر یہ اشارہ تب دے گا جب اسے لگے گا کہ صورتحال خطرناک ہو گئی ہے۔

داس، عالیانہ، اور ارسل پیدل سفر کریں گے۔

ارسل غیر منظم علاقے سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ بطور فوجی یہ ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ جانیں کون سے علاقے ممنوع ہیں۔ داس چونکہ ایک سال فوج میں رہا اسے ان راستوں کا اتنا علم نہیں تھا۔ یہ پرانی دنیا کے وہ حصے تھے جہاں کسی کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ عجیب وغریب گلیاں، ٹوٹ پھوٹ کا شکار عمارتیں، پرانے ریسٹورنٹس، اور دفتری جگہیں سب ممنوعہ علاقے تھے۔

"یہیں رکو۔"

داس نے انہیں نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود آگے بڑھ کر باہر نکلنے کے راستے کا جائزہ لینے لگا۔ عالیانہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں، وہ اتنی نروس تھی کہ بولنے کی ہمت تک نہیں ہو رہی تھی۔

میں یہ کر سکتی ہوں، ہم یہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں،" وہ خود کو" تسلی دیتی رہی۔

چلو،" داس کی آواز سنائی دی۔"

ارسل اور عالیانہ سیڑھی کے آخری حصے پر چڑھنے لگے۔ وہ ایلفا پوائنٹ سے نکلنے کے ایک ایسے متبادل راستے پر تھے جس کا علم صرف گنتی کے چند افراد کو تھا۔ وہ انتہائی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔

پہلے میں جاؤں گا، پھر عالیانہ، اس کے بعد ارسل۔" داس نے سمجھایا۔"

ارسل بیمار تھا، چند دن پہلے ہی اس کا ٹربر کلاسز کا دوسرا سیشن ہوا تھا، وہ کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ اگر اس کا جانا ضروری نہ ہوتا تو وہ کبھی اسے اس حالت میں اپنے ساتھ نہ لاتے۔

تم لوگ ٹھیک ہو؟" چلتے چلتے داس نے ان دونوں سے پوچھا۔"

ہاں،" ارسل نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔"

زبردست، ارسل۔ مجھے پتہ ہے کہ یہ تمہارے لیے آسان نہیں ہے۔" داس نے کہا۔"

ٹھیک ہے، میں ٹھیک ہوں۔" وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھنے لگے۔ داس" ان ویران راستوں سے انہیں نکال رہا تھا۔

جتنا وہ آگے بڑھ رہے تھے، اتنا ہی وہ مرکزی سڑک کے اور کمپاؤنڈز کے بھی قریب ہو رہے تھے جو یہاں سے چند میل دور بسیرا کیے ہوئے تھے۔ باڑوں کے پیچھے چھپتے ہوئے وہ تینوں تیزی سے حرکت کر رہے تھے، جب داس اچانک رک گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔

ہم کیوں نہیں چل رہے؟" عالیانہ نے پوچھا۔"

"داس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "کیا تم سن سکتی ہو؟

"کیا؟"

گالی۔ کوئی آرہا ہے۔" ارسل نے سانس لیتے ہوئے کہا۔"

ایک ٹینک۔" داس نے وضاحت کی۔"

ایک سے زیادہ۔" ارسل نے اضافہ کیا۔"

"تو ہم ابھی تک یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

رکو، عالیانہ، ایک سیکنڈ انتظار کرو۔" داس نے تیزی سے اسے ٹوکا اور پھر اس نے اسے" دیکھا۔ ایک پریڈ کی صورت میں ٹینک مرکزی سڑک پر آرہے تھے۔ اس نے کل ملا کر سات ٹینک گنے۔ داس نے دبے لہجے میں زیر لب گالی نکالی۔

کیا مسئلہ ہے؟" عالیانہ نے پوچھا۔"

ایک روڈ پر سے ایک سے زیادہ ٹینک نہیں گزرتا۔" دارا نے دھیمے لہجے میں بتایا"

صرف ایک ہی وجہ ہوتی تھی، جب حیدر ایک روڈ پر ایک سے زیادہ ٹینگ گزارنے کی "اجازت دیتا تھا۔

داس اور آرام نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا، عالیانہ نے باری باری ان دونوں کی جانب دیکھا۔

جنگ۔" انہوں نے عالیانہ کو دیکھا اور ایک ساتھ کہا۔"

وہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔" اس بار داس بولا۔"

اسے پتہ تھا! شٹ! شٹ! اسے پتہ تھا، کیسر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے پتہ ہے کہ "... ہم مدد لا رہے ہیں۔ اس نے

داس، وقت کیا ہوا ہے؟" عالیانہ نے جلدی سے پوچھا۔"

ہمارے پاس تقریباً پچاس منٹ ہیں۔" اس نے جواب دیا۔"

تو پھر چلو! ہمارے پاس یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے کہ بعد میں کیا ہو گا۔ کیسر تیار ہے۔" اسے کچھ ایسا ہی ہونے کا اندازہ تھا۔ ہم ٹھیک ہو جائیں گے، لیکن اگر ہم وقت پر اس گھر "تک نہ پہنچے تو دھان، اشعل اور سیم سب آج مر سکتے ہیں۔

ہم بھی مر سکتے ہیں۔" داس نے آہ بھری۔"

"ہاں، یہ بھی۔"

وہ تینوں اب تیزی سے گلیوں میں، خالی جگہوں کو عبور کرتے ہوئے در ستور کی باقیات کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گھر اور باغات جو اب بوسیدہ ہو چکے تھے۔ مردہ گھاس ان کے پیروں کے نیچے کرچ کرچ کر رہی تھی۔ وہ گھروں کی گنتی کر رہے تھے، تین سو چوالیس۔

یہ وہ گھر ہونا چاہیے تھا۔ اسے نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔

یہ پوری گلی میں واحد گھر تھا جو مکمل طور پر فعال نظر آتا تھا۔ گھر سفید رنگ کا سب سے خوبصورت شیڈ تھا۔ رنگ تازہ تھا، صاف تھا۔ سامنے کے برآمدے تک ایک چھوٹی سیڑھی جاتی تھی، جہاں دو سفید ویکر کی جھولنے والی کرسیاں اور روشن نیلے پھولوں سے بھرا ایک بڑا پودا رکھا تھا۔ ایک نفیس ویلکم میٹ، لکڑی کے بیم سے لٹکے ہوئے ہوا میں بجنے والے ساز، مٹی کے گملے اور ایک چھوٹا بیلچہ کونے میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ باغیچے میں سفید للی کے پھول لگے تھے جو اس جگہ کو اور بھی خوبصورت بنا رہے تھے۔ یہاں کوئی رہتا تھا۔

عالیانہ نے داس اور ارسل کو گھر کی طرف کھینچا۔ داس نے اسے واپس پیچھے کھینچ لیا۔

"یہ وہ نہیں ہے، یہ غلط گلی ہے۔ شٹ! یہ غلط گلی ہے۔ ہمیں دو گلیاں پیچھے ہونا چاہیے تھا۔"

"لیکن یہ گھر... یہ...، داس، یہاں کوئی رہتا ہے۔"

یہاں کوئی نہیں رہتا، کسی نے شاید ہمیں بھٹکانے کے لیے یہ سیٹ کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ یہ گھر سی فور سے بھرا ہوا ہے۔ یہ شاید ایک جال ہے جو غیر قانونی علاقے میں بھٹکنے والے لوگوں کو پکڑنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اب چلو!" اس نے عالیانہ کے ہاتھ کو دوبارہ کھینچ لیا۔

"! ہمارے پاس صرف دس منٹ ہیں"

اگرچہ وہ تیز قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے، وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی رہی، کسی زندگی کے نشان کا انتظار کرتی رہی، کسی کو چیک کرنے کے لیے باہر نکلتے دیکھنے کا انتظار کرتی رہی، کسی پرندے کو اڑتے دیکھنے کا انتظار کرتی رہی۔ اور شاید وہ سب محض خیال تھا، شاید وہ پاگل ہو چکی تھی۔ لیکن اسے یقین تھا کہ اس نے اوپر کی کھڑکی سے پردہ ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔

لمحات تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔ اصلی تین سو چوالیس گھر ویسا ہی تباہ حال تھا جیسا کہ انہوں نے تصور کیا تھا۔ یہ ایک خستہ حال جگہ تھی، جس کی چھت برسوں کی لاپرواہی کے بوجھ تلے گر رہی تھی۔ وہ تینوں کونے کے قریب کھڑے تھے۔ وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا، اور پورا گھر متروک نظر آ رہا تھا۔ اب انہیں لگنے لگا کہ شاید یہ سب ایک پیچیدہ مذاق تھا۔ چند سیکنڈز باقی تھے۔

"تم لوگ چھپے رہو، میں چاہتی ہوں کہ وہ سمجھے کہ میں اکیلی ہوں۔ اگر کچھ غلط ہو گیا تو تم لوگ فوراً حملہ کر سکتے ہو، ٹھیک ہے؟ تمہاری موجودگی جلدی سے چیزوں کو بگاڑ سکتی ہے۔"

وہ دونوں لمحہ بھر کے لیے خاموش رہے۔

یہ اچھا خیال ہے۔"داس نے کہا۔"

میں اب جانے والی ہوں۔"وہ خود کو مسکرانے سے روک نہ سکی، تھوڑی سی مسکراہٹ" اس کے لبوں پر آگئی۔

گڈ لک۔ ہم تمہارے پیچھے ہیں۔"داس کا لہجہ نرم تھا، اس میں پریشانی کا امتزاج تھا۔"

"!عالیانہ"

آگے جاتے اس کے قدم رک گئے جب اس نے ارسل کی آواز سنی۔ وہ رک گئی۔ وہ کچھ کہنے والا تھا لیکن پھر شاید اُس نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ اُس نے گلا صاف کیا۔

"وعدہ کرو کہ تم محتاط رہو گی۔"

میں وعدہ کرتی ہوں۔"اُس نے ایک گہری سانس لی، آگے بڑھی اور چل دی۔"

تیس سیکنڈز باقی تھے۔ وہ سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ خود کو بہادر ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ خوف کے مارے اندر ہی اندر کانپ رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس دروازے کے پیچھے کیا منتظر ہے، اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ شاید اسے دل کا دورہ پڑنے والا ہے۔ لیکن اب پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

بس اسے دستک دینی تھی۔ مگر دروازہ پہلے ہی کھل چکا تھا۔

تم بالکل وقت پر آئی ہو۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آج بھی کچھ نوجوان وقت کی قدر "
" کرتے ہیں۔ مجھے سخت ناپسند ہے جب لوگ میرا وقت ضائع کرتے ہیں۔

اس کے ذہن پر جیسے دھند چھا گئی ہو۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا، لیکن الفاظ اُس کے منہ سے نہیں نکلے۔ شاید وہ کھو گئے تھے، یا شاید وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ یا شاید وہ اس لیے خاموش تھی کہ اُسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ کیا کہنا ہے۔

جو منظر اُس کے سامنے تھا، وہ ناقابل یقین تھا۔

شاید وہ کسی جھکے ہوئے، بوڑھے شخص کی توقع کر رہی تھی۔ کسی ایسے شخص کی، جس کی ایک آنکھ پٹی سے ڈھکی ہو، جو چھڑی کے سہارے چلتا ہو۔ شاید کسی ایسے کی، جس کے دانت سڑے ہوئے ہوں اور چہرے پر جھریاں ہوں۔ یا شاید کوئی سینٹور، یونی کارن، یا دیومالائی مخلوق، جیسے بوڑھی چڑیل جس کے سر پر نوکیلی ٹوپی ہو۔ لیکن وہ سب خیالات اب بے معنی لگ رہے تھے۔ وہ سب کچھ جو وہ سوچ رہی تھی، غلط تھا۔ بہت زیادہ، خوفناک حد تک غلط۔

وہ شخص غیر معمولی حد تک دلکش اور شاندار تھا۔ اور وہ واقعی ایک آدمی تھا۔

اس کی عمر شاید پینتالیس سال کے قریب تھی۔ لمبا قد، مضبوط جسم، وہ ایک مہنگے سوٹ میں ملبوس جو اس پر بے حد جچ رہا تھا۔ اُس کے بال بھورے تھے، جبڑا تیز اور چہرے کے خدوخال بے حد متوازن۔ سب سے زیادہ متاثر کن اُس کی آنکھیں تھیں، جو شہد کے رنگ کی مانند تھیں یا شاید بھوری بھی۔

آیئے، اندر تشریف لائیں۔" اس نے دلکش مسکراہٹ دیتے ہوئے اسے اندر آنے کا کہا۔ اُس کا انداز، اُس کا قد، اُس کی ہموار خوش لباس شخصیت، وہ تقریباً بھول گئی تھی کہ وہ ایک ولن ہے، یہ آدمی۔ یہ حیدر کا باپ تھا۔ اس نے اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کی، اور اندر قدم رکھا۔ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئی، جو بظاہر ایک عام سا رہائشی کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ پرانے اور بوسیدہ صوفے ایک چھوٹی کافی ٹیبل کے ارد گرد رکھے تھے۔ وال پیپر جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا، کمرے میں پھپھوندی کی عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکیاں ٹوٹ چکی تھیں اور شاید سالوں سے بند تھیں۔ قالین بھی پرانا اور گندہ تھا، اور دیواروں پر جعلی لکڑی کے پینل لگے تھے۔ یہ گھر غیر متاثر کن حد تک بدصورت تھا، ایسا گھر جس میں اس جیسے نفیس آدمی کا ہونا غیر متوقع تھا۔

اوہ! ایک منٹ۔" اُس نے اچانک پیچھے مڑ کر عالیانہ کی طرف دیکھا۔ اور اگلے ہی لمحے،" اُس کی گردن سکندر کی مضبوط گرفت میں تھی۔

یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ وہ سنبھل بھی نہ پائی۔ وہ اپنی پوری قوت لگا رہی تھی کہ آزاد ہو جائے، لیکن یہ بے سود تھا۔ اُس کی گرفت لوہے کی مانند مضبوط تھی۔ وہ یقینی طور پر جانتی تھی کہ موت قریب ہے۔ اُس نے مزاحمت کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن آخر کار ہار مان لی۔ سکندر نے اُس کے ہولسٹر کھول کر اُس کے ہتھیار چھین لیے اور انہیں اپنی جیب میں ڈال لیا۔ پھر ایک جھٹکے سے اُسے چھوڑ دیا۔

وہ فرش پر گر گئی۔ اُس کے بال پونی سے نکل کر چہرے پر بکھر گئے۔ وہ اپنی گردن کو سہلاتے ہوئے تکلیف سے کھانس رہی تھی، گندی اور باسی ہوا کو زبردستی اندر کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کا پورا جسم تکلیف کے جھٹکوں سے کانپ رہا تھا۔ اندر آئے ابھی دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے، اور وہ پہلے ہی اسے بے بس کر چکا تھا۔

اس نے خود کو جمع کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب کسی نہ کسی طرح اُسے یہاں سے نکلنا ہو گا، کسی نہ کسی طرح زندہ رہنا ہو گا۔ پیچھے ہٹنے کا وقت نہیں تھا۔

جب اس نے آخرکار اوپر دیکھا تو وہ پہلے ہی ایک کرسی پر آرام سے بیٹھا ہوا تھا، مسکرا رہا تھا، اُسے دیکھتے ہوئے اس کی حالتِ زار مکمل طور پر محظوظ ہو رہا تھا۔

یرغمالی کہاں ہیں؟" اُس نے بمشکل پوچھا۔"

وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ اور ٹھیک ہی رہیں گے۔" اُس نے نرمی سے کہا، پھر ہلکی سی" "مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔ "کیا تم بیٹھنا پسند کرو گی؟

اس نے آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کو چھپانے کی ناکام کوشش کی اور لرزتی آواز میں "کہا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

سکندر ہاتھوں کو آپس میں جوڑے کرسی پر آگے کو جھکا۔

"جانتی ہو، مجھے اب بھی یقین نہیں ہے۔"

کس بات کا یقین؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔"

یہ سب کچھ... "اُس نے کمرے کے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "محض توجہ ہٹانے کا ایک حربہ ہے، ٹھیک؟"

پھر اُس نے ایسی مسکراہٹ دی جو کسی کو بھی بے چین کر سکتی تھی۔ "یقیناً تمہیں اندازہ ہو چکا ہو گا کہ میرا اصل مقصد تمہارے لوگوں کو اپنے علاقے میں بلانا تھا۔ میرے آدمی صرف میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔ ایک لفظ، اور وہ تمہارے ان تمام ساتھیوں کو نیست و نابود کر دیں گے جو آدھے میل کے دائرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" ایک لمحے کو وہ سانس تک نہ لے پائی۔ اس کا دل جیسے ڈوب گیا۔ خوف اُس کے چہرے پر نمایاں ہو گیا تھا۔

سکندر دھیرے سے ہنسا۔ "اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے ہی علاقے میں ہو رہی سرگرمی سے بے خبر ہوں، تو تمہاری غلط فہمی بہت بڑی ہے۔ میں شروع سے سب جانتا تھا، لیکن میں نے انہیں نظر انداز کیا۔ اُنہیں ہمارے درمیان گھومنے کی آزادی دی، اور یہ میری غلطی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس غلطی کو درست کر دیا جائے۔"

میں اُن میں سے ایک ہوں۔ "اُس نے کپکپاتی آواز کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم ہمیں مارنا چاہتے ہو، تو مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ صرف مجھے کیوں؟"

صحیح سوال۔ "سکندر نے سر ہلایا اور کھڑا ہوا اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے۔ "میں یہاں ایک مقصد کے ساتھ آیا تھا۔ اپنے بیٹے کی بنائی ہوئی گندگی کو صاف کرنے اور اُن

لوگوں کو ختم کرنے کے لیے جو بغاوت پر تُلے ہوئے ہیں۔ میں تم سب کو اس دنیا سے مٹا دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن پھر..."اُس نے ہلکے سے قہقہہ لگایا۔"میرا بیٹا میرے پاس آیا اور مجھ سے التجا کی کہ میں تمہیں نہ ماروں۔ صرف تمہیں۔"

یہ سن کر عالیانہ حیرت کے مارے خاموش ہو گئی۔ سکندر ایک لمحے کے لیے رُکا اور اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اس نے واقعی مجھ سے تمہیں نہ مارنے کی التجا کی۔"اُس کی مسکراہٹ میں تلخی اور تفریح دونوں جھلک رہے تھے۔"یہ جتنا حیران کن تھا، اتنا ہی قابلِ رحم بھی تھا۔"

وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حیدر اسے کیوں بچا رہا تھا، شاید اس لیے کیونکہ وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے مارنا چاہتا ہے کیونکہ میں نے اسے گولی ماری ہے۔"ظاہر ہے، پھر مجھے تم سے ملنا ہی تھا، میں نے خود سے کہا، مجھے اس لڑکی سے ضرور ملنا چاہیے جس نے میرے بیٹے کو اتنا مجبور کیا کہ وہ مجھ سے ایک احسان کی بھیک مانگے۔ ایک لمحے کی مکمل خاموشیم کیا تمہیں لگتا ہے کہ میرے بیٹے نے کبھی مجھ سے کسی احسان کی درخواست کی ہو گی؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نظریں بس حیرت سے سکندر پر جمی ہوئی تھیں۔

کبھی نہیں۔ "اُس نے ایک لمبی سانس لی۔ " پچھلے پچیس سالوں میں ایک بار بھی نہیں" ۔اُس نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ یقین کرنا مشکل ہے، ہے نا؟"اُس کی مسکراہٹ چوڑی اور بے عیب تھی۔

ظاہر ہے، اس کا کریڈٹ میں خود کو دیتا ہوں۔ میں نے اُسے مضبوط، خود مختار اور اپنی" خواہشات سے بے نیاز بننے کی تعلیم دی۔ تو جب اُس کے منہ سے یہ شرمناک، التجا والے الفاظ نکلے، تو میں حیران رہ گیا۔ مجھے خود تمہیں دیکھنا تھا، سمجھنا تھا کہ آخر اُس نے تم میں "ایسا کیا دیکھا جو اُسے اس حد تک لے گیا۔

ایک لمحے کے توقف۔ "سچ کہوں، تو مجھے واقعی یقین نہیں تھا کہ تم آؤ گی۔ "اُس نے جیب سے ایک ہاتھ نکالا اور اُس کی طرف اشارہ کیا۔ "میرا مطلب ہے، مجھے امید تھی کہ تم آؤ گی، لیکن میں نے سوچا تھا کہ تم کسی حمایت یا مدد کے ساتھ آؤ گی۔ لیکن تم یہاں ہو، "اسپینڈیکس پہنے، اور بالکل اکیلی ہو۔

"وہ زور سے ہنسا۔ "بہت بیوقوفی، لیکن بہادری بھی۔ اور میں بہادری کی قدر کرتا ہوں۔

بہر حال۔ "وہ سیدھا ہوا، ہاتھ دوبارہ جیب میں ڈال لیا اور کمرے میں آہستہ آہستہ چلنے" لگا۔ "میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے تا کہ اپنے بیٹے کو سبق سکھا سکوں۔ میرا ارادہ تھا کہ تمہیں ماروں، اور یہ موت ایسی ہو جو واضح پیغام دے۔ آخر کار، اُس کے لیے اس قسم کے تعلقات قائم کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس قسم کی بے وقوفی کو ختم کرنا میرا بطور والد فرض "ہے۔

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ یہ آدمی اُس کی توقع سے کہیں زیادہ ظالم اور خطرناک تھا۔

تو تم مجھے مار کیوں نہیں دیتے؟" اُس کی آواز میں ایک تلخ سختی تھی۔ "

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا، جیسے جواب سوچ رہا ہو، پھر ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی پیاری ہو گی۔ میرے بیٹے نے کبھی تمہاری خوبصورتی کا ذکر نہیں۔ تم خوبصورت ہو اور خوبصورت چیزوں کو ختم کرنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔" اُس نے طنزیہ افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

اس کے علاوہ، تم نے مجھے حیران کر دیا۔ تم وقت پر آئیں، وہ بھی اکیلی، اور تم ان بے" وقوف لوگوں کے لیے خود کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو، جو اپنی ناسمجھی کے باعث " گرفتار ہو چکے ہیں۔

اُس نے گہرا سانس لیا۔ "شاید تمہیں زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر تم کارآمد ثابت نہیں ہوتیں، تو کم از کم دلچسپ تو ضرور ہو سکتی ہو۔ اور اگر ہم نے تمہیں زندہ رکھا، تو تمہیں میرے ساتھ دارالحکومت جانا پڑے گا۔ کیونکہ اب میں اپنے بیٹے پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی بھی کام صحیح طریقے سے کرے گا۔ میں نے اُسے بہت زیادہ مواقع دیے ہیں، "اور وہ ہر بار ناکام ہوا ہے۔

پیشکش کا شکریہ، لیکن میں پہاڑ سے چھلانگ لگانے کو ترجیح دوں گی۔"اُس نے کاٹ دار" انداز میں جواب دیا۔ وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنسا۔ اس کی ہنسی چھوٹی گھنٹیوں کی مانند تھی، خوش، خوشگوار اور متعدی۔ "اوہ میرے خدا۔" وہ گرمجوشی سے مسکرایا۔ اور سر ہلا کر اس کے کندھے کے اوپر کی جانب دیکھا، جیسے وہ کسی دوسرے کمرے کی طرف دیکھ رہا "ہو، شاید باورچی خانہ۔" عالیار! کیا تم یہاں آ سکتے ہو؟

عالیار؟ "اس نے زیرِ لب دھرایا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنا پیارا، اتنا" خوبصورت اور اتنا نفیس نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس کے ذہین میں گھنٹیاں بج رہیں تھیں۔ ایک آہٹ۔ قدموں کی چاپ۔ وہ بے اختیار پلٹی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چوکھٹ سے وہ نمودار ہوا۔ وہ سانس تک نہ لے سکی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ ایک پل کو وقت تھم گیا، ہر چیز تھم گئی۔ وہ خود بھی تھم گئی۔ ایسا لگتا تھا کسی نے پوری دنیا پاز کر دی ہو۔ ہر چیز رک گئی۔ اُس کی اپنی سانسیں، اُس کا دل، ہر شے جیسے جمود کا شکار ہو گئی۔ یہ حیدر تھا۔

وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ یادوں میں اُسے دیکھتی آئی تھی۔ مغرور شخصیت، بھورے بال اپنے مخصوص انداز میں چہرے کی ایک جانب سمٹے ہوئے، بے عیب اور روشن جلد، آنکھیں جو اپنی مدھم بھوری رنگت کے باعث چمک رکھتی تھیں۔

حیدر کا چہرہ بے عیب تھا، یہ حسن اُسے اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا۔ لیکن اُس کی شخصیت کی کشش اُس کے چہرے سے کہیں زیادہ تھی۔ اس کا چہرہ خوبصورتی اور کشش کا

وہ امتزاج تھا جو اپنی کاملیت میں تقریباً توہین آمیز تھا۔ ایسے چہرے کو صرف خوبصورت ہی کہا جا سکتا تھا۔

کالا اور سفید رنگ اس کی شخصیت کا حصہ تھا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا، سفید شرٹ کے کالر کوٹ سے جھلک رہے تھے، سیاہ ٹائی، سوٹ سے مکمل ہم آہنگی پیدا کر رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا تھا، جیسے اس کی شخصیت میں کوئی لرزش نہ ہو۔ وہ باوقار اور پرکشش تھا، باوجود اس کے کہ اس کا بائیاں بازو ابھی پٹی میں تھا۔

وہ ایسا شخص تھا جسے ہمیشہ مضبوط اور خود مختار بننے کی تربیت دی گئی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ شاذونادر ہی آتی تھی، اور اُس کی پیشانی ہمیشہ فکروں سے پاک رہتی تھی۔ وہ اپنے جذبات کو چھپانا جانتا تھا، خیالات کو دنیا سے پوشیدہ رکھنا اور کسی پر بھروسہ نہ کرنا اُس کی فطرت کا حصہ تھا۔ وہ جو چاہتا تھا، اُسے حاصل کرنے کے لیے جو بھی طریقے ضروری ہوتے تھے، وہ ان سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ سب اُس کی شخصیت کا حصہ تھا۔ مگر یہ پہلے والا حیدر تھا۔ یہ بیس والے حیدر کی شخصیت تھی۔ سامنے کھڑا حیدر مختلف نظر آرہا تھا۔ وہ حیدر نہیں تھا، وہ عالیار تھا۔

اس کی انکھیں۔ کاش وہ انہیں نہ دیکھتی۔ اس کی آنکھیں روح ہی گہرائی کو دکھاتی تھیں۔ اس کی نظریں بہت بھاری تھیں، آنکھیں بے حد گہری۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جسے وہ پہچاننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ جیت گئی ہو، جیسے اس نے اس کے دل میں گولی مار کر اسے چکنا چور کر دیا ہو، جیسے اس نے اسے مرنے کے

لیے چھوڑ دیا ہو، جبکہ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ حیدر اور عالیار میں فرق دیکھ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کیا بدل گیا ہے۔ اب وہ اپنے جذبات کو اس سے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

جو کچھ بھی اسے چاہیے ہوتا، اسے حاصل کرنے لیے جو بھی طریقے ضروری ہوتے تھے، وہ ان سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ یہ تمام باتیں اُس کی شخصیت میں صاف نظر آتی تھیں۔ مگر یہ پہلے والا حیدر تھا۔ یہ بیس والے حیدر کی شخصیت تھی۔ سامنے کھڑا حیدر اسے مختلف نظر آیا۔ وہ حیدر نہیں تھا، وہ عالیار تھا۔

اس کی انکھیں۔ کاش وہ انہیں نہ دیکھتی۔ اس کی آنکھیں روح ہی گہرائی کو دکھاتی تھیں۔ وہ نظریں بوجھل تھیں، ان میں ایسی گہرائی تھی جو دل کو چھو لیتی تھی۔۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جسے وہ پہچانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ جیت گئی ہو، جیسے وہ اسے گولی مار کر چکنا چور کر دیا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو، ے اس نے اسے اکیلا مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہو، جبکہ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اب وہ اس میں فرق دیکھ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کیا بدل گیا ہے۔ وہ اپنے جذبات کو اس سے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے، کہیں دور چلی جائے، مگر اس کی نظریں عالیار پر جمی رہیں۔ وہ اسے دیکھتی رہی، پڑھتی رہی۔

بیٹھ جاؤ۔ ''سپریم کمانڈر نے اپنے بیٹے سے کہا، اور اُس صوفے کی جانب اشارہ کیا جہاں '' وہ خود ابھی بیٹھا تھا۔

عالیار نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اُس نے عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کیا، کیونکہ اُس میں ہمت نہیں تھی۔ اُس کی نظریں عالیانہ کے چہرے سے ہوتی ہوئی اُس کی کمر پر بندھے ہوئے ہارنس پر ٹھہریں، پھر اُس کے گلے تک پہنچیں اور اس کی گردن پر موجود نشانوں پر رک گئیں۔ وہ نشان، جو غالباً اُس کے والد کی دی ہوئی اذیت کے نشان تھے۔

ایک پل کے لیے، اُس کا چہرہ بدل گیا، جیسے وہ کسی اور میں ڈھل گیا ہو، کسی ایسے شخص میں جسے وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ عالیار کے لیے ان نشانوں کو دیکھنا کس قدر مشکل تھا۔

وہ اسے دیکھے بغیر اس کے قریب سے گزرا۔ بہت قریب سے۔ اتنے قریب سے کہ وہ اس کی خوشبو کو اپنے اندر اترتا محسوس کر پائی۔ یہ دنیا کی سب سے اچھی خوشبو تھی جو اس نے کبھی سونگھی تھی۔ حیدر ہمیشہ یہی کلون استعمال کرتا تھا۔ ہمیشہ اس کے قریب ہونے پر وہ یہ خوشبو محسوس کرتی اور دل ہی دل میں اسے پسند کرتی، لیکن آج، اتنے وقت کے بعد، اس کی یہی خوشبو اتنا سکون دے سکتی ہے، یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

ایک پل کے لیے اس کا دل چاہا کہ وقت تھم جائے، ہر چیز رک جائے، اور وہ دوبارہ اس کی خوشبو کو محسوس کر سکے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا تو وہ پلٹی۔ حیدر سکندر کے برابر والی

کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب اس کی نظریں سیدھی عالیانہ کے چہرے پر تھیں۔ اور اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں، تم دونوں اتنی سخت سیکیورٹی میں سے کیسے بھاگے؟" سکندر" نے عالیانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے کافی تجسس تھا، لیکن میرے بیٹے کے منہ سے یہ تفصیلات نکالنا ناممکن تھا۔" وہ اُس" کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں خاموشی سے سوال چھپا تھا۔

"اب تم مجھے بتاؤ، تم کیسے بھاگی؟"

پہلی بار یا دوسری بار؟" عالیانہ نے کہا۔"

دو بار؟" وہ اتنے حیران تھے کہ انتہا نہیں۔ "تم دو بار بھاگنے میں کامیاب ہوئی؟"""
سکندر کھل کر ہنسا، ایک گونج دار ہنسی جس میں حیرانی اور دلچسپی دونوں جھلکتی تھیں۔

ناقابلِ یقین۔ دونوں بار۔ تم دونوں بار کیسے بھاگی؟" سپریم کمانڈر کی مسکراہٹ اب" غائب ہو چکی تھی، اور اُس کی نظروں میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ سختی بھی جھلک رہی تھی۔

عالیانہ حیران تھی کہ وہ وقت کیوں برباد کر رہا ہے، جبکہ باہر لوگ جنگ کے دھانے پر کھڑے ہیں۔ اس کا ذہن ارسل، داس، اور باقی تمام لوگوں کی طرف گیا جو اُس کے ساتھ

تھے۔ کاش وہ سردی میں مر نہ گئے ہوں۔ اُس نے سرد مہری سے بتایا کہ پہلی بار وہ کھڑکی سے کود گئی تھی اور دوسری بار اُس نے حیدر کو گولی ماردی تھی۔

تم نے اُسے گولی ماری؟ میرے بیٹے کو؟ عالیار کو؟" سپریم کمانڈر کے چہرے پر" مسکراہٹ کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

عالیانہ نے عالیار کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں اب بھی مضبوطی سے اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، اور اس کا چہرہ کسی بھی جذباتی حرکت سے خالی تھا۔ وہ عالیار کے خیالات نہیں پڑھ سکتی تھی، لیکن اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ کچھ بولے۔ اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ اس سے بات کرے۔

اس کا دل چاہا کہ عالیار اسے بتائے کہ وہ کیا محسوس کر رہا ہے۔ اسے کہے کہ اسے دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی ہے۔ وہ اسے بتائے کہ وہ کتنی دیر تکلیف میں، بے یار و مددگار پڑا رہا۔ اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ اسے مسکراتی ہوئی آنکھوں سے دیکھے، جیسے وہ پہلے اسے دیکھا کرتا تھا، اور اس کا نام اسی انداز میں پکارے جیسے پہلے پکارا کرتا تھا۔ مگر سامنے بیٹھا شخص حیدر نہیں تھا۔ وہ عالیار تھا۔ اور وہ عالیار کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔

شاید اب وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔ "اسی لیے اس" نے اپنے باپ کو مجھے مارنے سے روکا، تاکہ وہ اپنے ہاتھوں سے مجھے مار سکے، مجھے تڑپا تڑپا کر "ختم کر سکے۔

ہاں، میں نے اُسے گولی ماری۔" عالیانہ نے سیدھے اُس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے" جواب دیا۔ عالیار کے چہرے پر اچانک تناؤ کی ایک گہری چھاپ ابھری۔ اُس کی نظریں ڈگمگا گئیں اور وہ نظریں جھکا کر اپنے گود میں پڑے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ وہ ہاتھ جو وہ اتنی شدت سے دبا رہا تھا جیسے اُن ہاتھوں نے اُس گولی کو خود نکالا ہو۔

سپریم کمانڈر نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، اپنی ٹھوڑی کو رگڑا۔ یہ پہلا موقع تھا جب عالیانہ نے اُسے بے چین دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی عالیار نے اپنے باپ کو کیوں نہیں بتایا کہ اس نے اسے گولی ماری۔

"کیا تمہیں اس پر پچھتاوا ہے؟"

یہ سوال جیسے ایک گہرے سکوت کو چیرتا ہوا آیا تھا۔ وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھی، اس کی آنکھوں میں حیرت کا شائبہ عیاں ہو گیا۔ اس نے عالیار کی طرف دیکھا، جواب اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک سوال، ایک جواب کی جستجو۔

کہتے ہیں انسان کی آدھی اذیت اسی لمحے کم ہو جاتی ہے جب اذیت دینے والا پچھتاتا ہوا نظر آئے۔ لیکن اس لمحے عالیانہ کو یہ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ یہ سوال وہ خود سے بھی کئی بار کر چکی تھی، لیکن ہر بار اس کے لبوں کو خاموشی کی مہریں بند کر دیتیں۔

کچھ پل یونہی گزر گئے۔ وہ یہ سوال خود سے بھی بارہا کر چکی تھی، لیکن کبھی کوئی جواب نہ ملا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے لبوں کو جنبش دینے ہی والی تھی کہ عالیار کی گہری نظریں اس کے دل میں اتر گئیں۔ پلک جھپکائے بغیر وہ اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

"نہیں۔"

ایک مختصر لیکن کاٹ دار لفظ۔ عالیانہ نے سرد مہری سے کہا اور اپنا چہرہ سیدھا کر کے عالیار کی آنکھوں میں دیکھا۔

یہ وہ لمحہ تھا جب سامنے بیٹھے عالیار نے محسوس کیا کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل رہی ہے۔ وہ اس کے الفاظ کی شدت سے لرز گیا۔ اس کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔ ایک لفظ، چار بے رحم حروف، دل میں چھبتا ہوا تیر۔ یہ وہ جواب تھا جس نے عالیار کے وجود کو لرزا کر رکھ دیا۔

نہیں، مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے جو میں نے کیا۔ میں بالکل بھی معذرت خواہ" "نہیں ہوں۔

عالیار کو لگا کہ اس کا دل کرچی کرچی ہو رہا ہے، اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کا عکس عالیانہ اس کی آنکھوں میں صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ یہ بھی دیکھ سکتی تھی کہ وہ کتنی مشکل سے خود کو سنبھالے بیٹھا ہے۔ ان الفاظ کا بوجھ اس کے سینے کو چیر رہا تھا۔

اگر مجھے دوبارہ موقع ملا، تو اس بار میں یہ کام بہتر طریقے سے کروں گی۔ میں حیدر کو" "سیدھا دل میں گولی ماروں گی۔ اور ہاں، مجھے اس میں مزہ آئے گا۔

یہ الفاظ کسی برف کی سل کی مانند اس پر گرے، اور اس کے اندر کی حرارت کو جلا کر بھسم کر گئے۔ عالیار کو اپنے دل کے ہزار ٹکڑے بکھرتے محسوس ہوئے۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتی تھی کہ اس کا دل کس قدر ٹوٹ چکا ہے۔ اس کے ضبط کا بوجھ اس کے چہرے پر عیاں تھا۔

اس نے اپنی بے حسی کو قائم رکھتے ہوئے عالیار کی جانب ایک آخری نگاہ ڈالی اور پھر نگاہیں سکندر کی جانب پھیر لیں۔ کچھ پل کے لیے کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی، جیسے ہر چیز رک گئی ہو، اور صرف سانسوں کی مدھم گونج باقی رہ گئی ہو۔

میں تمہیں مارنا چاہتا تھا۔" سکندر کی بھاری آواز نے خاموشی توڑی۔ سکندر نے گہری" سانس لی، پھر اپنے بیٹے کی طرف ناراضگی بھری نظروں سے دیکھا۔ "میرا بیٹا میرے پاس آیا اور تمہاری زندگی کی بھیک مانگی۔" اس نے ایک لمحے کے لیے عالیانہ کو دیکھا، پھر دوبارہ اپنے بیٹے کی طرف نفرت بھری نظر ڈالی۔ "جانتی ہو، میں نے کیا کہا؟" وہ لمحے بھر کو رکا۔

بالکل نہیں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہی وہ بیوقوفی ہے جو" وہ کرے گا۔ وہی غلطی جو یہ ہمیشہ کرتا ہے، اپنے جذبات کو اپنے فرض کے راستے میں آنے دیتا ہے۔ یہ شرمناک ہے۔" سکندر نے حقارت سے عالیار کی طرف تھوکنے والے انداز میں کہا۔

اسی لیے، جتنا میں تمہیں زندہ چھوڑنا چاہتا ہوں، اتنا ہی مجھے ڈر ہے کہ تم اس کی زندگی" میں مزید مسائل پیدا کر سکتی ہو۔ میں اسے اُس شخص کی حفاظت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا جس نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی ہو۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ مجھے یہ گفتگو بھی کرنی پڑ رہی ہے۔"اُس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔"اس نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ کتنی شرمندگی کا باعث ہے۔" پھر وہ کھڑے ہوئے، قدم اٹھاتے عالیانہ کے عین سامنے کھڑے ہوئے، کچھ سوچا پھر

اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا، ایک بندوق نکالی، اور عالیانہ کی پیشانی پر تان لی۔

پھر، جیسے اُس کا ارادہ بدل گیا ہو، اُس نے بندوق نیچے کی اور عالیار کی طرف بڑھا۔"میں تمہارے پھیلائے ہوئے گند کو صاف کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔"اُس نے عالیار کا بازو پکڑ کر اُسے زبردستی صوفے سے کھینچا اور عالیانہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر بندوق اُس کے داہنے ہاتھ میں تھما دی۔

گولی چلا دو۔"اس نے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا۔"

عالیار ایک انچ بھی نہ ہلا۔ اگر اُس کا باپ اُسے خود کو مارنے کا حکم دیتا، تو وہ شکر گزار ہو کر فوراً ٹریگر دبا دیتا، لیکن عالیانہ پر گولی چلانا؟ یہ اُس کے لیے ناممکن تھا۔

عالیار کی نظریں اُس پر جمی ہوئیں تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں جذبات کا ایک طوفان تھا، لیکن چہرہ بے تاثر۔ پھر، اچانک، اُس نے بندوق کا رخ عالیانہ کے چہرے کی طرف کر دیا۔ عالیانہ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن چھا گئی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ایسالگ رہا تھا جیسے عالیار اُس سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو، جیسے وہ اُسے کوئی پیغام دینا چاہ رہا ہو۔

"جلدی کرو۔" سکندر نے بے صبری سے کہا۔ "جتنا جلدی تم یہ کرو گے، اتنا ہی جلدی تم اس سب سے آگے بڑھ جاؤ گے۔ اب اسے ختم کرو۔" لیکن عالیار نے سر جھکالیا، ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر پلٹ کر بندوق کا رخ اپنے باپ کی جانب پھیر لیا۔ سکندر کو جیسے یقین نہ آیا۔ اُس نے بیزاری اور جھنجھلاہٹ سے اپنے بیٹے کو دیکھا، پھر اپنی جیب سے ایک اور بندوق نکالی۔ باپ اور بیٹا دونوں ایک دوسرے کو بندوق کے نشانے پر لیے کھڑے تھے۔

" بندوق صحیح سمت میں رکھو، عالیار۔"

مجھے اُسے مارنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" عالیار نے سخت لہجے میں کہا۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر میں یہ کام کر دیتا ہوں۔"

اگر آپ نے اُسے مارا، تو میں..." عالیار نے اپنی بندوق اپنے باپ کے چہرے سے ہٹائی" اور اپنی کنپٹی پر رکھ لی۔

میں ابھی خود کو مار ڈالوں گا، اور آپ کے تمام مسئلے ختم ہو جائیں گے۔" عالیانہ کے دل" کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ بے یقینی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے لیے، وہ اپنے باپ کے خلاف کھڑا تھا۔ اُس کے لیے، وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہا تھا۔

سکندر نے توقع کے برعکس مسکرادیا، اور اگلے ہی لمحے اُس کی مسکراہٹ قہقہے میں بدلی اور انہوں نے بندوق نیچے کرلی۔ اس کو یقین نہیں آرہا تھا۔ کوئی اپنے ہی بیٹے کو ایسی حالت میں دیکھ کر کیسے ہنس سکتا ہے؟

کیا بات ہے؟ کیا یہ تمہیں بہادر محسوس کراتی ہے، بیٹے؟" سکندر نے طنزیہ انداز میں " "کہا۔" کیا یہ تمہیں طاقتور محسوس کراتی ہے؟

عالیار خاموش رہا، بندوق اب بھی اسکی کنپٹی پر تھی۔

کیا یہ تمہیں خواب دکھاتی ہے کہ تم ایک بہتر انسان بن سکتے ہو؟" سکندر نے حقارت " سے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا اُس نے تمہارے دماغ میں کوئی خواب بھر دیے ہیں؟" پھر اُس کی ہنسی سختی میں بدل گئی۔

اگر تم واقعی مرنا چاہتے ہو، تو تم مر سکتے ہو، لیکن یہ مت سوچو کہ تمہاری موت مجھے " "متاثر کرے گی۔

سکندر نے گہری سانس لی، پھر نفرت سے عالیار کی جانب دیکھا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ ایک کمزور، بزدل لڑکی کے لیے، جو اپنی جان بچانے کے لیے بھی خود کا دفاع نہیں کرسکتی۔ یہ ہے وہ بے وقوف لڑکی، جس کے پیار میں تم گرفتار ہو گئے ہو۔" اس "نے ایک سرد، حقارت بھری سانس لی۔" مجھے حیرت کیوں ہو رہی ہے؟

عالیار کے سانس لینے میں نئی سختی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بندوق کی گرفت میں نئی سختی۔ یہ وہ واحد نشانیاں تھیں کہ وہ اپنے والد کے الفاظ سے کسی حد تک متاثر ہو رہا تھا۔

کتنی بار تم نے مجھے خود کو مارنے کی دھمکی دی ہے؟ کتنی بار میں نے تمہیں ایسا کرنے کی" کوشش کرتے دیکھا ہے؟" سکندر نے سر جھکایا، جیسے۔

پانچ بار؟ شاید دس بار؟ مجھے تو گنتی بھی یاد نہیں۔"اس نے عالیار کی طرف نفرت سے" "دیکھا اور ایک زہریلی مسکراہٹ دی۔ "اور کتنی بار تم کامیاب ہوئے؟ کتنی بار؟

اس کی آواز اچانک بلند ہو گئی۔"کتنی بار تم نے دیکھا کہ مجھے کوئی فرق پڑا؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے اس بار فرق پڑے گا؟"اس کی آواز برف کی طرح سرد تھی۔عالیار کی بھوری آنکھیں غم و غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ان میں نفرت تھی، دکھ تھا، غصہ تھا۔اذیت تھی، کرب تھا۔

تمہارا انجام ہمیشہ ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔"سکندر نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔"تم" "...روتے ہو، معافی مانگتے ہو، اور میرے قدموں میں آ گرتے ہو، جیسے کوئی بزدل

چپ ہو جائیں"اس نے سرد آواز میں کہا، اُس کی آواز اتنی نیچی اور اتنی ہموار تھی یہ منظر خوفناک تھا۔

تم کمزور ہو، اپنے جذبات کے غلام ہو۔ تمہارے پاس اپنی بات سچ کرنے کی ہمت" نہیں ہے۔"وہ دو قدم قریب آیا۔عالیار نے کنپٹی پر رکھی بندوق پر گرفت مزید مضبوط کی۔اس کا چہرا خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔"کیا واقعی تم میں خود کو مارنے کی جرات "ہے؟

گولی چلاؤ۔"سکندر عین اس کے چہرے کے سامنے کھڑے تھے۔"میں نے کہا، خود کو گولی مارو!" وہ چیخا۔ اور اگلے ہی پل اس نے عالیار کے زخمی بازو کو پکڑتے ہوئے، اپنی انگلیاں اس کے زخم پر گاڑیں اور اُس کا بازو اتنی زور سے پیچھے جو کو موڑا، کہ عالیار درد سے دبی آواز میں کراہا، تیزی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے، اندر اٹھنے والی چیخ کو دبانے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے، اُس کے ہاتھ میں پکڑی بندوق کی گرفت میں تھوڑی سی لرزش آئی۔ سکندر نے مزید زور سے اس کے زخم کو دبایا، اس بار اس کا داہنا ہاتھ بے اختیار اس کے پہلو میں گرا۔ وہ خود کو کراہنے سے نہ روک پایا، خود کو کمزور دکھانے سے نہ روک پایا۔ درد اتنا شدید تھا کہ عالیانہ نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں لہراتی ہلکی نمی دیکھی۔

پھر سکندر نے عالیار کو چھوڑا اور اُس کو اتنی زور سے پیچھے دھکیلا کہ وہ عالیانہ کی جانب لڑکھڑایا۔ اسی ایک پل میں جب وہ عالیانہ کی طرف لڑکھڑایا، اسی ایک لمحے میں اس نے کچھ ایسا کیا جو شاید اس نے شروع سے ہی سوچا ہوا تھا، کچھ ایسا جو غصے میں کھڑا اس کا باپ تک بھی نہ دیکھ پایا۔ وہ توازن بحال کرتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

کتنی باتیں، کتنی باتیں اور کبھی عمل نہیں۔ تم ہمیشہ مجھے شرمندہ کرتے ہو۔"وہ ایک" قدم اس کے قریب آئے۔ اس کے چہرا اب بھی بے تاثر تھا۔ وہ بے خوف ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

پھر سکندر نے اس کے چہرے پر ایک زناٹے دار م تھپڑ دے مارا۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ وہ توازن کھو کر لمحہ بھر کے لیے لڑکھڑایا۔ خون بہنے کی وجہ سے وہ پہلے ہی کمزور تھا، پھر بھی اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا۔ وہ درد برداشت کرتا ہوا، ہونٹ سختی سے بند کیے، م پلکیں جھپکاتے ہوئے، اپنے والد کو گھورتا رہا۔

اس کے چہرے پر کوئی نشان نہ تھا کہ، سوائے، اور پیشانی کے ایک حصے پر
ابھرے سرخ نشان کے جو ابھی سکندر کے تھپڑ سے پڑا تھا۔ اس کے زخمی بازو کی پٹیاں خون سے بھیگ چکی تھیں، اور وہ اتنا بیمار دکھائی دے رہا تھا کہ بمشکل کھڑا تھا۔ پھر بھی، اس نے زبان نہ کھولی۔ "کیا تم دوبارہ مجھے دھمکی دینے کی جرات کرو گے؟" سکندر نے غصے سے پوچھا اور اگلے ہی لمحے سکندر نے ایک اور زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر دھرا۔ اس بار وہ لڑکھڑایا نہیں، اس کا چہرہ چاک کی طرح سفید ہو چکا تھا، وہ اب بھی خاموش کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا کہ عالیار کے زخم سے خون رس کر اس کی ہتھیلی کے راستے زمین پر نشان بنا رہا تھا۔ وہ اتنی شدید تکلیف میں تھا کہ کسی بھی لمحے گر سکتا تھا، لیکن وہ اپنی جگہ پر جما رہا۔

اس کی خاموشی کمرے میں گونج رہی تھی، ایسی خاموشی جو کسی بھی چیخ یا طعن سے زیادہ اثر رکھتی تھی۔

سکندر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ عالیار کی طرف دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے پستول اس کی پیشانی پر رکھ دی۔ پستول کی ٹھنڈی دھات اس کے ماتھے پر دباتے ہوئے وہ

زہریلے انداز میں بولے۔ "کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ تم اپنی اُس کی حفاظت کر سکو گے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری یہ دلدادگی اپنی محنت، اپنے خواب اور اپنی کامیابیوں کے راستے میں آنے دوں گا؟"

عالیار کے چہرے کی سفیدی موت جیسی لگ رہی تھی۔ سکندر کو نہ تو اس کے چہرے کی سفیدی کی پرواہ تھی، نہ اس اذیت کی جو وہ اسے دے رہا تھا، وہ اذیت جو اسی نے اس پر مسلط کی تھی۔ یہ سوچ ناقابل فہم تھی کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ کیا میں نے تمہیں کچھ نہیں سکھایا؟" وہ غصے سے چیخا۔ "کیا تم نے مجھ سے کچھ نہیں سیکھا؟"

وہ غصے میں پوری طرح عالیار کی جانب متوجہ تھا، جب عالیانہ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، عالیار کی دی ہوئی بندوق کو تھاما، جو لڑکھڑانے کے دوران اس نے بہت مہارت سے اپنے فٹ ہولسٹر سے نکال کر اسے تب پکڑائی تھی، جب سکندر عالیار پر غصہ نکال رہا تھا، اور غصے میں وہ اس کی ایک غیر ارادی حرکت نوٹس نہیں کر سکا۔ وہ اشارہ جو عالیار اسے دے رہا تھا، وہ یہی تھا کہ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ اسے تسلی دینے کا اشارہ تھا۔ تحفظ کا وعدہ۔ ایک خاموش یقین دہانی۔

عالیانہ تیزی سے اٹھی، بندوق داس کے بتائے گئے طریقے سے ہاتھ میں تھامی اور اگلے ہی لمحے بندوق کا پچھلا حصہ سکندر کے سر پر ٹھیک ویسے ہی دے مارا، جیسے تربیت کے دوران داس نے اسے سکھایا تھا۔ وہ اس اچانک، غیر متوقع حملے لیے تیار نہیں تھا، اچانک

حملے پر وہ سنبھل نہ پایا اور عالیار کی پیشانی پر رکھی بندوق والا ہاتھ اس کے پہلو میں گر گیا۔ ایک سیکنڈ کا انتظار کیئے بغیر عالیانہ نے اس کے گھٹنے کے پیچھے ٹھوکر ماری اور دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھ میں تھامی بندوق کو تھام لیا۔

سکندر بے اختیار کراہا۔ عالیانہ نے عالیار کو دیکھا، عالیار نے عالیانہ کو۔ ایک پل کے لیے دونوں کی نظریں ملیں۔ اس کی ساری ہمت ختم جواب دے گئی اور اگلے ہی پل عالیار گھٹنوں کے بل زمین پر گرا، اس کی ٹانگوں سے جیسے جان نکل گئی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک اطمینانیت تھی، ایک فاتحانہ اطمینانیت کہ وہ اب محفوظ ہے۔ ایک پل کے لیے اس کی آنکھیں مسکرائیں اور اگلے ہی لمحے وہ گھٹنوں پر بھی نہ بیٹھ سکا اور زمین پر گر گیا۔

حیدر!" عالیانہ نے بے اختیار اس کی طرف قدم بڑھایا، لیکن رک گئی۔"

ایک بار پہلے بھی اس نے اسے زمین پر ایسے ہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، آج بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ پہلے بھی وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھا، آج بھی وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھا۔ آج بھی وہ مدد کی بجائے اپنی نفرت کو ترجیح دے رہی تھی۔

سکندر زمین پر کھانس رہا تھا، سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا، کچھ بولنے کی جستجو کر رہا تھا، اپنی حفاظت کے لیے کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ اس کے درد کو دیکھ کر محظوظ ہو رہی تھی۔ نفرت کا بادل اس کے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھا، ایک خالص اور بے ملاوٹ نفرت اس شخص کے لیے اور اس کے کیے گئے سب کچھ کے لیے۔ اس نے پستول کا وزن

اپنے ہاتھوں میں محسوس کیا۔ اپنی انگلی ٹریگر پر رکھی اور نشانے کی تربیت کے تمام اصول یاد کرنے کی کوشش کی۔ داس نے اسے سکھایا تھا کہ اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو مستحکم رکھے، اور شوٹ کے جھٹکے کے لیے تیار رہے، اس نے اپنا سر جھکایا۔ سکندر کے جسم کے حصے شمار کیے۔

تم..." سکندر نے بمشکل ہانپتے ہوئے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ عالیانہ نے سیدھا اس" کی ٹانگ میں گولی ماری۔

وہ چیخ رہا تھا۔ شاید وہ چیخ رہا تھا۔ اسے حقیقت میں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے کان ایسے محسوس ہو رہے تھے جیسے سن ہو چکے ہیں، جیسے کوئی اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا شاید کوئی اس پر چیخ رہا ہو، لیکن سب کچھ دھندلا تھا اور اس کے پاس ابھی بہت کچھ تھا جس پر وہ توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ وہ پس منظر میں ہونے والی پریشان کن باتوں پر دھیان نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں اس ہتھیار کی گونج محسوس ہو رہی تھی۔ وہ صرف بندوق کی گونج اپنے سر میں سن رہی تھی۔

اس نے اس کے بازو میں گولی مار دی۔

اتنی زیادہ چیخیں۔

وہ اس کی آنکھوں میں دہشت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ خون اس کے قیمتی کپڑوں کو خراب کر رہا تھا۔ اس کے لیے وہ صرف ایک بے وقوف لڑکی تھی۔ ایک بے وقوف خوبصورت لڑکی، جو اتنی بزدل ہے، کہ اپنے آپ کا دفاع نہیں کر سکتی اور، وہ اسے اپنا

پالتو رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے سینے کا نشانہ لیا۔ ایک بار پہلے بھی اس نے یہ کیا تھا۔ دل کہاں ہوتا ہے، یاد کرنے کی کوشش کی۔ پہلے بھی اس نے ایسا کیا تھا۔

دور کہیں ایک دھماکہ ہوا۔ شیشے ٹوٹنے کی آواز آئی اور اسی لمحے جب اس نے گولی چلائی، کسی نے اسے پیچھے کھینچا۔ گولی سکندر کے سر کے پیچھے کھڑکی پر جا لگی۔ داس اسے زور سے ہلا رہا تھا، اتنی شدت سے کہ اس کا سر آگے پیچھے جھٹکنے لگا۔ وہ اس پر چلا رہا تھا، اسے کہہ رہا تھا کہ ہمیں یہاں سے جانا ہو گا، کہ اسے بندوق چھوڑنی ہو گی۔ داس تیزی سے سانس لے رہا تھا، اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

مجھے تمہیں یہاں سے لے جانا ہو گا عالیانہ! تم میری بات سمجھ رہی ہو؟ ہمیں ابھی" یہاں سے پیچھے ہٹنا ہو گا۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی، داس جیسے اسے جھنجھوڑ کر حواسوں میں لا رہا تھا۔

نہیں، داس! مجھے اسے مارنا ہے۔ مجھے اس کی موت کو یقینی بنانا ہے،" عالیانہ نے ہمت" بھر کر کہا، مگر اس کی آواز میں غصے کے ساتھ ساتھ ایک گہری بے چینی بھی تھی۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی، بس تمہیں یہ کرنا ہو گا۔" داس نے فوراً ردعمل ظاہر کیا، اور وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ ٹوٹنے کے قریب ہو، جیسے اُس نے عالیانہ کے چہرے پر کچھ ایسا دیکھا ہو جسے وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

ہم اسے ابھی نہیں مار سکتے، یہ بہت جلدی ہے، سمجھ رہی ہو؟" داس کی آواز میں" اضطراب اور پریشانی تھی، لیکن عالیانہ اس کی بات کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ اس کے ہاتھ کی طرف بڑھا اور بندوق کو اس کی انگلیوں سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا، جو ہینڈل کے گرد اتنی مضبوطی سے لپیٹی ہوئی تھی کہ عالیانہ کو خود بھی اس کا احساس نہیں تھا۔ وہ پلکیں جھپک رہی تھی، اور اس کی حالت میں الجھن اور مایوسی کا احساس تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا، اپنے خون سے لتھڑے سوٹ کو دیکھا، اور چند لمحوں کے لیے اسے سمجھ نہیں آیا کہ یہ سارا خون کہاں سے آیا۔

اس نے سکندر کی طرف دیکھا، جس کی آنکھیں اب تقریباً سر کے اندر جا چکی تھیں۔ داس اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔ پھر اس نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "میرے خیال میں یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔" عالیانہ کا جسم اتنی شدت سے کانپنے لگا کہ وہ بمشکل کھڑی رہ سکی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اور اس کا دماغ جیسے پھٹنے والا تھا۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بے اختیار پیچھے ہٹی، کسی دیوار کو پکڑنے کے لیے، کوئی ٹھوس چیز کے لیے جسے وہ تھام سکے، اور پھر داس نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ وہ اس کے گلے لگ گئی، جیسے کوئی بہن اپنے بھائی کو گلے لگاتی ہے جب وہ اسے تحفظ کا احساس دلاتا ہے، جب وہ کہتا ہے کہ "میں تمہیں بچا لوں گا۔" وہ ایک ہاتھ سے مضبوطی سے اسے تھامے ہوئے تھا، اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سر کو سہلا رہا تھا۔ عالیانہ کو لگا کہ رو دے گی، لیکن کسی وجہ سے وہ نہیں رو سکی، صرف خاموش آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے۔ حیدر!" عالیانہ نے ہانپتے ہوئے اسے پکارا، اور داس کے حصار سے

نکلتے ہوئے، آنکھیں اٹھا کر داس کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے چین تھیں۔ "وہ کہاں ہے؟"

وہ بے ہوش تھا، فرش پر گرا ہوا۔ عالیانہ نے اسے دیکھا اور دوبارہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ خود بھی ان آنسوؤں کی وجہ نہیں جانتی تھی۔

میں نے حیدر کا بندوبست کر دیا ہے۔" داس نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔"

ہمیں یہاں سے جانا ہو گا۔" داس نے اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے لیے نایاب تھی۔ داس کے لیے عالیانہ نایاب تھی۔ اس نے داس کے کندھے پر چہرا ٹکا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گرم گرم آنسوؤں کو اس کے کندھے پر بہنے دیا۔ داس نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا، اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا، اور ہاتھوں کی پیالی سے اس کے چہرے کو تھاما۔ "سب ٹھیک ہے ، شہزادی۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ مجھے تمہیں بچانا ہے۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا، ٹھیک ہے؟ ہمیں بھاگنا پڑے گا۔ اگر ہم یہاں سے نہیں نکلتے ہم سب کا بچنا ممکن نہیں ہو گا۔ ٹھیک ہے۔" اس نے آنسوؤں سے نم آنکھیں اٹھا کر داس کی آنکھوں میں دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

اچانک، سب کچھ ایک ساتھ اُس پر گرا۔ وہ تمام وجوہات جن کی وجہ سے انہیں یہاں ہونا تھا، وہ سب کچھ جو انہوں نے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ حقیقت جو اس نے کی

اور جو وہ کرنے والی تھی۔ "داس!" وہ کپکپاتے ہوئے بولی۔ "داس! ارسل کہاں ہے؟

"کیا ہوا؟ یرغمالی کہاں ہیں؟ سب کچھ ٹھیک ہے؟

ارسل ٹھیک ہے۔" داس نے اسے یقین دلایا۔ "ہم نے پچھلے دروازے سے اندر جا" کر سیم کو ڈھونڈ لیا ہے۔" اس نے باورچی خانے کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ بہت بری "حالت میں ہے، مگر ارسل اُسے باہر لے جا رہا ہے، اُسے جگانے کی کوشش کر رہا ہے۔

باقی لوگ؟

دھان؟ اور اشعل؟" عالیانہ نے فکرمندی سے پوچھا۔ "

داس نے سر ہلایا۔ "مجھے نہیں معلوم۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہم انہیں واپس حاصل کر "لیں گے۔

"کیسے؟"

"داس نے حیدر کی جانب اشارہ کیا۔ "ہم اسے یرغمال بنالیں گے۔

"کیا؟"

یہ ہماری بہترین شرط ہوگی، ایک اور سودا۔ اس کے علاوہ، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" تم اس کے ہتھیار لے لو، اور پھر یہ بے ضرر ہے۔" وہ حیدر کے بے حس و حرکت جسم کی طرف بڑھا، اپنے بوٹ کی نوک سے اسے دھکیلا، پھر اس کے جسم کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ اس کا زخمی بازو مکمل طور پر خون میں ڈوبا ہوا تھا۔

"!چلو"

یہاں سے نکلنا ہو گا، باہر خالات خراب ہیں، ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس"
"سے پہلے کہ وہ اس گلی میں داخل ہو جائیں ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔

"کیا؟ کیا مطلب؟"

داس نے اسے دیکھا، اس کے چہرے پر بے یقینی تھی۔ "جنگ، شہزادی۔ وہ سب باہر
"مرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔

لیکن سکندر نے کال نہیں کی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے اشارے کا انتظار کر رہے"
"ہیں۔

"نہیں، سکندر نے کال نہیں کی۔ کیسر نے کی۔"

اوہ خدا۔ "اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"عالیانہ!" اتنے میں ارسل بھاگتا ہوا آیا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

چلو یہاں سے!" داس نے آخری بار چیخ کر کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ ایک جذباتی لمحہ"
"! ہے، لیکن ہمیں پیچھے سے نکلنا ہو گا۔ ہم پکڑیں جائیں گے ارسل
لیکن داس رک گیا۔

اس کی نظریں نیچے گئیں۔ ارسل ایک دم لڑکھڑایا، اور اگلے ہی لمحے وہ گھٹنوں کے بل
زمین پر گر گیا۔ درد، تکلیف اور حیرت کے تاثرات اس کے چہرے کی ہر لکیر پر نمایاں

تھے۔اس کی پیشانی پسینے سے بھیگی ہوئی تھی،اور چہرے کی رنگت زرد تھی۔ جسم میں بے بسی اور تھکاوٹ کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں۔عالیانہ اسے ہلانے کی کوشش کر رہی تھی، پوچھ رہی تھی کہ کیا ہوا، لیکن وہ حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔وہ زمین پر جم چکا تھا، ابھی کچھ لمحے پہلے تک بالکل درست تھا، اور اب اس کے جسم میں بے بسی کی لہر تھی۔عالیانہ اس سے منت کر رہی تھی کہ وہ اس سے بات کرے، اسے بتائے کہ کیا ہوا، لیکن ارسل جیسے سننے کے قابل ہی نہیں تھا۔اس کی آنکھوں میں جیسے دنیا پلٹ گئی ہو، جیسے سب کچھ ختم ہو چکا ہو، اور کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔آخرکار، اس نے اپنے لبوں کو ہلایا، اس کے لبوں سے الفاظ نکلے۔

میرا باپ۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔" یہ آدمی میرا باپ ہے۔" وہ بمشکل لفظوں کو جوڑ" کر کہہ رہا تھا۔اس نے میز کا کنارہ پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کی، مگر وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔"شٹ، "شٹ، شٹ۔

داس نے گہری سانس لی، اپنی آنکھیں بند کیں، پھر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا، اور عالیانہ پہلے ہی اس کے پاس بیٹھی تھی۔داس نے حیدر کو ایک طرف سہارا دے کر بٹھایا، اور پھر پنجوں کے بل ارسل کے سامنے بیٹھا۔" ارسل یار، میں جانتا ہوں، تمہیں تکلیف ہو رہی ہے، لیکن ہمیں یہاں سے نکلنا ہو گا۔ٹھیک ہے؟ تم نے اس سے زیادہ تکلیفیں برداشت کی ہیں، یاد ہے؟ تم بہت بہادر ہو، تم نے اتنی تکلیف میں بھی ہماری مدد کی، تم ہمیں یہاں تک لائے، تم پیچھے نہیں ہٹے، حالانکہ تمہارے پاس پیچھے ہٹنے کی وجوہات

تھیں۔ تم نے سیم کی جان بچائی، تم بہت بہادر ہو۔ ہمت کرو، اٹھو۔ میں تم دونوں کے بغیر یہاں سے نہیں نکلوں گا، ہم اکٹھے آئے تھے، اکٹھے جائیں گے۔ اگر مرنا پڑا، تو اکٹھے مریں گے۔" داس کی آنکھوں میں شاید نمی تھی، ارسل کی گالوں سے آنسو بہہ کر داس کے دامن میں گر رہے تھے۔ پھر وہ اٹھا، درد کے خلاف، تکلیف کے خلاف۔

دور کہیں ایک زوردار دھماکہ ہوا، جس نے زمین، کھڑکیاں، اور گھر کے دروازوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ داس نے حیدر کو کندھوں پر اٹھایا، اور وہ تینوں پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اب وہ تینوں انہی زیر زمین غیر قانونی راستوں پر تھے، جہاں سے وہ آئے تھے۔

داس نے انہیں ایک محفوظ مقام پر بٹھایا، "تم لوگ یہی رہو، فوجی اوپر لڑ رہے ہیں، ان میں سے کوئی یہاں نہیں آئے گا۔ سپریم کمانڈر زخمی ہے اور سیکٹر کمانڈر غائب ہے، جب انہیں یہ پتہ چلے گا تو فوجیوں میں خوف پھیلے گا، اور وہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ مجھے کیسر کو اشارہ دینا ہے کہ سب ٹھیک ہے، تاکہ وہ اپنے لوگوں کو پیچھے بلا لے، اور ایلفا پوائنٹ کی جانب بڑھے۔ ہم محفوظ ہیں، حیدر ہمارے ساتھ ہے۔"

ارسل دیوار سے ٹیک لگائے لمبے سانس لے رہا تھا۔ عالیانہ نے داس کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا، اور پھر داس چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

داس کسی طرح سے کیسر کو گرین فلیگ دکھا چکا تھا۔ سپریم کے سپاہی واپس ہٹ رہے تھے، یقیناً انہوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ ہر طرف گہما گہمی کا ماحول تھا، خوف کی لہر تھی، اور

ایلفا پوائنٹ کے تمام لوگ گروپوں کی شکل میں واپس اپنی اپنی خفیہ پناہ گاہوں سے پوائنٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ داس نے ارسل کو ٹینک تک پہنچایا اور خود بھی سوار ہونے ہی والا تھا، جب اچانک اس نے پیچھے مڑ کر عالیانہ کو دیکھا، جو تھک چکی تھی اور اس کی رفتار سست پڑ چکی تھی۔

داس پلٹ کر دوڑتا ہوا عالیانہ کی جانب واپس آیا۔ عالیانہ اسے نہ آنے کا کہہ رہی تھی، لیکن داس نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ اس تک آیا، اس کا ہاتھ پکڑا اور دونوں دوڑتے ہوئے ٹینک کی جانب بڑھنے لگے۔ وہ تینوں اپنے گروپ کے آخری لوگ تھے جو پیچھے رہ گئے تھے، باقی سب ایلفا پوائنٹ کی جانب بڑھ چکے تھے۔

تم ٹھیک ہو؟" داس نے پھولی سانس کے ساتھ پوچھا۔"

عالیانہ نے سر ہلایا۔ اس نے سوچا کہ داس کتنا طاقتور ہے، ابھی تک وہ اتنا پرجوش ہے، ابھی تک وہ تھکا نہیں ہے، اور ابھی تک اس نے ہمت نہیں ہاری۔ پہلی بار اسے یہ احساس ہوا کہ داس اس سیارے پر اس کے سب سے پسندیدہ لوگوں میں سے ایک ہے۔

ٹینک کے قریب پہنچ کر داس نے پہلے عالیانہ کو اوپر چڑھایا اور پھر خود سوار ہوا۔ ایک گہری سانس لی اور سکون محسوس کیا۔ ٹینک اب چل رہا تھا۔ سب کچھ نارمل ہو چکا تھا۔ لیکن سب کچھ نارمل نہیں تھا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ اپنی گود میں پڑے عالیار کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پر سکون نیند سو رہا ہے۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی، ایسی معصومیت جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بھورے بال بہت خوبصورت تھے۔ غیر ارادی طور پر اس نے ہاتھ بڑھایا تاکہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر سکے، اس کے بالوں کو پھیلا سکے، انہیں سہلا سکے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے، اچانک اس کا طلسم ٹوٹا اور اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ وہ ایک قاتل تھا، معصوم لوگوں کا قاتل۔ اس نے اس کے سامنے ایک سپاہی کو ماتھے پر گولی ماری تھی۔ اس نے اس شخص کو اپنی صفائی کا موقع تک نہیں دیا تھا۔ صرف کھانا چرانے پر اس نے اس شخص کو اس کی آنکھوں کے سامنے مار دیا تھا۔ وہ یہ نہیں بھول سکتی تھی۔ وہ ظالم تھا، وہ قاتل تھا۔

اس نے بائیں طرف دیکھا، عالیار کی ٹانگیں ارسل کے گھٹنوں پر تھیں اور وہ بھی بے آرام نظر آ رہا تھا۔ اگر اس وقت وہ حواس میں ہوتا اور حیدر کا سر عالیانہ کی گود میں دیکھ لیتا، تو اسے حیدر کو ٹینک سے باہر پھینکنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

مجھے پتہ ہے کہ یہ عجیب ہے، لیکن میرے پاس سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ "داس" نے حیدر کے بارے میں کہا۔

تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کیسر تم سے خوش ہو گا۔ اور میں بہت خوش" "ہوں کہ تم ٹ سب ٹھیک ہو۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟ تم ٹھیک ہو؟ "

ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ "اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔"

"یہ بہت بہادری کی بات تھی، تم نے واقعی بہت اچھا کام کیا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "داس! جو کچھ ہوا... گھر میں... میں واقعی معذرت خواہ ہوں، میں... مجھے تمہاری بات ماننی چاہیے تھی۔ میں اپنے ساتھ تمہیں بھی خطرے میں ڈالنے والی تھی۔ مجھے خود پر قابو پانا چاہیے تھا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا، میں بہت زیادہ جذباتی ہو گئی تھی..."

ارسل ایک دم سیدھا ہوا۔ "کیا ہوا تھا۔" داس نے اس کے سوال جو جان بوجھ کر نظر انداز کیا۔ ارسل خاموش ہو گیا کیونکہ وہ خود تکلیف میں تھا کوئی اور موقع ہوتا تو ارسل کبھی ہار نہ مانتا۔

ارے! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اس نازک موقع پر کچھ بھی نہ کر پاتا۔ لیکن تم نے بہت بہادری دکھائی۔ میں واقعی تم پر فخر محسوس کر رہا ہوں۔"

وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ عالیار نے اس کی مدد کی۔ اگر عالیار نہ ہوتا تو وہ کب کی مر چکی ہوتی۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ اگر وہ اس وقت بے حس و حرکت اس کی گود میں پڑا ہے، تو وہ اپنی مرضی سے اس حالت میں گیا ہے، اس کی جان بچانے کے لیے اس نے سکندر کو خود کو نقصان پہنچانے کی اجازت دی۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ وہ اسے ڈیفینڈ نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ اسے ایک اچھی شخصیت کے طور پر نہیں دکھانا چاہتی تھی کیونکہ اس کے

ذہن میں اس کی پہلے سے جو شخصیت سے چھپی تھی، اسے دھونے کے لیے یہ کافی نہیں تھا۔ وہ قاتل تھا۔ اس نے اسے قید کیا، اس کی کمزوریوں کو اس کے خلاف استعمال کیا تھا۔

ارسل نے عالیانہ کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ "کیا ہوا؟ تم "ٹھیک ہو؟

اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں صرف... میں..." اس کے الفاظ لرز گئے۔ "حیدر " ...کے با

داس نے زور سے گالی دی، اور فضا میں گہری خاموشی چھا گئی۔

اس کا چہرہ شرمندگی کے مارے سرخ ہو گیا۔ اسے وہ سب کچھ یاد آیا جو اس گھر سے نکلتے وقت ہوا تھا۔ ارسل کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور کھڑکی کے باہر نظریں جما لیں، جیسے کسی اور دنیا میں چلا گیا ہو۔

مجھے لگا تھا وہ مر چکا ہے۔" کچھ دیر بعد ارسل بولا۔ اس کی نظریں اب بھی عالیانہ پر" "نہیں تھیں۔ "یہی انہوں نے مجھے بتایا تھا۔

کس نے بتایا تھا؟" داس نے پوچھا۔"

ارسل نے کندھے اچکائے۔ "اب سب کچھ واضح ہو رہا ہے۔ وہ تمام باتیں جو پہلے سمجھ نہیں آتی تھیں۔" اس کی آواز نرم ہو گئی۔ "میری زندگی بگڑی ہوئی تھی۔ میری ماں

کے انتقال کے بعد، میرے والد نے کبھی میرے ساتھ وقت نہیں گزارا، جب تک کہ
"انہیں شراب پینا یا کسی پر غصہ نکالنا نہ ہوتا۔

ارسل نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔"میرے والد کہیں اور ایک بالکل مختلف زندگی
" گزار رہے تھے۔اسی لیے وہ ہمیں ہمیشہ تنہا چھوڑ دیتے تھے۔

داس نے سر ہلایا۔"لیکن یہ سب اب بھی عجیب لگتا ہے۔"وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
"تمہارے والد کے برے ہونے کا حصہ تو واضح ہے۔اگر تم اور حیدر بھائی ہو، تم
تیئیس کے ہو،اور حیدر پچیس کا ہے،اگر سکندر ہمیشہ حیدر کی ماں سے شادی شدہ رہا
"....ہے تو

میرے والدین شادی شدہ نہیں تھے۔"ارسل نے داس کی بات کاٹ دی۔اس کے "
الفاظ اسے تکلیف دے رہے تھے، لیکن وہ بول رہا تھا۔ارسل نے یہ بات پہلے کبھی
نہیں بتائی، شاید وہ سمجھتا تھا کہ یہ جان کر کہ وہ ایک ناجائز بچہ ہے، وہ اس سے نفرت
کرے گی۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔وہ اس سے تب بھی نفرت نہیں کر پائی تھی جب اسے لگا
کہ اس نے اسے دھوکہ دیا ہے۔وہ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے ارسل کو دیکھ رہی
تھی ارسل اب اپنی گود میں پڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔بکھرا ہوا۔ٹوٹا ہوا۔داس
بھی کبھی کبھی بیک ویو مرر سے ایک نظر اس پر ڈالتا۔

تو اس کا مطلب وہ تمہاری ماں کو دھوکہ دے رہا تھا۔"داس نے ایسے ہی کہہ دیا"
لیکن۔جب کہہ دیا تو پچھتایا کہ اس نے یہ کیوں کہا۔

ارسل کی نظریں اب فرش پر جمی ہوئی تھیں۔اس کی آواز اب بمشکل سنائی دے رہی تھی۔"اس نے میری ماں کو دھوکا نہیں دیا۔"ارسل نے بے دلی سے بتایا"مجھے کوئی اندازہ نہیں کہ اس نے میری ماں سے شادی کیوں نہیں کی، لیکنمیں جانتا ہوں وہ ان سے محبت کرتے تھے۔لیکن۔اسے میری پرواہ نہیں تھی۔لیکن وہ میری ماں کو چاہتا تھا۔سب کچھ میری ماں کے بارے میں تھا۔مہینے میں چند بار جب وہ گھر آتا تھا، مجھے ہمیشہ اپنے کمرے میں رہنے کو کہا جاتا۔مجھے خاموش رہنا پڑتا۔یہاں تک کہ باتھ روم جانے کے لیے بھی مجھے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک دینی ہوتی اور اجازت مانگنی پڑتی۔ اور اگر میری ماں مجھے باہر آنے دیتی تو وہ غصے میں پاگل ہو جاتا۔وہ مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا جب تک کہ بہت ضروری نہ ہو۔میری ماں کو میرا کھانا چھپکے سے دینا پڑتا تھا کہ وہ پاگل نہ ہو جائے کہ وہ مجھے زیادہ کھانے دے رہی ہے اور اپنے لیے کچھ نہیں بچا رہی۔" ارسل نے زخمی سا ہنستے ہوئے سر ہلایا۔"اور جب میری بہن پیدا ہونے والی تھی وہ اور بھی برا ہو گیا۔میں بہت خوش تھا مگر اس کی وجہ سے میری بہن دنیا میں آنے سے پہلے ہی مر گئی۔اس نے میری بہن کے ٹکڑے ٹکڑے کروا دیے۔مجھے یاد ہے، میری ماں اس کے سامنے ہنستی تھیں لیکن مجھے یہ یاد ہے وہ چھپکے چھپکے روتی تھیں۔وہ بھی میری طرح میری بہن کو چاہتی تھیں۔"

ارسل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔عالیانہ کا دل جیسے پھٹ رہا تھا۔اس نے پہلی بار ارسل کو ایسے دیکھا تھا۔

اور پھر جب وہ مر گئی۔ میری ماں "اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب وہ مر گئیں، تو اس نے ہمیشہ اس کی موت کا الزام مجھ پر لگایا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ میری وجہ سے ہوا۔ کہ میری ضرورتوں کی وجہ سے وہ بیمار ہوئی، اور میری وجہ سے وہ مر گئی۔ کہ میں بہت زیادہ کھاتا تھا، کہ وہ صحیح سے کھا نہیں پاتی تھی، کہ وہ کمزور ہو گئی کیونکہ وہ میری دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ مجھے سب کچھ دینے میں۔ "اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ "اور میں نے کافی عرصے تک اس کی باتوں پر یقین کیا۔ میں نے سوچا کہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ مجھے اکیلا چھوڑ دیتا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ میری سزا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں اسی کے لائق ہوں۔"

وہ اتنی دکھی تھی کہ کچھ نہیں کہہ سکی۔

"اور پھر وہ... وہ بچپن میں کبھی میرے ساتھ نہیں تھا، وہ ہمیشہ ایک ظالم انسان تھا۔ لیکن جب وہ مر گئیں، تو وہ بالکل پاگل ہو گیا۔ وہ صرف شراب پینے کے لیے آتا تھا۔ وہ مجھے اپنے سامنے کھڑا رہنے پر مجبور کرتا تھا تاکہ وہ مجھ پر خالی بوتلیں پھینک سکے۔ اور اگر میں جھجکتا... اگر میں جھجکتا...."

ارسل نے بمشکل نگلا، اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ شاید وہ رو رہا تھا۔ کاش وہ آگے بڑھ کر اسے تسلی دے سکتی۔ کاش وہ اس سے کہہ سکتی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کاش وہ اسے کہہ سکتی کہ یہ سب ایک ڈراؤنہ خواب ہے۔ اس

کی بجائے وہ اسے دیکھتی رہی، کچھ پل گزرے ارسل نے سر اٹھایا، ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں، زکام شدہ سانس اندر کو کھینچی۔

یہی سب وہ کرتا تھا۔"ارسل نے دھیمی آواز میں بتایا۔"وہ آتا تھا۔شراب پیتا تھا۔" مجھے بری طرح مارتا تھا۔میں سترہ سال کا تھا جب اس نے آنا چھوڑ دیا۔"ارسل نے دوبارہ اپنی ہاتھوں کو گھورا، ہتھیلیاں اوپر کیں۔ءوہ ہر مہینے کچھ پیسے بھیجتا تھا تاکہ میں زندہ رہ سکوں اور پھر"ایک وقفہ"ایک سال بعد مجھے ایک خط ملا جس میں بتایا گیا کہ میرے والد مر گئے ہیں۔میں نے سوچا کہ شاید وہ دوبارہ شراب کے نشے میں تھا اور کوئی بیوقوفی کر بیٹھا۔کسی گاڑی کے نیچے آ گیا۔سمندر میں گر گیا۔جو بھی ہوا۔مجھے پرواہ نہیں تھی۔میں خوش تھا کہ وہ مر چکا ہے، لیکن مجھے کالج چھوڑنا پڑا۔میں نے فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کیا کیونکہ پیسے ختم ہو چکے تھے اور میں جانتا تھا کہ مجھے کوئی اور نوکری نہیں ملے گی۔"

ارسل نے سر ہلایا"۔وہ مجھے زندہ رہنے کے لیے ایک پیسہ نہیں دے کر گیا، کوئی سہارا نہیں دے کر گیا، کچھ بھی دے کر نہیں گیا، اور اب میں یہاں بیٹھا ہوں، اس ٹینک میں ایک عالمی جنگ سے بھاگ رہا ہوں جسے میرے اپنے والد نے منظم کروایا۔"وہ ایک سخت کھوکھلی ہنسی ہنسا۔"اور اس دنیا کا دوسرا بے کار شخص میرے گھٹنوں پر بے ہوش پڑا ہے۔"ارسل اب واقعی ہنس رہا تھا، قہقہے سے ہنس رہا تھا، بے یقینی سے۔"اور وہ میرا بھائی ہے۔میرا اپنا خون۔میرے والد کی ایک مکمل علیحدہ زندگی تھی جس کے بارے میں مجھے

کچھ معلوم نہیں تھا۔اس نے مجھے ایک ایسا بھائی دیا جس نے مجھے تقریباً موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔"اس نے لرزتا ہاتھ چہرے پر پھیرا، ہاتھوں کی کپکپاہٹ روکنے کے لیے ہاتھوں کو مٹھی میں جکڑا اور مٹھی کو پیشانی پر دبا کر آنکھیں بند کر لیں۔

••••••☆☆☆••••••

تمام زخمی افراد کو طبّی ونگ میں منتقل کیا جا چکا تھا،اور اب افراتفری تھم چکی تھی۔وہ اندھیرے میں ڈوبے ہوئے کمرے میں خاموش بیٹھی صبح کی اپنی اور کیسر کی گفتگو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیسر صبح اس کے پاس آیا تھا۔

مس عالیانہ، آپ کل واقعی بہت بہادر تھیں۔میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور" آپ کی حمایت کے لیے تہہ دل سے مشکور ہوں۔شاید ہم آپ کے بغیر وہاں سے نکل ہی نہ پاتے۔"وہ مسکرائی اور کوشش کی کہ تعریف کو سادگی سے قبول کرے۔

دراصل، میں اتنا متاثر ہوں کہ میں آپ کو ایلفا پوائنٹ پر آپ کی پہلی سرکاری ذمہ" "داری پیش کرنا چاہتا ہوں۔

"میری پہلی سرکاری ذمہ داری؟"

"جی ہاں۔ کیا آپ اس میں دلچسپی رکھتی ہیں؟"

جی ہاں، بالکل! میں دلچسپی رکھتی ہوں!" عالیانہ کے اندر جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔"

کیسر مسکرایا۔ "یہ سن کر خوشی ہوئی۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا، جیسے اپنے الفاظ کے چناؤ میں محتاط ہو۔ "میرے خیال میں، آپ کے لیے یہ ذمہ داری سب سے مناسب ہے۔" اس کو محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے بیٹھے بٹھائے تخت پر بٹھا دیا ہو۔ لیکن جب اس نے اپنی نئی ذمہ داری کی تفصیلات کے بارے میں پوچھا، تو اسے یوں لگا جیسے وہ تخت سے نیچے گر گئی ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے نئے مہمان کی دیکھ بھال اور ان سے تفتیش کی ذمہ داری "سنبھالیں۔

اس نے اڑتے حواسوں سے کیسر کی طرف دیکھا۔

میں پورے عمل کی نگرانی کروں گا، لہٰذا اگر آپ کے کوئی سوالات یا خدشات ہوں تو" آپ مجھ سے رجوع کر سکتی ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ ہمیں "اس سے معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔

کیسر چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا، پھر گویا تول تول کر بولا۔ "وہ... آپ کے ساتھ ایک عجیب قسم کا تعلق محسوس کرتا ہے، عالیانہ، اور... معاف کیجیے گا، لیکن ہمیں اس تعلق سے فائدہ اٹھانا ہو گا۔ ہمیں ان معلومات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو ان کے ذریعے ہمیں مل سکتی ہیں۔ وہ اپنے والد کے منصوبوں کے بارے میں یا ہمارے یرغمالیوں کی معلومات فراہم کر سکتا ہے۔ وہ ہماری کوششوں کے لیے نہایت قیمتی ہے۔ اور ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، آپ کو فوراً کام شروع کرنا ہو گا۔"

"آپ اس سے کچھ سمجھداری کی بات کریں۔ اسے سمجھائیں کہ ہم اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اسے قائل کریں کہ وہ ہمارے باقی یرغمالیوں کو واپس لانے میں ہماری مدد کرے۔"

"کیا وہ کسی قسم کے قید خانے میں ہے؟ سلاخوں کے پیچھے ہے؟"

کیسر ہنس پڑا۔ "عالیانہ! ہمارے پاس یہاں ایسا کوئی نظام نہیں ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمیں ایلفا پوائنٹ میں کسی کو قید کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ لیکن ہاں، وہ اپنے کمرے میں ہے، اور دروازہ بند ہے۔"

وہ نا چاہتے ہوئے بھی دھیرے سا مسکرا دی۔ کیسر نے اسے اس کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی اور چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ ایک دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں عالیار رہ رہا تھا۔ کمرے میں کوئی کھڑکیاں نہیں تھیں، نہ ہی اندر جھانکنے کا کوئی اور ذریعہ تھا۔ اسے یہ صورتحال کچھ خاص پسند نہیں آئی، مگر اسے اس کا سامنا کرنا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا، خود کو مضبوطی کا یقین دلایا، اور آگے بڑھی۔ دروازے کے باہر دو آدمی کھڑے تھے، جنہیں اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ بات اس کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی، مگر اس سے اسے کچھ سکون ضرور ملا۔ اس نے سلام کی نیت سے سر ہلایا، اور وہ اسے اتنی گرمجوشی سے ملے کہ وہ حیران رہ گئی۔

آپ کا بہت شکریہ کہ آپ آئیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔"

وہ جاگنے کے بعد سے مکمل طور پر بے قابو ہو چکا ہے۔ چیزیں ادھر اُدھر پھینک رہا ہے" اور دیواروں کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ ہمیں قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہا "ہے۔

اس نے کہا تھا کہ وہ آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ پرسکون ہوا" ہے کیونکہ ہم نے اسے بتایا تھا کہ آپ راستے میں ہیں۔" دوسرا آدمی بولا۔ "ہمیں پورا فرنیچر نکالنا پڑا۔" اس کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلیں۔

وہ سب کچھ توڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے دیے ہوئے کھانے کو بھی ہاتھ نہیں لگا" "رہا۔

عالیانہ نے ایک کمزور سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اسے کیسے پر سکون کر سکتی ہے۔ محافظوں نے دروازہ کھولا۔ "جب آپ باہر آنے کے لیے تیار ہوں تو دستک دے دیں یا ہمیں آواز دیں، ہم دروازہ کھول دیں گے۔"

اس نے سر ہلایا اور اندر داخل ہو گئی، اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وہ اس وقت سپریم کمانڈر سے ملنے سے بھی زیادہ پریشان تھی۔ وہ الجھن میں تھی، کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ حیدر اب کون ہے۔ اس کی شخصیت کے بے شمار پہلو تھے، اور ہر ایک پہلو دوسرے سے مختلف تھا۔

وہ، وہ شخص تھا جس نے اسے ایک بچے کو زبردستی اذیت دینے پر مجبور کیا۔ وہ، وہ لڑکا تھا جو نفسیاتی طور پر اتنی اذیت میں مبتلا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو مارنے کی کوشش کی۔ وہ، وہ شخص تھا جس نے ایک فوجی کو ماتھے پر گولی مار دی۔ وہ، وہ شخص تھا جسے ایک ایسے شخص نے تربیت دی جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا، اور اس نے اسے ایک سرد، سنگدل قاتل بنا دیا۔ وہ حیدر کو ایک ایسے بچے کے طور پر دیکھ رہی تھی جو اپنے والد کی محبت کے لیے بے حد بے چین تھا۔ وہ اسے ایک پورے علاقے کے لیڈر کے طور پر دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے ایک آوارہ کتے کو اس کے مہنگے ترین کوٹ میں چھپتا دیکھ رہی تھی، وہ اسے کتے کے ساتھ ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے ارسل کو تقریباً موت کے قریب اذیت دیتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر وہ اسے یہ کہتے ہوئے سن رہی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ اسے خود کو اشارہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے اس شخص کے

طور پر دیکھ دیکھی تھی، جس نے اسے بچانے کے لیے اپنی جان پر شرط لگائی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس بار کون ہو گا۔ اب کی بار وہ اپنے آپ کا کون سا پہلو اسے دکھائے گا۔ خود کو کیسے ظاہر کرے گا۔ وہ اندر قدم رکھتے ہی ایک دم سے رک گئی۔

دروازہ اس کے پیچھے زور سے بند ہوا، جو حیدر اس کے سامنے تھا، اس کو پہچاننا مشکل تھا۔ وہ دیوار سے پیٹھ ٹکائے فرش پر بیٹھا تھا، ٹانگیں سامنے پھیلائی ہوئی تھیں، پاؤں ٹخنوں پر ٹکے تھے۔ اس نے سادہ سفید ٹی شرٹ اور سیاہ پینٹ پہنی ہوئی تھی، پاؤں میں صرف موزے تھے۔ اس کا کوٹ، جوتے، اور دوسری شرٹ جو اس نے کوٹ کے نیچے پہنی تھی، سب زمین پر بے ترتیب پڑے تھے۔ اس کے جسم کی مضبوط بناوٹ شرٹ کے نیچے سے صاف نظر آ رہی تھی۔ بائیں بازو پر پٹی بندھی تھی جو کندھے تک جاتی تھی اور اس کے بال، اس کے بال شاید زندگی میں پہلی بار، بکھرے ہوئے تھے۔

لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تب بھی، اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ایک اور قدم۔ وہ ساکت بیٹھا رہا۔ اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔

تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے یہ کتنی بار پڑھا ہے ؟" حیدر کی مدھم آواز سنائی دی۔ وہ" ایک لمحے کے لیے سانس لینا بھول گئی۔

اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا لیکن سر نہیں، اس نے دو انگلیوں کے درمیان ایک مستطیل شے تھامی ہوئی تھی۔ اس آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ ایک لمحے میں اس کے وجود پر ایک زبردست جھٹکا لگا۔ یہ اس کی نوٹ بک تھی۔

عالیار اس کی نوٹ بک تھامے ہوئے تھا۔ وہ یہ کیسے بھول گئی تھی۔ اب یہ جان کر کہ حیدر نے اس کی سب سے گہری، سب سے تکلیف دہ سوچیں پڑھ لی ہیں، وہ اقرار نامے، جو اس نے تنہائی کے لمحات میں اس یقین کے ساتھ لکھے تھے کہ وہ اس قید خانے میں مر جائے گی اور کوئی بھی ان باتوں کو کبھی نہیں پڑھے گا، اس کے دل میں خوف اور شرمندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

یہ خیالات، اس کے دماغ کی مایوسی بھرے اعترافات، اب حیدر کے سامنے بے نقاب ہو چکے تھے۔ وہ خود کو مکمل طور پر بے لباس محسوس کر رہی تھی۔ شرمندہ، خوفزدہ، اور بے حد کمزور۔

تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی کہ میں نے کتنی بار، کہاں کہاں، کس کس وقت اور کس کس" جگہ تمہیں ڈھونڈا۔" حیدر کی آواز میں تھکن اور درد کی آمیزش تھی۔ "تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی کہ میں کئی راتیں سو نہیں پایا، صرف اس ڈر سے کہ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، اس ڈر سے کہ تم کہیں بھٹک نہ جاؤ، اس ڈر سے کہ مجھ سے پہلے بابا تمہارے تک نہ پہنچ جائیں۔" اس کا سر دیوار سے لگا ہوا تھا، آنکھیں بند تھیں اور وہ دھیمی سرگوشی میں بات کر رہا تھا۔

وہ زمین پر جڑ گئی، منجمد ہو گئی، نہ آگے بڑھ سکی، نہ پیچھے ہٹ سکی۔

تمہیں یقیناً سکون ملا ہو گا یہ سب دیکھ کر۔" حیدر کی آواز کرب سے لرز رہی تھی۔" یہ " جان کر کہ میرا اپنا باپ مجھے ایک پالتو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔

یہ کہہ کر وہ ایک زخمی ہنسی ہنس پڑا، ایسی ہنسی جو خود کو تکلیف دینے کے لیے ہوتی ہے۔ "شاید تمہیں تب سکون ملتا جب میرا باپ تھپڑ کی بجائے میرے سر میں گولی مار دیتا اور..."

"ایسا مت کہو۔" وہ اس سے منت کر رہی تھی۔ "میں ایسا کچھ نہیں چاہتی تھی۔ "

اور ایک لمحے کے لیے حیدر نے نظریں اٹھائیں، اسے ایسے دیکھا جیسے وہ واقعی اسے دیکھ سکتا ہو، جیسے وہ چاہتا ہو کہ عالیانہ بھی اس کے اندر جھانک سکے، اس کی روح کو پڑھ سکے۔ پھر اس نے نظریں جھکا لیں اور گلا صاف کیا۔

تمہیں پتہ جب مجھے تمہارے کمرے سے تمہاری نوٹ بک ملی اور جب میں نے اسے " پڑھا، تو میری نیند غائب ہو گئی۔ میں سو نہیں سکتا تھا۔" اس کی آواز میں تھکن تھی۔ "جانتی ہو، میں نے کتنی بار تمہیں اپنے خیالوں میں دیکھا؟ میرے خیالات اتنے حقیقی تھے کہ مجھے لگتا تھا، تم واقعی میرے پاس ہو۔" ایک لمحے کا توقف۔

اس نے دوبارہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں زخمی تھیں جو اس کی اداس ،تکلیف زدہ روح کو، اس کے ٹوٹے دل کو دکھا رہی تھیں۔ "تم میری خوبصورت یاد

تھی عالیانہ۔" یہ کہتے ہی اس نے دوبارہ نظریں جھکا لیں اور نوٹ بک کو کھولا۔ وہ صفحات کو اسکین کرتا رہا، پھر ایک جگہ رک گیا۔

آخر کار، اس نے اوپر دیکھا۔ اور وہ پڑھنے لگا۔

نہیں..." اس نے دھیمی آواز میں کہا، لیکن دیر ہو چکی تھی۔"

کتنی عجیب بات ہے، کبھی سکون نہ پانا۔ یہ جاننا کہ آپ جہاں بھی جائیں، آپ کے لیے" کوئی پناہ نہیں ہے۔ جب درد ہمیشہ ایک سرگوشی کی دوری پر ہو۔ میں ان چار دیواریوں میں قید ہو کر محفوظ نہیں ہوں، میں نے کبھی اپنے گھر سے باہر قدم رکھتے ہوئے محفوظ محسوس نہیں کیا، اور میں ان سالوں میں بھی محفوظ محسوس نہیں کر سکی، جب میں اپنے "گھر میں رہتی تھی۔

عالیار لمحہ بھر کو رکا، پھر اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

میرا چہرہ خون میں نہایا ہوا تھا جب انہوں نے مجھے زمین پر پھینکا۔ یہ الفاظ لکھتے ہوئے" بھی میرے ہاتھ لرز رہے ہیں۔ یہ قلم میری واحد آواز ہے، کیونکہ میرے پاس کوئی اور نہیں جس سے دل کی بات کہہ سکوں۔ میرے خیالات کا سمندر اتنا گہرا ہے کہ میں اس میں ڈوب رہی ہوں، اور میں تیرنا نہیں جانتی۔ ہر لمحہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے سینے میں لاکھوں چیخیں قید ہیں، لیکن ان سب کو اندر ہی روکنا پڑتا ہے۔ چیخنے کا کیا فائدہ اگر سننے والا کوئی نہ ہو؟ یہاں مجھے سننے والا کوئی نہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ ہائی اسکول ایک مختلف دنیا ہو گی ایک نئی شروعات مگر..."

اس نے اپنی مٹھی اتنی زور سے بھینچ لی کہ درد کی ٹیسیں محسوس ہونے لگیں۔ کچھ بھی ہو، بس یہ سب یادیں ختم ہو جائیں۔ وہ انہیں یاد نہیں رکھنا چاہتی تھی ان پر غور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس نے ان صفحات پر کیا لکھا تھا، یا حیدر نے انہیں پڑھ کر کیا محسوس کیا ہو گا۔ حیدر اسے کس نظر سے دیکھتا ہو گا-ایک افسوسناک اکیلی اور مایوس لڑکی۔ لیکن اسے یہ بھی نہیں سمجھ آرہا تھا کہ آخر وہ اس کی رائے کی پرواہ کیوں کر رہی ہے۔ "پوری دنیا ظالم ہو۔ پوری دنیا آپ پر ظلم کرے۔ ماں باپ کو ظالم نہیں ہونا چاہیے۔ ماں باپ کو اولاد پر ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ ماں باپ کو اولاد پر اعتبار کرنا چاہیے۔ کاش ہم پیدائش سے قبل اپنے ماں باپ خود چن سکتے تو شاید آج میں اس تاریکی میں نہ ہوتی۔ اس تکلیف میں نہ ہوتی۔ میں بس مر جانا چاہتی ہوں۔" حیدر نے ڈائری کے کور کو بند کرتے ہوئے، اس کے کور پر ہاتھ رکھتے ہوئے، اس کی حفاظت کرتے ہوئے، اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ میں دنوں تک نہیں سو سکا جب میں نے اس درجے کو پڑھا۔ میں ہمیشہ جاننا چاہتا تھا کہ کن لوگوں نے تمہیں اتنی تکلیف دی، کن لوگوں نے تمہیں یہ سب محسوس کروایا۔ وہ بہت نرم آواز میں بولا۔

"یہ مجھے واپس دے دو۔"

حیدر نے اپنی انگلیوں کی نوکوں کو ہونٹوں پر رکھا۔ تھوڑا سا سر اٹھایا۔ ایک غمگیں مسکراہٹ کے ساتھ مسکرایا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ میں کتنا معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تم سے اپنی محبت کا اقرار اتنے برے موقع پر کیا۔ یقین کرو کہ مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس کے لیے تم مجھے گولی مار دو گی۔" اس کی نظر ایک دم اس کے بازو پر پڑی۔

"تمہارا بازو؟" اسے ایک دم اس کے بازو کا خیال آیا۔ "کیا تم ٹھیک ہو؟" اس کی مسکراہٹ ٹوٹنے والی تھی۔ "ہاں، یہ تب ٹھیک ہو گیا تھا جب میں نے تمہیں دیکھا۔"

"حیدر! میری نوٹ بک، میں..."

"میں وعدہ کرتا ہوں، میں کبھی اپنی محبت کا اعتراف نہ کرتا، اگر میں نے تمہاری آنکھوں کو نہ دیکھا ہوتا۔" وہ اتنی حیران ہوئی کہ ایک لمحے کے لیے اپنی نوٹ بک بھول گئی۔ اس نے حیدر کی گہری نظروں میں جھانکا اور اپنی کانپتی ہوئی آواز کو قابو میں لانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔"

"ہاں۔" حیدر نے آہستہ سے سر ہلایا۔ "تم حیران ہو گی کہ کتنے لوگ مجھ سے یہ بات کہتے ہیں۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ میں حیران ہوں گی۔" ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ "تم نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔" وہ زخمی سا ہنسا۔

"یہ مزاحیہ بات ہے؟"

نہیں۔"اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔"مجھے یہ دلچسپ لگتا ہے۔"ایک لمحے کا "توقف۔" جاننا چاہتی ہو کیوں؟

عالیانہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔

کیونکہ تم نے ہمیشہ یہی کہا کہ تم کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتیں۔تم لوگوں کو قتل نہیں" "کرنا چاہتیں۔

"میں نہیں چاہتی۔"

سوائے میرے؟"وہ ساکت کھڑی رہ گئی۔اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ایسا " لگا جیسے کسی نے اس کے الفاظ کا پورا ذخیرہ لوٹ لیا ہو۔حیدر نے ایک گہری آہ بھری۔" جب گولی نے میرے کندھے کو چیرا تو اتنی تکلیف نہیں ہوئی۔"وہ اپنی گود میں رکھی بند "ڈائری کو دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔" جانتی ہو، کب ہوئی؟

جب میری آنکھوں نے گولی چلانے والے کو دیکھا۔جب میرے دل نے کہا کہ یہ گولی" تمہاری محبت نے چلائی ہے۔جب میرے دماغ نے یہ سمجھایا کہ اس کا ارادہ میرے دل "میں گولی مارنے کا تھا۔

وہ خاموش ہوا، نظریں جھکائیں اور ایک غمگیں سانس چھوڑتے ہوئے زخمی سی مسکراہٹ لبوں پر لے آیا۔"مجھے زندگی میں پہلی بار پچھتاوا ہوا کہ مجھے تمہیں نشانہ باندھنا سکھانا چاہیے تھا۔افسوس ہوا کہ تمہارا نشانہ چھوٹ گیا۔"عالیانہ کی سانسیں رک گئیں۔

تمہارے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان تھا؟ تمہارے لیے حیدر کو مارنا آسان تھا؟" عالیانہ" نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔

نہیں، تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھیں۔" تمہارے پاس بندوق تھی۔ تم بھاگنا چاہتی تھیں۔ تم نے گولی چلادی۔ بس اتنی سی بات تھی۔" وہ الجھ گئی۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس جگہ آکر اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ یہ اسائنمنٹ قبول کر کے وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بھول کر بیٹھی تھی۔ اس کے اندر ایسی کیفیات جنم لے رہی تھیں جنہیں وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔" مجھے یہاں سے جانا ہو گا۔" اس نے دل میں سوچا اور فوراً پلٹ گئی۔

مت جاؤ۔" حیدر نے دھیرے سے کہا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر نوٹ بک پر جا" ٹھہریں۔" کچھ دیر میرے پاس بیٹھو۔ میرے ساتھ رہو۔ میں بس تمہیں دیکھنا چاہتا" ہوں۔ تمہیں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے ذہن کا کوئی پاگل اور الجھا ہوا گوشہ واقعی اس کے پاس بیٹھنا چاہتا تھا، اس کی باتیں سننا چاہتا تھا، لیکن پھر اسے ارسل یاد آگیا اور وہ سوچنے لگی کہ اگر ارسل کو پتا چلا تو وہ کیا سوچے گا؟ وہ کیا کہے گا؟ اگر وہ یہاں ہوتا اور دیکھتا کہ وہ اپنا وقت اس شخص کے ساتھ گزارنا چاہ رہی تھی جس نے اسے تقریباً مار ہی دیا تھا۔ پھر بھی، وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی۔

حیدر دیوار کے ساتھ کمر لگا کر پر سکون ہو گیا۔

تمہیں کچھ اور سناؤں؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔ "

"تم میرے ساتھ یہ سب کیوں کر رہے ہو؟"

حیدر نے جواب دینے کے لیے لب کھولے، لیکن پھر ارادہ بدل لیا۔ نظریں ہٹا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا اور ہلکا سا مسکرا دیا۔

جانتی ہو، جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔" تمہاری آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جو تمہیں دوسروں سے مختلف بناتا تھا۔ کچھ ایسا جو بہت "نازک تھا، جیسے تم نے ابھی تک دنیا سے اپنا دل چھپانا نہیں سیکھا۔

حیدر نے خود سے سر ہلایا۔ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

یہ نوٹ بک تلاش کرنا..."اس کی آواز نرم تھی جب اس نے نوٹ بک کے سرورق پر" "ہاتھ رکھا۔" یہ..." وہ لمحہ بھر رکا، اس کے ابرو سمٹ گئے۔" یہ بہت تکلیف دہ تھا۔

پھر آخر کار اس نے عالیانہ کی جانب دیکھا۔ اس کی نظریں ایک ایسی شدت لیے ہوئے تھیں جو پہلے کبھی نظر نہیں آئی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بالکل مختلف شخص ہو۔

یہ ایسا تھا، جیسے زندگی میں پہلی بار مجھے کوئی دوست ملا ہو۔"اس کے ہاتھ کیوں کانپ" رہے تھے؟ اس نے خود سے پوچھا۔

حیدر نے گہری سانس لی، نیچے دیکھا۔

"میں بہت تھک چکا ہوں، عالیانہ۔ بہت، بہت تھک چکا ہوں۔"

اس کا دل اتنا تیز کیوں دھڑک رہا تھا؟

میرے پاس کتنا وقت ہے؟ تم لوگ مجھے کب مارو گے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

مارو گے؟" وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔"

ہم تمہیں نہیں ماریں گے۔ ہمارا تمہیں نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں۔ ہم صرف" تمہیں استعمال کرنا چاہتے ہیں تا کہ اپنے لوگوں کو واپس لا سکیں۔ ہم تمہیں یرغمال رکھے "ہوئے ہیں، بس۔

"حیدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اس کے کندھے تن گئے۔ "کیا؟

ہمارے پاس تمہیں مارنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم صرف تمہاری زندگی کے بدلے بات" "...چیت کرنا چاہتے ہیں، اور

حیدر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ سر دائیں بائیں ہلایا اور کھل کر ہنسنے لگا۔

عالیانہ نے پہلی بار اس کو ایسے کھل کر ہنستے دیکھا۔ اور اس نے وہ دیکھا جس پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ اس کے ڈمپلز۔ ہنسنے پر اس کے گالوں میں ڈمپلز پڑتے تھے۔

تمہاری ٹیم نے میرے بابا کی مجھ سے محبت کا بہت زیادہ اندازہ لگا لیا ہو گا۔ مجھے افسوس " ہے کہ، لیکن مجھے یہاں رکھ کر تمہیں وہ فائدہ نہیں ملے گا جس کی تم امید کر رہی ہو۔ مجھے شک ہے کہ میرے بابا کو معلوم بھی نہیں ہو گا کہ میں غائب ہوں۔ تو میں یہ درخواست کرنا چاہوں گا کہ براہ مہربانی یا تو مجھے مار ڈالو، یا آزاد کر دو۔ مگر میرا وقت ضائع نہ کرو۔" وہ

اپنی جیبوں میں الفاظ اور جملے تلاش کر رہی تھی، مگر اس کے پاس کوئی جواب بھی نہیں تھا۔

وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ اتنا پر سکون کیوں اور کیسے تھا؟

لیکن یہ کوئی قابل قبول دلیل نہیں ہے، کوئی بھی یرغمالی بننے کا خواہش مند نہیں" ہوتا۔"

حیدر نے ایک گہری سانس لی۔ اپنے ماتھے پر گرے بالوں کو داہنے ہاتھ سے الجھایا اور کندھے جھٹک دیے۔ "تمہارے آدمی اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، مجھے اغوا کر کے تمہیں کبھی کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ اس بات کی، میں ضمانت دے سکتا ہوں۔"

اسے اب بھی یقین نہیں آیا۔

میری زندگی میں بہت کم لوگ ہیں جو میرے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ اور اس سے" بھی کم جن کو میں اپنے بارے میں جاننے کی اجازت دیتا ہوں۔ اور اس سے بھی کم جن کو میں خود کچھ بتاتا ہوں۔ تو عالیانہ سلیم، ایک بار پھر سے کہہ رہا ہوں مجھے قید میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میرے باپ کو میرے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں ان کے لیے ایک پالتو کتے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوں۔" اور وہ سانس تک نہ لے سکی۔ ہل تک نہ سکی۔ پلک تک نہ جھپک سکی۔ کوئی اپنے بارے میں ایسے الفاظ کیسے استعمال کر سکتا ہے۔ کوئی خود سے اتنی نفرت کیسے کر سکتا ہے۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا فوراً۔ وہ یہاں

نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر وہ اٹھی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس بار اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

••••••☆☆☆••••••

لنچ کا وقت ہو چکا تھا۔ داس اور عالیانہ میز کے ایک طرف بیٹھے تھے، جبکہ ارسل دوسری طرف موجود تھا۔ وہ آدھے گھنٹے سے وہاں بیٹھے تھے، حیدر کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر غور و فکر کر رہے تھے۔ عالیانہ نے اپنی ڈائری کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا، حالانکہ اب وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اسے اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔
شاید یہ سب کچھ اس کی قسمت کے ساتھ کھیلا جانے والا کوئی مذاق تھا۔ وہ ابھی تک نہیں جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

لیکن حیدر کے ساتھ اپنی گفتگو کی مزید تفصیلات اسے بہت ذاتی محسوس ہو رہی تھیں، اس لیے وہ انہیں کسی کے ساتھ بانٹنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی جان سکے کہ حیدر نے اسے بتایا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی یہ جان سکے کہ اس کے پاس اس کی ڈائری ہے، یا کہ اس نے اسے پڑھا ہے۔ ارسل واحد شخص تھا جو اس ڈائری کے وجود سے واقف تھا۔ وہی تھا جس نے اس کی ڈائری کو پاگل خانے سے بچایا اور اسے واپس لایا۔ لیکن اس نے کہا تھا کہ اس نے کبھی بھی اس کی تحریریں نہیں

پڑھیں۔اس نے کہا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ بہت نجی خیالات ہوں گے،اور اس نے دخل اندازی نہیں کی۔اس نے اس کی پرائیویسی کا احترام کیا۔

حیدر،دوسری طرف،اس کے ذہن کو جھنجھوڑ چکا تھا۔اس کے قریب ہونے کا خیال ہی اسے بے چین اور غیر محفوظ محسوس کراتا تھا۔اسے یہ بات بہت بری لگتی تھی کہ وہ اس کے رازوں سے واقف ہے،اس کے ذاتی خیالات سے۔حیدر وہ شخص نہیں ہونا چاہیے جو اس کے بارے میں کچھ بھی جانتا ہو۔وہ،وہ ہونا چاہیے جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔وہ جس کی گہری کالی آنکھیں اور کالے بال تھے۔

ارسل اس وقت ٹھیک نظر نہیں آرہا تھا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا،اس کی بھنویں سکڑی ہوئی تھیں،اور اس کے ہاتھ میز پر بندھے ہوئے تھے۔اس نے ابھی تک اپنے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور حیدر کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے خلاصے کے بعد سے ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا۔داس بھی اسی طرح خاموش تھا۔ان کے حالیہ معرکے کے بعد سب لوگ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے ایلفا پوائنٹ کے کئی لوگوں کو کھو دیا تھا۔

"تو تم کیا سوچتے ہو؟ سکندر کے بارے میں اس نے جو کہا،اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

کیا تمہیں لگتا ہے کہ حیدر کا یہ کہنا صحیح ہے کہ سکندر کو کوئی پرواہ نہیں ہو گی کہ اسے "
"یرغمال بنایا گیا ہے؟

"ارسل نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور گہری سانس لی۔ "یہ بات صحیح ہو سکتی ہے۔

داس نے بھنویں چڑھائیں، بازو باندھ لیے، اور قدرے آگے کی طرف جھکا۔ "یہ واقعی عجیب بات ہے۔ ہمیں ان کی طرف سے ایک بھی پیغام نہیں ملا، اور اب تو اڑتالیس گھنٹے
"سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔

"عالیانہ نے الجھتے ہوئے سوال کیا، "کیسر کا کیا حال ہے؟

داس نے کندھے اچکا دیے۔ "وہ کافی دباؤ میں ہے۔ سیم جب ہمیں ملا تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اب تک ہوش میں آیا ہے، حالانکہ میلیسا دن رات اس کی مدد کے لیے کام کر رہی ہے۔ کیسر شاید اس بات سے پریشان ہے کہ ہم دھان اور
"اشعل کو واپس نہیں لا سکے۔

شاید اس کی خاموشی کا تعلق اس بات سے ہو کہ تم نے سکندر کو مارا نہیں، صرف زخمی "
"کیا تھا۔ شاید سکندر اب صحت یاب ہو رہا ہے۔

وہ پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے بے اختیار کھانسی۔ اس نے داس کی طرف دیکھا کہ آیا وہ ارسل کے اندازے کو درست کرے گا، لیکن داس نے تو ایک پلک بھی نہیں جھپکائی۔ اس لیے وہ بھی خاموش رہی۔

داس نے سر ہلایا۔ "صحیح کہا۔ ہاں، میں تو بھول ہی گیا تھا۔" ایک لمحے کا توقف۔ "یہ بات درست لگتی ہے۔"

پھر عالیانہ نے دیکھا کہ ارسل اسے گھور رہا تھا۔ وہ اسے گھور رہا تھا اور اس کا کوئی بہانہ نہیں بنا رہا تھا۔ وہ نظر نہیں چرا رہا تھا۔ وہ ایک لفظ نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے سے اس کی آنکھوں کی جانب منتقل ہوئیں اور ایک لمحے کے لیے ٹھہر گئیں۔ آخر کار اس نے ایک پل کے لیے نظریں ہٹالیں، پھر اس کی نگاہیں دوبارہ اس پر مرکوز ہو گئیں۔ گہری سیاہ۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

اچانک ارسل کی تلخ اور سخت آواز کمرے میں گونجی، "کیا تم اپنی غلطی قبول کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، مسٹر داس؟ یہ سب تمہاری غلطی ہے۔ تمہیں سکندر کو مار دینا چاہیے تھا، لیکن نہیں، تم نے نہیں مارا۔ تمہیں تو مہان، رحمدل داس بننا تھا، جو کسی کو معذور تو کر دے گا، لیکن قتل نہیں کرے گا۔"

داس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، مگر ارسل نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"!" تمہیں اسے مار دینا چاہیے تھا۔ یہ سب کچھ تمہارے ناقص فیصلے کی وجہ سے ہوا ہے

کمرے میں ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی، اور ہر شخص ارسل کو دیکھ رہا تھا، جبکہ داس کے چہرے پر بے تاثر سی سنجیدگی طاری تھی۔

داس نے ایلفا پوائنٹ کے لوگوں سے جھوٹ بولا تھا کہ اس نے سپریم کمانڈر کو زخمی کیا تھا۔ وہ عالیانہ کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا ہوتا تو لوگ اسے سپریم کمانڈر کو نہ مارنے کی وجہ سے بدگمان ہو جاتے۔ لیکن داس کے فیصلوں کا احترام کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ داس کا طریقہ تھا عالیانہ کو بچانے کا۔

داس نے گہری سانس لی۔ "ہم ابھی تک اس قسم کی دیوانگی سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں

"... ہیں۔ ہم سکندر کو ختم کریں گے، جب

جب کیا؟" ارسل نے اسے جملہ مکمل کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ اچانک کھڑا ہوا، اپنا" بغیر کھایا ہوا کھانا ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کی نظریں داس پر مرکوز تھیں۔ "جب وہ

"تمہارے سامنے تھا، تم نے اسے اس لیے نہیں مارا، کیونکہ تم ہمارا بھلا کرنا چاہتے تھے؟

عالیانہ فوراً اس کے پیچھے گئی۔ وہ خالی راہداری میں ارسل کا پیچھا کر رہی تھی۔ ارسل تیز قدموں سے ڈائننگ ہال سے باہر جا رہا تھا۔ حالیہ دنوں میں وہ صرف کام میں مصروف تھے، اور ارسل ہمیشہ شدید دباؤ والے حالات میں رہتا تھا، جس کی وجہ سے ان کے ذاتی مسائل پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔

ارسل؟" عالیانہ نے پکارا۔ اس کی آواز پر وہ ایک دم رکا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی حیرت " سے تن گئی۔ وہ مڑا اور عالیانہ نے اس کی آنکھوں میں امید سے الجھن اور پھر فکر کی طرف بدلتے ہوئے تاثرات دیکھے۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟"

اب وہ عین اس کے سامنے تھا، اپنے پورے چھ فٹ قد کے ساتھ۔ "کیا ہوا؟ سب ٹھیک ہے؟"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ ہاں، وہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بیمار ہے، وہ تھکی ہوئی ہے۔ اس کے بجائے وہ کسی طرح اوپر دیکھنے میں کامیاب ہوئی، کسی طرح اس کی نظروں سے نظر ملائی۔ وہ آنکھیں اتنی گہری، دل کو چیر دینے والی سیاہ تھیں۔

مجھے نہیں پتہ داس مجھے کیوں بچا رہا، مگر وہ میں تھی جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ میں تھی" "جس نے سپریم کو زخمی کیا۔ وہ مجھے بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔

جس نے بھی کیا ہو، اس سے حقیقت نہیں بدلتی۔" اس نے بے دلی سے کہا۔"
"مجھے تمہاری فکر ہے۔"

ارسل کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے حیرت آئی، جو جلد ہی بے چینی میں بدل گئی۔
"تم میری فکر کرتی ہو؟" اس نے ایک گہری سانس لی، جیسے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہو۔
"میں صرف یہ جاننا چاہتی تھی کہ تم ٹھیک ہو۔"

ارسل نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ سر ہلایا، اس کی آنکھوں میں یقین کے بجائے مایوسی تھی۔ "تم کیا کر رہی ہو؟ کیا تم میرا مذاق اڑا رہی ہو؟"

"کیا؟"

ایک پل کے لیے وہ بلکل خاموش ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ نہیں جانتا کہ کیا کہنا ہے۔ کچھ پل اسے بغور دیکھنے کے بعد جب وہ بولا تو اس کی آواز تناؤ سے بھرپور اور دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"دو دن گزر گئے عالیانہ، دو دن۔ میں کس حال میں ہوں تم نہیں جانتیں، تم نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تم میرا حال جانتی تھیں، مجھے لگا تم میرے پاس آؤ گی، میں نے تمہارا انتظار بھی کیا، لیکن تم نہیں آئیں۔ جب مجھے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت تھی، تم مجھ سے دستبردار ہو گئیں۔ تم نے میرا دل نکال کر پھینک دیا، اور اب تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں ٹھیک ہوں؟ میں کیسے ٹھیک ہو سکتا ہوں، عالیانہ؟ یہ کیسا سوال ہے؟"

وہ اپنے قدموں پر لڑکھڑا گئی۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا... م... میری بات تمہاری... تمہاری بیماری کے بارے میں تھی... مجھے لگا شاید... اوہ، خدا، مجھے معاف کر دو... تم صحیح ہو، میں کتنی بے وقوف ہوں... مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا، مجھے..."

عالیانہ!"اس کی بات، اس کا انداز، وہ اندر تک تکلیف میں ڈوبا ہوا تھا۔"

مجھے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ مجھے کیسا محسوس کرنا چاہیے؟ ایک مصیبت کے بعد" دوسری، اور میں ٹھیک ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں بہت کوشش کر رہا ہوں، لیکن یہ واقعی مشکل ہے اور مجھے... "اس کی آواز رک گئی۔ "مجھے تکلیف ہوتی ہے، مجھے اتنی "تکلیف ہوتی ہے کہ یہ مجھے مار رہی ہے۔

وہ کچھ نہ بول سکی۔ اس کا دل منوں کے بوجھ تلے دب سا گیا۔

یہ مشکلیں میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتیں، عالیانہ!" وہ جواب نہیں دے سکی۔"

عالیانہ، میرے لیے دعا کرو۔ میری اپنی دعائیں مجھے نہیں لگتیں، ماں کی بھی نہیں" لگیں۔ تم دعا کرو کہ میری مشکلیں اب ختم ہو جائیں۔ دعا کرو مجھے سکون مل جائے۔ دعا "کرو میری یادداشت چلی جائے، مجھے سب کچھ بھول جائے۔

ارسل کی آنکھوں سے ایک ساتھ بہت سے آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پر گرے۔ اس نے انہیں صاف نہیں کیا۔

عالیانہ نے ایک قدم آگے بڑھایا، دایاں ہاتھ اٹھایا اور اس کی گالوں پر بہتے آنسو صاف کرنے لگی۔ ارسل نے اسے نہیں روکا۔ آنسو صاف کر کے اس نے اس کی گال پر ہاتھ رکھا۔ ارسل نے سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"مجھے لگا تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔ یہ جان کر کہ میں ناجائز ہوں، مجھے لگا میری طرح تمہیں بھی میرے وجود سے گھن آئے گی۔ جیسے میں خود سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔"

اس کی بند آنکھوں سے ایک اور آنسو ٹوٹ کر گرا۔ اس نے اپنے چہرے پر رکھے اس کے ہاتھ کو تھاما اور آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ تھیں، اور ان میں آنسوؤں کا سمندر تھا۔ اپنے وجود کے اندر اٹھتے طوفان کو نظرانداز کرنا بہت مشکل تھا اور خود سے نفرت کرنا اس سے بھی زیادہ۔

عالیانہ کو لگا کہ وہ ارسل کو کبھی جان ہی نہیں پائی۔ ارسل ٹھیک کہہ رہا تھا کہ اس نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟" ارسل نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹایا اور ایک قدم پیچھے ہوا۔ اس کی آواز دھیمی تھی، لیکن اس میں چھپے جذبات اتنے واضح تھے کہ عالیانہ کی سانسیں تھم گئیں۔

"تم نے کبھی اس بات کا جواب نہیں دیا۔ تم نے کبھی اقرار نہیں کیا۔ تم نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں انتظار کروں گا۔ لیکن اب..."

وہ ایک لمحے کے لیے رکا، جیسے الفاظ کھو بیٹھا ہو۔

"لیکن اب کیا؟" عالیانہ نے دھیرے سے پوچھا، اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔

"اب ایسا لگتا ہے کہ تم بدل رہی ہو۔ تمہاری آنکھیں بدل رہی ہیں۔ تم مجھے ایسے نہیں دیکھا کرتی تھیں جیسے اب دیکھتی ہو۔ مجھے ڈر ہے... مجھے ڈر ہے کہ میرا انتظار کہیں بہت لمبا نہ ہو جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں تمہیں کھو نہ دوں۔ مجھے ڈر ہے کہ شاید تمہیں کبھی مجھ سے محبت نہ ہو۔ اور یہ ڈر... یہ ڈر مجھے اندر ہی اندر کھا رہا ہے۔"

ارسل کی آواز بھر آئی۔

"جانتی ہو؟ مجھے کبھی بھی ایسا کچھ نہیں ملا۔ میں اپنی ماں کو مشکل سے یاد کر سکتا ہوں، اور اس کے بعد بس میں اکیلا ہی تھا۔ تمہارے علاوہ... میں نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔"

اس نے گہری سانس لی، اپنی بے بسی کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

عالیانہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ شاید ابھی نہیں، لیکن کبھی نہ کبھی کرو گی۔"

"ارس... ل..." اس کے لب کانپے۔

"پلیز، مت کہو کہ میں غلط ہوں۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے سر جھکایا۔

تم غلط نہیں ہو۔ شاید... شاید میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ شاید پہلے میں سمجھ نہیں سکی تھی..."

"ہاؤ ٹچنگ۔"

ایک ہلکی سی طنزیہ آواز نے ان دونوں کو جکڑ لیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس آواز کی جانب مڑے۔

اپنے مخصوص انداز میں، آنکھوں میں ایک گہری سنجیدگی اور لبوں پر ایک ناپسندیدہ مسکراہٹ کے ساتھ، حیدر وہاں کھڑا تھا۔

بے حد سکون کے ساتھ لیکن آنکھوں میں چھپے غصے، تکلیف، اور نفرت کی چمک کے ساتھ۔ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے تھے، اور اس کی نظریں ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ پیچھے سے کیسر بھی آ گیا تھا، جیسے حیدر کو کہیں لے جانے کے لیے تیار ہو، لیکن حیدر اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا تھا۔

ارسل بالکل بے حرکت کھڑا تھا، جیسے ایک سنگین مجسمہ۔ نہ کوئی حرکت، نہ کوئی الفاظ، یہاں تک کہ اس کی سانسیں بھی تھمی ہوئی لگ رہی تھیں۔

جب تم شرماتی ہو، عالیانہ، تو تم اور بھی خوبصورت لگتی ہو۔" حیدر نے ایک طنزیہ" مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

لیکن میں واقعی چاہتا ہوں کہ تم اپنی محبت کسی ایسے شخص پر برباد نہ کرو جسے تمہاری" "محبت کے لیے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔

ارسل کے چہرے پر تناؤ اور آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

تم ایک گھٹیا انسان ہو۔" اس نے فولاد جیسے لہجے میں کہا۔"

حیدر کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"!At least, I have my dignity"

کیسر نے سر جھٹکا اور مایوسی سے حیدر کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھایا۔

آپ دونوں واپس کام پر چلے جائیں۔" کیسر نے مختصر مگر سخت لہجے میں کہا جب وہ اور" حیدر راستے سے گزر کر آگے نکل گئے۔

ارسل مزید کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی نظریں اس جگہ مرکوز تھیں، جہاں حیدر اور کیسر موڑ پر غائب ہو چکے تھے۔

••••••☆☆☆••••••

عالیانہ اور معاذ تربیتی کمرے میں کھڑے تھے۔ عالیانہ اسے دکھا رہی تھی کہ وہ اب کتنی آسانی سے چیزیں توڑ سکتی ہے۔

اینٹیں تو جیسے کچھ بھی نہیں رہی تھیں۔ دھان کے ڈیزائن کردہ دستانے پہن کر، وہ دھاتی پائپ ایسے مروڑ دیتی جیسے وہ پلاسٹک کے تنکے ہوں۔ لکڑی اس کے لیے تھوڑی مشکل تھی، کیونکہ اگر وہ اسے غلط طریقے سے توڑتی تو اس کے ہاتھوں پر چھالے پڑ سکتے تھے، لیکن اب کوئی چیز اسے زیادہ مشکل محسوس نہیں ہوتی تھی۔

داس نے یہ سب کچھ سکھانے میں بہت محنت کی تھی،اور عالیانہ کی مہارت ہر روز بہتر ہو رہی تھی۔

"کیا میں بھی کچھ توڑنے کی کوشش کر سکتا ہوں؟"

معاذ نے اینٹوں کے ڈھیر سے ایک اینٹ اپنے ننھے ہاتھوں میں اٹھائی۔

"شاید میں بھی تمہاری طرح سپر مضبوط ہوں۔"

کیا تم نے کبھی خود کو سپر مضبوط محسوس کیا ہے؟" داس نے اُس سے پوچھا۔ وہ اس" وقت ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا تھا۔

نہیں، لیکن میں نے کبھی کچھ توڑنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ لیکن میں بھی تمہاری" "طرح سب کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہاری طرح سب کا فیورٹ بننا چاہتا ہوں۔

داس نے اُسے غور سے دیکھا۔ پھر اسے اپنی طرف بلانے کا اشارہ کیا اور اپنی گود میں دائیں جانب بٹھالیا۔ معاذ نے اپنے بازو داس کی کمر کے گرد لپیٹ لیے اور داس نے ہاتھ معاذ

کے سر پر رکھ کر اس کے بالوں کو بکھیر دیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں اتنے قریب ہیں۔

"میرے پیارے سپر مین! سب کا فیورٹ طاقت سے یا سارے ہنر سیکھ کر نہیں بنا جاتا۔"

"ہم دوسروں کے فیورٹ تب بنتے ہیں جب ہمارے ذریعے دوسروں کو فائدہ ہو۔

"فائدہ؟"

ہمم فائدہ؟ جیسے کہ آپ کی موجودگی انہیں پر سکون کر دے، یہ بھی فائدہ ہے۔ آپ ان" کے اداس چہروں پر مسکراہٹ لائیں، یہ بھی فائدہ ہے۔ آپ ان کے ناامید دلوں کو امید دیں، یہ بھی فائدہ ہے۔ آپ دوسروں کو خود پر اعتماد کرنے کا موقع دیں، تاکہ وہ اپنے دل کی بات، بوجھ، پریشانی آپ سے شیئر کر سکیں، یہ بھی فائدہ ہے کہ وہ آپ کے ذریعے اپنا دل ہلکا کر لیں۔ آپ نتیجے کی فکر کیے بغیر دوسروں کو فائدہ دیں، تو آپ سب کے فیورٹ بن سکتے ہیں۔ سمپل۔" داس معاذ کو مسکراتی آنکھوں سے دیکھ کر نرمی سے کہہ رہا تھا۔

سب کا فیورٹ بننے کے لیے بس آپ کو دوسروں سے پیار کرنا پڑتا ہے، دوسروں کو" سمجھنا پڑتا ہے۔" اس نے نظر اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ایسا ہی تو تھا داس، سب کو سمجھنے والا، سب کو خوش رکھنے والا، سب کو ہنسانے والا، سب کے کام آنے والا۔

"اور مجھے بھلا کیا لگتا؟" عالیانہ چلتی ہوئی ان کے پاس آئی، پہلے داس کو دیکھا پھر معاذ کو۔ "میرا چھوٹا سا دوست بالکل داس جیسا کا ئنڈ ہارٹ بنے گا، ہمارے داس کی طرح سب کا فیورٹ۔"

"واقعی؟" معاذ نے تقریباً خوشی سے چھلانگ لگائی۔

داس مسکرادیا۔

کچھ ہی دیر میں معاذ چلا گیا۔ اب داس اور عالیانہ تربیتی کمرے کے فرش پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"تم نے مجھے اسے مارنے سے کیوں روکا؟ اور تم نے سب سے یہ کیوں کہا کہ تم تھے جس نے سکندر کو جان سے نہیں مارا؟"

داس کچھ لمحے کے لیے خاموش رہا۔ عالیانہ کے پیچھے دیوار کو گھورتا رہا۔ آخر کار، اس نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔ اس کے دوسرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا:

"بات یہ ہے، کیسر نے ہمیشہ ہمیں سکھایا ہے کہ ہم صرف سر کو نہیں کاٹ سکتے۔" داس نے اپنے خیالات کو مجتمع کیا۔ وہ اسے غور سے سننے لگی۔

"یعنی، اگر ہم دشمن کے لیڈر کو ماردیں، تو پھر کیا ہو گا؟"

"دنیا میں امن ہو گا۔" اس نے فوراً کہا۔

داس نے اس کی طرف دیکھا، جیسے اس جواب کی گہرائی ناپ رہا ہو، اور پھر آہستہ سے سر ہلا دیا۔

غلط۔ انتشار ہو گا۔ "ایک گہری سانس کے بعد توقف کیا۔ "اور انتشار سے لڑنا بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔"

"تو پھر ہم جیتتے کیسے ہیں؟"

صحیح۔ بات یہ ہے کہ ہم صرف اس وقت دشمن کے لیڈر کو ختم کر سکتے ہیں جب ہم خود اس کی جگہ لینے کے لیے تیار ہوں۔ صرف اس وقت جب کوئی نیا لیڈر پرانے کی جگہ لینے کے لیے تیار ہو۔ لوگوں کو کسی کے گرد جمع ہونے کے لیے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، ٹھیک ہے؟ اور ہم ابھی تک تیار نہیں ہیں۔ اگر جنگ حیدر کے خلاف ہوتی تو اسے ختم کرنا کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ لیکن سکندر کو ختم کرنے کا مطلب تھا کہ ملک بھر میں مکمل انتشار پیدا کرنا تھا۔ اور انتشار کا مطلب یہ ہوتا کہ کوئی اور... شاید کوئی اور اس سے بدتر... ہم سے پہلے اختیار سنبھال سکتا تھا۔"

عالیانہ یک تک اسے دیکھتی رہی، وہ دل ہی دل میں اس کی سوچ پر داد دینے لگی۔ وہ ہر موقع پر، ہر سنگین معاملے میں جہاں انسان اپنے حواس کھو دیتا تھا، وہاں بھی جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اس کے دل کے بہت قریب ہو رہا تھا۔ وہ دنیا کا سب سے پرفیکٹ انسان تھا، جس سے وہ کبھی ملی۔

خیر، ہم ابھی تک اس قسم کی بے حواسی سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم سکندر کو"
تب ختم کریں گے جب ہم اختیار سنبھالنے کے لیے تیار ہوں گے۔ کیونکہ ہر کام کو کرنے
"کا ایک صحیح طریقہ ہوتا ہے، اور اس کام کو کرنے کا صحیح طریقہ صرف یہی ہے۔

••••••☆☆☆••••••

دو مانوس دستکیں۔ اسے پہلے ہی اندازہ تھا کہ یہ کون ہوگا۔

مس عالیانہ۔" وہ فوراً مڑی، کیونکہ اُس کے لہجے نے اسے چونکا دیا تھا۔ اُس کی آنکھیں"
سکڑی ہوئی تھیں، اُس کے ہونٹ سخت تھے، اور اُس کی آنکھوں میں غصہ چمک رہا تھا۔
وہ بہت، بہت غصے میں تھا۔

"....میں راہداری کے بارے میں معافی چاہتی ہوں، میں نے"

ہم آپ کے عوامی اور بہت ہی نامناسب محبت کے اظہار پر بعد میں بات کر سکتے ہیں،"
مس عالیانہ، لیکن اس وقت میرے پاس ایک بہت اہم سوال ہے، اور میں چاہوں گا کہ
"آپ پوری ایمانداری سے جواب دیں، جتنا ممکن ہو۔

کیا؟" عالیانہ بمشکل سانس لے پائی۔"
کیسر نے اس کی طرف تیز نظریں گھمائیں۔

میں نے ابھی حیدر سے بات کی ہے، اس کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنے منہ سے سکندر کو وہ" بات بتادی، جس سے وہ آپ کو بچانا چاہتا تھا۔ وہی بات جو آپ نے کبھی مجھے بھی نہیں بتائی۔

"مجھے جاننے کی ضرورت ہے، کیا یہ معلومات صحیح ہیں؟"

اس کے منہ میں جیسے گوند بھر گیا، زبان دانتوں سے چپک گئی، وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کی زبان حرکت کرنا بھول گئی تھی۔

مس عالیانہ، میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس سوال کی اہمیت کو سمجھ رہی ہیں۔ مجھے آپ سے" "جواب چاہیے، اور مجھے وہ تیس سیکنڈ سے پہلے چاہیے۔

"...میں... میں نے"

"ابھی، مجھے ابھی جواب چاہیے، ابھی، اگلے تیس سیکنڈز میں۔"

ہاں۔" عالیانہ کے دل میں ایک لرزہ سا آیا۔"

کیا حیدر نے یہ بھی بتادیا کہ اس نے گولی کیوں ماری؟ اگر ارسل کو پتہ لگ گیا کہ حیدر" مجھ سے محبت کرتا ہے، تو کیا ہوگا۔ حیدر نے یہ بات کیوں کہی؟ وہ اسے مار دینا چاہتی تھی کہ اُس نے وہ راز بانٹ دیا جو اس کے بتانے کے لیے، اس کے چھپانے کے لیے، اس کے "سنبھالنے کے لیے تھا۔

"تو یہ سچ ہے؟"

ہاں، یہ سچ ہے۔"اس نے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔"

آپ جانتی ہیں کہ آپ نے کیا کیا۔آپ نے اپنے ذاتی جذبات کو اپنے مشن کے بیچ لا کر" سب کچھ خطرے میں ڈال دیا۔آپ جانتی تھیں کہ آپ کی ایک حرکت ہماری پوری کوشش کو برباد کر سکتی تھی۔اگر آپ وہاں سے بچ نہ پاتیں؟آپ کو اسے اس طرح دباؤ میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔آپ نہیں جانتیں وہ کیا کر سکتا تھا۔وہ ایک لمحے میں ہمیں بدنام کر سکتا تھا، وہ کہہ سکتا تھا کہ ہم اُس لڑکی کو پناہ دینے والے ہیں جس نے اُس کے بیٹے کو "گولی ماری تھی، وہ ہماری پوری تحریک کو داغدار کر سکتا تھا۔

"آئی ایم سوری۔"

دیکھیں عالیانہ!میں جانتا ہوں کہ معاملہ اب ختم ہو چکا ہے، لیکن ایک بات یاد رکھیں۔" میدان جنگ میں آپ کی ایک غلطی پورے گروہ کو شکست دینے کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔آپ کو اپنے جذبات کو قابو میں لانا سیکھنا ہوگا۔"وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔عالیانہ نے معذرت کے طور پر سر ہلایا۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔بہر حال، آپ اپنی اسائنمنٹ پر توجہ دیں۔"

ساری رات وہ اس واقعے پر غور کرتی رہی، اور صبح کو ایک حقیقت کا ادراک ہوا۔وہ اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔وہ بدلا نہیں تھا۔وہ اب بھی اسے اپنے مقصد کے لیے

استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اب بھی اسے ایک پروجیکٹ کے طور پر دیکھ رہا تھا اور اسے تکلیف پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ سب وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ حیدر کو جھوٹ بولنے اور اس کے جذبات کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ وہ اب تک یہ نہیں مان پا رہی تھی کہ اس نے حیدر پر ترس کھایا تھا۔ جب وہ اپنے والد کے ساتھ تھا، تو وہ کمزوری اور نرمی محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی باتوں پر یقین کر گئی تھی جب اس نے اپنی نوٹ بک کے بارے میں بات کی۔ وہ کتنی بھولی تھی! وہ بیوقوف تھی کہ اس نے سوچا کہ حیدر میں انسانی جذبات ہو سکتے ہیں۔

اسے حیدر سے قیدی جیسا سلوک کرنا ہوگا۔ کوئی ذاتی بات نہیں، کوئی مزید جذباتی تعلق نہیں۔ اسے اس کی الجھانے کی کوششوں کو نظرانداز کرنا ہوگا۔ اب نہیں، بار بار نہیں۔ وہ ہوشیار رہے گی۔ اور ہاں، وہ اپنی نوٹ بک واپس چاہتی تھی۔

اس نے خود کو حیدر کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے گارڈ کو حیدر کے کمرے کا دروازہ کھولتے دیکھا اور پھر وہ خود اندر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں جو تقریر تھی، وہ اسے دینے کے لیے تیار تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی، اس کے قدموں نے زمین پر ٹھہراؤ لیا۔ وہ اس منظر کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ شاید اس نے سوچا تھا کہ حیدر دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا یا ایلفا پوائنٹ کے باقی لوگوں کی بربادی کا منصوبہ بنا رہا ہوگا۔ لیکن وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ وہ غصے میں تھی، وہ اس مغرور انسان سے لڑنا چاہتی تھی۔

حیدر سو رہا تھا۔ کسی نے وہاں ایک سادہ سا مستطیل شکل کا گدا رکھ دیا تھا، اوسط معیار کا، پتلا اور پرانا، لیکن زمین سے بہتر۔ اور وہ اس پر لیٹا ہوا تھا، اسی سفید ٹی شرٹ میں جو اس نے کل پہنی تھی، پر وہ آج بھی کل کی طرح صاف تھی۔

اس کی جرابیں فرش پر پڑی تھیں: نم، شکن دار، ہاتھ سے دھوئی گئی اور خشک ہونے کے لیے پھیلائی گئی تھیں۔ اس کا کوٹ اس کے جوتوں پر تہہ کیا ہوا تھا اور اس کے دستانے کوٹ پر بالکل ساتھ رکھے تھے۔ جب سے وہ کمرے میں داخل ہوئی، وہ ایک انچ بھی نہیں ہلا تھا۔

وہ اپنی سائیڈ پر آرام کر رہا تھا۔ اس کی پیٹھ دیوار کے ساتھ تھی۔ اس کا دایاں بازو اس کے چہرے کے نیچے چھپا ہوا تھا اور پٹی بندھا ہوا بایاں بازو اس کے سینے پر تھا۔ پیشانی پر بکھرے بال، ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ بے حد پُرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی ہلکی ہلکی خوشبو سے پورا کمرہ مہک رہا تھا۔

نجانے کیوں وہ اسے دیکھنا کیوں بند نہیں کر پا رہی تھی۔ نجانے نیند میں کیا چیز ہے جو چہروں کو اتنا نرم اور معصوم بنا دیتی ہے، اتنا پُر سکون اور بے بس۔ وہ بس بیٹھ کر فرصت سے اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ سب کچھ بھلا کر، سارا غصہ، گلے شکوے بھلا کر وہ بس پگھلنا چاہتی تھی۔

وہ اپنے مقصد سے ہٹ چکی تھی۔ وہ ساری بہادری، جو اس نے یہاں آنے سے پہلے اپنے دماغ میں طے کی تھی، سب اس لمحے میں محو ہو چکی تھی۔ اس کی ایک جھلک نے اس کا سارا غصہ پگھلا دیا تھا۔ وہ اتنی پُر سکون حالت میں سو رہا تھا کہ وہ اسے جگانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ لہٰذا، اس نے آہستہ سے پلٹ کر واپس جانے کا فیصلہ کیا، یہ سوچ کر کہ وہ بعد میں آئے گی۔

••••••☆☆☆••••••

کچھ گھنٹوں بعد وہ دوبارہ واپس آئی۔ اب وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ عالیانہ اندر داخل ہوئی، اس نے ایک سر سری نظر عالیانہ پر ڈالی اور پھر فوراً اپنی نظریں جھکا لیں اور ہلکا سا مسکرایا۔

"تم ٹھیک ہو؟ تمہارا بازو کیسا ہے؟ میلیسا بتا رہی تھی کہ زخم بگڑ چکا ہے، اور تم دوائی بھی نہیں لے رہے ہو..."

"تم اچانک میری تکلیفوں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو؟"

وہ چاہتی تھی کہ وہ اسے بتائے کہ وہ بھی نہیں جانتی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ میں لاکھوں دروازے کھل رہے ہیں، کلک کی آوازیں آرہی ہیں، اور پھر اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اس کی شخصیت میں کچھ ڈھونڈنے لگی جو اس کے دل کو چھو جائے۔

اسے احساس ہوا کہ وہ اب اس کی دشمن نہیں بننا چاہتی بلکہ وہ اس کے ساتھ کچھ اور بننے کی آرزو رکھنے لگی تھی۔

"یہ ختم ہو چکا ہے، حیدر۔ میں تمہارے ساتھ بیس میں نہیں ہوں۔ میں تمہاری ٹیم نہیں بنوں گی اور تم کبھی بھی میری اس بارے میں سوچ تبدیل نہیں کر سکو گے۔ میرا خیال ہے کہ تم اب یہ جان چکے ہو۔ تو ہم ابھی بھی ایک دوسرے سے جھگڑ کیوں رہے ہیں؟ تم اب بھی مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟ تم اب بھی کیوں مجھے اپنی چالوں کا شکار بنانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"مجھے کوئی اندازہ نہیں کہ تم کس بارے میں بات کر رہی ہو۔"

تم نے کیسر کو کیوں بتایا کہ میں نے سپریم کو بتایا کہ میں نے تمہیں گولی ماری؟ یہ"
"تمہارے بتانے کے لیے نہیں تھا۔

صحیح۔ بے شک۔ کیا تم کم از کم میرا کوٹ پکڑا سکتی ہو؟ اگر تم یہیں بیٹھ کر مجھ سے یہ"
"سارے سوالات کرنا چاہتی ہو۔

عالیانہ نے اس کا کوٹ اٹھا کر اسے دیا۔ حیدر نے اسے اپنے کندھوں کے گرد پھیلایا اور ایک گہری سانس لی۔

"ہاں، میں نے کیسر کو بتایا تھا۔ یہ جاننا اس کا حق تھا۔"

"! عالیانہ نے فوراً جواب دیا، "یہ جاننا اس کا حق نہیں تھا

بے شک یہ اس کا حق ہے۔" حیدر نے زور دے کر کہا۔ "اس نے نیچے جو پوری دنیا بنائی ہے، وہ اسی طرح کی معلومات پر قائم ہے۔ اور تم یہاں ہو، ان کے درمیان رہ رہی ہو۔ اسے جاننا چاہیے تھا۔ اسے تمہیں اتنی تربیت دینی چاہیے تھی کہ تم سمجھ سکو کہ جب تم اپنے دشمن کے سامنے بیٹھی ہو تو اپنے ذاتی جذبات کو بیچ میں لانا سب کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ تمہیں اتنی بہادری کم از کم اس جگہ پر ضائع نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اگر میں اس وقت کچھ نہ سوچتا تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو دیتا۔"

اس کی آواز زخمی ساز سے بھی زیادہ غمگیں تھی۔ "جس دن تم یہیں سے بھاگی تھی، میں نے تم سے کہا تھا کہ ایک بار تم یہاں سے چلی گئیں تو میں کچھ بھی سنبھال نہیں پاؤں گا۔ اور میں نہیں سنبھال پایا۔ میں خود کو نہیں سنبھال پایا، اپنے دل کو نہیں سنبھال پایا، اپنے زخم کو نہیں سنبھال پایا اور سب سے بڑھ کر زخم دینے والے کو نہیں سنبھال پایا۔"

اس کی آخری بات پر اس نے حیدر کی آنکھوں میں گہری اداسی دیکھی۔

"میں کچھ نہیں سنبھال پایا، اور پھر بابا تک خبر پہنچ گئی۔" وہ زخمی سا ہنسا۔ ایک لمحے کا توقف۔

"کیا تمہیں واقعی پچھتاوا نہیں ہے؟" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا واقعی اگر اگلی بار تمہیں موقع ملے تو تم یہ صحیح سے کرو گی؟" اب وہ اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں۔

"کیا واقعی مجھے مرا ہوا دیکھ کر تمہیں اچھا لگے گا؟" اسے لگا کسی نے اس کا دل بند کر دیا ہے۔ اس کے گلے میں گوند ڈال دی ہے۔ وہ بول نہیں سکی، وہ ہل تک نہ سکی۔ جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ سر جھٹک کر مسکرایا۔

"تم نہیں جانتی کتنے لوگ یہ خواہش کرتے ہیں، اور کتنے لوگ مجھے مارنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ پر میں واقعی تمہارے ہاتھوں مرنا پسند کروں گا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا پر وہ جانتی تھی یہ باتیں اندر ہی اندر اسے زخمی کر رہی ہیں۔ کچھ پل خاموشی میں گزرے۔

"تم وہ سوال کیوں نہیں پوچھتی جو پوچھنا چاہتی ہو؟" اس نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

"کون سا سوال؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کہ میں نے اسے یہ تو نہیں بتایا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ یا یہ کہ میں نے تم سے اپنی محبت کا اقرار کیا اور تم نے اس کے بعد مجھے گولی ماری؟"

عالیانہ کا دل ایک لمحے کو ساکت ہو گیا۔

"یہ اتنی بڑی بات کیوں ہے؟ تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہوتی ہے کہ کوئی جان لے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ یہ راز کیوں ہونا چاہیے؟"

اس نے الفاظ ڈھونڈنے کی کوشش کی، لیکن اس کے الفاظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

"تم ارسل کے بارے میں پریشان ہو؟ تمہیں لگتا ہے کہ اسے یہ جان کر مسئلہ ہوگا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟"

"میں نہیں چاہتی کہ اسے اس طرح سے پتہ چلے..." اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" حیدر نے زور دے کر کہا۔ "تمہیں اس چیز کی اتنی فکر کیوں ہے جس سے تمہاری ذاتی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ اس سے تمہاری ذاتی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟ تم نے یہی کہا تھا، ہے نا؟"

عالیانہ آہستہ سے فرش پر بیٹھ گئی۔ اس نے مہرون پرنٹڈ کمیز شلوار پہن رکھی تھی۔ سیاہ بڑی چادر جو اس نے کندھوں کے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ جوڑے میں کپڑے بالوں سے دو کٹیں اس کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ اس نے اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگالیا اور اپنی نظریں نیچے پتھر کی سطح پر جمادیں۔

"مجھے تم سے نفرت نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور ایک لمحے کے لیے اس کا سانس رک گیا۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں تمہیں سمجھ رہی ہوں، واقعی سمجھ رہی ہوں۔ لیکن جیسے ہی مجھے یقین ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں سمجھ لیا ہے، تم کچھ ایسا کر دیتے ہو جو مجھے حیران کر دیتا ہے۔ اور میں دوبارہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ تم کون ہو یا تم کیا بننے جا رہے ہو۔ لیکن ایک بات کا مجھے اب یقین ہے کہ میں تم سے نفرت نہیں کرتی۔" وہ یک تک اسے دیکھے گیا۔ کمرے کی سرمئی دیواریں ایک دم رنگ برنگے رنگوں میں رنگ گئیں۔

اس نے گہری سانس لی۔ "میں نے کوشش کی، بہت کوشش کی۔ کیونکہ تم نے بہت سی خوفناک چیزیں کی ہیں۔ بے گناہ لوگوں کے ساتھ۔ میرے ساتھ۔ لیکن اب میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ تمہارے اندر اچھائی ہے جو کہیں دبی ہوئی ہے۔"

اس کے بال براؤن شیڈ دیتے تھے۔ اس کی آنکھیں براؤن کا سب سے خوبصورت شیڈ تھیں۔ جب وہ بولا، تو اس کی آواز میں اذیت تھی۔

"کیا تم یہ کہنے کی کوشش کر رہی ہو کہ تم میری دوست بننا چاہتی ہو؟"

اس نے نظریں جھکا کر کہا، "م... مجھے نہیں پتہ۔ میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔ میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ مجھے نہیں معلوم۔ مجھے نہیں پتہ کہ تم سے نفرت کیسے کروں۔" اس کے ارد گرد کی ہر چیز رنگوں سے بھر گئی۔ "حالانکہ میں کرنا چاہتی ہوں، واقعی کرنا چاہتی ہوں۔ اور مجھے پتہ ہے کہ مجھے تم سے نفرت کرنی چاہیے، لیکن میں کر نہیں سکتی۔"

حیدر نے آہستہ سے سر موڑا، دوسری جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔

یہ وہ مسکراہٹ تھی جو ہر چیز بھلا دینے پر مجبور کر سکتی تھی، سوائے پلک جھپکنے کے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اپنی نظریں کسی اور چیز پر مرکوز کیوں نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کا دل بے قابو دھڑک رہا تھا، اور وہ اس کیفیت سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پا رہی تھی۔

مجھے بتاؤ، میں تم سے نفرت کیسے کروں، عالیار؟" عالیار نے بے اختیار اس کی جانب" دیکھا۔ پہلی بار اس نے اسے اس کے اصل نام سے پکارا تھا اور وہ کچھ وقت آنکھیں بند کر کے اس احساس کو بار بار جینا چاہتا تھا۔ پھر وہ ایک چمک دار مسکراہٹ کے ساتھ ہنسا، جس نے اس کے گالوں کے گڑھے کو نمایاں کر دیا۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا؟"

"میرا نام۔"

تمہارا نام؟" عالیانہ نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔"

"مجھے پسند آیا۔"

"اپنا نام؟"

جب تم نے مجھے عالیار کہا۔" پتہ نہیں کیوں وہ ہنس دی۔ وہ واقعی پاگل تھا۔ وہ اس سے" اتنی سنجیدہ بات کر رہا تھا اور وہ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر سب کچھ بھول گئی تھی۔ پھر

وہ سنجیدہ ہو گیا، اس کی نظریں عالیانہ پر جم گئیں۔ "عالیانہ، میں نہیں چاہتا کہ اب تم مجھے حیدر کہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے عالیار کہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم واقعی مجھے پہچانو۔ میں صرف ایک نام بن کر تمہاری زندگی میں نہیں رہنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری دوست بنو۔"

عالیانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ ایک لفظ بھی اس کے ہونٹوں سے نہ نکلا۔ اس کی خاموشی شاید اس کے دل کی کیفیت کا آئینہ تھی۔

••••••☆☆☆••••••

ایک نیا دن۔

وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کا سلیگ اتر چکا تھا۔ اب ایک پٹی نے سلیگ کی جگہ لے لی تھی۔ عالیانہ اس کے سامنے فرش پر بیٹھی تھی۔ کمر سے نیچے تک آتے کھلے بال زمین کو چھو رہے تھے۔ ٹی ہنک شلوار، پنک شلوار پر سفید کرتا جو گھٹنوں تک آتا تھا، کندھوں کے گرد گرم شال۔ گلابی گال، سفید رنگت، میک اپ کے بغیر بھی اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ الفاظ جیسے اسی کے لیے لکھے گئے ہوں۔ وہ سنجیدہ سی بیٹھی تھی۔ وہ اسے کچھ پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ زبان سے نہیں، دل سے نکل رہا تھا، جیسے وہ اسی لیے ہی لکھا ہو۔

"تم وہ پہلی لڑکی ہو جس سے دھوکہ کھانے کو دل کرتا ہے،

جس کو دیکھ کر میرا یونہی مر جانے کو دل کرتا ہے۔

جس کو دیکھ کر دھوپ کا ہر ایک ٹکڑا بادل ہو سکتا ہے۔

تم وہ ہو جس کو دیکھ کر میرے دل کی خالی ٹہنی پر پھول گلابی کھل جاتے ہیں۔

جس کو دیکھ کر مجھ کو اپنی مرضی کے سارے موسم مل جاتے ہیں۔

"تم وہ پہلی لڑکی ہو۔

اس نے پلکیں اٹھا کر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا، صرف ایک پل اور نگاہیں دوبارہ جھکا لیں۔

تم وہ پہلی لڑکی ہو، جس کو دیکھ کر چاند کسی شب پورا پاگل ہو سکتا ہے۔"

جس کو دیکھ کر سیف الملوک جھیل پر اتری پریاں اپنے ہوش گنوا سکتی ہیں۔

جس کو دیکھ کر سوئی سوئی لہریں قدموں کی لذت میں آ سکتی ہیں۔

جس کو دیکھ کر ہر ایک پیار کہانی سچی لگتی ہے۔

"جس کو دیکھ کر مجھ کو ساری دنیا اچھی لگتی ہے۔ تم وہ پہلی لڑکی ہو۔

اب وہ خاموش تھا، لیکن اس کی نظریں عالیانہ پر ٹکی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کیا رد عمل ظاہر کرے۔ وہ خوش ہو؟ حیران ہو؟ یا متاثر ہو؟ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ حیدر جیسا شخص شاعری کیسے کر سکتا ہے۔

تم نے یہ کہاں سے پڑھا؟ تم کتابیں پڑھتے ہو؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔"

عالیار نے اثبات میں سر ہلایا۔

کیا؟"اس نے ایسے رد عمل دیا جیسے وہ کچھ غلط سن بیٹھی ہو۔"

عالیار مسکرایا، وہی مسکراہٹ جس سے سب کچھ بھلا دینے کو دل کرتا تھا۔

سادہ مہرون سویٹر، سیاہ پینٹ، بال ماتھے پر آگے کر گرے ہوئے۔

وہ جب سے یہاں آیا تھا، وہ معمولی لباس پہنتا تھا، اور پھر بھی وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا پاتی تھی۔ اس کو جو پہننے کے لیے دیا جاتا وہ پہن لیتا۔ مگر کھانے کے معاملے میں وہ سمجھوتہ نہیں کرتا تھا، وہ جو کھانا چاہتا تھا اس کے سوا کچھ نہیں کھاتا تھا۔ وہ ہیلتھ فریک تھا۔ اپنے ماحول کی صفائی کا خیال رکھتا تھا۔ اپنی صفائی کا خیال رکھتا تھا۔ صاف کھانے کا خیال رکھتا تھا۔ مینیریل واٹر کے علاوہ وہ پانی نہیں پیتا تھا۔ دن میں دو بار کافی اس کے معمول کا حصہ تھا۔

"تمہیں حیرت ہو رہی ہے؟"

ہاں، مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" عالیانہ نے دھیما سا جواب دیا۔"

میں نے سوچا تھا کہ دستور سب کچھ ختم کر دے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ سب غیر" قانونی ہوگا۔"اس نے جیسے سوال کیا۔

بے شک وہ یہ سب تباہ کر دیں گے، اور جلد ہی یہ غیر قانونی ہو جائے گا۔ وہ پہلے ہی بہت" سی چیزیں تباہ کر چکے ہیں۔" عالیار پہلی بار تھوڑا بے آرام نظر آیا۔

"یہ ایک عجیب سی ستم ظریفی ہے۔" عالیار نے مدھم آواز میں کہا۔ "کہ جب سب کچھ تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تو میں نے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے کچھ فہرستیں چھانٹنے کا کام سونپا گیا تھا کہ کون سی چیزیں رکھی جائیں، کون سی ختم کر دی جائیں، اور کون سی چیزیں مستقبل کے نصاب میں استعمال کے لیے محفوظ کی جائیں۔"

"تمہیں یہ سب ٹھیک لگتا ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔ "کلچر کے بچے کچھے حصے کو تباہ کرنا؟ کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو؟"

وہ نوٹ بک کے کور پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔

"بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو میں مختلف طریقے سے کرتا، اگر میں انچارج ہوتا۔" اس نے گہری سانس لی۔ "لیکن ایک سپاہی کو حکم ماننا پڑتا ہے، چاہے وہ اس حکم سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔"

"اگر تم انچارج ہوتے، تو کیا مختلف کرتے؟" عالیانہ نے سوال کیا۔

عالیار ہنس پڑا، آہ بھری، اور اسے آنکھ کے کنارے سے دیکھ کر مسکرایا۔ "تم بہت سوال کرتی ہو۔" اس نے سر جھٹکا اور پھر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے گزرے۔ عالیانہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، اس کی سوچوں کو پڑھنے کی کوشش کرتی رہی۔

عالیار نے اس کی نظروں کو محسوس کیا، اپنے ہر اٹکا محسوس کیا اور سر اٹھایا۔ "کیا؟"

"تم بالکل مختلف دکھائی دیتے ہو۔ تمہاری ہر بات مجھے حیران کرتی ہے۔"

"کیسے؟"

"پتہ نہیں، تم... بس بہت پر سکون ہو۔"

عالیار دھیرے سے ہنسا، اس کی ہنسی میں کوئی آواز نہیں تھی، صرف ہونٹوں کی حرکت تھی۔ چند پل خاموش رہنے کے بعد، وہ گہری سوچ میں ڈوب کر بولا۔

میری زندگی ہمیشہ لڑائی اور تباہی میں گزری ہے۔ میں نے ہمیشہ یہی دیکھا۔"اس نے" نظریں چرا کر بائیں جانب دیکھنا شروع کر دیا۔

لیکن یہاں... شاید زندگی میں پہلی بار، میں اپنی اس زندگی سے دور ہوں۔ ذمہ داریوں" سے دور ہوں، فرائض سے دور ہوں۔" وہ اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کو خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔

مجھے کبھی چھٹی نہیں ملی۔ ہمیشہ کام، ہمیشہ ذمہ داریاں۔"اس نے گہری سانس لی۔"

"بچپن سے بابا نے میری تربیت کی۔ جب میں بیمار ہوتا، اتنا بیمار کہ کھڑا رہنا بھی مشکل ہو" جاتا، تب بھی انہوں نے مجھے کہا کہ چھٹی کا کوئی تصور نہیں۔

اس کی نظریں عالیانہ سے ملی، اور اس کی آنکھوں میں چھپا درد واضح ہو گیا۔" جانتی ہو وہ کیا کرتے تھے؟" وہ کچھ لمحے خاموش رہا، اپنے لفظوں کو تولتا رہا۔

سردی میں ٹھنڈے پانی میں تب تک کھڑا رکھتے تھے جب تک میرے آنسو خشک نہ ہو جاتے اور میں اپنی بیماری بھول نہ جاتا۔ یہ اتنی بار ہوا کہ مجھے گنتی بھی یاد نہیں۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "تب سے، میں نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ چاہے بیمار ہوں یا تکلیف میں، کام کرنا ہی کرنا ہے۔" یہ بتا کر وہ ہنسا۔ یہ ہنسی والی بات تو نہیں تھی، وہ اپنی زندگی سے اتنا تلخ تھا۔ وہ اپنی تکلیفوں پر خود ہنس رہا تھا۔

یہاں رہنا... یہ کسی چھٹی کی طرح ہے۔" اس نے سرسری سی نگاہ دائیں بائیں دوڑائی۔ "مجھے ہر وقت سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہاں مجھے ہر وقت سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے کچھ کرنے، کسی سے بات کرنے یا کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے کبھی اتنے گھنٹے سونے کے لیے نہیں ملے۔ یہ واقعی ایک عیش و عشرت والی زندگی ہے۔ مجھے زیادہ بار یرغمال بنایا جانا چاہیے۔"

وہ اس کے چہرے کا اس طرح جائزہ لے رہی تھی جیسے اس نے پہلے کبھی نہیں لیا، اور اسے احساس ہوا کہ اسے اس کی زندگی گزارنے کے طریقے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

اسے یاد آیا، ایک بار عالیار نے کہا تھا۔ "تمہیں کچھ نہیں معلوم۔ تم میری دنیا کے عجیب و غریب اصولوں کو سمجھنے کے قابل نہیں ہو۔" اور اب، وہ اس کے لفظوں کی سچائی کو محسوس کر رہی تھی۔ اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بالکل درست تھا۔

اسے احساس ہوا کہ وہ اس سخت، منظم اور تلخ زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی جو عالیار جی رہا تھا۔ لیکن اس لمحے، اچانک، اس کے دل میں عالیار کو جاننے کی خواہش جاگ اٹھی۔ وہ اسے سمجھنا چاہتی تھی۔ وہ اس کی زندگی کی گہرائیوں میں جھانکنا چاہتی تھی، اور شاید، اس کے درد کو کم کرنا چاہتی تھی۔

وہ اس کی محتاط اور نپی تلی حرکات کو بغور دیکھ رہی تھی، اور صاف ظاہر تھا کہ وہ سکون اور لاپرواہی کا محض ڈھونگ رچا رہا ہے۔ اس کے رویے میں ایک عجیب تضاد تھا۔ ظاہری طور پر وہ بے فکری کا تاثر دیتا، مگر اس کی ہر حرکت کے پیچھے گہری سوچ اور منصوبہ بندی ہوتی تھی۔

وہ ہر لمحہ چوکنا رہتا۔ دیواروں کو چھوتا، دروازے کے ڈیزائن اور ہینڈل کا بغور معائنہ کرتا۔ معمولی سی بھی آواز فوراً اسے الرٹ کر دیتی۔ دھات کی کھنک یا باہر سے آنے والی دھیمی سرسراہٹ اسے چوکنا کر دیتی۔ اس کی آنکھوں میں فوری چمک آتی، جیسے ہر وقت کسی نادیدہ خطرے سے خبردار رہنے کی عادت ہو۔

یہ سب اس کی شخصیت کی گہرائی کو ظاہر کرتا تھا۔

اس کی یہ محتاط حرکات بتاتی تھیں کہ وہ کبھی بھی مکمل طور پر پرسکون یا بے فکر نہیں رہا۔ ہر لمحہ تیار، ہر لمحہ ہوشیار، جیسے کوئی خطرہ ہر وقت اس کے سر پر ہو۔

اس کے ذہن میں سوال ابھرا کہ کیا اس نے کبھی حقیقی سکون محسوس کیا ہوگا؟ کیا وہ کبھی بنا کسی خوف یا فکر کے سو سکا ہوگا؟ یا وہ کبھی بغیر اپنے ارد گرد کا دھیان کیے آگے بڑھ سکا تھا۔

اس کے مضبوط ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے تھے، لیکن اس کی انگلیاں مسلسل حرکت میں تھیں۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی انگوٹھی کو اپنی چھوٹی انگلی پر گھما رہا تھا۔ عالیانہ کی نظریں اس کی انگوٹھی پر جم گئیں۔ حیرت ہوئی کہ اسے اتنی دیر کیوں لگی یہ نوٹس کرنے میں کہ وہ انگوٹھی پہنے ہوئے ہے۔

یہ ترمری کا ایک ٹھوس پتھر تھا، براؤن رنگ کا ایک ہلکا شیڈ جو خوبجو اس کی آنکھوں کے رنگ کا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے دماغ میں یادداشت کا دروازہ کھلا۔

ہاں، اس نے پہلے بھی یہ انگوٹھی دیکھی تھی۔

صرف ایک بار۔

اس صبح جب اس نے خان کو زخمی کیا تھا، جب عالیار اسے اس کے کمرے سے لینے آیا تھا، اس دن اس نے اسے اپنی انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے پکڑا اور فوراً اپنے دستانے پہن لیے تھے۔ آج اس نے اسے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے محسوس کیا تو فوراً اپنا بایاں مکا بند کر لیا، اور پھر دائیں ہاتھ سے اسے ڈھانپ لیا۔

کیا؟" اس کی خود پر ٹکی ہوئی نگاہیں محسوس کرتے ہوئے اس نے ابرو اٹھائے۔"

اس نے آنکھوں سے اس کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ بس ایک انگوٹھی ہے، اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

اگر یہ کچھ بھی نہیں ہے تو تم اسے چھپا کیوں رہے ہو؟" وہ تجسس میں مبتلا ہو چکی تھی،" بے تابی سے کسی بھی موقع کی تلاش میں کہ وہ اس کے بارے میں جان سکے، یہ معلوم کر سکے کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

ہاتھوں کی انگلیاں موڑیں، سیدھی کیں۔ پھر وہ اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگا، ہتھیلیاں نیچے، انگلیاں پھیلی ہوئی۔ چند لمحے گزرنے کے بعد اس نے اپنی چھوٹی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور اسے فلوروسینٹ لائٹ کی طرف اٹھا کر دیکھنے لگا۔ فلوروسینٹ کی سنہری روشنی اس کی آنکھوں سے ٹکرائی۔ اس کی آنکھیں توقع کے برعکس چندھیائیں، وہ آنکھیں سکیڑے انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا جو روشنی پڑنے پر چمک رہی تھی۔ بلکل اس کی آنکھوں کی طرح۔ یہ بھورے رنگ کا ایک چھوٹا سا دائرہ تھا۔ آخر کار، اس نے اس کی نظروں سے نظریں ملائیں، انگوٹھی کو اپنی ہتھیلی میں گرایا اور اسے مکے میں بند کر لیا۔

تم مجھے نہیں بتاؤ گے؟" اس نے خاموشی سے سر ہلایا۔ مسکرایا نہیں۔"

کیوں نہیں؟" عالیار نے گردن کو بائیں طرف موڑا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبانے" لگا۔ شاید اس کا کندھا دکھ رہا تھا، یا شاید وہ تناؤ کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عالیانہ کی نظریں اس کے مضبوط ہاتھوں پر جم گئیں۔ اس کے ہاتھوں کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔ اتنا درد اور بوجھ برداشت کرنا کیسا محسوس ہوتا ہو گا؟ وہ خود سے پوچھنے پر مجبور ہو گئی۔

"یہ انگوٹھی تقریباً دس سال سے میرے پاس ہے۔ پہلے یہ میری شہادت کی انگلی میں فٹ آتی تھی۔" اس نے ایک لمحے کے لیے عالیانہ کی طرف دیکھا، پھر نظر دوبارہ دور کہیں جا کر ٹک گئی۔

"یہ میری ماں نے مجھے دی تھی اور میں اس کے بارے میں بات نہیں کرتا۔"

"لیکن... ن... ن..."

"نہیں۔" اس کا لہجہ ختمی تھا۔

"اوکے۔" اس نے مایوسی اور شرمندگی سے لب کاٹتے ہوئے کہا اور سر جھکا لیا۔ وہ اس کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ اس سوال کا جواب بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کا بجھا چہرہ دیکھ کر دل میں ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور وہ سر جھکائے اپنی شال کے کونے سے کھیل رہی تھی۔ اسی نے اس کا موڈ خراب کیا تھا۔ اسے ہی پہل کرنی تھی۔

"کیا تمہیں غالب پسند ہیں؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ موضوع کچھ عجیب تھا مگر اس وقت یہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ عالیانہ نے اس کی توقع کے برعکس سر ہلایا۔ سد شکر وہ ناراض نہیں تھی۔ اس کے منہ سے بے اختیار سانس نکلی۔

"میں آٹھ سال کی تھی تب مجھے بچپن میں آم بہت پسند تھے۔ کھانے میں سب سے پسندیدہ۔ مجھے پسند نہیں تھا کہ میری پسندیدہ چیز کو کوئی اور پسند کرے۔ میں اس معاملے میں بہت پاگل تھی۔" وہ خود سے ہنسی۔ اس کی ہنسی میں قوس وقزاح کے سارے رنگ تھے۔ وہ ہاتھوں کی مٹھی گال تلے جمائے اسے دیکھتا گیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"لیکن ایک دن کتاب پڑھتے پتہ لگا کہ آم غالب کے فیورٹ ہیں، تب مجھے غالب پر بہت غصہ آیا۔ اور میں نے آم کھانا چھوڑ دیے۔ میں نے ان کی کتابیں بھی نہیں پڑھیں، کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ انہوں نے میرا فیورٹ فروٹ چرایا ہے۔"

عالیار نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، ہنسی روکنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا اور ہنسنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ہنسی بے قابو قہقے میں ڈھل گئی۔ وہ خود بھی اپنی بات پر ہنس پڑا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے فرش پر بیٹھے، ہنستے ہوئے محظوظ ہو رہے تھے۔

"میں تقریباً ایک سال پہلے تک غالب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اب بھی ان کی آدھی باتیں نہیں سمجھ پاتا، اس لیے ہم ان کی زیادہ تر کتابوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ لیکن انہوں نے ایک لائن لکھی تھی جو میرے دل میں چھپ سی گئی۔"

"ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

"تمہارے جیسے شخص کی بھی خواہشیں ادھوری رہ سکتی ہیں؟ تمہارے پاس تو سب کچھ تھا... ہر سہولت، ہر آسائش۔"

عالیار کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی۔ "میری کتنی خواہشیں ادھوری رہی ہیں، تم اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔"

"کیا تمہیں اب بھی کوئی ایسی خواہش ہے جو تم چاہتے ہو کہ پوری ہو؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"خواہشیں جب پوری نہ ہوں، تو ایک وقت آتا ہے کہ ہم خواہشیں کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پر ہاں..." اس نے پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا، اس کا چہرہ سنجیدہ تھا، آنکھوں میں جذبات کی ہلکی سی نمی چھپی ہوئی تھی۔

"ایک خواہش ہے جو میں چاہتا ہوں پوری ہو۔" ایک پل کے لیے اس نے عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا، پھر نظریں چرا لیں۔

اس نے عالیار کی آنکھوں میں کچھ دیکھا تھا۔ شاید پانی، سایہ، یا نمی۔

"کیا خواہش ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گے؟" نا جانے کیوں اسے جاننے کی خواہش ہوئی تھی۔

اس نے سر ہلایا۔ چہرہ اب سنجیدہ تھا۔ "بتاؤں گا، بالکل بتاؤں گا، مگر کسی اور موقع پر، کسی اور وقت۔"

وہ بھی اس کے جیسا تھا، ایک ایسا شخص جسے زندگی میں کبھی موقع نہیں ملا۔

ہر کوئی اس سے نفرت کرتا تھا۔ اس کو دیکھے بغیر، اس سے ملے بغیر۔ شاید لوگوں کو اس کے نام سے نفرت تھی۔ یا وہ سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے تھے۔ یا پھر اس کا تاثر ہی ایسا تھا۔ جو بھی تھا، مگر اس سے نفرت کرنا عالمی سطح پر تسلیم شدہ حقیقت بن چکا تھا۔

عالیار حیدر خوفناک تھا، اس پر کوئی بحث نہیں تھی، کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی، کوئی سوال نہیں تھا۔ غلط یہ تھا کہ یہ سب پہلے ہی طے کر لیا گیا تھا کہ وہ ایک نفرت انگیز انسان ہے جو قتل، طاقت، اور دوسروں کو اذیت دینے پر زندہ رہتا ہے۔

لیکن وہ اسے جاننا چاہتی تھی، اُسے جاننے کی ضرورت تھی، اُسے جاننا ہی تھا۔

کیا یہ حقیقت میں اتنا سادہ تھا جتنا وہ اسے کہہ رہا تھا؟ کیا اس کو پڑھنا اور سمجھنا اتنا آسان تھا؟ یا وہ خود یہ آسان اور سادہ بنا رہا تھا؟

کیونکہ اگر ایک دن وہ خود پھسل جائے؟ اگر ایک دن وہ دراڑوں سے گر جائے اور کوئی اسے واپس کھینچنے کے لیے تیار نہ ہو؟ پھر اس کے ساتھ کیا ہوگا؟

••••••☆☆☆••••••

حالات تیزی سے بگڑ رہے تھے۔ ایلفا پوائنٹ کے شہریوں کے درمیان تناؤ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔ انہوں نے سکندر کے آدمیوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نہ ان کی ٹیم کا پتہ چلا، اور نہ ہی ان کے فوجیوں کی کوئی خبر ملی۔ یرغمالیوں کے بارے میں بھی کوئی اپڈیٹ نہیں تھی۔ لیکن سیکٹر فائیو کے شہری، وہ سیکٹر جس کا عالیار حیدر انچارج تھا اور جن کی وہ نگرانی کرتا تھا، زیادہ سے زیادہ بے چین ہوتے جا رہے تھے۔ مزاحمت کے بارے میں افواہیں بہت تیزی سے پھیل رہی تھیں۔

دوبارہ قیام نے حالیہ جنگ کی خبر کو چھپانے کی کوشش کی تھی اور اسے بغاوتی گروپ کے اراکین پر ایک عام حملے کے طور پر پیش کیا تھا، لیکن لوگ اب سمجھدار ہوتے جا رہے تھے۔ ان میں احتجاج ہونے لگا تھا اور کچھ کام کرنے سے انکار کر رہے تھے، حکام کا سامنا کر رہے تھے، کمپاؤنڈ سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے، اور غیر منظم علاقوں کی طرف واپس جا رہے تھے۔

نقصانات بہت زیادہ ہو چکے تھے اور کیسر کچھ کرنے کے لیے بے چین تھا۔ سب کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں جلد ہی دوبارہ نکلنا پڑے گا۔ سکندر کے مرنے کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنا وقت گزار رہا تھا یا شاید ارسل ٹھیک کہہ رہا تھا، کہ وہ صرف صحت یاب ہو رہا تھا۔ لیکن جو بھی وجہ ہو، سکندر کی خاموشی اچھی علامت نہیں تھی۔

آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" کیسر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔"

عالیانہ نے ابھی اپنا ڈنر کھانا شروع کیا تھا۔ وہ ارسل، داس، اور معاذ کے ساتھ اپنی معمول کی میز پر بیٹھی ہی تھی کہ اچانک پلکیں جھپکاتے ہوئے الجھن میں پڑ گئی۔

کیا ہو رہا ہے؟" داس نے سوال کیا۔"

سب ٹھیک ہے؟" ارسل نے پریشانی سے پوچھا۔"

معذرت، مس عالیانہ، میں مداخلت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، لیکن مجھے آپ کو"
"یہاں دیکھ کر تھوڑی حیرت ہوئی۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ کسی مشن پر ہیں۔

عالیانہ چونک گئی، اپنے کھانے کی طرف نظر ڈالی، پھر کیسر کی طرف دیکھا۔"میں...
ٹھیک ہے، ہاں، میں ہوں۔ لیکن میں نے حیدر سے پہلے ہی دو بار بات کی ہے۔ میں کل
"ہی اس سے ملی تھی۔

اوہ، یہ بہت اچھا۔ اور آپ نے کیا معلوم کیا؟" کیسر اتنا پرامید دکھائی دے رہا تھا کہ "
عالیانہ کو خود پر شرمندگی کا احساس ہونے لگا۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے، اور وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کرے یا کیا کہے۔
اس نے سر ہلایا۔

کیسر نے ہاتھ پیچھے باندھ لیے اور سر ہلاتا ہوا نیچے دیکھنے لگا۔

کیا آپ کی دو ملاقاتیں کافی تھیں؟" اس کی نظریں اس کی طرف نہیں تھیں۔"

آپ کی پیشہ ورانہ رائے کیا ہے، مس عالیانہ؟ کیا آپ کے خیال میں اس خاص صورت"
حال میں وقت نکالنا بہتر ہوگا؟ کیا دھان اور اشعل آرام سے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ
آپ کو اپنے مصروف شیڈول میں موقع نہ ملے کہ آپ ہمارے واحد آدمی سے پوچھ گچھ
"....کریں جو ہماری مدد کر سکتا ہے؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ ی

میں ابھی جا رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی اور ٹرے اٹھا کر تقریباً ٹھوکر کھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ "مجھے معاف کریں، میں ابھی جا رہی ہوں۔ میں تم لوگوں سے صبح ناشتے پر ملوں گی۔" وہ سرگوشی کرتے ہوئے دروازے کی طرف دوڑ گئی۔

"اشعل اور دھان، اشعل اور دھان، اشعل اور دھان..." وہ خود کو بار بار بتاتی رہی۔ اسے ان دونوں کے بارے میں بات کرنی ہے۔ جب وہ دروازے سے باہر جا رہی تھی، اس نے داس کو ہنستے ہوئے سنا۔ شاید وہ پوچھ گچھ میں اتنی اچھی نہیں تھی۔

اس کے پاس عالیار سے پوچھنے کے لیے بہت سے سوالات تھے، لیکن ان کا یرغمالیوں کی صورتحال سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہر بار جب وہ خود سے کہتی کہ وہ صحیح سوالات پوچھے گی، لیکن عالیار کسی نہ کسی طرح اسے گمراہ کر دیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے عالیار پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھنے والی ہے اور وہ پہلے ہی گفتگو کو تبدیل کرنے کے لیے تیار تھا۔ یہ بہت الجھن میں ڈالنے والا تھا۔

وہ اس کی توقع کے مطابق فرش پر بچھے گدے پر بیٹھا تھا۔ اس نے لیمن رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ کندھوں پر شال جس سے جھلکتے بھورے بال کمر تک جا رہے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ عالیار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بہت کچھ بدلا تھا اس کے چہرے پر۔ رنگ۔ بے سکونی۔ بے چینی۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرائی۔ جواباً وہ بھی مسکرایا۔ عالیار دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا، سیاہ شرٹ، جینز، اور سفید

جرابیں، اور سفید جاگرز اس کے قدموں کے قریب پڑے تھے۔ بائیں کندھے پر پٹی واضح نظر آ رہی تھی۔

کمرہ کافی چھوٹا تھا۔ ایک دیوار کا دوسری دیوار سے فاصلہ بہت کم تھا۔ شاید یہ اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ لیکن اب اس میں رہنے والے کے کہنے پر اس کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ سرمئی رنگ کمرے کی ہر چیز سے جھلکتا تھا۔ وہ آہستہ سے چلتی اس کے سامنے کی دیوار کے پاس بیٹھ گئی، یوں کہ ان کے چہرے آمنے سامنے تھے۔ اس نے ٹرے سامنے کی۔ چاولوں کا ایک چمچ بھرا۔ پھر کسی احساس کے تحت سر اٹھا کر عالیار کو دیکھا۔ وہ پہلے ہی اسے دیکھ رہا تھا۔

کھاؤ گے؟" اس نے چمچ واپس رکھا۔ وہ جانتی تھی وہ نہیں کھائے گا، پھر بھی اس نے "پوچھنا ضروری سمجھا۔

عالیار نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

میں یہ نہیں کھاتا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ اس نے ناک چڑھایا۔ بڑا آیا میں یہ نہیں" کھاتا۔ اب ہر کوئی اس کی طرح سپریم کمانڈر کا بیٹا تھوڑی تھا جس کی ڈائیٹ میں سلائس، انڈے، قیمہ، کافی، منرل واٹر، فروٹس وغیرہ وغیرہ ہوں۔ اس نے چاول کا چمچ منہ میں ڈالا۔ وہ اسے دیکھ کر ایسے مسکرا رہا تھا جیسے وہ اس کی سب سوچیں پڑھ چکا ہو۔ لیکن اسے کیا؟ ہونہہ کرتے ہوئے اس نے ایک اور چمچ منہ میں ڈالا۔ اس کو میرے کھانے کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔

پھر اسے عالیار کی دھیمی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "اگر میں سپریم کمانڈر کا بیٹا نہ بھی ہوتا، تب بھی میں یہ نہ کھاتا۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

وہ اسد و ساکت اسے دیکھے گئی۔ نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ اسے کیسے پتہ چلا؟ اس نے سر اٹھایا۔ "میں تمہارے کھانے کو برا نہیں سمجھ رہا۔ بس اتنا کہہ رہا ہوں میں یہ سب نہیں کھاتا، میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔" شرمندگی سے اس کے گلابی ہو گئے۔ اب وہ ہنس نہیں رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں کچھ دیر پہلے والی ہنسی کی چمک واضح تھی۔ اس نے کھانا کھایا، ٹرے ایک طرف رکھی۔ اب اسے اپنی اسائنمنٹ پر دھیان دینا تھا۔

تمہیں پڑھنے کا موقع کب ملا؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔"

یہ وہ گفتگو نہیں تھی جو عالیانہ کرنا چاہتی تھی۔ یہ وہ گفتگو نہیں تھی۔ اسے دھان اور اشعل کے بارے میں پوچھنا تھا۔

کیا مطلب؟" اس نے آہستہ سے کندھے جھٹکے اور کمرے کی دوسری طرف نظر ڈالی۔"

"تم نے کہا تھا کہ تم کتابیں پڑھتی تھیں؟"

"ہاں۔"

یہ عجیب لگتا ہے کہ ایک لڑکی، جو اپنی زندگی کے زیادہ تر حصے میں قید رہی، وہ ادب تک "رسائی کیسے حاصل کر سکتی ہے؟ خاص طور پر دستور میں۔"

عالیانہ خاموش رہی، کچھ نہیں کہا۔ عالیار بھی خاموش تھا۔

چند لمحے گزرنے کے بعد، اس نے گہری سانس لی۔ "میں... میں کبھی اپنی کتابیں خود نہیں چُن سکی۔"

اس کے لہجے میں ہلکی سی جھجک محسوس ہو رہی تھی، جیسے وہ خود کو یاد دلا رہی ہو کہ اسے سرگوشی نہیں کرنی چاہیے۔ "میں وہی پڑھتی تھی جو میسر ہوتا تھا۔ میرے اسکولز میں ہمیشہ لائبریریاں ہوتی تھیں، میرے گھر میں بھی کچھ کتابیں تھیں۔ اور بعد میں..." وہ ایک لمحے کے لیے رکی، "بعد میں، میں نے کچھ سال اسپتالوں، نفسیاتی وارڈز، اور نوعمر قیدی مراکز میں گزارے۔"

یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر شرمندگی کا ایک سایہ سا پھیل گیا۔ وہ اپنے ماضی کی تلخ یادوں سے خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ جہاں ایک طرف وہ خود سے صاف گوئی سے بات کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی، وہیں دوسری طرف عالیار کے سامنے بات کرتے ہوئے ایک عجیب سا سکون محسوس کر رہی تھی۔ جیسے وہ محفوظ ہو، مانوس ہو۔ کیونکہ عالیار پہلے ہی اس کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا۔

وہ اس کی زندگی کی ہر تفصیل سے واقف تھا۔ اس کے پاس اس کے تمام میڈیکل ریکارڈز تھے، پولیس کے ساتھ ہونے والے واقعات اور اس کے والدین کے ساتھ تعلقات کی تمام پیچیدگیاں معلوم تھیں۔ اور اب اس نے اس کی نوٹ بک بھی پڑھ لی تھی۔ اس کے ماضی کی ایسی کوئی بات نہیں تھی جو عالیار کو حیران کر سکتی۔ اس کی کسی بھی حرکت پر وہ نہ

تو حیران ہوتا تھا اور نہ ہی خوفزدہ۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس کا فیصلہ نہیں کرے گا اور نہ ہی اس سے دور بھاگے گا۔ اور یہ احساس، شاید کسی بھی دوسری چیز سے زیادہ، اس کے اندر ایک گہری سکون کی لہر پیدا کر دیتا تھا۔

کتابیں ہمیشہ موجود تھیں۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی، نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔ "قیدی مرکز میں۔ وہاں بہت سی پرانی اور خستہ حال کتابیں ہوتی تھیں جن کے سرورق تک غائب ہوتے تھے، اس لیے میں ہمیشہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ان کا نام کیا ہے یا کس نے لکھا ہے۔ میں جو بھی ملتا، پڑھتی تھی۔ کہانیاں، معما، تاریخ، اور شاعری، کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ کیا ہیں۔ میں انہیں بار بار پڑھتی رہتی تھی۔ کتابیں..." وہ لمحہ بھر کو رکی۔ "کتابوں نے میری دماغی صحت کو مکمل طور پر کھونے سے بچائے رکھا۔" وہ اچانک خاموش ہو گئی، جیسے اسے احساس ہو گیا ہو کہ اس نے بہت زیادہ کہہ دیا ہے۔ وہ اس کے سامنے آزادانہ بات کر سکتی تھی۔ سب لوگوں میں سے عالیار وہ واحد شخص تھا جس کے سامنے وہ مکمل ایمانداری سے بات کر سکتی تھی۔ ایک لمحے کا توقف۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش ہم زندگی کے کسی اور موڑ پر ملے ہوتے..."
مطلب... پتہ نہیں، لیکن شاید کسی اور وقت پر ملنے سے ہمارے درمیان کچھ اور ہی ہوتا۔ پھر کیا پتہ، زندگی کی اس کتاب میں ہماری کوئی اور ہی کہانی ہوتی۔" عالیار نے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس موڑ پر تو تم میری طرح دیکھتے بھی نہ۔" عالیانہ اسے دیکھتے ہوئے بے دلی اور مایوسی "سے بولی۔

عالیار نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فلورسنٹ لائٹس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑھنے کی وجہ سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

میں تمہیں نہ دیکھتا، ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا..." ایک دو تین پل اور اسے سمجھ نہ آیا" کیا کہے۔ سب الفاظ آپس میں آ کر مل گئے۔

تم کون ہو؟ تم وہ شخص نہیں ہو جسے میں کبھی جانتی تھی۔" اس نے الجھن میں پوچھا۔"

"میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں، میرے لیے یہ کافی ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی، اُڈے دیکھتی رہی، پڑھتی، لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ اسے اتنا ہی پڑھ سکتی تھی جتنا وہ پڑھنے دیتا تھا۔ وہ اسے اتنا ہی سمجھ سکتی تھی جتنا وہ خود کو سمجھانے کی اجازت دیتا تھا۔ کچھ پل یوں ہی اسے دیکھنے کے بعد اس نے نظریں زمین پر جما لیں۔

زندگی میں اتنے اعتماد کے ساتھ جینا کتنا شاندار ہوتا ہو گا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔"

عالیار نے آنکھیں سکیڑ کر چند لمحے اس کے جھکے سر کو گھورا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز نرم تھی۔ "تم بھی پر اعتماد ہو۔ تم بہادر ہو، تم مضبوط ہو۔ تم بہت خوبصورت ہو۔ تم سب کچھ "فتح کر سکتی ہو۔

اس نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہنس پڑی۔ "میں بہت زیادہ روتی ہوں، اور مجھے سب کچھ فتح کرنے میں دلچسپی نہیں ہے۔"

یہ ایسی بات ہے جو میں کبھی نہیں سمجھ سکوں گا۔۔ "تم صرف ڈری ہوئی ہو۔ تمہیں ان چیزوں سے خوف ہے جو تمہاری زندگی میں نئی ہیں۔ تم لوگوں کو مایوس کرنے سے بہت زیادہ ڈرتی ہو۔ تم اپنی قابلیت کو خود ہی دبائے بیٹھتی ہو، صرف اس لیے کہ تمہیں لگتا ہے کہ لوگ تم سے کچھ اور کی توقع رکھتے ہیں۔ اور تم اب بھی ان اصولوں کی پیروی کرتی ہو جو تمہیں دیے گئے ہیں۔ "اس نے اس کی طرف گہری نظر سے دیکھا۔ "کاش تم ایسا نہ کرو۔"

"کاش تم مجھ سے لوگوں کو مارنے کی توقع کرنا چھوڑ دو۔"

میں نے کبھی نہیں کہا کہ تمہیں ایسا کرنا پڑے گا، لیکن یہ جنگ کا حصہ ہوتا ہے، جنگ میں قتل عام ہوتا ہے۔ جنگ میں، قتل سے بچنا ناممکن ہے۔ "ایک لمحے کا توقف۔ "لیکن سٹیٹکلی، قتل کو اوائڈ کیا جا سکتا ہے۔" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے قتل اس کی ڈکشنری میں کوئی عام سا لفظ ہو۔

تم مذاق کر رہے ہو، ہے نا؟" وہ حیرانی سے بولی۔"

بالکل نہیں۔ "اس نے سنجیدگی سے کہا۔"

لوگوں کو قتل ہونے سے بچایا جا سکتا ہے، عالیار۔ اگر وہ جنگ کا حصہ نہ بنیں، تو انہیں قتل ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔" وہ انتہائی پر امید لہجے میں اپنے ہر لفظ پر زور دے کر

بولی۔ وہ جو ماتھے پر شکنیں ڈال کر اسے دیکھ رہا تھا، ایک دم سے اس کے ماتھے کے بل غائب ہوئے، آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ابھری۔

کیا؟"اس نے نا سمجھی سے سر ہلایا۔"

مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب تم میرا نام لیتی ہو۔ کیوں، یہ میں خود بھی نہیں جانتا۔"اس" نے آنکھیں بند کر لیں اور دیوار سے سر ٹکا لیا۔اس کے گالوں کے ڈمپلز واضح ہو گئے تھے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ یہاں، عالیار کے ساتھ بیٹھی، وقت گزار رہی ہے جیسے ان کے پاس ضائع کرنے کے لیے بہت سے گھنٹے ہوں۔ جیسے ان دیواروں کے باہر کوئی خوفناک دنیا موجود نہ ہو۔اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بار بار کیوں توجہ ہٹا رہی ہے، اور اس نے خود سے وعدہ کیا کہ اس بار گفتگو کو قابو میں رکھے گی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، وہ بول پڑا۔

"میں تمہیں تمہاری نوٹ بک واپس نہیں دوں گا۔"

اس کا کھلا منہ بند ہو گیا۔

مجھے معلوم ہے کہ تم اسے واپس چاہتی ہو، لیکن مجھے اسے ہمیشہ کے لیے رکھنا پڑے" گا۔"اس نے اسے نوٹ بک اٹھا کر دکھائی، مسکرایا، اور پھر اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

کیوں؟" وہ اپنے آپ کو یہ سوال پوچھنے سے روک نہیں پائی۔ "تم اسے اتنا کیوں چاہتے ہو؟"

عالیار جواب دینے کے بجائے بس اسے دیکھا اور پھر پیچھے کی طرف جھکتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"میرے لیے اس زندگی میں کچھ بھی، کبھی بھی آسان نہیں تھا۔ لیکن میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ تبدیلی کو قبول کر لوں اور اُمید رکھوں کہ یہ ہماری غلطیوں کے ازالے کے لیے کافی ہے۔"

"یہ بھی میں نے لکھا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہی الفاظ دہرا رہا ہے جو اس نے کبھی اپنے دل سے نکال کر صفحے پر اتارے تھے۔

"تم نے بہت کچھ لکھا تھا۔" اس نے اُسے دیکھے بغیر کہا۔ "تم نے اپنے والدین کے بارے میں لکھا ہے، اپنے بچپن کے بارے میں لکھا ہے، دوسروں کے ساتھ اپنے تجربات کے بارے میں لکھا ہے۔ تم نے اُمید اور نجات کے بارے میں لکھا۔ تم نے درد کے بارے میں لکھا۔ اور اس بارے میں کہ کیسا محسوس ہوتا ہے جب تم خود کو ایک قابل نفرت انسان سمجھتے ہو۔ کیسا محسوس ہوتا ہے جب ہر کوئی تمہارے دو لفظ کہنے سے پہلے ہی تمہاری مذمت کر دیتا ہے۔"

اس نے گہری سانس لی۔

اس کا بہت سا حصہ ایسا تھا جیسے میں اپنے آپ کو کاغذ پر دیکھ رہا ہوں، جیسے میں ان تمام "چیزوں کو پڑھ رہا ہوں جنہیں میں کبھی کسی سے کہہ نہیں سکا۔"

اور اس کے سامنے بیٹھی لڑکی چاہتی تھی کہ اس کا دل خاموش ہو جائے، اس کی دھڑکن تھم جائے، لیکن وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں لا سکی۔

"ہر دن میں معافی مانگتا ہوں۔" اب کی بار وہ بولا تو اس کا لہجہ مختلف تھا۔ "اس بات کے لیے کہ میں نے تمہیں تکلیف دی۔ جب میں نے سوچا کہ میں تمہاری مدد کر رہا ہوں، میں نے تمہیں ہرٹ کیا۔ میں اپنے لیے معافی نہیں مانگ سکتا۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ میں نے خود کو بہت عرصہ پہلے ہی کھو دیا تھا۔ لیکن میں اس بات کے لیے معافی مانگتا ہوں کہ میں تمہیں سمجھ نہیں سکا۔" اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔

"جو کچھ میں نے کیا، وہ میں نے اس لیے کیا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ تم مضبوط بنو۔ میں چاہتا تھا کہ تم اپنے غصے کو ایک آلے کے طور پر استعمال کرو، ایک ہتھیار کے طور پر جو تمہیں قابو میں لانے میں مدد دے۔ میں چاہتا تھا کہ تم دنیا کے خلاف لڑنے کے قابل ہو جاؤ۔ میں نے جان بوجھ کر تمہیں غصہ دلایا، میں نے تمہیں حد سے زیادہ، بہت زیادہ دھکیلا، تم سے ہولناک اور قابل نفرت چیزیں کروائیں اور یہ سب کچھ میں نے جان بوجھ کر کیا۔ کیونکہ یہی وہ طریقہ تھا جو مجھے اس دنیا کے خوف کے خلاف خود کو مضبوط بنانے کے لیے

سکھایا گیا تھا۔ یہی وہ طریقہ تھا جس سے مجھے لڑنے کی، مضبوط بننے کی تربیت دی گئی تھی۔ اور میں اس طریقے سے تمہیں اس دنیا میں رہنے کے قابل چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تمہارے اندر بہت کچھ بننے کی صلاحیت ہے۔ میں تمہارے اندر عظمت دیکھ سکتا تھا۔ اور پھر میں نے تمہیں تکلیف دی جب میں نے سوچا کہ میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔" وہ کچھ نہ بولی۔ کہہ نہ سکی۔ بس پیشانی پر بل ڈالے اسے دیکھے گئی اور وہ کہتا گیا۔

تم حیرت انگیز کام کرنے جا رہی ہو۔ مجھے ہمیشہ سے یہ معلوم تھا۔ میں بس اس کا حصہ بننا چاہتا تھا۔" نہ وہ کہیں جا رہا تھا، نہ وہ پھر اس کے یہ الفاظ ایسے کیوں تھے جیسے یہ ان کی آخری گفتگو ہو۔ وہ اپنے دل کو سختی سے قابو کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ تمام وجوہات یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی جن کے لیے اسے عالیار سے نفرت کرنی چاہیے، وہ تمام ہولناک چیزیں جو اُس نے اسے کرتے دیکھا تھا، انہیں ذہن میں لانے کی کوشش کرتی رہی لیکن یہ جیسے ناممکن تھا۔ کیونکہ اب وہ جانتی تھی کہ عالیار کی اذیت کیا ہے۔ اس کا درد کیا ہے۔ اس کے لیے بھی یہ دنیا کبھی مہربان نہیں رہی۔

پھر عالیار نے اسے ایک دھیمی مسکراہٹ دی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو اس کی آنکھوں تک نہیں پہنچی، لیکن بہت کچھ کہہ گئی۔

"اپنی ٹیم کو بتادو جنگ کی تیاری کریں۔ اگر منصوبے تبدیل نہ ہوئے، تو میرے والد اگلے کچھ دنوں میں عام شہریوں پر حملہ کرنے کا حکم دیں گے اور یہ ایک قتل عام ہو گا۔ یہ واحد موقع ہو گا کہ تم اپنے لوگوں کو بچا سکو۔"

"تمہیں کیسے...؟" وہ جملہ بھی مکمل نہ کر پائی اور بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔ ششدر، ساکت، شرمندہ۔

"مجھے پتا ہے تم یہاں کیوں ہو عالیانہ۔ میں پاگل نہیں ہوں۔ مجھے پتا ہے تمہیں میرے ساتھ وقت گزارنے پر مجبور کیوں کیا گیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ وہ اس تاثر کو سمجھ نہیں سکی۔ وہ شروع سے جانتا تھا، وہ پہلے دن سے جانتا تھا کہ وہ یہاں کیوں ہے۔ لیکن وہ خاموش کیوں رہا؟ اس نے اسے برا کیوں نہیں محسوس کروایا؟ وہ یہ جانتے ہوئے بھی اپنے دل کی باتیں اس سے کرتا رہا۔ وہ شروع سے ہی جانتا تھا کہ وہ کیا پوچھنے والی ہے اور وہ جان بوجھ کر گفتگو کا موضوع تبدیل کر دیتا۔ شاید وہ اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اگر وہ پہلے بتا دیتا تو شاید وہ دوبارہ اس سے ملنے نہ آتی۔ ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے عالیار کو دیکھا۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا کچھ مختلف سا، کچھ زخمی سا تاثر تھا اس کے چہرے پر۔ ایک دم سے اسے اپنا آپ برا محسوس ہوا۔ اپنا آپ دھوکے باز محسوس ہوا۔ اس نے ہمت اکٹھی کی۔

لیکن تم اتنی آزادی کے ساتھ معلومات فراہم کیوں کر رہے ہو؟ تمہارا ہمیں مدد دینے کا "کیا مقصد ہے؟"

اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے کچھ بدلا تھا، کچھ ایسا جسے وہ پوری طرح سمجھ نہ پائی۔ اس کا چہرہ اب بھی محتاط اور غیر جانبدار تھا، لیکن ان کے درمیان موجود فضا اچانک بدلی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ہوا میں ایک عجیب سی کشیدگی بھر گئی۔ اجنبیت۔

میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ اپنی" جگہ سے ایک انچ نہ ہلا۔

جاؤ۔" اس نے نرمی سے کہا۔"

••••••☆☆☆••••••

داس، ارسل اور عالیانہ جنگی حکمت عملی پر غور کرنے کے لیے کیسر کے دفتر میں موجود تھے۔ پچھلی رات، عالیانہ فوراً داس کے پاس گئی تھی تاکہ عالیار کی فراہم کردہ معلومات شیئر کرے۔ داس نے اسے سیدھا کیسر کے پاس لے جا کر ساری صورتحال واضح کی۔ کیسر نے اس خبر کو بڑے غور سے سنا۔ ایک طرف وہ سکون محسوس کر رہا تھا کہ انہیں بروقت خبر مل گئی، لیکن دوسری طرف وہ خوفزدہ بھی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی تک عالیار کی دی گئی معلومات کو پوری طرح ہضم نہیں کر پایا تھا۔

کیسر نے یہ طے کیا کہ صبح عالیار سے براہِ راست ملاقات کرے گا تاکہ مزید معلومات حاصل کر سکے۔ لیکن عالیار نے خاص معلومات دینے سے گریز کیا تھا۔ اس کے بعد کیسر نے عالیانہ، داس، اور ارسل کو ہدایت کی کہ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے دفتر آئیں تاکہ اگلے اقدامات پر غور کیا جا سکے۔

اب وہ سب اس کے چھوٹے سے دفتر میں دبے بیٹھے تھے۔ عالیانہ کے ساتھ سات اور افراد بھی وہاں موجود تھے۔ یہ وہی چہرے تھے جو اس نے درستور کے اسٹور تج کمپاؤنڈ میں دیکھے تھے۔ یہ لوگ تحریک کے اہم ستون تھے، وہ لوگ جن کے بغیر ایلفا پوائنٹ میں کچھ ممکن نہ تھا۔

وہ حیران تھی کہ وہ کب اور کیسے کیسر کے اس بنیادی گروہ کا حصہ بن گئی۔ لیکن ساتھ ہی وہ اپنے اندر ایک عجیب فخر محسوس کر رہی تھی، جیسے وہ واقعی کسی بڑے مقصد کا حصہ بن چکی ہو، جیسے اس کی موجودگی کسی اہم موڑ پر اثر ڈالنے والی ہو۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی کتنی بدل چکی ہے۔ وہ اب صرف خود پر نہیں بلکہ اپنی صلاحیتوں پر بھی اعتماد کرنے لگی تھی۔ وہ اپنی مضبوطی اور کمزوری، دونوں کو پہچاننے لگی تھی۔

کیسر میز کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کی کہنیاں میز پر ٹکی ہوئی تھیں، ٹھوڑی اس کی ہتھیلیوں پر ٹکی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں تھیں۔ وہ پچھلے پانچ منٹ سے خاموش تھا، کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

بالآخر، اس نے اپنی نظریں اٹھائیں اور داس کی طرف دیکھا، جو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ داس کے دائیں جانب عالیانہ تھی اور بائیں جانب ارسل۔

کیسر کی آواز گونجی، جو دھیمی مگر پُراثر تھی۔

تمہارا کیا خیال ہے؟ حملہ آور یا دفاعی؟ کیا ان کی حکمت عملی ہمیں کمزور کرنے کے لیے" "حملہ آور ہوگی یا وہ اپنے دفاع پر توجہ دیں گے؟

پورے کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ یہ سوال نہ صرف مشکل تھا بلکہ جواب کے ساتھ ایک بڑی ذمہ داری جڑی ہوئی تھی۔

گوریلا جنگ۔" ارسل نے تحمل سے کہا۔ "ان کی حکمت عملی روایتی حملے یا دفاع کی" بجائے غیر روایتی اور چھاپہ مار جنگ پر مبنی ہوگی۔ وہ چھوٹے، غیر متوقع حملے کریں گے تاکہ ہمیں حیرت میں ڈال سکیں اور ہمیں وقت دینے سے پہلے ہی نقصان پہنچا دیں۔" کیسر نے گہری سانس لی اور اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں، میں نے بھی یہی سوچا تھا۔" "ہمیں گروپوں میں تقسیم ہونا پڑے گا۔" داس نے کہا۔ "گروپوں کی ترتیب تم طے کرو گے یا میں؟" "میں ابتدائی گروپ ترتیب دوں گا۔" کیسر نے جواب دیا۔ "پھر تم ان کا جائزہ لے کر ضروری تبدیلیاں کر لینا۔" داس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔" "اور ہتھیار؟" داس نے سوال کیا۔ "میں اس کا انتظام کروں گا۔ مجھے اسلحہ خانے کا علم ہے۔ میں تمام ہتھیاروں کو تیار، صاف، اور بھرا ہوا رکھنے کا انتظام کروں گا۔" اب کی بار ارسل بولا۔ "گڈ۔" کیسر نے کہا۔ "دھان اور اشعل کو تلاش کرنے کے لیے ہم ایک علیحدہ

گروپ بھیجیں گے۔ باقی سب لوگ مختلف کمپاؤنڈز میں پھیل جائیں گے۔ ہمارا مقصد واضح ہے۔ جتنا ممکن ہو، عام شہریوں کو بچانا، اور صرف اتنے سپاہیوں کو ہلاک کرنا جتنا کہ بالکل ضروری ہو۔ یاد رکھنا، ہماری لڑائی سپاہیوں سے نہیں، بلکہ ان کے قائدین سے ہے۔ ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے۔" کیسر نے داس کی طرف دیکھا۔ "داس، میں چاہتا ہوں کہ تم کمپاؤنڈز میں داخل ہونے والے گروپوں کی نگرانی کرو۔ کیا یہ ممکن ہے؟" داس نے فوراً سر ہلا دیا۔ "جی، بالکل۔" "میں خود بیس پر جانے والے گروپ کی قیادت کروں گا۔" کیسر نے مزید کہا۔ "تم اور ارسل سیکٹر فائیو میں گھسنے کے لیے بہترین ہو، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم عالیانہ کے ساتھ رہو۔ تم تینوں کی ٹیم زبردست کام کرتی "ہے، اور ہمیں اس جنگ میں تمہاری مہارتوں کی ضرورت ہے۔

••••••☆☆☆••••••

چھ دن، چھ گھنٹے کی مانند گزر گئے۔ وہ ان دنوں اتنی مصروف تھی کہ وہ عالیار سے بھی ملاقات نہ کر پائی۔ لیکن اس نے میلیسا سے عالیار کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دوائیں وقت پر لے رہا ہے اور اس کی مرہم پٹی بھی ہو رہی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ ریکور کر رہا ہے۔ وہ مطمئن تھی اور خوش بھی۔ اسے خود بھی حیرت تھی کہ وہ خوش کیوں ہے۔

آج، بالآخر وہ عالیار سے ملنے آئی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، اسے ایک عجیب سا منظر نظر آیا۔ کمرے کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ گارڈز نے بتایا کہ عالیار نے خود لائٹس بند کرنے کا کہا تھا۔

وہ حیران رہ گئی۔ اس نے ہمیشہ تاکید کی تھی کہ کمرے کی لائٹس کبھی بند نہ ہوں۔ لیکن آج، صورتحال کچھ اور ہی کہانی بیان کر رہی تھی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں کمرے کے اندر قدم رکھتی گئی، اس کی نظر کمرے کے ہر کونے پر دوڑ رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، مٹھی خود بخود بند ہو گئی، اور خون اس کی رگوں میں تیزی سے دوڑنے لگا۔ کچھ غلط تھا، بہت غلط۔ میلیسا نے بتایا تھا کہ رات سب کچھ ٹھیک تھا، لیکن اب جو منظر اس کے سامنے تھا، وہ کسی طور ٹھیک نہیں تھا۔ اس کا دل بتا رہا تھا کہ یہاں کوئی مسئلہ ضرور ہوا ہے۔ وہ اس کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کر پا رہی تھی، لیکن اندر ہی اندر ایک خوف اس کے دل کو جکڑ رہا تھا۔ کیا وہ ٹھیک ہے؟

کمرے میں موجود سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ وہی سرمئی دیواریں۔ وہی چھوٹا کمرہ جو آج تاریک تھا۔ وہی معمولی سا گدا۔ وہی روشن دان۔ بس ایک تبدیلی تھی۔ دائیں دیوار کے سامنے ایک کرسی رکھی گئی تھی۔ پرانی کرسی۔ وہ کرسی پر بیٹھا تھا، اُس کی پیٹھ عالیانہ کی جانب تھی۔ "تم واپس آئی۔ تمہارا کام تو ختم ہو چکا تھا۔" عالیار کی آواز سنائی دی۔ "ظاہر ہے میں واپس آئی ہوں۔" اُس کی طرف بڑھتے ہوئے، اس نے آہستہ سے

جواب دیا۔ "کیا ہوا؟ کیا کچھ غلط ہے؟" وہ عین اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ اس طرح کے اسے دیکھنے کے لیے عالیار کو سر اٹھانا پڑتا۔ مگر اس نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کی بجائے وہ ہنسا، اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سر پیچھے کو گرا لیا۔

"کیا ہوا؟" اس کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ "کچھ ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟"

مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔ میں مزید یہاں نہیں رہ سکتا۔" اس کی آواز میں بے چینی" تھی۔ کچھ تو غلط تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھا، کہنیاں گھٹنوں پر تھیں اور سر دونوں ہاتھوں میں۔ "عالیار..." وہ ایک دم اس کے سامنے بیٹھی۔ گھٹنوں کے بل۔ پیلے پھولوں والا بلو سویٹر۔ سفید سکرٹ۔ سر پر ٹوپی جس سے نکلی لٹیں چہرے کو چھو رہی تھیں۔ "عالیار..." اس نے ایک بار پھر اسے پکارا۔ "میری طرف دیکھو۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ عالیار نے بے اختیار سر اٹھایا۔ "مجھے بتاؤ کیا ہوا؟" اس کی آواز میں اپنائیت تھی۔ "میری بہن کو میری ضرورت ہو گی۔ مجھے جانا "ہے۔

کیا؟ تمہاری بہن بھی ہے؟" وہ اتنی حیران تھی کہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔"

ہاں۔" اس نے دوبارہ اپنا سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ یہ اس کے بتانے کا انداز تھا کہ وہ اس" بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا ہاتھ اب بھی اس کے بازو پر تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہی، یہاں تک کہ اس نے سر اٹھایا، اور اسے دیکھا۔ لمبی مڑی ہوئی پلکیں۔ ہلکی بڑھی شیو۔ وہی چہرہ جو پہلی بار اس نے حیدر کا دیکھا تھا۔ وہی

آنکھیں۔ لیکن اس کے چہرے کی چمک آج ماند پڑ چکی تھی۔ کچھ پل ایسے ہی گزرے، وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ "کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں بدل سکتا ہوں؟" ایک عجیب و غریب سوال۔ غیر متوقع سوال۔ "کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں مختلف ہو سکتا ہوں، کہ میں محبت والی نارمل زندگی گزار سکتا ہوں؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو بدل سکتا ہوں؟" وہ اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملائے پوچھ رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ہاتھ ایک دم پہلو میں گرا۔ نیلی ٹی شرٹ، جینز۔ گہرے بھورے بال قدرتی انداز میں بے ترتیب جن میں سے چند لٹیں ماتھے پر گری تھیں۔ اس نے اُسے کبھی اتنے بکھرے حال میں نہیں دیکھا تھا۔ اُس کا پورا جسم تناؤ میں تھا۔ وہ کپڑے جو وہ ہمیشہ ترتیب سے رکھتا تھا، آج کمرے میں بکھرے تھے، بستر الٹا پڑا تھا۔ اس کو احساس ہوا کہ عالیار اپنے حواس کھونے کے قریب ہے۔

کیا تم یقین کر سکتی ہو؟" اُس کی طرف دیکھے بغیر اس نے دوبارہ پوچھا۔"

کیا تم یقین کر سکتی ہو کہ میں ایک دن بدل جاؤں گا؟ کہ میں خوشیاں پھیلاؤں گا، "غریبوں کو پیسے دوں گا، اور دنیا سے معافی مانگوں گا؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں بدل سکتا ہوں؟" وہ آخر کار اس کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھیں ڈھلتے سورج کی طرح لگ رہی تھیں۔ گہری، پریشان کن حد تک روشن۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں مختلف ہو سکتا ہوں؟" پھر وہ اس کے سامنے والی دیوار سے پیٹھ ٹکائے بیٹھ گیا۔

کیا یہ اتنا مشکل سوال ہے؟" اس کا دل بے قابو ہوتا جا رہا تھا، ایک لمحہ بھی سکون نہیں پا رہا تھا، مسلسل دھڑک رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ، عالیانہ، میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو۔"

کیوں؟" یہ کچھ وقت خریدنے کی ایک کوشش تھی۔"

ایک دم سے اس کی آنکھیں نرم پڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ میں ڈھلے، پھر وہ آہستہ سے کھلے۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سا تجسس تھا، ایک معصوم سا سوال تھا۔ اُس نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش رہا، پیشانی پر شکن ڈالے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی، اُس کے منہ میں الفاظ کی بھری ہوئی خاموشی تھی۔

تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دے سکتیں؟" اس نے اس انداز میں پوچھا کہ اس کو احساس ہوا کہ عالیار کے بارے میں ہر چیز بہت زیادہ تھی۔ اُس کی جذباتیت، اُس کا غصہ، اُس کی جارحیت، اس کی محبت۔ یہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ خطرناک تھا، برقی سا، جیسے اُس کی موجودگی ایک ایسی طاقت رکھتی ہو جسے قابو میں لانا ناممکن ہو۔ یہاں تک کہ جب وہ خاموش ہوتا، تب بھی اُس کی موجودگی کمرے کو بوجھل کر دیتی تھی۔

اور ایک دم وہ اسے ایک ایسے آدمی کے طور پر دیکھنے لگی، جو اتنے مہنگے کپڑے پہننے کے باوجود ایک گندے آوارہ کتے کو اپنے کوٹ میں چھپنے دیتا اور غصہ کرنے کے بجائے ہنس دیتا تھا۔ وہ اُسے ایک ایسے شخص کے طور پر دیکھنے لگی، جس کا بچپن ظلم و ستم اور تشدد میں گزرا تھا، جس نے اپنے باپ کے جبر کا سامنا کیا تھا، لیکن پھر بھی اُس کے اندر نرمی کہیں نہ کہیں زندہ تھی۔ وہ اُسے سمجھنا چاہتی تھی، اُس کے دل کے بند دریچوں کو کھولنا چاہتی تھی۔

مجھے لگتا ہے کہ تم بدل سکتے ہو۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ "مجھے لگتا ہے کہ کوئی بھی" بدل سکتا ہے۔" اور عالیار مسکرا دیا۔ یہ ایک سست، خوشی بھری مسکراہٹ تھی، جو ہنسی میں بدل گئی اور اُس کے چہرے کو روشنی سے بھر گئی۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کا چہرہ مسرت اور سکون کی عکاسی کر رہا تھا۔

یہ سننا بہت سکون دیتا ہے۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "بہت بہت سکون۔" کچھ پل" یونہی گزرے۔

"تم واقعی اس پر یقین کرتی ہو؟"

"ظاہر ہے کہ میں کرتی ہوں۔"

"عالیار نے آخر کار عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "لیکن تم غلط ہو۔

"کیوں؟"

"کوئی نہیں بدل سکتا۔انسان نہیں بدلتے عالیانہ۔"

میں بے دل ہوں۔"اس کے لہجے میں سرد مہری تھی،اپنے لیے نفرت تھی۔شاید دکھ" بھی تھا۔اور بے بسی بھی۔اُس کے الفاظ اندر سے خالی اور سخت تھے۔

میں ایک ظالم انسان ہوں۔میں برا ہوں۔میں لوگوں کے جذبات کی پرواہ نہیں کرتا۔" میں ان کے خوف اور مستقبل کی پرواہ نہیں کرتا۔مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔مجھے پرواہ نہیں کہ ان کا خاندان ہے یا نہیں۔"پھر وہ خود سے ہنسا۔

تم بھی یہی سوچتی ہو؟ نہیں؟"وہ کہنا چاہتی تھی نہیں،لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔"

اور میں معافی مانگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"اس کے لہجے میں ایسی سرد مہری تھی" جیسے اس کے دل پر سخت برف جم گئی ہو۔"میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کام پر معافی "نہیں مانگی۔

لیکن تم نے اس رات مجھ سے معافی مانگی تھی۔"وہ بے اختیار بولی۔"

وہ کچھ نہ بول سکا۔سارے الفاظ آپس میں خلط ملط ہو گئے۔ایک پل کے لیے اس کی آنکھوں کی سرد مہری ختم ہوئی۔اب ان آنکھوں میں نرمی تھی۔"تم مختلف ہو۔تم گنتی "میں نہیں آتی۔

میں مختلف نہیں ہوں،میں بھی دوسروں کی طرح ایک عام انسان ہوں۔تم نے ثابت" کیاہے کہ تم میں پچھتاوے اور ہمدردی کی صلاحیت ہے۔میں جانتی ہوں کہ تم مہربان ہو

سکتے ہو۔ تم بدل سکتے ہو۔" اس کے لہجے میں ایسا اعتماد تھا کہ وہ اس کی بات پر یقین کرنا چاہتا تھا۔ وہ خود بھی بدلنا چاہتا تھا۔

میں مہربان نہیں ہوں۔ میں بدلنے والا نہیں ہوں۔ میں اپنی زندگی کے پچیس دردناک" سالوں کو مٹا نہیں سکتا۔ میں ان یادوں کو بھول نہیں سکتا جو میں نے جھیلی ہیں۔ میں ایک صبح اُٹھ کر دوسرے لوگوں کی اُمیدوں اور خوابوں پر، دوسرے لوگوں کے وعدوں پر کہ کل بہتر ہوگا، زندگی نہیں گزار سکتا۔" اس کی آنکھوں میں ملال تھا۔ اس کے الفاظ میں تکلیف کی پرچھائیاں تھیں۔ اس کے چہرے پر نفرت کے انگارے تھے۔

اس نے گہری سانس لی۔

اور میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ مجھے کبھی دوسروں کی پرواہ نہیں رہی۔ میں" قربانیاں نہیں دیتا، نہ ہی سمجھوتہ کرتا ہوں۔ میں نہ اچھا ہوں، نہ منصف، نہ شائستہ، اور نہ کبھی بن سکوں گا۔ میں یہ سب نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ سب بننے کی کوشش کرنا میرے "لیے شرمندگی کا باعث ہوگا۔

تم ایسا کیسے سوچ سکتے ہو؟ تمہیں بہتر بننے کی کوشش پر شرمندہ کیوں ہونا چاہیے؟"اس" نے حیرت سے پوچھا۔

لیکن وہ اسے سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آئی۔ وہ ایک کڑوی آواز میں بولا۔

کیا تم مجھے چھوٹے بچوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھ سکتی ہو؟ کیا تم مجھے کسی اجنبی کی "مدد کرتے یا ہمسائے کے کتے کے ساتھ کھیلتے ہوئے تصور کر سکتی ہو؟

ہاں، میں دیکھ سکتی ہوں۔ "اس نے کہا کیونکہ اس نے اسے ایسا کرتے دیکھا تھا۔ اس نے "آہستگی سے سر ہلایا۔ "نہیں۔

کیوں نہیں؟ یہ ماننا اتنا مشکل کیوں ہے؟ "اس نے ضدی لہجے میں پوچھا۔"

"اس قسم کی زندگی، میرے لیے ناممکن ہے۔"

لیکن کیوں؟ "اس نے نرمی سے استفسار کیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔"

کیونکہ میں یہ سب محسوس کر سکتا ہوں۔ میں ہمیشہ سے محسوس کر سکتا ہوں۔ "ایک" چبھن سی تھی اس کی آنکھوں میں۔

"کیا محسوس کرتے ہو؟"

یہ کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ "اس کے لہجے میں مایوسی تھی، بے حد" بیزاری۔

ان کے جذبات، ان کی سوچ، میں سب محسوس کر سکتا ہوں۔ "وہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔"

میں جانتا ہوں کہ لوگ مجھ سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے" والد کو میری کوئی پرواہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میری ماں کیسے مری، میری بہن کس

اذیت میں مبتلا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم باقی سب کی طرح نہیں ہو۔" اس نے سر اٹھایا۔ عالیانہ کو دیکھا۔

میں جانتا ہوں کہ تم سچ کہتی ہو جب تم کہتی ہو کہ تم مجھ سے نفرت نہیں کرتی۔" اس" سب میں پہلی بار اس نے عالیار کی آنکھوں میں سکون کی ایک چمک دیکھی تھی۔" تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم مجھ سے نفرت کرنا چاہتی ہو، پر تم نہیں کر سکتی۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہے؟" اسکرٹ والی لڑکی بھی اس سوال کا جواب چاہتی تھی۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

کیونکہ تمہارے دل میں میرے لیے کوئی بدنیتی نہیں ہے۔ اگر ہوتی، تو مجھے معلوم" ہوتا۔" وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا۔

میں جانتا ہوں کہ تم مجھے گولی مارنے پر بہت پچھتائی تھی۔ تم مجھے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا" چاہتی تھی، نہ اس کلاس روم میں اور نہ بیس پر۔ تمہارے دل میں میرے لیے کچھ ہے، جو تم خود بھی نہیں سمجھ پا رہی ہو۔" اس کے دل میں کچھ ہوا تھا۔

تمہیں یہ کیسے معلوم؟ ت- تم یہ سب کیسے جان سکتے ہو؟" اس کی آنکھوں میں ایک" عجیب سی روشنی تھی۔

کسی نے مجھے کبھی اس طرح نہیں دیکھا جیسے تم دیکھتی ہو۔ کسی نے مجھ سے اس طرح" بات نہیں کی جیسے تم کرتی ہو۔ تم مختلف ہو، عالیانہ۔ تم بہت الگ ہو۔ تم مجھے سمجھ سکتی ہو۔ تمہارے سوا کسی نے میرے دل کو نہیں سمجھا۔ کسی نے مجھے نہیں سمجھا۔ تمہارے

علاوہ میں نے اپنے لیے کسی ایک آواز میں بھی نرمی اور محبت محسوس نہیں کی۔ برسوں گزر گئے عالیانہ۔ میری ماں کے علاوہ تم واحد ہو جو مجھے ویسا بننا نہیں دیکھنا چاہتی جیسا میں ہوں۔" یہ دوسری بار تھا جب اس نے اپنی ماں کا ذکر کیا تھا۔ دونوں بار لفظ "ماں" پر اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔ کچھ بے چینی، کچھ تکلیف۔

لیکن باقی دنیا مجھ سے کچھ اور چاہتی ہے۔ باقی دنیا میرے اندر کی نرمی کو نہیں دیکھنا" چاہتی، وہ میری ہمدردی اور مسکراہٹوں کو رد کر دیتی ہے۔ وہ میری ہمدردیوں کی قدر نہیں کرتی۔ کیسر واحد ہے جو میری حقیقی ذات کو جانتا ہے۔ لیکن اس کی مجھ سے وابستہ امیدیں بھی اس کے نظام کی کمزوری کو بے نقاب کرتی ہیں۔ یہاں ہر کوئی اپنی خود فریبی میں خود کو ہلاک کرنے پر تلا ہوا ہے، یہ لوگ اپنی ہی ناسمجھی میں تباہ ہو جائیں گے۔ وہ اپنی ہی نادانی میں فنا ہو جائیں گے۔ یہاں کسی کو نہیں پتہ کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ سب اپنی "نادانیوں میں خود کو برباد کروالیں گے اور یہ سب خود کو قتل کروالیں گے۔

"یہ سچ نہیں ہے۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔"

میری بات سنو۔ یاد رکھنا۔" عالیار کی آواز مزید سنجیدہ ہو گئی۔ "اس ظالم دنیا میں" صرف وہ لوگ کامیاب ہیں جن کے پاس طاقت ہے۔ اور تم... تمہارے پاس بھی طاقت ہے جو تمہارے اندر کہیں چھپی ہے۔ میں تمہیں یہ پورا سیکٹر فتح کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں۔ پر شاید تمہیں اپنی صلاحیت کو پہچاننے کے لیے مزید وقت چاہیے، لیکن میں

ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گا۔ میں ہمیشہ چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ رہو۔ کیونکہ ہم دونوں... ہم دونوں ایک ساتھ خوش رہ سکتے ہیں۔" وہ رکا۔ "کیا تم تصور کر سکتی ہو؟"

اس کی آنکھیں عالیانہ کی طرف مرکوز تھیں۔ بھنویں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "یقیناً تم یہ سوچتی ہو۔" اس نے خود سے سر ہلایا۔ "تم ہر وقت اس بارے میں سوچتی ہو۔" اور وہ ہل تک نہ سکی۔ "تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے، تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اپنی بے وقوفی میں تمہیں بھی اپنے ساتھ مروا دیں گے۔ میں نہیں چاہتا تمہیں کچھ ہو۔ میں تمہیں مرا ہوا نہیں دیکھ سکوں گا۔"

"میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے!" اب وہ غصے میں تھی، تھوڑی ناراض۔

"میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کروں گی جو مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو تبدیلی لانے کی کوشش کر رہے ہیں، کم از کم وہ معصوم لوگوں کو قتل نہیں کر رہے۔"

"تمہیں لگتا ہے تمہارے دوستوں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا؟" عالیار غصے میں دھاڑ رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں شعلے کی طرح دہک رہی تھیں۔

"تمہیں لگتا ہے کہ ارسل نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا؟ داس نے کبھی کسی اجنبی کو گولی نہیں ماری؟ وہ میرے سپاہی تھے! میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں ایسا کرتے دیکھا ہے۔"

وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کی وفاداریاں کبھی بھی درستور کے" ساتھ نہیں تھیں۔" وہ بھی اسی قصے میں بولی۔

میری وفاداریاں بھی درستور کے ساتھ نہیں ہیں۔" ایک پل کے لیے دونوں خاموش" ہو گئے۔ عالیار نے آنکھیں بند کیں۔ گہرا سانس لیا۔ خود کو پر سکون کیا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز نرم تھی۔" میری وفاداریاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو جینا جانتے ہیں۔ میرے" پاس اس کھیل میں صرف دو آپشنز ہیں۔ قتل کر دیا قتل ہو جاؤ۔

نہیں! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ زندگی گزارنی ضروری نہیں۔ تم اپنے والد اور اس" زندگی سے دور ہو سکتے ہو۔ تمہیں وہ نہیں بننا چاہیے جو وہ چاہتے ہیں۔" وہ بضد تھی۔

نقصان پہلے ہی ہو چکا ہے، میرے لیے بہت دیر ہو چکی ہے۔ میں نے اپنی تقدیر کو قبول" "کر لیا ہے۔

"! نہیں، عالیار"

میں تمہیں میرے بارے میں فکر کرنے کو نہیں کہہ رہا۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ" میرا مستقبل کیسا ہو گا اور میں اس کے ساتھ ٹھیک ہوں۔ میں تنہائی میں جینے پر خوش

ہوں۔ میں اپنی باقی زندگی اپنے آپ کی صحبت میں گزارنے سے نہیں ڈرتا۔ مجھے تنہائی کا خوف نہیں ہے۔"

"تمہیں وہ زندگی گزارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اکیلے ہونے کی ضرورت ہے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں یہاں نہیں رہوں گا، میں صرف تمہیں یہ بتانے چاہتا ہوں کہ میں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈوں گا اور جیسے ہی موقع ملا، یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میری چھٹی آفیشلی ختم ہو چکی ہے۔" اس کا دل کسی نے مٹھی میں رکھ کر مسلا تھا۔ وہ جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

"تو تم کہہ رہے ہو کہ تم ہماری مدد کرو گے؟" عالیار کے سامنے رکھی اضافی کرسی پر کیسر بیٹھا تھا۔

"اونہوں!"

عالیار نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ کیسر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی لڑکی کو بس ایک پل کے لیے دیکھا اور دوبارہ نظریں کیسر پر جمائیں۔

"میں صرف تمہاری وہ مدد والی پیشکش قبول کر رہا ہوں۔" کیا انداز تھا، کیا غرور تھا، کیا شان تھی۔ گرے شرٹ پر سیاہ سویٹر، سیاہ پینٹ۔ آستینیں ہمیشہ کی طرح اس کی کہنیوں

پر چڑھی ہوئی ہیں۔ بال ماتھے پر قدرتی انداز میں بکھرے ہوئے۔ اسے ہمیشہ سے لگتا تھا کہ اس کے مہنگے کپڑے اس کی شخصیت کو ابھارتے ہیں پر جب سے وہ یہاں آیا تھا تب سے وہ ان کے دیے ہوئے سادہ کپڑے پہنتا تھا۔ مگر اس کی شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ ویسا ہی تھا۔ باوقار، پرکشش، خوبصورت۔ لباس اس کی شخصیت کو نہیں ابھارتے تھے، وہ اپنی شخصیت خود ابھارتا تھا۔

"میں کیسے مانوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟"

یہ میرا مسئلہ نہیں ہے کیسر۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ ماننا نہ ماننا، اٹس یور چوائس۔ میں " اپنے منہ سے نکلے گئے الفاظ کی ضمانت نہیں دیتا، نہ دوں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے عالیانہ کی طرف نہیں دیکھا، لیکن وہ بس اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ پرسکون دکھنے کی اداکاری کر رہا تھا۔ چونکہ وہ اداکار نہیں تھا، اس لیے وہ اس کی اس اداکاری کو پہچان سکتی تھی۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس کی یہ اداکاری صرف انہی لوگوں کے سامنے ماند پڑتی تھی، جن کو وہ اپنی اداکاری نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ اور اس وقت وہ سامنے بیٹھی لڑکی کے سامنے اداکاری نہیں کر رہا تھا۔ اس نے عالیانہ کے سامنے کبھی اداکاری نہیں کی۔ وہ سکون میں نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی۔ کچھ پل کی مکمل خاموشی۔ عالیار سر جھکائے، انگلی میں پہنی انگوٹھی کو گھورتا رہا۔

تمہیں کیا لگتا ہے؟" کیسر نے سر موڑ کر عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟" کیا آپ کو اس پر یقین ہے؟" عالیار نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا، وہ اس کا

جواب جاننے کے لیے بے تاب تھا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ کیا وہ اس پر بھروسہ کرتی ہے۔ ایک پل، دو پل، تین پل۔ وہ کچھ نہ بولی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموش رہی۔ خاموش رہنا بھی ایک جواب ہوتا ہے۔

داس تربیتی کمرے میں میرا انتظار کر رہا ہے۔" وہ ایک دم اس سے نظریں چرا کر اٹھ" کھڑی ہوئی۔ البتہ اس کی نظریں اب بھی عالیار پر تھیں۔ کچھ تھا جو اس کی آنکھوں میں چبھ سا گیا تھا۔ کچھ تھا جو اس کے دل کو توڑ گیا تھا، اس کی آنکھوں میں اعتماد ٹوٹنے کی کرچیاں تھیں... ان میں دکھ تھا۔ تکلیف تھی۔ درد تھا۔ امید ٹوٹنے کا درد تھا۔ عالیار نے نظریں چرالیں۔ پر وہ اس کی آنکھیں دیکھ چکی تھی۔ پھر وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکلی، عالیار نے سر اٹھا کر اسے نہیں دیکھا، البتہ کیسر اس کے اس ردعمل کو نہیں سمجھ پایا اور کچھ پل دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر آخر کار وہ عالیار کی جانب مڑا۔

جنگ میں رسک لیے جاتے ہیں، میں بھی رسک لوں گا۔ میں تم پر بھروسہ کروں گا۔"''
عالیار نے سر کو معمولی سی جنبش دی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ ہال کی باہری راہداری میں، تین زینوں والی سیڑھی پر بیٹھی تھی۔ اس کا سر دونوں ہاتھوں میں گرا ہوا تھا۔ جب سے وہ عالیار کے کمرے سے آئی تھی، ایک عجیب سی بے چینی نے اس کے دل کو جکڑ رکھا تھا۔ عالیار کی آنکھیں، کاش اس نے انہیں نہ دیکھا ہوتا۔ کیا اس نے خاموش رہ کر غلطی کی؟ کیا اسے ہاں بول دینا چاہیے تھا؟ وہ کیسر کی پیشکش کیسے

قبول کر سکتی تھی؟ کیا وہ واقعی مدد کرے گا؟ لیکن اس نے تو کہا تھا کہ وہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ڈھونڈ لے گا۔ پھر اس نے خود کو کیسر کے آفس کی جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ کیسر کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں نے آپ سے اس لیے پوچھا تھا کیونکہ آپ نے اس کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے۔ آپ اس کے ساتھ بیس میں رہی ہیں، آپ نے یہاں اس کے ساتھ وقت گزارا۔ وہ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ کمفرٹیبل ہے۔ وہ آپ کے علاوہ کسی سے بات نہیں کرتا، اور جب آپ اس کے ارد گرد ہوتی ہیں، تو وہ بالکل مختلف انسان بن جاتا ہے۔ مجھے لگا کہ آپ اس کو ہم سب سے زیادہ جانتی ہیں، آپ اس کے قریب رہی ہیں۔ اسی لیے میں نے آپ سے وہ سوال پوچھا۔"

میں کرتی ہوں اس پر یقین۔ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ وہ مدد کرے گا، تو وہ کرے گا۔" وہ خود" بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنے اعتماد سے یہ سب کیسے کہہ رہی تھی۔

کیسر نے آنے والی لڑائی کی تفصیلات بتانے کے لیے سب کو کھانے کے ہال میں اکٹھا کیا تھا کیونکہ یہ سب کو ایک جگہ بٹھانے کے لیے سب سے آسان مقام تھا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا، کچھ زبردستی کی گفتگو کی۔ دو گھنٹے گھبراہٹ میں گزرے جن میں کبھی کبھار ہنسی کے دورے بھی شامل تھے، جو زیادہ تر دباؤ میں گلے سے نکلتی تھی۔ میلیسا اور داس سب سے آخر میں ہال میں داخل ہوئے۔ داس نے سفید ڈریس شرٹ پر سیاہ لیڈر جیکٹ

پہن رکھی تھی۔ سفید پینٹ اور سفید ہی جو گرز۔ بال ماتھے پر آگے کو بکھرے ہوئے۔ میلیسا بالوں کی پونی ٹیل بنائے، گہرے نیلے رنگ کی سکرٹ میں تھی۔

دونوں نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اس کے ساتھ والی کرسیوں پر آکے بیٹھ گئے۔ ارسل عالیانہ کے داہنی جانب والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ مہرون سویٹر۔ سیاہ پینٹ، سیاہ ہی بال جو ایک جانب سیٹ کیئے گئے تھے۔ اس نے بھی داس اور میلیسا کو سر کے اشارے سے سلام کیا۔ اس کا چہرہ پہلے سے کمزور تھا۔ پچھلے دنوں میں ارسل کے ٹربر کلاسز کا تیسرا اسیشن بھی ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ خطرے سے باہر تھا۔ وہ بہت بہادر تھا۔ اس نے بہادری سے اس بیماری کا سامنا کیا تھا۔ کچھ دیر بعد کیسر نے بولنا شروع کیا۔ اس نے بتایا کہ سکندر عوام کے پیچھے آرہا ہے۔ لوگ بغاوت کر رہے ہیں، اور درستور کے خلاف پہلے سے زیادہ غصے میں ہیں۔ ان کی جنگ نے انہیں امید دی ہے۔ اس نے بتایا کہ پہلے انہوں نے صرف مزاحمت کی افواہیں سنی تھیں، لیکن اب جنگ نے ان افواہوں کو وقت کا روپ دے دیا ہے۔ اب وہ ان سے توقع کر رہے ہیں کہ وہ ان کا ساتھ دیں، ان کے ساتھ کھڑے ہوں۔ سب غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ پھر کیسر نے کچھ ایسا کہا کہ لوگوں کا سکون برباد ہو گیا۔ وہ غصے میں آ گئے۔

ہمارا یرغمالی، اب یرغمال نہیں رہا۔ "ناممکن۔ یہ ناممکن تھا۔"

اس نے ایلفا پوائنٹ میں پناہ کی درخواست کی ہے۔" ہجوم ایک ناراض ہنگامے میں "پھٹ پڑا، غصے اور جذبات سے بھرپور، ہر طرف چیخ پکار ہونے لگی۔ ہر کوئی ایک ساتھ چلانے لگا۔ "اسے مار ڈالو!"

"وہ مرنے کا مستحق ہے!"

ناجانے کیوں اس کے دل میں جکڑن سی ہونے لگی۔ پہلی بار عالیار کی موت کا خیال اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ یہ خیال اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

میری بات سنیں!" کیسر اونچی آواز میں بولا تھا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ ناراض ہیں!" آنے والی لڑائی کا سامنا کرنا مشکل ہو گا، لیکن ہم اپنی جارحیت کو ایک شخص پر مرکوز نہیں کر سکتے۔ ہمیں اسے اپنی لڑائی کے لیے ایندھن کے طور پر استعمال کرنا ہو گا اور متحد رہنا ہو گا۔۔"چند سیکنڈز کی خاموشی۔

"میں اس وقت تک نہیں لڑوں گا جب تک وہ مر نہ جائے!"

آج رات اسے قتل کر دیں گے!" ہجوم غصے سے دہاڑ رہا تھا۔ عالیانہ کو یہ اندازہ نہیں تھا" کہ ایلفا پوائنٹ کے لوگوں کے دلوں میں اتنی گہری نفرت بھری ہوئی تھی۔

رک جاؤ!" کیسر نے ہاتھ ہوا میں بلند کیے، اس کی آنکھیں غصے کی آگ کی طرح جل" رہی تھیں۔ وہ کیسر کی اتھارٹی کو چیلنج کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، کم از کم ابھی نہیں۔

وہ کہتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ لڑے" گا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے خلاف لڑے گا اور دھان اور اشعل کو ڈھونڈنے میں ہماری مدد کرے گا۔ "کمرے میں ہر طرف شور و غوغا برپا ہو گیا۔ ہر کونے سے ہنگامہ اُٹھنے لگا۔

"!وہ جھوٹا ہے"

"!ثابت کرو"

"تم اس پر کیسے یقین کر سکتے ہو؟"

"!وہ اپنے ہی لوگوں کا غدار ہے! وہ ہمارا بھی غدار بن جائے گا"

"!میں کبھی اس کے ساتھ نہیں لڑوں گا"

"!میں اسے مار ڈالوں گا "

سب لوگ خاموش ہو جائیں!" کیسر نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے تا کہ اعتراضات" کے شور کو روک سکے۔

خاموش!" کیسر کی آنکھیں سکڑ گئیں، فلورسنٹ لائٹس کے نیچے چمک اُٹھیں، اور وہ" ایسے بولا جیسے چیلنج کر رہا ہو کہ اب کوئی بات کرے، چیخے یا اختلاف کرے۔

آپ اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ لوگوں کی مدد کروں گا، اور" میں اپنی قسم نہیں توڑوں گا۔ اپنے بارے میں سوچو!" وہ غصے میں تھا۔ "اس دن کے

بارے میں سوچو جب آپ سب اکیلے تھے! اس دن کے بارے میں سوچو، جب میں نے آپ سب پر بھروسہ کیا تھا! کیا آپ نہیں سمجھتے کہ وہ بھی بدل سکتا ہے؟ آپ سب اس پر کیسے فیصلہ سنا سکتے ہو؟ آپ اُس شخص کا فیصلہ سناتے ہو جو معافی کا طلبگار ہے!"

کیسر کا چہرہ کراہت سے بھر گیا۔

"اگر اس نے ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے کچھ بھی کیا، اگر اس نے وفاداری کا ایک بھی قدم غلط اٹھایا، تو تب آپ سب کو اس پر فیصلہ سنانے کا حق ہو گا۔ لیکن پہلے ہم اسے ایک موقع دیں گے۔" اس نے اپنی ناراضگی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

"وہ کہتا ہے کہ وہ ہمارے آدمیوں کو ڈھونڈنے میں ہماری مدد کرے گا! اس کے پاس ایسی اہم معلومات ہیں جو ہم استعمال کر سکتے ہیں! ہم کیوں موقع لینے سے ہچکچا رہے ہیں؟ وہ محض پچیس سال کا نوجوان ہے! وہ ایک ہے، اور ہم بہت زیادہ ہیں!"

ہجوم خاموش ہو چکا تھا، آپس میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں، اور وہ باتوں کے ٹکڑے سن سکتی تھی جیسے "یہ بے وقوفی ہے"،

"یہ مضحکہ خیز ہے"

"یہ ہمیں مروانے والا ہے!" لیکن کوئی کھل کر نہیں بولا، اور اس نے راحت کی سانس لی۔ وہ یقین نہیں کر سکتی تھی کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے، اور دل میں چاہتی تھی کہ کاش وہ عالیار کے انجام کی پرواہ نہ کرے۔

کاش وہ اس کی موت چاہ سکتی۔ کاش وہ اس کے لیے کچھ بھی محسوس نہ کرتی۔ لیکن وہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ اس کے بس میں نہیں تھا

تمہیں کیسے پتہ ؟" کسی نے پوچھا۔ ایک پر سکون آواز جو معقول بننے کی کوشش کر رہی" تھی۔

یہ آواز اس کے قریب سے آرہی تھی۔ مہرون سویٹر والا نوجوان کھڑا ہوا، جس کی رنگت بیماری کی وجہ سے گندمی ہو چکی تھی۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ سچا ہے؟ کیا تمہارے پاس کوئی ضمانت ہے؟"

اور پھر کیسر نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔ اور اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم سے جان نکل گئی۔ جیسے اس کا دل کبھی دوبارہ دھڑک نہیں سکے گا۔ اور وہ منت کر رہی تھی، دعا کر رہی تھی، امید کر رہی تھی کہ کیسر وہ الفاظ نہ کہے جو وہ کہنے والا تھا، لیکن کیسر نے کہہ دیا۔

ہاں، میرے پاس ضمانت ہے۔ عالیانہ نے اس کے ساتھ ہمارے سے زیادہ وقت گزارا" ہے۔ وہ اسے جانتی ہیں۔ انہوں نے حیدر کی ضمانت دی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ اگر وہ مدد کا "کہہ رہا ہے تو وہ مدد ضرور کرے گا۔

خاموشی۔ ہر جانب مکمل خاموشی۔

اس کا جسم جیسے بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر اذیت ناک لمحے کو دوبارہ جیتا محسوس کر رہی تھی۔ کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ سب کی نظریں اس پر تھیں۔ اور اس کی ارسل پر۔ ارسل اسے گھور رہا تھا۔ ماتھے پر بل ڈالے۔

اس کے چہرے پر الجھن، غصہ، تکلیف، اور شدید کشمکش کے تاثرات تیزی سے بدل رہے تھے۔ تھوڑی سی دھوکہ دہی، شک، اور اس سب میں درد کا ایک کرب تھا۔ وہ کسی ناقابل یقین حقیقت کا سامنا کر رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ وہ کچھ کہے، کچھ پوچھے، الزام لگائے یا کوئی مطالبہ کرے، مگر ارسل خاموش تھا۔ وہ بس اسے دیکھتا رہا، اور اس نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کی روشنی آہستہ آہستہ بجھ رہی ہے، غصہ درد میں بدل رہا ہے۔ پھر وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ارسل نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

ارسل... "عالیانہ نے سر موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے پکارا۔ لیکن اس نے نہیں سنا، وہ" کھڑا ہوا، اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلا گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے نکل گئی۔ پیچھے ہجوم میں شور و غل بڑھنے لگا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ "اس کی آنکھیں دکھ اور بے یقینی سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ" دونوں ہال کی اوپری سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑے تھے، شاید یہ بچوں کا پورشن تھا۔ ہال کی بھنبھناہٹ اب بھی ان کی سماعتوں سے ٹکراتی تھی۔

ارسل، میں.... "اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔"

تم نے کہا تمہیں اس پر یقین ہے۔" یہ سوال نہیں تھا۔ وہ بمشکل اس کی آنکھوں میں" دیکھ رہا تھا۔

تم نے اس کی ضمانت دی؟"کاش اس بات کا جواب دینا اتنا آسان ہوتا۔"

ہاں۔"اس نے بمشکل اپنے لبوں کو حرکت دے کر آہستہ سرگوشی کی۔"

واقعی؟اس نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔ وہ تمہیں مار سکتا تھا۔ تم اس شخص کے" "بارے میں ایسا کیسے کہہ سکتی ہو۔

اس کے ماتھے پر شکن تھی۔ اس نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی. میرا مطلب... عالیانہ! تم نے اس کے ساتھ اتنا وقت گزارا۔ کیا تمہیں وہ اچھا تو "....نہیں

ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ صرف میری اسائنمنٹ تھا۔"ارسل نے ایک لمبی اور گہری" سانس لی۔"کیا مجھے کبھی سکون ملے گا عالیانہ؟"اس کی آواز، اس کا انداز۔ عالیانہ کا دل اندر تک ٹوٹا تھا۔

عالیانہ!" یہ آواز۔ وہ جم گئی۔ نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتا۔ وہ یہاں نہیں تھا۔ یہاں باہر ہونا" اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ نہیں پلٹی۔ اوہ خدا نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ عالیار اتنا قریب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت نہیں۔ ارسل عالیانہ کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہا تھا،

اس شخص کی طرف۔ گرے شرٹ پر سیاہ سویٹر پہنا شخص اس کے پیچھے تھا۔ وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی کہ کیا ہونے والا ہے۔

تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز زہر آلود تھی۔"

تمہیں دوبارہ دیکھ کر خوشی ہوئی، ارسل۔" اس کی مسکراہٹ عالیانہ محسوس کر سکتی" تھی۔

ہمیں کچھ وقت ایک ساتھ گزارنا چاہیے۔ خاص طور پر اب جب ہم ایک ہی ٹیم" میں ہیں۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ ایک دن ہم یوں ایک ساتھ ہوں گے۔ سپاہی کمانڈر یو نو۔" اس نے ہاتھ سے کوئی اشارہ بھی کیا تھا۔ اس کے انداز میں طنز تھا جو ارسل کو مزید تپا کر رکھ گیا۔

"یو بلڈی باسٹرڈ.... تم ایک گھٹیا انسان ہو۔"

چچ چچ! بہت بری زبان۔" عالیار نے سر ہلایا۔"

وہ لوگ جو اپنی بات ذہانت سے بیان نہیں کر سکتے وہ ایسے بے سلیقہ الفاظ کا سہارا لیتے" ہیں۔" ایک وقفہ۔" کیا میں تمہیں خوفزدہ کر رہا ہوں، ارسل؟ کیا میں تمہیں گھبراہٹ میں مبتلا کر رہا ہوں؟" وہ ہنسا۔ لوگوں کو کیسے ٹرگر کرنا ہے، وہ جانتا تھا۔" تمہیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے میں مشکل ہو رہی گی؟ نہیں؟" اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔" کیا تم پچھتا رہے ہو؟ فکر مت کرو۔ اگر تم معافی مانگو گے تو میں تمہیں تمہاری غداری پر معاف

کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔"اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ عالیانہ کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیسی ہو عالیانہ!"

"عالیانہ سے دور رہو۔"

مجھے اس سے دور کرنے کے لیے تمہیں مجھے جان سے مارنا پڑے گا۔"وہ اسی ڈھٹائی" سے بولا۔

میں واقعی تمہیں مار ڈالوں گا۔"وہ بے اختیار آگے بڑھا،اور اس کا گریبان پکڑنے" ہی والا تھا جب عالیار ایک قدم پیچھے ہوا اور ساتھ ہی ساتھ ہاتھ اٹھا کر تنبیہ کی۔

اونہوں!"اس کا چہرا ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔"یہ غلطی کبھی مت کرنا۔"لیکن" ارسل نہیں رکا،وہ دوبارہ اس کی طرف بڑھنے ہی والا تھا جب داس کہیں سے بیچ میں آ گیا۔

تم دونوں کیا رہے ہو؟"اس کی آنکھیں غصے سے جل رہی تھیں۔"

مجھے نہیں پتہ کہ تم نے نوٹس کیا ہے یا نہیں، لیکن تم دونوں بچوں کے پورشن میں" کھڑے ہو کر چھوٹے بچوں کو ڈرا رہے ہو،ارسل! اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔"ارسل نے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن داس نے اسے روک دیا۔

مجھے بھی نہیں پتہ کہ حیدر اپنے کمرے سے باہر کیا کر رہا ہے۔ کیسر یہاں کا انچارج ہے، "اور ہمیں اس کے فیصلوں کا احترام کرنا چاہیے۔ تم لوگوں کو صرف اس لیے مار نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارا دل چاہتا ہے۔"

یہ وہی آدمی ہے جس نے مجھے موت کے قریب پہنچا دیا تھا!" ارسل ضبط کے آخری مرحلے سے گزر رہا تھا۔

اس کے آدمیوں نے تمہیں بھی بری طرح زخمی کیا۔ اس نے عالیانہ کے ساتھ کیا کیا؟" تم بھول گئے ہو؟ مجھے اس کے ساتھ رہنا ہے؟ اس کے ساتھ لڑنا ہے؟ جیسے کچھ ہوا ہی "نہیں؟ کیا کیسر پاگل ہو گیا ہے؟

کیسر جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔" داس غصے میں تھا۔ وہ یہاں نظم و ضبط کا انچارج تھا۔" وہ اپنے فرض کی راہ میں سمجھوتہ نہیں کرتا تھا۔" تمہیں اس کے فیصلے کا احترام کرنا "ہو گا۔

ارسل نے غصے میں ہاتھ ہوا میں اٹھائے۔" مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ مذاق ہے! ایسے کون کرتا ہے؟ قیدیوں کے ساتھ اس طرح سلوک کون کرتا ہے جیسے وہ کسی طرح کی چھٹی پر ہیں؟" وہ اپنی آواز دبانے کی کوئی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔" وہ واپس جا کر "!اس جگہ کی ہر تفصیل بتا سکتا ہے۔ وہ ہمارا مقام ظاہر کر سکتا ہے

یہ ناممکن ہے، مجھے نہیں پتہ کہ ہم کہاں ہیں۔" عالیا پرسکون لہجے میں بتایا۔"

ارسل اتنی تیزی سے عالیار کی طرف بڑھا ہے کہ وہ بھی فوراً اس کی طرف دیکھنے کے لیے پلٹی۔ ارسل چیخ رہا تھا، کچھ کہہ رہا تھا، جیسے وہ اسے مار ڈالنے والا ہو، داس اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کیا ہو رہا تھا، اسے ٹھیک سے سنائی نہیں دے رہا۔ اس کے سر میں خون اس قدر شدت سے دھڑک رہا تھا کہ اس کی پلکیں تک جھپکنا بھول چکی تھیں، کیونکہ عالیار اسے دیکھ رہا تھا۔ صرف اسے، اس کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ اتنی گہری اور دل دہلا دینے والی۔

عالیار اپنے ارد گرد کی ہلچل کو نظر انداز کر رہا تھا، کھانے کے ہال کی ہنگامہ آرائی کو نظر انداز کر رہا تھا، وہ ارسل کی جانب سے اسے زمین پر گرانے کی کوشش کو بھی نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ ایک انچ بھی نہیں ہلا۔ وہ اپنی نظریں ہٹانے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھی، داس ارسل پر چیخ رہا تھا کہ اسے پرسکون ہو جانا چاہیے، اور اس نے آگے بڑھ کر ارسل کا بازو تھام لیا اور ارسل کا غصہ جیسے ایک پل کو تھم گیا۔

چلو! واپس اندر چلتے ہیں۔ کیسر نے ابھی بات ختم نہیں کی۔ ہمیں سننا چاہیے کہ وہ کیا" کہہ رہا ہے۔" اس نے اپنی نظریں ارسل پر مرکوز کرنے کی کوشش کی تا کہ عالیار کی موجودگی کو نظر انداز کر سکے، مگر اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود، اس کی نظروں نے عالیار کو ہی تلاش کیا اور اس نے وہ دیکھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اتنی شدت سے، اس طرح نہیں۔ درد۔ اس کی آنکھوں میں چھن سے کچھ ٹوٹا تھا، کبھی نہ جڑنے کے لیے۔ وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا جو ارسل کے بازو پر تھا۔ اس

کی آنکھوں میں چھپی اذیت جیسے اس کے دل پر اثر کر رہی تھی۔ وہ بولنا چاہتی تھی مگر الفاظ اس کے لبوں تک نہیں پہنچ پائے، وہ کہتی بھی تو اسے پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہے۔

وہ عالیانہ کو دیکھ رہا تھا اور ارسل کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عالیار کو دھکا دیا، اتنا شدید کہ وہ زمین پر گر سکتا تھا، مگر وہ نہیں گرا۔ وہ صرف دو سیکنڈ پیچھے ہٹا۔ یہ حرکت جیسے اس کے اندر چھپے غصے کو بھڑکا گئی، اس کا سارا ضبط جواب دے گیا۔ وہ اسی تیزی سے آگے بڑھا، ارسل کا کالر پکڑ لیا۔ وہ اور داس انہیں چھوڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تب ہی اچانک کچھ ایسا ہوا کہ وہ ہل تک نہ سکا۔ داس دونوں لڑکوں کو بازوؤں سے پکڑ کر الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ارسل اور عالیار کی ہاتھا پائی کو روکتے ہوئے، ناجانے کیسے داس کا پاؤں سیڑھیوں کے کنارے سے پھسلا۔ اس کے بعد لمحے بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ وہ سانس تک نہ لے پائی، پلک تک نہ جھپک پائی۔ وہ اپنی جگہ تھم گئی۔ پوری دنیا تھم گئی۔ ایلفا پوائنٹ کے ہال میں لگی گھڑی تھم گئی۔ سب کچھ تھم گیا۔ بس وہ آواز نہیں تھمی۔ داس کے حلق سے نکلنے والی کراہت زدہ چیخ، ایک دہشت زدہ آواز بن کر ابھری۔ داس سر کے بل زمین پر گرا تھا۔ شاید کراہ رہا تھا، لیکن وہ دیکھ سکتی تھی اسے سانس لینے میں تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ پھر وہ بالکل ساکت ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ چیخ رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ وہ سیڑھیاں کیسے اتری، اسے نہیں پتہ اس میں نیچے تک آنے کی ہمت کیسے آئی۔ اسے بس اتنا پتہ تھا کہ داس فرش پر گرا ہے اور وہ اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھی ہے۔ وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اس کے ارد گرد فرش پر ہر طرف خون

پھیلا ہوا تھا۔ "داس!" اس نے اسے پکارا۔ لوگ اکٹھے ہوتے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف چیخ و پکار کا شور ہو گیا۔ ہر طرف وحشت، دکھ اور اضطراب تھا۔ ہر کوئی چیخ رہا تھا۔

داس!" وہ چیخ رہی تھی۔ وہ اونچی آواز میں رو رہی تھی، وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا، وہ" جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ مسلسل اس کا سر دپڑتا چہرا تھپتھپا رہی تھی۔

"داس! آنکھیں کھولو۔ پلیز۔"

داس! مجھے ایسے چھوڑ کر مت جانا۔" پھر اس نے ارد گرد دیکھا۔"

کوئی میلیسا کو بلائے۔ کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ میلیسا! میلیسا!" اس کی دھڑکنیں سننے کے" لیے اس نے جھک کر اپنا داہنا کان اس کے سینے پر رکھا۔ دھڑکنیں کم تھیں۔ وہ سر اس کے سینے پر رکھے بلند آواز میں رونے لگی۔ اس کی سانسیں رک رہی تھیں۔ درد اس کے دل کو کاٹ رہا تھا۔ پاس بیٹھا ارسل اسے دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ ارسل اسے اٹھا رہا تھا۔ چند مزید بازو اُسے فرش سے اٹھا رہے تھے۔ وہ آوازیں اور شور سن رہی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ یہ نہیں ہو سکتا، داس کے ساتھ نہیں۔ اُس کے اس مزاحیہ دوست کے ساتھ نہیں جو اپنی مسکراہٹوں سے سب خوشیاں بکھیرتا ہے۔ وہ خود کو پیچھے ہٹانے والے ہاتھوں سے چھڑا رہی تھی۔ وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر کھانے کے ہال کی طرف بھاگی۔ وہ اندھی ہو رہی تھی، اس کی آنکھوں کے منظر دھندلا رہے تھے، سینکڑوں دھندلے چہرے پس منظر میں دکھ رہے تھے لیکن وہ صرف اس شخص کو دیکھنا چاہتی تھی جو نیوی بلیو بلیزر پہنے ہوئے تھا، وہ جو اس کے باپ کی طرح تھا۔ پھر ہال کے دہانے سے وہ

نمودار ہوتا دکھائی دیا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہاں تک بھاگنے کی ہمت اس میں کہاں سے آئی، پر اب کیسر کو دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گری۔ پتھریلے فرش سے شاید اُس کے گھٹنے زخمی ہو گئے تھے، لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ کیسر تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ "کیسر!" وہ چیخ رہی تھی۔ وہ اب بھی چیخ رہی تھی۔ شاید وہ زمین پر گر گئی تھی۔ "کیسر! وہاں داس ہے۔ وہ... کیسر پلیز داس کو بچا لو۔" کیسر اس کے سامنے ایک پاؤں پر بیٹھا۔ پھر اس کے پیچھے کا منظر دیکھ کر اس کے چہرے کا ہر رنگ اڑ گیا۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ برق کی سی تیزی سے ہال سے باہر بھاگا۔ اس نے کبھی کیسر کو دوڑتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

کیسر کے آتے ہی کمرے میں موجود ہر شخص کھڑا ہو گیا۔ ہر شخص گھبرایا ہوا تھا، کچھ چیخ رہے تھے، خوفزدہ تھے، داس ابھی بھی وہاں تھا۔ ابھی بھی بے جان۔ ابھی بھی۔ بہت بے جان۔

میلیسا کہاں ہے؟" کیسر چیخ رہا تھا۔ "کوئی... ڈاکٹر کو بلاؤ!" وہ داس کے سر کو سہارا" دے رہا تھا، وہ داس کے بھاری جسم کو بازوؤں میں اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس میں ہمت نہیں تھی۔ اُس نے کبھی کیسر کو اس طرح چیختے ہوئے نہیں سنا تھا۔ ایلفا پوائنٹ کا ہر بندہ وہاں موجود تھا۔ اُن کے چہروں پر تکلیف کی لکیریں کھدی ہوئی تھیں اور اُن میں سے بہت سے لوگ رونا شروع کر چکے تھے، ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے۔ آج اسے احساس ہوا کہ داس کی اس کی زندگی میں کتنی اہمیت ہے۔ کہ وہ اس کا کتنا اچھا دوست ہے،

اُسے احساس ہوا کہ اُس نے کبھی داس کو پوری طرح پہچانا ہی نہیں تھا۔اُس نے اُس کی اہمیت کو نہیں سمجھا تھا۔اُس نے واقعی کبھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ وہ اُس کمرے میں موجود لوگوں کے لیے کتنا اہم ہے۔وہ اُسے کتنا پیار کرتے ہیں۔ارسل اب کچھ آدمیوں کے ساتھ مل کر داس کے بے جان وجود کو اٹھا کر سٹریچر پر ڈال رہا تھا۔اسٹریچر لیے وہ دوڑ رہے تھے، وہ امید کے خلاف امید کر رہے تھے۔ سر گوشیاں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔"وہ میڈیکل ونگ میں چلے گئے ہیں! وہ اُس کے لیے بستر تیار کر رہے ہیں!" یہ ایک بھگدڑ کی طرح تھا، ہر کوئی اُن کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ہر کوئی جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا وہ زندہ ہے۔کوئی بھی اُس کی طرف نہیں دیکھ رہا، کوئی بھی اُس کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔وہ ہتھیلیوں کا سہارا لیتے ہوئے اٹھی۔خود کو پیچھے کھینچتی ہوئی، سب کی نظروں سے دور، کونے کے آس پاس، اندھیرے میں۔

وہ ہال کی باہری طرف تین اسٹیپس والے زینوں پر بیٹھی تھی۔بلب کی مدھم روشنی اس کے چہرے کو نمایاں کر رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے ہونٹوں پر گرتے نمکین آنسوؤں کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی۔آہٹ پر وہ ذرا سی چونکی پر اس نے سر نہیں اٹھایا۔وہ جانتی تھی کون ہے۔

میں اکیلا رہنا چاہتی ہوں۔اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔"اس نے سرد مہری سے کہا" لیکن عالیار نہیں رکا۔وہ قدم اٹھاتا آگے آیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا، ایسے کہ وہ داہنی

دیوار کے ساتھ بیٹھی تھی اور وہ بائیں جانب بیٹھا تھا۔ وہ اپنے گرم کوٹ مین ملبوس تھا۔ عالیانہ کی نسبت اُس کا چہرہ سائے میں تھا۔

میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"اُس کی آواز لرز رہی تھی۔" "!"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو

میں تمہیں اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا! خاص طور پر جب کہ تم رو رہی ہو!"اس" نے آہستگی سے کہا۔

تم مجھے نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ تم کسی کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم نہیں جانتے کی کیسا محسوس ہوتا" جب کوئی اپنا آپ کی آنکھوں کے سامنے مر رہا ہوتا ہے، تم نہیں سمجھو گے کیونکہ تم وہ ہو جو لوگوں کو مار کر انہیں ان کے اپنوں سے دور کر دیتے ہو۔ تم بے حس ہو۔ تم بے دل ہو۔ تم انسانیت کے نام پر دھبا ہو۔ تم انسان کہلانے کے لائق نہیں۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔ داس تمہاری وجہ سے..." وہ بات مکمل نہ کر پائی۔ اس کے گود میں رکھے ہاتھ م کانپ رہے تھے۔ اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔ وہ بس اس کا چہرا دیکھ رہا تھا، دکھ سے، اذیت سے، تکلیف سے۔ اس کی آنکھوں میں چبھن تھی۔

نہ تم وہاں اوپر آتے، نہ ارسل کو غصہ آتا، نہ وہ تم سے لڑتا، نہ داس تم دونوں کو چھڑانے" کی کوشش کرتا، اور نہ وہ آج ایسے مرتا۔ یہ سب تمہاری غلطی ہے۔"ایک سایہ سا گزرا تھا، عالیار کی آنکھوں سے۔

وہ اذیت میں تھی، اور وہ اپنی اذیت میں اسے اذیت دے رہی تھی۔ دل کی بھڑاس نکال رہی تھی، اسے برا بھلا کہہ رہی تھی، اسے سب کچھ کا ذمہ دار ٹھہرا رہی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہا۔

جب وہ اس پر ہولناک الزامات لگا رہی تھی تب بھی اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ جب وہ اسے الزام دے رہی تھی کہ وہ سنگدل ہے، کسی کے دکھ کو سمجھنے کے قابل نہیں ہے، کہ وہ بے دل ہے، کسی کی پرواہ نہیں کرتا، وہ تب بھی خاموش رہا۔ وہ بھنویں سکیڑے اسے دیکھتا رہا۔ وہ بولتی رہی، اس نے اسے بولنے دیا۔ اس نے خود کو ان دل چیر دینے والی باتوں کے درمیان خاموش رہنے دیا۔ آخر کار وہ تھک ہار کر دل کا بوجھ ہلکا کر کے چہرا دونوں ہاتھوں میں گرا کر رونے لگی۔

ایک پل۔

دو پل۔

تین پل۔

"کسی اپنے کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے دیکھنا کیسا ہوتا ہے، میں جانتا ہوں۔" عالیار اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے مدھم سی آواز میں بولا۔

کچھ تھا اس کی آواز میں۔ ایک تکلیف، ایک زخمی پن، جس نے عالیانہ کو جھنجھوڑ دیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے چہرہ اٹھایا اور عالیار کی جانب دیکھا۔ بلب کی مدھم روشنی میں بھی اس کا چہرا چمک رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو گھور رہا تھا۔

عالیار!"اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔اس کو اپنے کہے لفظوں پر شدت سے پچھتاوا" ہوا۔

عالیار! آئی ایم سوری۔ میں... پریشان....."اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتی" ،عالیار نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

اٹس اوکے۔"اس کا انداز حتمی تھا، گویا بحث کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔"

چند لمحوں کی مکمل خاموشی چھا گئی۔عالیانہ بھی خاموش رہی اور عالیار نے بھی کچھ نہ کہا۔

کیا تم یقین کرو گی اگر میں کہوں کہ میں تمہیں محسوس کر سکتا ہوں؟ تمہارے جذبات" کو محسوس کر سکتا ہوں۔"کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو اس کی آواز نرم تھی۔

وہ چند لمحے اسے گھورنے والے انداز میں دیکھتی رہی،اس کے چہرے کے خدوخال کا مطالعہ کرتی رہی۔اس کی آواز کے سنجیدہ اور محتاط لہجے کو محسوس کرتی رہی۔

ہاں، میں تم پر یقین کروں گی۔"عالیار ایک ایسے انداز میں مسکرایا جو اسے اداس کر گیا۔" اس نے گہری سانس لی۔ سر اٹھایا۔"میں وہ جذبات جو تم سب سے زیادہ شدت سے محسوس کر رہی ہو، محسوس کر سکتا ہوں۔اور چونکہ میں تمہیں جانتا ہوں، میں ان احساسات کو سیاق وسباق میں ڈالنے کے قابل ہوں۔میں جانتا ہوں کہ تم جو خوف ابھی محسوس کر رہی ہو،اس کا تعلق میرے سے نہیں، بلکہ تم سے ہے۔تم اپنے آپ سے خوف میں مبتلا ہو۔تم سمجھتی ہو کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔میں تمہاری ہچکچاہٹ محسوس کر سکتا ہوں۔میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم اس بات کو ماننے سے انکار کر رہی ہو

کہ یہ تمہاری غلطی ہے، تم گلٹ میں ہو۔ میں تمہارا غم، تمہارا دکھ، تمہاری تکلیف "محسوس کر سکتا ہوں۔

کیا.... تم... واقعی...؟" عالیار نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر ہلایا۔ ایک لمحے کا" توقف۔

میں نے تمہیں بتایا تھا نہ کہ میں لوگوں کے احساسات پڑھ سکتا ہوں؟" اس نے مدھم" مگر گہری آواز میں کہا۔ اس کی نظریں اپنی گود میں رکھے ہاتھوں پر تھیں۔ "میں لوگوں کے چہرے پڑھ سکتا ہوں، ان کے ارادے جان سکتا ہوں۔ شروع میں، میں سمجھتا تھا کہ "انسانی جذبات کو اتنی شدت سے محسوس کرنا ایک نعمت ہے۔

اس نے ایک لمحے کو عالیانہ کی طرف دیکھا، مگر فوراً نظریں چرالیں۔ وہ زیادہ دیر ان آنکھوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ "لیکن وقت گزرنے کے ساتھ مجھے اندازہ ہوا کہ یہ نعمت نہیں، بلکہ ایک بوجھ ہے۔ کسی کے احساسات کو جاننا، ان کے خیالات اور ارادے "سمجھنا... یہ اکثر ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

اس کی آواز بھاری ہوگئی۔ "یہ جاننا کہ لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، یہ دیکھنا کہ وہ کیا چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، یا یہ محسوس کرنا کہ کوئی جھوٹ بول رہا ہے... "یہ سب بہت تکلیف دہ ہے۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکا، اس کی نظریں زینوں کے سامنے دیوار پر جم گئیں۔

میں ہمیشہ محسوس کر سکتا ہوں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ مجھے " پتہ ہوتا ہے جب کوئی مجھ سے کچھ چھپا رہا ہوتا، جب کوئی قصوروار محسوس کر رہا ہوتا، اور سب سے اہم بات میں محسوس کر سکتا ہوں جب کوئی جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔ "وہ سر اس کی طرف موڑے اسے دیکھ رہی تھی، پھر وہ اس کی نظروں کا تعاقب کر کے سامنے دیکھنے لگی جہاں عالیار دیکھ رہا تھا۔ خالی سرمئی دیوار۔ بے رنگ۔ خاموش۔

یہ سب میری غلطی ہے۔ "اس نے دھیرے سے کہا۔ "داس... داس یہ سب ڈیزرو" نہیں کرتا تھا۔ وہ میرے جیسا دوست ڈیزرو نہیں کرتا تھا۔ "آنسو دوبارہ اس کی گالوں پر لڑھکنے لگے۔ عالیار نے بے اختیار چہرا اس کی جانب موڑا، اس کے چہرے پر تکلیف کی چھاپ تھی، وہ عالیانہ کو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

عالیانہ! "اس نے آہستہ سے پکارا۔"

یہ سب میری غلطی ہے! یہ میری غلطی ہے! یہ میری غلطی ہے کہ تم اور ارسل لڑ" رہے تھے۔ یہ میری غلطی ہے کہ داس لڑائی روکنے آیا۔ یہ میری غلطی ہے کہ "اُس "! کی آواز دوبارہ ٹوٹی۔ "یہ میری غلطی ہے کہ وہ مر گیا ہے

"! عالیانہ"

یہی میری سزا ہے۔ میں اُس درد کی مستحق ہوں۔ میں اس تکلیف کی مستحق ہوں۔ وہ" "واقعی ایک عفریت ہوں۔

!. . عالیانہ"

آنسو لڑھک کر گردن پر پھسل رہے تھے۔ وہ جو اسے درمیان میں بار بار ٹوکنے کی" کوشش کر رہا تھا، ٹھہر گیا۔

مجھ سے وابستہ لوگ ہمیشہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ میرے ماں باپ، داس، ارسل... سب" میری وجہ سے تکلیف میں ہیں۔" عالیار اسے دیکھتا رہ گیا۔ ایک سایہ سا گزرا تھا اس کے چہرے سے۔ اس نے عالیار کا نام نہیں لیا، شاید وہ اس کی زندگی میں کہیں تھا ہی نہیں۔

یہ تمہاری نہیں، یہ میری غلطی ہے۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ میری غلطی ہے کہ" داس کو تم دونوں کو روکنے کی ضرورت محسوس ہوئی....." آنسو گرتے جا رہے تھے۔ اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے یہاں تک کہ اس کے لیے بولنا مشکل ہو گیا۔ اس نے چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور روتی رہی۔ عالیار اسے دیکھتا رہا۔ تکلیف میں وہ تھی، درد اسے ہو رہا تھا۔ رو وہ رہی تھی، دل اس کا بیٹھ رہا تھا۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ میں تمہیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا لیکن اس کی بجائے اس نے کہا۔ "داس ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بس زخمی ہے، وہ مرا نہیں ہے۔ وہ ریکور کر جائے گا۔" اس نے آہستگی سے عالیانہ کو تسلی دی اور سر جھکا کر اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھنے لگا۔

تم واقعی ہمارے ساتھ ہو؟ کیا تم واقعی ہمارے ساتھ لڑو گے؟ کیا تم واقعی ہماری مدد کرو" گے؟ تمہیں کیسر سے بات....."

عالیار ہنسا۔ وہ ہنستا رہا، اور ہنستا ہی رہا۔ اس کی آنکھیں دمک رہی تھیں، اس مدھم روشنی میں بھی چمک رہی تھیں۔ وہ اتنا ہنسا کہ آخر کار اس کی ہنسی ایک بھاری سانس میں بدل گئی،

پھر ایک نرم سی آہ میں اور آخر کار ایک پر سکون مسکراہٹ میں تحلیل ہو گئی۔ پھر اس نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرایا، اور پھر خود سے مسکرانے لگا، یہاں تک کہ اس کی نظر نیچے عالیانہ کے ہاتھ پر جا ٹھہری، جو اس کی گود میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکا، کچھ سوچا پھر آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور غور سے اس کے ہاتھ کا مطالعہ کرنے لگا، اپنی انگلیوں کو اس کی ہتھیلی کی لکیروں پر پھیرنے لگا، عالیانہ نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کو پیچھے کھینچ لیا۔

عالیار ذرا بھی نہیں چونکا۔ اس نے اوپر نہیں دیکھا، وہ حیران بھی نہیں ہوا۔ وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ پھر دھیمے اور قدرے عجیب لہجے میں بولا۔ "مجھے لگتا ہے کہ کیسر امید پرست بے وقوف ہے۔ وہ بہت سارے لوگوں کو خوش آمدید کہنے کی کوشش کرتا ہے ۔ وہ ہر کسی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ بالآخر ناکام ہو جائے گا، کیونکہ ہر ایک کو خوش رکھنا ناممکن ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ "وہ اس قسم کے شخص کی بہترین مثال ہے جو کھیل کے اصولوں کو نہیں جانتا۔ وہ دل سے بہت زیادہ سوچتا ہے۔ وہ امید اور امن کے تصور سے حد سے زیادہ چمٹا ہوا ہے۔ یہ رویہ کبھی اس کی مدد نہیں کرے گا۔" اس نے آہ بھری۔

" میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس کا خاتمہ ہو گا۔ وہ اپنے ساتھ سب کو مروائے گا۔ وہ سب کچھ تباہ کروائے گا۔" عالیانہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہی پر سکون دکھنے کی اداکاری۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد عالیار نے دوبارہ بات شروع کی۔ "لیکن تم میں کچھ خاص بات ہے۔" عالیار نے عالیانہ کو دیکھا۔ پھر دوبارہ نظریں چرالیں۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں، جو اس کی پوری آنکھوں کو چمکا گیا تھا۔ ایک پل۔ دو پل۔ تین پل۔ "تم مختلف ہو۔ تمہاری امید کرنے کے طریقے میں کچھ ایسا ہے جو معصوم ہے۔ تم جس طرح چیزوں کی امید کرتی ہو، اس میں کچھ ہے، کچھ تو مختلف ہے۔ تم لوگوں کی باتوں پر یقین کرنا پسند کرتی ہو، تم ہمیشہ مہربانی کو ترجیح دیتی ہو۔ تم نے اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود انسانیت نہیں کھوئی۔ تم لوگوں کے بارے میں ہمیشہ مثبت سوچتی ہو۔" عالیار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اوپر دیکھا۔

"یہ مجھے بہت پسند ہے۔ یہ مجھے سکون دیتا ہے۔"

تم ہمارے ساتھ نہیں لڑو گے۔" سوال نہیں تھا۔ عالیار کھل کر مسکرایا، اس کی آنکھوں میں نرمی تھی۔ "میں واپس جا رہا ہوں۔" کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔

تم جا رہے ہو؟" وہ سن ہو گئی۔ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے جانے کا سن کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہ میرے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔" وہ سامنے والی دیوار کو دیکھ کر زخمی سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

مجھے سمجھ نہیں آرہا تم کیسے جاسکتے ہو؟ تم نے کیسر سے کہا تھا کہ تم ہمارے ساتھ لڑو" گے، تم ہماری مدد کروگے۔ کیا اسے پتہ ہے کہ تم جارہے ہو؟ کسی اور کو پتہ ہے؟"اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ جائے۔ کیا اس کے لیے اسے چھوڑ کر جانا آسان تھا؟

"تم کیا منصوبہ بنارہے ہو؟ تم کیا کرنے جارہے ہو؟"

عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"....تم کیا کرنے والے ہو، عالیار.... تم"

عالیانہ!"اس نے سرگوشی کی، اس کی آنکھیں بے چینی سے بھری تھیں۔"مجھے تم" سے کچھ پوچھنا ہے۔ میں...."اچانک کسی کے قدموں کی آواز راہداری میں گونجنے لگی۔ کوئی اس کا نام پکار رہا تھا۔ ارسل۔ وہ گھبرا کر چونکی۔ عالیار کو دیکھا۔"میں ابھی واپس "آرہی ہوں۔

کہیں جانا مت میرا انتظار کرنا، میں ابھی واپس آرہی ہوں۔"اس نے جلدی سے کہا اور" اس کا جواب سنے بغیر اپنے قدموں پر کھڑی ہو کر روشنی والی راہداری کی طرف دوڑی اور تقریباً ارسل سے ٹکرا گئی۔ ارسل کی بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔"تم ٹھیک "ہو؟

مجھے بہت افسوس ہے۔"اس کی آواز میں نرمی اور فکر تھی۔"میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔"اس نے وضاحت کی۔"مجھے لگا تم میڈیکل ونگ میں آؤ گی۔ تمہاری غلطی نہیں تھی۔"وہ اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"داس ٹھیک ہے؟ "

وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا، لیکن میلیسا اور ڈاکٹرز کو لگتا ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"ایک وقفہ۔ وہ اپنے لب بار بار کھولتی رہی کہ تمہیں عالیار کو پکڑنا چاہیے، اسے روکنا چاہیے، وہ تم سب سے جھوٹ بول رہا ہے! وہ کل بھاگنے والا ہے! لیکن وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی۔ اسے بھی نہیں معلوم کیوں۔ وہ اسے کیوں بچا رہی تھی؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

داس تقریباً مر چکا تھا، اور اس کی وجہ وہی تھی۔ یہ سب اس کی غلطی تھی کہ ارسل اور عالیار دو بھائی آپس میں لڑ رہے تھے۔ یہ بھی اس کی غلطی تھی کہ وہ ان دونوں کے بیچ آیا، اور اگر داس کو انہیں الگ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی، تو وہ کبھی زخمی نہ ہوتا۔ وہ وہاں کھڑی ہوئی تھی، اسے دیکھ رہی تھی۔ داس بمشکل سانس لے رہا تھا۔

میڈیکل ونگ روشنی م میں ڈوبا ہوا تھا۔ چھت پر لٹکے فلوروسینٹ بلب کی روشنی کمرے میں ایک عجیب سی بے چینی پھیلا رہی تھی۔ داس بیڈ پر نیم دراز تھا، اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں گہری سیاہ حلقوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ آکسیجن ماسک میں گہری

سانسیں لے رہا تھا۔اس کے سینے پر دل کی دھڑکنوں کی رفتار ناپنے والا مانیٹر ٹکا تھا، جس کی اسکرین پر لہر ایک بار تیز ہو کر دوبارہ نیچے گر جاتی۔ کبھی کبھار مانیٹر سے ایک بیزار سی بیپ کی آواز نکلتی، جو خاموشی کو توڑ کر ایک لمحے کے لیے مزید تناؤ پیدا کر دیتی۔ اس کے بائیں بازو میں سیرم کی بوتل قطرہ قطرہ اس کے جسم میں دوا داخل کر رہی تھی۔ بوتل کے قطرے، سست رفتاری سے گر رہے تھے۔

اس کی آنکھوں میں آنسو سمندر کی طرح جھلک رہے تھے، وہ گیلی سرخ آنکھوں سے داس کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ لب کانپ رہے تھے، دل سے دعا لبوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر الفاظ راستہ بھول گئے تھے۔ ہر لمحہ قیامت کی طرح لگ رہا تھا، جیسے زندگی اور موت کے درمیان کا پل مزید تنگ ہو چکا ہو۔

وہ اللہ سے التجا کر رہی تھی، فقط ایک چیز کے لیے جو اہم تھی، داس کی زندگی۔ اس کے بیسٹ فرینڈ کی زندگی۔ واحد چیز جو اس وقت اس کے لیے معنی رکھتی تھی۔ اس نے دل میں دُعا کی کہ داس زندہ رہے۔ اس نے داس کو پکارا بھی مگر وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ سن بھی نہیں سکتا تھا، اور وہ چاہتی تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائے، سنبھل جائے، آکسیجن ماسک کے بغیر سانس لے۔ جب وہ کسی دکھ تکلیف میں ہوتی تو داس اسے ہنسا دیتا۔ وہ اس کی دل کی باتیں سنتا۔ وہ اس کو تسلی دیتا۔ آج اس کو ہنسانے والا، اس کو

تسلی دینے والا زندگی کی جنگ لڑ رہا تھا، اسے اس کی ضرورت تھی۔ "کیسر کیا داس ٹھیک ہو جائے گا؟" وہ اپنی آواز میں چھپے درد کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھا۔

کیسر کا دل دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ "ہاں انشاءاللہ! انشاءاللہ!" کیسر کی آنکھوں سرخ تھیں البتہ وہ رو نہیں رہا تھا، وہ کرسی میں سمٹ کر بیٹھ گئی اور داس کو دیکھتی رہی، اس کے سانسوں کی ہلکی آواز کمرے میں پھیلی تھی۔ اس نے اپنا سر مٹھی پر ٹکا دیا۔ اسے سونے کا حق نہیں تھا۔ اسے پوری رات وہاں بیٹھ کر اس کا خیال رکھنا تھا۔

"عالیانہ! آپ کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔"

مجھے نیند نہیں آ رہی۔ مجھے لگتا آپ کو نیند کی ضرورت ہے۔ "عالیانہ اس کی" الجھی شخصیت کو دیکھتے ہوئے بولی۔ اس نے پہلے کبھی اسے اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ آنکھیں سرخ۔ ماتھے پر شکن۔ جب سے داس یہاں تھا وہ ایک منٹ بھی نہیں بیٹھا۔ بازو پیچھے باندھے دائیں سے بائیں گھومتا، داس کو دیکھتا، کچھ پل دیکھتا رہتا اور پھر دائیں بائیں گھومنے لگتا۔

آج رات مجھے نیند نہیں آئے گی۔ "کیسر کے لبوں پر افسردہ مسکراہٹ ابھری۔ پھر" کیسر نے داس کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی جھلک تھی جو نہ مکمل طور پر خوشی تھی اور نہ مکمل طور پر درد، بلکہ ان دونوں کے درمیان کچھ تھا۔

کیا تم جانتی ہو کہ میں داس کو اُس کے بچپن سے جانتا ہوں؟ جب میں نے ایلفا پوائنٹ" چلانا شروع کیا تھا، وہ تب سے ہی یہاں ہے۔ یہیں پر اُس کی پرورش ہوئی۔ پہلی بار جب

میں نے اُسے دیکھا، تو وہ ہائی وے پر ملا۔" کیسر تھوڑی دیر کے لیے رکا۔ "کیا اُس نے تمہیں کبھی یہ کہانی سنائی ہے؟"

"نہیں!"

"معاف کرنا، شاید یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہو۔ میرے ذہن میں بہت سی باتیں چل رہی ہیں، مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کون سی باتیں کہنی ہیں اور کون سی نہیں۔" اس نے شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں! یہ وقت کا ضیاع نہیں ہے۔ میں سننا چاہتی ہوں۔ میں واقعی سننا چاہتی ہوں۔" اُس نے فوراً جواب دیا۔

کیسر نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور ایک مدھم مسکراہٹ مسکرائی۔

"کچھ زیادہ خاص نہیں۔ داس نے کبھی اپنے والدین کے بارے میں زیادہ بات نہیں کی اور میں نے بھی کبھی اُس سے زیادہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس کے پاس صرف ایک نام اور عمر تھی، اور میں نے اُسے ایک اتفاقیہ ملاقات میں پایا۔ وہ ایک لڑکا تھا، جو فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا، وہ آبادی سے بہت دور تھا۔ وہ رات سردیوں کی شدید رات تھی اور داس کے پاس صرف ایک پرانی ٹی شرٹ اور پینٹ تھی، وہ لرز رہا تھا۔ اُسے کھانے اور سونے کے لیے جگہ کی ضرورت ہو۔ میں اُسے وہاں نہیں چھوڑ سکتا تھا، میں اُسے یوں ہی کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ تو میں نے اُس سے پوچھا۔ 'کیا تم بھوکے ہو؟"

کیسر تھوڑا رکا، اُس لمحے کو یاد کرنے لگا۔

داس نے تقریباً ایک منٹ تک کچھ نہیں کہا۔ بس مجھے گھورتا رہا۔ میں نے سوچا کہ شاید " میں نے اُسے ڈرادیا ہے۔ میں جانے ہی والا تھا کہ اُس نے میرا ہاتھ پکڑا، اُسے اپنی ہتھیلی میں مضبوطی سے تھاما اور کہا۔ 'ہیلو، میرا نام داس ہے اور میری عمر بارہ سال ہے۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ "" ایک لمحے کا توقف۔ کیسر زور سے ہنسا، اُس کی آنکھوں میں چمک تھی جو اُس کی مسکراہٹ میں چھپے ہوئے جذبات کو ظاہر کر رہی تھی۔ "داس میں ہمیشہ سے ایک مضبوط، پُرعزم شخصیت رہی ہے۔ جانتی ہو اس رات مجھے دنیا کی سب سے خوبصورت نعمت ملی۔ مجھے ایک بیٹا ملا۔ اور اس رات داس کو پا کر میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان بن گیا۔ داس میرا بیٹا ہے۔ " وہ دانوں چند لمحے خاموش رہے۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم دونوں اتنے قریب ہو۔ "کوئی اتنی پریشانیاں دیکھنے کے بعد " بھی کیسے ہمیشہ مسکرا سکتا؟ کوئی اپنے ماضی کو بھلا کر اتنا خوش کیسے ہو سکتا؟ اُس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ صبح تک ٹھیک ہو گا، اور تمہیں نیند کی " "ضرورت ہے۔

کیا تم... "اُس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن کیسر نے اُسے درمیان میں ٹوک دیا۔ "

سونے جاؤ۔ میں یہاں داس کے ساتھ بالکل ٹھیک ہوں گا۔ "اس نے مزید مزاحمت " نہیں کی۔ وہ اٹھی ایک نظر داس کو دیکھا۔ چند منٹ رک کر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر

پھونک ماری اور باہر نکل گئی۔ جاتے وقت اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اُس نے دیکھا، کیسر کرسی پر بیٹھتے ہوئے سر اپنے ہاتھوں میں تھام کر نیچے جھکا ہوا تھا۔ اُس کے لرزتے ہاتھ نے داس کی ٹانگ پر ہلکا سا لمس دیا اور اُس لمحے اُسے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک اُن لوگوں کو کتنا کم جانتی ہے جن کے ساتھ وہ رہ رہی ہے۔

••••••☆☆☆••••••

باہر کافی ٹھنڈ تھی۔ کندھوں پر اونی شال اوڑھے وہ راہداری میں دبے دبے قدم اٹھاتی اپنے کمرے تک پہنچی، کمرے کا دروازہ کھولا۔ ایک دم اس کا ذہن عالیار کی جانب گیا۔ اوہ خدا! وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ اس نے اسے انتظار کرنے کا کہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ وہی ہوگا، وہ انتظار کر رہا ہوگا۔ باہر تو اتنی سردی ہے۔ اف عالیار اف۔ وہ الٹے قدموں پر واپس بھاگی۔

وہ انہی زینوں پر بیٹھا تھا، سر جھکائے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آہٹ پر انگلیوں کی حرکت تھمی، لیکن اس نے سر نہیں اٹھایا۔ "تم آ گئیں؟" عالیار کی اس کی جانب پشت تھی۔ وہ آگے بڑھی۔

"عالیار، تم پاگل ہو۔ باہر اتنی سردی ہے۔ تم ابھی تک یہاں بیٹھے ہو۔ میں..... تم نے کہا تھا انتظار کرنا۔" اس نے سر اٹھایا، نظریں اٹھا کر اس کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "پر عالیار..... تم..... تم سچ میں پاگل ہو۔" نا جانے کیوں وہ ہنس دی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔"

"کیا پوچھنا چاہتے تھے تم؟" ہاتھ سینے پر باندھے اب وہ اسے دیکھ رہی تھی پھر وہ پہلے زینے پر بیٹھ گئی اور اپنے ساتھ والی جگہ پر ہاتھ تھپتھپا کر اسے وہاں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا ایسے کے دونوں کے درمیان تین فٹ کا فاصلہ تھا۔ ہال میں لگے بلب کی ہلکی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔

چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ وہ سامنے دیکھتا رہا۔

"جانتی ہو میں نے کبھی ارسل پر غدار ہونے کا شبہ کیوں نہیں کیا؟" یہ وہ گفتگو نہیں تھی جس کی وہ توقع کر رہی تھی۔ وہ موضوع بدل رہا تھا مطلب وہ اس کا مزید کچھ وقت لینا چاہتا تھا۔ وہ اس سے کچھ دیر اور بات کرنا چاہتا تھا۔ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ جس شخص سے وہ اتنی نفرت کرتا وہ اس کا بھائی ہے۔ اس کا خون۔

"ارسل نا قابل رسائی تھا۔ اس کے جذبات ہمیشہ چھپے رہتے تھے۔ وہ روبوٹک تھا، حقیقی شخصیت یا مفادات سے عاری۔ اس نے مجھ سے بے ایمانی کی اور یہ میری اپنی غلطی تھی۔ میں نے اپنے نظام میں کسی خامی کا اندازہ لگانے کے لیے خود پر بہت زیادہ بھروسہ کیا۔ اور میں کہنا چاہتا ہوں، ارسل کی قابلیت بیکار نہیں ہے، ہے نا؟" اس نے سر موڑ کر عالیانہ کو دیکھا۔ وہ آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے سن رہی تھی۔ "اور داس۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "داس بہت ہوشیار تھا۔ اس سے کہیں زیادہ ہوشیار جس کا میں نے اسے کریڈٹ دیا۔ یہ اس کا حربہ تھا۔ وہ ایک واضح خطرہ بننے کے لیے محتاط تھا۔ وہ ہمیشہ مصیبت میں پڑ جاتا تھا۔ کھانے میں اضافی حصے کا مطالبہ کرنا،

دوسرے فوجیوں کے ساتھ لڑنا، کرفیو توڑنا۔اس نے اپنی طرف توجہ مبذول کرنے کے لیے سادہ اصولوں کو توڑا تاکہ میں اسے ایک احمق اور بے وقوف سے زیادہ نہ دیکھ سکوں۔ میں نے ہمیشہ محسوس کیا کہ اس کے بارے میں کچھ غلط ہے، لیکن میں نے اس کی وجہ اس کے اونچی آواز، بد تمیزی اور قواعد پر عمل کرنے میں اس کی نااہلی کو قرار دیا۔ میں نے اسے ایک غریب سپاہی کے طور پر مسترد کر دیا۔ کوئی ایسا شخص جسے کبھی ترقی نہیں دی جائے گی۔ کوئی ایسا شخص جو ہمیشہ وقت کے ضیاع کے طور پر پہچانا جائے گا۔" وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے خود سے ہنس رہا تھا۔ وہ دیکھ سکتی تھی وہ پر سکون نہیں ہے۔ شاید اس کا تعلق اس سوال سے تھا جو وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ اسے ہی پہل کرنی تھی۔ "تم کیا پوچھنا چاہتے تھے؟" اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی اور اگلے ہی لمحے غائب ہو گئی۔ بہت کچھ ایک ساتھ حلق میں اتار کر اس نے اسے دیکھا ایک لمحہ اور بس نظریں ہاتھ میں پہنی انگوٹھی پر مرکوز کر لیں۔

میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔" اس نے آہستہ سے چہرا موڑ کر اسے دیکھا۔"

دنیا رک گئی۔ وقت تھم گیا۔

جب میں واپس جاؤں گا، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں نے کافی دنوں "
"سے یہ بات مکمل کرنے کا موقع نہیں پایا۔

تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟" عالیانہ کا سانس جیسے رک گیا۔"

ہاں۔" اس نے مختصر سا کہا۔"

تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب "
واقعی ہو رہا ہے۔

"عالیار نے ایک پل کے لیے توقف کیا۔ "ہاں۔

مجھے یقین نہیں آرہا۔" اس نے سر ہلایا۔ وہ بار بار اپنا سر جھٹک رہی تھی۔ "تم واقعی اپنا"
"دماغ کھو چکے ہو۔

عالیار کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

مجھے بہت افسوس ہے، واقعی بہت افسوس ہے لیکن میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں "
تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔" اور لمحوں کا کھیل سیکنڈوں میں ختم ہو گیا۔ سامنے بیٹھے
عالیار کا دل ایک بار پھر سے خالی رہ گیا۔ لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ بار بار اپنا
سر ہلا رہا تھا، اپنے ہاتھوں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ انتظار کر رہا ہو کہ کوئی اسے بتائے
کہ یہ سب حقیقت نہیں ہے۔

وہ بے چینی سے بھر گئی، بہت الجھن میں تھی، کیونکہ وہ اسے چاہتی تھی۔ وہ خود کو کسی
مشکل میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ جہاں وہ فرار ہونا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔

تم اسے چن رہی ہو؟" اس نے بمشکل پوچھا۔ "کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے چن رہی "
ہو؟ کیونکہ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ مجھے کیا ہو رہا ہے اور مجھے تم سے سننا ہے، یہ جاننا ہے
"کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

"... نہیں! میں کسی کو نہیں چن رہی.... میں نہیں... ن... نہیں"

کیوں؟ کیا میں اتنا برا ہوں کہ مجھ سے محبت تمہیں شرمندہ محسوس کرواتی ہے؟ کیا وہ" تمہارے لیے زیادہ محفوظ ہے؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ تم اس پر قرض دار ہو؟ تم غلطی کر "رہی ہو۔ تم ڈر رہی ہو۔ تم مشکل فیصلہ نہیں کرنا چاہتی اور تم مجھ سے بھاگ رہی ہو۔

شاید میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔"

میں جانتا ہوں، تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو!" وہ غصے میں تھا۔ مدھم روشنی میں بھی" ،وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو چکی ہیں۔

تم غلط ہو۔" یا اللہ، وہ کیا کہہ رہی تھی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ الفاظ کہاں سے آ" رہے ہیں، یہ کیسے نکل رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی، لیکن یہ الفاظ جیسے زبردستی اس کے منہ سے نکلتے جا رہے تھے، کبھی تلخ، کبھی میٹھے، اور ابھی ہر چیز میں محبت اور پچھتاوے کا ذائقہ تھا۔

عالیار ابھی بھی اسے گھور رہا تھا۔

واقعی؟" وہ اس کے چہرے کو بالکل صاف دیکھ سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر دکھ، غصہ، " اور بے اعتباری تھی۔

ہ-ہاں۔" وہ بمشکل ایک اور جھوٹا لفظ نکال پائی، جھوٹ، جھوٹ، جھوٹ۔ "

تو میں غلط ہوں۔ میں غلط ہوں کہ تم مجھے چاہتی ہو۔" عالیار نے آہستہ سے کہا۔ "

مجھے ایک بات بتاؤ۔ کیا میں اندھا ہوں؟" وہ مرنے کے قریب محسوس کر رہی تھی۔"

میں تمہارا مذاق نہیں بنوں گا!" عالیار کھڑا ہوا۔"

میں تمہیں اپنے جذبات کا مذاق بنانے کی اجازت نہیں دوں گا! میں تمہارے اس فیصلے" کا احترام کر سکتا تھا کہ تم نے مجھے گولی ماری، لیکن یہ۔ یہ جو تم نے ابھی کہا یہ بزدلی ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ تم مجھ سے بہتر ہو۔" اس کی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا، بالوں میں انگلیاں گزاری، جیسے وہ چیخنا چاہتا ہو، کچھ توڑنا چاہتا ہو، جیسے وہ حقیقتاً اپنے ہوش کھو رہا ہو۔

میں بزدل نہیں ہوں۔" اس نے ہمت کر کے کہا۔ وہ اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی"

۔

تو پھر اپنے آپ سے سچ بولو! میرے ساتھ ایماندار رہو! سچ بولو!" وہ کیا کہتی۔ اپنے اندر" کے طوفان کو نظر انداز کر کے وہ خود کو اس کے سامنے مضبوط دکھا رہی تھی

۔" عالیانہ! میں تمہارے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ پر بہت آسانی سے یقین کر لیتا ہوں کیونکہ میں تمہاری ایمانداری پر شک نہیں کرتا، مجھے یوں مایوس مت کرو۔ تم میرے لیے اس قدر خوبصورت ہو کہ میں تمہیں خود سے بھی چھپا کر رکھتا ہوں۔ تم میرے ساتھ جو چاہے کرو، لیکن مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ خود سے جھوٹ مت بولو۔" اس کا سر نیچے جھک گیا۔ دنیا گھوم رہی تھی، اس کی الجھن گناہ میں بدل رہی تھی۔ اس نے اپنے لرزتے ہاتھوں کو مٹھی میں بند کیا۔

سچ یہ ہے کہ میں تمہیں کبھی سمجھ نہیں پاتی! تمہارے اعمال، تمہارا رویہ۔ تم کبھی ایک" جیسے نہیں ہوتے! پہلے تم میرے ساتھ برے ہوتے ہو اور پھر اچانک مہربان بن جاتے ہو، تم مجھ سے محبت کا اظہار کرتے ہو اور پھر اسے نقصان پہنچاتے ہو جس سے مجھے سب سے زیادہ لگاؤ ہے!" وہ غصے میں پیچھے ہٹی۔ "اور تم جھوٹے ہو! تم کہتے ہو کہ تمہیں پرواہ نہیں کہ تم کیا کرتے ہو، مگر میں اس پر یقین نہیں کرتی۔ تم چھپے ہوئے ہو۔ اصلی تم تباہی کے نیچے چھپے ہوئے ہو، اور میں جانتی ہوں کہ تم اس زندگی سے بہتر ہو جو تم نے چنی ہے۔ تم بدل سکتے ہو۔ تم مختلف ہو سکتے ہو۔ مجھے تم پر افسوس ہوتا ہے"!

الفاظ اس کے منہ سے بغیر رکے نکلتے جا رہے تھے۔

مجھے تمہارے خوفناک بچپن پر افسوس ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہارا باپ اتنا برا تھا۔" اور مجھے افسوس ہے کہ کسی نے تم پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ تم نے برے فیصلے کیے، اور تم ان میں پھنس گئے ہو۔ مگر سب سے زیادہ، مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ تم اپنے آپ پر رحم نہیں رکھتے!" وہ ایک جھٹکے سے چونکا، جیسے کسی نے اسے زوردار تھپڑ مارا ہو۔ دونوں کے درمیان خاموشی ہزار معصوم لمحوں کو قتل کر چکی تھی۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بے اعتنائی سی تھی۔

تمہیں مجھ پر ترس آتا ہے؟"اس کی سانسیں رک گئی تھیں۔ اس کا عزم متزلزل ہو گیا" تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں کوئی ٹوٹا ہوا پروجیکٹ ہوں جسے تم ٹھیک کر سکتی ہو۔"

"...نہیں...میں نے ایسا نہیں"

تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں نے کیا کچھ برداشت کیا ہے!"اس کے الفاظ غصے" سے بھرے ہوئے تھے۔

تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں نے کیا کیا دیکھا ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میں" کتنے رحم کا مستحق ہوں۔ میں اپنے دل کو جانتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ مجھ پر ترس کھانے کی ہمت مت کرنا!"اس لمحے، اس کے پاؤں یقینی طور پر اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

میں نے سوچا تھا کہ تم مجھے میری ذات کے لیے محبت کرو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ اس" دنیا میں، تم وہ واحد انسان ہو گی جو مجھے، جیسا میں ہوں ویسا قبول کرو گی! میں نے سوچا تھا کہ تم، سب میں سے، پوری دنیا میں سے واحد ہو جو مجھے سمجھے گی۔"اس نے چہرا موڑ لیا۔

میں غلط تھا۔ میں بہت زیادہ، بہت زیادہ غلط تھا۔"وہ مڑنے لگا۔ عالیانہ کو اسے جانے دینا" چاہیے تھا، ہال سے باہر، اپنی زندگی سے باہر، مگر اس کے ہاتھ بے ساختہ آگے بڑھے، اور اس نے اس کا بازو پکڑا۔ وہ اگلی ہی لمحے رک گیا۔

پلیز عالیار، میرا وہ مطلب نہیں تھا..."وہ گھوم کر اس کی جاب مڑا۔"مجھے تمہاری" "!ہمدردی نہیں چاہیے

میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔"اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔"

سچائی، ایک تکلیف دہ یاد دہانی ہے کہ کیوں میں جھوٹ کے درمیان جینا پسند کرتا ہوں۔" اس نے تلخی سے کہا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دکھ کو دیکھ سکتی تھی، وہ تکلیف جسے وہ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس اذیت کو کیسے ختم کرے، اپنے الفاظ واپس کیسے لے۔

وہ اسے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ اسے اس طرح نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے، مگر پھر رکا۔ گہری سانس لی، ہونٹوں کو سختی سے بھینچا جیسے وہ الفاظ کو باہر نکلنے سے روک رہا ہو، پھر اس نے ایک لرزتی سانس کھینچی "الوداع، "عالیانہ۔

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیوں یہ اسے اندر سے توڑ رہا تھا، کیوں اچانک وہ بے چینی کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے پوچھنا تھا، وہ سوال جو سوال نہیں تھا۔

کیا میں تمہیں دوبارہ کبھی دیکھوں گی؟" اس نے خود کو پوچھتے سنا۔ وہ پلٹا۔ وہ اسے بے" بسی سے الفاظ تلاش کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے، سب کچھ واضح ہونے لگا۔ اس نے اس کی آنکھوں میں وہ تبدیلی دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، جذبات کی وہ چمک جو اس کے لیے تصور سے بھی دور تھی۔ وہ جذبات جو اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس لمحے، وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ کیوں اس کی

آنکھوں میں نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ اس نے ابھی اس کی آنکھوں میں پانی دیکھا ہے۔

اس کے اندر کی جنگ صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنی بے چینی اور کشمکش کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا، الفاظ اس کی زبان پر آتے ہی تھر تھرا جاتے تھے۔ اس کا ضبط ٹوٹنے کے قریب تھا۔ وہ اس کی آنکھوں کے بھیگے کنارے دیکھ چکی تھی۔ اس نے اس کی لرزتی ہوئی آواز سنی۔

مجھے اُمید ہے کہ نہیں۔ "اور اسے لگا کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر مسل دیا" ہے۔ یہ الفاظ اتنے بھاری تھے کہ وہ ان کے وزن کو محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے خود کو زمین پر گرتا ہوا محسوس کیا، اس کے قدموں تلے زمین کھسک رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے ہال کی جانب بڑھ رہا تھا، اس کے قدم آج سے پہلے اتنے بھاری نہیں ہوئے۔ اس کی سماعتیں اب بھی پیچھے کھڑی عالیانہ پر تھیں۔ شاید وہ اسے پکارے۔ شاید وہ اسے روکے۔ بس ایک بار۔ وہ اس کے روکنے کا منتظر تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفظ نہیں۔ اور بس۔ وہ رکا نہیں۔ وہ پلٹا نہیں۔

اشکِ ناداں سے کہو بعد میں پچھتائیں گے "

آپ مری آنکھوں سے گر کر کدھر جائیں گے

اپنے لفظوں کو تکلم سے گرا کر جاناں

اپنے لہجے کی تھکاوٹ میں بکھر جائیں گے

اس سے پہلے کہ جدائی کی خبر تم سے ملے

"ہم نے سوچا ہے کہ ہم تم سے بچھڑ جائیں گے

وہ چلا گیا۔

وہ ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔ کبھی نہ واپس آنے کے لیے۔ کتنی ہی دیر وہ بے آواز آنسو بہاتے وہاں دیکھتی رہی جہاں سے وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تھا۔اس نے اسے خود ،خود سے دور کیا تھا تو اب یہ ملال کیسا؟

••••••☆☆☆••••••

بارش دھڑادھڑ برس رہی تھی۔ سڑکیں بھیگی تھیں۔ارد گرد کے چھوٹے چھوٹے گھر اور باغیچے بوسیدہ ہو چکے تھے۔ مردہ گھاس اس کے پیروں کے نیچے کرچ کرچ کر رہی تھی۔ وہ بے پرواہ قدم اٹھاتا ایک گیٹ کے سامنے رکا، جس سے نکلتی روش ایک گھر تک جاتی تھی۔ہاؤس نمبر تین سو چوالیس۔

سفید رنگ کے خوبصورت شیڈ میں ڈھکا ہوا یہ مکان اپنی سادگی میں منفرد تھا۔ برآمدے تک ایک چھوٹی سی سیڑھی جاتی تھی، جہاں دو سفید ویکر کی جھولنے والی کرسیاں اور نیلے رنگ کے پھولوں سے بھرا ہوا ایک بڑا گملہ رکھا تھا۔ایک ویلکم میٹ اور لکڑی کے بیم سے لٹکتے ہوا میں بجنے والے ساز، چوکھٹ چار زینے اوپر تھی،اور آخری زینے پر عالیار کھڑا تھا۔

گیلا کوٹ اور مفلر تہہ کر کے داہنے بازو پر رکھا تھا، بال ماتھے سے چپکے تھے۔ چہرے پر اضطراب تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا۔ سامنے ایک آدمی دکھائی دیا جس کے سنجیدہ چہرے پر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر چمک سی دوڑی۔ پھر اس نے تعجب سے اس کے کندھے کے پیچھے دیکھا۔

سر آپ... آپ ٹھیک ہیں؟ آپ کہاں تھے۔ مجھے لگا ہم نے آپ کو کھو دیا۔" ایک دم سے سامنے کھڑے آدمی کی آنکھیں نم ہوئیں۔ لیکن عالیار کے چہرے پر کچھ نہ بدلا۔

للی ٹھیک ہے؟' ایلفا پوئنٹ سے آنے کے بعد یہ پہلے الفاظ تھے جو اس کے منہ " سے نکلے۔

"آپ کو ٹھنڈ لگ رہی ہے؟ "

میں نے پوچھا للی ٹھیک ہے؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ پریشانی۔ بے" چینی۔ اضطراب۔

وہ اپنے کمرے میں ہے۔" عالیار کچھ کہے سنے بغیر اندر داخل ہوا اور گلے ہی لمحے وہ" تیزی سے ہال کے گول زینے چڑھ رہا تھا۔ ایک دو تین کمرے چھوڑ کر وہ ایک لکڑی کے دروازے کے سامنے رکا۔ گہری سانس لی۔ ملیک ہال سے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پریشانی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا عالیار کا ہاتھ بار بار ہنڈل تک جاتا ، جسے وہ بار بار پیچھے کھینچ لیتا۔

پھر اس نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور وہ تھم گیا۔ پوری دنیا ساکت ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ایک پل کے لیے مسکرائیں تھیں۔

اسے لگا تھا للی بیڈ پر بیمار لیٹی ہو گی۔ لیکن وہ جاگی ہوئی تھی۔ وہ کھڑکی سے باہر برستی بارش دیکھ رہی تھی۔ وہ بارہ سے تیرا سال کے درمیان کی لڑکی تھی۔ سنہری بال ہلکے ہلکے گھنگرالے تھے، جو کمر تک آتے تھے۔ اس کی عالیار کی جانب پشت تھی۔ دروازہ آرام سے کھولا گیا، شاید اس لیے وہ آہٹ محسوس نہیں کر سکی۔

وہ کچھ پل دروازے میں کھڑا اس کی پشت دیکھتا رہا، اضطراب میں آنکھیں مینچیں اور لب کھولے۔

للی!" اس کے لہجے میں خوشی اور غم دونوں کی جھلک تھی۔"

اس نے چونک کر گردن گمائی۔ سفید شفاف جلد، گالیں ایسی کہ لالی کی ضرورت نہ ہو، گلابی ہونٹ۔ معصوم۔ وہ بلکل فرشتے جیسی تھی بے عیب۔

عالیار کی آنکھ سے آنسو لڑھک کر قالین پر گرا اور جذب ہو گیا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا اس کے پاس گیا۔ اور اگلے ہی پل اسے گلے لگا لیا۔ وہ اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں لیے اس کا ماتھا چوم رہا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ چوم رہا تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ للی کے چہرے کے تاثرات میں کچھ تھا۔ ان میں الجھن تھی۔ بے اعتنائی تھی۔ بے چینی تھی۔ اجنبی پن تھا

۔

للی تم ٹھیک ہو؟"اس نے نرم ہاتھوں سے اسے خود سے الگ کیا۔"آپ کون ہیں؟"اس کی پھولوں جیسی آوازاسے کانٹوں کی طرح چبھی۔اس کی آواز پھولوں کی طرح تھی لیکن اسے کانٹوں کی طرح چبھی تھی۔اسے لگا کسی نے اس کے دل کو ٹرک کے نیچے روند دیا ہے۔اس کے لیے گھٹنوں پر بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔اس کے لیے سانس لینا مشکل ہو گیا۔اس نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔للی اسے دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔

آپ کو بابا نے بھیجا ہے؟میں نے ملیک انکل سے کہا کہ میں بابا سے ملنا چاہتی ہوں پر" وہ کچھ کہتے ہی نہیں ہیں۔"لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔وہ سر جھکائے خاموش آنسو بہا رہا تھا۔

آپ رو کیوں رہے ہیں۔ملیک انکل کہتے ہیں آدمی روتے نہیں ہیں۔صرف وہ آدمی" روتے ہیں جن کا دل دکھا ہو۔کیا کسی نے آپ کا دل دکھایا ہے؟"عالیار سر جھکائے مسلسل سر ہلا رہا تھا۔وہ کہنا چاہتا تھا ہاں للی!میرا دل دکھا ہے۔ہاں للی!میرا دل ٹوٹا ہے۔اس دنیا نے ہمیشہ میرا دل دکھایا ہے،وہ اس سے کہنا چاہتا تھا ہاں للی!میں تکلیف میں ہوں۔بہت گہری تکلیف میں۔"آپ کو کس نے رلایا؟"اس نے آہستہ سے سر اٹھا یا۔کھڑا ہوا،اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔ملیک جو ایک ہاتھ میں تھرو اور دوسرے ہاتھ میں چائے کا ٹرے تھامے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا،عالیار کو تیزی سے باہر آتا دیکھ کر ایک دم رک گیا۔عالیار بھی ایک پل کو رکا۔اس کی پلکیں

گیلی تھیں۔ آنکھوں کی رگیں سرخ۔ کچھ لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔ "سر آپ کو سردی لگ جائے گی۔ میں آپ کے لیے چائے...." عالیار نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔ زینے چڑھتے ہی دوسرا کمرا اس کا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ دروازہ تیزی سے بند کیا۔ ملیک کچھ دیر دروازے کے اس پار کھڑا بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا یہی ہو گا۔ کیونکہ یہی ہوتا تھا جب عالیار للی سے ملنے آتا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ کچھ دیر دروازے کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑا رہا۔ پھر وہیں نیچے بیٹھ گیا اور سر گھٹنوں میں گرائے ایک دم رونے لگا۔ اس کا دل ایک بار پھر بے دردی، بے دلی اور بے حسی سے توڑا گیا تھا۔ حقیقت اس کے دل کو الٹی چھری سے چیر رہی تھی۔ جس کو وہ چاہتا تھا، اس نے اسے ٹھکرا دیا۔ اس کی ماں اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس کا باپ اسے ناپسند کرتا تھا۔ اس کے سپاہی اسے مرتا دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کا آخری رشتہ، اس کی بہن، اس کی للی وہ اسے پہچانتی نہیں تھی۔ کچھ پل بے آواز رونے کے بعد وہ اٹھا۔ اٹیچ باتھ روم گیا۔ بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر چہرے پر پانی کی چند پھنکاریں ماریں، کچھ پل آئینے میں اپنا چہرا دیکھا، پھر تولیے سے چہرہ پونچھا، کپڑے بدلے۔ اب وہ روم مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینہ اس کا عکس دکھا رہا تھا۔ سیاہ پینٹ، سیاہ سویٹر جس کے گلے سے سفید شرٹ کے کالر جھلک رہے تھے۔ اس کی شخصیت اس شخص سے مختلف تھی جو عالیانہ کے ٹھکرانے پر رو رہا تھا، جو للی کے کمرے میں رو رہا تھا، جو گھٹنوں میں سر رکھے رو رہا تھا۔ آئینے کے اس پار کھڑا شخص کی آنکھیں اور چہرا ہر قسم

کے تاثرات سے پاک تھا۔ کیونکہ وہ عالیار نہیں، وہ حیدر تھا۔ سیکٹر فائیو کا سی سی آر اور چیف کمانڈر۔

••••••☆☆☆••••••

کچھ ہی دیر میں وہ زینوں سے اترتا دکھائی دیا۔ ملیک جو ہال میں رکھے ایل شیپ صوفے کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا، فوراً کھڑا ہوا۔ عالیار نے دور سے ہاتھ اٹھا کر اسے واپس بیٹھنے کا اشارہ کیا، لیکن وہ نہیں بیٹھا۔ وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عالیار صوفے پر آرام دہ حالت میں بیٹھا، اس طرح کہ داہنا بازو صوفے کے ہتھ پر ٹکا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ اطمینان سے ملیک کو دیکھ رہا تھا جس نے اس کے بیٹھتے ہی سوالوں کی بارش کر دی۔

سر آپ کہاں تھے ؟ آپ واپس کیسے آئے ؟ کیا آپ ٹھیک ہیں ؟ آپ کے لیے کافی" بناؤں ؟" عالیار نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ دونوں ہاتھ آپس میں باہم جوڑے۔

مجھے بیس واپس جانا ہے پر اس سے پہلے۔" اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے" آگے کو جھکا۔ اس کی بھوری آنکھیں ملیک پر جمی تھیں ان دونوں کے درمیان صرف "خلا تھی۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے۔

اس کے بعد ان دونوں دونوں کے درمیان جو بات ہوئی، وہ ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ دیواریں بھی نہیں۔

••••••☆☆☆••••••

وہ سر جھکائے تیزی تیزی سے بھیگی سڑکوں پر چل رہا تھا۔ یہ علاقہ شہری رہائش اور بیس سے تھوڑا دور تھا۔ رات کا سماں تھا، گہری خاموشی میں ڈوبی ہوئی سڑک بارش کے بعد اور بھی ویران لگ رہی تھی۔ ہر طرف نمی کا احساس تھا، ہوا میں نمی بھری ہوئی تھی، زمین سے ٹھنڈک اٹھ رہی تھی۔ سڑک کے کناروں پر چھوٹے چھوٹے گڑھے بارش کے پانی سے بھر چکے تھے جن میں جمع پانی چمک رہا تھا، گویا کہ چاندنی زمین پر بکھری ہو۔
درختوں کی پتیاں اب بھی گیلی تھیں۔ ہوا میں ہلکی خنکی تھی۔ دور کہیں ایک کتے کی ہلکی سی بھونک سنائی دی، لیکن فوراً پھر خاموشی چھا گئی۔

تیزی سے چلتے چلتے اس کے قدم ایک پل کو رکے، کسی احساس کے تحت اس نے پیچھے دیکھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ پھر بھی وہ عجلت سے قدم اٹھاتا رہا۔ وہ تنہا تھا۔ اسے بیس پہنچنا تھا۔ چند منٹوں بعد، اسے اپنے پیچھے قریب سے، بہت قریب سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے بے اختیار چہرا موڑ کر پیچھے دیکھا۔ آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے داہنے ہاتھ کا چھجا بنا کر ماتھے پر رکھا۔ تعاقب کار بلکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ہینڈ ٹارچ تھامے، جس کی روشنی کا رخ اس کے چہرے کی جانب تھا۔ روشنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ پوری طرح سے آنکھیں نہیں کھول پا رہا تھا، نہ تعاقب کار کا چہرا دیکھ پا رہا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ کچھ غلط تھا۔ بہت غلط تھا۔ تعاقب کار کے بائیں ہاتھ میں کچھ تھا۔ اس

سے پہلے کے وہ دیکھ پاتا کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے۔ایک کلک نے رات کہ خاموشی کو توڑا۔ایک گولی شعلے کی لپیٹیں لیئے عالیار کی ٹانگ پر لگی۔وہ ایک قدم پیچھے کو لڑکھڑایا۔آنکھیں مزید چندھیا گئیں،پر ابھی بھی وہ اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔

ایک اور کلک۔ایک اور شعلہ دہکاتی گولی اس کے پیٹ کو دائیں جانب سے چیرتی ہوئی اس کے جسم میں داخل ہوئی۔ناچاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے تکلیف میں لپٹی دبی سے آہ نکلی۔وہ بے اختیار آگے کو جھکا اور دہرا ہو کر گھٹنوں کے بل زمین پر جا گرا۔تکلیف اتنی تھی کہ چہرا سفید پڑھ رہا تھا۔اس نے دونوں ہتھیلیوں کو گیلی زمین پر رکھا،سامنے دیکھنا چاہا۔ایک اور کلک۔ایک اور گولی جو سیدھی وہی لگی جہاں عالیانہ نے اسے گولی ماری تھی۔وہ بے اختیار کمر کے بل زمین پر جا گرا۔گلے سے ایک خراہت کی سی آواز نکلی۔آہ..آہ...آہ...۔درد اب برداشت سے باہر ہو چکا تھا۔اس کا جسم اندر سے جل رہا تھا،مگر باہر سے اسے اپنا وجود ٹھنڈا پڑتا محسوس ہوا۔درد اس کے دل کو،اس کے پورے جسم کو کاٹ رہا تھا۔وہ تکلیف سے کراہنا چاہ رہا تھا مگر آواز جیسے خلق کے اندر کہیں دم توڑ جاتی۔سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔آنکھیں بند ہو رہیں تھیں۔پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔دنیا دھندلی پڑ رہی تھی۔وہ تعاقب کار کو بھول چکا تھا،وہ اپنی تکلیف بھول چکا تھا،وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔اب وہ اس سنسان سڑک پر نہیں پڑا تھا،وہ کہیں اور تھا۔اس کا دماغ اس کو کوئی اور منظر دکھا رہا تھا۔

وہ کچن میں کھڑا تھا۔ مہرون سویٹر کی آستینیں کہنیوں تک چڑھائے وہ چولہے سے " چاکلیٹ پڈنگ اتار رہا تھا۔ پیلے سکرٹ والی بچی کچن شیلف پر بیٹھی تھی۔

مجھے کیک نہیں بنانا آتا، اس سے کام چلے گا؟" اس نے سفید چہرے والی بچی سے پوچھا" ۔اس نے سر ہلایا۔ لیکن وہ جانتا تھا وہ خوش نہیں ہے۔

میرا برتھ ڈے گفٹ بھائی؟" اس نے پڈنگ کانچ کے باؤل میں نکالی، کپڑے سے " ہاتھ صاف کیئے۔

"وہ تو میں بھول گیا۔" اس کا چمکتا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ "میں ناراض ہوں بھائی۔"

ارے ایسا ہو سکتا میں گفٹ نہ لاؤں۔" اس نے اسے شیلف سے نیچے اتارا اور اسے " لے کر گول زینوں والے ہال میں آ گیا۔ ہال کے ٹیبل پر ایک مستطیل ڈبا رکھا تھا۔ عالیار نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ للی آگے بڑھی۔ پہلے ڈبے کو دیکھا۔ پھر عالیار کو۔ پھر اس نے ڈبے کا ڈھکن اٹھایا۔ سفید رنگ کا چھوٹا سا پپی۔ اس نے اسے چھو کر دیکھا۔ پھر واپس اس کی جانب بھاگی۔ عالیار ایک پاؤں پر بیٹھا اور وہ اس کے گلے "لگ گئی۔ "تھینک یو بھائی۔ آئی رئیلی لائیک اٹ۔

وہ دھندلاتی آنکھوں سے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ بادل بھی اس کی زندگی کی طرح تھے ۔سیاہی بھرے۔ کالے۔ خاموش۔

للی کے معصوم قہقہوں کی آواز۔ عالیار بھائی میں نے اس کا نام لیپرڈ ہے۔ اور" آج سے میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔" للی ہاتھ میں چھوٹا چھوٹا سا کتا پکڑے اس کے

سامنے کھڑی تھی۔ وہ سفید شیڈ کے گھر کے لان میں ویکر کرسی پر بیٹھا تھا۔ جامنی فراک۔ بالوں کی پونی ٹیل۔ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔" اس کے سفید پڑتے چہرے پر شاید ہلکی سی تکلیف دہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

وہ دونوں گھر کے باغیچے میں کھڑے تھے جہاں ہر جانب سفید پھول لگے" تھے۔ عالیار للی کے سفید پھول دس سالہ بچی کو تھمارہا تھا۔ وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس پھول کو للی کہتے ہیں۔ وہ اسے بتارہا تھا۔ یہ بے داغ، خوبصورت، معصوم پھول بلکل میری بہن جیسا ہے۔ یہ 'والا للی پھول 'سب کا پھول ہے اور میرے سامنے والا للی پھول صرف میرا ہے۔ اس نے للی کا ہاتھ چوما۔"اس نے تکلیف سے آنکھیں مینچیں۔ گرم گرم آنسو آنکھوں کے کناروں سے بہہ کر بالو میں جذب ہو رہے تھے۔

بھائی آپ مجھ سے ملنے نہیں آتے۔ بابا بھی نہیں آتے۔ میں اکیلی ہوتی" ہوں۔" سفید فراک والی بچی نے کہتے ہوئے چہرا دوسری جانب موڑ لیا۔ وہ اس سے ناراض تھی۔ عالیار تکان سے مسکرایا اور اس کے سامنے بیٹھا۔"آپ کا بھائی بھائی آپ کے پاس رہنے کے لیے یہ ساری محنت کر رہا۔ اگر میں نے محنت نہ کی، تو بابا مجھے دوسرے سیکٹر بھیج دیں گے۔ وہ جو اس سے روٹھی تھی اس کے چہرے سے ساری ناراضگی غائب ہو گئی۔" پھر اپ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے؟"اس نے " تکان سے سر ہلایا۔" ہمیشہ ساتھ رہوں گا۔

پرامس؟"وہ سر جھکائے ہنس دیا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سر اٹھایا۔ وہ داہنے "ہاتھ کی چھوٹی انگلی اس کے سامنے کیے ہوئے تھے۔

پرامس!"اس نے اس کی چھوٹی انگلی سے اپنی انگلی ملائی۔"

"پھر آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ کتنی دیر سے یہاں پڑا تھا۔ تکلیف تھی جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جان تھی جو نکلتی نہیں تھی۔ یادیں تھیں جو آپس میں خلط ملط ہو رہی تھیں۔

جب آپ گھر نہیں ہوتے تو لیپرڈ میرے ساتھ ہوتا ہے تو مجھے ڈر نہیں لگتا۔ آپ کو" پتہ وہ مجھ سے باتیں بھی کرتا۔"وہ دونوں ہال میں رکھے ایل شیپ صوفے پر بیٹھا تھا۔ للی اس کی گود میں تھی۔ وہ گلابی فراک پہنے ہوئے تھی۔ بالوں میں سفید ہیئر بینڈ۔ دو لٹیں چہرے پر تھیں۔ عالیار مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر آئی لٹوں کو "چھو رہا تھا۔

اس نے ہلنا چاہا پر نہیں ہل سکا۔ یہ بے بسی کیا تھی وہ ہل کیوں نہیں پا رہا تھا؟ اس نے لب ہلانے کی کوشش کی مگر وہ بول نہیں پا رہا تھا۔

یا تو تم اس کتے کو مارو گے، یا میں وہ دوا للی کو کھلا دوں گا۔"سکندر اس کے سامنے" کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پسٹل تھی۔ وہ پسٹل اسے تھما رہے تھے اور نا چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ ان کی جانب بڑھا رہا تھا۔ اس نے پسٹل ہاتھ میں تھامی۔ لان میں "بیٹھے سفید کتے پر تانی۔ آنکھیں بند کیں۔ ایک کلک۔

خون پانی کی طرح اس کے آس پاس پھیلا یا تھا۔ کوئی اس کی داہنی جانب کھڑا تھا۔ اس نے سر موڑ کر دیکھنا چاہا، مگر سر نہیں ہلا پایا۔ چہرے پر موت کی سی سفیدی تھی۔ چہرے پر تکلیف کا تاثر بھی ختم ہو چکا تھا۔ مدھم سی خراہت کی آواز لبوں سے نکل رہی تھی۔ کنپٹی سے آنسو لڑھک کر گیلی سڑک میں جذب ہو رہے تھے۔

بابا کہتے ہیں آپ نے لیپرڈ کو مار دیا؟ آئی ہیٹ یو، بھائی۔ میں آپ کی للی نہیں ہوں۔" وہ فرشتے جیسی بے عیب بچی اس کے سامنے رو رہی تھی۔ وہ تکلیف میں تھی۔ وہ عالیار کی وجہ سے تکلیف میں تھی۔ "اس نے تکلیف، کرب، اذیت کے ملے جلے تاثر سے آنکھیں مینچ لیں۔ ایک آخری بار سیدھا ہونا چاہا مگر کمر جیسے اکڑ گئی تھی۔

مجھے تم سے محبت ہے۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ گولی کی آواز جس کا نشانہ اس کا دل **تھا۔"** اس نے بے اختیار آنکھیں کھولیں۔

کیا تمہیں اس پر بھروسہ ہے؟ کیسر عالیانہ سے پوچھ رہا تھا۔ وہ خاموش رہی۔ "اس نے لرزتی سانس لی۔

میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ **"میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔"** اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ وہ بے اختیار کھانسا، تکلیف کی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑی۔ وہ اگلا سانس نہیں لے سکا۔ اس کی بڑھتی تکلیف اس کے جسم سے ہر سانس نچوڑ کر لے گئی۔ طرف اندھیرا چھا گیا۔ گہرا۔ سیاہ۔ تاریک۔ سنسان اندھیرا۔

••••••☆☆☆••••••

باسم از ردا فاطمہ

(ہر مسکرانے والا باسم نہیں ہوتا)

(حصّہ دوم)

بیس دن ہوا میں معلق ہو گئے۔ وہ ناشتہ کر رہی تھی۔ آج انہوں نے ایلفا پوائنٹ سے باہر جانا تھا۔ عالیار کے کہے کے مطابق، سکندر شہریوں پر بے جا تشدد کر رہا تھا۔ وہ انہیں قتل عام کر رہا تھا۔

وہ شہریوں کی واحد امید تھے۔ شہریوں کو لگتا تھا وہ انہیں بچانے ضرور آئیں گے اور انہیں، شہریوں کو بچانے جانا تھا۔ جنگ کا وقت آن پہنچا تھا۔ روانگی کی سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ عالیار کو گئے آج بیس دن بیت چکے تھے۔ وہ جیسے اس کا سکون بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان بیس دنوں میں، ایک دن بھی ایسا نہیں تھا، جب اس نے عالیار کے بارے میں نہیں سوچا۔ جب اس نے اس کی آنکھوں کے بارے میں نہیں سوچا۔ وہ راتوں کو سو نہیں پاتی تھی۔ کچھ تھا جو اس کے دل میں کھٹک رہا تھا، ایک

انجانا ساخوف۔ ایک انجانا سا در۔ کہیں کچھ غلط تھا۔ عالیار کے ساتھ واقعی کچھ ہوا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی؟ اس کا دل بے چین رہتا، وہ خود بھی بے چین رہتی۔ اس نے اس شخص کو بھی کھو دیا، جو سب سے زیادہ اس سے پیار کرتا تھا۔ اس نے اس شخص کو کھو دیا، جس نے اسے بچانے کے لیے اپنی جان کی پرواہ تک نہیں کی۔ اس نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی شخص کھو دیا تھا۔

عالیار کی گمشدگی اور اس کے بعد چھڑا ہوا ہنگامہ ابھی بھی لوگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کس طرح فرار ہوا، اپنے کمرے سے نکل کر بچ نکلنے کا راستہ کیسے ڈھونڈا۔ ہر شخص کیسر اور اسے الزام دے رہا تھا۔ سب کا کہنا تھا کہ عالیار پر اعتماد کرنا، اسے دوسرا موقع دینا اور یہ ماننا کہ وہ بدل چکا ہے، کیسر کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ ماحول غصے اور نفرت سے بھرا ہوا تھا، غصہ اس ماحول کو بیان کرنے کے لیے ناکافی لفظ تھا۔

لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ وہ جانے والا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ چلا جائے گا۔ پھر بھی نا جانے کیوں اس نے کیسر کو کہا کہ وہ اس پر یقین کرتی ہے، وہ خود سے جھوٹ بول رہی تھی کہ شاید وہ نہ جائے، شاید وہ بدل جائے۔ شاید۔ شاید۔ شاید۔ اکثر شاید، شاید ہی رہ جاتے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں بتا سکی کہ عالیار کو فرار ہونے کا راستہ تلاش کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی ہو گی۔ اور یہ بھی کہ عالیار قطعاً بے وقوف نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں بیٹھ کے یہ بتا سکتا تھا، کہ اس کا باپ باہر کیا حکمت عملی کر رہا تو اس کو

بے وقوف سمجھنے کی کوئی گنجائش بچتی ہی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عالیار نے سمجھداری سے کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالا ہوگا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس نے گارڈز کو چکمہ دینے کا بھی کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ لیا ہوگا۔

اب سب لڑنے کے لیے تیار تھے، مگر غلط وجوہات کی بنا پر۔ وہ عالیار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ پہلے اس کے تمام کیے گئے جرائم کی وجہ سے، اور دوسرا اس لیے کہ اس نے ان کے اعتماد کو دھوکہ دیا تھا۔ سب سے زیادہ خوفزدہ کرنے والی بات یہ تھی کہ ہر کوئی اس بات سے ڈر رہا تھا کہ کہیں عالیار ان کی خفیہ معلومات سکندر کو نہ دے دے۔ وہ یہاں سے جانے سے پہلے اس جگہ کے بارے میں کتنا کچھ جان چکا تھا، اب جو کچھ بھی ہونے والا تھا، وہ کسی طرح سے اچھا نہیں ہو سکتا تھا۔ کھانے کا وقت بھی گزر چکا تھا، مگر کسی نے ناشتہ تک نہیں کیا تھا۔ شاید آج کے بعد کچھ بھی معنی نہ رکھے۔ شاید آج کے بعد کچھ بھی معنی نہ رکھے۔ شاید وہ مر جائے گا اور پچھلے بائیس سال کی تمام اذیتیں بیکار ہو جائیں گی۔ شاید وہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، یا شاید اس کی زندگی ایک مضحکہ خیز یاد بن کر رہ جائے۔ لیکن شاید وہ زندہ رہے۔ شاید اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے۔ اسے اپنے آپ سے جھوٹ بولنا بند پڑے۔ بالآخر ایک فیصلہ کرنا پڑے۔ اسے اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑے کہ وہ اس شخص کے لئے جذبات رکھتی ہے جو دوسرے انسان کے سر میں گولی مارنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔

کھانے کے ہال میں تقریباً سب لوگ جا چکے تھے۔ اپنے پیاروں کو رخصت کرتے لوگ اداس تھے۔ معاذ اس کے قریب بیٹھا الوداعی باتیں کر رہا تھا، مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ انہیں اگلے تیس منٹ میں روانہ ہونا تھا۔

"شہزادی؟" آشناسی آواز پر وہ مڑی۔ داس، کل ہی میڈیکل ونگ سے ڈسچارج ہوا تھا، میز کے پاس کھڑا تھا۔ وہ کمزور لگ رہا تھا، جیسے کسی بھی لمحے گر جائے، مگر وہ ہوش میں تھا، زندہ تھا، اور سانس لے رہا تھا۔ سیاہ پینٹ۔ سیاہ شرٹ۔ ایک طرف سمیٹے بال۔ ماتھے پر سفید پٹی بندھی تھی۔

"اوہ میرے خدا!" ارسل نے خوشی سے کہا، جیسے اپنے پاؤں پر کھڑے داس کو دیکھنا کسی معجزے سے کم نہ ہو۔

"تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی، ارسل۔" داس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور عالیانہ کی طرف سر ہلایا۔

"تو، میری شاگرد، تیار ہو؟"

"اوہ میرے خدا۔" ارسل اسے اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ کر خوشی سے کہا۔

"تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی، ارسل۔" داس ایک ترچھی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس نے عالیانہ کی طرف سر ہلایا۔

وہ فوراً داس کی طرف مڑی۔ داس نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر اسے اپنے تک آنے سے روک دیا۔ "میں تم سے ناراض ہوں۔" شاید وہ غصے میں تھا۔ اسے اپنے جسم سے خون کا اخراج محسوس ہونے لگا، اس کے گھٹنے کمزور ہونے لگے، اسے بیٹھنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

"یہ اس کی وجہ سے نہیں ہوا۔" ارسل نے آہستہ سے کہا۔

"میں اسے الزام نہیں دے رہا۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس سے ناراض ہوں۔ میں اس کا دوست ہوں، ناراض ہونے کا ہر حق رکھتا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں ناجانے کہاں سے آنسو آ گئے۔ اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

"بیس دن سے میں میڈیکل ونگ ہوں، جب جب میری آنکھ کھلی تم وہاں نہیں تھی۔ مجھے سب سے زیادہ تمہاری ضرورت تھی، اپنے بیسٹ فرینڈ کی۔ لیکن وہ اپنے جذباتوں پر رونے میں مصروف تھی۔ داس تو اس کی زندگی میں کہیں تھا ہی نہیں۔" اس کے آنسو گالوں پر لڑھک رہے تھے۔ اس کی بات میں وزن تھا۔ لیکن وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ اس کا سامنا کرنے کے لیے شرمندہ تھی۔ "میں مرنے کے قریب تھا۔ اور میں واقعی دیکھنا چاہتا تھا کہ۔" اس نے ماتھے پر بل ڈالے پہلے ارسل کو دیکھا پھر عالیانہ کو۔ "یہ چھوٹی سی جذباتی لڑکی جو بات بات پر رو دیتی ہے، دس دنوں میں تو نہیں گئی۔ اور تم نے مجھے درست ثابت کیا۔ تم واقعی نہیں بدلی۔" وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنسا۔ قہقہ لگا کر۔ ویسے ہی جیسے وہ ہنسا کرتا تھا۔

"سوری... یہ ایک ٹیسٹ تھا۔" وہ ہنسی کے درمیان بولا۔ وہ ایک دن اپنے آنسوؤں پر شرمندہ ہوئی۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرائی اور گیلی سانس اندر کھینچی۔ "آئی ایم سوری۔" ارسل بھی مسکرایا۔

"ہم کب جارہے ہیں؟

"تم کہیں نہیں جارہے۔"

"میں جارہا ہوں۔"

"تم بمشکل کھڑے ہو سکتے ہو!" داس میز کے کنارے کو تھامے کھڑا تھا، لیکن اس کی ضد برقرار تھی۔

"میں یہاں بیٹھنے کے بجائے مرنا پسند کروں گا۔"

"داس! پلیز"

"نہیں۔"

ارسل داس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کیا تم واقعی مجھے جنگ کی حقیقتوں کے بارے میں سکھانے کی کوشش کررہے ہو؟" اُس نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بھول گئے ہو کہ میں بھی حیدر کی فوج میں سپاہی تھا؟ تمہیں اندازہ بھی ہے کہ میں نے کتنا پاگل پن دیکھا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ آج کیا

ہونے والا ہے۔ حیدر بے رحم تھا، اور اگر سکندر اپنے بیٹے سے زیادہ بے رحم ہے، تو ہم ایک خونی محاذ پر جا رہے ہیں۔"

"میں تم لوگوں کو یوں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اور ہم تمہیں یوں کھو نہیں سکتے۔" ارسل نے بے بسی سے کہا تھا۔

لیکن عالیانہ ایک جملے پر رک گئی تھی۔ ایک لفظ پر۔ اُس کے لبوں پر ایک سوال مچل گیا تھا۔ "کیا وہ برا ہے؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"کون؟" داس اور ارسل نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"حیدر۔ کیا وہ واقعی اتنا بے رحم تھا؟"

ارسل نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اُس کی ہنسی اتنی شدید تھی کہ وہ تقریباً دگنا ہو گیا۔ "بے رحم؟ عالیانہ، وہ آدمی بیمار ہے۔ وہ ایک درندہ ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اسے انسان ہونے کا مفہوم بھی معلوم ہے۔ اگر کہیں دنیا میں کوئی جہنم ہوتی تو وہ خاص طور پر حیدر کے لیے بنائی گئی ہوتی۔" اس نے اپنے دل میں ایک گہرا زخم محسوس کیا، اسے لگا کسی نے اُس کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا ہے۔

••••••☆☆☆••••••

سب کو ایک قطار میں سرنگ سے باہر نکلنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ زیرِ زمین دنیا چھوڑتے وقت نظم و ضبط قائم رہے۔ داس، ارسل اور عالیانہ ابھی تک گروپ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

"کیسر کو پتہ ہے کہ تم باہر جا رہے ہو؟" ارسل نے داس کی طرف دیکھا۔ "مجھے نہیں لگتا کہ اُسے یہ پسند آئے گا۔"

"کیسر چاہتا ہے کہ میں خوش رہوں، اور یہاں رہ کر میں خوش نہیں رہوں گا۔ میرے پاس کرنے کے لیے کام ہے، مجھے لوگوں کو بچانا ہے۔ وہ میری بات سمجھے گا۔" داس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"اور باقی سب؟ وہ سب تمہارے بارے میں پریشان تھے۔ کم از کم انہیں بتا دیا کہ تم ٹھیک ہو؟" عالیانہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" داس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر انہیں پتہ لگا کہ میں باہر جا رہا ہوں، تو وہ پتھر کی اینٹ بن جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ میں خاموش رہوں۔ اور میلیسا... وہ بچاری تو بالکل نڈھال ہے۔ وہ بھی نہیں چاہتی کہ میں جاؤں۔"

"بہر حال، ہم جا رہے ہیں۔ تم سکندر کو پکڑنا چاہتے ہو، لیکن میں حیدر کو گولی مارنا چاہتا ہوں۔"

اس کے دل میں جیسے ہتھوڑا چلا تھا۔ اُس کی نظر کے سامنے حیدر کی خون میں لت پت لاش جھلکنے لگی۔ اُس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کا اترا چہرہ دیکھ کر ارسل نے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ میں کل رات سو نہیں سکی، بس اسی وجہ سے تھوڑی تھکی ہوئی ہوں، لیکن میں ٹھیک ہوں۔"

"احتیاط سے رہنا، ٹھیک ہے؟"

"تم بھی۔"

داس نے ہاتھ ہلایا۔ "چلو۔"

دور سے ایک تیز سیٹی کی آواز آئی۔ جانے کا وقت ہو چکا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

انہیں مختلف گروپوں میں تقسیم ہونا تھا تاکہ ایک ساتھ نہ مارے جائیں۔ ان کے پاس اتنے لوگ نہیں تھے کہ جارحانہ لڑائی لڑ سکیں، اس لیے چالاکی اور حکمت عملی سے کام لینا ضروری تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوش تھی کہ داس نے ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بغیر وہ خود کو بہت کمزور محسوس کرتی۔ ایلفا پوائنٹ کے تمام افراد پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے۔

سکندر کے آدمی زیادہ دور نہیں تھے۔ جب سے سکندر آیا تھا، وہ اپنی طاقت اور 'دستور' کی آہنی گرفت کو مضبوط کرنے کی کوشش میں تھا۔ ہر وہ آواز جو مخالفت میں اٹھی، چاہے وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو، خاموش کر دی گئی تھی۔ وہ غصے میں تھا کہ انہوں نے بغاوت

کو ہوا دی اور اب وہ ایک واضح پیغام دینا چاہتا تھا۔ اُس کا مقصد سب کو تباہ کرنا تھا۔ بے چارے شہری اس کے خونی ہاتھوں کی زد میں آ چکے تھے۔ گولیوں کی آوازیں دور سے سنائی دینے لگیں۔

وہ سب خود بخود اُس سمت بڑھنے لگے جہاں سے گولیوں کی آواز آ رہی تھی۔ کوئی بھی بات نہیں کر رہا تھا۔ سب جانتے تھے کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کام کرنا ہے۔ ان کا واحد مشن تباہی کے قریب پہنچنا اور پھر سکندر کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو ختم کرنا تھا۔ معصوم لوگوں کی حفاظت کرنا، پوائنٹ کے مردوں اور عورتوں کا ساتھ دینا تھا۔ اور سب سے اہم بات، وہ اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ بارش شروع ہو گئی تھی۔ ان کے ارد گرد کی دنیا نیلے اور سرمئی رنگوں کی دھندلی سرزمین بن چکی تھی۔ انہوں نے اس تباہی کا کبھی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ داس انہیں کمپاؤنڈز کے کنارے تک لے آیا، وہ ایک چھوٹے سے مکان کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ چھت کے نیچے وہ کم از کم کچھ دیر کے لیے بارش سے محفوظ ہو گئے تھے۔ ہوا کھڑکیوں پر زور دے رہی تھی، دیواروں کو دھکیل رہی تھی، اور بارش چھت پر پوپ کارن کی طرح برس رہی تھی۔ آسمان کا پیغام صاف تھا۔ انہیں ابھی تک فوج کی کوئی علامت نہیں دکھی۔ ہر چیز حیرت انگیز طور پر پرسکون لگ رہی تھی۔

وہ ابھی تجویز دینے ہی والی تھی کہ انہیں حرکت کرنی چاہیے، جب اچانک دروازہ کے زور سے بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

"یہ آخری ہیں۔" کوئی چیخا۔ "وہ یہاں چھپی ہوئی تھی۔" سپاہی ایک روتی ہوئی عورت کو گھسیٹتا ہوا کمپاؤنڈ سے باہر نکال رہا تھا، اور وہ چیخ چیخ کر رحم کی بھیک مانگ رہی تھی، اپنے شوہر کے بارے میں پوچھ رہی تھی، جبکہ سپاہی اُسے خاموش رہنے کا حکم دے رہا تھا۔

اسے اپنے جذبات قابو میں رکھنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے آپ کو خاموش رکھا۔ نہ کوئی لفظ بولا، نہ کوئی سانس لی۔

اسی لمحے ایک اور سپاہی کہیں سے دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کوئی منظوری کا پیغام چلایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا، جسے وہ سمجھ نہیں سکی۔ اس نے محسوس کیا کہ داس اور ارسل کی آنکھیں سخت ہو گئی ہیں۔ کچھ غلط تھا۔ "اُسے باقی سب کے ساتھ پھینک دو، اور پھر ہم اس علاقے کو صاف قرار دیں گے۔" دوسرے سپاہی نے حکم دیا۔ عورت پاگل ہو چکی تھی۔ وہ چیخ رہی تھی، سپاہی پر جھپٹ رہی تھی، اسے کہہ رہی تھی کہ اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس کا شوہر کہاں ہے، اور اس کی بیٹی کہاں کھو گئی ہے۔ وہ ہر طرف اپنی بچی کو تلاش کر رہی تھی۔ بے چین۔ پریشان۔ وہ چیخ رہی تھی، رو رہی تھی، ہتھیلیوں کے مکے اس سپاہی پر برسا رہی تھی جو اسے جانور کی طرح قابو میں لے رہا تھا۔

پھر سپاہی نے اپنی بندوق کی نالی اس کی گردن پر رکھ دی۔ "اگر تم نے خاموشی اختیار نہیں کی، تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" وہ غصے سے بولا۔

عورت روتی رہی، اور پھر بے جان ہو گئی۔ وہ اس کے بازوؤں میں بے ہوش ہو چکی تھی، اور سپاہی نفرت سے اسے گھسیٹتا اس جگہ لے جا رہا تھا جہاں باقی لوگوں کو اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ سب کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

وہ تینوں ان کا پیچھا کرنے لگے۔

ہوا اور بارش تیزی سے بڑھنے لگی۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ ان کے درمیان جو فاصلہ تھا، وہ ان کو بولنے میں محفوظ رکھ رہا تھا۔ اُس نے داس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

داس نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ سخت آنکھوں سے دیوار کے پار دیکھ رہا تھا۔

"وہ انہیں اکٹھا کر رہے ہیں۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "وہ لوگوں کے گروپ بنا رہے ہیں تاکہ انہیں ایک ساتھ قتل کیا جا سکے۔"

"عورت..؟"

"ہاں۔" اُس نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "وہ صرف بھڑکانے والوں کو نہیں مارتے، وہ ان کے دوستوں اور خاندان کے افراد کو بھی مارتے ہیں۔ یہ لوگوں کو قابو میں رکھنے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ یہ بچ جانے والے چند لوگوں کو خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔" اُس نے اپنا حلق صاف کر کے بہت سارا تھوک نگلا۔

"انہیں وہاں سے نکالنے کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے، شاید ہم ان سپاہیوں کو ختم کر سکیں جو اس کارروائی کے انچارج ہیں۔" ارسل نے کہا۔

"ہمارے پاس آپشن موجود ہے۔ ہم انہیں دور سے نشانہ بنا سکتے ہیں، براہ راست لڑائی میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" تھوڑی دیر بعد اس نے ذرا سا سر موڑ کر عالیانہ کو دیکھا۔ "تم نے کبھی ایسی صورتحال کا سامنا نہیں کیا ہے، عالیانہ۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں پتہ ہو کہ اگر تم نے آگ سے دور رہنے کا فیصلہ کیا ہے، تو میں تمہاری رائے کا احترام کروں گا۔ ہر لڑائی میں براہ راست داخل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ ہی ہر کوئی اس لڑائی میں شامل ہونے کے قابل ہوتا ہے۔ اگر ہم براہ رست جنگ نہ لڑیں تو اس میں کوئی شرم یا الزام نہیں ہے۔"

داس نے سر واپس موڑ لیا اور ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔ "اپنے دفاع کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنے سے مت گھبرانا۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو نقصان پہنچانے کے بارے میں حساس ہو، لیکن یہ لوگ واقعی خطرناک ہیں۔ وہ تمہیں مارنے کی کوشش کریں گے۔"

اُس نے سر ہلایا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ داس اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔ "ٹھیک ہے۔" لیکن اندرونی طور پر اُس کا دل خوف سے جل رہا تھا۔

"چلو۔" اُس نے سرگوشی کی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ تینوں میدان کے وسط میں کھڑے تھے۔ پچیس افراد، مرد، عورتیں، اور مختلف عمر کے بچے، سب ایک قطار میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے تھے۔ ان کے سامنے پانچ سپاہی ایک فائرنگ اسکواڈ کی صورت میں تیار کھڑے تھے۔ بارش زور و شور سے برس رہی تھی، اور ہوا میں پاگل پن کی سی شدت تھی۔

سپاہی یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ انہیں کیسے ختم کیا جائے۔ کیسے ان تمام افراد کی زندگیوں کا خاتمہ کیا جائے۔ کچھ لوگ رو رہے تھے، کچھ خوف اور غم سے کانپ رہے تھے، اور کچھ ایسے تھے جو موت کے سامنے چپ چاپ کھڑے تھے۔ ایک سپاہی نے فائر کیا۔

پہلا آدمی زمین پر گر گیا، اور اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک جھٹکے نے عالیانہ کے دل کو جکڑ لیا۔ اُس کے اندر جذبات کا طوفان اٹھا، ایسا طوفان جو اسے بے ہوش کرنے کے قریب تھا۔ وہ اپنی ہوش و حواس سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی، آنسو نگل رہی تھی اور اندر کی تکلیف کو زبردستی دبا رہی تھی۔

سب کے قدم جیسے زمین سے جڑ گئے تھے، کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا، کوئی آواز نہیں نکال رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کی زندگیوں کی ڈور کسی نظر نہ آنے والے ہاتھ نے پکڑ لی ہو۔ یہی وہ لمحہ تھا، یہی وہ جگہ تھی جہاں انہیں خود پر بھروسا کرنا تھا۔ تین نوجوان، جو اپنے آپ کو چھوڑ کر چوبیس بے گناہ جانوں کو بچانے کے لیے مرنے یا مارنے پر تیار تھے۔

اس نے دیکھا کہ ایک سپاہی اپنا ہتھیار اگلے شکار پر مرکوز کر رہا تھا۔ داس نے انہیں اشارہ کیا۔

تینوں بندوقیں تیار تھیں، نشانہ باندھ رہی تھیں، اور گولی چلنے کی آواز سے پہلے ہی سپاہی زمین پر گر چکا تھا۔ گولی کس نے چلائی تھی، اس کا اندازہ نہیں تھا، لیکن اب اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔

میدان جنگ میں ابھی بھی سو کے قریب سپاہی باقی تھے، اور اب وہ ان تینوں کو دیکھ چکے تھے۔ وہ دوڑ رہے تھے، اپنی جان بچانے کے ساتھ دوسروں کی زندگیاں محفوظ بنانے کے لیے۔

ارسل نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چوتھے سپاہی کو نشانہ بنایا۔ پانچواں سپاہی عالیانہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھٹے کو داس نے گولی سے گرایا۔

لوگ ان کی طرف بھاگ رہے تھے، مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ وہ انہیں چیخ کر پیچھے ہٹنے، نیچے رہنے اور محفوظ رہنے کی تاکید کر رہے تھے۔ وہ ان سے وعدہ کر رہے تھے کہ انہیں بچانے کے لیے جو ممکن ہوگا، کریں گے۔ لوگ شکریہ ادا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، ان کا ہاتھ پکڑ رہے تھے، لیکن ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ انہیں جلد از جلد لوگوں کو کسی حد تک محفوظ مقام تک پہنچانا تھا اور آگے بڑھنا تھا، جہاں ابھی بھی تباہی جاری تھی۔

لیکن وہ اب بھی اس ایک شخص کو نہیں بھول پا رہے تھے جسے وہ بچا نہیں سکے تھے۔ نمبر پچیس۔ وہ کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔

وہ تیزی سے اس وسیع زمین پر دوڑ رہے تھے، جہاں کمپاؤنڈز موجود تھے۔ نہ چھپنے کی پروا تھی، نہ کوئی ٹھوس منصوبہ۔ سب خاموش تھے، نہ ماضی کی بات کر رہے تھے، نہ مستقبل کی۔ انہیں صرف یہ معلوم تھا کہ انہیں چلتے رہنا ہے، آگے بڑھتے رہنا ہے۔

داس سب سے آگے تھا، تباہ شدہ کمپاؤنڈز کے درمیان سے راستہ بنا رہا تھا۔ وہ سب جان چکے تھے کہ کچھ بہت بڑا اور بہت غلط ہو چکا ہے۔ وہاں زندگی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ دھاتی ڈبے، جو کبھی شہریوں کی رہائش گاہ ہوا کرتے تھے، مکمل طور پر تباہ ہو چکے تھے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ تباہی کے وقت لوگ ان کے اندر تھے یا نہیں۔

داس نے انہیں خبردار کیا کہ آگے ہر قدم ہوشیاری سے اٹھانا ہوگا۔ وہ رہائشی علاقے کی گہرائی میں پہنچ چکے تھے جب اچانک بھاری قدموں کی دھمک سنائی دی، ساتھ ہی ایک گونجتی ہوئی میکانکی آواز۔ ٹینک۔

یہ ٹینک بجلی سے چلتے تھے، اس لیے ان کی حرکت کی آواز مدھم تھی، لیکن وہ، ارسل، اور داس اس آواز کو پہچاننے کے لیے کافی تجربہ رکھتے تھے۔ بجلی کی ہلکی گڑگڑاہٹ ان کے لیے خطرے کا سگنل تھی۔ ہوا ان کے خلاف شدت سے چل رہی تھی، جیسے انہیں کمپاؤنڈ کے دوسری طرف کسی نامعلوم خطرے سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہوا جیسے جانتی ہو کہ ان کی موت یہاں نہیں ہونی چاہیے۔

پھر ایک دھماکہ ہوا۔

ایک زبردست بھڑکتا ہوا شعلہ ان کے قریب، صرف بیس فٹ کے فاصلے پر، آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ آگ زمین کو چاٹ رہی تھی، ہوا میں موجود آکسیجن کو نگل رہی تھی، اور بارش کے قطرے بھی اس تباہی کو روکنے میں ناکام تھے۔ شعلے ہوا کے ساتھ جھوم رہے تھے. وہ بے اختیار شعلوں کی جانب دوڑ پڑے۔

سردی اور بارش کی تیزی ان کے وجود سے کہیں غائب ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ شعلوں تک پہنچی، اس کا دل دہل گیا۔

اس کی بندوق تقریباً اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

زمین پر پڑے ہوئے بے جان جسموں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ یہ اندازہ کرنا ممکن نہیں تھا کہ کون اپنے تھے اور کون دشمن۔ چاروں اطرف موت کا راج تھا۔ اس کے ذہین میں ایک خیال ابھرا، وہ سپاہی، جنہیں وہ دشمن سمجھ کر مار رہی تھی، ارسل جیسے بھی ہو سکتے تھے۔ یتیم، مجبور، اور حالات کے ہاتھوں بے بس، جو زندہ رہنے کے لیے یہ کام کر رہے تھے۔ اس کے ضمیر میں ایک جنگ چھڑ چکی تھی۔ آنسوؤں، اور اندر کی بے قراری کو وہ اپنی پلکوں میں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ اس وقت بہادر بنے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ فیصلہ کن لمحہ تھا۔ وہ لڑنا چاہتی ہو یا نہیں، اسے حرکت میں آنا تھا، کیونکہ پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

تبھی اچانک کسی نے اسے پیچھے سے دبوچ لیا۔

اسے زور سے زمین پر گرایا گیا، اس کا چہرہ بارش کے بعد والے کیچڑ میں دب گیا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی، لیکن آواز حلق میں دب گئی۔ کسی نے اس کی بندوق چھین لی تھی۔ پھر ایک زوردار کہنی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں جا لگی۔ وہ سر نہیں اٹھا سکتی تھی پر اس نے محسوس کیا کہ ارسل اور داس کہیں دور جا چکے تھے، وہ لڑائی میں مصروف تھے۔

یہ احساس کہ وہ مرنے والی ہے، اس کے اندر گونج رہا تھا۔ ہوا میں گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ایک خوفناک شور، جیسے موت کا اعلان ہو رہا ہو۔ ہوا اتنی تیز چل رہی تھی کہ گھنٹیاں پاگل پن کی حد تک بج رہی تھیں۔ اس شور میں، اس کی سوچ بکھری ہوئی تھی۔ اُسے یہ آوازیں جانی پہچانی لگ رہی تھیں، اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ اس کے آخری لمحے ہیں، اس کا خاتمہ قریب تھا۔ موت سر پر آ پہنچی تھی، جیسے یہ سب محض ایک خواب ہو۔ لیکن اب یہ حقیقت تھی۔

اس نے سیدھا ہونا چاہا، پر ایک بوٹ اس کی پیٹھ پر تھا۔ اس کے منہ میں کیچڑ بھرا ہوئی تھی۔ بال پونی سے نکل کر چہرے پر بکھر چکے تھے۔ گدلے بال۔ بے شمار لمحے، جنہیں کبھی پوری طرح سے جینے کا موقع نہیں مل سکا، اس کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ پھر کسی نے اسے سیدھا کیا۔ اب وہ سر کے بل تھی۔ گہری سانسیں لیتی ہوئی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ کر بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔ کوئی بھی اپنی موت کو قریب دیکھ کر خوش نہیں ہوتا، چاہے وہ اپنی زندگی سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ کرے۔ سپاہی کے ہاتھ میں بندوق کا ٹریگر ابھی تک دبا نہیں تھا، اور یہی تاخیر اس کے خوف کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ پھر اچانک، کسی نے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز دے ماری۔ روتی آنکھوں میں دنیا ایک لمحے میں دھندلی ہونے لگی، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی۔

••••••☆☆☆••••••

موجودہ دن سے ایک دن پہلے۔

اس وادی کا منظر کسی خواب کی دنیا جیسا تھا، جیسے خیالات کی سرزمین جہاں ہر طرف خاموشی کی دبیز چادر بچھی ہو۔ چاروں طرف تاحدِ نگاہ سبز پہاڑیاں تھیں، جن پر پڑتی سورج کی کرنیں چمکتے ہیروں کی مانند دکھائی دیتی تھیں۔ نیلگوں پانی کی سطح پر چلتی ہلکی ہوا سے پیدا ہونے والی لہریں یوں محسوس ہو رہی تھیں گویا کسی ماہر مصور نے اپنی مہارت سے انہیں ترتیب دیا ہو۔ دور کہیں پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں آسمان کو چھوتی دکھائی دے رہی تھیں، جنہیں بادلوں نے ہلکے سے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ ان پہاڑوں کے دامن میں درختوں کی شاخیں ساکت اور سنّاٹے میں لپٹی ہوئی ایک پراسرار سکون کا حصہ تھیں۔ یہ وادی مکمل خاموشی کے عالم میں گم تھی، جہاں نہ پرندوں کی چہچہاہٹ سنائی دیتی، نہ انسانوں کی آواز، فقط ایک سنّاٹا جو اپنی گہرائی میں ایک عجیب کشش رکھتا تھا۔

جھیل کا پانی خاموشی سے محوِ گفتگو تھا۔ خاموشی اتنی گہری تھی کہ ہر قدم کی چاپ صاف سنائی دیتی تھی۔ یہاں وقت جیسے رک سا گیا ہو، ہر چیز منجمد اور ساکت۔

جھیل کنارے پھیلی نرم گھاس پر جگہ جگہ قدرتی پتھر ایک دوسرے سے جڑے تھے، اور وہیں ایک بنچ رکھا تھا جس کا رخ جھیل کی طرف تھا۔ بنچ پر ایک نورانی رنگت والی خاتون بیٹھی ہوئی تھیں، جنہوں نے سر پر نفاست سے دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ ان کا چہرہ جھیل کی جانب تھا، اور وہ خاموشی سے پانی کو تک رہی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک نوجوان کھڑا تھا، غالباً پچیس برس کا، بھوری آنکھوں اور پر کشش چہرے والا، جس کے نقوش میں گہری سنجیدگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دنیا بھر کی اداسی سمٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

خاتون جھیل کی جانب نظریں جمائے بیٹھی تھیں جبکہ نوجوان خاموشی سے پانی کی لہروں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کو محسوس ہوا، اس کا ہاتھ کسی گرفت میں تھا۔ مضبوط گرفت میں۔ اس نے نظریں جھکا کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کا ہاتھ ایک سفید جھری زدہ ہاتھ میں تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔ کرب سے آنکھیں بند کیں۔ "کیا آپ مجھے لینے آئی ہیں؟"

خاتون خاموش رہیں، ان کے چہرے پر سکون چھایا ہوا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ سفید سوٹ میں ملبوس۔ بال ایک جانب سمیٹے ہوئے۔ چہرہ پہلے سے کمزور تھا۔ بھوری آنکھیں بے رونق تھیں۔ ہر چمک سے پاک۔

"میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔"

عالیار نے آہستہ سے اپنا چہرہ موڑ کر خاتون کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔ وہ خاموش رہیں، ان کے چہرے پر اب بھی ایک عجیب سا اطمینان تھا۔

"میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں... واقعی آنا چاہتا ہوں۔ میں بہت تھک چکا ہوں۔ بہت زیادہ۔"

نورانی رنگت والی خاتون نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما، محبت سے اسے چوما، مگر کچھ نہ بولیں۔ عالیار کے آنسو بے اختیار بہتے رہے، اس کی گالوں کو بھگوتے رہے۔

"میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔ میں خوش ہوں کہ اب ہم ساتھ ہوں گے، ہمیشہ کے لیے۔" انہوں نے دربارہ کوئی جواب نہ دیا

"آپ مجھ سے ناراض ہیں۔" سوال نہیں تھا۔ آگ تھی جو اسے اندر تک جلا گئی تھی۔

"میں آپ کو بچا نہیں پایا۔ میں للی کا خیال نہیں رکھ پایا۔ میں ایک اچھا بیٹا اور بھائی نہیں بن سکا۔" آنکھوں میں ڈگمگاتے آنسو اس کی گہری پلکوں کو بھگو رہے تھے۔

"میں ایک اچھا انسان نہیں بن سکا۔ آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتیں؟ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں ماں! مجھے بتائیں۔ مجھ سے بات کریں۔ میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی آواز میں اپنے لیے محبت اور نرمی محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سسکیوں کے بیچ بمشکل کہا، پھر آہستگی سے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"آپ کے بعد کبھی کسی نے مجھے پیار سے نہیں دیکھا۔ میں اچھا انسان بننا چاہتا تھا، میں آپ کا عالیار بننا چاہتا تھا۔ دنیا نے آپ کے عالیار کو مار دیا، ماں۔ میں آج اگر حیدر ہوں تو یہ میری غلطی نہیں ہے! مجھ سے ناراض مت ہوئیے۔ مجھ سے بات کریں۔" اب وہ ایک بچے کی مانند رو رہا تھا، جیسے کوئی بچہ اپنی پسندیدہ چیز کھونے پر پر ماں کی گود میں سر رکھ کر زار و قطار روتا ہے، وہ مسلسل روتا جا رہا تھا، اور اس کے گرم آنسو اس کی ماں کی گود میں جذب ہو رہے تھے۔

"مائیں اپنے بچوں سے خفا نہیں ہوتیں۔" ان کی آواز نرم اور شفقت سے لبریز تھی۔

انہوں نے جھک کر اس کا ماتھا، اس کا چہرہ، اور اس کی ہتھیلیوں کو چوما تھا۔ وہ اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کر رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا جی بھر کے رو لے، اپنے دل کا سارا بوجھ، ساری تکلیف آنسوؤں کی صورت میں بہا دے۔ ماں کی گود وہ جگہ ہے جہاں دو رہے ہوئے کوئی خود کو کمزور محسوس نہیں کرتا۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر بچہ اپنے غم اور دکھ کو ماں کے سکون بھرے لمس کے ساتھ بانٹ سکتا ہے۔

"میرا بیٹا دنیا کا سب سے بہادر بیٹا ہے۔"

"میں خوش قسمت ہوں کہ میں تمہاری ماں ہوں۔"

"میرے بیٹے کا بخت بلند ہے۔"

"میں فخر کرتی ہوں کہ تم میرے بیٹے ہو۔"

"میرا بیٹا دنیا کا سب سے اچھا بیٹا ہے۔"

یہ وہ جملے تھے جو اس کے دماغ میں گھوم رہے تھے جب اس کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے نظریں گھما کر ارد گرد نگاہ دوڑائی، تب اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے بیڈ روم میں ہے۔ سفید اور نیلے رنگ کے تھیم میں سجا بیڈ روم۔ ایک آرام دہ بستر، اس کی آنکھوں کے کنارے اب بھی گیلے تھے۔ وہ چند لمحوں تک چھت کو گھورتا رہا، پھر کرب سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔ جیسے وہ اپنے ہوش میں آنے پر ناخوش ہے، جیسے وہ اپنے زندہ ہونے پر افسردہ ہو۔

"تو تم جاگ گئے؟" ایک جانی پہچانی پر انجانی آواز نے اس کی سوچوں کو توڑا۔

"جانتے ہو کتنے دنوں سے میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا ہوں۔" آواز میں تلخی اور طنز تھا پر اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"آہ! بزدل انسان۔" وہ یقیناً اس کی بھیگی پلکیں دیکھ چکے تھے۔

"جب سپاہیوں نے مجھے بتایا کہ تم بیس کے سامنے اس حالت میں پڑے ہو۔" اس نے بے اختیار آنکھیں کھولیں۔ آنکھوں میں امید تھی۔ وہ ان کی بات سننا چاہتا تھا۔ شاید وہ اس کے لیے فکر مند تھے۔ شاید وہ اس کے لیے پریشان تھے۔ شاید اسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے... شاید۔ ایک امید کی کرن۔۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس امید کو تھام لینا چاہتا تھا، لیکن اس کی نظریں اب بھی چھت پر جمی رہیں۔ سیدھی۔ وہ قدم قدم اٹھاتے اس کے بستر تک آئے۔ "دل تو چاہا تھا کہ تمہیں وہی پڑا رہنے دیتا۔ وہی کتے کی

موت مرنے دیتا۔"اور کمرے کی چھت دیکھتی آنکھوں میں امید کے ٹوٹنے کی کرچیاں نظر آئیں تھیں۔اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہونے لگیں،اور ایک خاموش آنسو داہنی آنکھ کے کنارے سے بہہ کر تکیے میں جذب ہو گیا۔

"خیر، باپ ہوں۔ایسا نہیں کر سکتا تھا۔"

انہوں نے ایک جملے میں اپنی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا،لیکن ان کے لہجے میں کوئی نرمی نہیں تھی۔

"اب اٹھو۔بہت آرام کرلیا۔تمہیں تیار ہونا ہے۔میرے پاس تمہارے لیے سرپرائز ہے۔"اس کے دل میں کانٹا چبھا۔خطرے کی گھنٹیاں اس کے سر پر مسلسل اتنی زور سے منڈلا رہیں تھیں کہ اس کی کنپٹی میں ٹیسیں اٹھنے لگیں۔کچھ پل نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے کے بعد سکندر چلے گئے۔

••••••☆☆☆••••••

کچھ دیر گزرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔کمرے میں رکھے ٹو سیٹر سفید مخملی صوفے پر اس کا استری شدہ سیاہ کوٹ پڑا تھا۔عالیار کھڑکی کی جانب چہرا موڑے کھڑا تھا۔سفید ڈریس شرٹ۔سیاہ پینٹ۔سیاہ ٹائی۔بال ہمیشہ کی طرح ایک طرف سمٹے ہوئے۔کنپٹی کے کنارے پر زخم کا نشان۔رنگت قدرے زرد۔آنکھیں تھکی ہوئیں۔آہٹ پر وہ نہیں پلٹا۔دروازہ کھولنے پر بھی وہ نہیں پلٹا۔قدموں کی چاپ پر بھی وہ نہیں پلٹا۔"للی!"اس نام پر وہ کرنٹ کھا کر پلٹا تھا۔ماتھے پر ڈھیروں بل لیے وہ سنجیدہ نگاہوں

سے اب اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا جس نے ہاتھ میں ایک اضافی واکنگ اسٹک تھام رکھی تھی۔ سکندر بے اختیار ہنس پڑے، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہنسی اونچے قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔

"میں کہہ رہا تھا للی بلکل ٹھیک ہے۔ میں ابھی اسی کے کمرے سے آیا ہوں۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنے اکلوتے بھائی کو بھول چکی ہے۔" اس کے چہرے کے تاثرات بالکل جامد تھے۔ اس کے چہرے سے ہر قسم کے احساسات مٹ چکے تھے۔

"تو، کیا بنا تمہاری محبت کا؟ آہ، لیٹ می گیس..."

ان کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ ابھری، جو طنز سے بھری ہوئی تھی۔

"اس نے تمہیں ٹھکرا دیا، ہے نا؟" وہ ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنسے۔ کمرے میں ان کی ہنسی گونجتی رہی۔

اس کا دل کسی نے مٹھی میں رکھ کر مسل دیا تھا پھر بھی اس کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے۔ عالیانہ صحیح کہتی تھی وہ ہر کسی کو اپنے جذبات نہیں دکھاتا تھا۔ وہ پر سکون دکھنے کی اداکاری کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ اداکار نہیں تھا پھر بھی وہ بہت بڑا اداکار تھا۔ یہ وہ خود منتخب کرتا تھا کہ کس کے سامنے کتنی اداکاری کرنی ہے۔

"وہ میری محبت نہیں ہے۔ میں عالیانہ نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ میں اسے بھول چکا ہوں۔ اسے اپنے دل سے نکال چکا ہوں۔ میں موو آن کر چکا ہوں۔ میں آپ سے

چاہتا ہوں کہ آج کے بعد اس لڑکی کا ذکر میرے سامنے یا میرے آس پاس مت کیجئے گا۔" اسے واقعی میں خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"کیوں؟ تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔"

"نہیں! نفرت ہوتی ہے۔"

"بہر حال سیکٹر میں کیا چل رہا ہے۔" اس نے ان کی معنی خیز نگاہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"جنگ۔" ایک لفظ۔ ایک دھماکہ جو اس کے دل میں ہوا تھا۔

"کل میں یہاں کا سارا کام نپٹا کر، دارالحکومت واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"میں...."

"میں ان کی رہائش کا مقام نہیں پوچھوں گا، کیونکہ وہ میں خود جان لوں گا۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"تم وہاں سے کیسے بچ نکلے؟ میں یہ بھی نہیں پوچھوں گا۔" اس کے سانس میں سانس آئی۔ "میں نے تمہیں ہر جال سے نکلنا سکھایا ہے، مجھے اپنی تربیت پر بھروسہ ہے۔" وہ چھڑی کا سہارا لیتے قدم اٹھاتے اس کے قریب آئے، اس کے چہرے کے عین سامنے۔

"کس کی اتنی جرات ہے جو تمہیں ایسے گولیاں مار دے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ اسے پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کسی میں اتنی جرات نہیں کہ 'وہ میرے بیٹے کو، پورے سیکٹر کے کمانڈر کو جو دس بندوں سے بنا ہتھیار کے لڑ سکتا ہے' کو ایک نہیں دو نہیں تین تین گولیاں مارے، اور پھر اسے گھسیٹ کر بیس کے سامنے پھینک دے جب تک" وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔ "جب تک وہ یہ سب خود نہ چاہے۔" ایک دم سے اس کے چہرے کے سب رنگ اڑ گئے۔ اس کے جسم سے سارا خون بہہ گیا اور وہ برف کی طرح سفید پڑ گیا۔

"جب تک یہ سب پہلے پلان نہ ہو چکا ہو۔" اس سے پہلے کہ وہ نظریں چراتا، بولنے کے لیے لفظ تلاش کرتا، ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر دھرا گیا، وہ بے اختیار لڑکھڑایا۔ تھپڑ اتنا اچانک اور اتنا غیر متوقع اور زوردار تھا کہ اس کا جبڑا دکھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے دوبارہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بے خوف۔ کمزور۔ اس کے چہرے کی
داہنی جانب ہتھیلی کی چھاپ اس کی شفاف جلد پر واضح تھی۔ اس کا سر درد سے پھٹنے لگا۔ پٹھے تن گئے۔ دماغ گھومنے لگا۔ ٹن...ن...ن...ن ن ن...اس نے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھا کر کنپٹی کو سختی سے مسلا۔ ذہین جو بتا رہا تھا، وہ اس پر چاہ کر بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ملیک کی موت کی وجہ نہیں بن سکتا تھا۔ نہیں۔ کبھی نہیں۔ یہ صرف اس کے ذہنی وسوسے تھے۔ وہ مزید کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹانگیں اس کا وزن

اٹھانے سے جواب دے رہیں تھیں۔ وہ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ سکندر کھڑے تھے۔

"ملیک... کافی وفادار ہے۔" اس کے ذہین کے سب وصوصے آپس میں گڈ مڈ ہو گئے۔" اتنے ٹارچر کے بعد بھی اس نے منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا۔ میں واقعی اس سے متاثر ہوا ہوں اسی لیے میں نے اس کی جان بخش دی۔ اگلی بار نہیں بخشوں گا۔" اوہ اللہ ! شکر ہے۔ اس نے بے اختیار سکھ کا سانس لیا۔ وہ زندہ تھا لیکن اس کو ٹارچر سہنا پڑا تھا۔ وہ اپنے باپ کے ٹارچر کے طریقوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کا ذہین بے اختیار اس رات کی طرف گیا۔

(عالیار یوشیپ صوفے پر آگے کو ہو کر بیٹھا تھا۔ ملیک سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ "مجھے تم سے بات کرنی ہے۔")

"تمہیں واقعی لگا کہ میں سمجھ نہیں سکوں گا۔ رییلی؟"

("تمہارے پاس غیر منظور شدہ پستل ہے؟"

"جی سر! آپ کو چاہیے؟"

"او نہوں!" وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔ "مجھے نہیں تمہیں چاہیے۔ تمہیں میرے لیے کسی کو زخمی کرنا ہے۔ اتنا کہ یہ قتل کی ناکام کوشش لگے۔")

تمہیں تین گولیاں لگیں تھیں۔ تم خون میں لت پت تھے، تمہاری کنپٹی پر زخم تھا۔

("جی سر؟ لیکن کیسے؟" کچھ پل وہ بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے "ملیک کا چہرا ایک دم زرد پر گیا۔)

تمہیں میڈیکل روم لے جایا گیا، تو ڈاکٹرز نے بتایا کہ دو جگہ گولی صرف زخمی کرنے کے لیے ماری گئی ہیں۔

("تم مجھے دو گولیاں صرف زخمی کرنے کے لیے مارو گے۔اور ایک گولی۔" اس کی پیشانی پر بل ڈلے۔)

اور ایک جگہ کندھے پر جو گولی لگی کے وہ جان لیوا ہو سکتی تھی کیونکہ جسم کا یہ حصہ حساس ہوتا ہے۔ یہاں کا زخم زیادہ تر جان لے لیتا۔

("مجھے مارنے کے لیے۔ وہ قسمت کی گولی ہو گی۔ مر گیا، تب بھی میری قسمت۔ نہ مرا تب بھی میری قسمت۔")

لیکن مجھے کچھ کھٹک رہا تھا۔ کچھ تھا جو مسنگ تھا، جو میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اگر یہ سب تم نے خود کروایا ہوتا تو تیسری گولی بھی صرف زخمی کرنے کے لیے ماری جاتی۔ یہاں میری سوچ ڈگمگائی۔

("ملیک اگر تم نے مجھے وہ قسمت کی گولی نہ ماری تو بابا پہلی بار میں ہی جان جائیں گے کہ یہ میں نے خود کروایا۔ اسی لیے مجھے قسمت کو ہاتھ میں لینا ہو گا۔")

لیکن پھر مجھے یاد آیا تمہاری تربیت میں نے کی ہے۔اگر تم نے یہ پلان کیا تو' یہ تیسری گولی جان لینے کے لیے ماری جائے گی' یہ بھی تم نے خود پلان کیا۔ لیکن تم بھول گئے تھے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور یہ سب میں نے ہی تمہیں سکھایا ہے۔

(" جان تو وہ یہ بھی جائیں گے، لیکن انہیں تھوڑا وقت لگے گا۔تب تک شاید خالات بہتر ہو جائیں اور شاید مجھ سے وہ سوال نہ پوچھیں جن کے میں جواب نہیں دینا چاہتا ۔مجھے بس ان کی توجہ ہٹانے کے لیے تھوڑا وقت چاہیے۔اگر اس سب میں میری جان چلی جائے تو میں تمہیں اپنا خون معاف کرتا ہوں۔"اس نے دیکھا ملیک کے گود میں رکھے ہاتھ کانپ رہے ہیں، وہ جانتا تھا ملیک کے لیے یہ کرنا مشکل ہے۔اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صرف ملیک کے لیے ہی یہ کرنا مشکل ہے، کوئی اور تو یہ کام خوشی خوشی کر دے۔دماغ بے اختیار اس شخص کی جانب گیا۔دل میں ٹیس سی اٹھی۔"یہ حکم تھا ملیک!"آخر میں اس نے سختی سے کہا تھا۔)

••••••☆☆☆••••••

کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکلا۔زینے اترا۔اُس کا رخ باہری دروازے کی جانب تھا۔اسے ملیک سے ملنا تھا۔اس کا حال پوچھنا تھا،اُس سے پوچھنا تھا کہ اُس کے پیچھے،اس کے بعد کیا کچھ ہوا۔گھر سے نکلنے کے کچھ دیر چلنے کے بعد وہ ایک پارک نما جگہ پر پہنچا، جہاں ارد گرد بے جان درخت تھے۔خاموشی تھی۔ تھوڑا آگے کر کے درختوں کے نیچے ایک بینچ رکھا تھا۔سڑک کی ہلکی روشنی بینچ پر پڑ رہی تھی۔اس بینچ پر وہ بیٹھا تھا۔

عالیار کچھ دور سے اسے دیکھ چکا تھا، اُس کے تیز چلتے قدم آہستہ ہوئے۔ وہ ایک پل کے لیے رکا، ہلکا سا سر جھکایا۔ گہری سانس اندر کھینچی۔ ایک دو تین سانسیں لیں، سر اٹھایا اور بینچ کی جانب بڑھا۔ بنا آواز پیدا کیئے خاموشی سے بینچ کی دائیں طرف خالی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ملیک نے بے اختیار چہرا موڑا۔ پہلے تو وہ چونکا۔ پھر خوش ہوا۔ پھر اداس اور پھر اگلے لمحے کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر سو سے زیادہ تاثرات تھے۔

"سر آپ؟ ٹھیک ہیں؟ میں بہت خوش ہوں۔" پتہ نہیں وہ رہا تھا یا ہنس رہا تھا۔ عالیار نے آہستہ سے سر اٹھایا اور اُس آدمی کو دیکھا جو اُس کی وجہ سے تقریباً مرنے کے قریب تھا۔

اس کے چہرے پر جگہ جگہ نیل تھے، جو سڑک کی اس مدھم روشنی میں بھی واضح تھے۔ اُس کی ایک آنکھ مکمل طور پر سوجن سے بند تھی لیکن وہ خوش تھا۔ وہ بہت خوش تھا۔ وہ عالیار کو دیکھ کر بہت خوش تھا۔ عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر سر جھکا لیا اور ہاتھ سے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ جھجکتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا اسے بیٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی اور یہ بات اسے اندر سے کاٹ رہی تھی۔

"آئی ایم سوری!" یہ پہلے الفاظ تھے جو اُس کے منہ سے نکلے جب سے وہ دونوں وہاں بیٹھے تھے۔ اس دن عالیانہ نے ٹھیک کہا تھا اس کے اندر پچھتاوے کا عضواب بھی ہے۔
اس کا سر جھکا ہوا تھا، کندھے گرے ہوئے تھے، اس کے دونوں
ہاتھ گھٹنوں پر تھے۔

"میں نے اُس وقت صرف اپنے بارے میں سوچا۔ مجھے تمہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے خود غرضی دکھائی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا۔" اس نے چہرا مزید جھکا لیا۔ ملیک چندپل کالی آنکھیں لیے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے آج سے پہلے کبھی عالیار کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ للی کے معاملے میں وہ جذباتی تھا، مگر اس حد تک نہیں۔ وہ کبھی اتنا بکھرا ہوا نہیں دکھا۔ یہ پہلی بار تھا جب وہ ملیک کے اتنا قریب بیٹھا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب ملیک نے اتنے قریب سے اس سے بات کرنے کی ہمت کی۔

"سر!" ملیک نے اسے پکارا۔ اس نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے آپ کے لیے جان بھی دینی پڑی، تو میں دوں گا۔ مجھے اس ٹارچر کی تکلیف نہیں ہوئی۔ خدا کی قسم مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ زخم جلد ختم ہو جائیں گے۔ تکلیف اس بات کی تھی کہ میرے ہاتھوں آپ کو تکلیف پہنچی۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں کتنی تکلیف میں تھا۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں نے آپ کی زندگی کی کتنی دعائیں مانگی ہیں۔ مجھے یقین تھا، میرا اللہ میرے ہاتھوں سے یہ نہیں کروا سکتا۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ کوئی شکایت نہیں۔ کوئی شکوہ نہیں۔" وہ اب بھی کندھے جھکائے بیٹھا تھا۔

"آپ خود غرض نہیں ہوئے تھے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "آپ کسی کو بچا رہے تھے۔" عالیار نے جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں تب بھی جانتا تھا، میں اب بھی جانتا

۔مجھے آپ کے فیصلے کا احترام ہے۔آپ خود غرض نہیں تھے،آپ کبھی نہیں ہوئے۔"

"آپ کو لگا کہ بیس واپس جا کر سکندر سر آپ سے پوچھیں گے کہ آپ وہاں سے کیسے نکلے تھے؟وہ آپ سے ان کا ٹھکانہ پوچھیں گے۔اور نا چاہتے ہوئے بھی آپ کو بتانا پڑتا۔کیونکہ وہ للی کو بیچ لاتے۔وہ آپ کے ذریعے اُن سب کو تباہ کر دیتے۔وہ ان معصوم لوگوں قتل کر دیتے اور سب سے بڑھ کر وہ (انہیں) مار دیتے اور اس سب سے بھی اہم۔"ایک لمحے کا توقف۔"عالیانہ کو لگتا گا کہ آپ نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔"وہ کچھ نہ بول پایا۔ملیک اسے اندر تک پڑھ چکا تھا۔اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"میں اس کے لیے وہاں گیا تھا۔ملیک!"کچھ دیر بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں اسے وہاں سے نکالنے گیا تھا۔میں نے اس کے لیے خود کو ان کا یرغمال بنایا۔میں نے اسے بہت موقعے دیے،مجھے سمجھنے کے،مجھے پڑھنے کے،لیکن پھر بھی اس نے مجھے نہیں سمجھا۔اس نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔اس کی زندگی میں،میں کہیں کبھی تھا ہی نہیں۔بہر حال۔"وہ لڑکی جو اس کے ساتھ جو کر گئی تھی،اس کی حد نہیں تھی۔وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔آنکھوں میں اب سختی تھی۔"میں اپنی محبت پر مہر لگا چکا ہوں۔میں اس سے ستبر دار ہو چکا ہوں۔میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔میں آگے بڑھ چکا ہوں۔اب اگر وہ مجھے کہیں نظر آئے گی تو میں ایک اجنبی کی طرح نظریں چرا کر

گزر جاؤں گا۔ وہ جس راستے پر ہو گی، میں اپنا راستہ بدل لوں گا۔ وہ اگر مجھے بلائے گی بھی، تو میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت نفس، اپنی محبت سے زیادہ عزیز ہے۔ جو ایک بار ٹھکرا دے، ان کے پکارنے پر کوئی رد عمل دینا اپنی عزت نفس کو مجروح کرنے کے مترادف ہے اور مجھے اپنی عزت نفس بہت عزیز ہے۔"

ایک لمحے کا توقف۔

"میں اپنے تمام فیصلوں پر بہت شرمندہ ہوں۔" پھر اس نے کہنا شروع کیا، اور ملیک نے سننا۔

••••••☆☆☆••••••

ملیک سے مل کر وہ گھر آ گیا تھا۔ زینے چڑھتے ہی دوسرے کمرے میں جانے کی بجائے وہ تیسرے کمرے کے سامنے رکا۔ اس کمرے کے اس پار کا منظر دیکھنے سے وہ ہمیشہ گھبراتا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کمرے میں بتیاں معمول کے مطابق چل رہی تھیں۔ سامنے بیڈ تھا، جس کے ساتھ میڈیکیٹڈ ٹولز چسپاں تھے۔ گلابی اور سفید کراس شیپ پرنٹ کی بیڈ شیٹ بیڈ پر بچھی تھی۔ للی اپنے بستر پر لیٹی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر چند دوا کی شیشیاں رکھی تھیں۔ مطلب ملیک اسے دوا کھلا چکا تھا۔ اور دوسری طرف مورفین کی شیشیاں رکھی تھیں۔ تکلیف کی لہر اس کے پورے وجود سے گزری۔ وہ قدم اٹھاتا اندر آیا۔ کمرے کے ہیٹرز آن تھے۔

بال ایک جانب سیٹ۔ وہ سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ آستینیں پیچھے کو موڑی ہوئی۔ ماتھے پر کوئی بل نہیں البتہ آنکھیں اداس تھیں۔ وہ اس کے بیڈ کے کنارے کھڑا تھا، اس کے چہرے کے سامنے۔ کچھ پل یوں ہی اسے دیکھنے کے بعد وہ قدرے آگے کو جھکا، اس کی پیشانی پر بھوسہ دیا۔ اس کی سانسوں کی آوازیں سنیں۔ اس کا ہاتھ تھاما۔ جھک کر لب اس کے ننھے ہاتھ پر رکھے۔ ایک سرگوشی کی۔ "اگر میں تمہیں صحت یاب ہوتا دیکھ لوں تو میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہوں گا۔" اور اس کا ہاتھ واپس اس کے پہلو میں رکھ دیا۔ پھر مدھم آواز میں آیت الکرسی پڑھ کر اس پر پھونک ماری اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

موجودہ دن۔

یہ وہی گھر تھا۔ سفید بادلوں کی مانند، روشن اور پُر سکون، جو دو سو میل کے دائرے میں اپنی نوعیت کا واحد روایتی گھر تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جس کے بارے میں داس نے خبر دار کیا تھا کہ شاید یہ ایک جال ہو۔ اور یہ وہی مقام تھا جہاں اسے سکندر سے ملنا تھا۔

اس کا لباس کیچڑ سے داغدار تھا، کیچڑ سے بھرے گھنگریالے بال اس کے چہرے پر چپکے تھے۔ سکندر سپاہیوں کو واپسی کے احکامات دے رہا تھا، اس کی کڑک دار آواز ماحول کو چیر رہی تھی۔

اس کی گردن پر سرخی مائل نیلا دھبہ تھا،ایک گہرا زخم، کسی نے اسے گلا گھونٹ کر مارنے کی کوشش کی تھی۔ گول زینوں سے اوپر جائیں،دوسرا اور تیسرا کنارا چھوڑ کر پہلے کمرے میں وہ کھڑی تھی۔ کریم رنگ کے تھیم میں سجے کمرے میں فرنیچر کے نام پر چند چیزیں تھیں۔ سنہری پلنگ۔ صوفہ سیٹ۔ سنہرے ہی پردے۔ایک آئینہ اور وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔اس نے اپنے آپ کو دیکھا۔ گردن پر بنے نیل کو چھوا، پھر ہاتھ لبوں کے قریب بنے زخم پر گیا۔زخم سے بہتا خون جم چکا تھا۔ چہرے ہر جگہ کیچڑ لگا تھا۔اس کے چہرے کی ساخت جو بگڑ چکی تھا۔آنکھوں سے بہتے آنسو تھم چکے تھے۔

"مجھے یہاں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنا ہو گا۔"اس نے خود کو کہا اور دروزے کی جانب بڑھی۔ دروازہ کھولا۔دبے ڈبے قدم اٹھاتی زینوں کے دینے تک پہنچی۔ہال میں زندگی کے کسی نشان کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگی۔اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ دن کا کون سا وقت ہے یا وہ کس مصیبت میں گر چکی ہے۔نہ ہی یہ معلوم تھا کہ اس گھر میں سکندر کے علاوہ کوئی اور موجود ہے یا نہیں۔ صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے،اسے اندازہ تھا کہ اس بار وہ اسے بچانے کے لیے نہیں آئے گا۔وہ جانتی تھی کہ یہ جنگ اسے خود لڑنی ہو گی، کیونکہ عالیار کو وہ کھو چکی تھی۔ آہستہ سے زینے اترتے وہ نیچے آئی۔ہال کی ایک جانب ایل شیپ صوفہ رکھا تھا، دوسری جانب اوپن کچن کے عین سامنے منی ڈائنگ رکھا تھا ۔صوفے پر کوئی بیٹھا تھا۔ سکندر۔

"میں تمہارے آنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔" سکندر کی آواز نے سکوت کو توڑا۔ کاغذوں کی سرسراہٹ خاموشی میں گونجی۔ "کچھ کھاؤ گی؟ تمہیں بھوک لگی ہو گی۔" ان کے ہاتھ حرکت میں تھے۔ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے وہ سکندر کے قریب پہنچی۔

سکندر بالکل ویسے ہی نظر آرہے تھے جیسے وہ ہمیشہ تھے۔ سرمئی تھری پیس سوٹ۔ بال ترتیب سے سمٹے ہوئے تھے ۔وہ سفید صوفے پر بیٹھے تھے، گود میں تھرو رکھا ہوا، بازو کے قریب ایک پیچیدہ نقش و نگار والی چھڑی رکھی تھی۔ ہاتھ میں کاغذات کا ایک ڈھیر تھا۔ کمرے میں کافی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" سکندر نے نرم لیکن تحکمانہ لہجے میں کہا، جیسے اس کی بدحال حالت اسے ذرا بھی حیران نہ کر رہی ہو۔ اُنہوں نے یہ پرواہ کیے بغیر کہ سفید صوفے داغدار ہو سکتے ہیں، اسے بیٹھنے کی دعوت دی۔

وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں الجھا کر گود میں رکھ لیے۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" سکندر نے پوچھا۔

اس نے نظریں اٹھائیں لیکن جواب نہ دیا۔ سکندر نے سر ہلایا۔ اس خاموشی کی توقع انہیں پہلے سے تھی۔ "یہ گھر خوبصورت ہے، ہے نا؟" انہوں نے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔ "درستور سے پہلے یہ ہمارا گھر تھا۔ عالیار کا بچپن یہیں گزرا۔ میری بیوی کو یہ جگہ بہت پسند تھی، اور اب میرے بیٹے کو بھی۔" اس کی آواز میں ہلکی سی

اداسی در آئی۔ "یہ جگہ میری بیوی کے لیے مثالی تھی۔ وہ کمپاؤنڈز میں رہنا پسند نہیں کرتی تھی۔"

"بیوی؟" یہ سوال بے ساختہ اس کے ذہن میں آیا۔

سکندر اس کی الجھن کو بھانپ چکے تھے۔ اُن کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری۔ "کیا میرے محبت میں گرفتار بیٹے نے تمہیں اپنی ماں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ کیا اس نے اُس عورت کا ذکر بھی نہیں کیا جس نے اُسے جنم دیا؟"

"کیا؟" یہ پہلا لفظ تھا جو اُس کے لبوں سے نکلا۔

"حیرت کی بات ہے۔" سکندر نے جھوٹی حیرانی کے ساتھ کہا۔ "اس نے تمہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کی بیمار بہن اسی گھر میں رہتی ہے؟ یا یہ کہ وہ اس سیکٹر میں کیوں رہنا چاہتا تھا؟" اس نے سر کو ایک طرف جھکاتے ہوئے کہا، جیسے طنز کر رہا ہو۔ "مجھے واقعی بہت حیرت ہو رہی ہے۔"

وہ اپنے دل کی دھڑکن کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سکندر اسے یہ سب کیوں بتا رہا ہے، وہ اس کی ساری سمجھ بوجھ کو مفلوج کر رہا تھا۔

"جب میں سپریم کمانڈر کے عہدے کے لیے منتخب ہوا تھا۔" سکندر نے بات جاری رکھی۔ "میرا ارادہ تھا کہ عالیار کی بہن کو یہاں چھوڑ دوں اور اسے اپنے ساتھ دارالحکومت لے جاؤں۔ لیکن وہ لڑکا... وہ اپنی بہن کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ

اس کا خیال رکھنا چاہتا تھا، بے وقوف۔" سکندر کی آواز لمحہ بھر کے لیے بلند ہوئی، جذبات اس پر حاوی ہو گئے۔ ہی اس نے گہری سانس لے کر خود کو سنبھالا اور دوبارہ پر سکون لہجے میں بولنے لگا۔

"اسی طرح، جب اس کی ماں بیمار تھی، تب بھی اس نے ایسا ہی بزدلانہ ردعمل ظاہر کیا تھا۔ کینسر کی آخری سٹیج پر تھی، پھر بھی اس نے علاج کروایا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ چانس لے گا، اسے بچائے گا۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ وہ مر گئی۔ انسان مرنے کے لیے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن نہیں، وہ اپنی ماں کو بچانے کے لیے پاگل ہو گیا تھا۔" سکندر کی آواز میں تلخی صاف جھلک رہی تھی۔ "آہ... کتنی بے وقوفی تھی۔"

"کیا اس نے تمہیں بتایا کہ کتنے اور سپاہی سیکٹر فائیو کی ذمہ داری سنبھالنا چاہتے تھے؟" سکندر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ صرف بائیس سال کا تھا! سبھی کا خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے اہل نہیں ہے۔ لیکن میں نے اسے موقع دیا۔"

وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا، جیسے وہ کچھ یاد کر رہا ہو۔ "کیا اس نے تمہیں اپنی بہن کا نام بتایا؟"

وہ خاموشی سے سکندر کو دیکھتی رہی، لیکن کچھ نہیں کہا۔

"اوہ، تو اس نے تمہیں یہ بھی نہیں بتایا؟" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے مطمئن لہجے میں کہا۔ "مجھے لگتا ہے، وہ تمہیں یہ حصہ بتانے کی زحمت نہیں کرے گا۔ لیکن فکر مت

کرو، میں تمہارا یہ مزہ خراب نہیں کروں گا۔ بہتر ہو گا کہ وہ خود تمہیں یہ تفصیلات بتائے۔" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔

سکندر نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات کو ترتیب دیا۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز پر سکون تھی۔ "میں تھوڑی دیر میں واپس دار حکومت کے لیے نکل رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں کسی پریشانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

"میں زیادہ دیر تک اس کی بہن کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے نہیں رہ سکتا۔ بد قسمتی سے، میں بیمار لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوں۔ لیکن موجودہ حالات میں، یہ جگہ چھوٹی سی کار آمد پناہ گاہ بن گئی ہے۔ میں اسے کمپاؤنڈز میں ہونے والی تمام چیزوں کی نگرانی کے لیے استعمال کر رہا ہوں۔"

اس کے الفاظ دل چیر دینے والے تھے۔ کوئی باپ اپنی بیٹی کے بارے میں ایسا کیسے کہہ سکتا تھا؟

جنگ۔

لڑائی۔ یہ سب اس کے اندر ایک طوفان برپا کر رہا تھا۔

خونریزی، ارسل، داس، کیسر، اور وہ تمام لوگ جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

وہ انہیں کیسے بھول سکتی تھی؟ خوفناک اور لرزہ خیز امکانات اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ باہر کیا ہو رہا تھا؟ کیا سب ٹھیک تھے؟ کیا کسی کو معلوم بھی تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے؟

اس کی نظریں ہر طرف بے چینی سے دوڑ رہی تھیں۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی۔ شاید یہ سب ایک دھوکہ ہو۔ شاید کوئی پیچھے سے حملہ کرنے والا ہو۔ یا شاید باورچی خانے میں کوئی پسٹل لیے بیٹھا ہو۔ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ ہانپتے ہوئے وہ اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

"میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟ تم مجھے یہاں کیوں لائے؟ اور آ نے اب تک مجھے مارا کیوں نہیں؟"

سکندر نے پر سکون انداز میں اس کی طرف دیکھا اور سر کو ہلکا سا ٹیڑھا کیا۔

"مجھے تم سے شدید مایوسی ہوئی ہے، عالیانہ۔ بہت، بہت زیادہ۔ تم نے بہت بُری حرکت کی ہے۔"

"کیا؟ تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟" ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید سکندر کو عالیار کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کا علم ہو چکا ہے۔ اس کا چہرہ تقریباً شرمندگی سے سرخ ہونے لگا۔

لیکن سکندر نے گہری سانس لی، اپنی کرسی کے ساتھ رکھی چھڑی اٹھائی اور کھڑا ہونے کی کوشش کی۔ اس کے پورے اوپری جسم کو سہارا لینا پڑا۔ وہ واضح طور پر معذور تھا۔

"یہ سب جو تم نے میرے ساتھ کیا۔ تم نے مجھے مغلوب کیا، میری ٹانگ میں گولی ماری، اور تقریباً میرے دل میں بھی۔ اور سب سے بڑھ کر، تم نے میرے بیٹے کو اغوا کیا۔" اس نے لرزتی سانس لی۔

"اب میں اس کا معاوضہ چاہتا ہوں۔" سکندر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور اپنی بات جاری رکھی۔

"یہ بہت غیر معمولی بات تھی کہ تم نے یہ سب اکیلے کیا۔ اُس کمرے میں صرف تین لوگ تھے۔ تم، میں، اور میرا بیٹا۔ میرے سپاہی پورے علاقے کی نگرانی کر رہے تھے، اور انہوں نے کہا کہ تم بالکل اکیلی تھیں۔"

ایک لمحے کے لیے وہ رکا، جیسے اس کے الفاظ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

"در حقیقت، میں نے سوچا تھا کہ تم کسی ٹیم کے ساتھ آئی ہو۔ یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اکیلی مجھ سے ملنے کی ہمت کرو گی۔ لیکن تم نے نہ صرف مجھے غیر مسلح کیا بلکہ میرے قیدی کو بھی آزاد کروا کر لے گئیں۔ اور یہ سب کرتے ہوئے تم نے میرے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے جانا ممکن بنایا۔ تم نے یہ کیسے کیا؟ اس کا ایک ہی مطلب ہے، میں نے کہیں نہ کہیں غلطی کی ہے۔ تم اکیلی نہیں تھیں۔" اس نے گہری سانس لی اور سیدھا سکندر کی آنکھوں میں دیکھا۔ "آپ نے مجھے احمق لڑکی کہا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ میں بزدل ہوں، اپنے دفاع کے قابل نہیں ہوں۔" سکندر پہلی بار بے چین نظر آیا۔

"اب میں سمجھ گیا ہوں کہ میرا اپیٹا درست تھا۔ تم ہمارے لیے بے حد قیمتی ثابت ہو سکتی ہو، خاص طور پر اس وقت۔" تو عالیار اپنے باپ سے ملا تھا۔ اس نے ہمارے راز بتائے۔ یقیناً اُس نے بتائے ہوں گے۔

"تم، میرے ساتھ مل کر اپنے دوستوں کو تباہ کر سکتی ہو۔ تم مجھے وہ سب کچھ بتا سکتی ہو جو مجھے جاننے کی ضرورت ہے۔ تم مجھے دوسرے لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا سکتی ہو، ان کی طاقتیں اور کمزوریاں کیا ہیں، ان کا منصوبہ کیا ہے۔"

"میں زندہ جلنا پسند کروں گی۔"

"اوہ، مجھے اِس میں سخت شبہ ہے۔" وہ چھڑی کے ساتھ آگے بڑھا۔ "مجھے لگتا ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل لو گی اگر تم اپنے چہرے کی جلد کو پگھلتے ہوئے محسوس کرو گی لیکن، میں بے رحم نہیں ہوں۔ اگر تم واقعی جو میں کہہ رہا ہوں اس میں دلچسپی رکھتی ہو تو میں اسے آپشن کے طور پر مسترد نہیں کروں گا۔" وہ خوفناک آدمی تھا، اتنا خوفناک کہ اس کے اندر کا خوف اس کی خاموشی میں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے یہ خاموشی محسوس کی اور بڑی تسلی سے مسکرایا، جیسے اس نے بازی جیت لی ہو۔ "ہاں، میں نے یہی سوچا تھا۔" سکندر نے اس کے ڈرے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ پھر اس کے کندھے کے پیچھے دیکھا۔ ذرا سی آہٹ سے اس کے پیچھے کا دروازہ کھلا۔

اس نے حرکت نہیں کی۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، لیکن پھر اس نے سنا کہ سکندر کسی کا استقبال کر رہا ہے،

اُسے اندر آنے کی دعوت دے رہا ہے۔اپنے نئے مہمان کواس سے سلام کرنے کو کہہ رہا ہے۔عالیانہ کی اس کی جانب پشت تھی۔اس کی ہڈیاں کمزور محسوس ہونے لگیں۔اس کے ٹانگوں نے اس کا بھار اٹھانے سے انکاری دے دی۔یہ خوشبو۔یہ اس کی خوشبو تھی۔وہ اس خوشبو کو پہچانتی تھی۔وہ اگلی سانس تک نہ لے پائی۔عالیار وہاں تھا۔اس کے پیچھے۔اس کا اپنے پیچھے ہونے کا احساس ہمیشہ سکون دیتا تھا۔یہ تحفظ کا احساس تھا۔پھر وہ قدم اٹھاتا وہاں آیا، جہاں سکندر کچھ دیر پہلے بیٹھے تھے۔عین اس کے سامنے۔پھر اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا تو وہ ایک دم ٹھہر گیا۔جیسے وہ جم گیا ہو۔جیسے وہ گہرے شاک میں ہو۔وہ اپنے مخصوص ڈیزائن کے سرمئی سوٹ میں تھا۔بال جیل کی مدد سے ایک جانب سمٹے ہوئے، کلین شیو چہرہ۔وہ ویسا ہی تھا فرق صرف اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی حالت کا تھا۔وہ اسے ایسے صدمے میں دیکھ رہا ہے جیسے وہ ابھی گر جائے گا۔ایسا پہلے بھی ایک بار ہو چکا تھا۔پچھلی بار تو اس نے اسے بچانے لیا تھا، پر اس بار؟

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟" سکندر وہ واحد شخص تھا جو ہنس رہا تھا۔

وہ ایسے سانس لے رہا تھا جیسے اُس نے کئی پہاڑ چڑھے ہوں، جیسے وہ جو دیکھ رہا ہے، وہ محض ایلوژن ہے۔وہ اس کے چہرے پر آئے زخم کو دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں مختلف تاثرات تھے، ایسے تاثرات جو سمجھ سے باہر تھے۔اب وہ اس کی گردن کو دیکھ رہا تھا، جہاں سرخی مائل نیلا نشان چھپا تھا۔اور بس اس کا صبر جواب دے گیا۔اس

کا چہرہ غصے، وحشت، اور دل شکستگی کے تاثرات میں بگڑ گیا۔ اس کی نظریں اس کی کیچڑ زدہ کپڑوں پر، پھر اس کے کیچڑ سے بھرے بالوں پر پڑی۔ اس کے لبوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر پھر اس نے لب سختی سے بھینچ لیے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے سے ہر تاثر مٹ گیا، لیکن اس کے سینے کی تیز رفتار حرکت اس کے اندر کی کشمکش کو ظاہر کر رہی تھی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" اس نے ایک آخری نگاہ اس پر ڈال کر سکندر کو دیکھا۔ اس کی آواز اتنی مضبوط نہیں تھی جتنی ہو سکتی تھی لیکن اس کی آواز میں کچھ تھا جو عالیانہ کے دل لو کاٹ گیا تھا۔ اجنبی پن۔ سرد مہری۔ غصہ۔ شاید نفرت بھی۔

"میں نے اُسے ہمارے لیے بلوایا ہے۔"

"کس لیے؟ میں نے کہا تھا میں اس کا نام تک نہیں سننا چاہتا، اور آپ اس کو میرے سامنے لے آئے۔" اس کو لگا کسی نے اسے بیس منزلہ عمارت سے دھکا دے کر منہ کے بل گرا دیا ہے۔

"میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ پلیز! آپ اس کو یہاں سے بھیج دیں۔ جدھر بھی لے کر جائیں، بس" اس نے ایک نظر عالیانہ کو دیکھا۔ "اس گھر سے لے جائیں۔" کسی نے اس کے دل کو الٹی چھری سے کاٹ دیا۔ یہ جان کر کہ عالیار اس سے نفرت کرتا ہے، اسے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی تھی؟ کیوں وہ یہ سب دیکھ نہیں پا رہی تھی؟ اس کی آنکھیں، وہ اسے ایسے نہیں دیکھا کرتا تھا۔ وہ سب کو ایسے دیکھتا تھا، پر وہ

عالیانہ کو ایسے نہیں دیکھتا تھا۔ عالیار حیدر، عالیانہ سلیم سے بہت پہلے دستبردار ہو چکا تھا۔ شاید اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

"میں اسے یہاں تم دونوں کی محبت کی کہانی بحال کرنے کے لیے نہیں لایا۔ دراصل میں معاوضہ چاہتا ہوں۔ میں نے سوچا تم بھی چاہتے ہو گے۔"

"میں کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میں اس سے کچھ نہیں چاہتا، بجائے اس کے کہ یہ میرے سامنے سے چلی جائے۔ میں مزید اس کو یہاں، اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔" غصہ۔ نفرت۔ فرسٹریشن۔ اس کے سر میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ ہر جگہ دیکھ رہا تھا سوائے عالیانہ کے۔ "آپ اسے مارنا چاہتے ہیں؟ شوق سے ماریں۔ پر یہاں نہیں۔ میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" اتنی نفرت۔ وہ بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی گئی، مرنے سے پہلے مرنا کیا ہوتا ہے، اسے آج احساس ہوا تھا۔

"ہمم!" اس نے اپنے ٹانگوں کی طرف دیکھا، سرد آہ بھری۔ "معذور ہونا بہت ہی مایوس کن ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"انصاف، بیٹے۔" سکندر اب اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "میں انصاف کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے چیزوں کو ٹھیک کرنے کا خیال پسند ہے۔ مجھے دنیا میں ترتیب واپس لانے کا خیال پسند ہے۔ اور میں تمہارے آنے کا انتظار کر رہا تھا تا کہ تمہیں تمہارا سرپرائز دے

سکوں۔"اس نے عالیار کی طرف دیکھا۔"کیا تم دیکھ رہے ہو؟دھیان سے دیکھو۔"اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بندوق نکالی اور پلک جھپکائے بغیر عالیانہ کے سینے پر نشانہ تانا۔اور اگلے ہی سیکنڈ شعلہ دہکاتی گولی عالیانہ کے سینے کو چاک کر چکی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

محبت ابد کی گھڑی ہے، یہ فنا نہیں ہوتی۔

گولی عالیانہ کو لگی اور جان عالیار کی نکل گئی۔وہ چلا بھی نہیں سکا۔ایک چیخ تھی جو حلق میں دم توڑ گئی۔دل دھڑکنا بھول گیا۔پھیپھڑے سانس خارج کرنا بھول گئے۔گھڑی کی سوئیاں حرکت کرنا بھول گئیں۔وہ جہاں تھا وہی کھڑا رہ گیا،ہل تک نہ سکا۔

وہ فرش پر گھٹنوں کے بل گری،اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی پشت سنگ مرمر کے فرش پر جا لگی۔لال خون چمکتے سفید فرش پر اس کے ارد گرد پھیلنے لگا۔

عالیانہ! اس نے چلانا چاہا،پر نہیں چلا سکا۔پانی کے رنگ کے خون کے آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔عالیانہ کے وجود سے عالیار کی جان نکل رہی تھی۔

سکندر قریب کھڑے مسکرا رہے تھے۔"میرا معاوضہ پورا ہوا۔"سکندر نے بے پرواہی سے کہا۔ عجیب سا تحفہ اپنے بیٹے کے لیے۔محبت میں پڑو،اور تمہیں سبق سکھانے کے لیے تمہاری محبت کو تمہارے سامنے گولی مار دی جائے گی،اور اسے مرتا ہوا دکھایا جائے گا۔

وہ زمین پر سر کے بل گری تھی۔ حرکت کرنے کے لیے جو طاقت درکار تھی، وہ عالیار کے دائرہ اختیار میں نہیں تھی۔

سکندر نے ایک افسوس بھری نظر اپنے بیٹے کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے خود سے اور انہوں سے جھوٹ بول رہا تھا۔ سو انہوں نے اسے اپنے بیٹے کے لیے خون میں لت پت چھوڑ دیا تھا، اور خود دارالحکومت واپس جانے کے لیے نکل گئے۔ یہاں ان کا کام مکمل ہو گیا تھا۔

دنیا جہاں کی ہمت اکھٹی کر کے اس نے دو قدم اٹھائے اور اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتا چلا گیا۔

عالیانہ! اس نے آہستگی سے کہا۔ وہ زمین پر پڑے اس کے خون کو دیکھ رہا تھا۔

"عالیانہ!" اس نے اسے دوبارہ پکارا۔ وہ ہوش میں نہیں تھی۔

"عالیانہ! تم زندہ ہو؟" اس کے گھٹنے جواب دے گئے اور وہ زمین پر گر سا گیا، پھر نرمی سے اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا۔ اب وہ اس کا چہرا تھپتھپا رہا تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ وہ اس کے بے جان ہاتھ اپنی گرم ہتھیلیوں میں لیے ہوئے تھا۔ وہ رو رہا تھا۔ اس کے آنسو عالیانہ کے چہرے پر گر رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ گلے سے خراہٹ زدہ سانس نکلی اور بار بار بند ہوتی آنکھوں سے اسے ایک نظر دیکھا۔ بے جان جسم میں جان آ گئی تھی جیسے۔ "وہ زندہ تھی۔" اس کے حلق سے جان نیچے اتری۔ اس نے نیم بے ہوش عالیانہ کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ درد کی شدت سے خود بخود اس

کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اس کا سر عالیار کے سینے سے لگا تھا،اور وہ ایک دم پر سکون ہو گئی تھی۔وہ اب چین سے، سکون سے مر سکتی تھی۔اس نے آخری بار دھندلاتی آنکھوں سے عالیار کا چہرا دیکھا،وہ اسے دھندلا نظر نہیں آیا۔وہ جو کچھ دیر پہلے اس کی محبت سے دستبردار کا اعلان کر رہا تھا،اب اس کے مرنے پر مر رہا تھا۔اور پھر اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔عالیار نے عالیانہ کی آنکھیں بند ہوتی دیکھ لیں، اور اسی پل،اسی لمحے،اسی گھڑی،اس کا دل بند ہو گیا۔

••••••☆☆☆••••••

یہ شاید بعداز موت کیفیت تھی۔اسے آوازیں سنائی دینے لگیں۔وہ کمرے میں لیٹی تھی۔کچھ لوگ دروازے کے پاس کھڑے تھے۔

آوازیں آہستہ آہستہ واضح ہونے لگیں،وہ لوگ بحث کر رہے تھے۔

"لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ہمارے پاس اسے بچانے کا کوئی طریقہ نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ واقعی مر رہی ہے۔"

"وہ مر نہیں رہی!" عالیار غصے سے بول رہا تھا۔"وہ نہیں مرے گی!"اس کی آواز بے چینی میں ڈوبی ہوئی تھی۔"تم اس کی مدد کر سکتے ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"تم جو چاہو گے، میں تمہیں وہ دوں گا۔" ملیک خاموشی سے اسے کو دیکھ رہا تھا، وہ جو خود کو مضبوط دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہم آپ پر بھروسہ کیسے کریں؟ اگر یہ باغیوں کی شناخت کے لیے، سپریم کی چال ہوئی؟" ملیک نے عالیار کے کہنے پر طبیب بلا لیئے تھے، مگر وہ سپریم سے بغاوت کے ڈر سے عالیانہ کو دیکھ ہی نہیں رہے تھے۔

"تمہیں کیوں پروا نہیں ہے! وہ لڑکی خون میں لت پت مر رہی ہے۔ انسانیت کے ناطے ہی اسے دیکھ لو۔"

"ظاہر ہے مجھے پروا ہے! لیکن ہم کیا کریں؟ اس کا بہت سا خون بہہ چکا ہے سر۔ آپ ایک بار اسے دیکھیں۔" عالیار کا چہرا ایک دم سخت ہوا۔ اس کی آنکھیں خوف ناک حد تک سنجیدہ ہوئیں۔ اس نے ملیک کو دیکھا۔ آخری طریقہ استعمال کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔

"ملیک! ڈاکٹر طفیل کی چھوٹی بیٹی بارہ سال کی ہے یا ساڑھے بارہ سال کی؟" کچھ تھا اس کے لہجے میں جو ڈاکٹر طفیل کو اندر تک لرزا گیا تھا۔

"اس لڑکی کا علاج کرو ڈاکٹر۔ تم بھول رہے ہو، کہ تم کس کے سامنے کھڑے ہو، کس سے بات کر رہے ہو۔ ایک منٹ میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو ختم کر سکتا ہوں۔ تم تو جانتے ہو، میں اپنے فیصلوں میں کسی کو جوابدہ بھی نہیں ہوں۔ مجھے اگلے ایک گھنٹے

میں وہ صحت یاب چاہیے۔"اس نے سختی سے کہااور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اسے عالیار کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔ وہ اس کے قریب آیا تھا۔ اس نے اس کی آستینیں اوپر کر کے اس کے ٹھنڈے بازوؤں کو چھوا۔ اس کے ہاتھ گرم تھے۔ اس کا لمس اسے سکون دے رہا تھا۔ کاش وہ کچھ دیر اس کے پاس رہے۔ مگر اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ہل نہیں پا رہی تھی۔ بول نہیں پا رہی تھی۔ "تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ ہم تمہیں ٹھیک کر لیں گے۔ وہ میری مدد کریں گے اور تم ... تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" وہ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں اس کی بند آنکھوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تم سن رہی ہو؟ عالیانہ! میں تمہیں بچا لوں گا۔"

تب ڈاکٹر ملیک کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس مبہم زاویے سے بھی وہ عالیار کے چہرے پر بے چینی، اس کی آنکھوں میں درد محسوس کر چکی تھی۔ جیسے اگر عالیانہ مر جاتی، تو عالیار بھی مر جاتا۔ لیکن وہ اندھی ہو چکی تھی۔ اس کی بینائی چھن چکی تھی۔

گرمی نے شدت سے اس کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ کچھ بھی محسوس کرنے سے قاصر تھی، سوائے اس دہکتی ہوئی حدت کے جو اس کی ہڈیوں، اعصاب، جلد اور خلیات تک سرایت کر چکی تھی۔ ہر شے جیسے آگ میں لپٹی ہوئی تھی۔ شروع میں، وہ یہی سمجھتی رہی کہ یہ وہی گرمی ہے جو اس کے سینے میں سلگ رہی ہے، یہ وہی درد ہے جو

دل کے خلا سے اٹھ رہا ہے۔ لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ یہ گرمی اسے اذیت نہیں دے رہی تھی۔ یہ عجیب سا سکون بخش رہی تھی۔ اس کا جسم نہ اسے رد کر رہا تھا، نہ دور دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا، اور نہ اس سے بچنے کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ شاید دوائیوں کے زیر اثر تھی۔

جب گرمی اس کے پھیپھڑوں تک پہنچی، تو اس نے اپنے جسم کو بستر سے اوپر اٹھتا محسوس کیا۔ وہ بڑی بڑی بے ترتیب سانسیں لینے لگی۔ وہ ناک پر لگے ماسک سے آکسیجن کو پانی کی طرح نگل رہی تھی۔ اس کا جسم نارمل ہونے کی تگ ودو کر رہا تھا، اور اس کی سانسیں بحال ہونے لگی تھیں۔

اس کے سینے میں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ نیا تعمیر ہو رہا ہو، جیسے ٹوٹا ہوا جسم دوبارہ جڑ رہا ہو، اور جلد نئی زندگی پا رہی ہو۔ وہ پلکیں جھپکا رہی تھی، گہری سانسیں لے رہی تھی، اور اپنا سر حرکت دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن ابھی سب کچھ دھندلا تھا، غیر واضح، گویا دھند کے پردے کے پیچھے چھپا ہوا ہو۔ آہستہ آہستہ، سب کچھ واضح ہونے لگا۔ وہ اپنی انگلیوں اور پیروں میں زندگی کی رمق محسوس کرنے لگی تھی۔

اس کے اعضا میں زندگی کی لہر دوڑ رہی تھی، دل کی دھڑکن اب صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر، وہ اوپر جھکے ہوئے چہرے دیکھنے کے قابل ہوئی اور یکدم وہ حدت ختم ہو گئی۔ ہاتھ پیچھے ہٹ گئے۔ اور دوبارہ سب کچھ تاریکی میں ڈوب گیا۔

••••••☆☆☆••••••

گھڑی کا چھوٹا کانٹا پانچ، چھ، سات اور آٹھ بجا کر سرگوشی کرتا جا رہا تھا۔ کوئی اسے اٹھنے کو کہہ رہا تھا۔ اس کی بند آنکھیں آہستہ سے کھلیں۔ اس نے خود کو ایک جانی پہچانی جگہ لیٹا پایا۔ سفید تھیم میں سجا بڑا سا کلاسک کمرا، سنہری بستر۔ وہی کمرا۔ وہی بیڈ۔ وہی دیواریں، وہی چھت۔ ہر چیز مانوس تھی۔ وہ عالیار کے کمرے میں تھی۔ پھر اس نے سر اٹھائے بغیر دیکھا، عالیار کمرے کی وسعت میں کھڑا کسی سے بات کر رہا ہے۔ وہ آدمی کی شکل نہیں دیکھ پائی، اس کی عالیانہ کی جانب پشت تھی۔ کسی احساس کے تحت عالیار نے آدمی کے کندھے کے پیچھے سے عالیانہ کو دیکھا، ہلکا سا مسکرایا، اور دوبارہ ملیک کی طرف دیکھنے لگا۔ ملیک نے اسے ایک فائل تھمائی۔ عالیار نے اس کے داہنے کندھے کو تھپتھپا کر کچھ کہا اور وہ چلا گیا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی فائل کو کھول کر دیکھتے ہوئے بستر تک آیا۔ فائل سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور فرصت سے اسے دیکھنے لگا۔

"گڈ مارننگ۔ ایک بار پھر سے میرے کمرے میں خوش آمدید۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

وہ سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس تھا۔ شرٹ کے پہلے دو بٹن کھلے تھے جس سے جھلکتی اس کی کارلر بون واضح تھی۔ آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ عالیانہ نے خود کو کھینچ کر بیٹھنے کی حالت میں لانے کی کوشش کی۔ ایک لمحے کے لیے سر چکرایا، مگر وہ خود پر قابو پانے میں کامیاب رہی۔ جسم میں ہلکا درد تھا، لیکن وہ ٹھیک محسوس کر

رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ وہ سانس لے رہی تھی، پلکیں جھپکا رہی تھی، اور خود کو ایک انسان کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ اور وہ جانتی تھی کیوں۔

اُس نے عالیار کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تم نے میری جان بچائی ہے۔" اُسے یاد آیا کہ اُسے سینے میں گولی لگی تھی۔ وہ خوبصورت بھوری آنکھوں کو دیکھ رہی تھی جو یوں لگتا تھا جیسے سب کچھ جانتی ہوں، جیسے وہ آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی ہوں۔

اس کے دماغ میں وہ لمحہ تازہ ہو گیا جب اس نے سنا تھا کہ عالیار اپنے والد سے کہہ رہا تھا کہ وہ عالیانہ کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا، اُسے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ وہ جھوٹ بولنے میں اچھا نہیں۔ پھر اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ ایک دم اس کی آنکھوں میں خوف آیا۔

"سب ٹھیک ہے۔ فکر مت کرو۔"

"میں یہاں کیا کر رہی ہوں؟" اس کا خوف بڑھتا جا رہا تھا، ذہن دھندلا ہوتا جا رہا تھا۔ "تم مجھے دوبارہ یہاں کیوں لائے ہو؟

اُس نے کمرے میں نظر دوڑائی۔ ایک لمحے میں اُس کی آنکھوں میں خوف کا سایہ لہرانے لگا۔

"عالیانہ، ریلیکس۔"

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"اُس کی آواز ٹوٹنے لگی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ "مجھے اس جہنم میں واپس کیوں لائے ہو؟"

عالیار نے گہری سانس لی اور اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کو دیکھا۔ "مجھے تمہیں چھپانا پڑا۔"

"کیا؟ کیوں؟"عالیانہ نے الجھن سے پوچھا۔

"کیونکہ کسی کو نہیں پتہ کہ تم زندہ ہو۔"اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے واپس بیس پر پہنچنا تھا اور ظاہر کرنا تھا کہ سب کچھ معمول پر ہے۔ میرے پاس وقت کم تھا۔"وہ بستر کے کنارے پر اس کے عین سامنے بیٹھ گیا۔

وہ خوف کے سائے میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس نے عالیار کے چہرے کا باریک بینی سے جائزہ لیا،اور اس کی صبر آزما، مخلصانہ آواز کو جانچنے لگی۔

"سکندر کہاں ہے اور جنگ؟ یااللہ، داس، ارسل، اور کیسر کے ساتھ کیا ہوا؟"اس کے ذہن میں ہزاروں سوالات گونجنے لگے۔اس نے بستر سے اُٹھنا چاہا، کچھ کرنا چاہا، لیکن...

جیسے ہی اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی۔عالیار نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ وہ بے توازن ہو چکی تھی،اس کے پیر ابھی تک بستر سے جڑے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، اس کی سانس رکنے لگی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، سر چکرانے لگا۔ اُٹھنا ضروری تھا، باہر نکلنا ضروری تھا۔ لیکن وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی۔

"عالیار!" وہ آنکھوں میں اضطراب لیئے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ "کیا ہوا؟ جنگ کا کیا ہوا؟"

"پلیز" عالیار نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے پکڑا۔ "تمہیں آہستہ سے شروع کرنا چاہیے، پہلے کچھ کھالو۔" وہ کچھ چھپا رہا تھا۔ کچھ غلط تھا۔ بہت غلط۔

"مجھے بتاؤ۔" اس نے اصرار کیا۔

"تم پہلے کچھ کھانا چاہو گی؟ یا نہانا؟"

"پہلے مجھے جاننا ہے۔"

عالیار نے گہری سانس لی۔ پھر اس کے دائیں ہاتھ نے بائیں ہاتھ پر پہنی چھوٹی انگوٹھی کو گھمانا شروع کیا۔

"جنگ ختم ہو چکی ہے۔"

"کیا؟" اس کے لبوں سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ سُن ہو چکی ہو۔ اس نے پلکیں جھپکائیں، مگر کچھ دکھائی نہیں دیا۔

"جنگ ختم ہو چکی ہے۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔" اس نے دہرایا۔

"نہیں۔" عالیانہ نے سر ہلایا، جیسے اختلاف کر رہا ہو۔

"نہیں۔" عالیار نے ایک بار پھر کہا۔

"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ مذاق مت کرو۔ مجھ سے جھوٹ مت بولو۔" اس کی آواز اونچی، ٹوٹی ہوئی اور لرزتی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"نہیں! نہیں! نہیں! نہیں!" وہ کانپنے لگی۔

وہ بیڈ سے اتری اور اپنے قدموں پر لڑکھڑا گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ دنیا دھندلا رہی تھی۔ جب ہم حقیقت کا سامنا نہیں کر سکتے تو ہماری آنکھیں اسے دھندلا کر دیتی ہیں۔ اگلے ہی لمحے وہ فرش پر گر گئی۔ عالیار بے اختیار اُس کی جانب بڑھا اور جھک کر اُسے سہارا دینے کی کوشش کی، مگر وہ مزاحمت کر رہی تھی۔ اُس کے ہاتھ جھٹک رہی تھی، اس کا وجود بے قابو اور شکستہ تھا۔ وہ حقیقت جانتی تھی، پھر بھی اُسے قبول کرنے سے انکار کر رہی تھی۔ ایک سوال اُس کے وجود میں گونج رہا تھا۔

"کیوں؟" اُس کے لبوں سے بس یہی ایک لفظ نکلا۔

"جنگ کیوں ختم ہو گئی؟" اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے، لیکن آواز کہیں گم ہو گئی تھی۔ اُس کی سانسیں رکتی جا رہی تھیں، جیسے پوری دنیا اُس کے گرد سمٹ آئی ہو۔ عالیار اس کے سامنے ایک پنجے پر بیٹھا تھا۔ اُس کی نظریں عالیانہ سے ہٹ گئیں۔ وہ دیوار، فرش، اور بیڈ کو گھورنے لگا۔ اُس کی مٹھی بند تھی، اعصاب کھنچے ہوئے تھے، مگر اُس نے عالیانہ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کی۔

"کیونکہ وہ سب مر چکے ہیں۔" اس کی آواز اتنی مدھم تھی جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی ہو۔ "وہ سب مر چکے ہیں۔"

اس کے گالوں پر آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔ وہ بے آواز ہانپ رہی تھی، سانس لینا بھی ایک بوجھ بن گیا تھا۔ اُس کے کندھے لرز رہے تھے، ہاتھ بار بار مٹھیوں میں بند ہو رہے تھے، اور اُس کا پورا وجود دکھ سے کانپ رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے ایک گہرا، تکلیف دہ سانس لیا۔ اندر۔ باہر۔

وہ پہلے اس سے بھی زیادہ تنہا رہ چکی تھی، اس سے زیادہ بے بس رہ چکی تھی۔ وہ بچ گئی تھی۔ اس نے سب سہہ لیا تھا۔ اسے اس کے صبر کا انعام ملا تھا اور ایک بار پھر... سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

اُس کے خیالات منتشر ہونے لگے۔ جسم کسی زنجیر میں جکڑا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ گہرے، بے ترتیب سانس لے رہی تھی، بے اختیار اپنے گلے کو چھو رہی تھی جب عالیار نے آگے بڑھ کر اُس کے گرد بازو حمائل کر لیے۔ ایک ہاتھ اس کے بالوں میں، دوسرا اس کی کمر پر۔ اس کا سر عالیار کے سینے پر دل والے مقام پر تھا اور اس نے اس کے دل کی دھڑکنوں کی آوازیں سنیں۔ "چھوڑ دو مجھے!" وہ چیخنا چاہتی تھی، مگر اُس کی آواز کہیں اندر ہی دب کر رہ گئی تھی۔ اُس کے ہونٹ بے حس تھے، دل جیسے رک گیا تھا، اور دماغ تھکن کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

عالیار اُسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اُس کے الفاظ عالیانہ کے کانوں تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ وہ اُس کی بانہوں میں بے جان سی پڑی تھی، اُس کا سر اس کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ اُس کی چیخیں ضبط سے باہر ہو رہی تھیں۔

عالیار اُسے پر سکون کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، لیکن اُس کی گرفت آہستہ آہستہ کمزور پڑ رہی تھی۔ وہ خود کو آزاد کروانے کی جدوجہد کر رہی تھی، مگر عالیار کے مضبوط ہاتھوں نے اُسے تھام رکھا تھا۔ اُس کی اذیت اُس کے وجود سے باہر نکل رہی تھی۔ اور تب عالیانہ کو احساس ہوا کہ اُس کے حلق سے نکلنے والی چیخیں اتنی تکلیف دہ تھیں کہ شاید عالیار کے دل کو چھلنی کر رہی تھیں۔ اُس کا پورا وجود دکھ سے لرز رہا تھا، اور آنکھوں کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ اُس کی اذیت اُس کے وجود سے باہر نکل رہی تھی۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، سوال کرنا چاہتی تھی، عالیار پر الزام لگانا چاہتی تھی، لیکن اُس کی زبان نے جیسے حرکت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ الفاظ اُس کے لبوں تک پہنچنے سے پہلے ہی کہیں کھو چکے تھے۔

"ارسل۔" اُس نے گھٹتے ہوئے دم اُس کا نام لیا۔ اور عالیار کا سانس بند ہو گیا۔ اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں رکھ کر مسل دیا۔

"عالیانہ! سنبھالو خود کو۔"

"داس۔" وہ اس کے بازوؤں میں ہانپ رہی تھی۔

"پلیز! مجھے تمہاری مدد کرنے دو۔" وہ اس کے بازوؤں میں بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔

"پوائنٹ پر بچے تھے عالیار۔ معاذ تھا۔ وہ لوگ....."

"سب کچھ تباہ ہو چکا ہے۔" اس آہستہ سے کہا۔

"انہوں نے تمہارے کچھ لوگوں کو اذیت دے کر ایلفا پوائنٹ کا ٹھیک مقام معلوم کر لیا۔ پھر انہوں نے پورے مقام پر بمباری کر دی۔"

"نہیں۔" یہ الفاظ اس کے لیے موت کے برابر تھے۔ سانس بوجھل، ہر لمحہ مزید تکلیف ده۔

"تمہیں بھی تو ایلفا پوائنٹ کا مقام پتہ تھا؟ کہیں تم نے..." وہ صدمے میں تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔

"مجھے اس مقام کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ "اور جو کچھ بھی ہوا س کے لیے مجھے بہت افسوس ہے۔۔" اس کا جسم نارمل ہو رہا تھا۔ اس نے اسے چھوڑ دیا اور تھوڑا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔

"جھوٹ۔ تمہیں بالکل بھی افسوس نہیں ہے۔" اس کی آواز میں زہر تھا۔۔ وہ غصے میں تھی۔ اُسے اس کی پروا نہیں تھی۔

اس نے عالیار کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چوٹ کی ایک جھلک آئی اور چلی گئی۔ عالیار نے گہری سانس کی۔ کچھ پل ماتھے پر بل ڈالے بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا سا سر جھکایا۔ "مجھے افسوس ہے۔" اس نے دوبارہ کہا۔ آہستہ مگر مضبوطی سے۔ پھر وہ اٹھا، دروازے کے قریب اسٹینڈ پر سے اپنا سیاہ کوٹ اتارا۔ اس کی جانب دیکھے بغیر کوٹ پہنا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس کو احساس ہوا کہ اُس کے الفاظ نے عالیار کو زخمی کر دیا ہے۔ اُس کے دل میں پچھتاوے کی لہر اُٹھنے لگی۔ اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھا۔ گھڑی پہنی۔ ایک آخری نگاہ آئینے میں اپنے عکس اپر ڈال کر دروازے کی جانب بڑھا۔ "تمہیں وقت چاہیے، عالیانہ۔ اس سب کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے۔ اور شاید تمہیں میری موجودگی کی ضرورت نہیں۔ جب تک تم بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں، میں کچھ ضروری کام نمٹا لیتا ہوں۔" اسے دیکھے بغیر اس نے کہا اور وہ دروازے کی جانب بڑھا۔

"پلیز! مجھے بتاؤ کہ تم غلط ہو۔" اس کی آواز دوبارہ ٹوٹنے لگی۔

"مجھے بتاؤ کہ جو کچھ تم نے کہا، وہ جھوٹ ہے۔" عالیار کے چلتے قدم دروازے کے قریب رُکے۔ وہ پلٹا، اور اُسے اتنی دیر تک دیکھتا رہا کہ وقت ٹھہر گیا۔

"اگر ذرا سا بھی امکان ہوتا کہ میں تمہیں اس دکھ سے بچا سکتا، تو میں ضرور بچاتا۔ تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہ بات میں نے تب تک نہیں کہی ہوتی جب تک میرے دل نے اس کی سچائی پر مہر نہیں لگا دی۔" اُس نے آہستگی سے کہا، اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اور یہی تھی.... اُس کی سچائی.... جس نے بالآخر اُسے دو حصوں میں توڑ دیا۔

اُسے یاد نہیں کہ عالیار کب گیا، یا کیسے گیا۔ اُسے بس یہ یاد تھا کہ وہ کتنی ہی دیر تک فرش پر بے جان سی پڑی رہی۔ اُس کے آنسو خشک ہو چکے تھے، گلا سوکھ گیا تھا، ہونٹ پپڑی زدہ ہو گئے تھے، اور سر میں دھڑکن کی شدت بڑھ چکی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اُٹھی۔ اُس کا دماغ الجھا ہوا تھا، سوچیں منتشر تھیں۔ دماغ میں ٹیسیں اٹھ رہیں تھیں۔ کسی طرح وہ بستر تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی اور وہیں بیٹھ کر اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگا لیا۔ وہ اب بھی سُن تھی لیکن پہلے سے کم۔

اُس کے سامنے زندگی کا ایک ایسا منظر تھا جس میں ارسل، داس، معاذ، کیسر، میلیسا، دھان، اشعل، اور پورے ایلفا پوائنٹ کے بغیر ایک خالی دنیا تھی۔ وہ سب، اُس کے سب دوست، ایک لمحے میں ختم ہو گئے تھے۔

ارسل چلا گیا تھا۔ داس کے بغیر زندگی، معاذ، کیسر، میلیسا، دھان، اشعل، اور پورے ایلفا پوائنٹ کے بغیر زندگی۔ اُس کے سب دوست، ایک سوئچ کے ساتھ تباہ کر دیے گئے۔

ارسل چلا گیا تھا۔ اُس کا پہلا دوست۔ وہ شخص جو اُس کے پاس اُس وقت تھا جب کوئی نہیں تھا۔ اور اب وہ دوبارہ چلا گیا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

کچھ ہی دیر میں وہ واپس کمرے میں آیا۔ دروازہ پیچھے سے بند ہوا۔ وہ ایک دم ٹھٹھک کر رکا۔ وہ کمرے کے دروزے کے پاس کھڑی تھی، شاید باہر جانے کے لیے۔ اس نے سر

اٹھایااور اپنے ہاتھوں میں موجود نوٹ بک بند کر دی۔ "میں یہ واپس لے رہی ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اب بہتر محسوس کر رہی ہو؟" اس نے اس کی ڈائری والی بات مکمل طور پر نظر انداز کر دی۔

"میری نوٹ بک یہاں ٹیبل پر رکھی تھی۔" وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ محفوظ ہو رہا تھا۔

"ہاں!" عالیار نے آہستگی اور احتیاط سے جواب دیا۔

"میں اسے واپس لے رہی ہوں۔" وہ ابھی تک دروازے کے قریب کھڑا تھا، ابھی تک اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "کیا تم..." اس نے سر جھکا لیا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔ "کہیں جا رہی ہو؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ اسی لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔" عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آہستہ آہستہ کمرے کے اندر آیا۔ کوٹ اتار، اور اسے ایک کرسی پر رکھ دیا۔ پھر اپنی کمر کے ہولسٹر سے تین گنز نکال کر میز پر ترتیب سے رکھ دیں، وہی میز جہاں چند لمحے پہلے عالیانہ کی نوٹ بک رکھی ہوئی تھی۔

پسٹل رکھنے کے بعد جب اس نے سر اٹھایا تو اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"کہاں جا رہی تھی؟" اس نے نرمہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔" عالیانہ نے مختصر جواب دیا۔

"واقعی؟" وہ داہنا کندھا دیوار کے ساتھ ٹکا کر کھڑا ہو گیا، بازو سینے پر باندھ لیے۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں۔" اس کے لہجے میں ہلکی بے چینی تھی۔

عالیار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، جیسے کسی وضاحت کا انتظار کر رہا ہو۔ پھر سر ہلایا، گویا کہہ رہا ہو۔ "کہو۔"

"تمہارا باپ..."

"یہاں نہیں ہیں۔" اس نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ،" وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی۔

"تمہیں لگا کہ تم اس کمرے سے نکلو گی، میرے بابا کے دروازے پر دستک دو گی اور انہیں مار دو گی؟" اس کی مسکراہٹ لبوں سے جدا نہیں ہوئی۔

ہاں۔ اس نے دل میں کہا، لیکن لبوں سے نکلا۔ "نہیں۔"

وہ بے اختیار ہنسا۔ عالیانہ نے غصے سے اسے گھورا۔

"بابا واپس دارالحکومت جا چکے ہیں۔" عالیار کی مسکراہٹ کی جگہ اب سنجیدگی نے لے لی۔

"مجھے انہیں ڈھونڈنا ہے۔ میں انہیں مار دوں گی۔ وہ اس طرح نہیں جا سکتے۔" عالیانہ نے غصے میں کہا۔

"کیسے؟" اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم میرے والد تک کیسے پہنچو گی؟ ان سے کیسے لڑو گی؟"

"مجھے نہیں پتہ!" وہ اضطراب میں کمرے کے اندر چکر کاٹنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ یکدم رکی، پلٹی، اور اس کا دل حلق میں اٹک گیا۔

"کیا پتہ میرے دوست زندہ ہوں؟" اس نے لرزتی آواز میں کہا، امید اور خوف کی کیفیت اس کے چہرے پر عیاں تھی۔

پھر کوئی جواب ڈھونڈنے کے لیے، اُس نے عالیار کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا پتہ وہ کہیں چھپے ہوئے ہوں؟"

اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں لگتا۔"

"لیکن اگر ذرا سی بھی امید ہو؟ اگر تھوڑی سی بھی گنجائش ہو؟" اس کے لہجے میں بے بسی اور شدت گھل چکی تھی۔

عالیار نے گہری سانس لی، پیشانی کو چھوا۔ "اگر تم نے وہ تباہی دیکھی ہوتی جو میں نے دیکھی ہے، تو تم ایسی بات نہ کرتیں۔ امید ایک بار پھر تمہارا دل توڑ دے گی۔"

اس کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس نے بے اختیار پلنگ کے کنارے کو تھاما۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں، ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سب کچھ دھندلا محسوس ہو رہا تھا۔ نہ اسے یہ سمجھ آ رہا تھا کہ ایلفا پوائنٹ کے ساتھ کیا ہوا، نہ یہ کہ دارالحکومت کہاں ہے، اور نہ یہ کہ وہ وہاں کیسے پہنچے گی۔ لیکن ایک امید اس کے دل میں روشن تھی کہ شاید اس کے دوست اب بھی کہیں زندہ ہوں، کیونکہ وہ بہت مضبوط اور ذہین تھے۔

"وہ لمبے عرصے سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ یقیناً انہوں نے کوئی بیک اپ پلان بنایا ہوگا، کوئی محفوظ ٹھکانہ..."

"عالیانہ!" عالیار نے نرمی سے اسے پکارا۔

"پلیز، عالیار!" وہ ملتجی ہوئی۔ "مجھے کوشش کرنے دو۔ تمہیں مجھے انہیں ڈھونڈنے دینا ہوگا۔"

عالیار نے نظریں چرا لیں۔ "یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے۔ یہ تمہیں مزید تکلیف دے گا۔ امید رکھنا خطرناک ہے۔"

اب اس کی نظریں عالیار کے پُرسکون چہرے پر جم گئیں۔ عالیار اب اپنے ہاتھوں کو گھور رہا تھا، جیسے کوئی اندرونی کشمکش جھیل رہا ہو۔

"پلیز!" وہ ایک بار پھر دھیمی آواز میں بولی۔ اس کی التجا میں ایسی بے بسی تھی کہ عالیار انکار نہ کر سکا۔ وہ اسے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔

اس نے گہری آہ بھری۔ "مجھے اگلے چند دنوں میں کمپاؤنڈز کی بحالی کے عمل کی نگرانی کے لیے کمپاؤڈز کا دورہ کرنا ہے۔" اس کی آواز میں تھکن اور تناؤ واضح تھا۔ "ہم نے بہت سے شہری کھو دیے ہیں۔ بہت زیادہ۔ جو باقی بچ گئے ہیں، جیسے کہ میرے والد چاہتے تھے، وہ خوف اور مایوسی میں مبتلا ہیں۔ ان سے بغاوت کی آخری امید بھی چھین لی گئی ہے۔"

اس نے رک کر گہری سانس لی اور بات جاری رکھی۔ "سب کچھ معمول پر لانا ضروری ہے۔ لاشیں ہٹائی اور دفنائی جا رہی ہیں۔ تباہ شدہ گھروں کی جگہ نئے مکانات تعمیر ہو رہے ہیں۔ شہریوں کو دوبارہ کام پر لگایا جا رہا ہے، یتیم بچوں کو محفوظ پناہ گاہوں میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ از سرِ تعمیر نو، لوگوں کو غم منانے کی مہلت نہیں دیتا۔" پھر دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی۔

"جب میں کمپاؤنڈز کی نگرانی پر جاؤں گا، تب میں تمہیں پوائنٹ لے جانے کا راستہ ڈھونڈ سکتا ہوں۔ میں تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ کیا ہوا ہے اور تمہیں ثبوت مل جائے گا۔ لیکن۔"

ایک لمحے کا توقف۔ وہ اس کے قریب آیا اور اس کے پیچھے سائیڈ ٹیبل سے ایک فائل اٹھائی اور اس کے عین سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

"اس سے پہلے تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔" اس کی آواز بوجھل ہو چکی تھی۔

"کون سا فیصلہ ؟"اس نے ایک نظر فائل کو دیکھا اور فائل عالیانہ کی جانب بڑھائی، اس نے فائل تھامی، لیکن کھولی نہیں۔

"میرے سپاہی مجھ سے زیادہ میرے بابا کے وفادار ہیں۔ وہ نہیں جانتے تم یہاں ہو۔ وہ نہیں جانتے تم زندہ ہو۔ بابا بھی نہیں جانتے، لیکن کچھ ہی دنوں میں وہ جان بھی سکتے ہیں۔ اور اگر وہ جان گئے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے پاس سپریم کے فیصلے پر آواز اٹھانے کا اختیار نہیں ہے، کسی کے پاس نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں ہر بار تمہیں نہیں بچا سکتا۔ ایک صورت میں تمہیں بچانے کا اختیار آفیشلی مجھے حاصل آئے گا۔"اس نے سر جھکایا۔ وہ دیکھ سکتی تھی جو الفاظ وہ کہنا چاہتا ہے وہ آسان نہیں تھے۔ پھر اس نے پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔

"میری منکوحہ بن کے۔ مجھ سے شادی کے۔"اسے لگا اس نے کچھ غلط سن لیا۔

"کیا؟"

"جب تم ایک سیکٹر کمانڈر کی یعنی کہ میری منکوحہ بن جاؤ گی، تو کوئی بھی، حتی کہ سپریم کمانڈر بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ان کے پاس یہ اختیار نہیں ہو گا۔ کیونکہ ایک کمانڈر کی بیوی کو قتل کرنا پورے سیکٹر کو بغاوت پر اکسانا ہے۔ اور بابا یہ خطرہ کبھی مول نہیں لیں گے۔"اس کی شکل نظروں کو خود پر اٹکا محسوس کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"تمہیں اپنے اگلے قدم کا فیصلہ کرنے کا ہر اختیار حاصل ہو گا۔ تم شادی کے بعد میرے ساتھ رہو گی۔ یا اگر تم چاہو، تو میں تمہارے لیے بغیر کسی شناخت کے، غیر منظم علاقوں میں رہنے کا انتظام کر سکتا ہوں۔ لیکن وہ زندگی تنہائی کی ہو گی۔" وہ ہر جگہ دیکھ رہا تھا سوائے اس کی آنکھوں کے۔

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ یہ میرے لیے بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میری نظروں کے سامنے رہو۔ تم محفوظ رہو۔ میرے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ میں تمہارے سر پر زبردستی کے شوہر کے طور پر مسلط ہو جاؤں گا۔ میں کبھی تم پر کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔ تم اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو گی۔ تم صرف کاغذات پر میری بیوی ہو گی۔" اس نے تکان شدہ سانس لیا۔ "میں چاہتا ہوں، تم یہ جان لو کہ میں یہ سب صرف تمہارے تحفظ کے لیے کہہ رہا ہوں، اس میں میرے ذاتی احساسات شامل نہیں ہیں۔ معاملات جب سنبھل جائیں گے، میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔" وہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ عالیانہ نے کچھ پل اسے دیکھنے کے بعد ہاتھ میں پکڑی فائل کھولی۔ نکاح کے پیپرز۔ وہ سب کچھ پہلے سے تیار کر چکا تھا۔ پلان کر چکا تھا۔ اگر یہ اس کی چال ہوئی تو۔ اس نے اپنے دل و دماغ میں آئے خیالات جھٹلائے۔ چند لمحے خاموشی میں بیت گئے۔

"تم اپنا وقت لو۔ مجھے تمہارے ہر فیصلے کا احترام ہو گا۔ اگر تم نے انکار بھی کر دیا، تب بھی میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ زندگی کے ہر موڑ پر تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا

پاؤ گی۔"اس نے آہستگی سے کہا۔ عالیار حیدر، عالیانہ سلیم کے لیے ہمیشہ موجود رہے گا۔ وہ چاہے تب بھی۔ نہ چاہے تب بھی۔

ایک اور خاموش لمحہ۔

"ایک اور بھی طریقہ ہے۔"

"کیا؟" وہ جو تناؤ میں کھڑا تھا ایک دم چونکا۔

"میں تمہارے والد کو ڈھونڈ کر مار ڈالوں اور اپنے انجام کا سامنا کروں۔" وہ ایک دم سے ہنس پڑا۔ سر دائیں بائیں ہلایا پھر وہ نیچے دیکھنے لگا۔ وہ بھی مسکراہٹ دبائے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے سر اٹھایا، اور مسکراتے ہوئے دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا تمہیں یہ مذاق لگتا ہے؟ اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"عالیانہ!" اس نے نرمی سے اسے پکارا۔

"کیا؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"میں کافی عرصے سے اس لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"آخر کار، تم لڑنے کے لیے تیار ہو گئی ہو۔" اس کے لہجے میں ایک غیر مرئی خوشی جھلک رہی تھی۔

"ظاہر ہے میں تیار ہوں۔" اُس نے پختہ لہجے میں کہا۔ میدانِ جنگ کی یادیں ایک لمحے کے لیے پھر اس کے دل و دماغ پر چھا گئیں۔ گولیوں کی آواز، موت کا خوف، دوستوں کی یاد اور اپنے عزم کی تجدید۔ اس بار وہ واقعی لڑنے کے لیے تیار تھی۔ اب پیچھے ہٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کوئی دوسرا انتخاب نہیں تھا۔

"یا تو میں آگے بڑھوں گی یا مر جاؤں گی۔" وہ بے ساختہ ہنس دیا، اس کی ہنسی میں دکھ کا پہلو تھا۔

"میں تمہارے والد کو قتل کروں گی اور میں درستور کو تباہ کر دوں گی۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"میں یہ کروں گی۔" اسے لگا وہ اسکا، مذاق اڑا رہا ہے۔

"جانتا ہوں۔" وہ اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا۔

"پھر تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"میں ہنس نہیں رہا۔ صرف سوچ رہا ہوں کہ کیا تمہیں میری مدد چاہیے؟" اور وہ بے یقینی کے عالم میں تیز تیز پلکیں جھپکنے لگی۔ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ ایک دو تین پل گزرے۔

"میں نے ہمیشہ تم سے کہا ہے کہ ہم ایک بہترین ٹیم بن سکتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ کہا کہ میں تمہارے تیار ہونے کا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہارے اپنے غصے اور اپنی طاقت کو پہچاننے کا انتظار کر رہا ہوں۔" وہ آنکھوں میں مختلف تاثرات لیے اسے دیکھتی رہی۔

"میں اُس دن سے انتظار کر رہا ہوں جب میں تمہیں پہلی بار یہیں لایا تھا۔"

"لیکن تم مجھے درستور کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ تم چاہتے تھے کہ میں معصوم لوگوں کو اذیت دوں۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"تم نے خود مجھے بتایا تھا۔"

"میں نے جھوٹ کہا تھا۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تین باتیں ہیں جو تمہیں میرے بارے میں جان لینی چاہیے۔" پہلی! یہ کہ میں اپنے والد سے اس قدر نفرت کرتا ہوں جتنی تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" اُس نے گلا صاف کیا۔ "دوسری! یہ کہ میں ایک خود غرض انسان ہوں، جو ہر صورتحال میں اپنے مفاد کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہوں۔ اور تیسری بات..." اُس نے نیچے دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میرا کبھی یہ ارادہ نہیں تھا کہ میں تمہیں معصوم لوگوں کو مارنے کے لیے، درستور کا ساتھ دینے پر مجبور کروں۔"

وہ بالکل خاموش ہوگئی۔ الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ وہ دھیرے سے بستر بیٹھ گئی، سُن اور نڈھال۔ وہ واپس جانے کے لیے پلٹا۔ "میں تیار ہوں۔" اس نے پیچھے سے کہا۔ عالیار کے قدم ایک دم زنجیر ہوئے۔ وہ رک گیا۔ ٹھہر گیا۔ جم گیا۔

اس آدمی کے ساتھ نکاح کرنا اس کی زندگی میں کیا تبدیلیاں لائے گا، وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ بس یہ جانتی تھی کہ جب بھی وہ گرے گی، یہ آدمی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا لے گا۔

"میں تم سے نکاح کروں گی۔" وہ اب بھی نہیں پلٹا۔

"میں بنوں گی تمہاری منکوحہ۔" اسے یہ فیصلہ لیناہی تھا۔ اسے زندہ رہنا تھا۔ اگر اس کے دوست زندہ ہیں تو وہ انہیں ڈھونڈے گی۔ اگر وہ مر گئے ہیں تو وہ سکندر کو موت دے گی۔ پر اس کی لیے اس کا زندہ رہنا پہلی شرط تھی جو عالیار سے نکاح پر ختم ہوتی تھی۔

"لیکن اگر تم بعد میں مکر گئے ؟! اگر تم....."

"عالیانہ پلیز!" خاموش ہو جاؤ۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ پلٹا۔ عالیانہ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اضطراب سا تھا۔۔

"کیا ابھی تک تم مجھے اتنا سا بھی نہیں سمجھ پائی؟" اس کی آنکھوں میں بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

"تمہیں لگتا میں تم پر زبردستی کا حق جتاؤں گا؟ میں مکر جاؤں گا؟ اگر ایسے سوال تمہارے ذہین میں آرہے ہیں تو میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ انکار کردو۔ میں اپنی نیت کی پاکیزگی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔" اس نے دیکھا وہ الفاظ بنا رہی ہے، کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔

"میں یہ بھی نہیں کیوں گا کہ میں تم سے نفرت نہیں کرتا، کیونکہ میں نہیں کرتا۔ میں تم سے نفرت نہیں کرتا کیونکہ میں تمہیں محبت کرنا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے کچھ دیر پہلے تمہیں بتایا کہ میں خودغرض ہوں، بے شک میں ہوں، لیکن تمہارے معاملے میں میری خودغرضی تمہاری حفاظت ہے۔ میری تمہارے لیے محبت نہیں۔ کیونکہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، عالیانہ! تم خود بھی یہ بات جانتی ہو" وہ واپس جانے کے لیے مڑا۔

"کمرے سے باہر مت نکلنا۔" اس نے کہا اور اس کے بعد وہ رکا نہیں، وہ تیزی سے قدم اٹھاتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

عالیانہ کے دس دن کی بے ہوشی میں وہ ساری منصوبہ بندی کرچکا تھا، نکاح کے کاغذات بھی تیار تھے، بس سائن کرنا باقی تھا۔ کچھ ہی دیر میں ان کا نکاح ہونے والا تھا، دل سے نہ سہی مگر کاغذ پر وہ اس کی بیوی بننے والی تھی۔ اس نے اپنے خیالات کو جھٹکا، وہ اس سب میں اپنے ذاتی مفاد نہیں لا سکتا تھا۔ وہ اسے اپنی سوچ میں بھی دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔

آج سپاہیوں کو اکٹھا کیا گیا تھا، عالیار نے انہیں سیکٹر کی تعمیرِ نو اور رہائشیوں کے لیے مدد فراہم کرنے کا حکم دیا، سپاہی کمپاؤنڈز جا چکے تھے، بیس پر نام کے چند سپاہی تھے۔

کام نپٹانے کے بعد وہ اور ملیک اس کے کمرے کی جانب جاتی لفٹ میں سوار ہوئے۔ ملیک نے لفٹ کا بٹن دبایا، دیہاتی دروازہ ہلکی کھنک سے بند ہوا۔ دروازہ بند ہوتے ہی، ملیک نے اسے ایک سیاہ مستطیل ڈبی تھمائی۔ اس نے ڈبی پکڑی، کھولی، ایک مسکراہٹ سی بکھری تھی اس کے چہرے پر... جو فوراً غائب ہو گئی۔ اس نے ڈبی بند کی اور اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا۔ مصنوعی گلا کھنکھارا۔

"بابا کی کوئی خبر ملی؟" اس نے سر موڑ کر ملیک کو دیکھا، اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا، لفٹ کے دروازے کھلے، اور سامنے کا منظر دیکھ کر ملیک ساکت ہو گیا۔

اس کی نگاہوں کا تعاقب کر کے اس نے سامنے دیکھا اور اس کے چہرے کا ہر رنگ اڑ گیا۔ ملیک نے عالیار کو دیکھا مگر وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

عالیانہ! وہ ان کے سامنے کھڑی تھی۔ نیلے اور گلابی پھولوں والی سکرٹ پہنے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ عالیار تیزی سے لفٹ سے نکلا اور اگلے ہی لمحے عالیانہ کا بازو عالیار کے آہنی شکنجے میں تھا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر باری باری چار مقامات پر دیکھا، چار مقامات جہاں کیمرے لگے تھے۔ وہ اسے لے کر کمرے میں آیا اور اندر آتے ہی ایک دم ایسے چھوڑا جیسے اگر وہ مزید اس کا ہاتھ پکڑتا تو اس کا ہاتھ جل جاتا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ غصے میں تھا۔ شدید غصے میں۔ اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو چکی

تھیں۔ جب سے وہ کمرے میں آیا تھا، وہ دائیں سے بائیں گھوم رہا تھا، کبھی سر دونوں ہاتھوں میں گراتا، کبھی کنپٹی مسلتا، بے چینی میں... غصے میں... جھنجھلاہٹ میں۔ سر درد کی وجہ سے اس کے سر میں ٹسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

ملیک ایک جانب، جب کہ عالیانہ دوسری جانب کھڑی تھی۔ اس کے غصے سے ڈر رہی تھی۔

"ملیک!" عالیار ایک دم سے رکا۔

"سر!"

"کچھ بھی کرو، سسٹم ہیک کرو، کیمروں کی فوٹیج ڈیلیٹ کرو، کچھ بھی کرو بس یہ فوٹیج بابا تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ تمہارے علاوہ کوئی یہ نہ دیکھے۔" اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"از دیٹ کلیئر۔"

"جی سر۔" ملیک فوراً کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ اس کے پیچھے بند ہوا۔ اب اس کی باری تھی۔ وہ نظریں جھکائے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"جب میں نے بکواس کی تھی کہ تم کمرے سے نہیں نکلو گی، تو پھر تم باہر کیا کر رہی تھیں؟" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار پر مار دے، خود کو ختم کر لے، یا عالیانہ کو مار دے۔ اب وہ عین کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیوں گئی تھیں باہر؟"

"تم آئے نہیں تو میں.... "اس نے جھجکتے ہوئے کہنا چاہا۔

"تم نے کیا عالیانہ؟ تم نے کیا؟" وہ غصے سے دھاڑا تھا۔ اس نے آج سے پہلے اسے کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے آنے میں دیر ہوئی تھی مرا نہیں تھا میں۔" اس کے دل میں کچھ چبھا تھا۔ غصے میں بے اختیار پیچھے ہٹتے ہوئے، اس کا ہاتھ قریب پڑے ویس سے ٹکرایا۔ نازک کانچ سے بنا ویس اگلے ہی لمحے ٹوٹ گیا۔ کانچ کی کرچیاں ٹوٹ کر بکھر گئیں، اس کی ہتھیلی سے خون کی بوندیں قالین پر گریں۔ مگر اسے اس وقت اپنے ہاتھ سے بہتے خون کی پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو اس بات کی کہ اگر وہ وقت پر یہاں نہ پہنچتا، تو کیا ہو گیا ہوتا۔

"اگر بابا جان گئے کہ تم زندہ ہو تو اس بار میں بھی تمہیں نہیں بچا سکوں گا، کیا یہ سمجھانا اتنا مشکل تھا؟" اب کی بار وہ بولا تو اس کی آواز سے سارا غصہ اس ویس کی طرح کرچی کرچی ہو چکا تھا۔ اس کی آواز انہیں کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ٹوٹی ہوئی تھی۔

"تم میرے بابا کے طریقوں سے واقف نہیں ہو... تم ان کے نظام کو نہیں سمجھتی..." اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ اس کی پیشانی کی رگ تن گئی تھی۔

"تمہارے ساتھ کیا ہو سکتا تھا، تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ ایک منٹ کے اندر وہ تمہیں مار کر تمہاری لاش غائب کر دیتے۔ میں پوری زندگی بھی ڈھونڈتا رہتا، تب بھی تم مجھے نہ ملتیں۔

اور تمہیں ذرا بھی خیال نہیں آیا...؟ تمہیں میرا خیال نہیں آیا؟ ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا...؟ میں تمہیں کھو دیتا! کیا یہ بات سمجھنا اتنا مشکل ہے؟" الفاظ اس کے دماغوں میں خلط ملط ہو رہے تھے۔ آنکھیں نا جانے کیوں نم ہو گئی تھیں۔ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کیوں نہیں سمجھتیں تم؟ ایک بار تو میری بات سن لو، مجھے سمجھ لو... پلیز!" اس کے ہاتھ سے بہتا خون رک چکا تھا۔

"آئی ایم سوری!" وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ وہ یہ نہیں کہہ پائی کہ وہ اسے سمجھتی ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ پائی کہ اگلی بار ایسا نہیں ہو گا۔

اس کے آئی ایم سوری کہنے سے ہی سامنے کھڑا شخص اب کافی حد تک پرسکون تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے ناک کے پل کو دبا رہا تھا۔ شاید اس کے سر میں درد تھا۔ کاش وہ اسے کہہ سکتی کہ وہ اس کے سر کی مساج کر دیتی ہے، لیکن اس وقت اس نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ عالیار نے گہری سانس کی۔ آنکھیں کھولیں۔ اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی نرمی واپس آچکی تھی۔ "پلیز! دوبارہ کبھی ایسا مت کرنا۔ دوبارہ کبھی اپنی جان خطرے میں مت ڈالنا۔ میری عام سی زندگی میں تم بہت خاص ہو۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" اس کے لہجے میں محبت تھی۔ اپنائیت تھی۔

"مجھے برا سمجھنا ہے، سمجھو۔ مجھ سے نفرت کرنی ہے، کرو۔ میرے مرنے کی خواہش کرنی ہے، کرو، مگر زندہ رہو۔ میرے ساتھ جو چاہو کرو، بس زندہ رہو۔ پلیز!" اس کے

لہجے میں کچھ ایسا تھا جو اس کے دل کو کاٹ گیا تھا۔ بہت کچھ حلق میں اتار کر اس نے بہت کچھ کہنا چاہا مگر وہ صرف سر اثبات میں ہلا پائی۔ اس نے ابھی تک اپنے ہاتھ کے زخم پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اسے پرواہ نہیں تھی۔ پھر اس نے ایک سرسری نظر سے اپنے ہاتھ کو دیکھا، اور اسے ایسے نظرانداز کیا جیسے یہ کچھ بھی نہ ہو۔ کیسا شخص تھا وہ اسے اپنی پرواہ ہی نہیں تھی۔ کیوں نہیں تھی؟ وہ جاننا چاہتی تھی۔ پھر اسے وہی چھوڑ کر وہ باتھ روم چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ پر پٹی تھی۔ سفید شرٹ بھی تبدیل ہو چکی تھی۔ چہرے کا سارا غصہ ڈھل چکا تھا۔ بال اب ماتھے پر گر رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی نظریں وہیں ٹھہر گئیں۔ کچھ ہی دیر میں ان کا نکاح ہونے والا تھا، کاغذ پر ہی سہی پر وہ اس کی بیوی بننے والی تھی۔ وہ کمرے میں رکھے سفید ٹو سیٹر صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گود میں پڑے ہاتھ کپکپا رہے تھے جنہیں وہ آپس میں رگڑ رہی تھی۔

وہ قدم اٹھاتا اس تک آیا۔ ایک نظر اس کے گود میں رکھے کپکپاتے ہاتھوں پر ڈالی اور اس کے ساتھ خالی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں ملیک قاضی کو لے آیا تھا۔ ملیک اور ڈاکٹر مصطفی کی موجودگی میں انہوں نے پیپرز سائن کیئے۔ اس نے خود کو قبول ہے کہتے سنا ۔ اس نے خود کو نکاح کے پیپرز پر دستخط کرتے دیکھا۔ اور یوں مہینوں کا کھیل لمحوں میں بدل گیا۔ اب وہ کاغذی ہی سہی مگر عالیار حیدر کی بیوی تھی۔ وہ آفیشلی مسز عالیار بن چکی تھی۔

وہ ایک ایسے شخص کی بیوی بن گئی، جس سے وہ شادی کرنے کا سوچ کر ہی خود پر شرمندہ ہوتی تھی۔ قاضی صاحب چلے گئے۔ ملیک یہیں تھا۔ عالیانہ نکاح کے فوراً بعد باتھروم چلی گئی تھی۔

عالیار ملیک کے ساتھ باہر کے معاملات پر بات کرنے لگا۔ "پہرے پر کھڑے سپاہیوں کو واپس بلالو۔ اور شکریہ "اس نے آہستہ سے کہا۔ ملیک آج اپنے فوجی یونیفارم میں تھا۔ یونیفارم پر لگے بیجیز پر لیفٹیننٹ ملیک چمک رہا تھا۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی خوش تھا۔ عالیار نے آج سے پہلے اس کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ اس لیے خوش تھا کہ عالیار کو اس کی عالیانہ مل گئی۔ پھر وہ واپس جانے لگا ہی تھا کہ دروازے کے قریب ایک دم رکا اور واپس پلٹا۔

"سر؟" عالیار نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ "کیا؟"

"صدقہ کردوں؟ میری دادی کہتی تھیں محبت کا مل جانا سب سے بڑی نعمت ہے۔ وہ یہ بھی کہتی تھیں کہ نعمت ملنے پر اس کا صدقہ نہ دو تو وہ صلب کرلی جاتی ہے۔" وہ بے اختیار ہنس دیا اور پھر اس کی ہنسی ایک گہری زخمی آہ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ ملیک سے اس بچگانہ بات کی امید نہیں رکھتا تھا۔ پھر وہ سائیڈ ٹیبل تک گیا، اپنا والٹ اٹھا کر کھولا۔ اس سے پہلے وہ پیسے نکالتا، اس کی نظر والٹ میں لگی تصویر پر پڑی۔ مہربان، دھندلی اور خوبصورت آنکھوں والی عورت۔

گہری سانس لے کر اس نے انگھوٹے کے پور سے اس کی تصویر کو چھوا۔ نرمی سے۔ آہستگی سے۔ محبت سے۔

یہ عالیانہ کی اس دن کی تصویر تھی جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، جب وہ پہلی بار کھڑکی سے اسے نظر آئی تھی۔ اس نے اس عورت کے چہرے کو دیکھا، اس کی آنکھیں مہربان، دھندلی اور خوبصورت تھیں۔ اس کی آنکھیں گہری سیاہ تھیں لیکن اس کے باوجود ایسا لگتا تھا اس سیاہی میں آسمان کے نیلے رنگ کی جھلک ہے۔ سیاہ آنکھوں میں نیلا رنگ ایسا تھا جیسے تاریک سمندر میں روشنی ہو۔ کیا کسی کی آنکھیں واقعی بحیرۂ اسود جیسی ہو سکتی ہیں؟ ہو سکتی ہیں، عالیار نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ چیز دیکھی تھی۔

اس نے یہ تصویر اس دن سے اپنے والٹ میں رکھی تھی۔ ایلفا پوائنٹ سے واپس آنے کے بعد اس نے یہ تصویر نکالنی چاہی، مگر وہ نہیں کر سکا۔ یہ بہت مشکل تھا۔ ایک تکان شدہ سانس لے کر اس نے چند نوٹ نکال کر ملیک کو تھمائے اور والٹ بند کر دیا۔

"تمہاری دادی ٹھیک کہتی تھیں۔ صدقہ کر دینا۔" اس کے بعد ملیک چلا گیا۔ وہ کتنی ہی دیر بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ ملیک کے الفاظ اس کے ذہین میں گونج رہے تھے۔ "اس سے تو ہر نعمت چھین لی گئی تھی۔ اس نعمت کا چھن جانا وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے دل کی کسی انجان آواز نے اس کے اندر سے سر گوشی کی تھی۔ عالیانہ سلیم کبھی بھی عالیار حیدر سے شادی کے لیے تیار نہ ہوتی، اگر یہ اس کی مجبوری نہ ہوتی۔ وہ کچھ بھی نہیں تھا، وہ بس ایک ٹشو پیپر تھا، جو استعمال کے بعد پھینک دیا جانے والا تھا۔ لیکن پھر

بھی اس کی حفاظت کے لیے اگر اسے ٹشو پیپر کی طرح استعمال ہونا پڑا تو وہ ہوگا۔اگر سو بار بھی اسے اس کے لیے استعمال ہونا پڑا تو وہ ہوگا، یہ طے تھا، کیونکہ عالیار حیدر، عالیانہ سلیم سے کبھی منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔عالیار حیدر، عالیانہ سلیم سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔وہ خود سے دستبردار ہو سکتا تھا، پر اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔سوائے موت کے، وہ اس نعمت سے دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھا جب وہ باتھروم سے باہر نکلی۔وہ لباس تبدیل کر رہی تھی، اب وہ سادہ سے پستہ رنگ سوٹ میں ملبوس تھی۔اس کا چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔عالیار کی نظر بے اختیار اس پر پڑی اور اس کا ذہین اس ڈبی پر گیا۔وہ اسٹینڈ پر لٹکے کوٹ کی جانب بڑھا، کوٹ کی اندرونی جیب سے سیاہ مستطیل ڈبی نکالی۔اسے کھولا۔اس میں ایک سنہری انگوٹھی تھی جس پر تین کیرٹ کا مستطیل ڈائمنڈ لگا تھا۔انگوٹھی بہت خوبصورت تھی۔بلکل اس کی طرح۔سادہ۔بے داغ۔روشن۔وہ اس کے لیے اسی جیسی انگوٹھی بنوانا چاہتا تھا۔ملیک نے اس کے کہنے پر اس کے بتائے گئے ڈیزائن سے خاطور پر یہ انگوٹھی بنوائی تھی۔اس کی پسند کا پتہ لگوانا اتنا مشکل نہیں تھا مگر اب جب یہ انگوٹھی اس کے مالک کو دینی تھی تو یہ اتنا مشکل کیوں لگ رہا تھا۔اس نے تکان شدہ گہری سانس لی، ڈبی بند کی اور سر جھکا لیا۔اسے ہمت کرنی تھی۔جس کی چیز تھی اسے دینی تھی۔اسے قبول کرنا نہ کرنا اس کی مرضی تھی، مگر اسے اپنا فرض تو نبھانا تھا۔

چنانچہ وہ مڑا۔ عالیانہ اب بستر کے کنارے پر بیٹھی تھی۔ گنگھریالے بال چہرے پر طرف آگے کو کیئے ہوئے تھے۔ وہ خوبصورت تو پہلے بھی تھی مگر نا جانے کیوں آج وہ دل کو اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ وہ کاغذی تعلق تھا۔ وہ ہمت کرتا قدم اٹھاتا اس تک پہنچا۔ اس کے لیے یہ کاغذی تعلق دل کا تعلق تھا، یہ تو طے تھا۔ وہ اس کی محبت تھی۔ یہ حقیقت کوئی نہیں بدل سکتا تھا، وہ خود بھی نہیں۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے مصنوعی گلا کھنکھارا۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور سوالیہ ابرو اٹھایا۔ اس نے سیاہ ڈبی اس کے سامنے کی۔ اس نے بے یقینی سے پہلے ڈبی کو دیکھا پھر عالیار کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"خود دیکھ لو۔" اس نے ڈبی تھامی۔ ایک نظر عالیار کو دیکھا اور ڈبی کھولی اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر دس مختلف رنگ ابھرے تھے۔ اتنی خوبصورت انگوٹھی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، بلکہ اس نے کوئی بھی انگوٹھی نہیں دیکھی تھی۔

اس نے اپنے حیرت سے کھلے منہ کو بند کیا اور عالیار کی جانب دیکھا۔ وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ اس نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"یہ میرے لیے ہے؟"

"یہاں کوئی اور بھی ہے؟" اس نے الٹا سوال کیا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

"پہن کر دیکھو۔" وہ اسے منع کرنا چاہتی تھی مگر نہیں کر سکی۔ کچھ دیر پہلے جو اس نے کیا اس کی معذرت کے طور پر وہ اس کا یہ تحفہ چاہتے ہوئے بھی نہیں ٹھکرا سکتی تھی اور ٹھکرانا چاہتی بھی نہیں تھی۔ اس نے انگوٹھی ڈبی سے نکالی، خالی ڈبی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور ایک لمحہ انگوٹھی کو گھورنے کے بعد بالآخر اس نے انگوٹھی بائیں ہاتھ پر پہن کی۔ ایک مسکراہٹ سی ابھری تھی عالیار کے لبوں پر۔ اب وہ انگوٹھی اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی، کیونکہ وہ اپنے مالک کے پاس تھی۔

اس نے انگوٹھی والا ہاتھ اسے دکھانے کے لیے اس کے سامنے کیا۔ وہ سمجھ نہ پایا اس کا ہاتھ زیادہ خوبصورت ہے یا انگوٹھی یا انگوٹھی نے اس کے ہاتھ کو خوبصورت بنایا ہے یا اس کے ہاتھ نے انگوٹھی کو۔

"پرفیکٹ۔" مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"شکریہ!"

"تمہیں پسند آئی؟"

"بہت زیادہ۔" آج تو وہ خوشی سے ساتویں آسمان پہنچ چکا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہیں۔ میں کچھ دیر میں واپس آ جاؤں گا۔" کہہ کر اس نے اپنا کوٹ پہنا ۔ڈریسنگ ٹیبل تک گیا، پرفیوم چھڑکا اور اس کی جانب مڑا۔

"اور اگر میں لیٹ ہو گیا تو براہ مہربانی مجھے ڈھونڈنے باہر مت آیئے گا۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ نا باہتے ہوئے بھی وہ ہنس دی۔ اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔ ایک سکون سا ملتا تھا اسے ہنستا دیکھ کر۔

••••••☆☆☆••••••

"تم نے جو اپنے بارے میں تیسری بات کہی تھی وہ میں سمجھ نہیں سکی۔ تم کہہ رہے تم مجھے معصوم لوگوں کو مارنے کے لیے، در ستور کا ساتھ دینے پر مجبور نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ تم ایسا کر رہے تھے۔" وہ کمرے کی وسعت میں پڑی کرسی پر بیٹھی تھی۔ عالیار کچھ دیر پہلے ہی کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس وقت ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے مڑ کر عالیانہ کو دیکھا۔ "یہ ایک پیچیدہ منصوبہ تھا۔" اس نے کہا اور عالیانہ کے ساتھ والی کرسی گھسیٹنے والے انداز میں عین اس کے سامنے رکھی اور اس پر بیٹھ گیا۔ اب وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔

"دراصل، جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا، تو میں نے فوراً تمہیں اپنے قریب لانے کا فیصلہ کیا۔ مجھے تمہیں پاگل خانے سے باہر نکالنا تھا، اور یہ سب بابا کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ مجھے بابا کو قائل کرنا تھا کہ میں تمہیں اپنی ٹیم کا حصہ بنانا چاہتا ہوں۔ انہیں یہ یقین دلانا تھا کہ تم جیسے شخص پر، جو اتنی قید میں بھی پر سکون رہ سکتا ہے، سرمایہ کاری کرنا ایک دانشمندانہ فیصلہ ہو گا۔ میں نے انہیں کہا کہ ہم تمہیں فوجی مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، جیسے کہ جاسوسی یا ذاتی ایجنٹ...."

"سچ کہوں تو، مجھے آج تک سمجھ نہیں آیا کہ میں نے یہ سب کیسے کر لیا۔ یہ خیال خود بھی بے وقوفی پر مبنی تھا۔ اتنا وقت، پیسہ اور توانائی صرف ایک نفسیاتی لڑکی کو اذیت دینے کے لیے؟ ہونہہ؟ مجھے شروع سے ہی معلوم تھا کہ یہ وقت کا ضیاع ہو گا، ایک بالکل فضول کوشش۔"

"تم مجھے اپنے قریب کیوں لانا چاہتے تھے؟" اس نے الجھن میں سوال کیا۔

"تمہارا نام۔" اس کی آنکھوں میں ایسی گہری چمک تھی جو اُسے جھنجھوڑ کر رکھ گئی۔

"دو سال پہلے، میں مینٹل اسائلم کے مریضوں کا ریکارڈ دیکھ رہا تھا۔ تب میری نظر تمہارے نام پر پڑی اور وہیں ٹھہر گئی۔ 'عالیانہ' ایک ایسا نام جسے میں چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ تمہیں دیکھے بغیر، صرف تمہارا نام دیکھ کر مجھے جو محسوس ہوا، وہ آج تک میرے لیے ایک معمہ ہے۔" وہ چند لمحے خاموش رہا، جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہو۔

"اس کے بعد، میں نے تمہارے سارے ریکارڈ نکلوا لیے۔ تمہارے اسائلم والے کمرے کا سی سی ٹی وی براہِ راست اپنے بیس میں لگوایا۔ میں تمہاری ہر حرکت نوٹ کرتا تھا، ہر ایک حرکت۔" وہ خود سے ہنسا۔

"یہ میری ایک خواہش تھی کہ میں عالیانہ کے لیے کچھ کروں، اس کی مدد کروں۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔ "جب تک..." اُس نے سانس لیا۔
"جب تک میں نے تمہاری ایک جھلک نہیں دیکھی۔ تمہیں دیکھنے کے بعد میری یہ

معمولی سی خواہش، میری سب سے بڑی خواہش بن گئی۔ مجھے کیا ہو گیا تھا، میں آج تک نہیں سمجھ پایا۔ اُس دن، میں نے وہ کھو دیا جو میں تھا۔ میں نے خود کو کھو دیا۔"

اُس دن فوٹیج دیکھتے ہوئے اُس نے بہت کچھ محسوس کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہا ہے، مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ جو محسوس کر رہا ہے، وہ اُس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ احساسات پہلی بار اُس نے محسوس کیے تھے اور یہ جو بھی تھا، یہ احساسات بہت خوبصورت تھے۔

"مجھے تمہاری شخصیت اچھی لگنے لگی تھی۔ محبت ہو گئی تھی تم سے، نہیں جانتا کیوں۔ محبت بھی بھلا بتا کر ہوتی ہے؟" سوال نہیں تھا بیان تھا۔ "کوئی شخص بنا دستک دیئے یوں ہی دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور ہم اسے چاہ کر بھی اسے باہر نہیں نکال سکتے کیونکہ ہم اس سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں کہ اس کو دل سے باہر نکالنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔" اس نے ایسی باتیں کرنا کہاں سے سیکھا تھا، وہ اسے دیکھتی رہی، چہرے پر بہت سے تاثرات تھے۔

"تو عالیانہ سلیم! یہ سب تمہارے نام سے شروع ہوا۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"تم نے کہا تم چاہ کہ بھی میرا نام نظر انداز نہیں کر سکے۔ کیوں؟" عالیانہ نے اس کی آنکھوں میں تناؤ ابھرتا دیکھا جو اگلے ہی لمحے غائب ہو گیا۔

"تم جانتی ہو کہ" اُس نے بہت دھیمی آواز میں کہا جسے سننے کے لیے اُسے پوری توجہ لگانی پڑی۔

"میری بہن اس گھر میں رہتی ہے؟" وہ بند دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اسی گھر میں جہاں بابا تمہیں لائے تھے؟ جہاں انہوں نے تمہیں گولی ماری تھی؟ اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی، اُس کمرے کے بلکل ساتھ جہاں وہ تمہیں قید کیے ہوئے تھے۔"

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا تو عالیار نے چہرا پھیر کر اُس کی جانب دیکھا۔

"ہاں! تمہارے بابا نے اُس کے بارے میں کچھ کہا تھا۔"

"اچھا؟" اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے بے چینی نمودار ہوئی۔ اُس نے پر سکون نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے کچھ بولنے کو لب کھولے۔

"کیا کہا تھا اُنہوں نے؟"

"کہ وہ بیمار ہے۔ اور وہ اسے وہاں رکھتے ہیں کیونکہ وہ کمپاؤنڈز میں ٹھیک نہیں رہ سکتی۔ اور انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں کو کینسر تھا۔"

اس نے کرسی پر پیچھے کو ٹیک لگالی جیسے اُسے اُس سہارے کی ضرورت تھی۔۔ "ہاں! یہ سچ ہے۔ وہ بیمار ہے۔ وہ اچانک بیمار ہو گئی تھی۔" اُس کی آنکھیں کسی اور دنیا میں دور دیکھ رہی تھیں۔

"جب وہ چھوٹی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھی۔" وہ اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کو گھماتے ہوئے بولا۔

"ہاں، یہ سچ ہے۔ وہ بیمار ہے۔ وہ اچانک بیمار ہو گئی تھی۔"اُس کی نظریں کسی اور دنیا میں دیکھ رہی تھیں، جیسے ماضی کے کسی منظر کو تلاش کر رہی ہوں۔

"جب وہ چھوٹی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھی۔"اُس نے اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی کو آہستہ آہستہ گھماتے ہوئے کہا۔

"لیکن پھر آہستہ آہستہ... وہ بہت عجیب ہو گئی۔ سالوں تک میں بابا سے اُس کے علاج کے لیے لڑتا رہا، پہلے ماں کے لیے لڑا، اُن کے بعد اپنی بہن کے لیے۔ لیکن انہوں نے کبھی پرواہ نہیں کی۔ میں اکیلا تھا۔ اپنی ماں کے علاج کے لیے بھی، اپنی بہن کے علاج کے لیے بھی۔ جس کسی سے بھی رابطہ کیا، کوئی بھی ڈاکٹر اُسے ٹھیک نہیں کر سکا۔ جو کر سکتا تھا، وہ بابا کے خلاف نہیں جانا چاہتا تھا۔"

اُس کی آواز بوجھل ہو گئی۔ تکلیف بیان کرنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

"وہ مسلسل اذیت میں ہے، اور میں ہمیشہ اتنا خود غرض رہا ہوں کہ اُسے مرنے دوں۔ وہ پوری دنیا میں میرا آخری رشتہ ہے۔ میری ماں کے علاوہ، واحد شخص جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میری للی تھی۔ میں ماں کو تو کھو چکا ہوں، اُسے نہیں کھو سکتا۔"

عالیار نے اوپر دیکھا، اُس کی نظریں دھندلی تھیں۔"میری بہن کا نام..."اُس نے لمحہ بھر توقف کیا۔

"عالیانہ!"اُس نے دہرایا۔"خوبصورت، منفرد، نایاب، قیمتی، رحم دل، اونچے نسب والی۔ یہ نام میں نے خود اپنی بہن کو دیا تھا۔ وہ میری زندگی میں کسی نعمت سے کم نہیں

تھی۔ جب وہ پیدا ہوئی، تو میری بے رنگ زندگی میں رنگ بھر گئے۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار خوش ہوا۔ وہ نایاب تھی، کیونکہ وہ میری بہن تھی۔ وہ خوبصورت تھی، کیونکہ وہ میری بہن تھی۔ وہ قیمتی تھی، کیونکہ وہ میری زندگی کی واحد نعمت تھی، میرا کل اثاثہ۔ یہ سب صفات جوڑ کر میں نے اُسے نام دیا۔ عالیانہ! پوری دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی، ہے، اور رہے گی۔ لیکن میں اُس کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔ میں اُس کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میں اُس کا خیال نہیں رکھ پایا۔ "اُس کی آواز بکھرنے لگی۔

"جب میں نے تمہارا نام دیکھا، تو مجھے تمہیں دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ میں نے سوچا، اگر میں اپنی عالیانہ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تو اُس کے نام کی کسی لڑکی کے لیے کچھ کر دوں۔ دراصل، یہ میں اپنا گلٹ کم کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ کیونکہ میں اُسے ٹھیک نہیں کر پا رہا تھا، ابھی تک نہیں کر پایا۔ میں گلٹ میں تھا کہ میں ماں کو نہیں بچا پایا۔ میں گلٹ میں تھا کہ میں عالیانہ کے لیے کچھ نہیں کر پا رہا۔ اس گلٹ کو ختم کرنے کی کوشش کرتے کرتے کب مجھے تم سے محبت ہو گئی، پتہ ہی نہیں چلا۔"

عالیانہ خاموشی سے اُس کی بات سنتی رہی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن الفاظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

کئی سالوں تک اس نے یہی سوچا کہ اس زندگی بہت مشکل ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ جانتی ہوں کہ تکلیف کیا ہوتی ہے۔ لیکن یہ... یہ وہ تھا جسے وہ سمجھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے

کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کسی اور کے حالات اس سے بھی زیادہ بدتر ہو سکتے ہیں۔ وہ بس خاموشی سے عالیار کو سنتی رہی۔

"کافی عرصے تک، میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ صرف بیمار ہے۔ میرا خیال تھا کہ اسے کوئی ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہے جو اس کے مدافعتی نظام کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ میں امید رکھتا تھا کہ علاج کے ذریعے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ میں نے ہمیشہ یہ گمان کیا کہ سب کچھ بہتر ہو جائے گا، یہاں تک کہ وقت گزرتا گیا، سالوں پر سال بیت گئے، مگر کچھ نہیں بدلا۔ میں ہمیشہ امید کرتا رہا۔

مسلسل اذیت نے اس کی ذہنی حالت کو برباد کر دیا تھا۔ آخر کار، وہ زندگی سے ہار مان گئی۔ اس نے اپنے درد کو اپنی زندگی پر غالب آنے دیا۔ وہ بستر سے اٹھنے اور کھانے پینے جیسی بنیادی ضروریات کو بھی ترک کر چکی تھی۔ میں اس کی بیماری کی وجہ باہر تلاش کرتا رہا، لیکن وہ وجہ اس کے اندر تھی۔ میرے سامنے، بالکل نظروں کے سامنے، اور میں اتنا اندھا یا شاید اتنا کمزور تھا کہ حقیقت کو دیکھنے سے انکار کرتا رہا۔ یا یوں کہو، میں اس سچائی کو تسلیم کرنے سے کتراتا رہا، اس خوف سے کہ وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گی۔" اس نے زخمی آہ بھری۔

"میں ! میں وجہ تھا اس کی سب تکلیف کا۔ میں ذمہ دار تھا اس کی بیماری کا۔ میں ذمہ دار تھا کہ اس کا بچپن اس سے چھین لیا گیا۔ لیکن میں نے حقیقت کو ڈھونڈنے میں بہت وقت

لگا دیا تب تک، سب کچھ بگڑ چکا تھا۔ اس کی بیماری، اس کا درد، سب اپنے انتہا کو پہنچ چکے تھے۔

بابا یہ سمجھتے تھے کہ عالیانہ مجھے میرے مقصد سے ہٹا رہی ہے۔ وہ مجھے میرے اصل سے ہٹا رہی ہے۔ ان کے نزدیک، وہ میری توجہ بھٹکا رہی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اس کی موجودگی میرے اندر جذبات پیدا کر رہی ہے، میرے دل میں نرمی اور رحم کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور ان کے خیال میں، یہ سب کچھ مجھے وہ بننے سے روک رہا تھا جو وہ چاہتے تھے کہ میں بنوں۔

اور اس سب کا حل یہ تھا کہ بابا نے اسے نشہ آور دواؤں پر ڈال دیا۔" اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

"میں صرف سولہ سال کا تھا۔ میری پوری زندگی تربیت میں گزری، ایسی تربیت جس کا مقصد مجھے وہ انسان بنانا تھا جو میں کبھی بننا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی، میں خود کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ عالیانہ کی پیدائش سے پہلے، میں خود کو بھول چکا تھا۔ میں نے اپنی قسمت کو قبول کر لیا تھا۔ ہنسنا، خوش ہونا، سب کچھ چھوڑ چکا تھا۔ زندگی میں کوئی چیز مجھے خوشی نہیں دیتی تھی۔

پھر وہ ننھی سی عالیانہ میری زندگی میں آئی، اور سب کچھ بدل گیا۔ اس کی پیدائش کے بعد، ماں بیمار رہنے لگیں۔ عالیانہ کے لیے آیا کا انتظام کر دیا گیا، لیکن وہ آیا اس کا خیال

نہیں رکھتی تھیں۔ میں جانتا تھا، میں نے دیکھا تھا، میں نے سنا تھا۔ وہ رات بھر روتی رہتی تھی، وہ دودھ نہیں پیتی تھی، اور دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر، میں نے بابا سے اجازت لی اور خود عالیانہ کی دیکھ بھال شروع کر دی۔ میں نے اس کے مطابق اپنی تربیت کا نیا ٹائم ٹیبل بنوایا۔ پھر میں تربیت کے ساتھ ساتھ اس کا خیال رکھتا تھا۔ آہستہ آہستہ، وہ ٹھیک ہونے لگی پر میں بدل گیا تھا۔ میرے اندر ایک نرم گوشہ پیدا ہو رہا تھا، اور یہی چیز بابا کو ناگوار گزری۔

بابا نے عالیانہ کو میری توجہ سے دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ مگر جب ان کی کوششیں ناکام ہوئیں، تو انہوں نے انتہا کر دی۔ انہوں نے اسے ڈرگز کا عادی بنا دیا۔ اور اس سب کا ذمہ دار میں تھا۔ اگر میں خود پر قابو پاتا، اگر میں اپنی جذباتیت پر قابو رکھتا، تو آج وہ معصوم بچی اتنی تکلیف میں نہ ہوتی۔" شاید اس لیے وہ خود سے نفرت کرتا تھا، کیونکہ وہ خود کو اپنی بہن کا مجرم سمجھتا تھا۔

" بابا اسے اس گھر میں قید رکھتے ہیں جہاں صرف ایک نرس اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ ملیک بھی میرے کہنے پر وہاں اس کے پاس رہتا ہے۔ اب وہ مورفین کی عادی ہو چکی ہے اور مکمل طور پر اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہے۔ وہ مجھے پہچانتی نہیں ہے، مجھے جانتی بھی نہیں۔ اور جب بھی میں نے اسے ان دواؤں سے دور رکھنے کی کوشش کی، اسے لگا میں اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور وہ مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگی۔ وہ۔ مجھ سے نفرت کرنے لگی۔" یہ کہتے ہوئے اسے کتنی تکلیف ہوئی تھی اس کے لبوں کی

حرکت اور اس کی آنکھوں سے واضح تھا۔ پھر وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ "صرف اس کی وجہ سے، میرا بچپن کبھی کبھی قابل برداشت لگتا تھا۔"

"میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ میں اسے ٹھیک کر سکتا ہوں۔ میں سوچتا تھا کہ اگر میں اس کی جڑ کو ڈھونڈ سکوں، تو میں کچھ کر سکتا ہوں، اور میں کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے جڑ کو ڈھونڈنے میں دیر کر دی۔" وہ رکا۔ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ "مجھے نہیں معلوم لیکن میں نے کبھی تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ یہ خیال مجھے کبھی پسند نہیں آیا۔ مجھے صرف دکھاوا کرنا تھا۔ میرے بابا! میری بہن کی صحت یابی کے لیے بھی میری دلچسپی کو منظور نہیں کرتے، تم۔ میں دلچسبی کو کیسے کرتے؟ مجھے یہ کرنا پڑا کیونکہ میں مجبور تھا۔"

وہ ایک مرجھا جانے والی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ اس کی ہنسی میں دکھ اور تلخی کا رنگ نمایاں تھا۔ "انھوں نے کبھی اپنے عمل پر شرمندگی محسوس نہیں کی۔ کبھی اسے مدد فراہم کرنے کی کوشش تک نہیں کی۔ وہ اسے ایک بوجھ سمجھتے ہیں، ایک ایسا بوجھ جس سے وہ نفرت کرتے ہیں۔ لیکن وہ اسے زندہ رکھتے ہیں، صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ میرے پر احسان کر رہے ہیں، اور مجھے اس پر شکر گزار ہونا چاہیے۔"

اس نے لرزتے ہاتھوں سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، ایک طرف سمٹے بال اس کے ماتھے پر الجھ گئے، پھر اس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی گردن کی پشت کو دبایا۔ "وہ سمجھتے

ہیں کہ یہ میرے لیے کافی ہونا چاہیے کہ میں اپنی بہن کو دیکھ سکتا ہوں۔" لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ میں اسے دوبارہ زندگی میں لانے کے لیے ہر کوشش کروں گا۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ وہ جو کندھوں پر شال۔ اوڑھے اس کے سامنے بیٹھی تھی، ایک دم سے اسے وہ اچھا لگنے لگا تھا۔

"جب تم بیس آئیں، تو میں نے تم میں وہ کچھ دیکھا جو کوئی اور نہیں دیکھ سکا۔ میں نے تمہیں اپنے آپ کو دریافت کرتے دیکھا۔ میں نے تمہاری ان تمام صلاحیتوں کو پہچانا جن سے تم خود بے خبر تھیں۔ تم نے کبھی خود کو پہچانا ہی نہیں، مگر میں نے پہلی نظر میں تمہیں پہچان لیا۔ میں نے ہمیشہ کہا کہ تم مختلف ہو۔ میں چاہتا تھا کہ تم اپنی حقیقت کو سمجھو، اپنی قوت کو جانو۔ اسی لیے میں نے تمہاری تربیت کرنے کا فیصلہ کیا۔"

"جانتی ہو، جب میں نے تمہاری فائلز میں پڑھا تھا کہ تم ایک بے قابو، وحشی مخلوق ہو، تب بھی میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوا۔ بلکہ، میں نے تمہیں خوش آمدید کہا۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھ پر حملہ کرو گی، اپنے دفاع کے لیے کچھ کرو گی، اور میں اس لمحے کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ لیکن تم نے کبھی ایسا نہیں کیا۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔ "تمہاری فائلز کے مطابق، میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم ایک لڑاکا لڑکی ہو، جو موقع ملتے ہی مجھے اور میرے سپاہیوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن تم نے مجھے مایوس کیا۔ تم بہت مہربان تھیں، بہت پیاری، اور بے حد معصوم۔ تم نے کبھی مقابلہ نہیں کیا۔"

اس کی نظریں غیر مرکوز ہو گئیں، جیسے وہ ماضی کی دھندلی یادوں میں کھو گیا ہو۔ "تم نے میری دھمکیوں پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ ان باتوں پر کوئی جواب نہیں دیا جو اہم تھیں۔ تم نے ایک ضدی بچے کی طرح عمل کیا۔ تمہیں اپنے کپڑے پسند نہیں آتے تھے، تم نے شاہانہ کھانے کھانے سے انکار کر دیا۔"

وہ خود سے ہنسا۔ وہ اپنی ساری ہمدردی بھول چکی تھی۔ اس کا دل چاہا کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔ وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر ماضی کی یادوں کا رنگ چھپا تھا۔۔ "تم اتنی زیادہ ناراض تھیں جب میں نے تمہیں وہ اچھے کپڑے پہننے کو کہتا تھا۔ "اس نے اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک واضح تھی۔ "یہاں میں ایک بے قابو لڑکی سے لڑنے کے لیے اپنی جان بچانے کی تیاریاں کر رہا تھا، جو کسی کو بھی مار سکتی تھی، ایک آدمی کو قتل کر سکتی تھی... "اُس نے اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کی۔ "اور وہاں تم خوبصورت کپڑوں اور اچھے کھانے پر نخرے دکھا رہی تھیں۔ "اس کی ہنسی ڈھلی پر اس کی آنکھوں۔ میں ابھی بھی چمک موجود تھی۔ "تم بے حد مضحکہ خیز تھیں۔ بہت بے وقوف، اور یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تفریح تھی۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں نے اس کا کتنا لطف اٹھایا۔ مجھے تمہیں ناراض کرنا بہت پسند تھا۔ "اُس کی آنکھوں میں شرارت کا رنگ اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ "جب تم ناراض ہوتی تھی، تو اور بھی پیاری لگتی تھی۔ "عالیانہ کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا۔ وہ اُس کے رد عمل پر ایک بار پھر سے ہنس دیا۔

"میرا ہمیشہ تمہارے ساتھ وقت گزارنے کا دل کرتا تھا۔ دکھاوا کرتا تھا کہ میں تمہارے مستقبل کے لیے کچھ منصوبے بنا رہا ہوں۔ تم بے ضرر تھیں، خوبصورت تھیں، اور تم ہمیشہ مجھ پر چیختی تھیں۔" وہ بڑے جوش کے ساتھ فرصت سے اسے بتا رہا تھا۔ "واللہ! تم مجھ پر سب سے غیر اہم باتوں پر چیختی تھیں۔ لیکن تم نے کبھی مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ ایک بار بھی نہیں، حتی کہ اپنی جان بچانے کے لیے بھی نہیں۔"

اُس کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے مدھم پڑنے لگی۔

"اور یہ مجھے پریشان کرتا تھا۔ یہ واقعی مجھے پریشان کرتا تھا کہ تم اتنی جلدی اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی، بغیر اس کے کہ تم اپنا دفاع کرو۔" ایک گہری سانس۔ "پھر میں نے حکمت عملی بدل دی۔ میں نے تمہیں مجبور کرنے کی کوشش کی کہ تم مجھ پر حملہ کرو۔"

اسے ایک دم سے وہ کمرے یاد آیا، جب اس نے اُس کے ساتھ ایک خطرناک کھیل کھیلا تھا۔ وہ اس کی قابلیت پر دل ہی دل میں رشک کر رہی تھی، اس نے واقعی اس کی ایسی کمزوری ڈھونڈی تھی جو اسے استاد کھ دینے کے لیے کافی تھی کہ وہ اسے مار دینا چاہتی۔ وہ تقریباً ایسا کر ہی چکی تھی۔ اس نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔ ایک گہری، شکست خوردہ سانس خارج کی۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"لیکن وہ بھی کام نہیں آیا۔ پھر میں اپنے اصل مقصد کو بھولنے لگا۔ میں بھول گیا کہ مجھے بابا کو بھی سیٹیسفائے کرنا ہے۔ میں تم میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میرا

تمہیں بیس پر لانے کا اصل مقصد کیا تھا۔ میں اس بات سے مایوس تھا کہ تم ہار مان جاتی تھیں، تم رد عمل دینے سے انکار کرتی تھیں، لیکن جب بھی میں ہار ماننے کے قریب ہوتا، تم ان لمحوں میں کچھ شاندار جھلکیاں دکھاتی۔" وہ رکا اور دیوار کے ساتھ داہنا کندھا اور ماتھا ٹکا لیا۔ "لیکن پھر تم ہمیشہ پیچھے ہٹ جاتیں، جیسے تم شرمندہ ہو، جیسے تم اپنے اندر کے ان جذبات کو تسلیم کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔" وہ بازو سینے پر باندھے، ٹانگوں کا کراس بنائے دیوار سے ٹیک لگائے فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ محفوظ ہو رہا تھا۔

"تو پھر میں نے ایک بار پھر اپنی حکمت عملی بدلی۔ میں نے کچھ اور آزمایا، کچھ ایسا جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ یہ تمہیں تمہاری حد سے تجاوز کروا دے گا۔ اور مجھے کہنا پڑے گا، تم نے بالکل وہی کیا جس کی میں نے توقع کی تھی۔" وہ مسکرایا۔ "تم پہلی بار واقعی زندہ نظر آئیں۔" وہ ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم نے مجھے اُس بچے کو اذیت دینے پر مجبور کیا۔" اس کی آواز میں غصہ اور تلخی دوبارہ جاگ اُٹھے۔ "میں کیسے بھول سکتی ہو کہ تم نے کیا کیا تھا؟ تم نے مجھے کیا کرنے پر مجبور کیا تھا؟" وہ غصے سے بولی۔ "میرے ماضی کی خوفناک یادوں کو دوبارہ زندہ کرانا، صرف اپنی تفریح کے لیے؟ یہی ہے تمہاری جسٹی فیکیشن؟ میں تمہیں اُس کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" اُس نے زہر بھری آواز میں کہا۔ "اُس بچے کے ساتھ جو تم نے کیا، اس کے ساتھ مجھے جو کرنے پر مجبور کیا، اُس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی!!!"

وہ اسے گھور کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"کیا؟"اُس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔وہ جیسے کچھ سمجھا نہیں۔

"تم ایک بچے کی قربانی دینے کو تیار تھے! اپنے احمقانہ کھیلوں کے لیے! تم کیسے اتنا گھٹیا کام کر سکتے ہو؟"اُس نے غصے میں تکیہ اُس پر پھینکا۔اُس نے فوری رد عمل سے بائیں۔ ہاتھ اٹھایا اور تکیہ پکڑ لیا،اور اُسے حیرت سے دیکھنے لگا، جیسے وہ اُسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ لیکن پھر اچانک اُس کے چہرے پر سمجھداری کا ایک رنگ آ گیا،اور تکیہ اُس کے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پر گر گیا۔"اوہ۔"اسے جیسے کچھ یاد آیا تھا"تم مجھے مار ڈالو گی عالیانہ ۔میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

" کیا ہوا؟"اُس نے حیرت سے پوچھا۔وہ مسکراتے ہوئے اسے فرصت سے دیکھے گیا۔پھر خود سے سر ہلاتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"مجھے بتاؤ کہ اُس دن کیا ہوا تھا۔"پھر وہ بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

اس کی بے حسی پر غصے میں لرزتے ہوئے،اُس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم نے مجھے بیکار، گھٹیا کپڑے اور دستانے پہننے کو دیے تھے! اور پھر تم نے مجھے سیکٹر کے نچلے حصے میں ایک گندے کمرے میں قید کر دیا۔مجھے یاد ہے۔وہ کمرہ پیلی دیواروں اور ایک پرانے سبز قالین سے گرا تھا۔اور وہاں بڑا سا دو طرفہ آئینہ لگا تھا۔"

اس نے بھنویں اٹھا کر اسے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔اب وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔

"پھر۔۔۔تم نے کوئی بٹن دبایا تھا،اور پھر دھات کی کیلیں زمین سے نکلنا شروع ہوئیں۔ پھر"وہ جھجھکی، خود کو مضبوط کیا۔"ایک چھوٹا بچہ کمرے میں آیا تھا، جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔اور تم نے کہا تھا کہ وہ تمہارا ریپلیسمنٹ ہے۔تم نے کہا کہ اگر میں نے اسے نہ بچایا، تو تم بھی نہیں بچاؤ گے۔"

وہ اسے گہرائی سے دیکھ رہا تھا۔"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں نے یہ کہا تھا؟"اس نے 'میں' پر زور دیا۔

"ہاں۔"

"ہاں؟"اس نے دہرایا، سر جھکایا۔"تم نے اپنی آنکھوں سے مجھے یہ کہتے سنا؟"

"نہیں، لیکن وہاں لاؤڈ اسپیکرز تھے۔میں تمہاری آواز سن سکتی تھی۔"

"بالکل ٹھیک۔"اس نے سر ہلایا،اور گہری سانس لی۔

"جب تم نے مجھے یہ کہتے ہوئے سنا، اس کے بعد کیا ہوا؟"اس نے شہادت کی انگلی سے پیشانی کو کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے بچے کو بچانا تھا۔وہ مرنے والا تھا۔وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ کہاں جا رہا ہے،اور وہ ان کیلوں سے چھید دیا جانے والا تھا۔مجھے کسی بھی طرح اس خطرناک صورتحال میں کوئی راستہ نکالنا تھا کہ میں اسے بچا سکوں۔"ایک لمحے کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"اور کیا تم کامیاب ہوئیں؟"

"ہاں، لیکن" اس نے سرگوشی کی، جیسے خود پر شک کر رہی ہو۔

"لیکن...؟" عالیار نے دہرایا۔

"لیکن بچہ بے حس ہو چکا تھا، وہ میرے بازوؤں میں مفلوج ہو گیا تھا۔ پھر شاید تم نے دوبارہ بٹن دبایا، کیلیں غائب ہو گئیں اور میں نے اُسے زمین پر چھوڑ دیا۔ لیکن و....وہ دوبارہ رونے لگا اور میری ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ وہ چیخنے لگا۔ اور میں... میں تم پر بہت غصہ ہو گئی تھی..."

"اتنا غصہ کہ تم نے شیشے کی دیوار توڑ دی۔" سوال نہیں تھا بلکہ ایک یاددہانی تھی۔

"تم اس کے مستحق تھے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "تم اس سے بھی زیادہ کے مستحق تھے۔"۔ عالیار کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اگر میں نے واقعی وہ کیا جو تم کہہ رہی ہو، تو بلاشبہ میں اس کا مستحق تھا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اگر؟ اگر تم نے کیا؟ مجھے پتہ ہے کہ تم نے..."

"اگر میں نے واقعی وہ کیا جو تم کہہ رہی ہو تو یقیناً میں اس کا مستحق تھا۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے سنجیدگی سے زور دے کر دہرایا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اگر؟ اگر تم نے کیا؟ مجھے پتہ ہے کہ تم نے..."

"واقعی؟" اس نے داہنا ابرو اٹھایا۔

"ہاں، واقعی!"

تو پھر مجھے بتاؤ، اُس بچے کے ساتھ کیا ہوا؟"

"کیا؟" وہ یکدم رک گئی جیسے کسی سرد لہر نے اُس کے جسم کو جکڑ لیا ہو۔

"اس بچے کے ساتھ کیا ہوا؟" اس نے دہرایا۔ "تم کہتی ہو کہ تم نے اُسے زمین پر چھوڑ دیا، لیکن پھر تم نے پانچ فٹ لمبی شیشے کی دیوار توڑی۔ تمہیں نہیں لگتا کہ وہ بچہ اُس کانچ کے ٹکڑوں سے زخمی ہوا ہوگا؟ تمہیں نہیں لگتا میرے سپاہی بھی زخمی ہوئے ہوں گے؟" وہ رکا۔ اُس کی بات نے جیسے اُس کی سانسیں روک دی تھیں۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی اور اگلا سانس لینے میں بھی ناکام رہی۔

"کیا تم نے واقعی اس بچے کا خیال کیا تھا؟"

"نہیں" اس کی آواز مایوسی اور شکست سے بھر گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"تو جب تم وہاں سے نکل گئی، تو پھر کیا ہوا؟" عالیار نے اُسے آگے بتانے پر زور دیا۔ "یا تمہیں وہ حصہ یاد نہیں؟ یا تم نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، نہ کمرے کی تباہی کو، نہ میرے سپاہیوں کو، اور نہ مجھے۔" وہ مکمل طور پر گم صم ہو چکی تھی، ماضی کی تلخ یادوں میں کھوئی ہوئی۔ یہ سچ تھا، اُس نے ایسا ہی کیا تھا۔ اُس وقت کچھ بھی سوچنے کی ہمت نہیں تھی۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ اُسے وہاں سے فوراً نکلنا ہے، جتنا ممکن ہو دور جانا ہے، اور اپنے منتشر خیالات کو کسی طرح قابو میں لانا ہے۔

"اس بچے کو کیا ہوا؟" عالیار نے دوبارہ سوال کیا۔ "جب تم وہاں سے جا رہی تھیں، وہ کہاں تھا؟ کیا تم نے اُسے دیکھا؟ اور وہ کیلیں؟ کیا تم نے فرش کے نیچے کی سطح دیکھی تھی، یہ جاننے کے لیے کہ وہ کہاں سے نکل رہی ہیں؟"

عالیار کی نظریں اُس پر جمی تھیں، اور وہ اُن نظروں کو چھوڑنے کے قابل نہیں تھی۔ چند لمحے خاموشی میں کٹے۔

"عالیانہ! اُس کمرے میں کوئی اسپیکر نہیں تھے۔ وہ کمرہ مکمل طور پر باہر کی آواز سے محفوظ تھا۔ وہاں صرف کیمرے اور سینسرز نصب تھے۔ وہ ایک سیمولیشن چیمبر تھا۔"

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔" اس کی آواز میں ساری جان نکل گئی۔ وہ ابھی تک یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں غلط تھا۔" عالیار نے اعتراف کیا۔ "تمہیں اُس سیمولیشن میں لے جانے پر میں قصوروار ہوں۔ میں اپنی اس غلطی کو قبول کرتا ہوں۔ میں پہلے ہی اپنے اعمال کے لیے معافی مانگ چکا ہوں۔ میرا مقصد صرف تمہیں۔ تمہارے درد اور جمود سے نکالنا تھا جو تم برسوں سے اپنے اندر لیئے بیٹھی تھی۔ مجھے تمہیں کسی رد عمل پر مجبور کرنا تھا، اور مجھے پتہ تھا کہ اس قسم کی صورتحال تمہارے اندر کوئی نہ کوئی جذبہ جگا دے گی۔ لیکن..."

ایک گہری اور دکھ بھری آہ۔

"تم نے واقعی یہ سوچ لیا کہ میں تمہیں اذیت دینے کے لیے کسی کا بچہ اٹھالوں گا؟" اُس کی آواز دکھ اور اضطراب سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں۔ درد کی کرچیاں تھیں۔ "کیا میں تمہیں اتنا برا لگتا ہوں؟"

"تو وہ حقیقت نہیں تھی؟" اُس نے بے یقینی بھرے لہجے میں پوچھا۔ عالیار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "نہیں، یہ حقیقت نہیں تھی۔ میں نے سیمولیشن کے بنیادی عناصر خود ڈیزائن کیے تھے۔ اصل میں، یہ پروگرام خود بخود سپاہیوں کے شدید رد عمل کے مطابق ترقی کرتا اور خود کو ڈھالتا ہے۔ ہم اسے تربیت کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ سپاہی اپنے مخصوص خوف پر قابو پا سکیں اور کسی حساس مشن کے لیے تیار ہو سکیں۔ ہم تقریباً کسی بھی ماحول کو دوبارہ تخلیق کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو سپاہی جانتے ہیں کہ وہ ایک سیمولیشن میں تب بھی، وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ صرف مشق کر رہے ہیں۔"

اُس نے نظریں جھکا لیں، جب وہ بولا تو اس کی آواز میں کرب تھا۔ "مجھے معلوم تھا کہ یہ تمہارے لیے مشکل ہو گا، لیکن تمہیں تمہارے ٹراما سے نکالنے کے لیے میرا یہ کرنا ضروری تھا۔ یقین مانو، تمہیں تکلیف پہنچانے پر میں بہت افسوس محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ حقیقت نہیں تھا۔" اُس نے بھوری آنکھوں کی لمبی مڑی ہوئی پلکیں اٹھا کر عالیانہ کی جانب دیکھا۔

"تم نے اس کمرے میں میری آواز کا تصور کیا تھا۔ درد، آوازیں، اور وہ تمام خوف تمہارے اپنے ذہن کی تخلیق تھے۔"

"میں تم پر یقین نہیں کرنا چاہتی!" وہ اتنی آسانی سے کیسے یقین کر سکتی تھی۔ یہی تو اس سے نفرت کرنے کی واحد وجہ تھی۔ وہ اتنے مہینوں تک اس نفرت کو اپنے اندر رکھے ہوئے تھی، ایک لمحے میں کیسے وہ اسے مٹا سکتی تھی۔

"تمہیں وہ کپڑے کیوں دیے گئے تھے عالیانہ؟ اس لباس میں ایک خاص کیمیکل شامل تھا جو کمرے میں نصب سینسرز کے ساتھ رد عمل کرتا تھا۔ یہ سب تمہارے ہر قدم کو ٹریک کرنے کے لیے تھا۔"

عالیار نے گہری سانس لی۔ "مجھے کبھی موقع نہیں ملا کہ میں تمہیں یہ سب کچھ سمجھا سکوں۔ میں فوراً تمہارے پاس آنا چاہتا تھا، لیکن میں نے سوچا کہ تمہیں خود کو سنبھالنے کا وقت دینا چاہیے۔ اور یہ میری سب سے بہت بڑی غلطی تھی۔ میں نے انتظار کیا، جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب میں نے تمہیں پایا، تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ تم مجھ سے دور بھاگنے کے لیے تیار تھیں، یہاں تک کہ کھڑکی سے چھلانگ لگانے کے لیے بھی۔"

"بہت اچھی وجہ سے!" وہ غصے سے بولی اور آس پاس پڑے تکیے اٹھا کر اُس کے چہرے پر پھینکنے لگی۔

"تم بہت برے انسان ہو! تم نے یہ سب کیوں کیا جب تمہیں معلوم تھا کہ میں کس حال سے گزر چکی ہوں؟" اُس کی آواز غصے اور شرمندگی سے کانپ رہی تھی۔

عالیار نے دفاعی انداز میں ہاتھ اٹھا لیے۔ "مجھے پتہ ہے کہ میں نے تمہیں تکلیف دی، لیکن میرا مقصد تمہیں مضبوط کرنا تھا۔"

"میں تمہیں دوبارہ گولی مار دوں گی!" وہ غصے سے لال پیلی ہو گئی۔

"مجھے مارنے کے لیے تمہیں گولی کی ضرورت نہیں، تمہارے الفاظ ہی کافی ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"عالیار، میں سچ میں تمہیں...."

"کیا کرو گی؟ ایک اور تکیہ پھینکو گی؟" عالیار کا بایاں بازو عالیانہ کی جانب تھا۔ وہ غصے سے اس کے بازو پر مکے مارنے لگی، جہاں جہاں اس کی پہنچ تھی، مارتی رہی۔ "تم... خود غرض... پاگل انسان!" اس کے مکے بے اثر تھے لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ غصہ اب درد میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ اس کا جسم لرزنے لگا۔

"تم میری ڈائری پڑھ کر سمجھتے ہو کہ تم مجھے جانتے ہو۔ تم مجھے نہیں جانتے۔" اس نے گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے۔

"اوہ!" اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ پھر اس کا ہاتھ تیزی سے عالیانہ کے تکیے کے پاس پڑی نوٹ بک پر گیا، اس نے نوٹ بک اٹھالی۔ "میں نے ابھی اسے مکمل نہیں پڑھا۔" وہ دو انگلیوں کے درمیان اسے تھامے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم یہ مجھے واپس کر دو گے!" وہ غصے میں چیخی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا اور ڈائری کو اپنی جیب میں ڈال دیا۔

"یہیں رہنا۔ میں تمہارے لیے کھانے کا بندوبست کرنے جا رہا ہوں۔"

••••••☆☆☆••••••

دروازے کی آواز سنائی دی۔ عالیانہ نے مڑ کر دیکھا۔

عالیار ایک ٹرے ہاتھ میں لیے چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ عالیانہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بالوں کو پونی ٹیل میں جمع کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اسے ربڑ بینڈ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ اپنے بال باندھ سکے۔ اس کے اندر آتے ہی عالیانہ نے فوراً اپنے بال چھوڑے، اور اس کے بھورے بال اس کے کندھوں سے ہوتے ہوئے کمر تک جا پہنچے۔ عالیار بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھتا رہا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کے کھلے بالوں میں الجھ گیا تھا۔ اس کے بال اچھے خاصے انسان کو بھٹکا دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

"وہ میں بال سمیٹ رہی تھی..." عالیانہ نے خود سے کہا، اور اسے خود بھی سمجھ نہیں آیا کہ اس نے یہ کیوں کہا حالانکہ اس نے پوچھا بھی نہیں تھا۔

عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے خاموشی سے ٹرے بستر کے قریب رکھی۔

جب عالیانہ نے ٹرے میں پانی کا گلاس اور کھانے کی پلیٹیں دیکھیں، تو اسے اپنی بھوک کا شدت سے احساس ہوا۔ اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے آخری بار کب کچھ کھایا تھا۔ شاید وہ صرف اپنی چوٹوں کے لیے دی جانے والی وٹامنز کی بدولت زندہ تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" عالیار نے فرش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود قالین پر بیٹھ گیا۔

عالیانہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ عالیار نے ٹرے اس کے سامنے سرکا دی۔

"شکریہ!" عالیانہ نے دھیمی آواز میں کہا، نظریں کھانے پر مرکوز تھیں۔

ٹرے میں سلاد، چاول، مسالے دار سویٹ پوٹیٹو، ابلی ہوئی سبزیاں، چاکلیٹ پڈنگ کا ایک چھوٹا کپ، اور پھلوں کا ایک پیالہ موجود تھا۔ ساتھ میں دو گلاس پانی بھی رکھے تھے۔

اب اسے افسوس تھا کہ اُس نے وہ کھانا ٹھکرا دیا۔ اُس وقت وہ ایک ڈری ہوئی، کمزور لڑکی تھی۔ اسے صرف لڑنا آتا تھا، اور ناکامی اس کے لیے حیران کن نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی اپنی صحیح حالت میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اب وہ خود کو ایک بالکل مختلف انسان محسوس کر رہی تھی۔ مضبوط، غصے سے بھرپور، اور اپنی زندگی میں پہلی بار آزاد۔

عالیانہ نے اوپر دیکھا۔ عالیار کی اس پر ٹکی تھیں۔ وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کے خیالات جاننا چاہتا ہو۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

عالیانہ نے سویٹ پوٹیٹو کا ٹکڑا کانٹے میں چبھو کر اٹھایا۔ "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ایسے کھانے کو ٹھکرانے کے لیے میں کتنی بے وقوف تھی۔"

عالیار نے ایک ابرو اٹھایا، اور دھیرے سے مسکرا دیا۔ "اس بات سے میں بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔"

اس نے غصے سے اسے گھورا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ اختلاف نہیں رکھتا۔ ہونہہ

"جب تم یہاں آئی تھیں، تم بہت ٹوٹی ہوئی لگ رہی تھیں۔ مجھے لگتا تھا کہ تم کسی بھی لمحے پاگل ہو جاؤ گی اور میرے سپاہیوں پر حملہ کر دو گی۔ مجھے یہ بھی لگا تھا کہ تم سب کو مارنے کی کوشش کرو گی۔ مگر اس کے برعکس، تم نے ضد اور غصے کا مظاہرہ کیا۔ تم نے اپنے گندے کپڑے بدلنے سے انکار کیا اور اس کھانے پر شکایت کی۔"

"پہلے تو مجھے لگا کہ تم کوئی چال چل رہی ہو، تم جان بوجھ کر مجھے بہکانے کی کوشش کر رہی ہو تاکہ میں تمہارے کسی بڑے منصوبے سے بے خبر رہوں۔ مجھے لگتا تھا کہ ایسی معمولی باتوں پر تمہارا غصہ صرف ایک دھوکہ ہے۔" عالیار آنکھوں میں مذاق کی چمک لیے وہ بولا۔

عالیانہ نے بازو سینے پر باندھ لیے، اس کے چہرے پر غصے کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔

"یہ فضول خرچی بالکل بے کار تھی۔ اس سب پر اتنا پیسہ ضائع ہو رہا تھا، جبکہ باہر لوگ بھوک سے مر رہے تھے۔" عالیانہ نے درشتی سے کہا۔

عالیار نے دائیں بائیں سر ہلایا۔ "پوائنٹ یہ نہیں ہے۔ پوائنٹ یہ ہے کہ میں نے تمہیں یہ چیزیں کسی چال کے تحت نہیں دیں۔ یہ کوئی آزمائش نہیں تھی۔ میں تمہیں تمہارے اصولوں پر سمجھوتہ کرنے پر مجبور نہیں کر رہا تھا۔ میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ میں تم پر مہربانی کر رہا ہوں۔ تم اس بری جگہ سے آئی تھیں، میں چاہتا تھا کہ تمہیں آرام دہ بستر ملے، خوبصورت کپڑے پہننے کا موقع ملے۔ اور تمہیں کھانے کی ضرورت تھی۔ تم بھوک سے تقریباً مر چکی تھیں۔"

"شاید، لیکن تم پاگل تھے۔ تم نے مجھے دوسرے سپاہیوں سے بات کرنے سے بھی منع کیا تھا!" اس نے ناراضگی سے جواب دیا۔

"کیونکہ وہ جانور ہیں!" اس کی آواز میں غصہ تھا۔ "تم، جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ قید میں گزارا ہے، تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کتنی خوبصورت ہو، اور اس کا کسی پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ مجھے تمہاری حفاظت کی فکر تھی۔ تم کمزور تھیں اور ایک فوجی اڈے پر تنہا رہ رہی تھیں، جہاں مکمل طور پر مسلح، تم سے دو گنا بڑے فوجی موجود تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ تمہیں ہراساں کریں۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر گہری سانس لی۔"میں نے خان کے ساتھ تمہارے مظاہرے کا تماشا بنایا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ انہیں تمہاری صلاحیتوں کا ثبوت ملے۔ مجھے انہیں دکھانا تھا کہ تم ایک مضبوط انسان ہو، ایک ایسی انسان جس سے دور رہنے میں ہی ان کی بھلائی ہے۔ میں بس تمہاری حفاظت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ عالیار کی آنکھوں میں درد اور مایوسی کی جھلک تھی۔"تم مجھ سے کتنی کم توقع رکھتی ہو عالیانہ۔"اس کے لہجے میں ملال سا تھا۔"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہو کہ میری ہر کوشش جس میں، میں نے تمہاری مدد کرنے کی کوشش کی، تم اسے اتنی سخت تنقید کا نشانہ بناؤ گی۔"

"تو مجھے تم سے اور کیا توقع رکھنی چاہیے تھی؟ میرے پاس تم سے بدترین توقع کرنے کے سوا اور کیا چارہ تھا؟ تم مغرور اور بے ادب تھے۔ تم نے مجھے انسان نہیں، ایک چیز کی طرح سمجھا۔"اس کی آنکھوں کے کٹورے بھرنے لگے تھے

"کیونکہ مجھے ایسا کرنا پڑا!"اسنے آہستگی سے کہا۔"میری ہر حرکت، ہر لفظ، اس وقت نگرانی میں ہوتا ہے جب میں اپنے کمرے سے باہر ہوتا ہوں۔ میری پوری زندگی کا انحصار ایک خاص قسم کی شخصیت کو برقرار رکھنے پر ہے!"وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے دوبارہ لب کھولے۔

"اور اس سپاہی کے بارے میں کیا خیال ہے جسے تم نے ماتھے پر گولی ماری تھی؟ تبریز نواز؟ کیا وہ بھی تمہارے منصوبے کا حصہ تھا؟ نہیں رکو،، وہ بھی صرف ایک سیمولیشن مشق تھی، ہے نا؟"

عالیار پیچھے کو ہو کر بیٹھا۔اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا، اس نے عالیانہ کو اداسی اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں دیکھا۔"نہیں! یہ کوئی مشق نہیں تھی۔"اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

"تو پھر؟ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں؟ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے کہ تم نے ایک انسان کو اس لیے مار ڈالا کہ اس نے تھوڑا سا اضافی کھانا چرا لیا؟ کیونکہ بالکل تمہاری طرح، وہ بھی زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا؟"

عالیار نے ایک لمحے کے لیے اپنی بھنویں اچکائیں، پھر اپنے ہاتھ گود میں رکھ لیے۔"واہ! کتنی جلدی تم اس کا دفاع کرنے لگیں۔"

"وہ ایک معصوم انسان تھا۔وہ مرنے کا مستحق نہیں تھا، نہ اس بات پر، نہ اس طرح۔" اس نے غصے اور افسوس سے کہا۔

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہا، پھر آہستہ سے نظریں جھکا کر اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگا، جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔"میں اکثر کمپاؤنڈز کا دورہ کرتا ہوں۔میں اپنے شہریوں کی زندگیوں پر گہری نظر رکھتا ہوں۔مجھے یہ جاننا ضروری لگتا ہے کہ وہ کون ہیں اور کیسے جی رہے ہیں۔شاید مجھے پرواہ نہیں کرنی چاہیے، لیکن میں کرتا ہوں۔اس لیے میں جانتا تھا کہ پرائیویٹ تبریز نواز، ہر رات اپنی بیوی اور بچوں کو مارتا تھا۔"ایک لمحے کا توقف۔

"میں جانتا تھا کہ وہ سارا پیسہ شراب پر خرچ کرتا ہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کو بھوکا رکھتا ہے۔ میں نے اس کی خرچ کی ہوئی رقم کی نگرانی کی جو وہ ہمارے سپلائی مراکز پر خرچ کرتا تھا۔ میں نے اس کے خاندان کو قریب سے دیکھا۔ مجھے پتا تھا کہ اس کے تینوں بچے دس سال سے کم عمر کے ہیں اور وہ ہفتوں سے کھانا نہیں کھا رہے۔"

"میں جانتا تھا کہ وہ ٹوٹی ہوئے ہڈیوں کے ساتھ بار بار کمپاؤنڈز کے میڈیک کے پاس جاتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ اس نے اپنی دس سالہ بیٹی کے منہ پر مکا مارا، جس سے اس کے ہونٹ پھٹ گئے، جبڑا ٹوٹ گیا، اور اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ میں جانتا تھا کہ اس کی بیوی حاملہ ہے، اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے ایک رات اسے اتنا مارا کہ اگلی صبح وہ بچہ کھو بیٹھی۔ میں جانتا تھا کیونکہ میں وہاں تھا۔" وہ یک تک اسے دیکھے گئی۔ بے یقینی سے۔ حیرت سے۔ شل ہوتے وجود سے۔

"میں ہر رہائشی علاقے میں جاتا ہوں، شہریوں سے ملاقات کرتا ہوں، ان کے صحت کے حالات اور رہائشی حالات کے بارے میں سوالات پوچھتا ہوں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کے کام کے حالات کیا ہیں اور اگر ان کے کسی خاندان کے فرد کو بیماری ہے تو کیا اسے قرنطینہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس دن بھی میں دورے پر گیا تھا، اس دن وہ بھی وہاں تھی، تبریز کی بیوی۔ اس کی ناک بری طرح ٹوٹی ہوئی تھی، اس کی دونوں آنکھیں سوج کر بند ہو چکی تھیں۔ اس کا رنگ اتنا زرد تھا کہ مجھے لگا وہ گر جائے گی۔ جب میں نے اس کی چوٹوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے میری آنکھوں میں نہیں دیکھا۔ اس نے کہا

کہ وہ گر گئی تھی۔اس نے کہاکہ گرنے کی وجہ سے اس نے اپنا حمل ضائع کر دیااور اسی دوران اس کی ناک ٹوٹ گئی۔" عالیار نے سر ہلایا، پھر آہستہ سے کہا۔"میں نے اس کے تعاون کا شکریہ ادا کیااور پھر اگلے دن اسمبلی کا اعلان کیا۔"

"میں بخوبی جانتاہوں کہ میرے زیادہ تر فوجی اسٹور تیج کمپاؤنڈز سے چوری کرتے ہیں۔ میں اپنے ذخیرے کی قریب سے نگرانی کرتاہوں، میں ہمیشہ سے جانتاہوں کہ سپلائیز کم ہوتی ہیں لیکن میں خاموشی سے ان خلاف ورزیوں کو اس لیے برداشت کرتاہوں کیونکہ یہ میرے نظام کو متاثر نہیں کرتیں۔روٹی کے چند اضافی ٹکڑے یا صابن کی چند اضافی گولیاں میرے سپاہیوں کی صحت کو بہتر بناتی ہیں۔اگر وہ صحت مند ہوں گے تو وہ زیادہ محنت کریں گے،اپنے بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو بہتر طریقے سے پال سکیں گے۔تو یہ ایک رعایت ہے جو میں اپنے سپاہیوں کو دیتاہوں۔لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میں معاف نہیں کرتا۔میں اپنے آپ کو اخلاقی آدمی نہیں سمجھتا۔میں زندگی کے بارے میں فلسفہ نہیں کرتا، میں قوانین اور اصولوں کی بات نہیں کرتا، میں صحیح اور غلط کے درمیان فرق جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔لیکن میں ایک خاص ضابطے کے تحت زندگی گزارنے کی کوشش کرتاہوں۔میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا،اور اب بھی بتا رہاہوں کہ زندگی می کبھی کبھار آپ کو پہلے گولی چلانے کا طریقہ سیکھنا پڑتاہے۔تبریز نواز اپنے خاندان کا قتل کر رہا تھا،اور میں نے اس کے ماتھے پر گولی ماری کیونکہ مجھے لگاکہ یہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بہتر تھا۔"اس کی بھوک اچانک ختم ہو گئی۔"میں نے کبھی یہ نہیں کہاکہ میں صحیح ہوں یا میں اچھاہوں۔میں نے کبھی اپنے اعمال کے جائز

ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، اور یقین مانو مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ مجھے اپنی زندگی میں کتنے بھیانک کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے اور میں تمہاری معافی یا منظوری کا طلبگار نہیں ہوں۔ کیونکہ میرے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ میں ہر دن اخلاقیات پر غور کروں۔" عالیار نے عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا جہاں شاید نمی تھی۔" تم مجھے جتنا چاہو، جج کر سکتی ہو، لیکن ایک بات یاد رکھنا میرے پاس اُس شخص کے لیے کوئی رحم نہیں، جو اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ مجھے ایسا شخص برداشت نہیں جو اپنے بچوں کو مارتا ہے۔ تبریز نواز اپنے خاندان کو ختم کر رہا تھا اور مجھے کوئی پچھتاوا نہیں کہ میں نے اُس جیسے شخص کو مارا۔ تم اسے جو بھی نام دینا چاہو دے سکتی ہو، لیکن میں کبھی افسوس نہیں کروں گا کہ میں نے اُس شخص کو مارا جو اپنی بیوی کا سر دیوار سے مارتا تھا، جو اپنی دس سالہ بیٹی کے چہرے پر ہاتھ اٹھاتا تھا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے اور نہ ہی میں معافی مانگوں گا۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ اگر ایک بچہ باپ کے بغیر بہتر ہے اگر باپ ایسا ہو، ایک بیوی شوہر کے بغیر بہتر ہے، اگر شوہر ایسا ہے۔" اس کے گلے کی سخت حرکت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بہت کچھ ایک ساتھ اندر نگلا تھا۔" مجھے معاف کر دو ، عالیار میں..." وہ شرمندگی سے بولنے لگی، لیکن عالیار نے درشتی ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔" اِٹس اوکے۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔ اب اس کی نظریں کھانے کی پلیٹوں پر مرکوز تھیں جو بغیر چھوٹے پڑی تھیں۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اور افسوس کے ساتھ مجھے دوبارہ کہنا پڑ رہا ہے، کہ تم میرے فیصلوں کو نہیں سمجھتیں۔ تم نہیں جانتیں کہ میں نے کیا کیا دیکھا ہے، اور ہر روز

کیا کیا برداشت کرتا ہوں۔" وہ رکا" اور میں نہیں چاہتا کہ تم یہ سب جانو، لیکن میرے فیصلوں کو سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" اس نے آخر کار پلکیں اٹھا کر عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا۔" کیونکہ اگر تم ایسا کرو گی تو تمہیں صرف مایوسی ہی ملے گی۔ اور اگر تم میرے کردار کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے اتنی بے تاب ہو تو میرا ایک ہی مشورہ ہے، 'ہمیشہ غلط ہونے کے تصور کو فرض کر لو۔'" ایک آخری نگاہ اس پر ڈال کر وہ اٹھا، آستینیں کہنیوں تک موڑیں۔

"تمہاری الماری میرے کمرے میں شفٹ کر دی گئی ہے۔ اگر تم کپڑے تبدیل کرنا چاہو تو تمہارے لیے وہاں کپڑے موجود ہیں۔ بستر اور باتھ روم تمہارے لیے ہیں۔ مجھے کچھ کام کرنا ہے، میں اپنے آفس میں سو جاؤں گا۔"

اس نے آفس کا اٹیچڈ دروازہ جو کمرے کی داہنی طرف تھا، کھولا، اندر داخل ہوا اور دروازہ پیچھے سے بند ہو گیا۔

عالیانہ کا کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ آلوؤں کو کریدتی رہی اور خود کو زبردستی کھانے پر مجبور کیا، حالانکہ اُس کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اُس نے عالیار کو حد سے زیادہ دھکیل دیا ہے۔ اس انکشافات ختم ہو چکے ہیں، لیکن وہ غلط تھی۔ عالیار کے بارے میں اور کتنی باتیں باقی ہیں، اور آنے والے دنوں اور مہینوں میں اُس کے بارے میں اور کیا کچھ جاننے کو ملے گا۔ وہ ڈر رہی تھی۔

جتنا وہ اس کے بارے میں جانتی جا رہی تھی، اُتنا ہی اُس کے پاس اُس سے دور رہنے کے بہانے ختم ہوتے جا رہے تھے۔ عالیار اُس کے سامنے کھل رہا تھا، ایک ایسی شخصیت میں ڈھل رہا تھا جسے وہ چاہ کر بھی نظرانداز نہیں کر پا رہی تھی۔

اُس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ عالیار کو یہ احساس نہیں ہو گا کہ وہ اُس سے کتنی نفرت کرتی ہے۔ لیکن اب وہ سمجھنے لگی تھی کہ عالیار خود کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ اپنے اعمال کو جرم یا گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ شاید اُس کے دل میں یہ یقین تھا کہ عالیانہ اُسے اتنی ہی آسانی سے سمجھ لے گی جتنا وہ اُسے سمجھتا تھا۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اُسے سمجھ نہیں سکی۔ اُس نے اس کو کبھی صحیح معنوں میں نہیں سمجھا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ اُس نے عالیار کو مایوس کیا ہے؟

لیکن... اُسے اس کی پروا کیوں تھی؟

اُس کا ذہن سوچ سوچ کر تھک چکا تھا۔ عالیار کی وہ بات یاد آتے ہی کہ اُس کی الماری اب اُس کے کمرے میں موجود ہے، اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ مگر کمرے میں کوئی دوسرا دروازہ نظر نہیں آیا، سوائے اُس آفس کے، جس کا دروازہ لاک تھا اس عالیانہ کے ذہن میں لمحہ بھر کے لیے خیال آیا کہ شاید اُسے آفس کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے، مگر اُس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور دیواروں کا بغور جائزہ لینے لگی۔ اچانک اُس کی نظر ایک بٹن پر پڑی۔

یہ بٹن دیوار کے ساتھ اتنا ہموار تھا کہ اگر خاص طور پر نہ دیکھا جائے تو شاید نظر بھی نہ آئے۔

اس نے تجسس کے مارے بٹن دبایا۔ دیوار میں ایک پینل آہستہ سے اپنی جگہ سے سرکا۔ جب وہ اُس کے پار گئی تو کمرہ خود بخود روشن ہو گیا۔

یہ کمرہ اُس کے بیڈروم سے زیادہ بڑا تھا۔ دیواریں اور چھت سفید پتھر کی بڑی سلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں، جو فلورو سینٹ روشنی کی کرنوں میں چمک رہی تھیں۔ فرش پر مشرقی قالین بچھے ہوئے تھے، جن کی بناوٹ اور نقش و نگار نہایت نفیس اور نمایاں تھے۔ کمرے کے بالکل وسط میں نیلمی سبز رنگ کا ایک چھوٹا سا صوفہ رکھا ہوا تھا، یہ عام صوفہ نہیں تھا، یہ صوفہ بغیر پشت کے بڑے تخت کی مانند تھا، جو کسی قدیم اور شاہانہ ذوق کی عکاسی کر رہا تھا۔ صوفے کے بلکل ساتھ وکٹورین طرز کا آئینہ دیوار سے چسپاں تھا۔ وہ اس جگہ کی خوبصورتی میں اتنی کھو گئی تھی کہ اُسے کپڑوں کی موجودگی کا خیال ہی نہ آیا۔

کپڑے۔ وہ ہر جگہ موجود تھے، جیسے یہ کوئی قیمتی فن پارے ہوں۔ دیواروں میں لکڑی کے یونٹ بنے ہوئے تھے، جن کے شیلفوں پر جوتوں کی قطاریں ترتیب سے سجی ہوئی تھیں۔ دیواروں کے ساتھ کپڑوں کے ریکس تھے، جن پر مختلف قسم کے ملبوسات ترتیب وار لٹکے تھے۔ ہر چیز رنگوں کے مطابق منظم کی گئی تھی۔

کمرے میں کوٹ، جوتے، پینٹس اور شرٹس کی اتنی بڑی تعداد تھی کہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے کپڑے ایک ساتھ نہیں دیکھے تھے۔ ہر طرف ٹائیز، بوٹائیز، بیلٹس، مفلرز، دستانے اور کف لنکس سجے ہوئے تھے۔

کپڑوں کی بناوٹ کا مواد ریشم، کرڑک کاٹن، اور اُون سے بنا تھا جو نہایت اعلیٰ اور مہنگے تھے۔ ڈریس شوز اور چمڑے کے جوتے اپنی اپنی جگہ پر رکھے تھے۔ وہ کپڑوں کے مختلف مواد کو چھو رہی تھی، یہ سوچتے ہوئے کہ ان میں سے کتنے کپڑے عالیار نے واقعی پہنے ہوں گے۔

یہ بات ہمیشہ سے واضح تھی کہ عالیار اپنی ظاہری حالت کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اُس کے کپڑے ہمیشہ بہترین ہوتے تھے۔ وہ ہمیشہ سوچتی تھی کہ عالیار نے اس جیسی لڑکی کے لیے، کپڑوں کی الماری کو ترتیب دینے پر اتنی محنت کیوں کی۔ رنگوں کے شیڈز سے لے کر لباس کا کپڑا۔ سب پرفیکٹ تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ عالیار اسے نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا ہے، صرف اس لیے کہ اس نے کبھی ایسے کپڑے نہیں دیکھے۔ اب اُسے سمجھ آئی کہ اس نے اُس کے کپڑوں کو لے کر اتنی محنت کیوں کی تھی۔ وہ اُسے نیچا نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ بلکہ اس کو یہ سب پسند تھا۔ عالیار حیدر! درستور کے سپریم کمانڈر کا بیٹا۔ اسے فیشن سے محبت تھی۔ اسے فیشن کا ذوق تھا۔ وہ اپنے فیشن کے معاملے میں کتنا محتاط ہے، اُس کی الماری اُس کی شخصیت کی عکاسی کر رہی تھی۔

جب اُس کی حیرت کا احساس ختم ہوا، تو اُس نے اپنی پرانی الماری کو کمرے کے ایک کونے میں پایا۔ وہ اس جگہ کے سامنے بے جوڑ لگ رہی تھی۔

اُس نے جلدی سے درازوں کو چیک کیا۔ عالیار نے اُس کی تمام ضروریات پہلے ہی پوری کر دی تھیں۔ الماری کپڑوں سے بھری ہوئی تھی، اور پہلی بار اُسے اُن کپڑوں کی قدر محسوس ہوئی۔

وہ الماری سے پرنٹڈ نائٹ سوٹ نکال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ جیسے ہی وہ نکلی، کمرے کی روشنیاں خود بخود بجھ گئیں، اُس نے پینل بند کر دیا، دروازہ دوبارہ سرک کر بند ہو گیا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے، وہ باتھ روم کی طرف بڑھی، اس ارادے سے کہ شاور لینے اور کپڑے بدلنے کے بعد فوراً بستر سو جائے گی۔ آج کا دن اس کے لیے نہایت طویل اور تھکا دینے والا ثابت ہوا تھا۔ لیکن اُس نے اپنے ذہن میں ایک فیصلہ کر لیا تھا، چاہے جو بھی ہو، اُسے سکندر سے بدلہ لینا ہے، چاہے یہ کام اُسے اکیلے ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

••••••☆☆☆••••••

اُس نے دیکھا وہ ایک صحرا میں کھو گئی ہے۔ اُس نے دیکھا کہ وہاں سنہری دھوپ، سنہری ریت کے علاوہ کوئی زندہ روح نہیں ہے... وہ تپتی دھوپ پر قدم اُٹھا رہی تھی، اُس کے قدم پہاڑوں سے بھی بھاری تھے۔ پھر منظر بدل گیا۔ اس تپتے صحرا میں یکدم کالے طوفانی بادل آ گئے۔ اُس نے خود کو قبرستان میں بیٹھا پایا..۔ اُس کے سامنے چار قبریں موجود تھیں، جو ایک سیدھ میں تھیں۔ قبروں کی مٹی تازہ تھی اور اُن پر بکھری ہوئی

گلاب کی پنکھڑیاں اس بات کا ثبوت تھیں کہ یہ قبریں زیادہ پرانی نہیں تھیں۔ شاید ایک یا دو دن پہلے ہی بنی تھیں۔ قبر کی تختیوں پر لکھے نام وہ پہچانتی تھی... پہلی قبر پر ارسل ابراہیم! دوسری کیسر، تیسری داس کی اور چوتھی معاذ کی تھی۔ وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل قبروں کے پاس بیٹھ گئی۔ اب بارش دھڑا دھڑ برسنے لگی تھی۔ قبرستان کی تازہ مٹی اسے گدلا کر چکی تھی، اُس کے ہاتھ کیچڑ سے بھرے تھے، اُس کے چہرے پر بھی کیچڑ لگا تھا۔ وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔ اُس کی تقدیر اتنی ظالم نہیں ہو سکتی... منظر دوبارہ بدلا۔ اس نے دیکھا وہ سیاہ لباس پہنے ہوئے ہے۔ سیاہ رنگ۔ سیاہ بخت۔ اُس نے دیکھا ایک قبر... ایک قبر جو کھودی جا رہی ہے... ایک قبر جس میں میت بالکل اُس کی دائیں جانب رکھی گئی ہے۔ اُس نے ہمت کر کے چہرہ دائیں جانب موڑا... اور وہ مر جانے کے قریب تھی۔ اُس کی چیخ حلق میں دم توڑ گئی... اُس کا سانس بند ہو گیا... عالیار... عالیار سفید کفن میں... اس کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔ سانسیں چھوٹے چھوٹے وقفوں میں آ رہی تھیں اور اس کا سینہ اتنا بھاری محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے گلا بند ہو رہا ہو۔ وہ چیخنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن چیخ نہیں پا رہی تھی۔ رکنے کا کوئی امکان نہیں تھا، وہ بے قابو ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہی تھی ہر ممکن طریقے سے سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن سب بے سود تھا۔ کوئی اس کی مدد کو نہیں آ سکتا تھا۔ کوئی یہ نہیں جان پائے گا کہ وہ مر رہی ہے کہ اس کے سینے میں ایک گہرا زخم ہے، جس سے خون بہہ رہا ہے۔ گرم خون اس کے ارد گرد پھیل رہا تھا اور وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔

"عالیانہ!" کسی نے اسے پکارا۔ "عالیانہ!" ایک آشنا سی آواز۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑاتے ہوئے اٹھی۔ وہ بولنے سے قاصر تھی۔ کچھ بھی کرنے سے معذور، وہ بس زیادہ سے زیادہ سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا، جلد پسینے میں بھیگی ہوئی تھی اور جسم ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ اس کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔ خواب کی دہشت اسے چھوڑنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

عالیار کے ہاتھ اس کے چہرے پیالہ کی مانند تھے۔ "میری طرف دیکھو۔" عالیار نے نرمی سے کہا۔ اس نے خود کو عالیار کی آنکھوں میں دیکھنے پر مجبور کیا، اس کی سانسیں اب بھی ہلکی ہلکی کانپ رہی تھیں۔

"سب ٹھیک ہے۔" عالیار نے اس کے گالوں کو تھامے ہوئے سرگوشی کی۔ اس کے اپنے قریب ہونے کا احساس ہمیشہ سکون دیتا تھا۔ تحفظ دیتا تھا۔

"شاید تم نے ایک برا خواب دیکھا ہے۔ ناک سے سانس لینے کی کوشش کرو۔" اس نے ہدایت دی۔ اس کا ہاتھ اب بھی اس کے چہرے پر تھا۔ اس نے اس کے کہنے کے مطابق ناک سے سانس لیا۔ ایک بار، دو بار، تین بار۔

"بالکل ایسے ہی۔ تم بالکل ٹھیک ہو۔ میں ہوں تمہارے پاس۔" اس کی آواز اتنی نرم، اتنی خوبصورت اور اتنی شفقت سے بھری تھی کہ اس کو کچھ سکون محسوس ہوا۔

وہ پلکیں نہیں جھپکا پا رہی تھیں، اسے خوف تھا کہ اگر اس نے پلک جھپکائی تو دوبارہ اسی خواب میں واپس چلی جائے۔ اس کا وجود اب بھی کپکپا رہا تھا۔ عالیار بستر کے کنارے پر

بیٹھا تھا۔اس کے خوف کو محسوس کر کے عالیار نے بڑی نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اس طرح جیسے وہ کہنا چاہ رہا ہو اگر وہ چاہے تو پیچھے ہٹ سکتی ہے، فیصلہ اُس کا ہے۔اس کے لمس میں تحفظ تھا۔عالیانہ نے آنکھیں بند کر لیں۔اسے اس وقت اس انسان کی ضروت تھی۔عالیار نے آہستگی سے اس کے بالوں کو سہلایا ۔وہ اپنے کان کے نیچے اس کی دھڑکن محسوس کر سکتی تھی۔وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔

"میں تمہیں تب تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتیں۔فکر نہ کرو۔اپنا وقت لو۔میں ہوں تمہارے ساتھ۔"اس نے آہستہ سے کہا تھا۔اس کی بند آنکھوں سے ایک آنسو لڑھک کر عالیار کے دل پر کہیں جذب ہوا تھا۔

کچھ پل یوں ہی گزرے۔اس کا دل نارمل دھڑکن پر واپس آچکا تھا، کندھے آرام محسوس کرنے لگے تھے۔اس کے ہاتھوں کی لرزش بھی تھم چکی تھی۔ اگرچہ وہ اب رو نہیں رہی تھی آنسو پھر بھی بہتے جا رہے تھے۔اس کے اندر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔بار بار وہ قبریں اور سفید کفن میں لپٹا عالیار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔

عالیار نے اس کے اندر کی اس تبدیلی کو بھانپ کر اسے خود سے الگ کیا،اس کے پیچھے تکیے رکھ کر اسے ٹیک لگوائی اور کمبل اس کے کندھوں کے گرد لپیٹا اور اس کے آخری آنسو پونچھے۔کچھ پل یوں ہی گزرے پھر عالیار بیڈ کے کنارے پر اس کے قریب ہو کر بیٹھا،اور کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔اس لمس میں اپنائیت تھی۔وہ اسے پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔"اس نے اس کے خواب کے بارے میں نہیں پوچھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ خواب بتانے کی حالت میں نہیں ہے۔

"تم سوئے نہیں؟اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا جب اسے احساس ہوا کہ ابھی رات کا وقت ہے اور عالیار اب تک مکمل لباس میں ہے۔

"میں؟ہاں" مدھم روشنی میں بھی اس کی آنکھیں چمک رہی تھی۔"میں جلدی سونے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ٹائم کیا ہوا ہے؟"اب وہ زیادہ آسانی سے بات کر رہی تھی۔

"رات کے تین بج چکے ہیں۔"

"چند گھنٹوں میں ہمیں جاگنا نہیں تھا؟"اب حیران ہونے کی باری عالیانہ کی تھی۔

"ہاں!لیکن میں اتنی جلدی سو نہیں پاتا۔میرا دماغ خاموش نہیں ہوتا۔"عالیار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔پھر وہ اٹھا اور مڑ کر جانے لگا۔

"کیا تم کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتے ہو،جب تک میں سو نہ جاؤں؟"یہ الفاظ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلے تھے۔وہ خود نہیں جانتی تھی کہ اس نے یہ کیوں کہا۔شاید اس لیے کہ رات کا وقت تھا اور وہ اب بھی ڈر رہی تھی۔شاید عالیار کا قریب ہونا اس کے خواب کو بھلا دے گا۔

وہ دوبارہ اس کے بستر کے کنارے پر بیٹھا۔ نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ ایک نظر اس کو دیکھا پھر سامنے سیدھ میں دیکھنے لگا۔ عالیانہ کا ہاتھ اب بھی عالیار کے ہاتھ میں تھا۔ ایک تحفظ کا احساس۔ اس کے ہاتھ گرم تھے۔

"تم میرے لیے سب کچھ مشکل بنا دیتی ہو۔" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا؟"

"یہ سب جو تم کر رہی ہو۔" ایک لمحے کا توقف۔ "پچھلی بار، میں نے سوچا تھا کہ میں تم سے دور ہو جاؤں گا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ تم نے جو میرے ساتھ کیا، اس کے لیے تم سے نفرت کروں گا، لیکن میں نہیں کر پایا۔ کیونکہ تم اسے مشکل بنا دیتی ہو۔ کیونکہ تم کھیل برابر نہیں رکھتیں۔ تم جا کر خود کو گولی لگوا لیتی ہو۔ تم برے خواب دیکھ کر ڈر جاتی ہو اور اس سب میں تم مجھے بہکا دیتی ہو۔" وہ اپنی مڑی ہوئی لمبی پلکوں والی بھوری آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ "اور پتہ نہیں کیوں تمہارے معاملے میں، میں چاہ کر بھی خود کو مضبوط نہیں کر پاتا۔"

صرف چند جملوں میں اس نے اُس کی بھرپور کوششوں کو خاک میں ملا دیا کہ وہ بھول جائے کہ اُس نے عالیار کے ساتھ کیا کیا۔

اس نے عالیار کو دیکھا، جواب اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک عالیار کا چہرہ بدلا۔ وہ پریشان نظر آنے لگا۔

"کیا ہوا؟ تمہیں اب بھی ڈر لگ رہا ہے؟"

عالیار اُس کے عمومی جذبات کو محسوس کر سکتا تھا۔ایک لمحے کے لیے وہ کہنا چاہتی ہے، نہیں۔ وہ ڈر نہیں رہی۔ وہ خوف میں مبتلا ہے۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اسے اچھا لگنے لگا ہے۔ وہ اس سے نفرت نہیں کرتی۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ نہیں کہا۔

اِس کے بجائے اس نے پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتہ میں ڈر رہی ہوں؟"

"تم کانپ رہی ہو۔" اس نے اس کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔

"اوہ۔" کاش ایسے لمحوں میں اُس کے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ وہ اُس سے نظریں ہٹا سکتی۔ کاش اُس کے گال اتنی آسانی سے سرخ نہ ہو جاتے۔

"نہیں! میں ڈر نہیں رہی۔ میں بس حیران ہوں۔" عالیار خاموش رہا، پر اُس کی آنکھیں وضاحت مانگ رہیں تھیں۔ وہ اتنے مختصر عرصے میں اُس کے لیے مانوس اور اجنبی دونوں ہو چکا تھا۔ وہ بلکل بھی ویسا نہیں تھا جیسا وہ سوچتی تھی۔

"تم دنیا کو یہ سوچنے دیتے ہو کہ تم ایک بے دل قاتل ہو اور تم ویسے نہیں ہو۔"

عالیار ہنسا۔اُس کی بھنویں حیرت سے اُٹھ گئیں۔ "نہیں! میں بس ایک معمول کا قاتل ہوں۔"

"لیکن کیوں؟ کیوں تم اتنے بے رحم ہونے کا دکھاوا کرتے ہو؟ تم لوگوں کو اپنے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کرنے دیتے ہو؟"

اس نے گہری سانس لی اور اپنی شرٹ کی اُوپر چڑھی آستینوں کو دوبارہ کہنیوں تک اوپر کیا۔ وہ اُس کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی۔ اُس کی نظریں، اس کی شرٹ کی آستینوں سے کسرتی بازوؤں پر ٹھہر گئیں۔ پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ اُس کے بازوؤں پر فوجی ٹیٹو نہیں ہیں، جیسے باقی سب کے ہوتے ہیں۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ لوگ جو چاہیں سوچیں، مجھے ان کی توثیق کی نہ ضرورت ہے، نہ خواہش۔" اس نے بے نیازی سے کہا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا کہ لوگ تمہیں اتنی سختی سے پرکھتے ہیں؟"

"مجھے کسی کو متاثر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس ایسا کوئی نہیں جس کو میں متاثر کروں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو اس بات کی پرواہ کرے کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ میں دوستیاں بنانے کے چکر میں نہیں ہوں۔ میرا کام ایک فوج کی قیادت کرنا ہے، اور اس چیز میں، میں ماہر ہوں۔" ایک لمحے کا توقف۔

"کوئی بھی میرے کارناموں پر فخر نہیں کرے گا۔ میری ماں اس دنیا سے جا چکی ہیں۔ میری بہن مجھے پہچانتی بھی نہیں۔ میرے بابا مجھے کمزور اور ناکام سمجھتے ہیں۔ میرے سپاہی مجھے مرا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے اتنی لمبی بات نہیں کی، جتنی تم سے کر رہا ہوں۔ تم سے کی جانے والی گفتگو سب سے لمبی گفتگو ہے، جو میں نے کبھی کسی سے کی ہے۔"

"واقعی؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"واقعی۔"اس نے سر ہلا کر اس کی تصیح کی۔

" تم اس ساری معلومات پر مجھ پر بھروسہ کرتے ہو؟ تم مجھ سے اپنے راز کیوں بانٹ رہے ہو عالیار؟"

اس کی آنکھوں میں یک دم اندھیرا چھا گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ خالی ہو گئیں۔ اُس نے اس سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیوار کی طرف دیکھا۔"ایسے سوالات مت پوچھو جن کے جواب تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ دو بار...."اس کے حلق میں ایک گلٹی معدوم ہوئی۔ بہت کچھ ایک ساتھ اندر اترا تھا۔"دو بار میں نے اپنے آپ کو تمہارے سامنے کھولا۔ پہلی بار، مجھے گولی کا زخم اور دوسری، مجھے بار ٹوٹا ہوا دل ملا۔ مجھے ازیت مت دو عالیانہ۔ میرے جیسے شخص کے لیے بھی ، یہ رویہ بہت تکلیف دہ ہے۔"کچھ پل کی خاموشی۔ اس کی آنکھوں کے کٹورے دوبارہ سے بھرنے لگے۔

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔ ارسل تمہارے لیے کیا ہے؟"

وہ اس سوال کا جواب دینے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ بے زبان ہو گئی۔ ارسل کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ وہ کہاں ہو سکتا ہے؟ اس کے مستقبل میں کیا ہے؟ یہ سوال اسکے ذہین میں گھومنے لگے۔ وہ صرف امید کا دامن تھامے ہوئے تھی کہ وہ زندہ ہو گا۔ وہ باہر، مشکلات کے باوجود، زندہ ہو گا۔ وہ اتنی مشکل زندگی کے بعد بھی زندہ رہا تھا، اب بھی زندہ ہو گا۔ تو اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور درست الفاظ تلاش کرنے کی کوشش کی، جب اس نے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ عالیار اُسے گھور رہا ہے،

اُس سوال کا جواب چاہتا ہے جو شاید وہ دل میں بہت عرصے سے دبائے ہوئے تھا۔ ایسا سوال جو اُسے اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ اور وہ جواب کا حق رکھتا تھا۔ خاص طور پر جو کچھ اُس نے اُس کے ساتھ کیا۔

تو اُس نے ایک اور گہری سانس لیا۔

"یہ ایسی بات نہیں ہے جس کی میں وضاحت کر سکوں۔ وہ میرا پہلا دوست تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مجھے عزت دی۔ جس نے مجھ سے محبت کی۔ اور سب سے بڑھ کر وہ ہمیشہ میرے ساتھ مہربان رہا ہے۔"

"وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ مہربان رہا ہے؟" اس نے دہرایا۔ ابرو اٹھایا۔ سر نفی میں ہلایا جیسے وہ کچھ سمجھ نہ رہا ہو۔

"ہاں۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ عالیار نے ایک کڑوی، کھوکھلی سی ہنسی ہنسی۔

"مجھے یقین نہیں ہو رہا۔ پچھلے کئی دنوں سے یہ سوال مجھے اندر سے کھائے جا رہا ہے۔ میں مسلسل یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ شروع میں تم نے مجھے سمجھنے کی اتنی کوشش کیوں کی؟ صرف اس لیے کہ آخر میں میرے دل کو چیر سکو؟ اُس آدمی کے لیے تم نے دوسری بار میرا دل توڑا۔ میں سوچتا رہا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت بڑی وجہ ہو گی، کوئی ایسی بات جو میری نظر سے اوجھل ہے، کوئی ایسی حقیقت جو میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔

اور میں اسے قبول کرنے کے لیے تیار تھا۔ میں نے خود کو مجبور کیا کہ میں یہ قبول کر لوں کیونکہ میں نے سوچا تمہاری وجوہات گہری ہیں۔ میری محدود سوچ سے بالاتر۔ اگر

تمہیں کوئی ایسا شخص مل گیا ہے جو تمہیں مجھ سے زیادہ خوشی دے سکتا ہے ، تو میں تمہیں چھوڑنے کے لیے تیار تھا، کیونکہ تم اس کے حقدار ہو۔ میں نے خود کو قائل کیا کہ تمہیں مجھ سے زیادہ ملنا چاہیے، مجھ سے بہتر، مجھ سے زیادہ قیمتی۔ کوئی ایسا جو تمہیں وہ سب دے سکے جو میں نہیں دے سکتا۔ کوئی ایسا جو میری حقیر پیشکشوں سے بڑھ کر ہو۔"

عالیار نے تلخی سے سر ہلایا۔ "لیکن یہ؟ یہ وضاحت؟ تم نے اسے اس لیے چنا کیونکہ وہ تمہارے ساتھ مہربان تھا؟ کیونکہ اُس نے تمہیں تھوڑی سی توجہ دی؟ کیونکہ اُس نے تمہیں معمولی سی چیرٹی آفر کی؟"

"یہ چیرٹی نہیں ہے!" وہ غصے سے سیدھی ہوئی اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ کی جانب دیکھا وہ بھول گیا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہے۔ "وہ میری پرواکرتا ہے، اور میں اس کی پرواکرتی ہوں!"

عالیار نے سرد مہری سے سر ہلایا، وہ اس کی باتوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہیں ایک کتا پالنا چاہیے۔ میں نے سنا ہے ان میں بھی یہی خصوصیات ہوتی ہیں۔"

"تم ناقابلِ یقین ہو! میں جانتی ہوں میرا، ارسل کے ساتھ تعلق تمہارے لیے معنی نہیں رکھتا لیکن...."

"تمہارا تعلق؟" عالیار آواز کے ساتھ ہنسا۔ "کون سا تعلق؟ کیا وہ تمہارے بارے میں کچھ بھی جانتا ہے؟ کیا وہ تمہیں سمجھتا ہے؟ کیا وہ تمہاری خواہشات، تمہارے خوف، تمہارے دل میں چھپی سچائیوں کو جانتا ہے؟"

"تم جانتے ہو؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"تمہیں اچھی طرح جانتی ہو کہ میں جانتا ہوں! اور میں اپنی جان پر شرط لگانے کو تیار ہوں کہ اسے اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہے کہ تم حقیقت میں کیسی ہو۔ تم اُس کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے، اُس کے سامنے ایک معصوم لڑکی بننے کی اداکاری کرتی ہو، ہے نا؟ تمہیں ہمیشہ یہ ڈر ہوتا تھا کہ کہیں وہ تمہارے بارے میں زیادہ نہ جان لے۔ تمہیں ڈر ہوتا تھا کہ کہیں تم زیادہ نہ بول دو۔" یہ سچ تھا۔ وہ اس کے سامنے ایسا ہی محسوس کرتی تھی۔ ڈرا ہوا۔ گھٹا گھٹا۔ کاش وہ اسے بتا سکتی جس شخص سے وہ اتنی نفرت کرتا وہ اس کا اپنا خون ہے وہ۔ اس کا بھائی ہے۔ لیکن ارسل نے اسے منع کیا تھا، اور یہ ارسل کا راز تھا۔ یہ اس کے بتانے کی بات نہیں تھی۔

"تم کچھ نہیں جانتے!" اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ میں سب کچھ بخوبی سمجھتا ہوں۔ وہ تمہارے خاموش، معصوم خول سے محبت کر بیٹھا ہے۔ اُس لڑکی سے جو تم کبھی ہوا کرتی تھیں۔ اُسے بالکل بھی اندازہ نہیں ہے کہ تم کس قابل ہو اور تم کیا کر سکتی ہو۔" وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"تم بزدل ہو۔ تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور یہ بات تمہیں خوف زدہ کر رہی ہے۔ اور تم شرمندہ ہو۔" وہ اپنی انگوٹھی کو گھماتے ہوئے بولا۔

"شرمندہ کہ تم مجھ جیسے شخص کو چاہ سکتی ہو۔ ہے نا؟"اس کی آنکھوں میں کچھ تھا ۔کرب اور ملال کا ملا جلا تاثر۔"تم مجھے چاہتی ہو اور یہ بات تمھیں مار رہی ہے۔"وہ ایک لفظ نہیں بولی۔ بول ہی نہیں نہ پائی۔ وہ اسے پڑھنے کا فن جانتا تھا۔

"تم چیریٹی سے کہیں زیادہ کی حقدار ہو۔ تمہیں جینے کا حق ہے۔ تمہیں زندہ رہنے کا حق ہے۔"

"واپس زندگی کی طرف آؤ۔ عالیانہ۔ میں تمہارے لیے موجود ہوں گا۔"اس نے اس سے کہا اور ایک آخری نگاہ اس پر ڈال کر وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ کچھ دیر اس کے آفس کے دروزے کو گھورتی رہی، پھر خیالوں میں الجھے نا جانے کب اس کی آنکھ لگی وہ نہیں جانتی۔

••••••☆☆☆••••••

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ وہ تکیے میں دبا اپنا چہرہ اٹھا کر مسلسل پلکیں جھپکا رہی تھی، اپنی دھندلی آنکھوں سے ارد گرد کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہی تھی، جیسے یاد کرنے کی سعی کر رہی ہو کہ وہ کہاں ہے۔ دن کی روشنی سے اس کی آنکھیں سکڑی تھیں۔ جب اس نے اپنا سر اٹھا کر ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی تو اس کے بکھرے بال اس کے چہرے پر آ گرے۔

"صبح بخیر۔"وہ چونک کر فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔ عالیار بستر کی پائنتی کے قریب کھڑا تھا، مکمل طور پر تیار۔ سیاہ پینٹ پر سلیٹی گرے رنگ کا سویٹر۔ آستینیں کہنیوں تک

چڑھی تھیں۔ بال جیل کی مدد سے سمیٹے گئے تھے۔ اور اس کی چمکدار آنکھیں پوری طرح بیدار اور چوکس نظر آ رہی تھیں۔ وہ ہاتھ میں بھاپ اڑاتا ہوا مگ تھامے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے ڈھیلے ڈھالے انداز میں خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کافی؟" عالیار نے مگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کبھی کافی نہیں پی۔" اس نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"یہ اتنی بری نہیں ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بھی نہیں پیتا تھا، لیکن ملیک کو یہ بہت پسند تھی۔ اب مجھے بھی۔" ایک نرم مزاج آدمی کمرے کے کونے سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے پتلے کالے بال اور کالی آنکھیں جانی پہچانی سی لگ رہی تھیں۔ نکاح والے دن ملیک وہاں موجود تھا، لیکن وہ اتنی پریشان تھی کہ اس نے کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ "آپ سے باضابطہ ملاقات کرنا میرے لیے خوشی کی بات ہے، مس عالیانہ! کافی واقعی بہت اچھی ہوتی ہے۔ میں روزانہ پیتا ہوں۔ میں ہمیشہ اپنی کافی میں ...."

"کریم اور چینی ملاتا ہوں۔" عالیار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات مکمل کی۔

"ہاں! مجھے چینی زیادہ پسند ہے۔ انتخاب آپ کا ہے۔"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ناشتہ۔ میں نے سوچا تمہیں بھوک لگی ہو گی۔" عالیار نے مختصر جواب دیا اور بھاپ اڑتی کافی کا گھونٹ بھرا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

" یہ یہاں کیوں ہے ؟" اس نے سرگوشی کی، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ ملیک اسے سن سکتا ہے۔ " یہ میرے بارے میں جانتا ہے کہ میں یہاں ہوں ؟"

عالیار نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن کوئی وضاحت نہیں کرتا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کافی آزما لیتی ہوں۔" وہ فوراً بستر سے اتر کر مگ کی جانب بڑھی۔ وہ جو مگ لبوں کی جانب لے جا رہا تھا، ایک دم ٹھہر گیا۔ اس کا ہاتھ وہی کا وہی رہ گیا۔ وہ شل نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ عالیانہ نے مگ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، اور پلکیں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ عالیار نے فوراً نظریں چرا لیں اور مگ اس کے حوالے کر دیا۔

"تو۔ ملیک کتنا جانتا ہے ؟" اس نے کافی کا گھونٹ بھرا اور ملیک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عالیار اسی انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ حیرت سے۔ بے یقینی سے۔ شاید محبت سے بھی۔ کیا وہ جانتی تھی کہ اس نے ابھی اس کی جوٹھی کافی پی ہے ؟ عالیانہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا، تو عالیار کا سحر ٹوٹا۔ اس نے نظریں بے اختیار ملیک کی جانب موڑیں۔ وہ بھی اسے کی دیکھ رہا تھا۔

"کیا ؟" عالیار نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"کیا وہ جانتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں ؟" عالیار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تم نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے بیس سے باہر نکالو گے۔اور میں امید کرتی ہوں کہ ملیک یہاں ہماری مدد کے لیے ہے۔اگر یہ مشکل ہے، تو میں خوشی سے کھڑکی سے نکل جاؤں گی۔ پچھلی بار یہ اچھا رہا تھا۔"اس نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

وہ آنکھیں تنگ کیے اسے دیکھتا رہا۔کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد اس نے قریب رکھی ناشتے کی ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم تمہیں اس طرح باہر نکالیں گے۔"

اس نے کافی کا دوسرا گھونٹ بھرا، جو اس کے حلق میں پھنس گیا۔"کیا؟"وہ بے اختیار کھانسی۔

"یہ سب سے آسان اور مؤثر طریقہ ہے۔تم خود کو ایک تنگ جگہ میں فٹ کر سکتی ہو۔ کپڑے کے پینل تمہیں چھپائے رکھیں گے۔میں اکثر اپنے کمرے میں کام کرتا ہوں، اور ملیک وقتاً فوقتاً ناشتہ لاتا ہے۔کوئی بھی کچھ غیر معمولی محسوس نہیں کرے گا۔"

اس نے بے اختیار ملیک کی جانب دیکھا۔تصدیق کے لیے۔ملیک نے جلدی سے سر ہلا دیا۔

"تم مجھے یہاں کیسے لائے تھے ؟"ایک دم سے اس کے ذہین میں یہ سوال ابھرا۔وہ بے چین دکھ رہی تھی۔

عالیار ناشتے کی ایک پلیٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ "بد قسمتی سے، وہ طریقہ اب ممکن نہیں ہے۔" اس نے اسے نہیں دیکھا۔

"کیا مطلب؟ تم مجھے یہاں کیسے لائے تھے؟؟؟"

"تم مکمل طور پر ہوش تھی، ہمیں تھوڑا کری ایٹو ہونا پڑا۔" عالیار نے پر سکون انداز میں کہا۔

"ملیک؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہم... ہم آپ کو ڈیڈ باڈی بیگ میں لائے تھے۔" ملیک نے آخر کار معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"کس طرح؟" اسے جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"سر۔" ملیک نے رہنمائی کے لیے عالیار کی طرف دیکھا۔

"تم ہوش میں نہیں تھی۔ ہمارے پاس زیادہ آپشنز نہیں تھے۔ میں تمہیں اپنے بازوؤں میں اٹھا کر بیس نہیں لا سکتا تھا۔" اس نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ "جنگ میں دونوں طرف سے بہت سی ہلاکتیں ہوئیں۔ ایک ڈیڈ باڈی بیگ کو نظر انداز کرنا آسان تھا۔" اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔

"فکر نہ کرو۔ میں نے تمہارے لیے، اس میں کچھ سوراخ کر دیے تھے۔" عالیار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کتنے مہربان ہو تم۔" اس نے دانت پیس کر تلخی سے کہا۔

"یہ مہربانی ہی تھی۔" اس سے پہلے کہ عالیار کچھ بولتا، ملیک نے فوراً کہا۔ شاید اسے عالیانہ کا عالیار کے ساتھ یہ رویہ پسند نہیں آیا۔ عالیار ان کا کمانڈر تھا۔ وہ اس کے ساتھ، کسی بھی قسم کی بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ علیحدہ بات تھی کہ ان کا کمانڈر سامنے کھڑی لڑکی کو خود، خود سے بدتمیزی کرنے اجازت دیتا تھا۔ "ہمارے کمانڈر نے آپ کی جان بچائی۔"

وہ اپنی کافی کے مگ کو گھورتی رہی۔ اس کے گال شرمندگی سے سرخ ہو گئے۔

"اٹس اوکے۔ ملیک!" عالیار نے داہنا ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔ "جب یہ خوفزدہ ہوتی ہے تو غصہ کرتی ہے۔ یہ محض ایک دفاعی ردعمل ہے۔ اتنی تنگ جگہ میں رہنے کا خیال اس کی گھبراہٹ کو بڑھا رہا ہے۔"

عالیانہ نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر عالیار کو دیکھا۔ عالیار کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو وہ کبھی کبھار ہی ظاہر کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ جان لیتا تھا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ وہ اسے اتنی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی ہر بات کو صحیح تناظر میں رکھتا تھا۔

دل ہی دل میں، وہ جانتی تھی کہ عالیار کے علاوہ کوئی بھی اس کا یہ رویہ برداشت نہیں کر سکتا، اصل بھی نہیں۔ وہ اس کے سامنے مکمل طور پر بے نقاب تھی، اور کسی طرح وہ اس بات پر شکر گزار تھی۔

"سوری۔ سر۔"

"آرام سے جا کر شاور لو، کپڑے بدلو۔ میں نے باتھ روم میں تمہارے لیے کچھ کپڑے رکھے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تب تک مجھے اور ملیک کو کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

عالیانہ نے رضامندی سے سر ہلایا۔ عالیار نے باتھ روم کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

عالیانہ نے کافی واپس عالیار کو تھمائی، اور باتھ روم کی جانب قدم بڑھائے۔ عالیار کچھ پل کافی کے کپ کو گھورتا رہا۔ اب کپ سے بھاپ نہیں اڑ رہی تھی، شاید کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ پھر بھی اس نے کپ لبوں تک لے جا کر ایک گھونٹ بھرا۔ کافی میں چینی بھی نہیں تھی پھر یہ کڑوی کافی اتنی میٹھی کیوں لگ رہی تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ اسے عالیانہ نے پیا تھا۔ جو بھی تھا یہ ٹھنڈی کافی اس کی زندگی کی سب سے اچھی کافی تھی۔ کافی سے نظر ہٹا کر اس نے عالیانہ کو دیکھا، وہ باتھ روم کی جانب بڑھ رہی تھی۔ وہ یہ سوچتی رہی کہ ملیک کون ہے؟ عالیار اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے؟ عالیار نے کہا تھا کہ اس کے سارے فوجی اسے مردہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو پھر ملیک کیوں مختلف ہے؟

وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی، اس امید میں کہ شاید ان دونوں کی باتیں سن لے۔ لیکن وہ دونوں خاموش رہے، یہاں تک کہ باتھ روم کا دروازہ بند ہو گیا۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے جلدی سے شاور لیا۔ جلدی سے تیار ہو کر، اس نے وہ کپڑے پہن لیے جو عالیار نے اس کے لیے رکھے تھے۔ کھلی جینز۔ نیوی بلیو سویٹر۔ ٹینس کے نئے جوتے۔

سب کچھ اس کے سائز کے مطابق تھا۔ ظاہر ہے، ایسا ہونا ہی تھا، عالیار نے جو چکا تھا۔ اس نے آئینے میں خود پر ایک تیز نظر ڈالی۔ اس کے پاس ربڑ بینڈ نہیں تھا، کہ وہ اپنے بالوں کو باندھ سکے۔ ایلفا پوائنٹ میں اس نے اپنے بالوں کو چہرے سے دور رکھنے کی عادت بنالی تھی۔ ایک تھکی ہوئی آہ بھر کر، اس نے آئینے سے نظریں ہٹالیں۔ جیسے ہی اس نے باتھ روم کا دروازہ کھولا، اسے آوازیں سنائی دیں۔ مدھم آوازیں۔ وہ رک گئی۔ سننے لگی۔ آخر وہ ملیک پر اتنا بھروسہ کیسے کر سکتا ہے؟ اسے جاننا تھا۔

"کیا یہ محفوظ ہے۔ سر؟" ملیک بات کر رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہو گا۔ بس یہ یقینی بناؤ کہ ہمارے فوجی اُس علاقے میں گشت نہ کر رہے ہوں۔ ہم زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے کے لیے جائیں گے۔"

"جی۔ سر۔" خاموشی۔

پھر

"عالیانہ!" تقریباً گرتے گرتے بچی۔ عالیار نے اسے پکارا تھا۔

"باہر آجاؤ۔ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننا غیر اخلاقی حرکت ہے۔" وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی، لیک۔ وہ جانتی تھی وہ مسکرا رہا ہو گا۔ وہ شرمندگی سے لال پڑتی آہستہ

آہستہ باتھ روم سے باہر آئی۔اسے اپنی حرکت پر پشیمانی محسوس ہو رہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اپنے ہاتھوں کا کیا کرے۔

اس کی توقع کے برعکس عالیار اس کی شرمندگی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا

۔

"جانے کے لیے تیار ہو؟"

نہیں۔نہیں۔وہ بالکل بھی تیار نہیں تھی۔امید اور خوف نے اسے جکڑ لیا۔وہ اپنے دوستوں کی موت اور تباہی کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ظاہر ہے کہ وہ تیار نہیں تھی۔

لیکن" بلکل" یہ وہ تھا جو اس نے بلند آواز میں کہا۔

اس نے خود کو سچائی کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا، چاہے وہ کسی بھی شکل میں آئے۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار ٹھیک کہہ رہا تھا۔سپاہیوں کے درمیان سے گزرنا اس سے کہیں زیادہ آسان ثابت ہوا جتنا عالیانہ نے سوچا تھا۔کسی نے انہیں نہیں دیکھا۔ٹرالی کے نیچے کی جگہ اتنی کشادہ تھی کہ وہ آرام سے بیٹھ سکتی تھی۔جب ملیک نے کپڑے کے پینل کو ہٹایا تو اسے احساس

ہوا کہ وہ کہاں پہنچ چکے ہیں۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا، اور اس کی نظروں نے فوجی ٹینکوں کی قطاروں کا جائزہ لیا، جو ایک وسیع علاقے میں ترتیب سے کھڑے تھے۔

"جلدی کریں۔" ملیک نے سرگوشی کی اور قریب کھڑے ایک ٹینک کی جانب اشارہ کیا۔ عالیانہ نے دیکھا کہ ٹینک کا دروازہ اندر سے کھولا جا رہا ہے۔

"محترمہ، فوراً اندر جائیں۔ آپ کا یہاں رکنا مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔" ملیک نے جلدی سے کہا۔ عالیانہ ٹرالی سے نکل کر فوراً ٹینک کے اندر کود پڑی، سیٹ پر بیٹھتے ہی دروازہ اس کے پیچھے بند ہوا۔ اس نے پیچھے مڑ کر ایک نظر ملیک کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں شکر گزاری جھلک رہی تھی۔ ٹینک اتنی تیزی سے چلنے لگا کہ وہ تقریباً آگے کی جانب گر پڑی، اس سے پہلے اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتا، ایک ہاتھ نے اس کے سر کو سہارا دیا۔

"نیچے رہو اور سیٹ بیلٹ باندھ لو۔ ٹینک آرام کے لیے نہیں بنے۔" عالیار نے اسے دیکھے بغیر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ سیاہ چمڑے کے دستانوں میں لپٹے ہوئے تھے، وہ سرمئی رنگ کا اوورکوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس نے اپنی سیٹ پر جھک کر سیٹ بیلٹ باندھ لی۔

"تو، تمہیں راستہ معلوم ہے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"ظاہر ہے۔" عالیار نے اسے دیکھے بغیر سکون سے جواب دیا۔

"لیکن تم نے کہا تھا تمہیں ایلفا پوائنٹ کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔" اس نے جیسے شکوہ کیا۔

عالیار سر موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "کتنی خوش قسمتی کی بات ہے کہ میری یادداشت واپس آگئی ہے۔" اس نے غصے سے اسے گھورا۔ عالیار نے نگاہیں دوبارہ سامنے روڈ پر مرکوز کر لیں۔

"اچھا؟ تو تم وہاں سے کیسے نکلے؟ تم گارڈز سے کیسے بچ گئے؟" عالیار نے کندھے اچکائے۔ "میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت ملی ہے۔"

"تم سنجیدہ ہو؟" عالیانہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

" بالکل سنجیدہ ہوں۔" عالیار نے اسی انداز میں کہا۔

"لیکن تم نے باہر نکلنے کا راستہ کیسے تلاش کیا؟ تم گارڈز سے تو بچ گئے، لیکن وہ جگہ ایک بھول بھلیاں جیسی تھی۔ میں وہاں چار مہینے تک رہی، پھر بھی مجھے وہاں کا راستہ سمجھ نہیں آیا۔"

عالیار نے ڈیش بورڈ پر موجود ڈسپلے چیک کیا اور کچھ بٹن دبائے، جن کا مطلب عالیانہ کی سمجھ سے باہر تھا۔ "جب مجھے وہاں لایا گیا تھا، میں مکمل طور پر بے ہوش نہیں تھا۔ میں نے خود کو دروازے اور راستے پر دھیان دینے پر مجبور کیا۔" اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ اس کے لیے وہاں گیا تھا۔

"اور پھر؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری پوری کوشش کی کہ کسی بھی واضح نشانی کو یاد رکھوں۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ دروازے سے میڈیکل ونگ تک پہنچنے میں کتنا وقت لگتا ہے اور پھر میڈیکل ونگ سے میرے کمرے تک۔ جب بھی کیسر مجھے باتھ روم لے جاتا، میں راستے کا جائزہ لیتا تھا اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا تھا کہ میں باہر نکلنے سے کتنی دور ہوں۔"

"تو، تم پہلے بھی بھاگ سکتے تھے؟"

عالیار نے بس اثبات میں سر ہلایا، بولا کچھ نہیں۔

"اگر بھاگ سکتے تھے، تو کیوں نہیں بھاگے؟" عالیانہ نے حیرت سے پوچھا۔ چند پل خاموشی میں گزرے۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ وہاں قید میں رہنا میرے لیے آرام دہ تھا۔ میں ہفتوں کی نیند پوری کر سکا۔ مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی کسی فوجی مسئلے سے نمٹنا پڑا۔ لیکن سب سے واضح جواب،" اس نے سر موڑ کر بس ایک نظر اس کو دیکھا۔ "میں وہاں رکا، کیونکہ میں ہر روز تمہیں دیکھ سکتا تھا۔" کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جسے وہ سمجھ نہیں سکی۔ کچھ پل مزید خاموشی میں گزرے۔

"تم کبھی وہاں نہیں جانا چاہتی تھیں؟ ایلفا پوائنٹ میں؟" عالیار کی آواز نے سکون کو توڑا۔

"کیا مطلب؟" عالیانہ نے الجھ کر پوچھا۔

"اگر تمہیں زندہ رہنا ہے، تو تمہیں اپنے ماحول سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ تمہیں دوسروں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ تمہاری حفاظت کریں گے یا تمہارا خیال رکھیں گے۔ تمہیں یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ دوسرے لوگ ہمیشہ صحیح کریں گے۔"

"تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟" عالیانہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں پرواہ نہیں تھی۔" عالیار کی آواز میں ایک عجیب سی سنجیدگی تھی۔ "تم چار مہینے سے زیادہ ان باغیوں کے ساتھ زیر زمین رہی ہو، جو دنیا کو بدلنے کے بڑے خواب دیکھ رہے تھے، لیکن تم کہتی ہو کہ تم وہاں کا راستہ بھی نہیں جانتی تھیں؟ یہ اس لیے تھا کیونکہ تمہیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔ تم نے کبھی ان میں شامل ہونے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اگر تم واقعی دلچسپی رکھتیں، تو تم نے اس جگہ کے بارے میں جتنا ممکن ہو، جاننے کی کوشش کی ہوتی۔ لیکن تم لاتعلق تھیں۔ بے حس۔"

عالیانہ نے احتجاج کرنے کے لیے منہ کھولا، مگر عالیار نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"میں تمہیں قصوروار نہیں ٹھہرا رہا۔" اس کی آواز میں گہری سنجیدگی تھی۔ "ان کے ارادے ابتدا سے ہی ناقابل عمل تھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کتنی بہادر ہو یا تمہاری صلاحیتیں کتنی حیران کن ہیں۔ اگر تم اپنے مخالف کو نہیں سمجھتیں یا، اس سے بھی بدتر، اگر تم اپنے مخالف کو کم سمجھتی ہو، تو تم ہار جاؤ گی۔"

وہ تھوڑا رکا، جیسے الفاظ چن رہا ہو۔ "میں تمہیں مسلسل سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیسر تم سب کو ایک قتل عام کی طرف لے جا رہا ہے۔ وہ ایک اچھا لیڈر بننے کے لیے بہت زیادہ پر امید تھا، اور یہی امید اسے ناکامی کی طرف لے گئی۔ اس نے کبھی درستور کی حقیقت کو پوری طرح سمجھا ہی نہیں۔ وہ ان کے چیلنجز اور ان کے طریقے نظر انداز کرتا رہا۔"

اس نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا، مگر عالیار نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔

"درستور خوش اخلاقی کا دکھاوا کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ درستور لوگوں کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ عام لوگ ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ طاقت چاہتے ہیں۔" اس نے عالیانہ کی طرف دیکھا "ان کا واحد مقصد طاقت ہے۔ ان کا واحد مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کے سامنے جھکیں، ان کی مرضی کے تابع ہوں، اور اپنی زندگیاں ان کے مفادات کے لیے قربان کریں۔"

"یہ سچ نہیں...."

"یہ حقیقت ہے! یہ ان کے لیے بہت آسان ہے۔ باقی سب محض ایک کھیل ہے۔ کتابیں، ثقافت، زبانیں، یہ سب بہانے ہیں۔ ان کا اصل مقصد لوگوں کو ڈرانا، ان کے ذہنوں کو قابو میں رکھنا، اور ان کی انفرادیت کو ختم کرنا ہے۔ وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر بغاوت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اور

تمہارے دوست... وہ اس حقیقت کو کبھی نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے اپنی اس غلطی کی بھاری قیمت ادا کی۔"

اس کی آواز تلخ ہو چکی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا، تب ہی اس کو احساس ہوا کہ وہ پہنچ چکے ہیں۔ اس نے انجن بند کیا، باہر نکلا اور ٹینک کے آگے سے ہوتے ہوئے اس کی جانب کا دروازہ کھولا، اور اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

ایلفا پوائنٹ... ایک خواب کی طرح ٹوٹ چکا تھا۔

اب کوئی بھی اس جگہ کو تلاش کر سکتا تھا۔ کوئی بھی شہری، کوئی بھی شخص جس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہوں، بتا سکتا تھا کہ سیکٹر فائیو میں وہ بڑا گڑھا کہاں واقع ہے۔ عالیار ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنی سیٹ بیلٹ کھولی، ایک نظر عالیار کو دیکھا جو سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا، اور باہر نکلی۔ سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، ماضی کا کوئی دھواں، کوئی یاد۔

یہی وہ جگہ تھی۔

خالی، بنجر زمین کا ایک وسیع ٹکڑا، جسے وہ ایلفا پوائنٹ کے قریب کی جگہ کے طور پر پہچانتی تھی۔ وہی زمین جس کے بارے میں کیسر نے کہا تھا کہ کبھی یہ ہریالی اور سبزے سے بھری ہوتی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ یہ جگہ ایلفا پوائنٹ کو چھپانے کے لیے مثالی تھی۔ مگر وہ سب ماضی کی بات تھی۔ اس وقت کی جب درستور نے حکومت نہیں سنبھالی تھی۔

اب یہ ایک قبرستان بن چکا تھا۔

ایلفا پوائنٹ ختم ہو چکا تھا۔

سامنے ایک بہت بڑا، گہرا گڑھا تھا، تقریباً ایک میل چوڑا اور پچپن فٹ گہرا۔ یہ پیالے کی شکل کا ایک زخم تھا، جو تباہی اور موت کی کہانی سناتا تھا۔ برسوں کی محنت، قربانیاں، اور خواب... سب ایک ہی رات میں ختم ہو گئے تھے۔

سرد ہوا اس کے کپڑوں میں گھس کر اس کی ہڈیوں تک پہنچ رہی تھی، مگر اسے سردی کا احساس نہیں تھا، اس کی تمام حس ختم ہو چکی ہو۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی، پھر رک گئی۔ اس کے قدم زمین سے جڑ گئے۔

اس کے ہاتھ غیر شعوری طور پر اس کے لبوں پر پہنچے۔

یہ وہ خواب تھا، جو اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔

کچھ بھاری اس کے کندھوں پر آ گرا۔ ایک کوٹ۔ ایک سرمئی کوٹ۔ اس نے پہلے اپنے کندھے پر کوٹ کو پھر سر موڑ کر پیچھے عالیار کو دیکھا۔ عالیار اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ ایک تباہ حال گڑھے کو۔ گڑھے کے آس پاس بڑے بڑے مٹی کے ڈھیر پڑے تھے۔ پھر اس نے اپنے دستانے اتارے، اور اسے دیکھے بغیر اس کی جانب بڑھائے۔ اس نے کچھ کہے بغیر دستانے تھامے اور اپنے برفیلے ہاتھوں پر پہن لیے۔ سردی اب بھی محسوس ہو رہی تھی، لیکن اس کی شدت کم ہو گئی تھی۔

آج عالیار عجیب طور پر خاموش تھا۔

وہ کیوں کچھ نہیں کہہ رہا تھا؟ وہ کیوں اسے جگا نہیں رہا تھا؟ وہ کیوں اسے تسلی نہیں دے رہا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ کیوں یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ یہ سب صرف ایک برا خواب ہے، جو جلد ختم ہو جائے گا؟ وہ کیوں نہیں کہہ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

شاید اس لیے کہ وہ پہلے ہی اسے بتا چکا تھا کہ امید ایک دھوکہ ہے، ایک زہر۔ اور آج، اس کا دل واقعی ٹوٹ گیا تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر سے کچھ نکال لیا گیا ہو، جیسے کسی نے اس کے جذبات، اس کے خواب، سب کچھ نوچ کر خالی پن چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ یہ حقیقت قبول کرنا مشکل تھا۔

ایلفا پوائنٹ... ختم ہو چکا تھا۔ مکمل طور پر تباہ۔

"عالیانہ! نیچے ہو جاؤ۔" عالیار نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور اسے لے کر مٹی کے ایک ڈھیر کے پیچھے چھپ گیا اور اسے زمین پر بیٹھنے پر مجبور کیا۔ اس سے پہلے کہ عالیانہ کچھ سمجھ پاتی، ہوا میں گولی کی آواز گونجی۔ اس نے بے اختیار کانوں پر ہاتھ رکھے، عالیار اس کے آگے کسی ڈھال کی طرح کھڑا تھا، اس کا جسم عالیانہ کے جسم کو کسی بھی خطرے سے بچانے کے لیے تیار تھا۔ "تم ٹھیک ہو؟" اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا کہ وہ بمشکل عالیار کی آواز سن پائی۔

اس نے سر ہلانے کی کوشش کی۔

"نیچے رہو۔ حرکت نہ کرو۔" کوئی مٹی کے ڈھیر کے پیچھے تھا، شاید کوئی انہیں یہاں آتا دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ وہ شروع سے جانتا تھا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ کوئی ان پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ مگر اس نے اسے اپنا وہم کو جھٹک دیا تھا۔

"اسے چھوڑ دو، کمینے انسان!"

یہ آواز... وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

قدموں کی بھاری آوازیں مٹی کو کچلتے ہوئے قریب آ رہی تھیں۔ عالیار کی گرفت اس کے گرد ڈھیلی پڑی۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اپنی بندوق نکالنے والا ہے۔

"داس! نہیں!" اس نے چیخنے کی کوشش کی، لیکن اس کی آواز حلق میں ہی دب گئی۔

"باہر نکلو، بزدل انسان!" داس کی گرجدار آواز دوبارہ فضا میں گونجی۔

داس قریب آ رہا تھا۔ اس کا لہجہ سخت اور غصے سے بھرا ہوا تھا۔ عالیانہ کا دل بے اختیار زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"میں ابھی واپس آتا ہوں۔" عالیار نے آہستہ سے کہا، اس کی نظریں دور کسی انجانی سمت میں جمی ہوئی تھیں۔

"نہیں!" عالیانہ نے اس کو کہنی سے تھاما اور تیزی سے اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظریں چاروں طرف بے چین ہو کر کسی کو تلاش کرنے لگیں۔

اور پھر... اس کی نظر داس پر پڑی۔

وہ وہیں کھڑا تھا۔اپنی جگہ پر جیسے جم گیا ہو۔

داس کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔اتنی شدید خوشی کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

ان دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے ٹکرائیں،اور اگلے ہی پل داس تیزی سے آگے بڑھا اور دونوں کے درمیان کا فاصلہ مٹاتے ہوئے اسے زور سے گلے لگا چکا تھا۔

"خدا کی قسم، تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی ہے!" داس نے جذبات سے کانپتی آواز میں کہا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے خود بخود بہہ رہے تھے۔وہ داس کو دیکھ کر اتنی خوش تھی جس کا کوئی حساب ہی نہیں تھا۔داس کو زندہ دیکھ کر اس کے دل سے منوں کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

داس نے آہستہ سے پیچھے ہٹ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔اس کے چہرے پر درد اور خوشی کا انوکھا امتزاج تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔"میں نے سوچا تھا تم مر چکی ہو!"

عالیانہ نے بمشکل آنسو روکتے ہوئے کہا۔"میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ تم مر چکے ہو!"

پھر اس کی نظر عالیانہ کے ساتھ کھڑے عالیار پر پڑی اور اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ لمحے بھر میں غائب ہو گئی۔

عالیار جذبات سے خالی چہرا لیے اپنی گہری نظریں داس پر گاڑھے کھڑا تھا۔

"تم... تم اس کے ساتھ تھیں؟" داس کی آواز اب حیرانی اور بے یقینی سے بھری ہوئی تھی۔ "میں پاگل تو نہیں ہو رہا؟"

"ہاں، حیدر مجھے یہاں لایا تھا۔" اس نے داس کو پرسکون کرنے کی کوشش کی، اس کی آنکھوں میں بھڑکتے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے نرمی سے کہا۔

"جب اس نے مجھے ایلفا پوائنٹ کے بارے میں بتایا، تو مجھے یقین نہیں آیا۔ اور میں نے اس سے ثبوت مانگا۔"

"کیا واقعی؟" اس کی آنکھوں میں ایسی نفرت تھی جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"وہ تمہیں دکھانے آیا ہے کہ انہوں نے کیا کیا؟ تمہیں دکھانے آیا ہے کہ اس نے کتنے لوگوں کو قتل کیا؟" اس کی آواز تلخی سے بھری ہوئی تھی۔ "کیا اس نے تمہیں بتایا کہ وہاں کتنے بچے تھے؟ کیا اس نے تمہیں بتایا کہ ہمارے کتنے مرد اور عورتیں اس کی وجہ سے مارے گئے؟"

داس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

"کیا اس نے تمہیں یہ سب بتایا؟" وہ دوبارہ چیخا۔

"داس! نہیں!" اس کے الفاظ داس کے غصے کو ٹھنڈا نہ کر سکے۔

"چلو۔ میں معاملات زیادہ دیر تک قابو میں نہیں رکھ سکوں گا۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔" عالیار نے تحمل سے صورتحال کو دیکھا اور دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نہیں جا سکتی۔ میں داس کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ عالیار نے اس کی بات سنی اور اسے داس سے کچھ فاصلے پر لے گیا۔

"میں مزید برداشت نہیں کر سکوں گا۔" اس کے لہجے میں سختی تھی۔ "حالانکہ میں تمہارے ساتھ نرم رہا ہوں، لیکن یقین کرو، عام طور پر ایسے موقعوں پر میں بالکل خاموش نہیں رہتا۔ اگر تم نہیں چاہتیں کہ میں اسے گولی مار دوں، تو بہتر ہوگا کہ ہم یہاں سے فوراً چلے جائیں۔"

وہ دونوں داس سے تقریباً آٹھ فٹ دور کھڑے تھے۔ داس ان کی باتیں سن نہیں سکتا تھا، لیکن ان کے ہونٹوں کی جنبش دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا عالیار کو مار دے اور خود بھی مر جائے۔

"نہیں، تم جا سکتے ہو۔ تمہیں جانا چاہیے۔ لیکن میں یہاں رہوں گی۔" عالیانہ نے پختہ لہجے میں کہا۔

عالیار ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا۔ "کیا؟"

"تمہیں کمپاؤنڈز جانا ہے۔ وہاں بہت سے کام تمہارے منتظر ہیں۔ تمہیں جانا چاہیے، لیکن مجھے یہاں رکنا ہوگا۔ مجھے یہ جاننا ہے کہ باقی سب کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ پھر میں آگے بڑھوں گی۔"

عالیار ماتھے پر بل ڈالے اسے دیکھتا رہا۔

"تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں یہاں چھوڑ دوں؟" اس نے ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا۔

"ہاں،" عالیانہ نے اصرار کیا۔ "میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک مجھے اپنے سوالوں کے جوابات نہیں مل جاتے۔ اور تم صحیح کہہ رہے ہو، داس یقیناً ایسا کچھ کرے گا جسے تم برداشت نہیں کر پاؤ گے، اس لیے تمہیں جانا چاہیے۔ میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گی، اسے بتاؤں گی کہ کیا ہوا ہے۔ شاید ہم سب مل کر کام کر سکیں۔"

"نہیں، یہ ممکن نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے حتمی انداز میں کہا۔

"یہ واحد راستہ ہے۔"

عالیار نے اچانک اسے اپنی طرف گھمایا اور سخت لہجے میں بولا۔ "مجھے جانا ہوگا، داس آ رہا ہے۔" عالیار نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اس کی ہتھیلی کھولی، اور ایک چھوٹا سا آلہ عالیانہ کے ہاتھ میں تھمایا، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر ہی رہنے دیا، اس طرح کہ اس کے ہاتھ میں بیپر چھپ گیا۔ اس کے ہاتھ گرم تھے۔ "اسے اپنے ساتھ رکھنا۔ جب تم واپس آنا

چاہو تو اس بیپر پر لگے بٹن کو دبانا، میں آجاؤں گا۔ اوکے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ کاش وہ اسے بتاسکتی کہ جب وہ اس کے لیے فکر مند ہوتا ہے تو وہ کتنا اپنا لگتا ہے۔ کاش وہ اسے بتاسکتی کہ جب وہ اس کے لیے ہریشان ہوتا، تو وہ کتنا پیارا لگتا ہے۔ لیکن اس کی بجائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ کاش وہ اسے بتاسکتی کہ ان لمبی مڑی ہوئی پلکوں والی بھوری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنا کتنا خوبصورت ہے۔

"اس کو اپنے قریب رکھنا۔ جب واپس آنا چاہو، بس اس بٹن کو دبا دینا۔ مجھے سگنل مل جائے گا۔" اس نے دہرایا اور عالیانہ کے کندھے کے پیچھے سے داس کو گھورنے والے انداز میں دیکھا۔

"لیکن..."

"تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ اگر میں نے اس دوران تمہارے بیپر کی آواز نہ سنی، تو میں سمجھوں گا کہ تم کسی مشکل میں ہو اور میں تمہیں ڈھونڈنے خود آؤں گا۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔" وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا، بیپر ابھی بھی اس کی ہتھیلی میں دبا ہوا تھا۔

"میری بات سمجھ آگئی؟ از ڈیٹ کلیئر؟" عالیار نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ عالیار نے ایک آخری تیز نظر داس پر ڈالی۔ "اپنا خیال رکھنا۔" اور پلٹ گیا۔ عالیانہ نے بیپر کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

داس غصے سے آگے بڑھا، اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

"کہاں گیا وہ؟" عالیانہ نے سر ہلایا اور آگے بڑھ کر اس کے بازو پکڑنے کی کوشش کی تاکہ اس کی توجہ حاصل کر سکے۔ "مجھ سے بات کرو، داس۔ بتاؤ کیا ہوا؟ باقی سب کہاں ہیں؟"

"باقی سب؟ کوئی نہیں بچا!" وہ اپنی کہنی چھڑواتے ہوئے پیچھے ہٹتا اور غصے سے چیخا۔ "ایلفا پوائنٹ ختم ہو گیا ہے۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے!"

اس کی آواز کی گرج اچانک کمزور پڑ گئی۔ غصے کی جگہ دکھ نے لے لی۔ اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ دہرا ہو کر گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا۔ اس کا چہرہ نیچے جھک گیا، آگے کی طرف جھکتے ہوئے اس کی پیشانی مٹی میں دھنس گئی اور وہ لرزتے ہوئے سسکیاں لینے لگا۔

"مجھے لگا تم بھی مر گئی ہو..... مجھے لگا..." وہ رو رہا تھا، وہ بمشکل بول پا رہا تھا۔ اس نے مٹھیاں سختی سے بھینچ رکھی تھیں۔ آنسو کے قطرے مسلسل اس کی آنکھوں اور گالوں کو گیلا کر رہے تھے۔ ہر آنسو اپنی اذیت کی کہانی سنا رہا تھا۔

"نہیں! نہیں داس! سب نہیں مر سکتے۔ سب نہیں۔" وہ بے اختیار اس کے سامنے بیٹھی۔ اس کے گھٹنے زمین سے ٹکرائے۔ داس چہرا جھکائے مسلسل رو رہا تھا۔

وہ آج کے بارے میں بہت زیادہ خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ حقیقت کا سامنا کرنے سے گریزاں، وہ خود کو تسلیاں دے رہی تھی کہ حالات اتنے خراب نہیں ہو سکتے۔ عالیار کی باتوں کو سننے کے باوجود، اس نے ان پر یقین نہیں کیا۔ مگر اب، حقیقت اس کے سامنے

کھڑی تھی۔ داس کی اذیت، اس کی بے بسی اور تباہی کا منظر۔ یہ سب کچھ اسے جھنجھوڑ رہا تھا جیسے وہ اپنی ہی قبر میں گر رہی ہو۔

"پلیز، مجھے بتاؤ کہ اور لوگ بھی زندہ ہیں۔ ارسل کو زندہ ہونا چاہیے!" اس کی آواز میں بے چینی اور امید کی آخری جھلک تھی۔

داس نے اس کی بات کو سنا ہی نہیں۔ اس کی نظریں گڑھے پر جمی ہوئی تھیں، وہ ماضی میں کھو چکا تھا۔

"میں یہاں پلا بڑھا ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا، جیسے وہ خود سے بات کر رہا ہو۔

عالیانہ کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ اپنے سامنے ایک ایسا داس دیکھ رہی تھی جو اجنبی لگ رہا تھا۔ یہ وہ داس نہیں تھا جو ہمیشہ مضبوط رہتا تھا، جو ہر مشکل میں اس کا حوصلہ بڑھاتا تھا۔ یہ وہ داس نہیں تھا جو مسکراتا تھا اور دوسروں کو ہنساتا تھا۔ عالیانہ وہ پرانا داس چاہتی تھی جو حالات کا کنڑول سنبھالتا تھا۔ یہ داس اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔

"یہ میری پوری زندگی تھی۔" داس نے خالی نظروں سے گڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"واحد جگہ.... وہ سب لوگ...." اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔ "وہ میرا خاندان تھا۔ میرا واحد خاندان...." آنسو زار و قطار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ یہ وہ داس نہیں تھا۔ یہ وہ داس نہیں تھا جسے وہ کچھ دن پہلے چھوڑ کر گئی تھی۔ یہ اس کا داس نہیں تھا جو اسے خوش رہنے کا کہتا تھا۔ یہ وہ داس نہیں تھا جو اسے امید اور حوصلہ کے بارے میں بتاتا

تھا۔ یہ وہ داس نہیں تھا جو ہر وقت ہنستا اور ہنستا رہتا تھا۔ یہ اس کا داس نہیں تھا۔ یہ اس کا دوست نہیں تھا۔

"میں یہاں پلا بڑھا ہوں۔"

"داس، پلیز..." عالیانہ نے اسے دونوں کندھوں سے تھاما۔

داس نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ گڑھے کو گھورتا رہا، یہ اس کی زندگی کے ملبہ تھا۔

"یہ جگہ، یہ لوگ، یہ میرا سب کچھ تھا۔" وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اس کی سانس اٹکنے لگی۔ اسے داس کو اس حالت سے نکالنا تھا، اسے ڈر تھا کہ وہ خود بھی اس غم میں ڈوب جائے گی۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ داس نے ہار مان لی تھی۔ وہ خود کو خطرے میں ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ لڑنا چاہتا تھا۔ وہ مرنا چاہتا تھا۔
لیکن وہ اسے ایسا کرنے نہیں دے سکتی تھی۔

کسی کو اس وقت حالات کا کنڑول سنبھالنا تھا، اور عالیانہ ہی وہ واحد شخص تھی جو یہ کر سکتی تھی۔

"اٹھو!" اس نے سختی سے کہا، اپنی توقع سے کہیں زیادہ سخت لہجے میں۔

"تمہیں اٹھنا ہوگا، داس! یہ لاپرواہی بند کرو۔ ہم یہاں محفوظ نہیں ہیں، ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔ بتاؤ، تم کہاں ٹھہرے ہو؟"

اس نے داس کا بازو تھام کر اسے کھینچنے کی کوشش کی، مگر وہ جیسے اپنی جگہ جم چکا تھا۔

"اٹھو!" اس نے دوبارہ زور دے کر کہا۔ کوئی حرکت نہیں۔

"اٹھو، داس!" عالیانہ نے اسے اتنی شدت سے جھنجھوڑا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ششدر رہ گیا۔

پھر اچانک، اس کے ذہن میں ایک بات آئی۔ اسے یاد آیا کہ داس نے ایک بار اسے سکھایا تھا کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے جب آپ کسی کی وجہ سے خطرے میں ہوں، اور اسے پیچھے بھی نہ چھوڑ سکیں۔ اس یاد نے اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کر دی۔ اس نے بندوق نکال کر ایک فائر کیا۔ آسمان کی جانب۔ داس بے اختیار چونکا۔

"اب مجھے بتاؤ، تم کہاں ٹھہرے ہو، اور اپنے آپ کو سنبھالو۔ تم اس وقت میرے سامنے بکھر نہیں سکتے!" اس کا لہجہ سخت اور ناقابلِ تردید تھا۔

داس ایک لمحے کے لیے خاموش رہا، شاید اس کے عزم اور غیر متزلزل ارادے نے اسے حیران کر دیا تھا۔

پھر، اچانک وہ چیخ اٹھا۔ "تم پاگل ہو گئی ہو! کسی نے سن لیا تو؟"

لیکن عالیانہ نے اس کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔

داس ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"دوبارہ فائر مت کرنا۔ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" وہ چیخ رہا تھا۔

"میرے کان میں چیخنا بند کرو۔" وہ بھی چیخی۔

"میں نے کہا..... "اور اگلے ہی لمحے عالیانہ نے بندوق کی پچھلی سائیڈ اس کی کمر میں دے ماری۔ وہ اسے اس کے حواسوں میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کمبخت، عالیانہ ! کیا مسئلہ ہے۔" داس مٹی پر گرا، پیٹھ سہلاتے ہوئے غصے میں بولا۔

عالیانہ بازو سینے پر باندھے مٹی میں لت پت داس کو دیکھ کر مزے سے مسکرا رہی تھی۔

داس نے منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے اپنی پیٹھ جھاڑی اور بمشکل اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی جینز اور شرٹ سے مٹی صاف کرتے ہوئے اس نے عالیانہ کو تیز نظروں سے گھورا۔

"کیا؟" عالیانہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"معذرت کے ساتھ، لیکن میں اپنی ایک دوست کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟" داس نے شرارتی لہجے میں کہا۔ "وہ چھوٹی سی لڑکی ہے، بہت زیادہ روتی ہے۔ ہر بات کے ساتھ ہمیں اس کا ایک آنسو ضرور دکھتا ہے۔ وہ اپنے جذبات میں اتنی گم رہتی ہے کہ دنیا کا ہوش ہی نہیں رہتا۔"

"چپ رہو، داس!"

"اوہ، ٹھہرو! یہ تو تم ہی ہو!" داس نے مسکراتے ہوئے اس کے ماتھے کو چھوا۔ یہ تھا اس کا پرانا داس.... زندگی سے بھرپور اور شرارتی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" عالیانہ نے سوال کیا۔

"اور ویسے، یہ سب کرنا تم نے کیسے سیکھا؟"

"سیکھا نہیں۔" عالیانہ نے آنکھیں گھمائیں اور دور تک نظارہ کیا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔

"اوہ، صحیح! اب یاد آیا۔ میں ہی تو تمہارا ٹیچر ہوں۔" داس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ صرف آدمیوں کے لیے تھا، مردوں کے لیے۔ تم یوں ہی ہر جگہ فائر نہیں کر سکتی۔" داس نے اپنے ہر لفظ پر زور ڈال کر کہا مگر اندر سے اس کی اس تبدیلی پر وہ خوش تھا۔ عالیانہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

خود پر بڑا ناز ہے، ہے نا؟"

"ہاں۔ تمہارے ساتھ زیادہ وقت گزارنے نے مجھے واقعی خراب کر دیا ہے۔"

"او ہو ہو۔" داس بے دلی سے ہاتھوں کو ایک ساتھ مارا۔

"کھڑی ہو جاؤ، شہزادی۔ تم تو کامیڈین ہو۔"

"میں تو پہلے ہی کھڑی ہوں۔"

"اسے مذاق کہتے ہیں۔ عقل مند۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے دوبارہ پوچھا اور کسی بھی سمت میں چلنا شروع کر دیا۔

"بے ضابطہ علاقہ۔ یہ واحد جگہ تھی جو ہمیں سمجھ میں آئی۔" داس ایک لمحے کھڑا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگا۔

"ہمیں؟"

"ہاں۔ یہ ارسل کا پرانا ٹھکانہ ہے، یاد ہے؟ یہ وہ جگہ ہے جہاں تم اور میں پہلی بار....."

وہ چلتے چلتے ایک دم رک گئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے لاشعوری طور پر زور سے داس کا ہاتھ دبا دیا۔ داس نے بدزبانی سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"ارسل ابھی زندہ ہے؟"

"ظاہر ہے وہ زندہ ہے۔" داس نے غصے سے دیکھا اور اپنا ہاتھ رگڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے کہا تھا کہ سب مر چکے ہیں۔ تم نے کہا تھا..."

"سب مر چکے ہیں۔ ایلفا پوائنٹ پر ہم دو سو سے زیادہ تھے۔ اب ہم میں سے صرف سات باقی ہیں۔" اس کے چہرے کے تاثرات پھر سے تاریک ہو گئے۔

"کون؟ کون کون زندہ بچا؟ کیسے؟" اس نے دل میں تنگی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

داس نے ایک لمبی سانس چھوڑی۔ دونوں ہاتھ بالوں میں پھیرے اور اس کے پیچھے کسی نکتہ پر نظر جمالی۔

"تمہیں صرف فہرست چاہیے؟ یا تم جاننا چاہتی ہو کہ یہ سب کیسے ہوا؟"

"مجھے سب کچھ جاننا ہے۔"

داس نے سر ہلایا، نیچے دیکھا، مٹی کے ڈھیر پر پیر مارا۔ دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑا اور ان دونوں نے پھر چلنا شروع کر دیا۔

"میرے خیال میں کسی حد تک ہمیں تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم ابھی تک زندہ ہیں۔ کیونکہ اگر ہم تمہیں ڈھونڈنے نہ نکلے ہوتے تو شاید میدان جنگ میں ہی مر جاتے۔"

وہ لمحہ بھر کو ہچکچایا۔

"ارسل اور میں نے جلد ہی محسوس کر لیا تھا کہ تم غائب ہو۔ لیکن جب تک ہم سامنے کی طرف سے لڑ کر واپس پہنچے، بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہم ابھی بھی بیس فٹ دور تھے اور صرف تمہیں ٹینک میں لے جاتے ہوئے دیکھ سکے۔ ہم تمہارے پیچھے نہیں جا سکتے تھے، کیونکہ ہمیں گولیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرنی پڑ رہی تھی۔"

داس کی آواز گہری اور سنجیدہ ہو گئی جب وہ یہ کہانی سنانے لگا۔

"تو ہم نے فیصلہ کیا کہ متبادل راستہ اختیار کریں گے۔ تمام بڑی سڑکوں سے بچتے ہوئے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے واپس بیس تک پہنچنے کی کوشش کریں گے، کیونکہ ہمیں لگا کہ تم وہیں جا رہی ہو۔ لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو ہمیں کیسر، سیم، اور میلیسا ملے جو باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے مشن کو کامیابی سے مکمل کیا تھا۔ انہوں نے سیکٹر

فائیو میں گھس کر دھان اور اشعل کو چھڑا لیا تھا۔ جب کیسر نے انہیں پایا، تب وہ دونوں آدھے مردہ حالت میں تھے۔"

داس نے ایک تیز سانس لی اور اپنی بات جاری رکھی۔

"کیسر نے ہمیں بتایا کہ انہیں بیس پر یہ خبر ملی تھی کہ فوج ایلفا پوائنٹ پر فضائی حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ وہ پورے علاقے پر بم برسانے والے تھے، اس امید کے ساتھ کہ طاقت سے حملہ کرنے پر زمین کے نیچے موجود سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ وہاں موجود کوئی بھی زندہ نہ بچے گا، اور جو کچھ ہم نے بنایا تھا، وہ سب ختم ہو جائے گا۔"

وہ داس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور اس کے جسم میں تناؤ کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ دونوں ایک لمحے کے لیے رکے، پھر اسے داس کی جانب سے اپنے ہاتھ پر کھنچاؤ محسوس ہوا۔

"بظاہر انہوں نے ہمارے لوگوں سے تشدد کے ذریعے ہمارا ٹھکانہ معلوم کیا اور پھر انہیں مار دیا۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، لیکن ہم بیس کے اتنے قریب تھے کہ میں نے فوجی ٹینک پر قبضہ کر لیا۔ ہم نے سامان لوڈ کیا اور سیدھے پوائنٹ کی جانب روانہ ہو گئے، اس امید میں کہ ہم سب کو وقت پر نکال سکیں گے۔ لیکن اندر ہی اندر ہمیں معلوم تھا کہ یہ کام نہیں کرے گا۔ جہاز پہلے ہی راستے میں تھے۔"

وہ ہنسا مگر ایسا لگا کہ اس عمل سے اسے تکلیف ہوئی ہے۔

"اور معجزاتی طور پر، معاذ میلیسا کے پیچھے پیچھے پوائنٹ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ میدان جنگ کی طرف جا رہا تھا جب ہم نے اسے پایا۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اگر معاذ پوائنٹ پر رہتا، جیسا کہ ہم نے اسے کہا تھا، تو وہ بھی باقی سب کے ساتھ مر جاتا۔" داس نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"بس یہی تھا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ہم صرف کھڑے ہو کر دیکھ سکتے تھے، جب انہوں نے ہماری پینتیس سال کی محنت پر بم گرائے اور ہر اُس شخص کو مار ڈالا جو لڑنے کے قابل نہیں تھا۔ پھر میدان جنگ میں ہمارے باقی لوگوں کو قتل کر دیا۔"

عالیانہ نے اس کا ہاتھ اور زور سے پکڑ لیا۔

"میں یہاں روز آتا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ کوئی واپس آئے گا۔ ہمیں ڈھونڈنے کی امید میں، پوائنٹ کو تلاش کرنے کی امید میں کوئی یہاں تک آئے گا۔ اور تم یہاں ہو، میرے ساتھ، زندہ۔ یہ سب حقیقت نہیں لگتا۔"

"ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔" اس نے داس کو تسلی دی۔ "میں وعدہ کرتی ہوں، ہم اس سب سے نکل آئیں گے۔"

داس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال کر اس کے کندھے کے گرد رکھ دیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے، شہزادی؟ تم بدلی ہوئی لگتی ہو۔" اس نے نرمی سے پوچھا۔

"خراب بدلی ہوئی؟"

"نہیں، اچھی بدلی ہوئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے آخر کار تم نے خود کو مضبوط کر لیا ہو۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"میں سیریئس ہوں۔"

"اچھا! کبھی کبھی مختلف ہونا بہتر ہوتا ہے، ہے نا؟"

"میرے خیال میں ہاں۔"

"اب تم مجھے بتاؤ گی کہ کیا ہوا؟ کیونکہ آخری بار جب میں نے تمہیں دیکھا تھا، تو تمہیں فوجی ٹینک کی پچھلی سیٹ میں دھکیلا جا رہا تھا۔ اور آج صبح تم صاف کپڑے اور سفید جوتے پہنے گھوم رہی ہو، اور حیدر کے ساتھ ہو۔"

داس نے اس کا کندھا چھوڑا اور رک کر اسے گھورنے لگا۔

"اور یہ مت کہنا کہ یہ سب کچھ کوئی مطلب نہیں رکھتا۔"

"سکندر نے مجھے گولی ماری تھی۔" اس نے گہری سانس لے کر اعتراف کیا۔

داس ایک دم رک گیا۔ "کیا؟"

"مجھے واپس بیس پر نہیں لے جایا گیا۔ سپاہیوں نے مجھے سکندر کے حوالے کر دیا، جو غیر قانونی علاقے کے ایک گھر میں میرا انتظار کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے وہ تنہائی چاہتا تھا۔"

اس نے احتیاط سے عالیار کی ماں اور بہن کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ اس کا نجی معاملہ تھا۔

"سکندر بدلہ لینا چاہتا تھا۔اس کے ساتھ جو میں نے کیا تھا، وہ معذور ہو چکا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا، تو وہ چھڑی کے سہارے چل رہا تھا۔ پھر حیدر وہاں آیا، اور اس کے آتے ہی سکندر نے بندوق نکالی اور مجھے گولی مار دی۔" داس نے زیر لب اسے پانچ عدد گالیاں دیں۔

"مرنا... یہ سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز ہے جو میں نے کبھی محسوس کی۔ میں چیخ نہیں سکتی تھی کیونکہ میرے پھیپھڑے یا تو پھٹ چکے تھے یا خون سے بھرے ہوئے تھے۔ میں وہاں لیٹی رہی، سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے، یہ امید کرتے ہوئے کہ جلدی مر جاؤں۔ اور اس پورے وقت میں، یہی سوچتی رہی کہ میں نے اپنی زندگی بزدلی میں گزار دی اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے خود سے کہا کہ اگر مجھے سب کچھ دوبارہ کرنے کا موقع ملا تو میں مختلف طریقے سے کروں گی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں ڈرنا چھوڑ دوں گی۔"

"سینے میں گولی لگنے کے بعد تم کیسے زندہ بچ گئیں؟ تمہیں تو مر جانا چاہیے تھا۔"

"ہاں۔" اس نے گلا صاف کیا۔ "حیدر نے میری جان بچائی تھی۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" اور پھر اس نے داس کو بتایا کہ کیسے وہ اس کے لیے وہاں موجود تھا۔ کیسے سکندر اسے مرنے کے لیے چھوڑ گیا اور کیسے عالیار نے اسے بیس پر واپس لے جا کر چھپایا اور اس کی صحت یابی میں مدد کی۔ اُس نے داس کو یہ بتایا کہ عالیار کیسے فرار ہوا تھا اور کیسے سکندر عالیار کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آئے اور وہ عالیانہ کو اس کے سامنے گولی مار

دے کیونکہ سکندر کو معلوم تھا کہ حیدر میرے بارے میں کیسا محسوس کرتا ہے، وہ اسے اس کی سزا دینا چاہتا تھا۔"

"رکو!" داس اُسے بیچ میں روکتے ہوئے بولا۔ "کیا مطلب، اسے معلوم تھا حیدر تمہارے بارے میں کیا محسوس کرتا ہے؟ ہم سب کو معلوم تھا کہ حیدر تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ وہ تمہیں زبردستی اپنی ٹیم میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ یہ کوئی نیا انکشاف نہیں تھا۔ مجھے تو لگا تھا کہ اس کے والد اس بات سے خوش تھے۔"

وہ یکدم ساکت ہو گئی۔

اُسے یاد آیا کہ یہ حصہ ابھی تک ایک راز تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے عالیار کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقت ظاہر نہیں کی۔

"عالیانہ!" داس کی آواز میں انتباہ کی جھلک تھی۔

"تم مزید یہ باتیں نہیں چھپا سکتی۔ تمہیں مجھے بتانا ہو گا کہ کیا چل رہا ہے۔"

اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زمین پر گرنے والی ہو۔

"عالیانہ!"

"وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" اُس نے کبھی یہ بات بلند آواز میں تسلیم نہیں کی تھی، حتیٰ کہ خود سے بھی نہیں۔ اُسے لگتا تھا کہ شاید وہ اس حقیقت کو نظرانداز کر سکتی ہے۔ چھپا سکتی ہے۔ اُسے ختم کر سکتی ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔

"رکو... کیا؟" اچانک اُسے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

"خدا کے لیے کہو کہ تم مذاق کر رہی ہو۔"

"داس! میں...."

"میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ حیدر پاگل ہے لیکن، اب اس میں کوئی شک نہیں رہا۔" داس ہنسنے لگا۔

اُس کی آنکھیں پوری کھل گئیں، وہ بھی ہنسنے پر مجبور ہو گئی۔ اُس نے داس کے کندھے کو زور سے دھکا دیا۔

داس دوبارہ ہنسنے لگا۔ آدھا ہنسی میں اور آدھا حیرانی میں ڈوبا ہوا۔ "رکو۔ تو تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے، وہ تمہیں ڈیٹ پر لے گیا؟ چاکلیٹس خرید کر دیں؟ یا پھر کوئی ناقص شاعری لکھی؟ کیونکہ حیدر مجھے محبت جتانے والوں میں سے نہیں لگتا۔"

"نہیں، ایسا کچھ نہیں تھا۔"

"پھر؟"

"اُس نے بس... مجھے بتایا۔"

داس اتنا اچانک رکا کہ وہ تقریباً گرنے والی تھی۔

"تمہارے سامنے؟ براہِ راست تمہارے منہ پر؟"

"ہاں۔"

"اور تم نے کیا کہا؟ شکریہ؟"

"میں... مجھے نہیں پتا۔ یہ سب میرے لیے ابھی بہت عجیب ہے۔"

داس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "حیدر واقعی... عجیب ہے۔"

عالیانہ نے اپنے اور عالیار کے نکاح کا ذکر نہیں کیا تھا۔ نہ ہی حیدر کے اصل نام کا۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ اس کے بتانے کی بات نہیں تھی۔

"تو تم یہ کہہ رہی ہو کہ حیدر نے تمہاری جان بچائی؟ تمہیں اپنے کمرے میں چھپایا، کھانا دیا، کپڑے دیے، اور اپنے بستر پر سونے دیا؟" داس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، بالکل۔" عالیانہ نے تصدیق کی۔

"ٹھیک ہے، میرے لیے اس پر یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے۔" داس نے کہا۔

"میرے لیے بھی مشکل تھا۔" عالیانہ نے مایوسی بھری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم لوگ سمجھتے ہو۔ مجھے پتا ہے کہ وہ پاگل لگتا ہے، لیکن وہ اصل میں بہت...."

"ارے! رکو۔ تم اس کا دفاع کر رہی ہو؟ ہم اسی آدمی کی بات کر رہے ہیں جس نے تمہیں قید کیا اور تمہیں اپنی فوج کا غلام بنانے کی کوشش کی۔ نہیں؟"

"یہ سب ایسا نہیں تھا جیسے ہمیں دکھ رہا تھا۔اس نے حقیقت میں مجھے ویسے استعمال نہیں کرنا چاہا تھا۔" وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

داس ایک دم سے ہنس پڑا۔

"تم واقعی اس کی باتوں پر یقین کر رہی ہو؟ تم اس کے بتائے ہوئے تمام جھوٹوں کو مان رہی ہو؟"

"تم اسے نہیں جانتے۔داس! یہ سب جو تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو وہ سب غلط ہے۔"

"تم مجھے بتانے کی کوشش کر رہی ہو کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا؟ وہ اس سیکٹر کمانڈر ہے۔میں ایک سال تک اس کا سپاہی رہا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔"

"میں تم سے جھگڑنے کی کوشش نہیں کر رہی۔مجھے نہیں لگتا کہ تم اسے سمجھو گے۔" عالیانہ نے سختی سے کہا۔

"تم واقعی نہیں سمجھ رہی، ہے نا؟"

"کیا نہیں سمجھ رہی؟"

"ارسل کو بہت غصہ آئے گا۔"

"اس کا ارسل سے کیا تعلق؟"

"تمہیں پتا ہے کہ تم نے مجھ سے ایک بار بھی اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے تمہیں ساری کہانی سنائی جو ہم پر گزری اور تم بس ایسے تھیں، 'اچھا قصہ ہے، بھائی، شکریہ شیئر کرنے کے لیے۔' تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ ارسل زخمی ہوا یا نہیں۔ تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ ابھی کیسا ہے۔ خاص طور پر یہ جانتے ہوئے کہ اسے لگتا ہے کہ تم مر چکی ہو۔" اسے اچانک اپنے دل میں بوجھ محسوس ہوا۔ وہ رک گئی۔ شرمندگی کے احساس نے اسے گھیر لیا۔

"اور اب تم یہاں کھڑی ہو کر حیدر کا دفاع کر رہی ہو۔ وہی آدمی جس نے ارسل کو مارنے کی کوشش کی تھی، اور تم ایسے ظاہر کر رہی ہو جیسے وہ تمہارا کوئی قریبی دوست ہو۔ جیسے وہ بس کوئی عام آدمی ہے جسے غلط سمجھا گیا ہے۔ جیسے دنیا کے باقی تمام لوگ غلط ہیں، اور وہی صحیح ہے۔ جیسے ہم سب بس حسد سے بھرے ہوئے بے وقوف ہیں جو اس کے خوبصورت چہرے سے جلتے ہیں۔"

"میں بے وقوف نہیں ہوں، داس۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، اس کے پیچھے وجوہات ہیں۔"

"ہاں۔ اور میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہیں نہیں پتا کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"جو بھی ہو۔" عالیانہ نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے جو بھی ہو نہ کہو۔"

"جو بھی ہو۔"

"مجھے لگتا ہے کہ یہ لڑکی چاہتی ہے کہ اس کی پٹائی ہو۔"

"تم میری پٹائی نہیں کر سکتے۔"

"کیا یہ چیلنج ہے؟"

"نہیں! وارننگ ہے۔"

"چچ چچ۔ تو اب تم مجھے دھمکیاں دے رہی ہو؟ چھوٹی رونے والی لڑکی اب دھمکیاں دینا بھی سیکھ گئی ہے؟" داس نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"چپ ہو جاؤ۔ داس!"

"چپ ہو جاؤ۔ داس!" وہ اس کی نقل اتارتے ہوئے پتلی آواز میں بولا۔

"ہمیں اور کتنی دور جانا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش میں غصے سے پوچھا۔

"ہم قریب پہنچ چکے ہیں۔" داس نے بھی سختی سے جواب دیا۔ اس کے بعد کا سفر دونوں نے خاموشی میں کاٹا۔

••••••☆☆☆••••••

ارسل کا پرانا گھر بالکل ویسا ہی تھا جیسا اس کی یادوں میں محفوظ تھا۔ وہ دونوں زیرزمین پارکنگ گیراج سے چھپتے چھپاتے اندر داخل ہوئے اور چند سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے۔

داس نے دروازے پر زور سے دستک دی۔ "دروازہ کھولو۔ میں ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

کچھ لمحے گہری خاموشی چھائی رہی۔ پھر دروازے کے پیچھے سے بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں، جیسے کوئی دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لکڑی کی چرچراہٹ اور دھاتوں کے ٹکرانے کی آوازیں گونجیں، اور آہستہ آہستہ دروازہ کھل گیا۔ دھان دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ عالیانہ کو دیکھا کر ایسے حیران ہوا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ "اوہ خدا!" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا اور جلدی سے اپنا ٹوٹا ہوا چشمہ اتارا۔ اس کا چہرہ زخموں سے بھرا تھا۔ اس کے نچلے ہونٹ پر سوجن اور کٹ کے نشان تھے، جبکہ اس کا داہنا ہاتھ پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"کیا میں دوبارہ وہم کا شکار ہو رہا ہوں؟ کیونکہ اگر یہ بھی وہم ہے تو میں واقعی غصے میں آ جاؤں گا۔" دھان بڑبڑایا۔

"یہ وہم نہیں ہے۔" داس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اب ہمیں اندر آنے دو۔"

دھان نے پیچھے ہٹ کر انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی عالیانہ نے دروازے کے پار قدم رکھا، اسے لگا جیسے وہ ایک نئی دنیا میں آ گئی ہو، ایک ایسی دنیا جو پرانی یادوں سے جڑی ہوئی تھی۔ یہ ارسل کا گھر تھا، وہ جگہ جہاں اسے پہلی بار پناہ ملی تھی، پہلی بار اس نے خود کو محفوظ محسوس کیا تھا۔

لیکن اب یہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ایک چھوٹے ہال کے ساتھ اوپن کچن۔اور دو کمرے۔اتنا چھوٹا کہ اتنے انسانوں کو بمشکل سموپاتا تھا۔کیسر،اشعل،میلیسا،سیم اور معاز سب کی نظریں عالیانہ پر جمی تھیں۔سب کھڑے تھے البتہ کیسر ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اپنے دوستوں کے منتشر گروپ سے کچھ کہتی،ارسل سامنے والے کمرے سے باہر نکلا۔اس کا چہرا جھکا تھا۔اس کے ہاتھ میں کچھ تھا،اور وہ بظاہر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔اس نے کمرے کے ماحول میں تبدیلی کو ابھی محسوس نہیں کیا تھا۔لیکن پھر اس کے قدم زنجیر ہوئے،اور اس نے ماحول میں کچھ غیر معمولی احساس محسوس کیا اور چہرا اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا اور وہ اگلا سانس نہ لے سکا۔اس کے چہرے کا ہر رنگ اڑ گیا۔وہ ساکت ہو گیا۔پلکیں تک جھپکنا بھول گیا۔ جو چیز اس کے ہاتھ میں تھی،وہ زمین پر گر کر ٹوٹ گئی۔اس کا چہرہ مختلف جذبات سے گھرا ہوا تھا۔وہ آدھا خوفزدہ اور آدھا پر امید دکھائی دے رہا تھا۔وہ بس اسے دیکھے گیا۔ابھی تک اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کے سامنے کھڑی ہے جس کو وہ مرا ہوا تصور کر چکا تھا۔

داس عالیانہ کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا،اس کے چہرے پر بڑی مسکراہٹ تھی۔اس نے عالیانہ کے کندھے پر بازو رکھا۔"دیکھو! مجھے کیا ملا۔"

ارسل کمرے کے پار چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔سرمئی سویٹر۔سیاہ جینز۔جذبات سے بھری سیاہ آنکھیں۔بال ماتھے پر آگے کو بکھرے ہوئے۔چہرے کا رنگ پہلے سے زرد

تھا۔ وہ کمزور دکھ رہا تھا۔اس کی حرکتیں دھیمی لگ رہی تھیں، جیسے وقت تھم گیا ہو۔اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ خوشی۔ حیرت۔ بے یقینی۔ نمی۔اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہی تھے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم واقعی یہاں ہو۔مجھے یقین نہیں آرہا کہ یہ سب حقیقت ہے۔" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے لگا میں نے تمھیں کھو دیا ہے۔" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے اگلے ہی لمحے وہ رو دے گا۔"شکریہ زندہ رہنے کے لیے۔"اس نے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اُس کی مسکراہٹ میں بھی درد تھا۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اس نے دیکھا کمرے میں موجود ہر شخص غم میں مبتلا ہے۔ان کے چہرے پر دکھ کی لکیریں تھیں، ہر آنکھ میں غم چھپا ہوا تھا۔ مگر ایک لمحے کے لیے اُسے محسوس ہوا کہ وہ اس درد سے مختلف ہے۔وہ اب اُس لڑکی کی طرح نہیں تھی جو ہمیشہ خوفزدہ رہتی تھی۔
اس کے اندر کی جنگ اب ختم ہو چکی تھی۔وہ آزاد ہو چکی تھی۔

"شاید تمھیں اس خراب علاقے میں میرے لئے کوئی لڑکی تلاش کرنی چاہیے۔میں بائیس سے پینتیس سال کی عمر کے درمیان کی کسی بھی لڑکی کے لئے تیار ہوں" داس سر جھکا کر معاذ سے مخاطب ہوا۔

""ٹھیک ہے، میلیسا یا عالیانہ کیسی رہیں گی؟"اُس نے فوری طور پر کمرے میں موجود خواتین کی طرف اشارہ کیا۔

داس نے منہ کھول کر بند کیا، جیسے الفاظ تلاش کر رہا ہو۔ پھر ہنسا "نہیں شکریہ۔ یہ دونوں میری بہنوں جیسی ہیں۔"

"بہت ہوشیار ہو تم، داس۔ تم سب عورتوں کا دل یہ کہہ کر جیت لیتے ہو کہ وہ تمہارے لیے بہنوں جیسی ہیں۔" میلیسا نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"بے ادب!" داس نے بازو باندھتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

معاذ قہقہے سے ہنس پڑا۔

"تم دیکھ رہے ہو، مجھے کس چیز کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ میرے لیے کوئی محبت نہیں ہے۔ میں سب کو دیتا ہوں اور بدلے میں کچھ نہیں پاتا۔ مجھے ایسی عورت چاہیے جو میری قدر کرے۔" اُس نے اپنی طرف اشارہ کیا، جیسے اپنی اہمیت جتانا چاہتا ہو۔

کمرے میں موجود تمام لوگ داس کی باتوں پر ہنس پڑے۔ داس شاید اس چھوٹے سے گروپ کے لیے واحد خوشی کا ذریعہ تھا۔ اُس کی باتوں میں مزاح تھا، لیکن اُس کے دل میں درد تھا، جسے وہ دنیا سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ واضح طور پر مبالغہ آرائی کر رہا تھا، معاذ کو اپنی احمقانہ حرکتوں سے خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی یہ کوششیں سراہی جا رہی تھیں۔ داس اس چھوٹے سے ہال میں موجود لوگوں کے لیے واحد مزاح کا ذریعہ تھا اور شاید اسی لیے وہ ہر روز وہاں سے نکل جاتا تھا۔ شاید اسے کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں خاموشی ہو، جہاں وہ غمگین ہو سکے اور کوئی اس سے مزاحیہ بننے کی توقع نہ کرے۔ وہ سمجھ سکتی تھی اس کے لیے اپنے

آپ کو مضبوط رکھنا کتنا مشکل تھا، خاص طور پر جب وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ آج پہلی بار اس نے داس کے دوسرے پہلو کی جھلک دیکھی تھی۔

"عالیانہ کے پاس ایسی معلومات ہیں جو سب کو سننی ہیں۔"

اتنے میں میلیسا بھاگتی ہوئی عالیانہ کی جانب آئی اور اس سے گلے ملی۔ "میں بہت خوش ہوں کہ تم زندہ ہو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں بھی۔"

"یہ لڑکی بولتی بھی ہے؟" سیم بھی اس کے قریب آیا اور مصنوعی حیرت سے کہا۔

"یہ لڑکی بہت باتیں کرتی ہے۔ اور تو اور یہ بس ڈرائیوروں کی طرح گالیاں بھی دیتی ہے۔"

"میں بالکل بھی گالیاں نہیں دیتی۔" عالیانہ نے داس کو دیکھتے ہوئے غصے میں چبا چبا کر کہا۔

پھر داس نے اشعل اور دھان جو صوفے پر بیٹھے تھے، ان کی جانب اشارہ کیا۔

"تمہیں ان دونوں کا تعارف کی ضرورت نہیں، لیکن جیسا کہ تم دیکھ سکتی ہو، اب یہ تھوڑے مختلف دکھتے ہیں۔ قید میں رہنے کے بعد ان کی حالت خراب ہو گئی ہے! اب یہ جنگلی جانوروں جیسے نظر آتے ہیں۔"

اشعل نے ہلکا سا مسکرا کر عالیانہ کو دیکھا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم زندہ ہو۔"

"مجھے بھی خوشی ہے۔" دھان نے اشعل کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا، اس کی نظریں عالیانہ پر مرکوز تھیں۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور اس کے بال سنہری رنگ کے تھے، مگر اس کے چہرے پر دائیں کنپٹی سے لے کر جبڑے تک ایک گہرا زخم تھا، جو ابھی تک بھرا نہیں تھا۔

"تمہیں دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔" اس کا برطانوی لہجہ ہمیشہ کی طرح اس کو حیران کر گیا۔ "ہم اتنے اچھے نہیں لگ رہے۔"

"مجھے بھی خوشی ہے کہ تم دونوں ٹھیک ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم ابھی تک زندہ کیسے ہو؟ تم پر تو کوئی تشدد بھی نہیں ہوا دکھائی دیتا۔ تم کہاں تھی۔" سیم نے حیرت سے پوچھا۔ سیم، داس کا ہم عمر۔ سیاہ رنگ کے بال۔ گندمی رنگت۔ غصے سے بھری سیاہ آنکھیں۔ اس وقت وہ سفید سویٹر اور جینز پہنے ہوئے تھا۔ اس کی پیشانی پر بل واضح تھے۔

"ہم اس حصے پر بات کرنے والے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں اس کے پاس ایک مضبوط وضاحت ہے۔ مجھے پہلے ہی سب تفصیلات معلوم ہیں۔" داس نے بات سنبھالتے ہوئے کہا۔

عالیانہ نے سیم کو غور سے دیکھا، اور اپنا سر جھکا لیا۔

داس نے عالیانہ کی آنکھوں کے سامنے انگلیاں چٹکائیں۔ "توجہ دو، شہزادی، میں پہلے ہی بور ہو رہا ہوں۔" وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، جیسے یہ جانچ رہا ہو کہ کوئی تعارف

کرنے والا تو باقی نہیں۔" معاذ" اس کی نظر عالیانہ کے بارہ سالہ دوست کے اُٹھے ہوئے چہرے پر جا ٹھہری۔ "عالیانہ سے کچھ کہنا چاہتے ہو اس سے پہلے کہ ہم شروع کریں؟"

"مجھے کبھی نہیں لگا کہ تم مر گئی ہو۔" اس کا لہجہ بالکل سادہ تھا۔

"واقعی؟" داس ہنس کر بولا۔

"ہاں!"

"کیسے؟" عالیانہ نے پوچھا۔

معاذ نے سر ہلایا۔ "مجھے بس احساس تھا۔"

داس مسکرایا۔ "اچھا۔ چلو شروع کرتے ہیں۔" سب نے اس سے بات کی تھی سوائے کیسر کے۔ اس نے کیسر کو دیکھا جو جب سے وہ آئی تھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ پھر اس نے داس کو دیکھا۔

"کیسر...؟" وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اس نے داس کے چہرے پر اضطراب کی جھلک نمودار ہوتی دیکھی، اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے تھم گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک ساتھ سو تاثرات ابھرے، پھر اس نے عالیانہ سے نظریں چرا کر کیسر کو دیکھا۔ دکھ سے۔ اذیت سے۔ ملال سے۔

داس کی نظروں کا تعاقب کر کے اس کی نظریں بھی کیسر پر جا ٹھہریں، وہ ویسا نہیں تھا، جیسے پہلی بار ملنے پر تھا۔

اس کی آنکھیں بے جان تھیں، اس کی بھنویں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ گود میں الجھے ہوئے تھے، اور اس کے بال، جو ہمیشہ ترتیب سے سمٹے ہوتے تھے، اب بکھرے ہوئے تھے۔ وہ شیو کے بغیر تھا۔ ان سب میں سے کیسر ہی تھا جس پر سب سے زیادہ اثر ہوا تھا۔

ایلفا پوائنٹ اس کی زندگی تھی۔ اس کے خواب اس کی ہر اینٹ میں بسے ہوئے تھے، ہر دیوار میں اس کی گونج تھی۔ اور ایک ہی رات میں، اس نے سب کچھ کھو دیا تھا۔ اس کی امیدیں، مستقبل کے لیے اس کا وژن، وہ پوری کمیونٹی جو وہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا واحد خاندان۔ سب ختم۔

"اس نے بہت مشکل وقت گزارا ہے۔" ارسل نے عالیانہ کے قریب آ کر سرگوشی کی۔ "کیسر کچھ عرصے سے ایسا ہی ہے۔" اس کا دل ٹوٹنے لگا۔

اس نے داس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی، اسے یہ بتانے کے لیے کہ وہ اس کا درد سمجھتی ہے، لیکن داس نے اس سے نظریں ملانے سے گریز کیا۔ اس کو اپنی جذباتی کیفیت سنبھالنے میں چند لمحے لگے، اور اس وقت عالیانہ کو احساس ہوا کہ یہ سب اس کے لیے کتنا مشکل ہو گا۔ یہ صرف ایلفا پوائنٹ کی تباہی کا غم نہیں تھا، یہ صرف وہ سب لوگ نہیں تھے جنہیں وہ کھو چکا تھا، اور نہ ہی وہ کام تھا جو برباد ہو گیا تھا۔ یہ کیسر کا درد تھا۔

کیسر، جو داس کے لیے باپ جیسا تھا، اس کا قریبی رازدار اور سب سے عزیز دوست۔ اب وہ اپنے سابقہ وجود کا صرف ایک سایہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس کا دل داس کے درد کی شدت سے بھاری ہو گیا۔ وہ شدت سے چاہتی تھی کہ کسی طرح وہ اس کا دکھ کم کر سکے، کچھ ٹھیک کر سکے۔ اور اُس لمحے میں اس نے خود سے وعدہ کیا کہ وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ وہ داس کے لیے حالات بہتر بنائے گی، چاہے کچھ بھی ہو۔

"ٹھیک ہے!" داس نے اچانک ہاتھ بجاتے ہوئے ماحول کا تناؤ کم کرنے کی کوشش کی۔ چند بار سر ہلایا اور گہری سانس لیتے ہوئے سر جھکایا۔ "سب خوش اور مطمئن ہیں؟ اب میں تمہیں یہ کہانی سناتا ہوں کہ ہماری دوست عالیانہ کو سینے میں گولی کیسے لگی۔"

سب حیرت سے داس کو دیکھنے لگے۔

داس نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو عالیانہ نے اسے بتایا تھا، لیکن خاص طور پر محبت کے اظہار سے متعلق حصے چھوڑ دیے۔ وہ دل ہی دل میں اس کی شکر گزار ہوئی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ ارسل اس بارے میں کیا سوچتا ہو گا۔ ان دونوں کے درمیان بہت سی باتیں تھیں جن پر بات کرنے کی ضرورت تھی، اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ عالیار ان میں سے ایک موضوع ہو۔ عالیار ہمیشہ سے ان کے درمیان ایک کشیدہ موضوع رہا تھا۔ آج کے دن وہ مزید بحث و مباحثے کے موڈ میں نہیں تھی، خاص طور پر پہلے دن۔

لیکن لگتا تھا کہ اسے اتنی آسانی سے معافی نہیں ملے گی۔

"حیدر نے تمہاری جان بچائی؟" میلیسا نے حیرت اور تھوڑی سی نفرت کے ساتھ پوچھا۔ اشعل اور دھان بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، ان کی نظریں عالیانہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ ایسا کیوں کرے گا؟" میلیسا کی آواز میں بے یقینی جھلک رہی تھی۔

"یار، یہ چھوڑو!" سیم نے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔ "ہم اس سے کیسے لڑیں گے؟ ہم تو تھوڑے سے ہیں، اور اب وہ جانتا ہے کہ ہم زندہ ہیں!"

"ہم تمہیں چھپا دیں گے، اوکے؟ اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" دھان نے سیم کو چپ کرواتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے، میرا مطلب کیا ہے!" سیم نے غصے سے جواب دیا۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی، مگر یہ خاموشی بہت بھاری تھی۔ ہر کسی کے دل میں سوالات اور خدشات کی گونج سنائی دے رہی تھی۔

"وہ نفسیاتی مریض ہے!" سیم غصے سے چیخا۔

"وہ نفسیاتی مریض نہیں ہے..." اس نے وضاحت دینے کی کوشش کی، مگر کمرے کا شور اس کی آواز کو دبا گیا۔ سب ایک دوسرے سے پہلے بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اس کا مطلب کیا ہے؟"

"کیا وہ خطرناک ہے؟"

"تم نے سکندر کو دیکھا؟ وہ کیسا دکھتا تھا؟"

"ٹھیک ہے، مگر یہ بات..."

"رکو!" ارسل نے سب کو ایک دم چپ کروایا۔ "اب وہ کہاں ہے؟ تم نے کہا تھا کہ حیدر تمہیں یہاں لایا تاکہ تمہیں پوائنٹ کے حالات دکھا سکے۔ لیکن جیسے ہی داس پہنچا، وہ تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔"

اس نے سر ہلایا۔

"تو پھر کیا؟ وہ جانتا ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ زندہ ہیں! وہ یقیناً مدد لانے کے لیے واپس گیا ہوگا تاکہ ہمیں ختم کر سکے!"

کمرے میں یکایک خاموشی چھاگئی۔ خوف وغصے کی ایک لہر سب پر طاری ہو گئی۔

"نہیں۔ وہ ایسا نہیں کرے گا۔" اس نے سب آوازوں کو توڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

سب کی نظریں اس پر مرکوز ہو گئیں، جیسے وہ ان کے سوالوں کا جواب دینے پر مجبور ہو۔

"اسے تم سب کو مارنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ خود دستور کو پسند نہیں کرتا، اپنے باپ سے نفرت کرتا ہے، اور..." باپ کے لفظ پر ارسل کے چہرے پر کچھ بدلا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ارسل نے اسے ٹوکا۔ "حیدر قاتل ہے! ایسا کوئی برا کام نہیں جو اس نے نہیں کیا۔"

عالیار کے انکشافات ابھی بھی نئے تھے، اور وہ نہیں جانتی تھی کہ حیدر کا دفاع کیسے کرے یا اس کی متضاد شخصیت کو کیسے بیان کرے۔ ایک لمحے کے لیے اسے عالیار پر غصہ آیا کہ اس نے اسے اس پیچیدہ صورتِ حال میں ڈال دیا۔ اگر حیدر کبھی اتنا بیمار یا نفسیاتی نہ لگتا، تو اسے اس کا دفاع کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"وہ دستور کو ختم کرنا چاہتا ہے اور سکندر کو بھی مارنا چاہتا ہے۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

کمرہ ایک بار پھر بحث و مباحثے سے گونج اٹھا۔

چیخ و پکار کا محور وہی تھی۔ کوئی بھی اس پر یقین نہیں کر رہا تھا۔ سب اسے پاگل سمجھ رہے تھے اور مانتے تھے کہ عالیار نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک حیدر ایک ثابت شدہ قاتل تھا، جس نے اسے قید کیا اور لوگوں کو اذیت دینے کے لیے استعمال کرنا چاہا۔ اور وہ غلط بھی نہیں تھے... لیکن وہ مکمل طور پر درست بھی نہیں تھے۔

کاش وہ انہیں بتا سکتی کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ان میں سے کوئی بھی سچ نہیں جانتا، اور وہ اسے وضاحت کا موقع بھی نہیں دے رہے تھے۔ جیسے ہی اس نے اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہا، اس کی نظر کمرے کے ایک کونے میں موجود سیم پر پڑی۔ سیم طنزیہ ہنسی ہنس رہا تھا۔

اس نے گہری سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اچانک، اس کا بازو کسی کے آہنی کے شکنجے میں تھا، کوئی اسے بھیڑ سے کھینچ کر ایک دروازے کی طرف لے گیا۔ یہ اسٹور روم تھا۔ ارسل اسے اندر لے گیا اور دروازہ بند کر دیا، کمرے کے باہر موجود شور وغل سے دور۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ تم حیدر کا دفاع کیوں کر رہی ہو؟ اس نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا، تمہیں تو اسے نفرت کرنی چاہیے۔ غصے میں ہونا چاہیے!"

"میں نہیں کر سکتی، ارسل! میں..."

"تم نہیں کر سکتی؟"

"میں بس... یہ اب اتنا آسان نہیں رہا۔ میں نہیں جانتی کہ اس کے بارے میں کیا سوچوں۔ بہت سی باتیں میں نے غلط سمجھی تھیں، اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو میں سمجھ نہیں سکی۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔ "وہ واقعی..." وہ اندرونی کشمکش میں ہچکچائی۔

وہ سچ کیسے بتا سکتی تھی بغیر جھوٹے لگے؟

"میں نہیں جانتی۔ مجھے نہیں پتہ۔ وہ بس... وہ اتنا برا نہیں جتنا میں نے سوچا تھا۔" اس نے آخر کار اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے اعتراف کیا۔

ارسل کی تلخی اس کے چہرے پر واضح تھی۔

"واہ۔ وہ اتنا برا نہیں جتنا تم نے سوچا تھا؟ کیسے ممکن ہے کہ وہ تمہارے خیال سے بہتر ہو؟"

"ارسل!"

"تم کیا سوچ رہی ہو، عالیانہ؟"

اس نے نظریں اٹھائیں۔ ارسل کی آنکھیں غصے اور بے اعتمادی سے بھرپور تھیں۔ اُسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

اسے وضاحت دینے کے لیے کوئی مضبوط دلیل تلاش کرنا تھی، کوئی ناقابلِ تردید ثبوت دینا تھا کہ حیدر وہ نہیں ہے جو ارسل سمجھ رہا تھا۔ لیکن وہ ارسل کا اعتماد کھو چکا تھا۔ وہ اس پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر وہ اُس سے پہلے بول پڑی۔

"تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم نے مجھے کمرے میں روتے ہوئے پایا تھا؟ جب حیدر نے مجھے مجبور کیا کہ میں اُس بچے کو اذیت دوں؟"

ارسل نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہی ایک وجہ تھی جو میں نے اُس سے اتنی نفرت کی۔ مجھے لگا تھا کہ اُس نے کسی کا بچہ اغوا کیا، مجھے لگا اس نے ایک بچے کو اس کمرے میں رکھا، اور مجھے مجبور کیا کہ میں اسے اذیت دینے کا منظر دیکھوں۔ یہ سب کچھ بہت قابلِ نفرت تھا۔ مجھے لگا کہ وہ انسان نہیں ہے۔ لیکن... یہ حقیقت نہیں تھی۔"

ارسل کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔

"یہ سب ایک سیمولیشن تھا۔ حیدر نے مجھے بتایا کہ وہ ایک سیمولیشن چیمبر تھا، اذیت کا کمرہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ سب کچھ میری تخیل میں ہوا تھا۔"

"تم کس بارے میں بات کر رہی ہو؟ ظاہر ہے کہ وہ ایک سیمولیشن تھا۔" اس نے ماتھے پر بل ڈالے ناگواری سے کہا۔

"کیا؟" شاک، بے یقینی، حیرت۔

ارسل نے حیرت سے بھویں سکیڑیں۔ "تمہیں پتہ تھا کہ وہ حقیقت نہیں ہے...؟" عالیانہ نے سوال کیا۔

"نہیں!"

"لیکن جب تم نے مجھے پایا تھا، تم نے کہا تھا کہ یہ میری غلطی نہیں ہے۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے جو کچھ ہوا، اُس کے بارے میں سنا، اور یہ میری غلطی نہیں تھی۔"

ارسل نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا، جیسے کوئی بھولا ہوا جواب یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "میں سمجھا کہ تم شیشے کو توڑنے کی وجہ سے افسردہ ہو۔" اس کی آواز میں ہچکچاہٹ واضح تھی۔ "مجھے اندازہ تھا کہ سیمولیشن بہت خوفناک ہوگی، لیکن میں نے سمجھا کہ حیدر نے تمہیں پہلے ہی بتادیا ہوگا کہ یہ کیا تھا۔ مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ تم اس حقیقت سے بے خبر ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ تم بچے اور زخمی سپاہیوں کے بارے میں پریشان ہو۔"

ایک بھاری بوجھ تھا جو اس کے دل سے ہٹ گیا۔ اتنے وقت سے، اس کے دل میں کہیں نہ کہیں شک تھا کہ عالیار جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن اب ارسل کی تصدیق نے اسے ششدر کر دیا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ کیا۔" ارسل نے دائیں بائیں سر ہلا کر نفرت سے کہا۔ وہ حیدر سے اتنی نفرت کیوں کرتا تھا، حالانکہ وہ جانتا تھا وہ اسکا بھائی ہے؟ یہ جاننے کے بعد کہ ارسل اس کا بھائی ہے، کیا عالیار بھی اس سے اتنی ہی نفرت کرے گا؟

"حیدر نے بہت سی غلطیاں کی ہیں، لیکن وہ سمجھتا تھا کہ وہ میری مدد کر رہا ہے۔"

"مدد؟" ارسل کا غصہ دوبارہ بھڑک اٹھا۔ "اس نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی۔ اس نے تمہیں اذیت دی تھی!"

"نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے۔" اس نے سفید دیوار پر بنی سرمئی دراڑ کو دیکھتے ہوئے کہا، کیونکہ وہ ارسل کی آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"کسی عجیب انداز میں... اُس نے واقعی میری مدد کی تھی۔" وہ ہچکچائی، پھر ارسل کی جانب دیکھا۔

"سیمولیشن چیمبر کے اُس لمحے میں، پہلی بار میں نے خود کو غصے میں آنے دیا۔ مجھے کبھی نہیں لگتا تھا کہ میں اپنے اس ٹراما سے نکل سکتی ہوں۔ میں کسی بچے کو بچا سکتی ہوں جب تک وہ لمحہ نہیں آیا۔ اس نے مجھے اس ٹراما سے نکالنے میں مدد کی۔"

"حیدر خود پر ایک نقاب اوڑھتا ہے۔ وہ ایسا ظاہر کرتا ہے جیسے وہ ایک نفسیاتی، بے رحم انسان ہے، لیکن وہ... ایسا نہیں ہے....." وہ ایک لمحے کے لیے رُک گئی، اُس کی نظریں کہیں اور مرکوز تھیں، شاید ایک یاد میں گم ہو۔ عالیار کا مسکراتا چہرہ، اُس کے ہاتھ جو اُس کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ "سب ٹھیک ہے۔ تم ٹھیک ہو۔" اس کے الفاظ اس کو یاد آئے۔

"میں اسے کیا سمجھوں؟ اب تمہیں اُس سے محبت ہو گئی ہے؟ تم اُس کی دوست ہو؟ وہی آدمی جس نے مجھے مارنے کی کوشش کی؟" اس نے اپنی آواز میں چھپے درد کو بمشکل چھپاتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی بھول گئی تھی۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اُس کے سپاہیوں نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ارسل پر گولی چلائی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ عالیار نے اُسے ایک دشمن کی طرح دیکھا تھا، ایک سپاہی کے طور پر جس نے اُس کے خلاف بغاوت کی تھی۔ وہ اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ لیکن وہ یہ بات ارسل کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"میں بس... میں بہت الجھن میں ہوں۔ میں اُس سے نفرت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نہیں جانتی کیسے۔"

ارسل اُسے ایسی نظر سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو۔

"کیسر کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ "کیا وہ بیمار ہے؟"

ارسل جانتا تھا کہ وہ موضوع بدل رہی ہے۔ شاید وہ خود بھی بدلنا چاہتا تھا۔ "بہت برا۔ وہ ہم میں سے سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ داس بھی اس سے بہت زیادہ متاثر ہو رہا ہے۔"

"وہ اُس کرسی سے نہیں اُٹھتا۔ وہ سارا دن وہاں بیٹھا رہتا ہے جب تک کہ وہ تھکن سے بے ہوش نہ ہو جائے۔ وہ اُسی جگہ بیٹھے بیٹھے سو جاتا ہے۔ پھر اگلی صبح اُٹھتا ہے اور دوبارہ وہی کرتا ہے۔ سارا دن۔ وہ صرف اُسی وقت کھاتا ہے جب ہم اُسے زبردستی کھلاتے ہیں۔ وہ صرف باتھ روم جانے کے لیے حرکت کرتا ہے۔ وہ ابھی بھی تازہ ترین صدمے

کی حالت میں ہے۔امید ہے، وقت کے ساتھ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"اس نے دھیرے سے کہا۔

ارسل نے سر ہلایا اور سر جھکا کر اپنی ہتھیلیوں کو دیکھنے لگا۔

"لیکن ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ آگے کیا کرنا ہے۔مجھے نہیں پتہ کہ ہم کتنی دیر تک اس طرح جی سکتے ہیں۔ہمارے پاس صرف چند ہفتوں کا کھانا بچا ہے۔"اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

"اب ہمیں آٹھ لوگوں کو کھلانا ہے، اشعل اور دھان ابھی تکلیف میں ہیں۔میلیسا جتنی مدد کر سکی، یہاں کے محدود وسائل سے اس نے کی ہے، لیکن انہیں اصل طبّی دیکھ بھال اور درد کی دوا کی ضرورت ہے۔"وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔"مجھے نہیں پتہ، داس نے تمہیں کیا بتایا ہے، لیکن جب ہم انہیں یہاں لائے تو وہ واقعی بری حالت میں تھے۔دھان کی سوجن ابھی کم ہوئی ہے، مگر ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے۔ہمیں ایک منصوبہ چاہیے۔"

"ہاں، ہمیں ایک منصوبہ چاہیے۔ تمہارے پاس کوئی منصوبہ ہے؟"اس نے سکھ کا سانس لیا، کہ ارسل کے پاس کوئی حل ہے۔ارسل واقعی کچھ کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ شاید ہم پہلے کی طرح اسٹوریج یونٹس میں جا کر سامان چرا سکتے ہیں یا کسی بڑی جگہ میں چھپ سکتے ہیں، لیکن ہم کبھی بھی کمپاؤنڈز میں قدم نہیں رکھ سکیں گے۔" اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

"یہ بہت خطرناک ہے۔ اگر ہمیں پکڑ لیا گیا، تو وہ ہمیں فوراً مار دیں گے۔ تو... مجھے نہیں پتہ۔" اس نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد خود سے ایک طنزیہ ہنسی ہنسا، جیسے وہ خود پر طنز کر رہا ہو۔ "میں واحد نہیں ہوں جس کے پاس کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔"

"بس اتنا؟" ارسل نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ "اب تم لڑنے کا نہیں سوچ رہے؟ کیا تم سوچتے ہو کہ ہمیں بس ایسے ہی جینا چاہیے؟" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ارسل نے الجھن میں اسے دیکھا، وہ اس کے رد عمل کی توقع نہیں کر رہا تھا۔
"ایسا نہیں ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں۔ لیکن ہم اپنی جان خطرے میں ڈالے بغیر کیسے لڑ سکتے ہیں؟ میں پریکٹیکل ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔" اس نے اپنے بالوں میں بے چینی سے ہاتھ پھیرا اور نرم لہجے میں کہا۔ "ہم نے لڑنے کی کوشش کی تھی اور ہم سب کو تقریباً قتل کر دیا گیا۔ مجھے ابھی زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کسی وجہ سے، میں ہوں۔" اس کا سر جھک گیا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے مجھے اپنی زندگی جینے کا ایک اور موقع دیا گیا ہے۔ مجھے نئے طریقے سوچنے ہوں گے کہ کیسے کھانا تلاش کیا جائے اور کیسے اپنے سر پر چھت رکھی جائے۔" اس کی آواز میں مایوسی جھلک رہی تھی۔ "میرے پاس کوئی آمدنی نہیں ہے، اور میں دوباہ

اس سیکٹر کی فوج میں بھی شامل نہیں ہو سکوں گا۔ میں کبھی بھی کام نہیں کر سکوں گا۔ ابھی، میرا سارا دھیان صرف اس بات پر ہے کہ میں چند ہفتوں بعد اپنے دوستوں کو کیسے کھلاؤں گا۔ شاید کوئی اور گروہ ہم سے زیادہ ذہین ہو گا۔ ہم زیادہ طاقتور جو لڑ سکے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ہم وہ ہیں۔ ہمارے پاس کوئی موقع نہیں ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"کس بات پر یقین نہیں آرہا؟"

"تم ہار مان رہے ہو۔" اس کی آواز میں تلخی تھی، اور وہ اسے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کررہی تھی۔

ارسل نے زخمی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "میرے پاس کیا چوائس ہے؟ ہم نے لڑنے کی کوشش کی اور ناکام ہو گئے۔ جن کو ہم جانتے تھے وہ سب مر چکے ہیں۔ ہماری مزاحمت کا بچا ہوا حصہ وہی لوگ ہیں جنہیں تم نے باہر دیکھا۔ ہم آٹھ لوگ کیسے دنیا کے خلاف لڑ سکتے ہیں؟" اس نے تلخی سے سوال کیا۔ "یہ کوئی منصفانہ جنگ نہیں ہے، عالیانہ۔"

عالیانہ نے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا، اپنی مایوسی کو چھپانے میں ناکام رہی۔

"میں بزدل نہیں ہوں عالیانہ۔ میں بس اپنے خاندان کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اس طرح جینا؟ چھپ کر؟ یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ تم ہر وقت خوف میں رہو گے، ہر دن اپنے کندھے کے اوپر دیکھو گے۔ تم اداس رہو گے۔"

"لیکن ہم زندہ رہیں گے۔"

"یہ زندہ رہنا نہیں ہے۔ یہ زندگی نہیں ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟ تمہیں کیا پتا ہے؟" اس کا لہجہ اتنا تلخ اور غیر متوقع تھا کہ وہ حیرت سے خاموش ہو گئی۔ "تمہیں کیا پتا ہے کہ زندہ رہنا کیا ہوتا ہے؟" اس کے سوال میں ایک چبھتا ہوا طنز چھپا ہوا تھا۔

"جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، تم ایک لفظ بھی نہیں بولتی تھیں۔ اپنے ہی سائے سے ڈرتی تھیں۔ تم غم اور جرم کے احساس میں اتنی ڈوبی ہوئی تھیں کہ تمہیں دنیا کا کوئی ہوش نہیں تھا۔" وہ سختی سے کہتا چلا گیا، اس کے ہر لفظ میں تلخی تھی، جو دل میں گہرے زخم لگا رہا تھا۔ دل میں ایک گہری چوٹ لگی۔ یہ وہ ارسل نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی، جس کے ساتھ وہ ہر مشکل کا سامنا کرتی آئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ارسل اپنی باتیں واپس لے، معافی مانگے۔ لیکن ارسل کی آنکھوں میں کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔

"تم سمجھتی ہو کہ تمہاری زندگی مشکل تھی؟ نفسیاتی اسپتال میں رہنا یا قید میں ہونا؟ تم سمجھتی ہو کہ یہ مشکل تھا؟ تم یہ نہیں جانتی کہ تمہارے پاس ہمیشہ ایک چھت تھی، اور تمہیں باقاعدگی سے کھانا ملتا تھا۔ تمہیں اندازہ۔ بھی نہیں کہ باہر کی دنیا میں زندہ رہنا کتنا مشکل ہے۔ تمہیں کبھی یہ فکر نہیں ہوئی کہ شام کو کھانے کو کچھ ہو گا یا نہیں، چھت میسر

ہو گی یا نہیں۔ تمہارے پاس یہ سب چیزیں تھیں جو یہاں باہر رہنے والے لوگوں کے پاس نہیں ہوتیں۔" اس کی آواز میں غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ "تمہیں نہیں معلوم تکلیف کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ تم کسی خیالی دنیا میں رہتی ہو جہاں ہر کوئی امید کے سہارے زندہ رہتا ہے، لیکن اصل دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہاں یا تو تم زندہ ہوتے ہو، مرنے کے قریب ہوتے ہو، یا مردہ ہوتے ہو۔ اس میں کوئی رومانوی بات نہیں ہے، کوئی دھوکہ نہیں ہے۔ تو تم یہ دکھاوا مت کرو کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ زندہ رہنے کا کیا مطلب ہے کیونکہ تم نہیں جانتی۔"

ارسل کے الفاظ خنجر کی طرح اس کے دل میں اترتے چلے گئے۔ یہ وہی ارسل تھا جس نے ہمیشہ اسے سہارا دیا تھا؟ وہ چاہتی تھی کہ وہ رک جائے، لیکن وہ بولتا چلا جا رہا تھا، اپنی تلخی کا زہر ہر لفظ میں گھولتا جا رہا تھا۔

"تمہیں پتہ ہی نہیں کہ بھوک کیا ہوتی ہے، اپنے پیاروں کو موت کے منہ میں جاتے دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ تمہیں کبھی حقیقی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا۔"

تلواریں کاٹ سکتی ہیں، لیکن الفاظ ایسے زخم دے جاتے ہیں جو کبھی بھرتے نہیں۔ الفاظ بہت گہری تکلیف دیتے ہیں۔

"شاید..." اس نے آہستہ سے کہا۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ شاید مجھے نہیں معلوم کہ زندہ رہنا کیسا ہوتا ہے۔ شاید میں ابھی تک اتنی سمجھدار نہیں ہوئی کہ اپنے سامنے کے سوا کچھ اور جان سکوں۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ دنیا سے چھپ کر رہنا کیسا ہوتا

ہے۔ میں یہ جانتی ہوں کہ ایسے جینا کیسا ہوتا ہے جیسے میں موجود ہی نہیں ہوں، دنیا سے الگ اور قید میں بند۔ اور میں دوبارہ ایسا نہیں کر سکتی۔ میں نہیں کر سکتی۔"

اس نے گہری سانس لی، اور جب بولی تو اس کی آواز میں پختگی تھی۔ "آخر کار میں اپنی زندگی کے اس مقام پر پہنچی ہوں جہاں میں بولنے سے نہیں ڈرتی۔ جہاں میرا سایہ اب مجھے ڈراتا نہیں۔ اور میں یہ آزادی دوبارہ کھونا نہیں چاہتی۔ نہیں، دوبارہ نہیں۔ میں پیچھے نہیں جا سکتی۔ میں چیختے ہوئے انصاف کے لیے مارے جانے کو ترجیح دوں گی بجائے اس کے کہ میں اپنی ہی بنائی ہوئی قید میں اکیلی مر جاؤں۔"

ارسل نے دیوار کی طرف دیکھا، ایک تھکی ہوئی طنزیہ ہنسی ہنسی، اور پھر اس کی طرف مڑا۔ "کیا تمہیں احساس ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ تم چاہتی ہو کہ تمہاری زندگی بے مقصد ختم ہو جائے؟"

وہ خاموشی سے ارسل کو دیکھتی رہی، اس کی نظریں ارسل کی آنکھوں میں سوالیہ تھیں۔

"میں لڑنا چاہتی ہوں۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں اپنی آزادی کے لیے لڑنا چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے میں عزم تھا۔

"کیا تم خود سن رہی ہو کہ تم ابھی کیا کہہ رہی ہو؟" ارسل حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے یہ بتا رہی ہو کہ تم ایک گروہ کے سامنے جا کر انہیں بتانا چاہتی ہو کہ تمہیں 'درستور' سے کتنی نفرت ہے، صرف اس لیے کہ وہ تمہیں تمہاری چوبیسویں سالگرہ سے پہلے مار ڈالیں؟ یہ پاگل پن ہے! اس کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ اور یہ تمہاری باتوں جتنا آسان نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم اپنی زندگی خود جینا چاہتی ہو۔ تم کبھی جنگ میں نہیں الجھنا چاہتی تھیں۔ تم بس 'حیدر' اور پاگل خانے سے آزاد ہونا چاہتی تھیں۔ میں نے سوچا تھا کہ تم ساری لڑائی ختم ہونے پر خوش ہو جاؤ گی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو، ارسل؟" اس نے بھاری دل سے پوچھا۔

"ہم یہاں اس لیے نہیں آئے تھے کہ جنگ شروع کریں۔ ہم یہاں اپنے لیے ایک نئی زندگی شروع کرنے آئے تھے۔ لیکن اب، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ ہم آدھے مر چکے ہیں اور باقی بچی کھچی طاقت سے لڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ارسل کی آواز بوجھل تھی، اور اس کی باتیں حقیقت کا کڑوا آئینہ دکھا رہی تھیں۔

عالیانہ جانتی تھی کہ ارسل ٹھیک کہہ رہا ہے، لیکن وہ بھی غلط نہیں تھی۔ "میں ہمیشہ سے لڑنا چاہتی تھی۔ اس لمحے سے جب میں نے تمہیں بتایا کہ میں فرار ہونا چاہتی ہوں،

جب ہم 'بیس' پر تھے۔ یہ میں ہوں۔ یہی میرا احساس ہے۔ یہ وہی احساس ہے جو میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے۔"

"نہیں۔" ارسل کا لہجہ کاٹ دار تھا۔ "ہم نے 'بیس' چھوڑا تھا کہ جنگ نہ ہو۔ اپنی جگہ پر مزاحمت کر کے ہم 'درستور' سے دور بھاگنا چاہتے تھے، لیکن سب سے بڑھ کر اپنی زندگی ایک ساتھ گزارنے کے لیے ہم بیس سے بھاگے تھے لیکن پھر 'داس' آیا اور ہمیں 'ایلفا پوائنٹ' لے گیا، اور سب کچھ بدل گیا۔"

ارسل نے کمرے کے گرد دیکھا، بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم لڑیں گے، کیونکہ ایسا لگتا تھا کہ شاید ہمیں کامیابی مل سکتی ہے۔ کیونکہ ایک لمحے کے لیے ہمیں لگا تھا کہ شاید ہمیں واقعی ایک موقع مل سکتا ہے۔ لیکن اب؟ ہمارے پاس کیا بچا ہے؟ ہم آٹھ کمزور ہتھیاروں سے لیس مرد و خواتین ہیں اور ایک بارہ سالہ بچہ، کیسے پوری فوج سے لڑنے کی کوشش کر سکتے ہیں؟ یہ ممکن نہیں ہے! اور اگر میں مرنے والا ہوں، تو میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی بے وقوفی کی وجہ سے ہو۔ اگر میں جنگ میں جا رہا ہوں، اگر میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہا ہوں، تو یہ اس وقت ہو گا جب حالات میرے حق میں ہوں گے۔ ورنہ نہیں۔ کیونکہ یہ بے وقوفی ہے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ انسانیت کے لیے لڑنا بے وقوفی ہے۔" وہ مدھم مگر پختہ لہجے میں بولی۔

ارسل کا غصہ پھر سے بھڑک اٹھا۔ "تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اب ہمارے لیے کچھ بھی نہیں بچا۔" اس کی آواز میں بے بسی جھلک رہی تھی۔

"ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، ارسل۔ ضرور کچھ ہوگا۔ کیونکہ میں اب اس طرح نہیں جی سکتی۔ دوبارہ کبھی نہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔

ارسل نے بے بسی سے سر جھٹکا، اس کی آنکھیں اضطراب سے بھری تھیں۔

"عالیانہ! خدا کے لیے!" اس نے جیسے ہار مان لی۔ غصہ فکرمندی میں بدل گیا۔ "میں تمہیں مرا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں تمہیں دوبارہ نہیں کھونا چاہتا۔" اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔

"یہ تمہارے بارے میں نہیں ہے۔ ارسل۔۔ "تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ تم نے مجھ سے محبت کی، تم میرے ساتھ تھے جب کوئی اور نہیں تھا۔ میں کبھی نہیں چاہتی کہ تم یہ سوچو کہ میں تمہاری پرواہ نہیں کرتی، کیونکہ میں کرتی ہوں۔ لیکن یہ فیصلہ تمہارے بارے میں نہیں ہے۔ یہ میرے بارے میں ہے۔ اور یہ زندگی" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ وہ زندگی نہیں ہے جو میں جینا چاہتی ہوں۔"

ارسل کے چہرے پر تاریکی چھا گئی۔ "تو تم مرنا پسند کرو گی؟" اس کے ماتھے پر بل ڈلے تھے۔ اس کی آنکھیں تھکی ہوئی تھیں۔ "تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم مرنا پسند کرو گی بجائے اس کے کہ میرے ساتھ یہاں ایک زندگی بنانے کی کوشش کرو؟"

"میں مرنا پسند کروں گی، اس کے بجائے کہ میں دوبارہ خاموش اور قید ہو جاؤں۔" وہ کچھ پل یوں ہی بوجھل نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں اب وہ زندگی نہیں چاہتا۔ میری زندگی کبھی منصفانہ نہیں رہی۔ میں بچپن سے لڑتا آیا ہوں، کبھی حالات سے، کبھی اپنی حفاظت کے لیے دوسروں سے، کبھی خود سے، کبھی حیدر کی فوج سف۔ لیکن اب میں تھک چکا ہوں یار۔ کیا میں ایک نارمل زندگی ڈیزرو نہیں کرتا؟ کیا میں خوشیاں ڈیزرو نہیں کرتا؟ کیا میں اپنی محبت کے ساتھ خوش رہنا، اس کے ساتھ خاندان بنانا ڈیزرو نہیں کرتا، عالیانہ؟" اس کا چہرہ تاریکی کے سائے میں ڈوب چکا تھا۔

"میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں ایک پر سکون زندگی گزار سکوں۔ میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میرا ایک خاندان ہو، کیونکہ میرا کوئی خاندان نہیں تھا، عالیانہ۔" عالیانہ کی آنکھوں کے کٹورے بھرنے لگے۔

"میں تلخ نہیں تھا۔ حالات نے مجھے تلخ بنایا۔ تم نہیں جانتی یہ گھر میں نے کیسے بنایا۔ تم نہیں جانتی میں یہاں تک کیسے پہنچا ہوں۔ تم نہیں جانتی میں سرد موسم میں سڑکوں پر سویا ہوں، میں تین تین دن بھوکا رہا ہوں، میں نے پارک میں بچوں کا بچا کچا کھانا کھایا ہے۔ میں نے لوگوں کو خود کو ناجائز کہتے سنا ہے، اتنا کہ میں خود بھی خود کو ناجائز سمجھنے لگا۔ اس سب کے بعد تمہیں نہیں لگتا اب میں خوش رہنا ڈیزرو کرتا ہوں؟ مجھے زندگی نے تمہاری صورت میں ایک جینے کی وجہ دی ہے؟ کیا میں اس وجہ کا بھی مستحق نہیں

ہوں؟کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں یار؟"ارسل کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔اس کا دل کسی نے مٹھی میں رکھ کر مسل دیا۔

"ارسل آئی ایم سوری۔میں....."

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی دیوار کے دوسری طرف سے شور سنائی دیا۔

دونوں کی گھبراہٹ بھری نظر کا تبادلہ ہوا اور پھر وہ اسٹور روم سے نکل کر رہائش گاہ کی طرف دوڑے۔جب وہ ہال کے دہانے تک پہنچی تو اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا۔ شروع ہوا۔ پھر رک گیا۔

وہ دروازے کے سامنے کھڑا تھا،اس کے ہاتھ بے نیازی سے جیبوں میں تھے۔وہ صبح والے کپڑوں میں ہی تھا،بس کوٹ کی جگہ اب سیاہ لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔اس کے چہرے کی طرف چار مختلف بندوقیں نشانہ بنائے ہوئے تھیں۔جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی،عالیار نے اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔اس کے ہونٹوں کی سرد لکیر ایک روشن مسکراہٹ میں تبدیل ہو گئی۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری۔

اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا،جیسے اس پر ٹکی بندوقوں کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔

پہلا خیال جو اسے دیکھ کر اس کے ذہین میں آیا وہ یہ تھا عالیار اسے کیسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوا۔

اس کی نظریں فوراً کمرے میں داس کو ڈھونڈنے لگیں۔

داس کی سیاہ، گہری آنکھیں عالیانہ سے ملیں۔ اس نے ایک ابرو اٹھایا، سر ہلکا سا ایک طرف جھکا لیا، اور ہونٹوں کی جنبش سے اسے یہ پیغام دیا کہ اگلا قدم اس کا ہے، اور اسے صحیح قدم اٹھانا ہوگا۔ اس نے گہری سانس لی، اس کی جانب بڑھی لیکن ارسل نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ عالیانہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ خود پر بھی غصہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ ارسل پر غصہ کیوں ہو رہی ہے

عالیانہ نے اپنے بازو پر اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ارسل نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنے دوستوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی عالیار کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے ساتھیوں اور ان کی بندوقوں کے سامنے عالیار کے لیے ایک ڈھال بن گئی۔ "کوئی گولی مت چلائے۔"

"اور کیوں نہیں؟" سیم غصے سے مطالبہ کیا، اس کی گرفت بندوق پر مزید مضبوط ہو گئی۔ عالیار نے داہنا ابرو اٹھایا، ہلکا سا مسکرایا اور عالیانہ کو دیکھ کر زیر لب کہا۔ "کیا واقعی؟"

"عالیانہ!" عالیار نے دھیرے سے سرگوشی کی، لیکن اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ کمرے میں موجود ہر شخص نے اسے سن لیا۔ "تمہارا میرے حق میں بولنے کا شکریہ! لیکن، واقعی، میں خود یہ صورتحال سنبھال سکتا ہوں۔"

"ان سب کی بندوقیں تمہارے چہرے کی طرف ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں میری مداخلت کی ضرورت ہے۔" عالیانہ نے تلخی سے جواب دیا۔

عالیار ہنسا۔ اور عالیانہ کے کندھے کے پیچھے کھڑے لوگوں کی جانب دیکھا۔ "تم لوگ ہمیشہ اتنی ہچکچاہٹ کیوں دکھاتے ہو؟" اس نے کمرے میں بکھری چیزوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اگر گولی چلانا چاہتے ہو تو چلاؤ۔ اپنی ڈرامے بازیوں میں میرا وقت ضائع مت کرو۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ بندوقیں اب بھی اس پر تنی ہوئی تھیں لیکن وہ ان سے بے پرواہ تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہنسی کی چمک واضح تھی۔ اس نے ایک نظر کیسر کو دیکھا جو اس ہنگامے کو الجھن بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" میلیسا نے غصے سے کہا اور کمرے میں کھڑے ہر شخص نے باری باری اپنی بندوقیں نیچے کر لیں۔

"تم سے کچھ نہیں۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ "میں عالیانہ کو لینے آیا ہوں۔ میرا تمہاری... سلیپ اوور پارٹی میں خلل ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" ہال میں بکھرے ہوئے تکیوں اور کمبلوں کی طرف دیکھتے ہوئے، اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"وہ تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔" ارسل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ عالیار نے ایک نظر اس کو دیکھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

"تم میرے سامنے خاموش ہی رہا کرو۔ تمہیں نہیں لگتا کہ تم ناقابلِ برداشت ہو؟ تمہاری شخصیت میں اتنی ہی کشش ہے جتنی سڑک پر مرے ہوئے جانور کی سڑتی لاش کی بدبو میں ہوتی ہے۔"

کمرے میں ایک ہانپنے کی آواز گونجی۔ عالیانہ نے فوراً اس آواز کی طرف دیکھا۔

داس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب کی نظروں کا سامنا کرتے ہوئے اس نے سر ہلایا، جیسے معذرت کر رہا ہو، لیکن اس کی ہنسی قابو سے باہر ہو گئی۔ وہ زور سے ہنس پڑا، ناک سے ہنسی کی آواز نکلی، جسے دبانے کی ناکام کوشش جاری تھی۔ "معذرت!" اس نے ہونٹ دبائے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی مزاحیہ لمحہ نہیں ہے۔ بالکل نہیں۔ میں نہیں ہنس رہا۔"

اس سے پہلے کے ارسل، داس کا منہ توڑتا، کوئی بول پڑا۔ دھان۔

"تو تم ہمیں مارنا نہیں چاہتے؟" دھان نے چہرے پر شک کی لکیر لیئے پوچھا۔

"نہیں!" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔ "گرچہ ارسل اور داس کو مارنے میں مجھے کوئی مسئلہ نہ ہوتا مگر اب یہ خیال ہی مجھے تھکا دینے والا لگتا ہے۔ اب مجھے تمہاری افسوسناک اور بے بس زندگیوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔" اس نے ارسل اور داس کی جانب اشارہ کیا۔ "میں یہاں صرف عالیانہ کو واپس لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ ہمارے پاس کچھ اہم معاملات ہیں جنہیں حل کرنا ضروری ہے۔"

"تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی اسے نقصان پہنچائے۔" معاذ جواب تک خاموشی سے بیٹھا تھا، کھڑا ہوا، اور مضبوط لہجے میں عالیار کے عین سامنے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

عالیار نے حیرت سے بھنویں اٹھائیں۔ اس نے پہلی بار معاذ کو دیکھا تھا۔

عالیانہ نے داس کی طرف دیکھا، وہ پہلے ہی اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک غیر متوقع لمحہ تھا، جس نے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

عالیار نے معاذ کے چہرے پر گہری نظر ڈالی، اس کا چہرہ نرم پڑا، پھر وہ ایک پنجے پر بیٹھا اور معاذ کی آنکھوں کی سطح تک آیا۔ "اور تم کون ہو؟"

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

معاذ نے آنکھیں جھپکائیں۔ فوراً جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں بعد اس نے اپنے ہاتھ جیبوں میں ڈالے۔ "میں معاذ ہوں۔ عالیانہ کا دوست۔ تم کون ہو؟" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

عالیار نے سر جھکایا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میں کوئی اہم شخصیت نہیں ہوں۔ لیکن تم سے مل کر خوشی ہوئی معاذ۔ میں عالیانہ کی حفاظت کے بارے میں تمہاری فکر دیکھ کر خوش ہوں۔ لیکن میں اسے تکلیف

پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔اس نے مجھ سے ایک وعدہ کیا ہے، میں بس اسے پورا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کس قسم کا وعدہ؟"معاذ نے فوراً پوچھا۔

"ہاں! کس قسم کا وعدہ؟"داس نے ماتھے پر تیوری چڑھائے بولا۔

اس نے اپنے ارد گرد دیکھا، ہر کسی کی نظریں اس پر مرکوز تھیں، ہر کوئی اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ارسل کی آنکھیں بھی پھیلی ہوئی تھیں۔

اس نے ایک سرسری نگاہ سب پر ڈالی پھر دوبارہ عالیار کو دیکھا۔"میں نہیں جا رہی ہوں۔میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ بیس پر رہوں گی۔"

"تم یہاں رہنا چاہتی ہو؟ کیوں؟"عالیار کھڑا ہوا۔چہرہ اب سنجیدہ تھا۔

مجھے اپنے دوستوں کی اور انہیں میری ضرورت ہے۔ویسے بھی ہمیں مل کر کام کرنا ہے تو بہتر ہے کہ ابھی شروع کریں۔اور میں بیس میں چھپ کر نہیں رہنا چاہتی۔تم مجھے یہیں مل سکتے ہو۔"

"رکو! کیا مطلب تمہارا کہ ہم سب مل کر کام کر سکتے ہیں؟ تم لوگ کیا بات کر رہے ہو؟ تم اسے یہاں دوبارہ آنے کی دعوت کیوں دے رہی ہو؟ سیم نے مداخلت کی۔

"تم نے اس سے کس قسم کا وعدہ کیا عالیانہ؟"ارسل کی آواز غصے سے بھری ہوئی تھی۔

عالیانہ نے ایک گہری سانس لی، اور نظریں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے لوگوں کا سامنا کیا۔ وہ عالیار کے ساتھ کھڑی تھی۔ ان سب کی آنکھوں میں الجھن اور غصہ نمایاں تھا۔ کتنی جلدی سب کچھ بدل گیا تھا۔

"میں لڑنے کے لئے تیار ہوں۔ میں پورے گروپ سے مخاطب ہو کر کہتی ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ شکست خوردہ محسوس کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ سوچ رہے ہیں کہ اب کوئی امید باقی نہیں رہی، خاص طور پر ایلفا پوائنٹ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کے بعد۔ لیکن دوسرے لوگ ابھی زندہ ہیں، انہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ دنیا کے باقی حصے کو ہماری ضرورت ہے۔ میں نے یہاں تک کا سفر اس لیے نہیں کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤں۔ میں لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ حیدر نے مجھے مدد کی پیشکش کی۔" اس نے سیدھا داس کی جانب دیکھا۔

"اور میں نے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ اتحادی بننے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے اس کے ساتھ مل کر لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس کے ساتھ لڑوں گی۔ سکندر کو ختم کروں گی اور درستور کا خاتمہ کروں گی۔"

داس کی آنکھیں تنگ ہوئیں۔ وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ صرف غصے میں ہے یا بہت زیادہ غصے میں۔ پھر اس نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا۔" ہم سب مل کر کام کر سکتے ہیں۔" ایک لمحے کا توقف۔

"میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے پاس اب بھی ایک موقع ہے، خاص طور پر اگر ہم حیدر کے ساتھ اتحادی بن جائیں۔ وہ درستور اور اپنے باپ کے بارے میں ایسی چیزیں جانتا ہے جو ہم کبھی نہیں جان سکتے۔" اس نے اپنے ارد گرد موجود لوگوں کے چہروں پر حیرت اور خوف کے تاثرات کو دیکھا اور مایوس سی ہو گئی۔

"اگر تم سب مزید لڑنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تو میں آپ کے فیصلے کو سمجھتی ہوں۔ اور اگر تم سب چاہتے ہو کہ میں یہاں تم لوگوں کے درمیان نہ رہوں، تو میں اس فیصلے کا بھی احترام کروں گی۔ بہر حال، میں نے اپنا فیصلہ کر لیا ہے۔ چاہے تم میرے ساتھ شامل ہو یا نہ ہو، میں نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں درستور کو ختم کروں گی یا اس کو ختم کرنے کی کوشش میں مر جاؤں گی۔ میرے لئے اس کے علاوہ کچھ اور باقی نہیں ہے۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

کمرے میں کافی دیر تک خاموشی رہی۔ اس نے نظریں نیچی کر لیں، ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی خاموشی اور تجسس کو محسوس کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

"میں تمہارے ساتھ لڑوں گی۔" میلیسا سب سے پہلے بولی۔ اس کی آواز نرمی سے بھرپور تھی۔

وہ جواب دینے ہی والی تھی کہ دھان بول اٹھا۔ "میں بھی۔ جیسے ہی میرا سر درد ٹھیک ہو گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا۔" اس نے

کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔"میں کچھ لوگوں کو مارنا چاہوں گا، چاہے ہم باقی دنیا کو بچا سکیں یا نہیں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"اشعل نے اضافہ کیا۔

"ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ یہ آدمی جھوٹ نہیں بول رہا؟ ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ یہ سچ بول رہا ہے؟"سیم نے سر ہلاتے ہوئے اعتراض کیا۔

"تمہیں ہماری مدد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تم کب سے قابلِ اعتبار ہو گئے ہو؟"

عالیار بے رحمی سے مسکرادیا اور عالیانہ کی طرف دیکھا۔وہ خوش نہیں تھا۔

"میں قابلِ اعتبار نہیں ہوں۔"اس نے سیم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔"اور مجھے تم لوگوں کی مدد کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے کچھ دیر پہلے صاف طور پر کہا تھا کہ میں یہاں صرف عالیانہ کے لیے ہوں۔میں نے اس کے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے سائن اپ نہیں کیا۔ میں نے تم لوگوں کی حفاظت یا بقا کی کوئی ضمانت نہیں دی تھی، نہ دوں گا۔لہذا اگر تم لوگ یقین دہانی چاہتے ہو، تو وہ میں تمہیں نہیں دے سکتا۔"اس نے سنجیدگی سے کہا۔

سیم مسکرا رہا تھا۔میلیسا مطمئن نظر آرہی تھی، جبکہ داس سر ہلا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔تو پھر منصوبہ کیا ہے؟"سیم نے پوچھا۔

"کیا تم سب اپنا دماغ کھو بیٹھے ہو؟" ارسل غصے سے پھٹ پڑا۔ "تم سب بھول گئے ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟" اس کی پیشانی کی رگ ابھر آئی۔ "یہ وہی آدمی ہے جو ہمارا دروازہ توڑ کر گھر داخل ہوا اور عالیانہ کو لے جانے کا مطالبہ کیا۔ تم اس کے ساتھ اتحادی بن کر لڑنا چاہتے ہو؟ وہی آدمی جو ایلفا پوائنٹ کی تباہی کا ذمہ دار ہے؟ ہر کوئی اس کی وجہ سے مر گیا ہے!"

عالیار کا چہرہ تاریک پڑا۔ "میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ یہ میرا فیصلہ نہیں تھا اور نہ ہی میں اس کارروائی میں شامل تھا۔ جب میں ایلفا پوائنٹ سے نکلنے میں کامیاب ہوا اور واپس بیس پہنچا، تو میرے بابا کے منصوبے پہلے ہی عمل میں آ چکے تھے۔ میں اس جنگ کا حصہ نہیں تھا، نہ ہی میں ایلفا پوائنٹ پر حملے کا حصہ تھا۔"

"یہ سچ ہے۔ سپریم نے ہی فضائی حملے کا حکم دیا تھا۔" میلیسا نے تائید کی۔

دھان نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں! جتنا مجھے یہ ناپسند ہے، اس سے بھی زیادہ مجھے اس کے والد سے نفرت ہے۔ وہی تھا جس نے ہمیں قید میں ڈالا۔"

"میں کبھی بدلہ لینے کے حق میں نہیں ہوتا، مگر اس بار میں واقعی بدلہ چاہتا ہوں۔" اشعل بولا۔

"میں اسے مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کم از کم ایک چیز میں ہم مشترک ہیں۔" عالیار نے ایک گہری سانس لی اور عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "عالیانہ! کیا میں تم سے بات کر سکتا ہوں؟"

"یہ بکواس ہے!" ارسل چلایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ "تم سب اتنی آسانی سے خود کو کیسے بھول سکتے ہو؟ تم کیسے بھول سکتے ہو کہ اس نے کیا کیا۔ اس نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟" پھر وہ عالیانہ کی طرف مڑا۔ "تم اسے کیسے دیکھ سکتی ہو، یہ جانتے ہوئے کہ اس نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس نے مجھے تقریباً مار ڈالا تھا۔ مجھے آہستہ آہستہ خون بہنے کے لیے چھوڑ دیا تاکہ مجھے اذیت دے کر مار سکے۔" وہ اسے دیکھتی رہی۔ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ عالیار کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا وہ ایسا ہی کرتا۔ کیونکہ ارسل تھا تو غدار ہی۔ اس نے غداری کی تھی اور غداری کی سزا موت ہوتی ہے۔

"ارسل یار! تمہیں پرسکون ہونے کی ضرورت ہے۔" داس آگے بڑھا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ تم ناراض ہو۔ مجھے بھی یہ پسند نہیں آیا۔ لیکن جنگ کے بعد حالات بگھڑ جاتے ہیں۔ اتحادیں غیر متوقع طریقوں سے بنتی ہیں۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "اگر یہ سکندر کو ختم کرنے کا واحد طریقہ ہے، تو شاید ہمیں غور کرنا چاہیے۔" داس نے ارسل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانا چاہا۔

"میں یقین نہیں کر سکتا۔" ارسل نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔ "میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ ہو رہا ہے۔ تم سب نے اپنا دماغ کھو دیا ہے۔ تم سب پاگل ہو۔ یہ آدمی ایک نفسیاتی مریض ہے۔ یہ ایک قاتل ہے۔"

"ارسل پلیز!" عالیانہ نے زخمی انداز میں کہا۔

ارسل اُس کی طرف مڑا، آنکھوں میں سختی اور دل شکستگی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اُس نے زخمی سے انداز میں پوچھا۔ "میں تمہیں پہچان نہیں پا رہا۔ مجھے لگا تھا کہ تم مر چکی ہو۔ مجھے لگا اس نے تمہیں مار دیا ہے۔" اُس نے عالیار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور اب تم یہاں کھڑی ہو، اُس آدمی کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہو جس نے تمہاری زندگی برباد کرنے کی کوشش کی؟ تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں لڑنا ہے کیونکہ تمہارے پاس جینے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا؟ اور میرے بارے میں کیا؟ "میں کب تمہارے لیے کافی نہیں رہا؟" اُس کی آواز میں غصے کے ساتھ دکھ بھی شامل تھا۔ اس کی آنکھیں زخمی تھیں۔ دم شکستہ تھیں۔ پریشان تھیں۔ وہ تکلیف میں تھا۔

"یہ ہمارے بارے میں نہیں ہے ارسل۔ پلیز! مجھے وضاحت کرنے دو۔"

ارسل کی پیشانی پر تناؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ "مجھے یہاں سے نکلنا ہو گا۔" اس نے بس ایک بار عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا اور دروازے کی جانب بڑھا۔ "میں اس وقت یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں ایک ہی دن میں یہ سب کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ یہ بہت زیادہ ہے۔ یہ سب کچھ میرے لیے بہت زیادہ ہے۔"

"ارسل!" اس نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اُس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اپنا بازو پیچھے کھینچ لیا۔

"یہ سب کچھ تمہارے لیے تھا۔" ارسل نے اُس کی طرف مایوسی بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، اُس کی آواز دھیرے دھیرے سرگوشی میں ڈھل گئی۔ "میں نے اپنا سب کچھ تمہارے لیے چھوڑ دیا۔ میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ ہم ایک ساتھ رہیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ ہم دونوں کا سفر ہے۔" اُس کی آنکھیں اتنی تاریک تھیں، اتنی گہری، اتنی دکھی۔ اُس کا درد اُس کے ہر لفظ سے جھلک رہا تھا۔ اس کو اُس کی حالت دیکھ کر عالیانہ کو دل میں چُبھن سی محسوس ہوئی۔ کوئی اس کے دل کو کاٹ رہا تھا۔ "تم کیا کر رہی ہو؟" "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ جواب چاہتا تھا کیونکہ وہ انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ارسل کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی، لیکن زیادہ دیر تک اُس کی نظروں کا سامنا نہ کر سکی۔

وہ وہیں کھڑا رہا، انتظار کرتا رہا۔ اس کے جواب کا انتظار۔

"میں اب خوف میں نہیں جینا چاہتی۔ مجھے لگا تھا کہ ہم ایک ہی چیز چاہتے ہیں۔" ارسل کی آنکھوں میں ایک دم سے کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ ایک دم زخمی سا مسکرایا۔ سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں! مجھے تم چاہیے تھیں۔ مجھے صرف اور صرف تم چاہیے تھیں۔ تم اور تمہارا ساتھ یہی سب کچھ تھا جو مجھے شروع سے چاہیے تھا، عالیانہ۔ تم ہی میرا سب کچھ تھیں، میری دنیا، میری ہر خواہش۔ تم ہی وہ سب کچھ تھیں جس کی مجھے ضرورت تھی، عالیانہ!"

اور وہ کچھ نہیں بول سکی۔ اس کو احساس جرم محسوس ہوا۔ وہ ارسل کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی، وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ ایسے نہیں۔ لیکن وہ انتظار کر رہا ہے، وہ انتظار کر رہا تھا، اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار۔ "مجھے بھی تم چاہیے تھے، ارسل!" اس نے بمشکل کہا، اس کا لہجہ بھرا ہوا تھا۔ "لیکن مجھے اس سے زیادہ چاہیے۔ مجھے اپنی آزادی چاہیے۔ مجھے اس زندگی سے آزاد ہونا ہے۔ پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"پلیز، خاموش ہو جاؤ۔ مجھے ایسی وضاحت مت دو! میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔" اور پھر اُس نے صوفے پر پڑی اپنی سیاہ جیکٹ اٹھائی، دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ دروازے کے بند ہونے کی آواز سے کمرے میں لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ عالیانہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش کی، لیکن داس نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔ اس کی نظریں سخت اور سمجھدار تھیں۔ "میں ارسل کا خیال رکھوں گا۔ تم یہاں رہو اور جو کچھ تم نے خراب کیا ہے، اسے ٹھیک کرو۔" اُس نے عالیار کی طرف سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا۔ ایک لفظ بھی نہ کہا۔

داس کے جانے کے بعد وہ باقی لوگوں کی طرف مڑی۔ ابھی صحیح الفاظ ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ اس نے وہ آواز سنی جس کی اسے بالکل توقع نہیں تھی۔

"آہ محترمہ عالیانہ!" "آپ کا واپس آنا واقعی خوش آئند ہے۔ جب آپ ہوتی ہیں تو چیزیں اور زیادہ دلچسپ ہو جاتی ہیں۔" سب نے ایک دم چونک کر کیسر کو دیکھا، ایلفا پوائنٹ کی تباہی کے بعد یہ پہلی بار تھا کہ وہ براہ راست کسی سے مخاطب ہوا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

سب لوگ کیسر کے گرد سب جمع ہو گئے۔ معاذ نے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا۔ سیم نے سب کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ کیسر مسکرا رہا تھا، ہلکا سا ہنس رہا تھا، بالکل ویسے جیسے وہ پہلے مسکرایا کرتا تھا۔ اب وہ اس کیسر کو پہچانتی تھی۔ اس کیسر میں پرانے کیسر کی جھلک تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "آپ سب کی فکر کا شکریہ۔ لیکن میں ٹھیک ہو جاؤں گا، بس مجھے تھوڑا اور وقت چاہیے۔"

وہ عالیار کی کو دیکھ رہی تھی۔ عالیار کیسر کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں کے درمیان کوئی خاموش مکالمہ جاری تھا۔

"مجھے اٹھنے میں مدد کرو۔ میں ہمارے نئے مہمان کا استقبال کرنا چاہتا ہوں۔" کیسر میلیسا اور دھان سے مخاطب ہوا۔

میلیسا اور دھان کی مدد سے کیسر نے کھڑے ہونے کی کوشش کی، لیکن مشکل سے ہی اٹھ پایا۔ باقی سب بھی اس کی مدد کو آگے بڑھے، لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک

دیا۔ ہال کی فضا بدل گئی اور مختلف سا محسوس ہونے لگا۔ ہلکا۔ پر سکون۔ ایک عجیب سا سکون چھا گیا، سب کی پریشانیوں کا بوجھ لمحہ بھر کے لیے ہلکا ہو گیا ہو۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کیسر کی کمزور حالت تھی جس نے سب کو کتنا مغموم کر رکھا تھا۔

"مسٹر حیدر؟" اس نے کمرے کے پار کھڑے عالیار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو رہے ہیں۔"

"میں کسی کے ساتھ شامل نہیں ہو رہا۔" عالیار نے سخت، سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا کہ آپ شامل ہو گے۔ اور مجھے خوشی ہے۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

عالیار نے آنکھیں گھمانے کی کوشش کی۔

"عالیانہ کی فکر مت کریں۔ میں وعدہ کرتا ہوں، آپ کی غیر موجودگی میں ان پر کڑی نظر رکھوں گا۔" عالیار ساکت کھڑا تھا۔ ایک لفظ نہیں بولا۔ بس بے تاثر سنجیدہ چہرہ لیے کیسر کو دیکھتا رہا۔

"مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ امید ہے میرے ایسے جانے کو آپ بدتمیزی نہیں سمجھیں گے۔ آئندہ دنوں میں ہم ایک دوسرے کو بہت دیکھیں گے۔"

یہ کہہ کر کیسر مسکرایا اور دھان، اشعل کی مدد سے کمرے میں چلا گیا۔ سیم بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔ اب ہال میں صرف عالیانہ، عالیار، معاذ اور میلیسا رہ گئے تھے۔

"عالیانہ؟" عالیار نے اسے پکارا۔ اس نے عالیار کی طرف دیکھا۔

"کیا میں تم سے بات کر سکتا ہوں؟ اکیلے میں۔" وہ ہچکچائی۔

"تم میرے کمرے میں جا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" معاذ نے پیشکش کی۔ اس نے ایک آہ بھری اور ہامی بھر لی۔ اب وہ دونوں کمرے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تم اپنے دوستوں کو ہمارے ساتھ کیوں شامل کر رہی ہو؟ میں نے صاف کہا تھا کہ میں ان کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا۔" عالیار نے بغیر وقت ضائع کیے سیدھے سوال داغ دیا۔

"تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا؟ میں نے اس بیپر کا بٹن بھی نہیں دبایا جو تم نے مجھے دیا تھا۔" عالیانہ نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سوال کر دیا۔

عالیار کچھ پل اسی انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"یہ بس ایک سادہ سا اندازہ تھا۔ ارسل تمہارے گروپ کا واحد رکن تھا جس کی ایلفا پوائنٹ کے باہر کوئی زندگی تھی۔ اس کا پرانا گھر وہ واحد جگہ تھی جہاں وہ آسانی سے جا سکتا تھا۔ اس لیے یہ پہلا مقام تھا جو میں نے چیک کیا۔" اس نے عالیانہ کی جانب ہلکا سا سر جھکایا اور مسکرایا۔ "تمہاری سوچ کے برعکس میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"میں نے کبھی نہیں سوچا کہ تم بے وقوف ہو۔ میں نے تمہیں پاگل ضرور سمجھا تھا، لیکن بے وقوف نہیں۔" وہ تھوڑی دیر رکی۔ "میں تمہیں بہت ذہین سمجھتی ہوں۔ کاش میں بھی تمہاری طرح سوچ سکتی۔"

عالیار کا چہرہ پر سکون ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن صرف ایک پل کے لیے۔

"مجھے تمہارے دوست اپنی ٹیم میں نہیں چاہتا۔ مجھے وہ نہیں پسند۔"

"مجھے پرواہ نہیں۔"

"وہ ہمیں سست کریں گے۔"

"وہ ہمیں فائدہ دیں گے۔" اس نے اصرار کیا۔ "میں جانتی ہوں کہ تمہیں لگتا ہے کہ انہوں نے پوائنٹ پر سب کچھ صحیح نہیں کیا، لیکن وہ زندہ رہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ بہت کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"وہ مکمل طور پر ٹوٹ چکے ہیں۔"

"وہ غم میں ہیں۔" "انہیں کم نہ سمجھو۔ کیسر ایک شاندار لیڈر رہے۔ داس ایک بہترین جنگجو ہے۔ وہ بعض اوقات بے وقوف بنتا ہے، مگر تم جانتے ہو کہ یہ صرف ایک دکھاوا ہے۔ وہ ہم سب میں سب سے زیادہ ذہین ہے۔ اور دھان... دھان ہمارے لیے کچھ بھی ڈیزائن کر سکتا ہے، اگر اس کے پاس وسائل ہوں۔" عالیانہ نے ایک ایک کر کے سب کی

خوبیوں کو گنوایا، لیکن ارسل کا ذکر نہیں کیا۔وہ آنکھیں چھوٹی کیئے چند پل یوں ہی اسے دیکھتا رہا۔

"اور ارسل؟"اس نے آخر کار پوچھا۔

"کیا مطلب؟"اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"وہ کس کام کا ہے؟"

"ارسل ایک بہترین فوجی ہے۔"

"بس؟"اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

عالیار نے اس سے نظریں ہٹالیں۔"تمہیں اس کی پرواہے۔"یہ سوال نہیں تھا، بیان تھا ۔

"ہاں! بلکل ہے۔"

"اور اس کا کیا مطلب ہے؟"

"میں تمہاری بات نہیں سمجھ رہی۔"اس نے جھوٹ بولا۔

عالیار اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا،اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا جو ظاہر کرے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے یا محسوس کر رہا ہے۔

"کیا تم اسے محبت کرتی ہو؟" وہ حیران رہ گئی۔ اس سوال کو اتنے براہِ راست انداز میں پوچھنا کیا اتنا آسان تھا؟ عالیار کی جرات نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔

یہ پہلا موقع تھا جب وہ واقعی الجھن میں مبتلا ہوئی۔ اگر یہ سوال ایک یا دو ہفتے پہلے پوچھا جاتا، تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دے دیتی۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ ارسل سے محبت کرتی ہے۔ اظہار کرنے میں اسے کبھی خوف محسوس نہ ہوتا۔ لیکن اب؟ اب اسے خود پر شک ہونے لگا تھا۔

کیا وہ واقعی محبت کو سمجھتی ہے؟

جو جذبات اس نے ارسل کے لیے محسوس کیے تھے، کیا وہ محبت تھی یا صرف ایک گہری وابستگی، دوستی، یا ہمدردی؟ کیونکہ اگر وہ واقعی محبت تھی، تو کیا وہ اس لمحے ہچکچاہٹ کا شکار ہوتی؟ کیا وہ اتنی آسانی سے اس کی زندگی اور اس کے درد سے خود کو الگ کر پاتی؟

پچھلے چند ہفتوں میں وہ ارسل کے بارے میں مسلسل فکرمند رہی تھی۔ لیکن کیا یہ محبت کی وجہ سے تھا یا صرف اُس کے احسانوں کے بوجھ کا نتیجہ؟

ارسل نے اس کے لیے سب کچھ قربان کر دیا تھا کیونکہ وہ اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ حقیقت تکلیف دہ تھی۔ اسے اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ خود ارسل کے ساتھ رہنے کے لیے نہیں بھاگی تھی۔ وہ اپنے لیے بھاگی تھی، اپنی آزادی کے لیے۔

"عالیانہ؟"

عالیار کی مدھم سرگوشی نے اسے خیالات کے بھنور سے واپس حال میں کھینچ لیا۔ وہ اُن تلخ سچائیوں کا سامنا کرنے سے ڈر رہی تھی جو ابھی اس پر واضح ہوئی تھیں۔

اس نے عالیار کی طرف دیکھا۔

"ہاں؟"

"کیا تم اس سے محبت کرتی ہو؟" عالیار نے دوبارہ پوچھا، اس بار بہت نرمی سے۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ تین الفاظ اس کے لبوں سے نکلے جنہیں ادا کرنے کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

عالیار نے آنکھیں بند کرلیں اور ایک گہری سانس خارج کی۔ اس کے کندھوں کا تناؤ ایک دم ختم ہو گیا، جیسے کوئی بھاری بوجھ اس کے کندھوں سے اتر گیا ہو۔

جب اس نے دوبارہ عالیانہ کی طرف دیکھا، تو اس کی آنکھوں میں بے شمار کہانیاں چھپی ہوئی تھیں۔ خیالات، جذبات، اور وہ ادھوری سرگوشیاں جو کبھی ظاہر نہیں ہوئیں۔

اس کے چہرے پر وہ سچائیاں تھیں جنہیں وہ شاید خود سے بھی تسلیم نہ کر پاتا۔ وہ جذبات جنہیں اس نے کبھی بیان نہیں کیا تھا۔

وہ مکمل سکون میں دکھائی دیا، جیسے کسی بڑے طوفان کے بعد سمندر پر سکون ہو گیا ہو۔ اس کا پورا وجود یکدم مطمئن لگنے لگا۔ اس وقت جو شخص اس کے سامنے کھڑا تھا یہ وہ

شخص نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ یہ ایک اجنبی تھا، ایک مختلف انسان۔ یہ وہ انسان تھا جسے شاید وہ کبھی جان ہی نہ پاتی، اگر زندگی نے اُسے اس مقام پر نہ لا کھڑا کیا ہوتا۔

"عالیانہ..." اس نے مدھم آواز میں پکارا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ واپس چلو۔"

"میں نہیں جا سکتی۔ مجھے یہاں رہنا ہے۔"

"لیکن یہ پریکٹیکل نہیں ہے۔ ہمیں پہلے منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔ حکمت عملی پر بات کرنی ہو گی۔ اس میں کافی دن لگ سکتے ہیں۔"

"میرے پاس پہلے ہی ایک منصوبہ ہے۔"

عالیار نے حیرت سے اپنی بھنویں اٹھائیں۔ اس نے اُسے ایک تیز نظر سے دیکھا پھر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

••••••☆☆☆••••••

"پلیز! ہم صرف بات کر رہے تھے۔" عالیانہ نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

ارسل اور عالیانہ ہال میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ باقی سب لوگ بھی وہیں تھے۔

"صرف بات کر رہے تھے؟" ارسل نے طنزیہ انداز میں اس کے الفاظ دہرائے۔

"اکیلے؟"

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی جیکٹ غصے سے صوفے پر پھینکی۔ وہ بے یقینی سے ہنسا، اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر دوبارہ عالیانہ کی طرف مڑا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے، عالیانہ؟ یہ سب کیا ہے؟"

"کیا ہم اس بارے میں اکیلے میں بات نہیں کر سکتے؟" اس نے نرمی سے کہا۔

"نہیں۔ میں ابھی اور یہی بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے فرق نہیں پڑتا کہ کون سن رہا ہے۔"

ارسل کی نظریں عالیار کی جانب گئیں۔ وہ سٹور روم کے باہر کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، بازو ڈھیلے انداز میں سینے پر بندھے ہوئے تھے۔

اس کی نظریں بھی ارسل پر جمی تھیں۔ عالیانہ کی نظر جب عالیار پر پڑی، تو اس نے چند لمحے عالیانہ کو دیکھا، پھر نظریں چرا لیں۔ ایسا لگا جیسے وہ مسکرا رہا ہو، یا کم از کم اسے مذاق سمجھ رہا ہو۔

"تم اسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" ارسل نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم اس جیسے پاگل انسان میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو؟"

عالیانہ اس سب سے تھک چکی تھی۔ راز، اندرونی کشمکش، ان دونوں کا نکاح، اور بڑھتی ہوئی الجھنیں اسے بوجھ لگنے لگی تھیں۔ سب سے بڑھ کر، اسے یہ غصے سے بھرا ارسل پسند نہیں تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے کوشش کی کہ ارسل کو سمجھائے، لیکن وہ کسی بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ جب اس نے منطقی انداز اپنانے کی کوشش کی، تو ارسل نے اسے طنزیہ طعنوں کا نشانہ بنایا۔ جب وہ سچائی سے بات کرنے لگی، تو اس نے اس پر شک کیا۔ عالیانہ کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اور کیا کرے۔

"تمہارے اور اس کے درمیان اصل میں کیا چل رہا ہے؟" ارسل اب بھی اسے گھور رہا تھا۔ "مجھے سچ بتاؤ، عالیانہ۔"

"ارسل..." اس کی آواز عجیب طور پر پرسکون تھی۔ "ہمیں بہت سی باتوں پر بات کرنی ہے، اور یہ ان میں شامل نہیں ہے۔ ہمارے ذاتی مسائل سب کے سامنے ڈسکس نہیں ہونے چاہئیں۔"

"تو تم مانتی ہو کہ ہمارے درمیان مسائل ہیں؟ کچھ غلط ہے؟"

"کچھ عرصے سے غلط ہو رہا ہے۔ میں تم سے بات نہیں کر سکی۔"

"ہاں۔ تب سے غلط ہے جب سے ہم اسے پوائنٹ پر لائے تھے۔" عالیانہ نے تھکاوٹ بھری نظروں سے دیوار سے ٹیک لگائے، بے نیاز کھڑے عالیار کی طرف دیکھا۔

"یہ تمہارا آئیڈیا تھا، ہے نا؟" ارسل غصے سے داس کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

مجھے اپنی فضول باتوں میں مت گھسیٹو۔ سمجھ آئی؟ اپنے مسائل کا الزام مجھ پر مت لگاؤ۔" داس فوراً دفاعی انداز میں بولا۔

"ہم بالکل ٹھیک تھے جب تک کہ یہ پوائنٹ پر اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے نہیں لگی تھی۔"

"اس نے بیس پر رہتے ہوئے بھی اتنا ہی وقت اس کے ساتھ گزارا تھا، ذہین آدمی۔" داس نے یاد دلایا۔

"بس کرو۔" عالیانہ نے تھکاوٹ بھری آواز میں کہا۔ "حیدر یہاں ہماری مدد کے لیے آیا ہے۔ وہ بھی درستور کو ختم کرنا چاہتا ہے، وہ سپریم کو مارنا چاہتا ہے، جیسے ہم چاہتے ہیں۔ وہ اب ہمارا دشمن نہیں ہے۔"

"وہ ہماری مدد کرے گا؟" ارسل نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اوہ، تمہارا مطلب ہے جیسے اس نے اس وقت ہماری مدد کی تھی جب اس نے کہا تھا کہ وہ ہمارے لیے لڑے گا؟ اور پھر ایلفا پوائنٹ سے بھاگ گیا؟"

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم اس کی تمام باتوں پر یقین کر رہی ہو۔"

"یہ کوئی چال نہیں ہے، ارسل۔ میں بے وقوف نہیں ہوں۔"

"آر یو شیور؟ کیا تمہیں یقین ہے؟" اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"کیا؟" اسے یقین نہیں آیا کہ ارسل نے ابھی ابھی کیا کہا۔ کوئی بندوق، کوئی تلوار، کوئی فوج کبھی بھی الفاظ کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تلواریں جسموں کو کاٹتی اور جان لے لیتی ہیں، مگر الفاظ زخم دے کر دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے ٹھہر جاتے ہیں۔ وہ زخم جو جسم پر نہیں، روح پر لگتے ہیں، اور پھر ان الفاظ کا بوجھ لاشوں کی طرح ہماری ہڈیوں میں دفن ہو جاتا ہے، جو ہم اپنے ماضی سے اٹھا کر مستقبل تک ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ وہ لاشیں، جنہیں ہم ہزار بار چاہتے ہوئے بھی اپنے وجود سے نکالنے میں ناکام رہتے ہیں، یہ لاشیں ہمیشہ ہمارے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔

"میں نے پوچھا تھا، کیا تمہیں یقین ہے؟ کیونکہ تم اس وقت انتہائی بیوقوفی کا مظاہرہ کر رہی ہو، اور مجھے نہیں پتہ کہ میں اب تمہارے فیصلے پر بھروسہ کر سکتا ہوں یا نہیں۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" عالیانہ کا غصہ اس کے چہرے پر واضح تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" ارسل چیخ اٹھا، اس کی پیشانی پر رگ ابھری، اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

"تم ایسا نہیں کرتی تھیں۔ تم کبھی اس طرح کا رویہ نہیں اپناتی تھیں۔" وہ گہرے غم سے بول رہا تھا۔

"تم بالکل مختلف شخص کی طرح لگ رہی ہو۔"

"میں ؟" عالیانہ کی آواز بلند ہو گئی۔ وہ خود پر قابو رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی، لیکن اب اس کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ اگر ارسل نے کہا تھا کہ وہ سب کے سامنے یہ بات کرنا چاہتا ہے، تو ٹھیک ہے۔ وہ بھی سب کے سامنے بات کرے گی۔

"اگر میں بدل گئی ہوں تو تم بھی بدل چکے ہو۔ کیونکہ جس ارسل کو میں جانتی تھی وہ نرم دل تھا، مہربان تھا، اور مجھ سے اس طرح بات نہیں کرتا تھا۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے لیے حالات مشکل رہے ہیں، اور میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں، صبر کرنے کی، تمہیں جگہ دینے کی کوشش کر رہی ہوں، لیکن یہ چند ہفتے ہم سب کے لیے مشکل رہے ہیں۔ ہم سب مشکل وقت سے گزر رہے ہیں، لیکن ہم ایک دوسرے کو نیچا نہیں دکھاتے، ہم ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔"

وہ سانس لینے کو رکی۔ "اور تم تو داس کے ساتھ بھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ تم داس کے دوست تھے، یاد ہے ؟ اب جب بھی وہ مذاق کرتا ہے، تم اسے ایسے دیکھتے ہو جیسے تم اسے مار ڈالنا چاہتے ہو۔ اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ کیوں۔"

"تم اس کمرے میں موجود ہر شخص کا دفاع کرو گی سوائے میرے ؟" ارسل کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔ "تمہیں داس کی بہت فکر ہے ؟"

"وہ میرا دوست ہے !"

"میں بھی تمہارا دوست ہوں !"

"نہیں، تم نہیں ہو۔ دوست ایسے نہیں ہوتے۔" ارسل کا پورا جسم کانپ رہا تھا، اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔

"ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے۔"

"میں نے کبھی اعتراف نہیں کیا۔" ارسل کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔ اس

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم یہ کہہ رہی ہو۔"

"میں نے تمہیں کبھی امید نہیں دی۔" اس کی آواز میں سرد مہروم تھا۔

" صحیح۔" ارسل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیونکہ تم نے کہا تھا کہ تمہیں وقت چاہیے۔ کیونکہ تم نے کہا تھا کہ تم مجھے تکلیف نہیں دینا چاہتی ہو۔"

"میں نہیں چاہتی۔ میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ میں نے کبھی تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہی۔"

"تو پھر تم ابھی کیا کر رہی ہو؟" اس کی آواز زخمی تھی، لیکن اس میں ایک طاقت تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔" وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔ "مجھے سمجھ نہیں آتا کہ..."

"نہیں! تم کچھ بھی نہیں سمجھتیں۔ تم مجھے نہیں سمجھتیں، تم خود کو نہیں سمجھتیں، اور تمہیں یہ بھی سمجھ نہیں آرہا کہ تم ایک بیوقوف لڑکی کی طرح برتاؤ کر رہی ہو جس کا کسی پاگل شخص نے برین واش کر دیا ہے۔" وقت جیسے تھم گیا۔ ہر لفظ جیسے لبوں تک پہنچنے

سے پہلے ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔ جو کچھ وہ کہنا چاہتی تھی، وہ آہستہ آہستہ اس کے گرد الفاظ کی دیواروں میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ایک کے بعد دوسرا پیرا گراف زمین پر گرتا، پھر خود کو سنبھالتا اور دوبارہ کھڑا ہو جاتا، جیسے خیالات آپس میں جڑ کر ایک نامکمل کہانی بنا رہے ہوں۔ ہر جملہ، ہر سوچ ایک نئے جواز کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی، اپنے لیے جگہ بنا رہی تھی اور اس کی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر رہی تھی۔ ہر ان کہی بات اس کے سینے میں اُتر کر اتنی وزنی ہو گئی ہو کہ وہ لمحہ بہ لمحہ اپنے آپ کو ہوا میں بے وزن محسوس کرنے لگی تھی۔

کمرے میں ہلکا سا کھنکار سنائی دیا۔

"معذرت، میں مداخلت کر رہا ہوں۔" عالیار نے ٹیک چھوڑ کر قدم آگے بڑھائے۔

"مجھے جانا ہے۔ آخری بار پوچھ رہا ہوں، کیا تم یہاں رکنا چاہو گی؟"

عالیانہ کے پاؤں ایک لمحے کے لیے جم گئے۔

"نکل جاؤ۔ میرے گھر سے نکل جاؤ اور دوبارہ یہاں مت آنا۔"

"خیر!" عالیار نے سر ہلایا، عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "لگتا ہے کہ تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچا۔ چلیں؟"

"تم اسے کہیں نہیں لے جا رہے!" ارسل غصے میں عالیار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا رہی، اور وہ تمہارے ساتھ پارٹنرشپ بھی نہیں کر رہی۔ اسی لیے ابھی یہاں سے دفع ہو جاؤ!"

"ارسل! بس کرو۔" اس کا ضبط جواب سے گیا۔ "مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں اب مزید چھپنے والی نہیں ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ آنے کی اور مجھے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ سانس لینے کو رکی۔ "لیکن اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو تم میرے راستے میں نہیں آؤ گے۔"

عالیار مسکرایا۔

ارسل نے وہ اس کی مسکراہٹ نوٹ کر لی۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے؟" ارسل نے غصے سے عالیار کی طرف دیکھا۔

"عالیانہ کو میری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اور شاید تم نے ابھی تک یہ محسوس نہیں کیا، لیکن یہ بات اب سب پر واضح ہو چکی ہے کہ تم یہ لڑائی ہار چکے ہو، ارسل۔"

ارسل غصے میں دیوانہ ہو کر عالیار کی طرف بڑھا، مکا پیچھے کھینچ کر مارنے کے لیے تیار ہوا، لیکن اس سے پہلے کہ کچھ ہوتا، عالیار نے اس کا مکا چند انچ کے فاصلے پر پکڑ لیا۔

وہ حیرت سے گم سم رہ گیا، اس کا جسم غصے اور حیرانی سے کانپنے لگا۔ "مجھ سے لڑنا چاہتے؟ کیا واقعی؟ تمہیں لگتا کہ تم مجھ سے لڑ سکتے ہو؟ بہت جلدی بھول گئے مجھے۔" بے تاثر چہرے سے کہہ کر اس نے اس کے مکے کو اتنی زور سے پیچھے دھکیلا کہ ارسل تقریباً گرنے والا تھا، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ مزید غصے میں دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا، لیکن داس نے اسے دبوچ کر پیچھے کر دیا۔ عالیار نے بے نیازی سے اپنا درست کالر درست کیا۔

ارسل چیختا رہا، داس سے کہتا رہا کہ اسے چھوڑ دے، مداخلت نہ کرے۔ داس کسی طرح ارسل کو قابو میں رکھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ باہر کھینچ کر لے گیا۔

دروازہ ان کے پیچھے زور سے بند ہوا۔

ان کے جانے کے بعد عالیار کچھ پل اپنا ہاتھ دیکھتا رہا، پھر پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں جذبات سے بھری تھیں۔ کچھ تھا جو اس کے اندر ٹوٹا تھا، شاید مان کہ وہ اس کے کیے کچھ بولے گی۔ شاید نکاح والی بات نہ بتانے پر۔ شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ شرمندگی کے ڈر سے کچھ نہیں بولی۔ کیا اس کا ساتھ شرمندگی تھا۔ کیا اس کا پیار شرمندگی تھا؟ کیا وہ اتنا برا تھا؟ وہ کچھ پل ایسے ہی اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جسے وہ سمجھ نہیں پائی۔ پھر بغیر کسی سے کچھ کہے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

"مجھے بہت کنفیوزن ہو رہی ہے۔ کیا وہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا؟ سچ میں؟" عالیار کے جانے کے کچھ وقت بعد، دھان نے عالیانہ سے سوال کیا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔" اشعل نے ماتھے پر شکنیں ڈال کر کہا۔
"لیکن شاید یہ اس لیے ہے کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ نہیں؟"

اس سے پہلے کہ عالیانہ کچھ کہہ پاتی، داس نے دھڑام سے دروازہ کھولا اور اندر آیا۔

"تم!" اس نے آنکھیں تنگ کرتے ہوئے عالیانہ کی طرف اشارہ کیا۔ "فوراً یہاں آؤ، ہمیں بات کرنی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھی، داس اس کا بازو پکڑ کر اسے باہر لے گیا۔ چلتے چلتے وہ ایک دم رکا۔ پلٹا۔ "کھانے کا بندوبست کرلو۔" اس نے میلیسا، اشعل اور دھان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اس کو لے کر باہر نکل گیا۔

"ادھر آؤ۔" داس نے اسے کہا اور منڈیر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سیڑھیاں اوپر چڑھنے لگے۔ وہ کنارے پر بیٹھ گئی، اس کے پاؤں نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے ارد گرد کا منظر دیکھا۔ وہ باہر تھے۔ باہر، جہاں دنیا مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی، سوائے آسمان میں چمکتے ہوئے چند ستاروں اور چاند کی باریک سی قاش کے۔ سیارے اب بھی ایک دوسرے کے مدار میں گھوم رہے ہیں، اتنے عرصے بعد بھی۔ شاید ہمیں بھی ان سے کچھ سیکھنا چاہیے۔

ہوا ان کے ارد گرد لپٹی ہوئی تھی، اس کا جسم سردی کے مطابق ڈھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں یہاں اکثر بیٹھتا ہوں۔" داس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنا بازو اس کے کندھوں کے گرد رکھا اور اس کے کندھے کو رگڑنے لگا تاکہ اسے گرم رکھ سکے۔

"تو بڑا دن کب ہے ؟"

"کیا؟" وہ حیرت سے بولی۔ "کون سا دن ؟"

"وہ دن جب تم بیوقوف بننا چھوڑ دو گی۔"

"اوہ! شاید وہ دن کبھی نہ آئے۔"

"ہاں! تم شاید صحیح ہو۔"

"چپ رہو۔"

"جانتی ہو مجھے نہیں پتہ ارسل کہاں ہے۔"

وہ تن گئی، سر موڑ کر اس کی جانب دیکھا۔ "کیا وہ ٹھیک ہے ؟"

"وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" داس نے تھکی ہوئی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ بس بہت غصے میں ہے۔ اور دکھی۔ اور شرمندہ۔ اور وہ تمام جذباتی چیزیں۔

وہ دوبارہ نظریں جھکا گئی۔ داس کا بازو اس کے گرد ڈھیلا پڑا، اس نے سر موڑ کر عالیانہ کو دیکھا۔ "تم میرے کندھے پر سر رکھ سکتی ہو۔" اس نے بنا کچھ کہے داس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ لمحات، منٹ اور یادیں ان کے بیچ بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔

"میں نے واقعی سوچا تھا کہ تم دونوں کا رشتہ مضبوط ہے۔" داس آخر کار بولا۔

"ہاں! میں نے بھی۔" چند لمحے منڈیر سے کود گئے۔

"میں کتنی خوفناک انسان ہوں۔" وہ بہت دھیرے سے بولی۔

"ہاں ویسے۔" داس نے ایک لمبی سانس لی۔اس نے آہ بھرتے ہوئے اپنا سر ہاتھوں میں چھپالیا، اس کا سر اب بھی داس کے کندھے پر تھا۔

داس نے تکان سے بھرا سانس خارج کیا۔ "فکر نہ کرو! ارسل بھی بیوقوف بن رہا تھا۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "لیکن شہزادی۔" داس نے اس کی طرف دیکھا، سر ہلایا، پھر دوبارہ رات کے اندھیرے میں دیکھنے لگا۔ "سچ میں؟ حیدر؟"

اس نے سر اٹھا کر داس کو دیکھا جو سامنے دیکھ رہا تھا۔ "تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟"

داس نے بھی سر موڑ۔ کر اسے شک بھری نظروں سے دیکھا۔ "مجھے پتہ ہے کہ تم اتنی بیوقوف نہیں ہو، لہذا یہ ظاہر نہ کرو کہ تم ہو۔"

"میں سچ میں دوبارہ یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"مجھے پرواہ نہیں کہ تم دوبارہ یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے اس بارے میں بات کرنی ہے۔ تم حیدر جیسے لڑکے پر ایسے ہی نچھاور نہیں ہو سکتی بغیر یہ بتائے کہ کیوں۔ مجھے یقین دہانی کرنی ہے کہ اس نے تمہارے سر میں کوئی چپ تو نہیں لگا دی۔"

وہ تقریباً ایک منٹ تک خاموش رہی۔

"میں حیدر پر نچھاور نہیں ہو رہی۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"ہاں۔ تم بالکل نہیں ہو رہی۔"

"واقعی میں نہیں ہوں۔ میں بس۔ مجھے نہیں پتہ۔ مجھے نہیں پتہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔"

"اسے پیار کہتے ہیں۔" وہ سامنے تاریکی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" وہ بھی اس کے کندھے پر سر رکھے اس کی نظروں کی سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔

"میں بھی ہوں۔" کچھ لمحوں کا توقف۔

"وہ بس... بہت مختلف ہے۔ وہ ویسا نہیں ہے جیسے تم سب سمجھتے ہیں۔ وہ بہت مہربان ہے۔ اس کا دل بہت نرم ہے۔ اس کا باپ... اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتا ہے۔ اتنا برا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" وہ دھیرے سے کہہ رہی تھی۔ آنکھیں اندھیرے میں گم تھیں۔ "اور سب سے بڑھ کر... وہ... مجھ پر یقین کرتا ہے۔" اُس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اس پر یقین کر سکتے ہو؟" ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے پوچھا۔

داس نے اُسے غور سے دیکھا، شک کی جھلک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ "ارسل بھی تو تم پر یقین کرتا ہے۔"

"ہاں! شاید!"

"شاید؟ داس نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ "اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ لڑکا تمہیں ہوا کی موجد سمجھتا ہے۔" وہ ہنسنے لگی، مگر دل میں ایک بھاری پن تھا۔

"مجھے نہیں پتا کہ ارسل مجھے کس روپ میں پسند کرتا ہے۔ وہ شاید اس لڑکی کو پسند کرتا ہے جو میں کبھی تھی۔" اُس نے نظریں جھکا لیں۔ "وہ لڑکی جو زیادہ بات نہیں کرتی تھی، ڈری ڈری رہتی تھی۔ وہ چاہتا ہے کہ میں وہی رہوں جسے وہ ہر بار بچا سکے۔ مجھے نہیں پتہ کہ اب جیسی میں ہوں، وہ مجھے پسند کرے گا یا نہیں۔"

"تو تم نے منہ کھولا اور اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیے؟"

"میں تمہیں یہاں سے دھکا دے دوں گی۔"

داس نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ "ہاں! مجھے سمجھ آتا ہے کہ ارسل تمہیں کیوں پسند نہیں کرتا۔"

وہ سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگی۔ سیاہی کے گہرے سمندر میں۔

"تمہیں پتہ ہے۔ یہ دراصل کافی معنی خیز ہے۔" داس نے آہستگی سے کہا۔

"کیا؟"

"تم ساری زندگی قید رہی ہو۔ ارسل وہ پہلا لڑکا تھا جو تمہارے ساتھ اچھا تھا، شاید دنیا کا پہلا انسان جو تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آیا۔ وہ تمہارے لیے واحد آپشن تھا۔"

"اوہ۔" وہ دھیرے سے بولی، دل میں عجیب سا درد محسوس ہوا تھا۔ "محبت کی مجبوری تھی۔"

" کبھی کبھی ہم سب تھوڑے مایوس ہو جاتے ہیں۔"

"کیا تم نے اس سے محبت کی؟" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد، داس نے سوال کیا۔

"شاید۔ میں نہیں جانتی۔" اس نے چہرا موڑ کر داس کو دیکھا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کسی سے محبت کریں اور پھر اُس سے محبت کرنا چھوڑ دیں؟"

داس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی؟"

نہیں۔" داس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت افسردہ بات ہے۔"

"ہاں! ہم بیکار ہیں۔" وہ بے دلی سے بولا۔

"ہاں۔" وہ بھی بے دلی سے بولی۔

"تو مجھے بتاؤ حیدر اتنا خاص کیوں ہے؟"

"کیا؟" اس نے حیرت سے داس کے کندھے سے سر اٹھایا۔ چہرے پر آئے بال کان کے پیچھے اڑسے۔ "نہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

داس ہنسا۔ "ارے واہ، شہزادی، مجھے پتہ ہی نہیں تھا!"

"خاموش ہو جاؤ!" وہ اس کے کندھے پر مکا مار کر بولی۔

داس ہنستا رہا۔ "تمھیں پتہ ہے، میں اب اپنے آپ کو، اپنے غصے کو کنڑول کر سکتی ہوں۔"

"واہ۔ تمہارے لیے خوشی کی بات ہے، جنگ ختم ہو گی تو میں تمہیں ایک غبارہ لے کر دوں گا۔"

"شکریہ! تم ایک اچھے استاد ہو۔" وہ ہنس کر بولی۔

"میں ہر چیز میں اچھا ہوں۔" داس نے فخر سے کہا۔

"اور بہت ہمبل بھی۔" اس نے اضافہ کیا۔

"اور بہت خوبصورت بھی۔" داس نے اپنی تعریف میں کہا۔ وہ ہنس دی اور سر آسمان کی جانب اٹھا کر تاروں کو دیکھنے لگی۔

داس دونوں ہاتھوں سے سر کے نیچے تکیہ بنائے لیٹ گیا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ وہ امیر لڑکا تمہیں اتنا کیوں پسند ہے؟"

اس نے لمحے بھر کو گہری سانس لی۔ اپنی نظریں آسمان کے سب سے روشن ستارے پر مرکوز کر لیں۔

"مجھے یہ احساس اچھا لگتا ہے کہ جب میں اس کے ساتھ ہوتی ہوں تو، میں اپنے بارے میں کیسا محسوس کرتی ہوں۔ اس کو لگتا ہے کہ میں مضبوط ہوں، ذہین ہوں اور قابل ہوں۔ وہ حقیقت میں میری رائے کی قدر کرتا ہے۔ وہ مجھے اپنے برابر محسوس کرواتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میں بھی وہ سب کچھ حاصل کر سکتی ہوں جو وہ کر سکتا ہے، بلکہ وہ مجھے محسوس کرواتا ہے کہ میں اس سے بہتر کر سکتی ہوں۔ اور جب میں کوئی حیرت انگیز کام کرتی ہوں، تو اسے ذرا بھی حیرت نہیں ہوتی جیسے وہ پہلے ہی مجھ سے یہی توقع رکھتا ہے۔ وہ مجھے ایک ایسی نازک لڑکی کی طرح نہیں دیکھتا جسے ہر وقت بچانے کی ضرورت ہو۔"

"اس لیے کیونکہ تم نازک نہیں ہو۔ تم بس ایک پیاری سی لڑکی ہو جو چیزوں کو تہس نہس کر دیتی ہے اور ہر کام خراب کر دیتی ہے۔"

"شاندار۔" وہ ہنس پڑی۔

"میں تمہارے لیے ہمیشہ موجود رہوں گا۔"

"مجھے پتا ہے۔"

"تو بس اتنی سی بات ہے؟ تمہیں صرف اس کی شخصیت پسند ہے؟"

"کیا؟"

"کیا وہ تمہیں اس لیے پسند ہے کہ وہ پرکشش ہے؟"

"تو تم مان رہے ہو کہ حیدر پر کشش ہے؟" وہ ہنس کر بولی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"مجھے اس کا چہرہ پسند ہے۔ وہ خوبصورت ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"اور اس کے ساتھ رہنا؟" داس نے سر کے نیچے سے ہاتھ ہٹائے اور بیٹھ گیا۔

وہ چند لمحے کے لیے چپ رہی، پھر آہستہ سے بولی۔ "نہیں۔"

"میں ارسل نہیں ہوں۔ تم مجھے معصومانہ انداز میں بہکا نہیں سکتیں۔ تم مجھے بتاتی ہو کہ اس نے تمہاری جان بچائی۔ اس نے تمہیں سب سے چھپا کر بیس میں رکھا اور وہ تم میں دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کے لیے یہاں تک آ گیا۔ اور تو اور تمہارے ہاتھ میں یہ اضافی انگوٹھی جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔" اس نے عالیانہ کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کی جانب اشارہ کیا۔ "جو کہ مجھے لگتا ہے ڈائمنڈ ہے۔ اور میرے خیال میں ہم میں سے کوئی ایسا ڈائمنڈ افورڈ نہیں کر سکتا۔ تو تم سمجھتی ہو میں نہیں جانتا؟ اس نے تمہاری حفاظت کے لیے نکاح کی شرط رکھی۔" وہ پوچھ نہیں رہا تھا، وہ بتا رہا تھا کیونکہ وہ اسے پڑھ چکا تھا۔

"تمہیں کیسے....."

"کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس سے تمہیں آنے والے وقت میں بچایا جا سکتا ہے۔" وہ حیرانگی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ دل میں جو بے یقینی کی کشمکش تھی وہ ختم ہو

گئی۔عالیار سچ کہہ رہا تھا کہ اس سے نکاح کر کے وہ محفوظ رہے گی۔وہ مزاحمت نہ کر پائی ،نہ ہی کچھ بول پائی۔بس خاموش رہی۔سامنے دیکھتی رہی۔کچھ پل گزرے کے بعد داس بولا۔

"تم کتنی تیزی سے بڑی ہو رہی ہو۔اور جھوٹی بھی"

"فضول مت بولو۔

"میں تو چپ ہوں۔"

"داس؟"

"ہاں؟"اس نے گہری سانس لی۔نظریں ابھی بھی آسمان پر تھیں۔"میں کیا کروں؟"

"کس بارے میں؟"

"ہر چیز کے بارے میں۔"

"مجھے کیا پتا۔"

"میں تمہارے بغیر یہ نہیں کرنا چاہتی۔"اس نے دکھی سے انداز میں داس کی طرف دیکھا۔داس چند پل آنکھیں چھوٹی کیئے اسے اسی انداز میں دیکھتا رہا۔

"کس نے کہا کہ تم میرے بغیر کچھ کرو گی؟"اس کا دل ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم حیران ہو؟"داس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"تم میرے ساتھ لڑو گے؟ حیدر کے ساتھ بھی؟" وہ بمشکل پوچھ پائی۔

"بالکل۔" داس نے مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا

"واقعی؟" وہ اتنی خوش تھی کہ انتہا نہیں۔

داس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے کندھے کے گرد بازو ڈال کر دوبارہ اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ دیا۔ "میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں اور رہوں گا، شہزادی۔ دوست اسی لیے تو ہوتے ہیں۔" ایک سکون کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کھلی ہوا میں سکون سے سانس لینے لگی۔ داس اپنا سر اس کے سر سے ٹکا کر آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

جب وہ گھر پہنچے تو کیسر کمرے کے کونے میں کھڑا دھان سے بات کر رہا تھا۔ اس کی داس کی جانب پشت تھی۔ گھر کے اندر آتا داس دروازے کے فریم میں ساکت سا جم گیا، اسے اپنی آنکھوں پر جیسے یقین نہیں آیا۔ اس نے ابھی تک کیسر کو اپنے پیروں پر کھڑا نہیں دیکھا تھا، نہ ہی عالیانہ اسے بتا پائی۔

پھر داس آہستہ سے قدم اٹھاتا کیسر کے قریب پہنچا، اور کیسر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ کیسر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کمرے میں موجود ہر شخص ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ لمحے وہ رک سا گیا۔ آنکھوں میں نمی لہرانے لگی۔ پھر کیسر نے اسے اتنی زور گلے لگایا

کہ ایک لمحے کو داس کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔ زندگی میں کبھی داس اور وہ ایسے گلے نہیں ملے۔ داس کی تھوڑی کیسر کے کندھے پر تھی، پھر اس نے کیسر کے کندھے کو چوما۔ اس لمس میں عزت تھی۔ پیار تھا، جو ایک بیٹا اپنے باپ سے کرتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ انہیں صاف نہیں کر رہا تھا۔ وہ انہیں بہنے دے رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا ماتھا کیسر کے کندھے پر رکھ دیا۔ تکان سے۔ کیونکہ وہ تھک گیا تھا۔ کچھ پل یوں ہی گزرے، پھر کیسر پیچھے ہٹا، اور داس کو دونوں کندھوں سے تھاما ، داس نے چہرہ نہیں اٹھایا، وہ سر جھکائے رو رہا تھا، یہ خوشی کے آنسو تھے جو اس کے غم کو دھو رہے تھے۔ کیسر نے داس کے کندھے کو تھپتھپایا۔ داس زبردستی مسکرایا اور گیلی پلکیں اٹھا کر کیسر کو دیکھا پھر اس کی نظروں نے کمرے میں کھڑی عالیانہ کو ڈھونڈا، اور اسے دیکھ کر گیلی آنکھوں سے مسکرایا۔ اور وہ خوشی اور اطمینان سے بھر گئی کیونکہ آج رات داس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔ سب اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ کیسر بھی چلا گیا تھا ۔ داس اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا، چنانچہ وہ داس کی جانب بڑھی اور داہنی ہتھیلی سے اس کے آنسو صاف کرنے کی لگی کہ اس نے سر جھکا لیا، عالیانہ نے ایک بہن کی طرح داس کے گرد بازو خمائل کر کے اسے گلے لگایا۔ وہ چہرہ اس کے بالوں میں چھپا کر ایک بار پھر سے رونے لگا تھا۔ "انہوں نے بابا کو میری آنکھوں کے سامنے مار دیا تھا۔ پھر کیسر میری زندگی میں آیا، وہ میرے لیے میرا باپ بنا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا؟" اس نے روتے ہوئے بھاری رندھی آواز میں کہا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کس نے تمہارے بابا کو مار دیا؟ لیکن وہ خاموش رہی۔ دوستوں کو تکلیف میں دیکھ کر سوال

نہیں کرتے، انہیں کنفرنٹ کرتے ہیں۔ داس کو ایسے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا ۔داس نے اس کے کندھے سے چہرا اٹھایا۔اس کے سیاہ بال ماتھے پر چپکے تھے۔ عالیانہ سے ہتھیلی سے اس کے آنسو پونچھے اور اس کو دیکھ کر مسکرائی، جواباً داس بھی مسکرایا اور گیلی سانس اندر کھینچی۔ اتنے میں دروازہ زور سے کھلا۔ وہ پلٹی تو دیکھا کہ ارسل اندر داخل ہوا۔اس کا دل جیسے رک سا گیا۔ارسل نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔اور تیزی سے کمرے کی جانب گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ دروسزے کی آواز سن کر دھان، اشعل اور میلیسا بھی کچن سے نکل کر ہال میں آئے۔ کچھ لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"ہمیں بھی سونے کی تیاری کرنی چاہیے۔" داس نے ارد گرد نظر دوڑائی اور کونے میں جا کر کمبلوں کا ڈھیر اٹھایا اور سب میں کمبل بانٹنے لگا۔

"سب زمین پر سوتے ہیں؟"

داس نے سر ہلایا۔ "ہاں!"

سب اپنے کمبل بچھانے میں مصروف ہو گئے۔ دھان، اشعل اور سیم نے کمرے کے ایک طرف جگہ لے لی، اور میلیسا اور عالیانہ نے دوسری طرف۔ کیسر صوفے پر لیٹ گیا۔

داس نے درمیان کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری جگہ ہے۔"

"ارسل کہاں سوتا ہے؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

داس آدھے راستے میں کمبل پھینکتے ہوئے رکا اور اس کی طرف دیکھا۔ "وہ اور معاذ آج اندر سوئیں گے۔ بیڈ پر سونے کی باریاں رکھی ہیں۔ آج ان کی باری ہے۔ کل دھان اور اشعل کی ہو گی۔ "سب اپنی اپنی جگہ لیٹ گئے۔ اشعل نے بٹن بند کیا، لائٹس بند ہو گئیں۔ سوائے ایک چھوٹے بلب کے۔ کمبلوں کی سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔ "اگر میں نے کسی کو بات کرتے سنا، تو میں اشعل کو بھیجوں گا کہ وہ اس کے چہرے پر مکا مارے۔"

"میں کسی کے چہرے پر مکا نہیں ماروں گا۔" اشعل نے فوراً کہا۔

"تو پھر اپنے چہرے پر مکا مارو، اشعل۔" دھان نے جواب دیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم دوست کیوں ہیں۔" اشعل نے کہا۔

"مہربانی کر کے چپ ہو جاؤ۔" میلیسا نے اپنے کونے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"تم نے عورت کی بات سن لی۔ اب سب خاموش ہو جاؤ۔" دھان نے دوبارہ کہا۔

"تم ہی بات کر رہے ہو۔ احمق!" اس بار سیم بولا۔

"اشعل۔ پلیز اس کے چہرے پر ایک مکا مارو۔" دھان نے اشعل کو مخاطب کیا۔

"چپ ہو جاؤ۔ میں کسی کے چہرے پر مکا نہیں مارنے والا۔"

"شب بخیر۔" کیسر کے منہ سے نکلے دو الفاظ اور کمرے میں ایک دم سانس روکنے جیسی خاموشی چھا گئی۔

شب بخیر!" داس نے سرگوشی کی۔

رات کے دو بجے تھے۔اس کی آنکھ ایک ہلکی سے سنسناہٹ پر کھلی۔ لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا۔اس نے سوچا اب اٹھی ہی ہے تو پانی پی لے۔ وہ بنا آواز کے قدم اٹھاتی ہال سے باہر نکلی اور چہرے پر آتے بال پیچھے کو اڑستے جوں ہی پلٹی، وہ ایک دم رک گئی۔ ٹھہر گئی۔ہل تک نہ سکی۔ارسل ہاتھ میں پانی کا جگ لیے کچن سے نکل رہا تھا۔ہال میں جلے بلب کی اتنی روشنی تھی کہ وہ آسانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے تھے۔عالیانہ کا ہاتھ ابھی بھی اس کے چہرے کے قریب تھا،ارسل کچھ پل پلک بغیر جھپکائے اسے دیکھے گیا۔پھر اس کی نظریں حرکت کرتی اس کے چہرے سے ہٹ کر اس ہاتھ پر پڑی۔ پھر اس کی انگلی میں پہنی انگوٹھی پر جو مدھم روشنی میں بھی چمک رہی تھی۔ایک پل دو پل تین پل اس نے ایسے نظریں چرائیں جیسے اگر وہ کچھ دیر اور وہ دیکھ لیتا تو مر جاتا۔اس کے بعد اس نے سر اٹھا کر عالیانہ کو نہیں دیکھا۔وہ وہاں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکا اور برق کی سی تیزی سے اپنی سمت چلا گیا۔اور وہ بھول گئی کہ وہ یہاں پانی پینے آئی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

ارسل اسے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔کل کی بات پر نہ کوئی تبصرہ، نہ غصے کی کوئی جھلک، نہ مایوسی کا کوئی اظہار۔وہ سب سے معمول کے مطابق بات کر رہا تھا۔وہ معاذ کے ساتھ ہنس کر باتیں کر رہا تھا، میلیسا، دھان، اشعل اور سیم کے ساتھ ناشتے میں مدد کر رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہا تھا جیسے وہ اس کے لیے کوئی وجود ہی نہ رکھتی ہو۔

اس نے ارسل کو "صبح بخیر" کہا، لیکن ارسل نے ظاہر کیا کہ اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔۔ شاید اس نے خود کو تربیت دے دی تھی کہ اس کی موجودگی کو مکمل طور پر نظرانداز کر دے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بار بار اس کے دل پر مکے مار رہا ہو۔

"تو، تم لوگ سارا دن کیا کرتے ہو؟" اس نے خاموشی توڑتے ہوئے بات چیت کی کوشش کی۔ وہ سب زمین پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ آج سب دیر سے جاگے تھے، اور کمبل ابھی تک ویسے ہی بکھرے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں۔" سیم نے مختصر جواب دیا۔

"زیادہ تر مرنے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔" اشعل نے بے زاری سے کہا۔

"یہ بوریت کی انتہا ہے۔" میلیسا نے مزید اضافہ کیا۔

"کیوں؟ تمھارے ذہن میں کچھ ہے؟"

"نہیں، بس... مجھے لگتا ہے کہ آج پھر حیدر واپس آئے گا، تو میں سوچ رہی تھی کہ..."

اسی لمحے کچن سے آواز آئی۔ ایک پیالہ کے سنک میں گرنے کی آواز، چمچ اور کانٹوں کے گرنے کی آواز۔ ارسل لاؤنج میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں سردی مہری تھی۔

"وہ یہاں واپس نہیں آئے گا۔" یہ وہ پہلے الفاظ تھے جو ارسل نے کل شام سے آج تک کہے تھے۔

"لیکن میں نے اسے پہلے ہی بتایا ہے، وہ تو...."

"یہ میرا گھر ہے۔ میں اسے یہاں داخل نہیں ہونے دوں گا!" ارسل نے سخت لہجے میں بات کاٹ دی۔ اس کی آنکھوں میں غضب تھا۔

اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ارسل اسے اس طرح دیکھے گا، اس نفرت سے۔ سچی، گہری نفرت۔

"ارسل یار..."

"نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر داس کو روک دیا۔

"یار یہ سب اس طرح نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر تم اس سے ملنا چاہتی ہو تو تم یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن وہ یہاں واپس نہیں آئے گا۔ کبھی بھی نہیں۔" اس کا انداز۔ اس کی آنکھیں۔

حقیقت اس کے سامنے دھندلا رہی ہو۔

"وہ کہاں جائے گی؟ تم چاہتے ہو کہ وہ سڑک پر کھڑی ہو جائے؟ تاکہ کوئی اسے دیکھے اور اس کی رپورٹ کروادے؟ تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"مجھے اب کوئی پرواہ نہیں۔" ارسل نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"وہ جو چاہے کرے، مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے داس
سے نگاہیں ہٹا کر عالیانہ کو دیکھا۔ نگاہوں میں ٹھہراؤ تھا۔

"تم اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟ شعلہ دہکاتی آنکھیں۔" جاؤ۔ شوق سے جاؤ اور مر جاؤ۔" اس نے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

اور اسے لگا وہ مر گئی ہے۔ اسے لگا وہ کھڑی نہیں ہو پائے گی۔ اسے لگا وہ سانس نہیں لے سکے گی۔ اس کی باتوں نے برف کی ایک لہر اس کی روح میں اتار دی۔

اس نے خود کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ پیر تھر تھر ارہے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیوں، لیکن وہ رک نہ سکی۔ اس کے قدم خود بخود دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"عالیانہ!"

وہ فوراً پلٹی، حالانکہ یہ ارسل نہیں بلکہ داس تھا جو اسے پکار رہا تھا۔

"تم کہیں نہیں جا رہی۔"

یہ سب کچھ قابو سے باہر ہو گیا تھا۔ یہ صرف ایک جھگڑا نہیں رہا تھا۔ ارسل کی آنکھوں میں نفرت تھی، وہ اس ناقابل یقین حقیقت سے اتنی حیران تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا کیسا ردعمل ظاہر کرے۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ حالات اس نہج تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

ارسل اسے اس طرح گھر سے نہیں نکال سکتا تھا۔ یہ وہ ارسل نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ وہ ارسل نہیں تھا جو اس سے محبت کرتا تھا۔

"ارسل !" داس نے دوبارہ کہا۔ "تمہیں پرسکون ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے اور حیدر کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ وہ صرف وہی کرنے کی کوشش کررہی ہے جو اسے صحیح لگتا رہا ہے۔"

"بکواس! یہ جھوٹ ہے!" ارسل کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ "تم بھی یہ جانتے ہو، لیکن تم اتنے بے وقوف ہو کہ اس کا انکار کررہے ہو۔ وہ شروع سے ہی مجھے دھوکہ دے رہی تھی!"

"اس نے کبھی اعتراف نہیں کیا، تم اس پر حق نہیں جتا سکتے۔"

"کیونکہ اعتراف کی ضرورت نہیں تھی۔!" ارسل چیخا۔

"یہ سچ ہے۔ اسے مان لو۔" داس نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔" اس کی آواز گہری ہوگئی۔

"اچھا، جو بھی ہو۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔" داس نے شانے اچکائے۔

"لیکن ابھی ہم جنگ کے بیچ میں ہیں۔ کچھ تو رحم کھاؤ اس پر، اسے چند دن پہلے گولی لگی تھی اور وہ مرنے کے قریب تھی۔ تمہیں نہیں لگتا کہ وہ کچھ بڑا کرنے کی کوشش کررہی ہے؟ حیدر پاگل ہے، لیکن وہ مدد کرسکتا ہے۔"

"وہ اس پاگل کو ایسے دیکھتی ہے جیسے وہ اس سے محبت کرتی ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ میں یہ سب سے نہیں جانتا؟ تم سمجھتے ہو کہ میں اس نظر کو پہچان نہیں سکتا؟ میں اسے جانتا ہوں۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"شاید تم نہیں جانتے۔" داس نے غصے سے کہا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں تک نہیں ملا پا رہی تھی۔ وہ بے چینی سے کپکپاتے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔

"اس کا دفاع کرنا بند کرو!" ارسل نے مزید غصے سے کہا۔

"تمھیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم پاگلوں جیسا ردعمل دے رہے ہو۔" داس کا لہجہ سخت تھا۔ ایک لمحے کا توقف۔ طوفان سے پہلے کی خاموشی۔

"میں زیادہ خوش تھا جب میں نے سوچا تھا کہ یہ مر چکی ہے۔"

اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر ارسل کو دیکھا۔ داس نے ایک نظر عالیانہ پر ڈالی، وہ جانتا تھا کہ وہ کتنا ضبط کر رہی ہے۔ اگر یہ اس کی پہلے والی عالیانہ ہوتی، تو کل ہی آنسو بہا رہی ہوتی۔

"تمہارا یہ مطلب نہیں ہے۔ ایسی باتیں مت کرو، یار۔ جب تم ایسی بکواس کہہ دیتے ہو تو تم اسے واپس نہیں لے سکتے۔" داس نے اس کی کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میرا یہی مطلب ہے۔" ارسل نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا اور اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "میرا بالکل یہی مطلب ہے۔"

ارسل آخر کار عالیانہ کی طرف مڑا۔دونوں کی نظریں ملیں۔اس کے ہاتھ مٹھیوں میں بند تھے۔"یہ سوچنا کہ تم مر چکی ہو،اس سے کہیں بہتر تھا۔یہ کم تکلیف دہ تھا۔کم از کم میں جیتے جی مرا نہیں تھا۔"

ایک،دو،تین۔ارسل نے نظریں چرا لیں۔

کمرے کی دیواریں جیسے حرکت کرنے لگیں۔اس کو جگہ جگہ دھبے نظر آنے لگے،اور وہ بار بار آنکھیں جھپکا رہی تھی۔ہر چیز دھندلا رہی تھی۔

یہ سب حقیقت نہیں ہو سکتا،وہ خود کو بار بار سمجھا رہی تھی۔یہ "یہ صرف ایک برا خواب ہے۔جب میں جاگوں گی تو ارسل پھر سے وہی مہربان اور شفیق انسان ہو جائے گا۔
کیونکہ ارسل کبھی بھی میرے ساتھ اس قدر بے رحم نہیں ہو سکتا۔کبھی بھی نہیں۔"

ارسل کی آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔"پوری دنیا میں سب سے زیادہ میں نے تم پر بھروسہ کیا تھا۔تمہیں وہ باتیں بتائی تھیں جو مجھے کبھی نہیں بتانی چاہیے تھیں۔اور اب تم جان بوجھ کر میرے منہ پر سب کچھ پھینک رہی ہو۔مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے ساتھ یہ کر سکتی ہو۔کہ تم اس کے لیے میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو۔تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ چیخ رہا تھا۔اس کی آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

عالیانہ خاموش کھڑی رہی۔اس کے ہونٹوں کو حرکت دینے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے لگا اگر وہ ایک انچ بھی ہلی، تو اس کا جسم ٹوٹ جائے گا، اور ہر کوئی دیکھ لے گا کہ اس کے اندر کتنے آنسو ہیں جنہیں وہ ابھی تک روک رہی تھی۔

ارسل نے سر ہلایا اور ایک افسردہ سی ہنسی ہنسا۔"تم اسے جھٹلا بھی نہیں رہی۔ تمہیں مجھ پر ترس نہیں آ رہا؟"

اس کا ضبط جواب دینے کے قریب تھا جب داس کی آواز آئی۔

"اسے اکیلا چھوڑ دو۔ارسل! میں سنجیدہ ہوں۔"اس کی آواز سرد اور موت جیسی تھی گویا آخری وارننگ ہو۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"تم غلط کر رہے ہو۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے تمہاری رائے کی پروا ہے؟"ارسل نے غصے سے کہا۔"یہ تمہاری لڑائی نہیں ہے، داس۔ صرف اس لیے کہ وہ اتنی بزدل ہے کہ کچھ بول نہیں سکتی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں اس کا دفاع کرنا چاہیے۔"

عالیانہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ خود سے باہر نکل چکی ہو۔ جیسے اس کا جسم زمین پر بے جان پڑا ہے، اور وہ اوپر سے دیکھ رہی ہے کہ ارسل ایک بالکل مختلف انسان میں بدل رہا ہے۔

ہر لفظ، ہر توہین جو وہ اس پر پھینک رہا تھا، اسے اندر سے چور کر رہی تھی۔ اگر صرف سانس لینا ہی زندگی تھا، تو ہاں، وہ زندہ تھی۔ لیکن حقیقت میں، وہ مر چکی تھی۔

"میں جا رہا ہوں۔" اس نے ایک نظر عالیانہ کو دیکھا پھر دوبارہ داس کو۔ "میں جا رہا ہوں، اور جب میں واپس آؤں گا، تو میں چاہتا ہوں کہ یہ یہاں سے جا چکی ہو۔" یہ؟ وہ اس کا نام تک نہیں پکارنا چاہتا؟ اتنی نفرت؟

"رونامت۔" اس نے خود سے دل کی گہرائیوں میں التجا کی۔ "رونامت۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔"

"تم اور میں۔ ہمارا قصہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی محبت کے اس باب پر مہر لگا رہا ہوں۔ ہم ختم ہو چکے ہیں۔" ارسل کی آواز سرد اور دوٹوک تھی۔ "اب ارسل کسی عالیانہ نامی لڑکی کو نہیں جانتا۔ نہ دوست کے طور پر، اور نہ... " ایک لمحے کا توقف۔ شاید اسے بولنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ "اور نہ محبت کے طور پر۔ ارسل اور عالیانہ کا باب آج میں اپنے ہاتھوں سے بند کر رہا ہوں۔ ہمارا قصہ ختم ہو چکا ہے۔ میں تمہیں دوبارہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ نہ اس دنیا میں، نہ اگلی دنیا میں، اور نہ ہی اپنے گھر میں۔ تو یہاں سے نکل جاؤ۔ میرے واپس آنے سے پہلے یہاں سے چلی جاؤ۔"

یہ کہہ کر ارسل نہیں رکا۔ اس نے کمرے کے پار چلتے ہوئے کوٹ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ زور سے کھول کر باہر نکل گیا، اور پھر اتنی شدت سے بند کیا کہ دیواریں لرز اٹھیں۔

کمرے میں ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھاگئی۔

وہ کمرے کے بیچ کھڑی تھی، سب کچھ رک گیا تھا۔اچانک اسے سردی محسوس ہونے لگی۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، یا شاید اس کی ہڈیاں۔ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود لرز رہا ہو۔وہ میکانکی انداز میں حرکت کر رہی تھی، اتنی آہستہ کہ اس کا دماغ ابھی تک دھند میں لپٹا ہوا تھا۔

دھندلے سے احساس میں، شاید کوئی اس سے کچھ کہہ رہا تھا، لیکن وہ اس پر توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔اس کی پوری توجہ اپنے کوٹ پر مرکوز تھی کیونکہ سردی اس کے جسم میں سرایت کر چکی تھی۔یہاں واقعی بہت سردی تھی۔اسے اپنے کوٹ کی ضرورت تھی۔اور شاید دستانوں کی بھی۔

وہ کانپنا نہیں روک پا رہی تھی۔عالیار کا سرمئی کوٹ۔عالیار کے دستانے۔اسے عالیار کی ضرورت تھی۔صرف وہی تھا جو اسے سکون دے سکتا تھا۔وہ اسے پرسکون کرنے کا فن جانتا تھا۔

صرف وہی تھا جو اسے سمجھتا تھا۔صرف وہی تھا جو اس کی ہر نفرت، ہر تکلیف کے باوجود اس پر آنچ تک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔وہی جو کمانڈر ہونے کے باوجود، سپریم کا بیٹا ہونے کے باوجود، اس کے دوستوں کی بدزبانی سہہ لیتا تھا، صرف اس کے لیے۔

وہی تھا جو اس کی وجہ سے غداری جیسے سنگین جرم کو نظرانداز کیے ہوئے تھا۔ وہی تھا جو اس سے کتابوں والی سچی محبت کرتا تھا۔

اس نے کوٹ پہنا۔ عالیار کی خوشبو نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عالیار کی خوشبو اس کی پسندیدہ خوشبو تھی۔ دھیمی۔ میٹھی۔ گرم۔ نرم۔ اس نے اپنے ہاتھ کوٹ جیبوں میں ڈال دیے۔ اچانک اس کی انگلیاں جیب میں موجود پلاسٹک کے ایک ٹکڑے سے ٹکرائیں۔

اوہ خدایا! وہ تو اس بیپر کو بھول ہی چکی تھی۔

اس نے اپنی جیب سے وہ چھوٹا سا آلہ نکالا۔ ایک پتلا، مستطیل سا آلہ جس پر ایک بٹن لگا ہوا تھا۔ بے خیالی میں، اس نے بٹن دبایا۔ پھر دوبارہ دبایا۔ اور پھر بار بار دبانے لگی کیونکہ عالیار نے کہا تھا کہ مشکل میں ہو تو بس اسے دبانا۔

کلک۔ کلک۔ کلک۔

اسے اپنے کندھوں پر کسی کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس ہوا۔

وہ مڑی تو کیسر اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی جھلک رہی تھی۔ "تم کہیں نہیں جا رہی۔ ہم سب کچھ ٹھیک کر لیں گے۔ سب بہتر ہو جائے گا،" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں... مجھے جانا ہے۔" اس کی آواز جیسے خشک مٹی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کے لبوں پر کانپتے ہوئے الفاظ بمشکل نکلے۔

اس کی انگلیاں پیجر کے بٹن پر ٹھہرنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

کلک۔ کلک۔ کلک۔

داس پریشان آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس طرح دیکھ کر اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

"ادھر آ کر بیٹھو۔ ارسل بس غصے میں ہے، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کا مطلب وہ نہیں تھا جو اُس نے کہا۔"

"مجھے لگتا ہے کہ اُس نے بالکل وہی کہا تھا جو اُس کا مطلب تھا۔" سیم نے ہموار لہجے میں کہا۔ کیسر نے اُسے سخت نظروں سے دیکھا۔

"تم نہیں جا سکتی۔ ہم نے مل کر کچھ بڑے کام کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ تم نے وعدہ کیا تھا۔" دھان نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں،" میلیسا نے کوشش کی کہ لہجے میں ہلکی سی خوشی لائے لیکن اُس کی آنکھوں میں پریشانی اور فکر جھلک رہی تھی جیسے وہ اسکے لیے ڈر رہی ہو۔

اُس سے نہیں۔ بلکہ اُس کے لیے۔ یہ احساس اُس کے لیے نیا تھا۔

کلک کلک کلک۔

کلک کلک۔

"اگر تم چلی گئیں تو ہمیں ہمیشہ ایسے ہی رہنا پڑے گا۔اور میں اپنی باقی زندگی ایسے نہیں گزارنا چاہتی۔"

کلک۔

کلک کلک۔

"مت جاؤ۔مجھے افسوس ہے کہ ارسل نے تم سے برا سلوک کیا، لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم مرجاؤاور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم مرچکی ہوتی۔اللہ کا وعدہ! میں ایسا نہیں چاہتا۔" معاذ نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

معاذ۔پیارا معاذ۔اُس کی آنکھوں نے اُس کا دل چیر دیا۔

"میں نہیں رک سکتی۔اُس نے واقعی وہی کہا جواُس کا مطلب تھا۔"اُس کی آواز میں ایک عجیب سی ٹوٹ پھوٹ تھی۔

"ہم سب بہت افسردہ اور بے بس ہو جائیں گے اگر تم چلی گئیں۔"اشعل نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔"اور میں میلیسا سے متفق ہوں، میں زیادہ دیر تک اس طرح نہیں رہ سکتا۔"

"مگر کیسے...."

اچانک سامنے کا دروازہ زور سے کھلا۔

"عالیانہ!" کسی نے اسے پکارا۔ ایک مانوس آواز۔ دنیا کی سب سے خوبصورت آواز۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

وہ وہاں تھا۔ عالیار چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ سفید شرٹ پر براؤن لیڈر جیکٹ۔ سیاہ جینز۔ بال ہمیشہ کی طرح ایک جانب سمٹے ہوئے۔ وہی عربی شہزادوں جیسی سفید رنگت۔ البتہ اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، سانسیں بھاری تھیں جیسے وہ بہت جلدی میں آیا ہو۔ عالیانہ کو دیکھ کر جیسے اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

اس کو دیکھ کر عالیانہ کا سارا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ جو مضبوط بننے کی اداکاری کر رہی تھی سب ہوا میں معلق ہو گیا۔ گرم آنسو لڑھکتا ہوا گال سے ہو کر فرش پر گرا۔ اسے لگا اگر وہ آگے نہ بڑھا تو وہ گر جائے گی۔ وہ قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔ عین اس کے سامنے۔ "کیا ہوااا۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ جملہ مکمل کرتا وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے یقین نہ آیا دوسرے ہی لمحے اس نے پہلو میں گرے ہاتھ اس کے گرد حمائل کیئے۔ ایک نظر اس کو دیکھا۔ پھر دوبارہ اس کی جانب دیکھا۔ اس کا بچا کچا ضبط و حوصلہ جواب دے گیا۔ نا جانے کیوں اس شخص کے سامنے وہ کمزور پڑ جاتی تھی۔ جذباتی طور پر کمزور۔ اس کی آنکھوں سے دھڑا دھڑ آنسو سے بہہ رہے تھے۔ اس کا سر عالیار کے سینے پر دل کے مقام پر تھا اور وہ اس کے دل کا درد محسوس کر سکتی تھی جو اسے روتا دیکھ کر اسے ہو رہا تھا۔ کچھ پل وہ یوں ہی روتی رہی۔ عالیار نے اسے رونے دیا۔ ایک ہاتھ اس کے گرد حمائل کیئے دوسرا ہاتھ اس کے سر پر

تھا۔ کچھ پل گزرے کے بعد عالیار نے اسے خود سے الگ کیا۔ اُس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر گھبرائی ہوئی ٹوٹی نظروں سے دیکھا۔ "کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا؟ ان آنسوؤں کا سبب کون ہے؟" اس نے ماتھے پر تیوری چڑھائے ایک نظر اس کے ارد گرد کھڑے لوگوں کو گھورنے والے انداز میں دیکھا۔

"شکریہ! شکریہ کہ تم آئے۔" اُس نے گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے کہا۔ رونے کے باعث آواز بھاری ہو چکی تھی۔ ناک سرخ۔ آنکھیں سرخ پر خوبصورت۔

"کچھ ہوا ہے؟" اس نے آنکھوں میں فکر مندی لیے پوچھا۔ وہ جواب نہیں دے سکی۔ "میرے ساتھ واپس جانا چاہتی ہو۔؟

اُسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ اب وہ کیا چاہتی ہے یا کیا کرنا چاہیے۔ سب لوگ اُسے روکنے کی بات کر رہے تھے، مگر یہ اُن کا گھر نہیں تھا۔ یہ ارسل کا گھر تھا۔ یہ بالکل واضح تھا کہ اب ارسل اُسے ناپسند کرتا تھا۔ مگر وہ اپنے دوستوں کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ داس کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

"تم چاہتی ہو کہ میں چلا جاؤں؟"

"نہیں۔" نہیں۔" اُس نے فوراً کہا۔

عالیار تھوڑا پیچھے ہٹا اور آنکھیں چھوٹی کر کے اُس کی طرف دیکھا۔ "مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں، میں وہی کروں گا۔" اسے اس حالت میں دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"یہ سب سے عجیب چیز ہے جو میں نے دیکھی ہے۔ اگر میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ کبھی بھی نہیں۔" داس نے سر ہلاتے ہوئے دھان کے کان میں سرگوشی کی۔

"یہ ڈرامے کی طرح تھا مگر اداکاری خراب تھی۔"

"مجھے تو یہ تھوڑا سا پیارا لگا ہے۔" اشعل مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ اچانک چونکی، آدھا گھوم کر دیکھا۔ سب اُنہیں گھور رہے تھے۔ اشعل واحد تھا جو مسکرا رہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ رو کیوں رہی ہے؟" عالیار نے ماتھے پر تیوری چڑھائے سب سے پوچھا۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔

"ارسل کہاں ہے؟" وہ آنکھیں تنگ کیئے سب کے چہروں پر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "اُس نے اُسے کچھ کہا؟"

"وہ تھوڑی دیر پہلے ہی چلا گیا تھا۔"

عالیار کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ اس کی طرف مڑا۔ "تم مزید یہاں نہیں رکنا چاہتی؟" اب اس کا چہرا ہر قسم کے تاثرات سے پاک تھا۔

"یہاں سب مدد کرنا چاہتے ہیں، لڑنا چاہتے ہیں، سوائے ارسل کے۔ لیکن وہ جا نہیں سکتے۔ اور میں انہیں چھوڑنا نہیں چاہتی۔"

عالیار نے گہری سانس لی، سر جھکا کر کنپٹی مسلی۔ شاید اس کے سر میں درد تھا۔"
اگر تم یہی چاہتی ہو تو پھر یہیں رک جاؤ۔ جب تم چاہو گی میں آجاؤں گا۔" عالیانہ سلیم جب جب پکارے گی، عالیار حیدر تب تب آئے گا... بلکہ وہ اس کی پکار نے سے پہلے آئے گا۔

"میں نہیں رہ سکتی۔ مجھے اجازت نہیں ہے" اس کی آنکھوں میں غصے کی لہر نمودار ہوئی، جو فوراً غائب ہو گئی۔ "کیا مطلب؟ تمہیں اجازت نہیں ہے؟"

"ارسل نہیں چاہتا کہ میں یہاں رہوں۔ مجھے اس کے واپس آنے سے پہلے جانا ہو گا۔" عالیار کا چہرہ غصے سے لبریز ہو گیا۔ اس کی آنکھیں۔ بھوری آنکھیں۔ شعلہ دھکاتی بھوری آنکھیں۔

"کیا وہ نہیں جانتا کہ تمہاری وجہ سے میں نے ان سب کو یہاں رہنے کی اجازت دی ہے؟ تمہاری وجہ سے میں نے انہیں زندہ رہنے اجازت دی ہے۔

؟تمہاری وجہ سے میں نے ایک غدار کو میرے سامنے ایسے بات کرنے کی اجازت دی ہے۔" وہ کچھ نہیں بولی۔

وہ اسے ایک طویل نظر سے گھورتا رہا۔ وہ اس کے چہرے پر سوچ کا تاثر دیکھ سکتی تھی۔ اس کا ذہن برق رفتاری سے حل تلاش کر رہا تھا۔ آخر کار، وہ گہری سانس لیتے بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

"داس!" عالیانہ کے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے بلند آواز میں داس کو پکارا۔

"حاضر ہوں۔ سر۔" اس نے فوجی انداز انداز جان بوجھ کر جواب دیا۔

اس نے اپنی نظروں کو داس کی طرف موڑا، اس کا چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا۔ "میں تمہارے گروپ کو اپنے ذاتی تربیتی مرکز میں رکھوں گا۔ مجھے اس کا بندوبست کرنے میں ایک دن لگے گا، میں یہ یقینی بناؤں گا کہ تمہیں داخلے کی اجازت اور مکمل سہولت فراہم کی جائے۔ تم وہاں محفوظ رہو گے اور میرے احکامات پر عمل کرو گے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ "کیا یہ تمہارے لیے مناسب ہے؟"

"بلکل نہیں۔"

"کیوں نہیں؟"

"تم ہمیں اپنے 'ذاتی تربیتی مرکز' میں قید کرنا چاہتے ہو؟ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم ہمیں آہستہ آہستہ ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

عالیار خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے کہہ رہا ہو وہ تو میں یہاں بھی کر سکتا ہوں۔

"میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ تمہیں اچھی اور باقاعدہ خوراک ملے۔ رہائش سادہ ہو گی، لیکن اس سے زیادہ سادہ نہیں جتنی کہ یہ جگہ ہے۔" اس نے کمرے کی طرف سرسری سا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں تمہارا قیام ہمیں ہمارے اگلے اقدام کے لیے تیاری کا موقع دے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم غیر محفوظ علاقے میں رہ کر خود کو اور دوسروں کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔"

"لیکن تم ایسا کیوں کرو گے ؟ تم کیوں ہمیں بچانا، کھلانا اور زندہ رکھنا چاہتے ہو ؟ اس بات کا کوئی مطلب نہیں..... " سیم جواب تک خاموش تھا، بولا۔

"اس بات کا مطلب ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" عالیار نے دوٹوک انداز میں کہا۔

" بالکل ضرورت ہے۔" میلیسا بولی۔ " ہم ایک فوجی مرکز میں جانے والے ہیں۔ یہ کوئی سازش ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" عالیار نے بے نیازی سے بے پرواہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے کیا؟" میلیسا نے پوچھا

"مت آؤ۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

میلیسا نے حیران ہو کر پلکیں جھپکائیں۔ پھر عالیار داس کی طرف مڑا۔ "کیا تم سرکاری طور پر میری پیشکش کو ٹھکرا کر رہے ہو ؟"

" بالکل۔" داس نے بغیر جھجھکے کہا۔

عالیار نے سر ہلایا، پھر عالیانہ کی طرف دیکھا۔ " چلیں ؟"

وہ پریشانی کے عالم میں داس کی جانب مڑی۔ "تم یہاں رہو گے ؟ میں تمہیں دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکوں گی ؟"

"تم ہمارے ساتھ رہ سکتی ہو، تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" داس نے بازو سینے پر باندھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ ارسل نے جو کہا تھا، اس کا وہی مطلب تھا۔ اگر وہ واپس آیا اور مجھے یہاں پایا، تو وہ پاگل ہو جائے گا۔"

"تو تم ہمیں چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟ تم ہم سب کو چھوڑنے والی ہو؟" اس نے ہاتھ کے اشارے سے باقی لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ "صرف اس لیے کہ ارسل احمق بن گیا ہے؟ تم ہمیں حیدر کے لیے چھوڑ رہی ہو؟"

وہ الجھن میں تھی، اپنے الفاظ تلاش کر رہی تھی۔ "داس!.... میں نہیں... میرے پاس رہنے کے لیے اور کوئی جگہ نہیں ہے! میں کیا کروں؟"

"یہیں رہو۔"

"ارسل مجھے نکال دے گا۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"نہیں نکالے گا۔ ہم اسے تمہیں نہیں نکالنے دیں گے۔" داس پختہ لہجے میں جواب دیتا رہا۔

"میں زبردستی نہیں کرنا چاہتی۔ میں اس سے بھیک نہیں مانگوں گی۔ کم از کم مجھے عزت سے جانے دو۔" اس کی آواز میں مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔

یہ سب بکواس ہے!"

"میرے ساتھ چلو۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم ساتھ رہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

ہم نہیں جا سکتے۔ ہم یہ خطرہ نہیں لے سکتے عالیانہ! وہ تمہارے ساتھ مختلف ہے، لیکن میں ان سب کی زندگیاں جذبات یا قیاس آرائی کی بنا پر داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ شاید اسے تمہاری پرواہو، لیکن اسے ہماری پروا نہیں ہے۔"

اس سے بات کرتے کرتے اس نے عالیار کی طرف دیکھا جو اپنے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو کو گھما رہا تھا۔ بے پرواہ سا۔

"کیا تمہیں ہے؟"

"کیا؟ کیا ہے مجھے؟"

"کیا تمہیں ہماری پروا ہے؟ ہماری بقا کی، ہماری فلاح و بہبود کی؟"

نہیں۔"

"کم از کم تم ایماندار ہو۔" داس طنزیہ مسکرایا۔

"میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔ تم اسے بے وقوفی سے ٹھکرا کر رہے ہو۔ تم سب یہاں مر جاؤ گے، اور تمہیں اس بات کا مجھ سے زیادہ علم ہے۔"

ہم اپنی قسمت آزمالیں گے۔" داس نے تلخی سے جواب دیا۔

"نہیں! داس!"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی پیشانی پر شکن تھی۔ آنکھوں میں تھکاوٹ تھی۔
"مجھے یقین ہے کہ کسی دن ہم ایک دوسرے سے ملنے کا راستہ ڈھونڈ لیں گے۔ تمہیں جو کرنا ہے، تم کرو۔"

"نہیں۔" اس کے پھیپھڑے جیسے سکڑنے لگے، دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ وہ اسے اپنے کانوں میں سن سکتی تھی۔ اس کے وجود میں گرمی اور سردی کا عجیب امتزاج محسوس ہو رہا تھا۔

"اللہ کے واسطے داس بیوقوف مت بنو۔ تمہیں میرے ساتھ آنا ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"مجھے کسی قسم کی ضمانت چاہیے۔ میں بس اعتماد نہیں کر سکتا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ فوراً عالیار کی طرف مڑی، دل زور سے دھڑک رہا تھا اور ہاتھ مٹھیاں بنے ہوئے تھے۔

"انہیں وہ دو جو وہ چاہتے ہیں۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔ پلیز! تمہیں بات کرنی ہو گی۔ تمہیں یہ سب ٹھیک کرنا ہو گا۔ مجھے ان کی ضرورت ہے۔ مجھے اپنے دوستوں کی ضرورت ہے۔" عالیار کافی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ وہ واقعی بہت بے رحم تھی۔ انجانے میں دل توڑ دیتی تھی۔

"پلیز"

عالیار نے نظریں ہٹائیں۔ پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔ گہری سنجیدگی سے۔ آخر کار اس نے داس کی جانب دیکھا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟"

وہ اب داس کے سامنے کھڑا تھا، مکمل خاموشی کے ساتھ۔ "میرے دو آدمی بیمار اور زخمی ہیں۔ انہیں دوا اور طبّی امداد کی ضرورت ہے۔ ہمیں نگرانی نہیں چاہیے، ہم پر کرفیو نہ لگایا جائے اور ہم ہر وقت مسلح رہنا چاہتے ہیں۔" اس کا سر زور سے دھڑک رہا تھا، اور دل کی دھڑکن بھی بے قابو ہو رہی تھی، لیکن اب وہ اتنی پر سکون تھی کہ تھوڑی دیر کے لیے سکون سے سانس لے سکتی تھی۔ کیونکہ اسے عالیار پر بھروسہ تھا۔ وہ اس کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ واقعی نہیں کر سکتا تھا۔

عالیار نے اس کی طرف دیکھا۔

کچھ لمحوں کے لیے ان کی نظریں ملیں۔ اس نے نظریں چرائیں۔ ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے۔" وہ اس کے لیے سارے اصول توڑ سکتا تھا، یہ تو طے تھا۔

"کیا؟" داس کو اس رد عمل کا وہ بھی اتنا جلدی بلکل اندازہ نہیں تھا۔

"میں کل دوپہر دو بجے آؤں گا تاکہ تم سب کو تمہاری نئی رہائش گاہ تک لے جاؤں۔"

"یاخدا!" دھان صوفے سے اچھل پڑا۔ "یاخدا، یاخدا، یاخدا!" عالیار نے ان سب کے رد عمل کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔

"یہاں تمہارا کوئی سامان ہے؟" اس نے عالیانہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے نفی میں ہلایا۔

"گڈ۔ چلو۔" وہ اس کے آگے تھی وہ اس کے پیچھے۔ کیا عقیدت تھی۔ کیا محبت تھی۔ اور کیا... کیا بیوی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا تھا، وہ اسے سیڑھیوں سے نیچے پارکنگ گیراج تک لے جارہا تھا۔ اس کا دل اب بھی بے یقینی کی گرفت میں تھا۔ عالیار نے آہستگی سے گاڑی کا دروازہ کھولا، اسے اندر بٹھایا، دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے اندر بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا۔

جب وہ سڑک پر پہنچے، تو وقت اور جگہ کا احساس دھندلا گیا۔ چند لمحے پہلے وہ ارسل کے گھر میں تھے، اور اب وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

یہ سب کچھ غیر حقیقی لگ رہا تھا۔ یہ حقیقت کہ وہ سب ایک ہی مقصد کے لیے کام کر رہے تھے، ناقابل یقین تھی۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ عالیار نے اس کی ہر بات کو تسلیم کرلیا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا، اور اس کی الجھن بڑھا رہا تھا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے عالیار کی طرف دیکھا۔ یہ احساس اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ وہ کبھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ عالیار کے ساتھ اتنا محفوظ اور مطمئن محسوس کرے گی۔

اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ عالیار کے ساتھ اس طرح کا سکون محسوس کر سکتی ہے۔

"شکریہ!" دل میں شکر گزاری اور کہیں نہ کہیں قصور کے احساس کے ساتھ اس نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک افسردگی تھی، جیسے اس نے ایک فیصلہ کر لیا ہو جو واپس نہیں ہو سکتا تھا۔ "میں بہت شکر گزار ہوں کہ تم میرے لیے آئے۔ میں اس کی بہت قدر کرتی ہوں۔"

"عالیانہ! کچھ مت بولو۔" جب وہ بولا تو اس کی آواز میں غیر معمولی نرمی تھی۔ وہ فوراً خاموش ہو گئی۔

"تمہاری تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔ میں اسے اتنی شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ یہ مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ میں تمہاری آنکھوں میں ایک آنسو برداشت نہیں کر سکتا۔" اس نے جیسے التجا کی۔ "اداس مت ہو، نہ ہی خود کو قصوروار سمجھو۔ تم نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ...."

"افسوس بھی مت کرو۔ خدا کی قسم، میں صرف اسی وجہ سے ارسل کو نہیں مار رہا کہ مجھے معلوم ہے، یہ تمہیں اور زیادہ تکلیف دے گا۔"

"تم صحیح کہہ رہے ہو، لیکن یہ صرف ارسل کی بات نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولی، کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد۔

"کیا مطلب؟" عالیار نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں چاہتی کہ تم کسی کو بھی مارو۔ صرف ارسل کو نہیں، کسی کو بھی نہیں۔"

عالیار مسکرایا،اس کی مسکراہٹ میں عجیب سی کرختگی تھی۔

"کیا تمہاری اور بھی کوئی شرائط ہیں؟" اس نے استفسار کیا۔

"نہیں! زیادہ نہیں۔"

"تو تم مجھے فکس نہیں کرنا چاہتیں؟ تمہیں نہیں لگتا کہ مجھے بہت سی چیزوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے؟" سٹیرنگ وہیل پر مہارت سے اس کے ہاتھ حرکت کر رہے تھے۔ اس کے ہاتھ خوبصورت تھے بلکل اس کے چہرے جیسے ۔بے عیب۔خوبصورت۔نورانی رنگت پر ابھری رگوں والے ہاتھ،انگلیاں ایسی جیسے مصور کا فیورٹ آرٹ پیس ہوں، جسے فرصت سے وقت نکال کر بنایا گیا ہے۔مینی کیور شدہ ناخن۔

"نہیں۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ منظر بہت ویران تھا۔بہت سرد۔ ہر طرف یخ بستہ ہوا پھیلی ہوئی تھی۔

"تم میں کچھ بھی غلط نہیں ہے اور اگر میں عقلمند ہوتی تو میں تم سے پہلے خود کو ٹھیک کرنے کا سوچتی۔"

دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔اس چھوٹی سی جگہ میں تناؤ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

"عالیار؟" وہ بولی، نظریں ابھی بھی باہر کے تیزی سے گزرتے ہوئے مناظر پر مرکوز تھیں۔

اس کی سانسوں میں ہلکی سی جھجک محسوس ہوئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب اس نے عالیار کا پہلا نام اتنے پیار بھرے انداز میں لیا تھا۔

"جی؟" عالیار نے مدھم آواز میں کہا۔ نظرین شیشے کے پار سڑک پر تھیں۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے نہیں لگتا کہ تم پاگل ہو۔"

اس نے بس ایک پل کے لیے گردن موڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم پاگل ہو۔" اس نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم بیمار ہو۔ مجھے نہیں لگتا کہ تم سائیکو یا مکار ہو۔ مجھے یہ بھی نہیں لگتا کہ تم بے دل قاتل ہو۔ اور نہ ہی تم بے کار ہو۔ نہ ہی بیوقوف۔ نہ ہی بزدل۔ مجھے تم میں وہ نظر نہیں آتا جو لوگوں نے تمہارے بارے میں کہا ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تمہیں مر جانا چاہیے۔ تمہاری حقیقت ان خ

خیالات سے بہت مختلف ہے جو لوگوں نے تمہارے بارے میں بنا رکھے ہیں۔ لوگ تم میں وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے جو میں دیکھ سکتی ہوں۔"

وہ عالیار کی طرف دیکھنے لگی۔ عالیار کی نظریں سامنے ونڈ شیلڈ پر جمی تھیں۔

"تمہیں نہیں لگتا؟" اس کی آواز اتنی ہلکی اور ڈری ہوئی تھی کہ وہ بمشکل اسے سن سکی۔

"نہیں! مجھے نہیں لگتا۔" میں بس تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں تمہیں ٹھیک نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں کسی اور میں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم وہی رہو جو تم حقیقت میں ہو۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ میں نے تمہیں اصل میں دیکھا ہے۔" عالیار خاموش تھا۔ بلکل خاموش۔

"مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ دوسرے لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ تم ایک اچھے انسان ہو۔"

اس کی پلکیں تیزی سے جھپک رہی تھیں۔ وہ اس کی بوجھل سانسیں سن سکتی تھی۔ عالیار کچھ بھی نہیں بولا۔

"کیا تم... میری بات پر یقین کرتے ہو؟ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں سچ بول رہی ہوں؟ کہ میں واقعی یہ بات دل سے کہہ رہی ہوں؟" کچھ لمحوں بعد وہ پوچھنے لگی۔

عالیار کے ہاتھ اسٹیئرنگ ویل کے گرد سختی سے جکڑے ہوئے تھے۔اس کی انگلیاں سرخ ہو چکی تھیں۔

اس نے اسے دیکھے بغیر سر ہلایا۔بس ایک بار۔

••••••☆☆☆••••••

اب وہ دونوں عالیار کے کمرے میں موجود تھے۔عالیار نے اب تک اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

کمرے میں واپس آنا عجیب مگر مانوس سا لگ رہا تھا۔جیسے وہ اپنے ماضی کی کسی دھندلی یاد میں لوٹ آئی ہو۔کبھی یہ جگہ اسے خوفزدہ کرتی تھی،اب یہ جگہ سکون دیتی تھی، تحفظ کا احساس دلاتی تھی۔

یہ عالیار کا کمرہ تھا۔اور عالیار،اس کے لیے،اب کوئی ایسا نہیں رہا تھا جس سے ڈرنا چاہیے۔ گزشتہ چند مہینوں نے عالیار کی شبیہ کو اس کی نظروں میں یکسر بدل دیا تھا۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہی شخص جو اسے پراسرار اور خطرناک لگتا تھا،اب اتنا اچھا لگنے لگے گا۔

پچھلے چند دنوں میں جو انکشافات ہوئے،وہ اب بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر انکار مشکل تھا کہ عالیار اب مختلف دکھائی دیتا تھا،کیونکہ وہ اس کی اصل شخصیت دیکھنے لگی تھی۔

وہ ایک خوفزدہ، اذیت زدہ انسان تھا۔ ایک ایسا شخص جس نے اپنی پوری زندگی تکلیف، ظلم، اور قید و بند میں گزاری تھی۔ ایک ایسی زندگی جو اس نے کبھی نہیں چُنی تھی۔

اسے کبھی دوسرا راستہ اختیار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اگرچہ اسے قاتل بننے کے تمام اوزار فراہم کیے گئے تھے، عالیار جذباتی طور پر اتنا زخمی تھا کہ وہ اپنی ان مہارتوں کو اپنے ہی باپ کے خلاف استعمال نہیں کر پایا تھا۔

وہی باپ، جس نے اسے اس بے رحم دنیا میں دھکیلا تھا۔

اور کسی نہ کسی طرح، وہ اب بھی چاہتا تھا کہ اس کا باپ اس سے محبت کرے۔

اب، وہ اسے پوری طرح سمجھ چکی تھی۔

واقعی، اس کی تکلیف، اس کی اذیت کو سمجھ چکی تھی۔

"کیا ہوا تھا؟" عالیار نے آخرکار خاموشی توڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔

وہ اس کے بستر پر بیٹھی تھی، عالیار دروازے کے پاس کھڑا تھا۔

"کس کو؟" وہ الجھی۔

"ارسل کو۔ اس نے تم سے کیا کہا؟"

"اوہ! اس نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا۔" وہ اس کے سوال سے کچھ شرمندہ ہو گئی۔

"کیوں؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"وہ ناراض تھا کیونکہ میں نے تمہیں واپس آنے کی دعوت دی۔ اور میں تمہارا دفاع کر رہی تھی۔"

"اوہ۔" ان کے درمیان خاموشی ایک بوجھ بن گئی، اور اس بوجھ میں دونوں اپنے دلوں کی دھڑکن سن سکتے تھے۔

"تم میرا دفاع کر رہی تھیں۔" سوال نہیں تھا۔ عالیار نے کچھ دیر بعد دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔" عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بھی خاموش رہی۔ الفاظ ان کے درمیان کہیں کھو گئے تھے۔

"تو اس نے تمہیں اس لیے نکالا کیونکہ تم میرا دفاع کر رہی تھیں۔" عالیار نے اپنی نظریں دیوار سے ہٹائے بغیر کہا۔

"ہاں۔"

"بس اتنی سی بات؟"

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اچانک بے چینی کا احساس ہونے لگا، جیسے وہ کسی بڑے انکشاف کے دہانے پر ہو۔ "نہیں۔"

"اور بھی باتیں تھیں؟" اس کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی آ گئی۔

"ہاں۔"

"واقعی۔" عالیار بنا پلک جھپکائے دیوار کو گھورتا رہا۔ وہ سر ہلانے کے سوا کچھ نہ کر سکی۔ عالیار اب بھی خاموش رہا۔

"وہ اس بات پر ناراض تھا، کیونکہ میں نے اتفاق نہیں کیا کہ تم پاگل ہو۔ اور وہ مجھ پر الزام لگا رہا تھا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

اس نے الزام کا لفظ استعمال کیا تھا۔ وہ لفظ اسے اندر تک خالی کر گیا تھا۔ ایک درد کی لہر سے اٹھی تھی دل میں۔ اس نے بے اختیار دروازے کے فریم کو پکڑا، جیسے اسے کسی مضبوط چیز کا سہارا چاہیے ہو۔

"اور تم نے اسے کہا کہ وہ بیوقوف ہے۔" عالیار کی نظریں ابھی بھی اس کے پیچھے دیوار پر جمی تھیں، لیکن اس کا چہرہ سختی سے بھرا ہوا تھا۔

"نہیں۔" اس نے آہستہ سے سانس لیا۔

عالیار کا آدھا چہرہ اس کی طرف مڑا، لیکن وہ مکمل طور پر نہیں پلٹا۔

"پھر تم نے اسے کہا کہ وہ پاگل ہے؟ تم نے اسے کہا کہ اس نے اپنا دماغ کھو دیا ہے کہ اس نے ایسی کہی؟"

"نہیں۔"

"نہیں۔" عالیار نے اپنی دھیمی، تھکی ہوئی آواز میں دہرایا۔

"پھر تم نے اسے کیا کہا؟" عالیار نے ایک گہری، لرزتی ہوئی سانس لی۔ دونوں کے درمیان بہت ساتناؤ تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ اس کا چہرہ ایک دم تاریکی میں ڈوب گیا۔

" صحیح۔" اس نے سر ہلایا۔ "تم نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ بھی نہیں۔" اس نے آخر کار اپنی نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ وہ پیلا پڑ چکا تھا، غیر مستحکم لگ رہا تھا، اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔

"عالیار!" وہ فوراً اپنے پیروں پر کھڑی ہوگئی، لیکن اس کے الفاظ گلے میں اٹک گئے۔ وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی پر اس نے انجانے میں اسے تکلیف دی تھی۔

"مجھے صبح ہونے سے پہلے بہت سے کام کرنے ہیں۔ خاص طور پر اگر تمہارے دوست ہمارے ساتھ بیس میں شامل ہونے والے ہیں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ تیزی سے آفس کے دروازے کی جانب بڑھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے جب اس نے ہینڈل تھاما۔ ایک پل کو رکا، کچھ کہنے کو لب کھولے، پھر لب بھینچ لیے اور خاموشی سے آفس چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ خاموشی سے بیٹھی تھی، اپنے پاؤں سمیٹے، نظریں دروازے پر ٹکائے۔ دل کے کسی گوشے میں یہ خواہش جاگ رہی تھی کہ دروازہ کھلے اور وہ اسے دیکھ سکے، لیکن ضمیر کا

بوجھ اور شرمندگی اسے روک رہے تھے۔اس نے آہستہ سے تکیے میں سر دبایا،ایک گہری سانس لی اور کمبل کو اپنے گرد لپیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ مگر سکون کہاں ؟

دماغ میں ارسل کا غصے بھرا چہرہ،اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ ،اور اس کے تکلیف دہ الفاظ کا بوجھ اس کے دل پر سوار ہو گیا۔وہ ان یادوں کو بھگانے کی کوشش کرتی رہی، لیکن ناکام رہی۔

اچانک اس کی بند آنکھیں کھل گئیں،دل میں ایک سوال پیدا ہوا، کیا وہ کبھی ارسل کو دوبارہ دیکھ سکے گی؟ شاید یہی وہ تھا جو ارسل چاہتا تھا۔اب وہ اپنی پرانی زندگی میں واپس جا سکتا تھا، بغیر کسی بوجھ کے،اور زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر پھر کیا؟اس سوال کا جواب دینا مشکل تھا۔

ارسل اسے جدوجہد میں اکیلا رہ جائے گا۔شاید ارسل اس سے نفرت کرتا ہے، لیکن وہ اس کے لیے کبھی ان جذبات کو دل میں جگہ نہیں دے سکتی تھی۔اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ ان کے درمیان کیا ہوا تھا۔یہ بات ناقابلِ یقین لگتی تھی کہ ارسل نے اسے گھر سے نکال دیا۔وہ شخص جس نے اسے امید دی تھی جب کسی اور نے نہیں دی،وہ شخص جس نے اسے محبت دی تھی جب کوئی اور اس کے قریب نہیں آیا تھا، کیا وہ شخص اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا؟ کیا اس کے لیے یہ آسان تھا؟

عالیار کے ساتھ رہنے نے اسے ایک عجیب سی طاقت کا احساس دیا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹی ہوئی تھی، خوفزدہ تھی، مگر عالیار نے اس کا سہارا بن کر اسے نئ روشنی دی تھی۔ اس نے اسے خود کے لیے کھڑے ہونے کا حوصلہ دیا تھا، جب وہ اپنے لیے بھی بہت کمزور تھی۔

یہ ناممکن سا لگتا ہے کہ میں اور ارسل اچانک ہی ٹوٹ کر الگ ہو جائیں۔ وہ وہ شخص نہیں ہے جسے وہ اپنی زندگی سے مٹا سکتی تھی۔ وہ اپنے دوست کو واپس چاہتی تھی۔

انہیں جوڑنے والی وہ چیز تھی۔ وہ خواب۔ اس نے اسے اور ارسل کو اکٹھا کیا، لیکن وہ ایک دوسرے کے لیے مقدر نہیں تھے۔ وہ اس کی آزادی کا راستہ نہیں تھا۔ ارسل نے اسے قید سے آزاد کروایا تھا، اور وہ سمجھتی رہی اس کے خواب کا پرندہ ارسل ہے۔ مگر وہ تو اپنے ذہین میں قید تھی۔ اسے اس کے ذہین سے کسی اور نے آزاد کروایا تھا۔ عالیار ۔ایک سفید پرندہ۔ ایک گورا بھورے بالوں والا لڑکا، سیکٹر فائیو کا رہنما۔ وہ ہمیشہ سے وہی تھا۔ شروع سے آخر تک۔

عالیار! اس کی قید کا ساتھی۔

ارسل نے اس کا خیال رکھا، یہ محبت اور اپنائیت تھی۔ دو ایسی چیزیں جن سے وہ ہمیشہ محروم رہی تھی۔ یہ وہ احساسات تھے جن سے وہ کبھی واقف نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پاس ان تجربات کو کسی چیز سے موازنہ کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

ظاہر تھا، اس نے سوچا کہ وہ محبت میں مبتلا ہے۔

اب، اسے داس کی بات سمجھ آ رہی تھی۔ داس نے ٹھیک کہا تھا کہ ارسل وہ پہلا شخص تھا جس نے اس کے لیے ہمدردی دکھائی تھی، اور پہلا شخص تھا جس نے اسے پسند کیا تھا۔ وہ خود کو ارسل کے سحر میں گرفتار پاتی رہی، یہ سوچتے ہوئے کہ شاید تقدیر نے انہیں اکٹھا کیا ہے۔ وہ سمجھتی رہی کہ وہ ارسل سے محبت کرتی ہے، لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ غلط تھی۔ وہ اس بات پر قائل ہو گئی کہ تقدیر نے انہیں اکٹھا کیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس خواب والا پرندہ ارسل ہے۔ اس نے سوچا کہ یہ ان کے بارے میں ہے۔ ان کے فرار کے بارے میں۔ ان کے خوشی سے بھرپور مستقبل کے بارے میں۔

اور ایسا تھا۔ اور ایسا نہیں بھی تھا۔ وہ اپنے نابینا پن پر ہنسنا چاہتی تھی۔

اگر ارسل واقعی اس سے محبت کرتا تو وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہ کرتا۔ وہ کبھی یہ نہ چاہتا کہ وہ مر جائے۔

اسے یقین تھا، کیونکہ اس نے اس کے برعکس دیکھا تھا۔

عالیار نے اسے مرنے سے بچایا تھا۔ اور یہ سب کچھ اُس وقت ہوا جب وہ جانتی تھی کہ عالیار غصے میں تھا، اور اس کا ہر حق تھا کہ وہ تلخ ہو۔ اس نے عالیار کا دل توڑا تھا، اسے یقین دلایا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کبھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے عالیار کو اپنے بارے میں سب کچھ جاننے دیا، اسے اپنے قریب آنے دیا، اور پھر سب کچھ واپس لے لیا۔

کیوں؟ کیونکہ وہ ڈری ہوئی تھی، الجھی ہوئی تھی، اور متضاد جذبات کا شکار تھی۔ اور یہ سب کچھ ارسل کی وجہ سے تھا۔

عالیار نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، اور اس کے جواب میں، اس نے عالیار کی بے عزتی کی، اس سے جھوٹ بولا، اس پر چیخی اور اسے خود سے دور دھکیل دیا۔ لیکن جب عالیار کے پاس موقع تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر اسے مرتا ہوا دیکھے، تو اس نے ایسا نہیں کیا۔

اس نے اس کی زندگی بچانے کا راستہ نکالا۔ بغیر کسی مطالبے کے، بغیر کسی توقع کے، اور بغیر کسی شرط کے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس کی جان بچانے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اسے مکمل طور پر ٹھیک کر کے کسی اور کے حوالے کر دے گا۔

لیکن پھر بھی، اس نے اسے بچایا۔

اور وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اگر وہ ارسل کے سامنے مر رہی ہوتی، تو ارسل کیا کرتا۔ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ آیا ارسل اس کی جان بچاتا یا نہیں۔

یہی غیر یقینی اس کے دل کو ایک ناقابلِ انکار حقیقت کی طرف دھکیل رہی تھی۔ کہ ارسل کے ساتھ اس کا رشتہ کبھی ٹھیک نہیں تھا، کبھی حقیقی نہیں تھا۔ شاید دونوں نے محبت کی خوش فہمی میں کسی بڑی حقیقت کا خواب دیکھا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

کچھ دیر بعد آفس کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکلا۔ ایک نظر عالیانہ پر پڑی، وہ گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔ دو پل رک کر اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنے وارڈروب کی

طرف بڑھا، بٹن دبایا۔ کمرا ایک دم روشن ہو گیا۔ وہ قدم اٹھاتا کمرے میں داخل ہوا۔ دیواریں اور چھت سفید پتھر کی بڑی سلوں سے ڈھکی ہوئی تھیں، جو فلوریسنٹ لائٹ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ فرش پر موٹے مشرقی قالین بچھے ہوئے تھے۔ کمرے کے درمیان میں سبز نیلم کے رنگ کا ایک چھوٹا سا سُوئیڈ صوفہ رکھا تھا۔ وہ شرٹس والے ریک کی جانب بڑھا۔ سیاہ ڈریس شرٹ نکالی اور دیوار پر نصب وکٹورین آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سفید شرٹ کہنیوں تک مڑی ہوئی۔ سنجیدہ چہرا۔ تیکھی شخصیت۔ بھوری آنکھیں۔ چہرے پر درد کی چھاپ۔ وہ کچھ پل آئینے میں اپنا عکس دیکھتا رہا پھر اس نے ڈریس شرٹ صوفے پر رکھی۔

شرٹ کو گریبان سے پکڑ کر کندھے تک سرکایا۔ وہاں ایک نشان تھا۔ عالیانہ کا دیا نشان۔ پھر اس نے آہستگی سے شرٹ کے بٹن کھولے اور شرٹ اتار دی۔ نظریں آئینے کی طرف اٹھا کر خود کو دیکھا۔ مضبوط جسم پر کندھے، پیٹ، اور سینے کی جگہ پر زخموں کے گہرے نشانات تھے۔ لمبی ترچھی ضربوں کے نشان، گولیوں کے زخم۔ تین زخم گہرے تھے، تازے لگتے تھے، ان کے نشانات اب بھی باقی تھے۔ یہ اس کے نام کے زخم تھے، شاید یہ ہمیشہ تکلیف دینے والے تھے۔ اسے ان نشانات کو مٹانا تھا۔ اسے سب کچھ بھولنا تھا۔ ایک گہری سانس اندر کھینچ کر، اس نے صوفے پر رکھی شرٹ اٹھا کر پہنی۔ سامنے کے دو بٹن کھلے رہنے دیے، آستینیں کہنیوں تک موڑ لیں۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں بکھیر دیا اور آئینے میں ایک آخری نظر خود پر ڈالی۔

کمرے میں واپس آیا تو عالیانہ پر سکون نیند میں تھی۔ دل کے کسی کونے میں چھپی بے چینی کے باوجود، اس کے قدم نا چاہتے ہوئے بھی عالیانہ کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ اس کے بیڈ کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

اس کے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا، اس کے بالوں کو پیچھے کرنے کی خواہش ہوئی، مگر درمیان میں ہی رک گیا۔ کسی خیال کے تحت اس کا ہاتھ ہوا میں ہی تھم گیا۔ اس نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی اور گہری سانس لے کر خود کو قابو میں کیا۔

پھر پلٹ کر اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اس کی بیوی تھی، اس کی منکوحہ۔ اس کی پہلی محبت، اور شاید آخری بھی۔ نکاح کے بعد سے اس نے کبھی کوئی حق نہیں جتایا تھا۔ نہ کبھی اس بات کا ذکر کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ نہ کبھی کوئی دعویٰ کیا، نہ کوئی شکایت۔

وہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس جیسے شخص کے نکاح میں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خاموش رہتا تھا۔ لیکن دل کے کسی گوشے میں، وہ امید رکھتا تھا کہ عالیانہ کم از کم ایک بار تو اسے مخاطب کرے۔ ایک بار تو اسے تسلیم کرے۔ ایک بار تو کہے کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ چاہے وہ اس سے نفرت ہی کرتی ہو، لیکن وہ یہ الفاظ اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اس کے سامنے تسلیم کرے کہ وہ اس کی بیوی ہے، چاہے یہ الفاظ نفرت بھرے لہجے میں ہی کیوں نہ ادا کیے جائیں بس شرط یہ تھی کہ وہ یہ کہے۔

جب وہ ارسل کے گھر گیا اور حالات قابو سے باہر ہونے لگے، تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید عالیانہ سب کو ان کے نکاح کے بارے میں بتا دے گی۔ لیکن عالیانہ نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ اس نے سوچا، شاید وہ اس کے سامنے یہ بات کرنا نہیں چاہتی۔ شاید وہ اس کے جانے کے بعد سب کو بتائے گی، کیونکہ بہر حال وہ ان سب کے لیے اجنبی تھا۔

اگلے دن جب وہ واپس آیا، تو اسے احساس ہوا کہ اس نے ابھی تک اپنے رشتے کے بارے میں نہیں بتایا۔ تو یہ واضح تھا کہ وہ ارسل کو کھونا نہیں چاہتی تھی

،اسی لیے اس نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ لیکن ایک اور امکان بھی تھا جو اس کے دل کو چھلنی کر رہا تھا۔ شاید وہ اس کے نکاح میں ہونے پر شرمندہ تھی۔ شاید وہ اس بات پر شرمندہ تھی کہ وہ عالیار کی بیوی ہے۔ شاید یہ مجبوری کا رشتہ اسے بوجھ لگ رہا تھا۔ یہ سوچنا، یہ محسوس کرنا کہ وہ اس پر بوجھ بنا ہوا ہے، اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ یہ احساس کہ اس کی بیوی اس کے نام پر شرمندگی محسوس کرتی ہے، اس کے دل پر گہرے زخم دے رہا تھا۔

یہ بہت تکلیف دہ تھا۔ بہت زیادہ، اتنا کہ اسے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

اس کی آنکھیں دوبارہ کھلیں۔ کمرے میں اندھیرا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی، سوچنے لگی کہ اسے سوئے ہوئے کتنی دیر ہو گئی ہے۔ وہ بستر سے باہر نکل آئی۔

جرابیں ابھی تک اس کے پیروں میں تھیں، کمرے کا ہیٹر ان تھا، اس نے بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔

اس کی نظریں عالیار کے دفتر کے دروازے پر جا رکیں، جو ہلکا سا کھلا ہوا تھا۔ دروازے کی درز سے روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر باہر جھانک رہی تھی۔ کیا وہ کمرے میں نہیں تھا؟ اس کے تجسس نے ضمیر پر حاوی ہو کر سوالات اٹھا دیے۔

وہ جاننا چاہتی تھی کہ عالیار کہاں کام کرتا ہے، اس کی میز کیسی دکھتی ہے۔ کیا وہ بے ترتیب ہے یا منظم؟ کیا اس نے اپنی میز پر کوئی ذاتی چیزیں رکھی ہیں؟ بچپن کی کوئی تصویر؟ اس کی ماں کی؟ یا شاید اس کی بہن کی؟

اس کی سانسیں دھیمی ہو گئیں، قدم خود بخود دبے پاؤں آگے بڑھنے لگے۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں، میں کوئی غلط کام نہیں کر رہی۔" اس نے خود سے کہا۔ وہ بس یہ دیکھنے جا رہی تھی کہ آیا وہ اندر ہے یا نہیں، اور اگر وہ وہاں نہ ہوا تو وہ فوراً واپس پلٹ آئے گی۔ وہ صرف ایک لمحے کے لیے اندر جھانکنا چاہتی تھی۔ وہ کسی چیز کی تلاشی لینے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

اسے رکنا نہیں تھا۔

وہ دروازے کے بالکل سامنے آکر رک گئی۔ اتنی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ وہ اپنے دل کی دھڑکن سن سکتی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ اتنا خوف کیوں محسوس کر رہی ہے۔ اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ دوسری بار پھر دستک دی۔ خاموشی۔ دو بار دستک دینے کے بعد اس نے ہچکچاتے ہوئے دروازہ دھکیلا۔

"عالیار! کیا تم..." اچانک اندر سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور وہیں رک گئی۔ حیرت سے اس کے قدم زمین میں جیسے گڑ گئے۔ یہ دفتر تھا وہ جانتی تھی لیکن یہ اتنا بڑا ہوگا، اس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

یہ کمرہ اس کے اپنے بیڈ روم اور الماری سے بھی کہیں زیادہ بڑا تھا۔ یہاں اتنی وسعت تھی کہ ایک بڑی کانفرنس میز اور اس کے دونوں جانب چھ چھ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے کے ایک کونے میں صوفہ اور سائیڈ ٹیبلز موجود تھیں، جبکہ ایک پوری دیوار کتابوں کی الماریوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان الماریوں میں پرانی اور نئی کتابیں بے ترتیب انداز میں رکھی تھیں، کچھ تو اتنی خستہ حال تھیں کہ جلدیں تک پھٹ چکی تھیں۔

فرنیچر گہرے لکڑی کے رنگ کا تھا، اتنا بھورا کہ وہ تقریباً سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ صاف اور سادہ لکیریں، بغیر کسی آرائش کے۔ نہ چمڑے کی کرسیاں، نہ ہی کسی قسم کی تزئین و آرائش۔ سب کچھ ایک سادہ مگر مضبوط ذوق کا عکاس تھا۔

کانفرنس میز پر فائلوں، کاغذات، بائنڈرز، اور نوٹ بکس کا انبار لگا ہوا تھا۔ فرش پر ایک مشرقی قالین بچھا تھا، بلکل ویسا ہی جیسا اس کے وارڈروب میں بچھا تھا۔ کمرے کے آخر میں عالیار کی میز موجود تھی۔

عالیار نے اسے دیکھ کر حیرت سے نظریں اٹھائیں ۔ وہ میز کے سامنے کھڑا تھا، سفید شرٹ پہنے ہوئے، جس کے سامنے کے دو بٹن کھلے تھے۔ جب وہ اندر آئی تو ،وہ کندھے پر سے شرٹ ہٹا کر اپنے زخم پر کچھ لگا رہا تھا۔ شاید مرحم۔ اس کے سینے پر کندھے کی جگہ زخموں کی دو گہری اور واضح لکیریں تھیں۔ اس نے ہاتھوں میں کوئی چیز مضبوطی سے جکڑی ہوئی تھی، لیکن وہ پوری طرح سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا ہے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے اپنی گہری آواز میں پوچھا اور اپنی شرٹ کا کالر سیدھا کرتے ہوئے بٹن بند کرنے لگا۔

"دروازہ کھلا ہوا تھا۔" اُس کا جواب بے وقوفانہ سا تھا۔

"کیا ٹائم ہوا ہے؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"رات کے دو بجے ہیں۔"

"اوہ۔"

"واپس جا کر سو جاؤ۔" وہ الجھن میں تھی کہ وہ اتنا پریشان کیوں لگ رہا ہے۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ جس چیز کو پکڑے ہوئے تھا، وہ ایک چھوٹا سا جار تھا، جواب اسے صاف دکھائی دینے لگا۔ عالیار نے وہ جار بغیر پیچھے مڑے میز پر رکھ دیا۔

آج عالیار بہت مختلف لگ رہا تھا۔ اُس کی عام شخصیت سے بہت ہٹ کر۔ وہ ہمیشہ پر اعتماد اور پر سکون رہتا تھا، لیکن آج کل وہ اس کے سامنے بے چین نظر آ رہا تھا۔ یہ تبدیلی اُسے مزید الجھا رہی تھی۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" اُس نے پوچھا۔

دونوں کے درمیان تقریباً آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا، اور دونوں میں سے کوئی بھی اسے کم کرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ دونوں یوں بات کر رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں، جیسے اجنبی ہوں جو کسی عجیب صورتحال میں پھنس گئے ہوں۔

وہ تھوڑا آگے بڑھی۔ اس کے قریب۔ پھر رک گئی۔

"سب ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔" اس نے فوراً جواب دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے چھوٹے پلاسٹک کے جار کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہیں واپس جا کر سونا چاہیے۔" وہ فوراً آگے بڑھی اور اُس کے روکنے سے پہلے ہی جار کو اٹھا لیا۔

"دوائی؟" اُس نے حیرانی سے پوچھا۔ جار کو گھماتے ہوئے اُس کا لیبل پڑھنے لگی، پھر عالیار کی طرف دیکھا اور سب کچھ سمجھ گئی۔ "یہ زخموں کے لیے ہے؟" عالیار نے الجھن سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "ہاں!" اُس نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں مدد چاہیے؟"

"کیا؟"

"یہ تمہارے کندھے کے لیے ہے؟"

"تم مجھے اس صورتحال سے عزت سے نکلنے کا موقع نہیں دو گی، ہے نا؟" اُس نے بے چینی سے ماتھے کو چھوا۔

"میں تمہارے زخم پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہیں انہیں دوبارہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔"

"میں نہیں جانتی تھی کہ تم اپنے زخموں کے نشانات کی پرواہ کرتے ہو۔" وہ اُسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی اور ایک قدم آگے بڑھی۔

"میں نہیں کرتا۔" اُس نے جلدی سے جواب دیا۔

"پھر یہ کیا ہے؟ یہ تم نے کہاں سے لیا؟" اُس نے جار دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ نہیں ہے۔ بس ایک معمولی سی چیز ہے۔" عالیار نے اُسے گھورا، پھر آہ بھری۔

"تم اتنی معمولی سی بات پر اتنا عجیب رویہ کیوں اپنا رہے ہو؟" وہ ہنسی روکنے میں ناکام رہی۔

"کیا؟"

"تم ایسے نہیں لگتے جیسے تمہیں ایسی بات پر احساسِ کمتری ہو۔"

"مجھے نہیں ہے۔"

"ظاہر ہے۔"

"واپس جا کر سو جاؤ۔"

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔"

"یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"تمہیں کوئی پریشانی ہے؟" اُس نے سرگوشی کی، مگر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ طویل خاموشی میں ڈوبا رہا، یہاں تک کہ وہ مجبور ہو گئی کہ اُس کی طرف دیکھے۔

اُس کی آنکھیں جذبات سے خالی تھیں، چہرہ بے تاثر۔

نہیں! میں پریشان نہیں ہوں۔ نہ ہی میں احساس کمتری کا شکار ہوں اور نہ ہی اتنا کمزور ہوں۔ میں بس۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ "زخم بھر جاتے ہیں، پر ان کے نشانات تکلیف

دیتے ہیں، کیونکہ نشانات زخم دینے والے کی یاد دلاتے ہیں۔" ایک درد کی سی لہر اس کے سینے میں اٹھی تھی۔ایک بار پھر وہ اسے گولی مارنے پر پچھتائی تھی۔

"آئی ایم سوری!" اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تمہیں کب کا معاف کر چکا ہوں، پر میں یہ سب یاد نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ نشانات کسی فلم کی طرح مجھے میرا ماضی دکھاتے ہیں۔"

"میں واقعی شرمندہ...."

"ایک بار سب کچھ ٹھیک ہو جائے، پھر میں اپنا وعدہ پورا کر دوں گا۔"

"کون سا وعدہ؟"

"وہی جس کی وجہ سے تم یہاں ہو۔"

"ایک بار جب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔اس رشتے سے۔خود سے۔اس شرمندگی سے جو تمہیں خود سے محسوس ہوتی ہے۔" وہ کہتا گیا اور عالیانہ کا دل خالی ہوتا گیا۔اس نے محسوس کیا اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔کیوں ہیں؟ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔اس کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔کیوں؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔اس کو تکلیف ہوئی۔کیوں؟ وہ خود نہیں جانتی تھی۔یہ سب ایسے ہی ختم ہونا تھا، وہ شروع سے جانتی تھی پھر اب اسے درد کیوں ہو رہا۔کیوں اس کے الفاظ اسے تکلیف دے رہے ہین۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی،

"میں نے ایک بار پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ تم مجھے اپنا دشمن سمجھ لو، لر مجھ سے نفرت مت کرو۔ میں پوری دنیا کی نفرت برداشت کر سکتا ہوں، تمہاری نہیں کر سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھ سے نفرت کرو۔" اس نے آخر کار دل کی بات کہہ ڈالی۔

"تم سنجیدہ نہیں ہو؟" لیکن اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ بالکل سنجیدہ ہے۔

"کیا تم نے کبھی خود کو سمجھا ہے؟ تم ریاضیاتی فارمولے کی طرح پرفیکٹ ہو۔ تم میں ہر چیز مکمل ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم نے ایسی بات کہی۔" اس نے اپنے آپ میں بولتے ہوئے اعتراف کیا۔

"عالیانہ! مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔"

"کیوں؟"

"یہ سراسر ظلم ہے اور تمہیں اس کا احساس بھی نہیں۔ مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔ میں نہیں چاہتا تم مجھ پر ترس کھاؤ۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"عالیار میں....."

"میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے عالیار کہو۔"

"عالیار! تم سوچتے ہو کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے مایوسی سے کہا، جیسے وہ خود کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ میز کے سامنے ٹہلنے لگا، اُس کی نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم نے کہا تھا تمہیں جذبات کا احساس ہو جاتا ہے۔ تم نے کہا تھا تم میرے جذبات محسوس کر سکتے ہو، شروع سے۔"

"میں ہمیشہ صاف نہیں سوچ سکتا، خاص طور پر جب میرے اپنے جذبات شامل ہوں۔ میں ہمیشہ نیوٹرل نہیں رہ سکتا اور کبھی کبھی میں ایسے اندازے لگا لیتا ہوں جو صحیح نہیں ہوتے۔ اب میں اپنی سوچ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ کیونکہ جب جب میں نے ایسا کیا ہے کا نتیجہ بہت برا نکلا۔" کچھ تھا اس کی آواز میں جو ٹوٹا ہوا تھا۔ کچھ تھا، اس کی آنکھوں میں جو اس کو چبھ رہا تھا۔

وہ آخر کار رکا، اُس کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں میں تاریکی کے بادل تھے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ عالیار نے نظریں چرا لیں۔

"تم نے بہت غلطیاں کی ہیں۔ تم نے ہر چیز غلط کی ہے۔ تم شروع میں ہی موقع تلاش کر کے سچ بتا سکتے تھے۔ میں تم پر یقین کرتی۔ میں تم سے نفرت نہ کرتی۔ لیکن تم نے سب کچھ غلط طریقے سے کیا۔"

اُس نے اپنے چہرے پر تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ پھیرا۔

"لیکن ابھی بھی موقع ہے۔ تم یہ سب ٹھیک کر سکتے۔ ابھی دیر نہیں ہوئی...."

"مجھے یہ مت کہا کرو!" اُس نے اچانک غصے میں کہا۔ "تم مجھے نہیں جانتی۔ تمہیں نہیں معلوم کہ چیزوں کو درست کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا پڑے گا۔"

"یہ اہم نہیں ہے! تم اب بھی مختلف بننے کا انتخاب کر سکتے ہو۔"

"میں نے سوچا تھا کہ تم مجھے بدلنے کرنے کی کوشش نہیں کرو گی!"

"میں تمہیں بدلنے کرنے کی کوشش نہیں کر رہی۔"اُس نے نرم لہجے میں کہا، اپنی آواز کو کم کرتے ہوئے۔"میں صرف تمہیں یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ تمہاری زندگی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ تمہیں ویسا شخص نہیں رہنا چاہیے جو تم پہلے تھے۔ تم اب بھی نئے فیصلے کر سکتے ہو۔ تم خوش ہو سکتے ہو۔"

"عالیانہ!"اُس نے تیز آواز میں کہا، اُس کی بھوری آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ رک گئی۔ اُس کی نظریں عالیار کے لرزتے ہوئے ہاتھوں پر پڑیں، جو اُس نے مٹھیوں میں بند کر لیے تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں کچھ غلط بول دوں۔ اس لیے یہاں سے چلی جاؤ۔"

"اگر تم مجھے یہاں دیکھنا بھی نہیں چاہتے تو پھر تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟"

"تم کیوں نہیں سمجھتی؟"اس نے اُس کی طرف دیکھا، اور اُس کی آنکھوں میں اتنا درد اور تباہی جھلک رہی تھی کہ اُس کا سانس رک گیا۔

"کیا سمجھوں؟"اُس کے ہاتھ لرزنے لگے۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"وہ ٹوٹنے لگا۔ اُس کی آواز، اُس کی کمر، اُس کے گھٹنے، اُس کا چہرہ۔

تم میری منکوحہ ہو۔" وہ آنکھیں پھیکائے اسے دیکھتی رہ گئی۔ پہلی بار۔ پہلی بار عالیار نے اسے اپنی منکوحہ کہا تھا۔ اور نا جانے کیوں اسے یہ اچھا لگا تھا۔ اسے غصہ نہیں آیا۔ اسے برا نہیں لگا۔ "میں ظاہر نہیں کرتا پر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میرے لیے یہ سب دیکھنا بہت مشکل ہے کہ تم کسی دوسرے مرد کے لیے اتنی پریشان ہو۔" سب کچھ بکھر گیا۔ اسے اپنے ڈیسک کے کنارے کو تھامنا پڑا تاکہ خود کو سنبھال سکے۔ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" اس نے تکان بھری سانس لی۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں اور یہ کافی نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ یہ کافی ہوگا مگر میں غلط تھا۔ میں نے ہمیشہ سوچا کہ میری محبت تمہیں فتح کر لے گی، مگر میں غلط تھا۔ میں نے سوچا کہ میری محبت ہم دونوں کے لیے کافی ہے، لیکن میں غلط تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ میں تمہاری نفرت سے لڑ سکتا ہوں، لیکن میں غلط تھا۔ کیونکہ میں نہیں لڑ سکتا۔ میں اب تمہارا سامنا بھی نہیں کر سکتا۔"

"عالیار!"

"میں نے سوچا تھا کہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھ سکوں گا کیونکہ میں بہت مضبوط ہوں لیکن میں غلط تھا۔ میں تمہارے معاملے میں چاہ کر بھی خود کو مضبوط نہیں کر پاتا۔"

"مجھے بتاؤ کہ یہ سچ نہیں ہے۔"اُس نے بے بسی سے کہا۔"مجھے بتاؤ کہ میں غلط ہوں۔ مجھے کہو کہ میں اندھا ہوں۔ مجھے یقین دلاؤ کہ تم مجھ سے نفرت نہیں کرتی ہو۔"اُس کا دل جیسے ٹوٹ کر چیخ اُٹھا۔

"عالیار!"وہ اُس سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔وہ واقعی ارسل کے لیے پریشان تھی۔

"میں.... میں نہیں جانتی کہ میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔"اُس نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

" میں خود کو یقین دلاتے دلاتے تھک چکا ہوں، کہ ابھی بھی موقع ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کے موقع نہیں ہے۔میں نے تمہیں بھولنے کی کوشش بھی کی، لیکن نہیں کر پایا۔میں نے تمہیں نظرانداز کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن میں چاہ کر بھی تمہیں نظرانداز نہیں کر سکتا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔میں جتنا آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں، اتنا ہی پیچھے آجاتا ہوں۔میں کیا کروں؟ میں تھک چکا ہوں۔میں خود سے جھوٹ بول بول کر تھک چکا ہوں۔میں مزید خود سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن یہ ہمیشہ ناکافی رہے گا۔"ایک لمحے کا توقف۔

"اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔"

"عالیار! میں نے سوچا تھا کہ مجھے محبت کا مطلب پتہ ہے،اور میں غلط تھی۔میں جلدی میں دوبارہ وہی غلطی نہیں کرنا چاہتی۔"

"پلیز!"اب اُس کی آواز میں التجا تھی۔

"میرے اپنے ہی سامنے میری عزت نفس ختم ہو چکی ہے۔میں تم سے درخواست کررہا ہوں، مجھے اس وقت اکیلا چھوڑ دو۔ پلیز۔" وہ گہری تکلیف میں تھا۔وہ کنپٹی کو مسل رہا تھا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ ہمیشہ اسے تکلیف دیتی تھی۔ناچاہتے ہوئے بھی اسے ہرٹ کرتی تھی۔اسے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی۔انکھیں بھر آئیں اور وہ ایک قدم اس سے پیچھے ہٹی۔پلٹی۔اور پلٹ کر نہیں دیکھا۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار اور وہ دونوں مکمل طور پر تیار تھے، وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اجنبیوں کی طرح تھے، جیسے کل رات کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ملیک نے انہیں ناشتہ پیش کیا، اور وہ الگ الگ کمروں میں خاموشی سے ناشتہ کر چکے تھے۔نہ کوئی بات چیت ہوئی، نہ ان کے بارے میں، نہ دوستوں کے بارے میں، اور نہ ہی رات کے بارے میں۔

ان کے درمیان کوئی کہانی نہیں تھی۔

صرف ارسل کی عدم موجودگی اور دستور کے خلاف لڑائی باقی تھی۔

یہی سچ تھا۔

عالیار اس کے سامنے کھڑا تھا۔وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا۔اس نے سرمئی پینٹ کوٹ اور سفید ٹرٹل نیک شرٹ پہن رکھی تھی۔

"میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا، لیکن میرا خیال ہے کہ اس سفر میں تمہیں چھپانا مشکل ہو گا۔ تم تربیتی کمروں میں انتظار کر سکتی ہو،"اس نے اپنا کوٹ درست کرتے ہوئے کہا۔

"میں گروپ کو سیدھا وہیں لے آؤں گا، تم ان سے وہیں ملو گی۔"اس نے آخرکار نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا"ٹھیک ہے؟"

اس نے سر ہلا دیا۔

"گڈ! میں تمہیں راستہ دکھاتا ہوں۔"

وہ اسے اپنے دفتر میں واپس لے آیا اور کونے میں موجود ایک صوفے کے قریب رکا۔ وہاں ایک دروازہ تھا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عالیار نے دیوار پر ایک بٹن دبایا، اور دروازہ کھل گیا۔

یہ ایک لفٹ تھی۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے، اور عالیار نے نیچے کی منزل کا بٹن دبایا۔ دروازے بند ہوئے، اور لفٹ نیچے جانے لگی۔

"مجھے کبھی معلوم نہیں تھا کہ تمہارے کمرے میں لفٹ ہے۔"اس نے حیرت سے کہا۔

"مجھے اپنے تربیتی مرکز تک پرائیویٹ رسائی کی ضرورت تھی۔"

"تم بار بار کہہ رہے ہو، تربیتی مرکز۔ تربیتی مرکز کیا ہے؟"

لفٹ رکی، اور دھاتی دروازے ہلکی خنک سے کھل گئے۔

"یہ ہے۔" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

سامنے ایک دنیا تھی، جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بھاری مشینیں، دوڑنے کے لیے ٹریڈ ملز، ٹانگوں کے لیے آلات، بازوؤں، کندھوں اور پیٹ کے لیے مخصوص مشینیں۔ کچھ مشینیں سائیکلوں جیسی لگ رہی تھیں، جن کے نام وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن ڈمبلز کو وہ پہچان گئی تھی، اور یہاں ہر سائز کے ڈمبلز موجود تھے۔ کمرہ اپنی وسعت اور ترتیب کے باعث حیران کن تھا۔ ہر دیوار کسی نہ کسی مقصد کے لیے استعمال ہو رہی تھی، ایک دیوار پتھر سے بنی ہوئی تھی، جیسے چڑھنے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ دوسری دیوار پر مختلف اقسام کی بندوقیں ترتیب سے لٹکائی گئی تھیں، جن پر تازہ صفائی کی چمک نمایاں تھی۔ ایک اور دیوار اور فرش نرم اور لچکدار مادے سے ڈھکے ہوئے تھے، جیسے کسی مخصوص مشق کے لیے بنائے گئے ہوں۔ یہ جگہ اتنی وسیع اور خوبصورت تھی کہ یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ سب ایک ہی شخص کے لیے بنایا گیا ہے۔

وہ حیرت زدہ ہو کر عالیار کی طرف مڑی۔

"واہ! یہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ کیا تم ان سب کا استعمال کرتے ہو؟"

عالیار نے سر ہلایا۔

"ہاں، میں عام طور پر دن میں دو سے تین بار یہاں آتا ہوں۔ جب میں زخمی ہوا تھا، تو کچھ عرصہ تربیت سے دور رہا، لیکن عام طور پر ہاں۔" وہ آگے بڑھا اور دیوار کو چھونے لگا۔

"یہ میری زندگی کا حصہ رہا ہے۔ تربیت۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم تمہاری تربیت شروع کریں گے۔"

"میری؟" اُس نے حیرانی سے پوچھا۔

عالیار نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی، مگر کر نہ پایا۔

"لیکن مجھے تربیت کی ضرورت نہیں ہے۔ کم از کم اس قسم کی تو بالکل نہیں!" اُس نے احتجاج کیا۔

عالیار نے ایک لمحے کے لیے اُس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا، لیکن خاموش رہا۔ پھر اُس نے نگاہیں ہٹا لیں۔

"مجھے جانا ہے۔ اگر تم بور ہو، تو لفٹ کے ذریعے واپس اوپر چلی جانا۔ یہ لفٹ صرف دو منزلوں تک جاتی ہے، اس لیے تم راستہ نہیں بھٹکو گی۔ میں جلدی واپس آؤں گا۔" اُس نے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اُمید کر رہی تھی کہ وہ چلا جائے گا، لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔ "تم یہاں ہو گی، جب میں واپس آؤں گا۔"

یہ کوئی سوال نہیں تھا۔ وہ جیسے خود سے مخاطب تھا۔ "یقین نہیں آ رہا کہ اس بار تم مجھ سے آزاد ہونے کے لیے بھاگنے کی کوشش نہیں کر رہی۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے جیسے خود کلامی کی۔

پھر بھی اُس نے سر ہلا دیا۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس بار وہ واقعی بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گی، کہ وہ فکرمند نہ ہو، کہ وہ اس کے لیے پریشان نہ ہو لیکن وہ خاموش رہی، "اپنا خیال رکھنا۔" اس نے آہستہ سے کہا اور چلا گیا۔

••••••☆☆☆•••••

وہ ہاتھ میں چار پاؤنڈ کا ڈمبل لیے بینچ پر بیٹھی تھی، جب اس نے اس کی آواز سنی۔

"کمال ہے۔ یہ جگہ تو واقعی زبردست ہے۔" وہ تقریباً وزن اپنے پاؤں پر گراتے ہوئے جلدی سے اٹھی۔ داس، دھان، اشعل، سیم، میلیسا سب ایک اضافی دروازے سے اندر آرہے تھے، جو بندوقوں کی دیوار کے ساتھ تھی۔

داس کا چہرہ اسے دیکھتے ہی خوشی سے چمک اٹھا۔ "حد ہے یار! اس نے تمہیں قتل نہیں کیا۔ یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔" وہ پورے دل سے مسکرائی۔

اس نے سب کو سلام کیا۔ وہ ان سب کے آنے کی خوشی میں اچھل رہی تھی۔ سب حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے، انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی اچھی جگہ پر ہیں اور عالیار انہیں جال میں نہیں پھنسانا چاہتا۔

"یہاں ایک لاکر روم ہے۔" عالیار نے کہنا شروع کیا۔ اس نے لفٹ کے ساتھ والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں کئی شاورز، باتھ روم کیبن، اور بدبو سے بچنے کے لیے تمام ضروری سامان موجود ہے۔ تولیے، صابن، کپڑے دھونے کی مشینیں، سب کچھ یہاں میسر ہے۔"

وہ عالیار پر اتنی متوجہ تھی کہ اسے کونے میں کھڑا ملیک نظر نہیں آیا۔

ملیک ہاتھ پیچھے باندھے، خاموشی سے کھڑا تھا، باقی سب کی طرح پوری توجہ سے عالیار کی باتیں سن رہا تھا۔

"تم سب کو دن میں تین وقت کا کھانا دیا جائے گا۔ اگر تم وقت پر نہ کھاؤ یا بھوکے رہ جاؤ، تو شاور میں جا کر آنسو بہا لینا، لیکن شکایت لے کر میرے پاس مت آنا۔ وقت پر شیڈول بنانا سیکھو۔" عالیار نے سختی سے کہا۔

"تم سب کے پاس پہلے سے ہتھیار موجود ہیں، لیکن، جیسا کہ تم سب دیکھ رہے ہو، یہ کمرہ بھی پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہے اور۔۔۔"

"زبردست!" سیم بے اختیار بول اٹھا۔ عالیار نے چونک کر اسے دیکھا۔ سیم ہتھیاروں کے شیلف کی طرف بڑھتے ہوئے کچھ زیادہ ہی پرجوش لگ رہا تھا۔

"اگر تم نے میری بندوقوں کو ہاتھ لگایا، تو میں تمہارے دونوں ہاتھ توڑ دوں گا۔" عالیار نے سخت لہجے میں کہا۔ سیم فوراً رک گیا اور تھوڑا شرمندہ سا ہو گیا۔

"یہ دیوار تم سب کے لیے ممنوع ہے۔" عالیار نے سب پر سخت نظر ڈالتے ہوئے وارن کیا۔ "باقی ہر چیز تمہارے استعمال کے لیے ہے، لیکن کسی بھی چیز کو نقصان مت پہنچانا اور استعمال کے بعد اسے اسی حالت میں واپس رکھنا۔ اور اگر تم لوگ شاور نہیں لیتے، تو مجھ سے دس فٹ دور رہنا۔"

داس کی ہنسی گونج اٹھی۔ عالیار نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں۔ میں شام سات بجے واپس آؤں گا، تب ہم دوبارہ بات کریں گے۔ اس دوران، یہاں موجود سہولتوں کا فائدہ اٹھاؤ اور اپنی ضروریات کا انتظام کر لو۔ سونے کے لیے اضافی میٹس موجود ہیں۔ امید ہے کہ تم سب اپنے کمبل ساتھ لائے ہو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میلیسا کی طرف دیکھا۔

میلیسا کا بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔ سب نے پلٹ کر اسے دیکھا، اور وہ شرمندگی سے لال ہو گئی۔

"اور کوئی سوالات ہیں؟" عالیار نے پوچھا۔

"ہاں! دوائیاں کہاں ہیں؟" داس نے فوراً کہا۔

عالیار نے ملیک کی جانب اشارہ کیا، جو اب بھی کونے میں خاموش کھڑا تھا۔ فوجی یونیفارم میں۔

"میرے لیفٹیننٹ کو زخموں اور بیماریوں کی تفصیل دو۔ وہ تمہارے لیے ضروری علاج کا انتظام کرے گا۔"

"شکریہ!" داس نے سر ہلایا، وہ واقعی احسان مند لگ رہا تھا۔

عالیار کچھ دیر کے لیے داس کو دیکھتا رہا۔ "یو آر ویلکم!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ داس تو داس کمرے میں موجود ہر شخص حیران رہ گیا۔

واپس پلٹنے سے پہلے اس نے ایک لمحے کے لیے عالیانہ کی طرف دیکھا۔ شاید اس کے چہرے پر آئی خوشی دیکھنا چاہتا تھا۔ بھوری آنکھوں نے بس ایک پل کو اس کی آنکھوں میں جھانکا، پھر فوراً نظریں پھیر لیں۔ اور پھر، بغیر کچھ کہے اس نے ملیک کو سر سے اشارہ کیا اور وہ لفٹ کی جانب بڑھا، لفٹ کے بٹن پر ہاتھ رکھا۔ دھاتی دروازے کھلے، وہ اندر داخل ہوا۔ اس نے اس کے پیچھے لفٹ کے دروازے بند ہوتے دیکھے اور خاموشی میں ڈوبی چند پل اپنی جگہ پر ہی کھڑی رہی۔

یہاں تک کہ داس اس کے پاس آیا۔ "یہ کیا تھا؟"

دھان اور معاذ بھی اس کی طرف متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اپنے شک و شبہات کو چھپانے کی کوئی کوشش کیے بغیر۔ میلیسا اپنے سامان کو نکالنے میں مصروف تھی، جبکہ کیسر کی نظریں مسلسل اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اشعل اور سیم کسی گہری گفتگو میں مشغول تھے۔

"کیا مطلب؟" اس نے بے پروائی سے جواب دیا، لیکن اندر سے وہ جانتی تھی کہ اس کے کان گلابی ہو چکے ہیں۔

"تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" داس نے گردن کے پیچھے ہاتھ باندھے۔

"نہیں!" اس نے فوراً جواب دیا، شاید کچھ زیادہ جلدی۔

"واقعی؟" داس نے شکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ارسل کیسا ہے؟" وہ موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

داس نے ایک لمبی سانس خارج کی، نظر ہٹائی، اپنی آنکھوں کو مسلا اور اپنا بیگ زمین پر پھینک دیا، اور خود دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ "سچ بتاؤں عنہ "اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی" یہ ارسل کا معاملہ واقعی مجھے پریشان کر رہا ہے۔ تم نے اس ساری صورتحال کو اور بھی الجھا دیا ہے۔ اس نے ہمیں آسانی سے نہیں آنے دیا۔"

"کیا؟ لیکن اس نے تو کہا تھا کہ وہ دوبارہ نہیں لڑنا چاہتا۔"

"ہاں! لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے تمام دوستوں کو ایک ساتھ کھونا چاہتا ہے۔" داس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ ناانصافی کر رہا ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

اس نے گہری سانس لی۔ "جانتا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر گہری سانس لی۔
"بہر حال، تمہیں دیکھ کر اچھا لگا، شہزادی، لیکن میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ اور بھوکا ہوں اور چڑچڑا ہوں۔" اس نے کیا اور چہرا جھکا لیا۔ وہ اس سے کچھ چھپا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پریشان تھیں۔

"کیا ہوا داس؟" وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور آہستہ سے پوچھا۔ داس نے چہرہ اٹھایا ، اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے ارسل کی یاد آ رہی ہے؟ مانا کہ وہ غلط ہے لیکن وہ میرا دوست ہے۔" وہ تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا، جیسے کئی راتوں سے سویا نہ ہو۔ "میں اسے پیچھے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔" اس کا دل دھڑکنا بھول گیا، جیسے اچانک کسی بوجھ تلے دب گیا ہو۔

"کاش ہم اسے اپنے ساتھ لا سکتے۔" داس نے شرٹ سے فرضی گرد جھاڑی۔ "جہاں وہ ہے، شاید وہاں وہ زیادہ محفوظ ہے،" وہ بولا، مگر اس کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ خود بھی اس بات پر یقین نہیں رکھتا۔ "کاش ارسل اتنا ضدی نہ ہوتا۔"

"یہ سب کچھ بہتر ہو سکتا تھا اگر وہ اپنے معاملات سنبھال لیتا، لیکن نہیں، اسے ہمیشہ جذباتی اور ڈرامائی ہونا ہوتا ہے۔" وہ تھکی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "وہ بہت جذباتی ہے۔ ہر چیز اس کے لیے اتنی بڑی بات بن جاتی ہے۔ وہ باتیں اگنور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی زندگی کو آسانی سے آگے نہیں بڑھا سکتا۔ میں بس... نہیں جانتا۔ مجھے بس اس کی یاد آ رہی ہے۔"

"آئی ایم سوری!"

"کوئی بات نہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔" داس نے عجیب سا چہرہ بنایا اور بے پروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔

وہ ارد گرد دیکھنے لگی اور محسوس کیا کہ باقی سب لوگ منتشر ہو چکے تھے۔ کیسر، سیم اور میلیسا لاکر روم کی طرف جا رہے تھے، جبکہ دھان اور اشعل کمرے کی دیوار کے

دوسرے پار پتھر کی دیوار کو چھو رہے تھے اور ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے، جس کی آواز ان تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

وہ داس کے قریب قالین پر چونکڑی مار کر بیٹھ گئی اور سر اپنے ہاتھوں میں رکھ لیا۔

"تو، میں تمہیں چوبیس گھنٹے کے بعد دیکھتا ہوں اور تم اور حیدر ڈرامائی انداز میں گلے ملنے سے سرد مہری دکھانے تک پہنچ چکے ہو، ہاں؟" داس نے نیچے قالین پر آڑی ترچھی شکلیں بناتے ہوئے کہا۔ "اس کے پیچھے ضرور کوئی دلچسپ کہانی ہوگی۔"

"مجھے نہیں لگتا۔"

"تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ کیا ہوا؟ میں تمہیں ہمیشہ سب کچھ بتاتا ہوں۔" وہ اوپر دیکھتے ہوئے بولا، تھوڑا ناراض۔

"تم سب کچھ نہیں بتاتے۔"

"بے وقوف مت بنو۔"

"کیا کوئی بات ہے۔ داس؟" وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم آج کچھ مختلف لگ رہے ہو۔ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا نا، میں بس ارسل کو پیچھے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔" داس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ بات نہیں ہے، ہے نا؟" اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

داس خاموش رہا اور اپنی گود میں پڑے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم مجھ سے کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔ تم مجھے سننے کے لیے ہمیشہ میرے لیے موجود رہے ہو۔ را گر تمھیں بات کرنی ہو تو میں بھی ہمیشہ تمھیں سننے کے لیے موجود رہوں گی۔"

داس نے آنکھیں گھمائیں۔

"آخر تم کیوں مجھے ایسا محسوس کرانے کی کوشش کر رہی ہو کہ میں قصوروار ہوں، صرف اس لیے کہ میں اپنی جذباتی حالت کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا؟"

"میں ن...."

عالیانہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن داس نے بات جاری رکھی۔ "میں بس... بہت خراب موڈ میں ہوں۔" اُس نے نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔ "مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے، جیسے آج میں بس غصے میں رہنا چاہتا ہوں، اور بلاوجہ لوگوں کے چہرے پر گھونسے مارنا چاہتا ہوں۔"

عالیانہ نے اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگا کر ٹھوڑی ان پر رکھ لی اور داس کی بات کی تصدیق میں سر ہلایا۔ "تمہارا دن بہت سخت گزرا ہے۔"

داس نے ایک بھاری سانس لی، سر ہلایا اور اس کے کندھے کے پیچھے دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی مٹھی میٹ پر زور سے دب رہی تھی، جیسے وہ اندرونی تناؤ کو باہر نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں بہت تھک چکا ہوں۔" اُس کی نظریں اپنی مٹھی پر جم گئیں، وہ نرم میٹ پر اپنے جوڑوں سے بننے والے نشانات کو دیکھ

رہا تھا۔ اس کی آواز اچانک اتنی دھیمی ہو گئی کہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس سے بات ہی نہیں کر رہا۔ وہ اس کے گلے کی حرکت دیکھ سکتی تھی، جذبات اس کے سینے میں پھنسے ہوئے تھے۔ "میں لوگوں کو کھوتا جا رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر دن میں کسی نہ کسی کو کھو رہا ہوں، ہر دن۔ مجھے اس سب سے نفرت ہے۔ میں لوگوں کو کھونے سے تھک چکا ہوں۔"

"داس!" لیکن وہ نہیں رکا وہ بولتا چلا گیا۔ "مجھے تمہاری یاد آئی، عنہ۔ کاش تم کل رات میرے ساتھ ہوتیں۔"

"مجھے بھی تمہاری یاد آئی تھی۔"

داس نے اپنی نظریں میٹ پر مرکوز رکھیں، کل رات کے اُس لمحے کو یاد کرتا رہا جس میں اُسے عالیانہ کی ضرورت تھی۔ جس میں اسے دوست کی ضرورت تھی۔

"میرے پاس اور کوئی نہیں ہے جس سے میں بات کر سکوں۔"

"میں نے تو سوچا تھا کہ تمہیں اپنے جذبات کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں؟" اُس نے ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کی، لیکن داس کے چہرے پر مسکراہٹ کی جھلک تک نہ آئی۔

"کبھی کبھی یہ سب بہت بھاری ہو جاتا ہے۔" داس نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کر رہا تھا، اسے ڈر تھا وہ رو دے گا۔ "کبھی کبھی یہ بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ میں بھی اسے سنبھال نہیں پاتا۔ کچھ دن ایسے بھی ہوتے

ہیں جب میں ہنسنا نہیں چاہتا، کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ میں مزاحیہ نہیں بننا چاہتا۔ میں کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں کرنا چاہتا۔ بس سارا دن بیٹھ کر رونا چاہتا ہوں۔"اُس کے ہاتھ میٹ پر حرکت کرنا بند ہو گئے۔ "کیا یہ پاگل پن ہے؟" بغیر اس کی طرف دیکھے، اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔ یہ پاگل پن نہیں ہے۔" اس نے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

داس نے نظریں زمین پر گاڑے رکھیں۔ "تمہارے ساتھ وقت گزارنا مجھے عجیب بنا رہا ہے، عنہ۔ آج کل میں بس اپنے جذبات کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ تمہارا بہت شکریہ۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں۔ یہ تیسری بار تھا جب وہ وہ داس کو اس طرح دیکھ رہی تھی۔ وہ سر نہیں اٹھا رہا تھا، شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے روتا ہوا دیکھے۔ پھر اس نے داس کے جھکے چہرے سے دو آنسو قالین پر گرتے دیکھے اور اس نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا۔ داس کے ہاتھ اب بھی اس کے پہلو میں تھے۔ اس کا جھکا چہرہ اس کے کندھے کے ساتھ لگا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے داس کے آنسوؤں کی رفتار یک دم بڑھ گئی۔ دس سیکنڈ گزرنے کے بعد داس نے پہلو میں گرے ہاتھ اٹھائے، ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیئے، لیکن پیچھے نہیں ہوا۔ وہ اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی کمر تھپتھپا رہی تھی۔ وہ اس کے کندھے پر سر جھکائے رو رہا تھا۔ اُس لمحے اس کو احساس ہوا کہ داس ابھی بھی بہت زیادہ تکلیف

میں ہے۔ وہ ابھی بھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ اُس کے قریب رہنے کی کوشش کر رہی تھی، دل ہی دل میں چاہ رہی تھی کہ کاش وہ اُس کا درد کم کر سکتی، کاش وہ اُس کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے سکتی۔

"یہ عجیب نہیں ہے؟" داس نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر گیلی اور بھاری آواز میں پوچھا۔

"کیا عجیب ہے؟" اس نے پیچھے ہٹے بغیر حیرت سے پوچھا۔

"اگر ارسل ہمیں ایسے دیکھ لیتا تو اب تک جل کر بجھی چھلی بن چکا ہوتا۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے ہنس دیا۔

عالیانہ ہنس دی۔ "چپ کرو۔"

"یہ سچ ہے۔"

"ہاں شاید!"

"اگر کسی دوسری دنیا میں ہم سب ساتھ ہوئے، تو میں ارسل اور حیدر سے پہلے تم تک پہنچوں گا۔"

"مجھے لگتا ہے کہ تمہیں ایک گرل فرینڈ کی ضرورت ہے۔"

"نہیں! مجھے بس اپنے دوست کے کندھے کی ضرورت ہے۔"

عالیانہ نے پیچھے ہو کر اُس کی آنکھوں میں جھانکا، اُس کے دل کی گہرائیوں کو پڑھنے کی کوشش کی۔ "تم میرے سب سے بہترین دوست ہو، داس۔ تم جانتے ہو، ہے نا؟"

"ہاں! مجھے پتہ ہے۔" اس نے داس کے آنسو پونچھے۔ کچھ پل یوں ہی اسے دیکھتی رہی۔

"تو نیا بوائے فرینڈ کیسا ہے؟" داس نے ماحول بدلنے کی کوشش کی۔

"وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے۔"

پھر کیا ہے؟"

"کچھ نہیں!"

"کیا تم اس بارے میں پکی ہو؟ کیونکہ مجھے تو پورا یقین ہے کہ اگر رومیو تم سے محبت میں مبتلا نہ ہوتا تو وہ کبھی ہمیں اپنے ساتھ نہ رکھتا۔"

"شاید ایک دن حیدر اور میں دوست بن کر رہنا سیکھ جائیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سیریئسلی؟ مجھے تو لگا تھا کہ تم اسے بہت پسند کرتی ہو؟" اس نے پرسو رات والی بات یاد کرتے ہوئے کہا۔

"میں... شاید اسے پسند کرتی ہوں، مگر حیدر کو ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔" عالیانہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ہاں! بالکل مجھے پتہ ہے۔" داس نے سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

دونوں کچھ دیر خاموش رہے، جیسے کسی غیر مرئی بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں۔

"یہ حصہ ابھی بھی بہت عجیب ہے۔" داس نے خود سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کون سا حصہ عجیب؟" عالیانہ نے اوپر دیکھ کر پوچھا۔

"حیدر کی شخصیت۔" عالیانہ کے چہرے پر گہری تشویش تھی جب اُس نے داس کی طرف دیکھا۔ وہ کافی غور سے اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی

"یہ والا حیدر... مجھے بالکل مختلف لگ رہا ہے۔" ایک لمحے کے لیے رُکا اور پھر دوبارہ عالیانہ کی طرف دیکھا" جانتی ہو، اپنے پورے وقت میں، میں نے کبھی اُسے کسی سپاہی کے ساتھ عام گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی نہیں۔ وہ بالکل برف کی طرح سرد تھا۔ اس نے کبھی کسی سے مسکرا کر بات نہیں کی۔ کبھی کوئی جذبات ظاہر نہیں کیے۔ جب تک کوئی حکم نہ دنیا ہوتا، وہ بات نہیں کرتا تھا۔ وہ ایک مشین کی طرح تھا۔"

داس نے لفٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ؟ یہ آدمی جو ابھی یہاں سے گیا؟ جو کل گھر آیا۔ اس کی شخصیت بلکل مختلف ہے۔ مجھے نہیں پتہ یہ کون ہے۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔ یہ سب غیر حقیقی محسوس ہو رہا ہے۔"

عالیانہ نے حیرت سے داس کی بات سنی۔ "میں نہیں جانتی تھی۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسا تھا۔"

"کیا وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا تھا جب تم پہلی بار آئیں تھیں؟"

"نہیں! وہ سے میرے ساتھ ہمیشہ سے متحرک تھا۔ وہ مجھ سے بات کرتا رہتا تھا، مجھ پر مسکراتا رہتا تھا۔ مجھے لگا وہ یہ سب جان بوجھ کر کرتا ہے۔ میرا مذاق اڑانے کے لیے۔ مجھے ڈرانے کی کوشش کرنے کے لیے۔" داس نے پیچھے کی طرف جھکتے ہوئے آہ بھری۔

اس کی نظریں دور کہیں مرکوز تھیں۔

" اب وہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟" داس نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔

"وہ میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔" اس نے نیچے اپنے قدموں کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے، ارسل سمجھتا ہے کہ تم حیدر سے محبت کرتی ہو۔"

"ارسل بے وقوف ہے۔" عالیانہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔

"چچ چچ عنہ۔ ہمیں تمہاری زبان کے بارے میں بات کرنی ہوگی۔"

"تم مجھے بار بار عنہ کیوں کہہ رہے ہو؟"

"تمہیں فخر محسوس کرنا چاہیے۔" داس نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

"اچھا، تو پھر کیا میں تمہیں 'ڈینی' کہہ کر بلاؤں؟"

"یہ ذرا سا بھی مزاحیہ نہیں ہے۔"

"تھوڑا بہت ہے۔" عالیانہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تو پھر میں تمہارے نئے بوائے فرینڈ کو 'کنگ اسٹک رومیو' کہہ کر بلاؤں؟" داس نے چڑتے ہوئے کہا۔

وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے، داس۔"

"پھر کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"مجھے کوئی مزہ نہیں آرہا۔ شہزادی۔"

"ارے، کیا تمہیں نہانے کی ضرورت نہیں ہے؟"

"تو تم کہہ رہے ہو کہ میری بو آرہی ہے؟" داس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

عالیانہ نے جواب میں بس آنکھیں گھمائیں اور سنہری بال شاہانہ انداز میں پیچھے کو جھٹکے۔

"واقعی میں کچھ بو تو آرہی ہے۔" داس اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی قمیض سونگھنے لگا۔

"جاؤ نہا کر آؤ اور جلدی واپس آنا، میں یہیں بیٹھی ہوں۔"

••••••☆☆☆••••••

سب کے سب تربیتی کمرے میں بینچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عالیار عالیانہ کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ ان کے کندھے ایک دوسرے کے ساتھ نہ ٹکرائیں۔

"ٹھیک ہے، سب سے پہلے" دھان نے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں سپریم کو مارنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیسے؟" اس نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا۔ "کیونکہ ہمیں نہیں پتہ کہ سپریم تک کیسے پہنچنا ہے۔" کمرے میں موجود سب افراد نے دھان کو اچھا خاصا اگنور کیا، کیونکہ سب کی نظریں عالیار پر جا ٹھہریں تھیں۔ عالیار نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا۔

"تو؟" داس نے بے صبری سے کہا۔

"تو، کیا؟" عالیار نے بوریت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تو کیا تم ہماری مدد کرو گے؟ یہ تمہارا علاقہ ہے۔"

اس سب میں عالیار نے پہلی بار عالیانہ کی طرف سر موڑ کر دیکھا۔ "کیا تم واقعی ان پر بھروسہ کرتی ہو؟" اس نے آہستگی سے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا، اتنی آہستگی سے کہ سب نے سن لیا۔

"ہاں! مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر۔" عالیار نے گہرا سانس لیا اور پھر گروپ کی طرف مڑا۔ "میرے بابا ایک جہاز پر ہیں سمندر کے وسط میں۔"

"وہ جہاز پر ہیں؟" دھان نے حیرت سے پوچھا۔ "دارالحکومت ایک جہاز پر ہے؟"

"پہلی بات، جب میں بات کر رہا ہوں، تو کوئی بیچ میں نہیں بولے گا۔ اور دوسری بات ، میری پہلی بات پر عمل کرو اور دوبارہ میرے بولنے کے دوران کوئی بھی مجھے ٹوکنے کی کوشش نہ کرے۔" اس نے بے زاری سے کہا۔ "میرے بابا سمندر کی وسط میں ایک جہاز میں ہیں، یہ میں نے سمجھانے کے لیے کہا ہے۔" اس نے خفگی سے بھری نظر سب بیوقوفی پر ڈالی۔ کچھ لمحوں بعد اس نے دوبارہ شروع کیا۔

"اور نہیں! دارالحکومت جہاز پر نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ وہ جہاز میں ہیں، اور ہم پانی میں نہیں اتر سکتے، جہاز کو خشکی پر لانا ہوگا۔ سو بیسیکلی ہم ان تک نہیں پہنچ سکتے، ہمیں انہیں یہاں بلانا ہوگا۔ وہاں جانا بے سود ہوگا۔ ہمیں یہاں اتنی بڑی مصیبت پیدا کرنی ہوگی کہ انہیں خود یہاں آنا پڑے۔" پھر وہ عالیانہ کی طرف مڑا۔ "عالیانہ کہہ رہی ہے کہ اس کے پاس ایک منصوبہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں سیکٹر فائیو کا کنٹرول سنبھال لینا چاہیے۔" عالیانہ نے سر ہلایا اور گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ سب حیران تھے۔

"میرا ماننا ہے کہ ہم فوجیوں کو اپنی طرف مائل کر سکتے ہیں، کیونکہ دراصل فائدہ صرف ان لوگوں کو ہو رہا ہے جو اقتدار میں ہیں۔ باقی سب تھکے ہارے اور مایوس ہیں۔ اگر ہم انہیں کوئی امید دے سکیں، کوئی ایسا مقصد بتا سکیں جس کے لیے وہ ہمارے ساتھ مل کر لڑیں، تو شاید وہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور وہ مجھے جانتے ہیں۔ فوجی ہمیں جانتے

ہیں، ہم سب ایک ساتھ لڑ چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں بتائیں گے کہ اگر ہم سب مل کر لڑیں تو ہم سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں دکھا سکتے ہیں کہ ہم مضبوط ہیں۔ ہم انہیں ایک نیا مقصد دے سکتے ہیں۔"

اور پھر جب ہمیں ان کی حمایت حاصل ہو جائے گی، تو یہ خبر سپریم تک پہنچے گی، اور سکندر کو مجبوراً یہاں آنا ہوگا۔ وہ ہمیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا، اور پھر ہم اسے شکست دے دیں گے۔" کیسر نے پہلی بار لب کھولے۔

"مس عالیانہ! آپ نے اس معاملے پر بہت سوچا ہے۔"

عالیانہ نے سر ہلایا۔

داس اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا کہ اسے ہنسنا چاہیے یا تالی بجانی چاہیے۔

"تم سب کا کیا خیال ہے؟" عالیانہ نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر یہ منصوبہ ناکام ہوا تو؟ اگر فوجیوں نے اپنی وفاداری بدلنے سے انکار کر دیا؟"

"یہ ممکن ہے لیکن میرا ماننا ہے کہ اگر ہم مضبوط ہوئے، اگر سب مل کر لڑے، تو وہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔"

"لیکن وہ ہم پر کیسے یقین کریں گے؟" اشعل نے پوچھا۔

"ہم انہیں دکھائیں گے۔"

"اور اگر انہوں نے ہم پر گولی چلا دی؟" سیم نے پریشانی سے کہا۔

"اگر تمہیں اس کا خوف ہے تو میں اکیلے کر لوں گی، مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ داس نے مجھے تربیت دی۔ میں بہت کچھ کر سکتی ہوں۔ میں وزنی سے وزنی، سخت سے سخت چیز کو بھی توڑ سکتی ہوں۔"

"یہ تھوڑا پُرعزم ہے۔" داس فخر کرنے والے والدین کی طرح مسکرایا۔

"پُرعزم، لیکن ناممکن نہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

اس نے سر ہلایا اور عالیار کی طرف دیکھا۔ "کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"بالکل نہیں۔" اس کی آنکھیں جان بوجھ کر بے تاثر تھیں۔

وہ کھڑی ہوئی اور ڈمبلز کے ڈھیر کی طرف بڑھی، بیس پاؤنڈ کا فری ویٹ اٹھایا اور اسے گروپ کے پاس لے آئی۔ واپس بینچ پر بیٹھی۔ وزن کو گود میں رکھا۔

"تم اس کے ساتھ کیا کرنے والی ہو؟" سیم نے آنکھیں پھیلائے پوچھا۔

"تم کیا چاہتے ہو، میں کروں؟" اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی وزن اس کی گود سے زمین پر گرا اور ٹوٹ گیا۔

"معاف کرنا۔ میرا مقصد اسے اس طرح پھینکنا نہیں تھا۔"

"اس کے ٹوٹنے کی آواز بہت زبردست تھی۔" دھان بولا۔

"دل مت چھوٹا کرو۔" اشعل نے کہا۔" اندر ایسے بہت سے ڈمبلز پڑے ہیں، ایک اور لے آؤ۔"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ میرا سارا سامان تباہ کر دے۔" عالیار بیچ میں بولا۔اُس کی آواز میں تحکمانہ لہجہ جھلک رہا تھا۔ وہ اپنی چیزوں کو لے کر بہت حساس تھا۔

"تم یہ بہت آسانی سے کر سکتے ہو۔ ہے نا؟ میں نے سنا ہے کہ تم بہت بہادر ہو۔" سیم عالیار کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ جو تم سب مل کر، کر سکتے ہو، میں وہ سب اکیلے میں کر سکتا ہوں" کمرے میں دہشت کی فضا محسوس کی جا سکتی تھی۔

عالیانہ نے عالیار کو گھورا۔" ان کو خود سے ڈرانا بند کرو۔" عالیانہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ عالیار نے کچھ نہیں کہا۔ کسی چیز کی طرف نہیں دیکھا۔

"تم دونوں ایک ساتھ بنیادی طور پر.."

"دارالحکومت پر قبضہ کر سکتے ہیں؟" عالیار نے دیوار کو گھورتے ہوئے بے نیازی سیم کی بات مکمل کی۔

"میں تو کہنے والا تھا کہ تم لوگ ایک ساتھ اچھے لگتے ہو۔ لیکن ہاں! شاید یہ بھی۔" سیم نے سر ہلایا۔

"کیا تم واقعی اس آدمی پر بھروسہ کرتی ہو؟"میلیسا نے عالیار کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا اور اسے اس طرح دیکھا جیسے وہ واقعی پریشان ہے۔

"کیا ہوا اگر وہ ہمیں استعمال کر رہا ہو؟"

"I trust him with my life!"

"مجھے اس پر اتنا بھروسہ ہے کہ اپنی زندگی بنا سوچے اسے سونپ سکتی ہوں۔پہلے بھی تھا، اور اب بھی ہے۔"اس نے عالیار کو دیکھتے ہوئے کہا۔عالیار نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، لیکن فوراً ہی نظریں ہٹا لیں۔ایک لمحے کے لیے، اس نے اس کی آنکھوں میں جذباتی لہریں محسوس کیں۔

"تو ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ ہم سیکٹر فائیو کے فوجیوں اور شہریوں کو اپنے ساتھ جنگ میں شامل کریں گے؟"

"ہاں، بالکل۔ہم اپنی پوری قوت آزمائیں گے اور امید ہے کہ وہ ہمیں اتنا قابل دیکھیں گے کہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔"داس نے بازو سینے پر باندھ کر جواب دیا۔

"کتنی گھٹیا حکمت عملی ہے۔"دھان ناک چڑھا کر کہا۔

"داس نے اسے کچھ زیادہ ہی عجیب بنا دیا ہے۔"وہ اُس کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے بولی۔"بیسیکلی، جواب ہاں ہے۔ہم انہیں ایک ایسی طاقت فراہم کریں گے جس کے

گرد وہ متحد ہو سکیں۔ پہلے ہم فوج کی قیادت کریں گے اور پھر لوگوں کی۔ اور پھر انہیں جنگ میں لے جائیں گے۔ ہم پیچھے ہٹنے کا نہیں سوچیں گے۔"

"اور اگر تم جیت گئے؟" کیسر نے اچانک پوچھا، جواب تک خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں سیدھی اُس پر تھیں۔ "پھر کیا؟"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھن میں پڑتے ہوئے پوچھا۔

"فرض کرو ہم کامیاب ہو جاتے ہو، ہم سپریم کو شکست دے دیتے ہیں۔ اُس کے آدمیوں کو مار دیتے ہو۔ پھر؟ کون سپریم کمانڈر بنے گا؟"

"میں۔" اس نے بنا جھجھکے جواب دیا۔ کمرے میں ایک لمحے کو سانسیں رک گئیں، سب نے ایک ساتھ حیرت محسوس کی۔ عالیار واحد تھا جس کے چہرے کے تاثرات نہیں بدلے۔

"واہ، شہزادی!" داس نے دھیرے سے کہا۔

"اور پھر؟ اس کے بعد کیا؟" کیسر نے دوبارہ پوچھا، اس کی نظریں اُس سے نہیں ہٹتیں۔

"سپریم کے مرنے کے بعد دار لحکومت ہتھیار ڈال دے گا۔"

"اور پھر؟ کیسے تم ایک قوم کو صحیح راستے پر لے جاؤ گی جب تم نے اُن سب کو ختم کر دو گی جو تمہارے خلاف تھے؟ کیا فرق رہ جائے گا تم میں اور اُن میں جنہیں تم نے شکست دی؟؟"

"مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے کہ میں اتنی بہادر ہوں کہ صحیح فیصلہ کروں۔ ہمارے لوگ مر رہے ہیں۔ تم نے خود کہا تھا کہ ہمارے پاس وسائل ہیں کہ ہم اپنی زمین واپس لے سکتے ہیں۔ چیزوں کو دوبارہ اُسی طرح کر سکتے ہیں جیسے وہ پہلے تھیں۔ جب اقتدار صحیح ہاتھوں میں ہو گا، یعنی ہمارے ہاتھوں میں، تو تم وہ سب کچھ بحال کر سکو گے جو تم نے ایلفا پوائنٹ پر شروع کیا تھا۔ تمہیں یہ آزادی ہو گی کہ تم وہ تبدیلیاں لا سکو جن سے زندگیاں بچائی جا سکیں اور نئی نسلوں کو ایک روشن مستقبل مل سکے۔ ہمیں کوشش کرنی ہو گی۔ ہم بس بیٹھ کر لوگوں کو مرتے نہیں دیکھ سکتے جب ہمارے پاس طاقت ہے کہ ہم کچھ بدل سکیں۔" وہ عالیسر کی زبان بول رہی تھی۔ عالیار نے پہلے دن سے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ دن آئے گا۔ وہ جو اس وقت اتنے یقین سے بول رہی تھی، اس کی وجہ عالیار حیدر کی تھا۔ کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ سب ساکت ہو گئے۔

"میں تمہارے ساتھ جنگ میں جاؤں گا۔" دھان نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"میں بھی۔" میلیسا نے کہا۔

"میں بھی۔" اشعل نے کہا۔

"تم جانتی ہو میں تو ہوں ہی۔" داس نے اضافہ کیا۔

"میں بھی۔" سیم بولا۔ کیسر نے گہری سانس لی۔ شاید! "اُس نے دھیرے سے کہا اور اپنی کرسی میں پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر سامنے رکھ لیا۔ "شاید تم وہ ٹھیک کر سکو جو میں ٹھیک سے نہیں کر سکا۔ میں تم سے دس سال بڑا ہوں۔ میں نے

کبھی تمہارے جیسا اعتماد نہیں پایا، لیکن میں تمہارے دل کو سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم وہی کہہ رہی ہو جو تم سچ سمجھتی ہو۔" اُس نے لمحے بھر کو توقف کیا، اُس کی نظریں محتاط تھیں۔ "ہم تمہاری حمایت کریں گے، لیکن جان لو کہ تم ایک بہت بڑی اور خوفناک ذمہ داری اُٹھا رہی ہو۔ یہ ایسی ذمہ داری ہے جو ناقابلِ واپس طریقے سے بگڑ بھی سکتی ہے۔"

"مجھے اس کا احساس ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"بہت خوب! مس عالیانہ! گڈ لک۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے۔ ہمارا مستقبل اب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

جب سے وہ دونوں کمرے میں واپس آئے تھے، عالیار اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ اپنے دفتر کے دروازے کے پاس کھڑا تھا، نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم نے بتایا نہیں کہ میری منصوبہ بندی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہیں میری رائے کی ضرورت ہے۔" اس نے سر اٹھائے بغیر سرد لہجے میں جواب دیا۔

"ظاہر ہے کہ میں تمہاری رائے چاہتی ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

عالیار کچھ پل خاموش رہا۔ نا جانے کیوں اس کی خاموشی اسے تکلیف دے رہی تھی۔ اس کی بے رخی اسے بے چین کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی وہ اس سے بات کرے۔ "مجھے بہت سے کام ہیں۔" کہہ کر وہ پلٹنے ہی لگا تھا کہ اس نے آگے بڑھ کر جلدی سے عالیار کا بازو پکڑا۔ وہ ایک دم سے پتھر کا ہو گیا۔ وہ بے حرکت کھڑا رہا، اس کی نظریں عالیانہ کے ہاتھ پر جم گئیں جو اس نے اس کے بازو پر رکھا تھا۔

"عالیار!" اس نے اس انداز میں اس کا نام پکارا کہ عالیار موم کی طرح پگھل گیا۔ اس کی مصنوعی سرد مہری ایک دم ختم ہو گئی۔ "میں نہیں چاہتی کہ ہمارے درمیان ایسا فاصلہ ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم بات کر سکیں، ایک دوسرے کو دوبارہ صحیح معنوں میں جان سکیں۔ شاید ہم دوست بن سکیں۔" وہ اپنا بازو چھڑوا پیچھے ہٹا اور دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ پیدا کیا۔

"میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں صرف تمہارا دوست کیسے بن سکتا ہوں۔"

"عالیار پلیز! ضروری نہیں کہ رشتے میں کچھ ہو یا کچھ نہ ہو۔ کچھ ہونے یا کچھ نا ہونے کے درمیان بھی کچھ ہوتا ہے۔ مجھے وقت چاہیے کہ تمہیں ایک مختلف شخص کی طرح سمجھ سکوں۔"

"یہی مسئلہ ہے۔ تمہیں وقت چاہیے کہ مجھے ایک مختلف شخص کے طور پر سمجھ سکو۔ تمہیں وقت چاہیے تاکہ تم میرے بارے میں اپنی رائے درست کر سکو۔" عالیار نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ غلط کیوں ہے؟"اس نے الجھن میں پوچھا۔

"کیونکہ میں مختلف شخص نہیں ہوں۔"اس نے اس انداز میں کہا جیسے وہ یہ بات بتا بتا کے تھک گیا ہو۔" میں وہی شخص ہوں جو ہمیشہ سے تھا۔ میں نے کبھی بدلنے کی کوشش نہیں کی۔ تم نے مجھے غلط سمجھا، مجھے کسی ایسی چیز کے طور پر دیکھا جو میں نہیں ہوں، لیکن یہ میری غلطی نہیں ہے۔ میں نے خود کو تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا۔"

"تم پہلے ہی بدل چکے ہو۔"اس نے نرمی سے کہا۔

"کتنی ہمت ہے تم میں کہ تم ایسی باتیں اتنے یقین سے بات کرتی ہو جن کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتیں۔"اس کے الفاظ سن کر وہ خاموش رہ گئی، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"میں تمہیں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

میری خواہش ہے تم مجھے کبھی بھی نہ سمجھ سکو۔ کیونکہ جس دن تم مجھے سمجھ گئیں، تمہیں اپنے کیئے ہر فیصلے پر تکلیف ہو گی... اور میں تمہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔" وہ کچھ نہ بولا سکی۔ وہ مڑا۔ رکا۔ واپس پلٹا۔

"تم نے ایک بار مجھ پر الزام لگایا تھا کہ میں محبت کا مطلب نہیں جانتا۔" اس نے دھیمی، مگر گہری آواز میں کہا۔ "لیکن تم غلط تھیں۔ شاید تم مجھے اس لیے قصوروار ٹھہراتی ہو کہ میں تم سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔ لیکن کم از کم میں اپنے دل کے ساتھ سچا ہوں۔" اس کی آنکھیں اتنی چمکدار۔ اتنی بھوری۔ اتنی سرد۔ "میں اپنے دل کا انکار نہیں کرتا۔"

"اور تم سمجھتے ہو کہ میں انکار کرتی ہوں؟" اُس کی نظریں نیچے گئیں اور اُس کی آواز لرزنے لگی۔

عالیار نے کچھ لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر اس نے نظریں جھکا لیں، کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم نہیں سمجھتے۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "میں خود اپنے دل کو نہیں جانتی۔ میں ابھی تک یہ نہیں جان پائی کہ میں کیا محسوس کرتی ہوں۔ مجھے اسے سمجھنے کے لیے وقت چاہیے۔ اور اس وقت، مجھے تمہاری دوستی کی ضرورت ہے۔"

عالیار نے حیرت سے سر اٹھایا، جیسے اس نے کوئی ناقابل یقین بات کہہ دی ہو۔

"میں دوست نہیں بناتا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم کوشش کیوں نہیں کرتے؟" اس نے التجا کی۔ اس نے سر ہلایا۔

"کیوں؟ کیوں موقع نہیں دیتے؟" اس نے اصرار کیا۔

"کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ تمہاری دوستی میرا اختتام ہو گی۔" اس نے آہستہ سے کہا اور آفس کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ وہ اب بھی اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی جب عالیار کے دفتر کا دروازہ پیچھے سے زور سے بند ہو گیا۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار کو سویٹ پینٹس اور اسنیکرز میں دیکھنا ایک ایسا منظر تھا جس کا عالیانہ کے علاوہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس وقت، وہ دونوں چیزیں پہنے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ، وہ ایک سادہ ٹی شرٹ میں ملبوس تھا جو اس کے عام انداز سے بالکل مختلف تھی۔

اب جب کہ پوری ٹیم عالیار کے ٹریننگ سینٹر میں موجود تھی، اُسے پہلی بار موقع ملا کہ وہ عالیار کے روزمرہ معمولات کو قریب سے دیکھ سکے۔ وہ ہمیشہ جانتی تھی کہ عالیار سخت محنت کرتا ہے، لیکن یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی کہ وہ اپنی ورزش کو کتنی سنجیدگی سے لیتا ہے۔ وہ ہر معاملے میں بے حد منظم تھا۔ اس کا ہر قدم اُس کے منصوبے کا حصہ ہوتا تھا۔ اس کی یہ احتیاط اور نظم و ضبط اُس کے لیے نئی بات تھی، ایسی چیز جس نے اُسے حیرت میں ڈال دیا۔

وہ اپنی صبح کا آغاز ٹریڈ مل پر دوڑتے ہوئے کرتا اور شام کا اختتام سٹیٹشنری بائیک پر کرتا تھا۔ اُس نے اپنی ورزش کے دن بھی خاص ترتیب سے طے کر رکھے تھے، جس میں ہر دن کا کے لیے ایک مخصوص جسمانی حصہ ہوتا تھا۔

ایک دن اُس نے کیسر کو وضاحت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ پیر کو کندھوں کی ورزش کرتا ہے۔ منگل کو ٹانگوں کی۔ بدھ کو سینے اور پیٹھ کی۔ جمعرات کو بائسپس اور کلائیوں کی۔ جمعہ کو ٹرائیسپس اور ڈیلٹوائیڈز کی۔ اور ایبس اور کارڈیو ہر دن کا حصہ ہوتا ہے۔ ہفتے کے آخر میں وہ ٹارگٹ پریکٹس بھی کرتا تھا۔

آج پیر تھا۔ تو وہ عالیار کو دو سو پچاس پاؤنڈ کا وزن بینچ پریس کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ہر طرف تین پینتیس پینتیس پاؤنڈ کے ویٹ پلیٹ لگے تھے، جو عالیار اٹھا رہا تھا، داس نے اسے بتایا تھا کہ اسے اولمپک بار کہتے ہیں، جس کا وزن خود پینتالیس پاؤنڈ تھا۔ وہ اپنی نظریں ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ اتنے عرصے میں اسے عالیار سے اتنی کشش کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

داس اچانک کہیں سے آکر اُس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ "تو یہ تمہیں اتنا امپریس کرتا ہے؟" وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ داس زور سے ہنسا۔

"میں نے اسے پہلے کبھی اس طرح نہیں دیکھا۔"

"میں شرط لگاتا ہوں کہ تم....."

"کچھ بھی مت بولنا داس!" اس نے اسے ٹوکا اور فوراً وہاں سے غائب ہو گئی۔

••••••☆☆☆••••••

اگلا مہینہ تربیت کے لیے وقف تھا، اور یہی اُن دونوں کا منصوبہ تھا۔ اُس کو اتنی تربیت کرنی تھی کہ وہ اپنی آپ کو مکمل طور پر قابو میں لا سکے اور کبھی بھی کسی کے سامنے مغلوب نہ ہو۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس میں مکمل اعتماد کے بغیر جانا ممکن نہیں تھا، اور چونکہ اُسے مشن کی قیادت کرنی تھی، اس کے پاس ابھی بہت سا کام باقی تھا۔ اسے بہت کچھ سیکھنا تھا۔

داس بھی اپنی تربیت میں مصروف تھا۔ وہ اپنی پروجیکشن کی صلاحیت کو بہتر بنانا چاہتا تھا، یہ سیکھنا چاہتا تھا کہ بغیر لڑے کسی پر اثر انداز کیسے ہوا جا سکتا ہے۔ کیسر کو تو دہائیوں سے خود پر مکمل کنٹرول تھا، اور باقی لوگ بھی ٹھیک تھے۔ مگر اُس کے کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کے سامنے پچیس سال کی نفسیاتی اذیتیں تھیں جنہیں ختم کرنا ضروری تھا۔ اُسے اپنے اندر بنائے ہوئے نفسیاتی قلعے توڑنے تھے۔

داس نے چھوٹے سے کام سے شروعات کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک اچھی شوٹر بن سکے۔ وہ اسے چٹان کی دیوار کی دوسری طرف صرف نشانہ باندھنے کی اور شکار کو آنکھوں مین مرکوز کرنے کی پریکٹس کروا رہا تھا لیکن وہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ہمیشہ نشانہ چھوٹ جاتا تھا۔

"تم توجہ نہیں دے رہی ہو، اپنے مرکز کو دھیان میں رکھو ۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔ "تمہیں اپنے اندر چھپی طاقت کو باہر نکالنا ہو گا عنہ۔ شروع میں یہ مشکل لگتا ہے، کیونکہ تمہارا جسم اس توانائی کو دبانے کا عادی ہے۔ تمہارے معاملے میں یہ اور بھی مشکل ہے،

کیونکہ تم نے اپنی پوری زندگی اسے قابو میں رکھا ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو اسے باہر آنے کی اجازت دینی ہوگی۔ اپنی نظروں کو نیچے آنے دو۔ شکار تلاش کرو۔ ٹریگر پر ایکٹو انداز میں انگلی رکھو۔ اور پھر فائر کر دو۔"

داس اسے یہ بات بار بار سمجھاتا رہا۔ اور وہ بار بار کوشش کرتی رہی۔ اس نے سوچا شاید یہ پسٹل ہی سارا مسئلہ ہے کہ وہ نشانہ نہیں لگا پا رہی۔ کیوں نہ وہ اپنی پسٹل سے نشانہ باندھ کر چیک کرے۔ داس اس لمحے شاید باتھ روم گیا۔ وہ اپنے سامان سے پاس آئی۔ وہ یہ بھول چکی تھی کہ جو پسٹل داس نے اسے دی تھی وہ پریکٹس گن تھی اور یہ اصل۔ داس واپس آگیا۔

اس نے تین تک گنتی کی۔ دونوں ہاتھوں میں بندوق تھام کر بازو لمبے کیے۔ بائیں آنکھ بند کی۔ پورے فوکس سے چٹان کی دیوار کو مرکز بنا کر نشانہ باندھا۔ اور ایک دو تین۔ اس نے فائر کیا۔ ٹھاہ کی آواز

خاموشی۔ داس غصے میں کچھ کہہ رہا تھا وہ سن نہیں پائی۔

"پیچھے ہو جاؤ!" کیسر کی آواز گونجی۔

وہ سن رہی تھی کہ ارد گرد لوگ چیخ رہے ہیں۔ اُس نے گردن اونچی کر کے دیکھا، سب نے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھے ہوئے تھے، آنکھیں ڈھانپی ہوئی تھیں۔ وہ آس پاس دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ انجانے خوف نے اُس کے دل کو جکڑ لیا۔

چٹان کی دیوار میں دراڑ آئی تھی، ایک چٹان لرزنے لگی۔ دیوار پر لگا شوپیس کلہاڑا دیوار سے الگ ہو کر نیچے گرا۔

عالیار اُس کے عین نیچے کھڑا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ چیختی اُس نے عالیار کو اوپر دیکھتے ہوئے پایا، اور شاید یہ ریفلیکس ایکشن تھا، اُس کے دونوں ہاتھ ہوا میں تھے اور اگلے ہی لمحے جو کلہاڑا اسے زخمی کر سکتا تھا، اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اُس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ایسی پینیک صورتحال میں کسی کا دماغ اتنی جلدی کیسے کام کر سکتا ہے۔ پھر عالیار دائیں جانب دیکھا اور سر ہلایا۔ اس نے اُس کی نظر کی سمت میں دیکھا وہاں کیسر کھڑا تھا۔

اوہ خدا! وہ بہت خوش تھی۔ کوئی نقصان نہیں ہوا تھا، وہ زخمی نہیں ہوا تھا۔

جب یہ عمل ختم ہو گیا، تو عالیار اور کیسر نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر الگ الگ سمتوں میں چل پڑے۔

عالیار اُس کی طرف آ رہا تھا، جبکہ کیسر باقی لوگوں کی جانب جا رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟ کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟" عالیار نے سرسری سا پوچھا۔ اُس کا لہجہ سرد تھا، مگر اُس کی آنکھیں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

"تم ٹھیک ہو؟ کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔" اس نے اس کا سوال نظرانداز کر کے نیا سوال کیا۔

عالیار نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ حیرت انگیز تھا۔" اس نے خوشی سے کہا۔

"اس کا کریڈٹ میں نہیں لے سکتا، کیسر نے مجھے آگاہ کیا تھا۔"

"مگر تم اتنے ماہر ہو، تم نے اتنے قدرتی انداز میں فوراً وہ سب کنٹرول کر لیا۔ ایسے معاملے میں تمہارا دماغ کیسے اتنا ایکٹو رہ سکتا ہے۔ میں جب بھی کچھ کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو ہر کسی کی جان خطرے میں ڈال دیتی ہوں۔ میں تمہیں بھی نقصان پہنچانے والی تھی۔ اگر تم وہ نہ پکڑتے تو پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔" اس نے سر جھکا لیا۔ وہ ماتھے پر بل ڈالے اسے دیکھتا رہا۔ وہ کیوں اداس تھی، اپنی غلطی پر یا وہ زخمی ہو سکتا تھا، اس پر؟ "میں ہر چیز میں سب سے خراب ہوں۔ سب سے خراب۔"

"دل چھوٹا مت کرو، تم سیکھ جاؤ گی۔"

"کیا تمہارے لیے کبھی مشکل تھا؟ ٹریننگ کرنا؟ یہ سب کچھ؟"

"نہیں۔ میں ہمیشہ سے ہر چیز میں ماہر رہا ہوں۔" اس نے دوبارہ سر جھکا لیا اور گہری سانس لی۔ اس نے یہ حرکت اتنے بچگانہ انداز میں کی کہ وہ اپنی ہنسی نہ روک پایا۔

اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اس کے گال میں ڈمپل نمودار ہوا۔

"کیا؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"کچھ نہیں۔"

اچانک ایک تیز سیٹی کی آواز گونجی۔اس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔

"جاز ہینڈز!" داس چیخا۔"واپس یہاں آؤ۔" داس نے پوری کوشش کی کہ جتنا ہو سکے غصے میں نظر آئے۔"واپس کام پر لگو،اور اس بار توجہ دو۔ تم کوئی بندر نہیں ہو جو ادھر ادھر چیزیں پھینک دو۔اور خبردار آج کے بعد خود کو عقلمند سمجھ کر نقلی پسٹل کو اصل سے رپلیس کیا تو۔" داس چل کر اس کے پاس آیا اور کر غصے سے بولا تھا۔

عالیار بے اختیار ہنس دیا۔عالیانہ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا، اب وہ دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراہٹ دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کم از کم کوئی تو میری مزاح کی حس کی قدر کرتا ہے۔" داس نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔"چلو شہزادی! دوبارہ کوشش کرتے ہیں۔اور پلیز،اس بار سب کو مارنے کی کوشش مت کرنا۔"

••••••☆☆☆••••••

وہ سب سارا ہفتہ مشق میں مصروف رہے۔وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ مزید کھڑے ہونے کی ہمت بھی نہ تھی، لیکن اس نے اپنی توقع سے کہیں زیادہ ترقی کی تھی۔ داس اب

بھی اس کے ساتھ براہ راست کام کر رہا تھا، اور کیسر اس کی پیش رفت پر نظر رکھے ہوئے تھا، جب کہ باقی سب مختلف مشینوں پر تربیت میں مصروف تھے۔

دھان اور اشعل دن بدن بہتر ہو رہے تھے۔ وہ صحت مند اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔ دھان کے چہرے کا زخم آہستہ آہستہ مدھم ہو رہا تھا۔ وہ ان کی بہتری دیکھ کر خوش تھی اور اس بات پر مزید خوش تھی کہ ملیک ان کے لیے صحیح دوائیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اشعل اور دھان زیادہ تر دن کھانے، سونے اور کبھی بائیک یا ٹریڈمل پر ورزش کرتے گزارتے تھے۔ میلیسا بھی اب تھوڑی دلچسپی لینے لگی تھی۔ اس وقت وہ ویٹ بال سے ورزش کر رہی تھی۔ سیم ویٹ لفٹنگ میں مصروف تھا اور کیسر اس کا خیال رکھ رہا تھا، جبکہ معاذ پورا ہفتہ ایک کونے میں بیٹھ کر نوٹ پیڈ پر کچھ لکھتا رہتا۔ وہ مطمئن اور خوش دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن کیا ارسل ٹھیک تھا؟ اسے امید تھی کہ وہ محفوظ ہو گا۔

عالیار دن کے وقت اکثر غائب رہتا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد عالیا بے اختیار لفٹ کے دروازے کی طرف دیکھتی، دل میں امید رکھتی کہ دروازہ کھلے اور عالیار واپس آ جائے۔ کبھی کبھار وہ مختصر وقت کے لیے آتا، بائیک پر سوار ہوتا یا تیز دوڑ لگاتا، مگر زیادہ تر وقت غائب ہی رہتا۔

عالیا اسے صرف صبح کے وقت دیکھتی تھی، جب وہ ابتدائی ورزش کرتا، اور شام کو، جب وہ دوبارہ کارڈیو کے لیے آتا۔ شام کا یہ وقت اس کا پسندیدہ تھا، کیونکہ اس وقت وہ سب

اکٹھے بیٹھ کر اپنی پیش رفت کے بارے میں بات کرتے تھے۔ اشعل اور دھان آہستہ آہستہ صحت یاب ہو رہے تھے، اور عالیا خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط محسوس کر رہی تھی۔ عالیار انہیں بتاتا کہ شہریوں، فوجیوں، یا دستور کے حوالے سے کوئی نئی پیش رفت ہوئی ہے یا نہیں۔ خوش قسمتی سے، ابھی تک سب کچھ پر سکون تھا۔

رات کو وہ اور عالیار اوپر اس کے کمرے میں چلے جاتے، نہاتے، اور پھر اپنے اپنے کمروں میں الگ ہو جاتے۔ وہ عالیار کے بستر پر سوتی، جبکہ عالیار اپنے آفس کے صوفے پر۔ ہر رات عالیا خود سے کہتی کہ آج وہ ہمت کرے گی، عالیار کے دروازے پر دستک دے کر اس سے بات کرے گی، لیکن پھر اس کی ہمت جواب دے جاتی۔ اسے ابھی تک نہیں پتہ تھا کہ کہنا کیا ہے۔

اسی لمحے کسی نے اچانک اس کی پونی ٹیل کھینچی۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔ وہ غصے سے پیچھے مڑی۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" وہ تیوری چڑھاتے ہوئے بولی۔

"تمہیں بیوقوفی کا خاص ڈنڈا مارا گیا ہے۔" داس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا؟ تم نے تو کہا تھا کہ میں ٹھیک کر رہی ہوں!"

"ہاں، کر رہی ہو، لیکن تمہارا دھیان بٹا ہوا ہے۔ تم مسلسل لفٹ کو اس طرح دیکھ رہی ہو جیسے وہ تمہاری تین خواہشات پوری کرنے والی ہو!"

"اچھا۔ سوری۔"

داس نے گہرا سانس لیا اور اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھا۔

"معافی مت مانگو۔ ویسے، تم دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے؟"

اس نے گہرا سانس لیا، میٹ پر بیٹھ گئی، اور کندھے اچکائے۔ "مجھے کوئی اندازہ نہیں، داس۔ کبھی کبھی وہ بہت سرد مہر ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں، مجھے بس تھوڑی سپیس چاہیے۔"

"لیکن تمہیں وہ پسند ہے، ہے نا؟"

اس کے گال سرخ ہو گئے، اور وہ خاموش ہو گئی۔

داس نے ایک لمحے کے لیے اسے غور سے دیکھا۔ "تمہیں پتہ ہے، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ حیدر تمہیں خوش رکھ سکتا ہے۔"

"کیا میں خوش نظر آتی ہوں؟"

داس نے گہری سانس لی۔ "اچھا نکتہ۔ تم ارسل کے ساتھ ہمیشہ بہت خوش دکھتی تھیں۔ یہ سمجھنا میرے لیے مشکل ہے۔" وہ تھوڑا ہچکچایا اور ماتھے کو رگڑا۔ "لیکن ویسے، تم ارسل کے ساتھ عجیب تھیں۔ بہت زیادہ شکایتیں کرتی تھیں۔ حد سے زیادہ ڈرامائی تھیں، اور ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ خدا کی قسم، مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ اچھا ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ میں ڈرامائی ہوں؟ تم خود کو جانتے ہو؟"

"میں ڈرامائی نہیں ہوں، ٹھیک ہے؟ میری موجودگی بس ایک خاص قسم کی توجہ کھینچتی ہے۔"

وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔

داس نے انگلی سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ "دیکھو، میں بس یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میں پہلے ہی اس چکر کا حصہ بن چکا ہوں۔ پہلے ارسل، اب حیدر۔ اگلے ہفتے شاید تم مجھ سے بھی کچھ چکر چلالو گی۔"

"تمہیں یہ سچ ہونے کی بڑی خواہش ہے، ہے نا؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی گویا اسے چھیڑ رہی ہو۔

"جو بھی ہو، مجھے تم پسند نہیں ہو۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں خوبصورت ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تم وہم میں مبتلا ہو۔" داس چڑ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولی۔

"مجھے خود نہیں پتا کہ یہ کیا ہے، داس۔ یہی مسئلہ ہے۔ میں اسے سمجھ نہیں سکتی، اور مجھے اس کی گہرائی کا ابھی تک کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ یہ جو بھی ہے، میں نے ارسل کے ساتھ کبھی ایسا محسوس نہیں کیا۔"

داس کی آنکھیں سکڑ گئیں، حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "واقعی؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"واقعی، واقعی؟"

"ہاں!" مجھے ایسا لگتا ہے جیسے پہلی بار میری زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، جیسے میں مضبوط ہو جاؤں گی۔"

"لیکن یہ تو صرف تمہارا اپنا احساس ہے، اس کا حیدر سے کوئی تعلق نہیں۔" داس نے سر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ کبھی کبھار لوگ ہمیں بوجھ کی طرح لگنے لگتے ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے کہ ارسل کا ارادہ ایسا نہیں تھا، لیکن وہ مجھے بوجھ لگنے لگا تھا۔ ہم دو اداس لوگ تھے جو ایک ساتھ پھنسے ہوئے تھے۔"

"ہوں۔" داس اپنے ہاتھوں کے بل پیچھے جھکتے ہوئے کہا۔

"ارسل ہمیشہ بے حد سنجیدہ رہتا تھا۔ اس کی شدت اکثر مجھے تھکا دیتی تھی۔ ہم ہمیشہ چھپتے رہتے یا بھاگتے پھرتے تھے، ہمیں کبھی بھی ایک ساتھ رہنے کا پرسکون وقت نہیں ملا۔ ایسا لگتا تھا کہ کائنات مجھے یہ کہنا چاہ رہی ہے کہ میں اس رشتے کو بچانے کے لیے حد سے زیادہ کوشش کر رہی ہوں۔"

داس تیوری چڑھاتے ہوئے بولا۔ "ارسل اتنا بھی برا نہیں تھا، عنہ۔ تم اسے اتنا کریڈٹ نہیں دے رہی ہو جتنا اسے ملنا چاہیے۔ ہاں، حالیہ دنوں میں وہ کچھ بدتمیز سا ہو گیا ہے، لیکن وہ ایک اچھا آدمی ہے۔ تم جانتی ہو کہ وہ ہے۔ بس اس وقت اس کے لیے حالات بہت مشکل ہیں۔"

اس نے گہرا سانس لیا۔ "جانتی ہوں۔" دل میں ایک نامعلوم سی اداسی محسوس ہوئی۔ "لیکن یہ دنیا اب بھی بکھر رہی ہے۔ چاہے ہم یہ جنگ جیت بھی جائیں، سب کچھ بہتر ہونے سے پہلے بہت زیادہ خراب ہو جائے گا۔" اس نے کچھ دیر توقف کیا، پھر اپنے ہاتھوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ لوگ اپنا اصل چہرہ اس وقت دکھاتے ہیں جب حالات خراب ہوتے ہیں۔ میں نے یہ خود دیکھا ہے۔ اپنے ساتھ، اپنے والدین کے ساتھ، یہاں تک کہ اس معاشرے کے ساتھ بھی۔ اور ہاں، ارسل ایک اچھا آدمی ہے۔ وہ واقعی ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ وہ ایک اچھا آدمی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میرے لیے صحیح ہے۔"

پھر وہ نظر اٹھا کر داس کی طرف دیکھنے لگی۔ "میں اب بہت مختلف ہو چکی ہوں۔ میں اس کے لیے صحیح نہیں ہوں، اور وہ میرے لیے صحیح نہیں ہے۔"

لیکن وہ اب بھی تم سے محبت کرتا ہے۔" داس نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"نہیں! وہ نہیں کرتا۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"یہ کافی سنگین الزام ہے۔"

"یہ الزام نہیں ہے۔ ایک دن ارسل کو احساس ہو گا کہ اس کی میرے لیے محبت دراصل محبت نہیں تھی۔ ہم دونوں ایسے لوگ تھے جنہیں کسی سہارے کی ضرورت تھی، اور ہمارے ماضی نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے موزوں بنا دیا تھا۔ لیکن وہ کافی نہیں تھا۔ کیونکہ اگر ہوتا، تو میں اس سے اتنی آسانی سے الگ نہ ہو پاتی۔" اس نے نظر نیچے کر لی، آواز میں نرمی اور دکھ نمایاں ہو گیا۔ "حیدر نے مجھے بہکایا نہیں تھا، داس۔ اس نے مجھے ارسل سے نہیں چھینا۔ میں خود اس مقام پر پہنچی جہاں میرے لیے سب کچھ بدل گیا۔" وہ سانس لیتے ہوئے داس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ "سب کچھ جو میں نے حیدر کے بارے میں سوچا تھا، غلط تھا۔ سب کچھ جو میں نے اپنے بارے میں یقین کیا تھا وہ بھی غلط تھا۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ میں بدل رہی ہوں۔" اس کے بدلنے میں جس کا سب سے زیادہ کردار تھا، وہ عالیار حیدر سکندر کا تھا۔

"میں آگے بڑھنا چاہتی تھی، غصہ کرنا چاہتی تھی، چیخنا چاہتی تھی، لیکن میں ایسا نہیں کر سکی۔ مجھے ڈر تھا کہ لوگ مجھ سے خوفزدہ ہو جائیں گے، اس لیے میں نے خاموش رہنے اور پس منظر میں گم ہو جانے کی کوشش کی۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید اس سے لوگ زیادہ آرام دہ ہو جائیں گے۔ لیکن اب مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی خود کو اتنا بے عمل رہنے دیا۔" اُس کی آواز میں دکھ کی گہرائی نمایاں تھی۔ "اگر میں اُس وقت خود پر یقین کر لیتی، تو چیزیں بالکل مختلف ہو سکتی تھیں۔" اُس نے گہری سانس لی اور فیصلہ کن

لہجے میں کہا۔"میں اُس زندگی کی طرف واپس نہیں جانا چاہتی۔ میں کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"تمہیں واپس جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور مجھے نہیں لگتا کہ ارسل چاہتا تھا کہ تم بے عمل رہو۔"

اس نے شانے اچکا دیے۔"جو بھی تھا ارسل اتنا برا نہیں تھا، عنہ۔ شاید تم اسے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"ہاں! شاید۔" وہ تھوڑا رک کر بولی۔"لیکن میں بھی اب وہ نہیں ہوں جو پہلے تھی۔ اور وہ شاید وہی لڑکی چاہتا ہو جس سے وہ پہلی بار ملا تھا۔"

"کیا یہ برا ہے؟" داس نے سوال کیا۔

"ہاں! کیونکہ اب میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔ کیا میں اب بھی تمہیں وہی لڑکی لگتی ہوں؟"

"میں کیسے جان سکتا ہوں؟"

عالیانہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔"تمہیں نہیں پتا؟ اسی لیے تم نہیں سمجھ سکتے۔ تم نہیں جانتے کہ میں پہلے کیسی تھی، تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میرے دماغ میں کیا کیا چلتا تھا۔" اُس کی آواز میں درد کی شدت بڑھ گئی۔"میں بہت اندھیری جگہ میں رہتی تھی۔"

"میں اپنے ہی ذہن میں محفوظ نہیں تھی۔ میں ہر صبح یہی امید لے کر جاگتی تھی کہ شاید آج مر جاؤں۔ اور پھر باقی دن یہ سوچتی رہتی تھی کہ شاید میں پہلے ہی مر چکی ہوں، کیونکہ میں زندگی اور موت میں فرق محسوس کرنے کے قابل نہیں تھی۔ میرے پاس بس امید کی ایک نازک سی ڈور تھی، جس سے میں چمٹی رہتی تھی۔ میری زندگی کا زیادہ تر حصہ اِسی انتظار میں گزرتا تھا کہ شاید کوئی مجھ پر رحم کرے گا۔ پھر ایک دن حیدر میری زندگی میں آیا اور اس نے مجھے سکھایا کہ کوئی کسی پر رحم نہیں کرتا، خود پر خود ہی رحم کرنا پڑتا ہے۔ خود ہی کوشش کرنی پڑتی ہے۔"

داس انکھیں چھوٹی کیئے خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ اگر میں نے پہلے ہی خود کو مضبوط کیا ہوتا، تو میں اپنی مدد سے قید خانے سے باہر نکل آتی؟ میں جانتی تھی کہ وہاں پہرے کے نام پر صرف چند سپاہی ہیں۔ میں سب راستے جانتی تھی مگر میں مایوسی میں مبتلا تھی۔ میں کونے میں بیٹھ کر لوگوں سے رحم کی توقعات کرتی رہی تھی، اس رحم کی جو مجھے خود پر خود کرنا تھا۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ میں ہر وقت اس بارے میں نہیں سوچتی؟" اُس نے سوال کیا، اُس کی آواز لرز رہی تھی۔ "تمہیں نہیں لگتام کہ یہ مجھے مار ڈالتا ہے کہ مجھے اپنی انسانیت کی ناپسندیدگی نے اتنے عرصے تک قید رکھا؟ چھ سو چونسٹھ دن، داس! چھ سو چونسٹھ دن میں وہاں رہی اور سارا وقت میرے پاس اپنی آزادی کا اختیار تھا لیکن میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ میں یہ کر سکتی ہوں۔ کیونکہ میں نے

کبھی خود کو آزمایا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے دنیا کو مجھے یہ سکھانے دیا کہ مجھے خود سے نفرت کرنی چاہیے۔ میں بزدل تھی، جسے یہ یقین دلانے کے لیے کسی اور کی ضرورت پڑی کہ میں کچھ قابل ہوں، کہ میں خود کو بچانے کے لیے کوئی قدم اٹھاؤں۔"

"اب یہ ارسل اور حیدر کے بارے میں نہیں ہے، یہ میرے بارے میں ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ یہ میرے بارے میں ہے کہ میں دس سال بعد کہاں ہونا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں زندہ رہوں گی، داس۔ میں دس سال بعد زندہ رہوں گی اور میں خوش رہوں گی۔ میں مضبوط رہوں گی۔ اور اب مجھے کسی سے یہ سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کافی ہوں، میں اپنے لیے ہمیشہ رہوں گی۔"

داس اُس کی طرف دیکھ رہا تھا، اُس کی آنکھوں میں ہلکی سا فخر تھی۔

"جانتے ہو یہ سب مجھے حیدر نے سکھایا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں کتنی قیمتی ہوں۔" ایک لمحے کا توقف۔

"میں چاہتی ہوں کہ ارسل خوش رہے، داس! میں واقعی چاہتی ہوں۔ لیکن اگر ہم دونوں ساتھ رہے تو ہمارا انجام ساکت پانی جیسا ہو گا۔"

"کیا مطلب...؟"

"پانی جو کبھی حرکت نہ کرے، کچھ وقت کے لیے یہ ٹھیک ہوتا ہے۔ تم اسے پی سکتے ہو۔ یہ تمہیں زندہ رکھے گا۔ لیکن اگر یہ بہت دیر تک ساکن رہے تو یہ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ

باسی ہو جاتا ہے۔ یہ زہر آلود ہو جاتا ہے۔ مجھے لہریں چاہئیں۔ مجھے آبشاریں چاہئیں۔ میں تیز بہاؤ چاہتی ہوں۔"

"کمال ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں یہ تقریر لکھ لینی چاہیے، شہزادی۔ کیونکہ تمہیں یہ سب کچھ خود ارسل کو بتانا ہو گا۔"

"کیا؟"

"ہاں۔" داس نے کھنکھارا۔ "ارسل کل یہاں آرہا ہے۔"

"کیا؟" اُس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"ہاں۔"

"کیوں؟ وہ یہاں کیوں آرہا ہے؟ تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"میں، اممم، کل اس کے گھر گیا تھا؟" اُس نے گلا صاف کیا۔ "اسے دیکھنے کے لیے۔" وہ نظریں چرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اسے دیکھنے کے لیے؟"

"ہاں۔ بس یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ٹھیک ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ ہمارے پاس ایک زبردست منصوبہ ہے۔ تمہاری بدولت بہت زبردست منصوبہ۔ اور میں نے اُسے بتایا کہ کھانا اچھا ہے، اور شاورز گرم ہیں۔ اور عالیار نے ہم پر کنجوسی نہیں کی۔ اور کچھ اور باتیں بھی۔"

"کون سی باتیں؟ تم نے اُسے کیا کہا؟"

"ہمم؟" داس شرٹ کے دامن کو گھور رہا تھا۔

"داس!" وہ غصے سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" داس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ "بس۔ غصہ مت ہونا، میں بتاتا ہوں۔"

"میں پہلے ہی غصے میں ہوں۔"

"وہ وہاں مرنے والا تھا۔ میں اسے اُس خراب سی جگہ پر اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ خاص طور پر اب جبکہ ہمارے پاس ایک ٹھوس منصوبہ ہے۔"

"تم نے اُسے کیا بتایا، داس؟" اُس کا صبر جواب دے رہا تھا۔

"شاید!" وہ اب پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "شاید میں نے اُسے بتایا ہو کہ... تمہیں اُس کی یاد آرہی تھی۔ بہت زیادہ۔"

"تم نے کیا کہا؟" اُس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"یہی واحد طریقہ تھا جس سے میں اسے یہاں لا سکتا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم عالیار سے محبت کرتی ہو، اور اس کی خودداری اس کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" وہ چلاّئی۔ "وہ ایک دوسرے کو مار ڈالیں گے! تم چاہتے ہو کہ وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کو قتل کر دیں؟" وہ دبی آواز میں بولی۔

"ہم سب دوست بن سکتے ہیں۔"

"یا اللہ!" اُس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ "کیا تم پاگل ہو؟ تم نے یہ کیوں کیا؟ مجھے دوبارہ اس کا دل توڑنا پڑے گا!"

"ہاں! میں سوچ رہا تھا کہ شاید تم تھوڑی دیر کے لیے ظاہر کرو کہ تمہیں عالیار میں دلچسپی نہیں ہے۔ اور نکاح والی بات بھی چھپا لو جب تک یہ جنگ ختم نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ اس سے چیزیں تھوڑی کم دباؤ والی ہو جائیں گی۔ اور پھر ہم سب کے ساتھ معاملات بہتر ہو جائیں گے، ارسل باہر اکیلا نہیں مرے گا۔ خوشگوار اختتام۔" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

وہ آنکھیں چھوٹی کیے غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم نے اُسے کچھ اور بھی بتایا، ہے نا؟" اُس نے آنکھیں مزید سکیڑتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے اُسے میرے بارے میں کچھ اور بھی کہا، ہے نا؟"

"کیا؟" داس پیچھے ہٹ رہا تھا۔ "میں...."

"کیا یہی سب تم نے اُسے بتایا؟ کہ مجھے اُس کی یاد آ رہی تھی؟ یا تم نے کچھ اور بھی بتایا؟"

"اوہ۔ اب جبکہ تم نے ذکر کر ہی دیا ہے تو، ہاں، اممم، میں نے شاید اُسے یہ بھی کہا ہو کہ تم اب بھی اُس سے محبت کرتی ہو۔"

اُس کا دماغ چیخ رہا تھا۔

"اور... شاید میں نے اُسے یہ بھی بتایا ہو کہ تم ہر وقت اُس کے بارے میں بات کرتی رہتی ہو۔اور شاید میں نے یہ بھی کہا ہو کہ تم ہر وقت روتی ہو کیونکہ تمہیں اُس کی کتنی آتی ہے۔شاید اور بھی بہت کچھ۔مجھے یاد نہیں، ہم نے بہت سی باتیں کیں۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی۔"

"نہیں،" وہ اُس پر انگلی اٹھاتے ہوئے پیچھے ہٹا۔"بری بات شہزادی! تمہیں قتل کرنا پسند نہیں ہے، یاد ہے؟ تمہیں اس سے نفرت ہے، یاد ہے؟ تمہیں جذبات اور قوس قزح کے بارے میں بات کرنا پسند ہے۔"

"کیوں، داس؟" اُس نے سر ہاتھوں میں گرالیا۔"کیوں؟ تم نے اُس سے جھوٹ کیوں بولا؟"

"کیونکہ یہ بکواس ہے۔اس دنیا میں پہلے ہی ہر کوئی مر رہا ہے۔ہر کسی نے اپنے گھر، اپنے خاندان اور جس سے وہ کبھی پیار کرتے تھے، ان سب کو کھو دیا ہے۔اور تمہیں اور ارسل کو اپنی اسکول کی محبت کے مسائل بالغوں کی طرح حل کرنے چاہئیں۔ہمیں ایک دوسرے کو اس طرح نہیں کھونا چاہیے۔ہم پہلے ہی سب کچھ کھو چکے ہیں۔" اب وہ غصے سے بولا۔

"وہ زندہ ہے عنہ۔وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔" اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور وہ مشکل سے اپنے جذبات کو قابو میں رکھ پایا۔"میرے لیے یہ وجہ کافی ہے کہ میں اسے اپنی زندگی میں رکھوں۔" اُس نے نظریں چرالیں۔اُس کی آواز دھیمی ہو گئی۔"پلیز! یہ سب بکواس

ہے۔ یہ پوری صورتحال۔ میں اپنے آپ کو اُس بچے کی طرح محسوس کر رہا ہوں جو طلاق کے بیچ میں پھنسا ہوا ہے۔ ماں کے ساتھ رہوں یا باپ کے ساتھ۔ میں خود بھی اس سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا لیکن کم از کم میں نے اُسے قائل کر لیا کہ وہ واپس آئے۔ اور جب وہ یہاں آجائے گا تو شاید وہ یہاں رہنے کا فیصلہ بھی کر لے۔"

"کب آئے گا وہ؟"

"کل صبح میں اسے یہاں لے آؤں گا۔" داس نے ایک لمبا سانس لیا اور آہستہ سے جواب دیا۔

اس کا چہرہ تپتا جا رہا تھا، اُس کا غصہ اور اضطراب کمرے میں پھیلتا جا رہا تھا۔ "جانتے ہو، میں حیدر کو سب بتا دوں گی؟ تم جانتے ہو کہ تم اسے یہاں لا کر چھپا نہیں سکتے۔ میں عالیار سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں اسے دھوکہ نہیں دوں گی۔"

"جانتا ہوں۔" داس نے سر جھکاتے ہوئے کہا، اُس کی آواز میں شکست کی م ہلکی سی جھلک تھی۔

ٹھیک ہے۔" عالیانہ نے بے یقینی اور غصے میں اپنے ہاتھوں کو مٹھیوں میں بھینچا، اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ کیا کہے۔ وہ اس لمحے میں داس کو دیکھنے سے بھی قاصر تھی۔

داس نے ماحول کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ "تو یہ اچھی بات چیت رہی نا؟"

اس کا چہرہ ایک دم سرد پڑ گیا، اس کی آنکھوں میں موت کی چمک تھی۔" اگر وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گی۔" وہ کھڑی ہو گئی اور دھیمی لیکن خطرناک آواز میں بولی۔

داس کے چہرے پر مدھم ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔"واہ شہزادی! تم اتنی پر تشدد کب ہو گئیں؟"

"میں مذاق نہیں کر رہی داس!" اس کی آواز کاٹ دار تھی۔" وہ پہلے بھی ایک دوسرے کو مارنے کی کوشش کر چکے ہیں اور وہ تقریباً کامیاب ہو گئے تھے۔ مجھے امید ہے تم نے یہ تفصیل اپنے خوشگوار قوس وقزح کے منصوبے بناتے وقت نہیں بھولی ہو گی۔ یہ دو لوگوں کی معمولی دشمنی نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مارنا چاہتے ہیں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا، ہم کوئی حل نکال لیں گے۔" داس گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"ہم نہیں.... تم کوئی حل نکالو گے۔" اس نے تم پر خاصا زور دیا۔

"کیا تم میری بات نہیں سمجھ رہی؟ ہم سب کو ساتھ رہنے کی ضرورت ہے۔ اور کوئی باقی نہیں بچا، ہمارے سوا۔ یہ صرف ہم ہیں۔ ہمیں اپنے مسائل کی وجہ سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔"

عالیانہ نے آنکھیں بند کیں، ایک لمبی سانس لی اور اپنے آپ کو پر سکون کرنے کی کوشش کی۔" میں سمجھتی ہوں، داس میں واقعی سمجھتی ہوں۔ اور میں تمہیں اس بات کا کریڈٹ

دیتی ہوں کہ تم سب کے ٹھیک ہونے کا سوچ رہے ہو، م میں تمہیں اس بات کا کریڈٹ دیتی ہوں کہ تم میری اور ارسل کی فکر کر رہے ہو۔ اور میں تمہاری اس کوشش کی قدر کرتی ہوں کہ تم سب کے بارے میں سوچ رہے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس وقت کتنی مشکلات کا سامنا کر رہے ہو۔ اور میں بہت معذرت خواہ ہوں، داس۔ میں واقعی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ تمہارے لیے آسان نہیں ہے۔ لیکن میں ابھی بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے انہیں ایک ساتھ رکھنے کی ضد کیوں کی۔ تم انہیں ایک ہی کمرے میں رکھنا چاہتے ہو۔ ایک بند جگہ میں۔ میں سمجھ رہی تھی کہ تم انہیں مرنے نہیں دینا چاہتے۔"

اس سے پہلے کہ داس کچھ کہتا اس کی بات کاٹتے ہوئے، عالیانہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"مجھے ابھی کچھ وقت اکیلے گزارنا ہے۔" اُس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔ "اور یاد رکھنا میں رات کو واپس آ کر تمہارے سارے بال کاٹ دوں گی۔" اس نے غصے سے کہا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" اس نے لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بٹن دبایا اور مسکرائی اور مڑے بغیر بولی۔ "تم بہت گہری نیند سوتے ہو، ہے نا؟"

"یہ بالکل بھی مذاق مزاحیہ نہیں ہے عنہ!"

لفٹ کے دروازے کھل گئے۔ عالیانہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"شب بخیر ڈینی!

دروازے بند ہونے کے بعد بھی داس کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

جب وہ کمرے میں واپس آئی، عالیار شاور لے رہا تھا۔ وہ گھڑی کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب عالیار ٹریننگ رومز کی طرف جانے کی تیاری کرتا تھا۔ وہ عام طور پر اس سے وہاں رات کی رپورٹ دینے کے لیے ملتی تھی۔ مگر آج، وہ سیدھا بستر پر منہ کے بل گر گئی، ماتھا تکیے پر رکھ لیا اور آنکھیں زور سے بند کر لیں۔ پہلے کبھی اس کے سر میں ایسا شدید درد نہیں ہوا تھا۔

ارسل کل یہاں آنے والا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ وہ ابھی بھی اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ وہ دوبارہ اس سے دور نہیں جانا چاہتی تھی، اس کی آنکھوں میں دکھ دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ وہ اسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

اس نے اپنا سر تکیوں کے نیچے دبایا، انہیں اپنے سر پر رکھتے ہوئے کانوں کے گرد دبا دیا تاکہ دنیا کی آوازوں سے خود کو الگ کر لے۔ وہ ابھی اس بارے
میں سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی وقت نہیں تھا سوچنے کا۔ اس کے لیے چیزیں ہمیشہ اتنی پیچیدہ کیوں ہوتی تھیں؟ کیوں؟

اچانک، اس نے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ اس نے تکیہ نیچے کیا اور پلکیں جھپکیں۔ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

"عالیانہ؟ تم ٹھیک ہو" ایک ہچکچاہٹ بھری آواز سنائی دی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بلو ٹی شرٹ اور سیاہ پینٹ پہنے۔ گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے۔ وہ اسے پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

"ارسل کل یہاں آرہا ہے۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

"میرا نہیں خیال اس نے تمہارا دعوت نامہ قبول کیا تھا۔" عالیار نے بھنویں اٹھائیں۔

"داس اسے یہاں لا رہا ہے۔ وہ چپکے چپکے اُسے ملتا رہا، اور اب وہ اسے یہاں لا رہا ہے۔ کل صبح۔" اس نے تکیہ سینے کے ساتھ لگا لیا۔

عالیار کا چہرہ مکمل طور پر بے تاثر رہا۔ اس کی آواز میں کوئی جذباتی رنگ نہیں تھا، ایسے جیسے وہ کسی غیر اہم موضوع پر بات کر رہا ہو۔

"مجھے لگا تھا کہ ارسل کو تمہاری مزاحمتی تحریک میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"داس نے ارسل سے کہا ہے کہ میں اسے یاد کرتی ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں غصے کی ایک ہلکی سی لہر چمک کر مدھم ہو گئی۔ وہ دیوار کی طرف دیکھتا رہا، چند لمحوں کے لیے خاموش۔ جب بولا تو اس کی آواز دھیمی اور قابو میں تھی۔ "اچھا۔"

"داس کو پتہ تھا کہ ارسل کو یہاں واپس لانے کا یہی واحد طریقہ تھا۔"

عالیار خاموش رہا، کوئی جواب نہ دیا۔

"لیکن میں ارسل سے محبت نہیں کرتی، تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے۔" وہ خود حیران تھی کہ یہ الفاظ کتنی آسانی سے اس کے لبوں سے کیسے نکلے، اور اس سے بھی زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ اسے یہ بات عالیار سے کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ "مجھے ارسل کی فکر ہے۔ میں ہمیشہ ان چند لوگوں کی فکر کرتی ہوں جنہوں نے میری زندگی میں مجھ سے مہربانی کی، لیکن باقی سب کچھ تو ختم ہو چکا ہے، سب کچھ۔۔۔"

"اچھا۔" عالیار کی نظریں ویسی ہی بے تاثر رہیں۔

"تو، تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ کل کے بارے میں؟ اور ارسل کے بارے میں؟" وہ اس سے پوچھنے لگی۔

"تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہیے؟" عالیار نے الٹا سوال کر دیا۔

"مجھے اس سے بات کرنی پڑے گی۔ ایک بار پھر اس سے تعلق توڑنا پڑے گا۔ یہ داس کی بہت بڑی بیوقوفی ہے۔" وہ ایک لمبی سانس لے کر سینے پر رکھے تکیے میں منہ چھپا لیا۔

وہ آخر کار تکیے سے منہ اٹھا کر سیدھی ہوئی۔ جب اس نے دوبارہ اوپر دیکھا، تو عالیار وہاں نہیں تھا۔ اس نے چونک کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔

عالیار کمرے کے کونے میں رکھے شیشے کے سامنے کھڑا بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا۔ شاید اس کے الجھے بال اسے پریشان کر رہے تھے۔ کاش وہ اسے بتا سکتی کہ ایسے بالوں کے ساتھ وہ اور بھی پیارا لگتا ہے۔ اس نے کوشش کی کہ اس کی جانب نہ دیکھے، لیکن یہ مشکل تھا۔ اس کو دیکھنے سے خود کو روکنا واقعی ناممکن تھا۔ یہ اسے کیا ہو رہا تھا؟

اس نے اپنے دوبارہ رتکیے میں سر دبادیااور کمبل کے نیچے خود کو چھپالیا،اسے پہلے کہ وہ آنکھیں بند کرتی بستر پر ہلکی سی جنبش ہوئی، عالیار نے جھک اس کے سر کے نیچے موجود دو تکیوں میں سے ایک تکیہ نکال دیا۔اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ کمفرٹیبل نہیں ہے۔اس کا چہرہ اب بھی مکمل طور پر سنجیدہ تھا۔بال اب بھی ماتھے پر تھے ،مگر اب الجھے ہوئے نہیں تھے۔وہ اس کے بستر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائیں اور تھوڑا آگے کو جھک گیا۔وہ خاموش رہا۔فرش کو دیکھتا رہا،وہ بھی خاموش رہی اور اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں واقعی ....ارسل سے....." اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا وہ خود ہی بول پڑی۔

اس کی آواز ہلکی سی لرز گئی۔"محبت ؟"عالیار نے اثبات میں بس ایک بار سر ہلایا۔

"نہیں۔"

"تم اس سے اٹریکٹ نہیں ہو ؟"

"نہیں ! میں تم سے اٹریکٹ ہوں۔"

"میں سیریئس ہوں۔"

"میں بھی سیریئس ہوں۔"

عالیار نے فرش سے نظریں اٹھا کر اس کو دیکھا۔عالیانہ نے پلکیں جھپکائیں۔

"تمہیں یقین نہیں آرہا؟" عالیار نے نگاہیں چرالیں۔

"تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا؟ تمہیں بالکل کچھ محسوس نہیں ہوتا؟" یا تو وہ پاگل ہو گئی تھی یا پھر عالیار واقعی شرما گیا تھا۔ کیا وہ اس کو بتائے کہ اس کے گال گلابی ہو رہے ہیں۔

"تم مجھے ضرورت سے زیادہ کریڈٹ دے رہی ہو۔ میں تمہیں مایوس کر دوں گا۔ میں وہ خامیوں بھرا انسان ہوں جسے تم نہیں سمجھتیں۔" اس کی نظریں کمبل پر جمی تھیں، اس کے الفاظ بہت نرم تھے۔

"تم بہت مختلف ہو، عالیار۔ سب سے مختلف۔ پوری دنیا سے مختلف۔ تم بالکل ویسے ہی ہو جیسا میں تمہیں سمجھتی ہوں۔" وہ اسے غور سے دیکھتی رہی اور آہستہ سے بولی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا۔

""تمہارا رویہ اب بہت نرم ہو گیا ہے۔ تم اب زیادہ پرسکون ہو گئے ہو۔ پہلے کی نسبت بہت زیادہ اچھے۔"

عالیار نے ایک طویل وقت تک کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اور داس اس مسئلے کا کوئی حل نکال ہی لو گے۔ شب بخیر۔" اور پھر وہ چلا گیا۔ پھر سے۔ اپنے آفس۔ مگر اسے تو نیچے نہیں جانا تھا؟ جب عالیانہ نہیں گئی، تو عالیار کیسے جا سکتا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

••••••☆☆☆••••••

سرمئی اور سفید دیواروں سے گھرے کمرے میں ایک میز پڑا تھا، جس پر ایک وجود سفید چادر سے ڈھکا پڑا تھا۔اس کا دل اتنی شدت سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے وہ سینے سے باہر نکل جائے گا۔اس نے دائیں بائیں مڑ کر دیکھا، مگر عالیار وہاں نہیں تھا۔

"عالیار کہاں ہے؟" اس نے دل ہی دل میں سوچا۔اچانک اس کے پیچھے کا دروازہ کھلا،اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا۔اس امید میں کہ شاید یہ عالیار ہو، مگر یہ عالیار نہیں تھا۔

دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا۔ سکندر۔عالیار کا باپ۔ان کے ہاتھوں میں مرجھائے ہوئے نرگس کے پھول تھے، جن کی پتیاں ایک ایک کر کے زمین پر گر رہی تھیں۔اس کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے۔

"تم یہاں کیوں ہو؟" اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔"تم یہاں کیوں ہو؟" مگر اس کے والد خاموش رہے، بس اسے دیکھتے رہے۔ان کی خاموشی
عالیانہ کے اندر موجود خوف کو مزید بڑھا رہی تھی۔

"عالیار کہاں ہے؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔"تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ کیا تم نے اسے مار دیا؟"

اس کی ہچکیاں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ "تم نے اسے کیوں مارا؟ اسے مجھ سے کیوں چھینا؟ کیوں؟" وہ اس کے سینے پر زور زور سے اپنی بند مٹھیاں مار رہی تھی۔ پھر اس کے والد نے کچھ کہے بغیر اسے آہستہ سے میز کی طرف موڑ دیا۔ اس کی نظریں میز پر جا ٹھہریں۔ وجود چادر کے نیچے بے حس و حرکت پڑا تھا۔

کیا وہ عالیار تھا؟

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔" اس کے والد کی آواز گونجی۔

"نہیں، میں نے کچھ نہیں کیا!" وہ چیخ پڑی۔ آنسو اس کے چہرے پر بہنے لگے۔ وہ لرزتے قدموں سے میز کی جانب بڑھی۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچی، اس نے لرزتے ہاتھوں سے وجود کے چہرے سے چادر ہٹائی۔ وہ سسکیوں کے ساتھ چیخ اٹھی۔ اس کی نظر عالیا بائیں کنپٹی پر گولی کے زخم پر پڑی۔

دل میں ایک درد سا اٹھا۔ ہچکیوں کے ساتھ اس نے اپنا ہاتھ آہستہ سے عالیار کے چہرے کی طرف بڑھایا۔ اس کی جلد ابھی تک گرم تھی۔

"یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ عالیار! تم مر نہیں سکتے۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے عالیار کے زخم کو چھوا، اسے اس کے زخم سے بہتے گرم خون اور گوشت کی چبھ محسوس ہوئی، اس کا دل دہل گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود مر رہی ہے۔ اس کا دل پھٹ رہا تھا۔ گلا بھاری ہو رہا تھا۔

اس نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، ایسے جیسے جل گیا ہو۔ پھر خوف اور بے بسی سے اس نے عالیار کے کندھوں کو تھام لیا۔

"عالیار، اٹھو!" اس نے چیخ کر کہا اور اسے جھنجھوڑنے لگی۔

لیکن وہ اتنا بھاری تھا کہ وہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ اس کے آنسو خون کے قطروں کی طرح مسلسل عالیار کے سینے پر گرتے جا رہے تھے۔ اس کے دماغ میں صرف ایک ہی سوچ گونج رہی تھی۔ "میں نے عالیار کو کھو دیا، میں نے اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔"

اس کی آواز کانپتے ہوئے نکل رہی تھی۔ "مجھے ہمیشہ ڈر تھا کہ ایسا ہو گا۔ عالیار، پلیز اٹھو! جاگو، عالیار!"

کسی کے ہاتھوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔ وہ ایک ہڑبڑا کر اٹھی۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا، وہ تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ چہرہ پسینے سے شرابور تھا ۔ جسم کانپ رہا تھا۔ ہاتھ اور چہرہ لرز رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ عالیار اس کے سامنے تھا۔ سفید سویٹر اور سیاہ پینٹ پہنے۔ ماتھے پر دنیا جہان کی فکرمندی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر عالیار کو دیکھتے ہوئے اپنے گلے پر ہاتھ رکھ کر اکھڑتی سانسوں کو قابو میں پانے کی کوشش کی، مگر سانسیں تھیں جو تھم نہیں رہ تھیں۔ جسم تھا جو لرزنا بند نہیں کر رہا تھا۔ عالیار بے اختیار اس کے سامنے بیٹھا۔ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔

"عالیانہ!" "سانس لینے کی کوشش کرو۔" "اس نے پریشانی سے کہا۔ عالیانہ نے تیز سانس لیتے ہوئے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما۔ زور سے۔ مضبوطی سے۔ اس کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے تھے، عالیسر کے ہاتھ گرم تھے۔

"عالیار!" "اس نے کانپتے ہوئے اسے پکارا۔

"عالیار..." "اس نے دوبارہ پکارا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بارش کی طرح بہہ رہے تھے۔ اس کے جسم کی کپکپاہٹ تھم نہیں رہی تھی۔ عالیار نے آنکھوں میں پریشانی لیے اس کی گال پر داہنا ہاتھ رکھا، بائیاں ہاتھ اب بھی عالیانہ نے تھام رکھا تھا۔

"عالیار...." "اس نے سر ہلایا۔" "میں یہیں ہوں۔ تمہارے پاس ہوں۔" "عالیار نے اس کے کپکپاتے ہاتھوں کو لبوں سے لگا کر چوما۔

"میں ہوں تمہارے پاس۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"انہوں نے... انہوں نے.... تمہیں... مار دیا تھا۔ میری وجہ سے... میری... میری وجہ سے تمہیں...." "وہ کانپتے لبوں سے کہہ رہی تھی۔ اس نے نہیں پوچھا کس نے اسے مار دیا، اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس بس عالیانہ کی پرواہ تھی۔

"عالیار وہ تمہیں مار دیں گے۔" "عالیار بستر پر مزید اس کے قریب ہوا اور اسے اپنے حصار میں لے لیا، اس کا سر اپنے کندھے پر رکھتے ہوئے دونوں بازو اس کے گرد حمائل کیئے اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس کا وجود کانپ رہا تھا۔ لرز رہا تھا۔

"کوئی نہیں مارے گا مجھے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ تمہارے ساتھ ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اس کے داہنے کندھے کو چوما تھا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔" نرمی سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اس نے اس کے ٹھنڈے ہاتھ کو اپنے گرم ہاتھ میں لے کر اس کی ہتھیلی کو چوما۔ کچھ پل اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبا رہنے دیا۔ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ تھم ہی نہیں رہی تھی۔ عالیانہ نے اپنا سر اس کے سینے میں چھپا لیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی سانسیں ابھی تک نارمل نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے اسے بہت دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا یوں جیسے اس کی تکلیف کو اس کے وجود سے نچوڑ کر خود میں جذب کر لینا چاہتا ہو۔ اس کی اکھڑتی سانسوں کو بحال کرنے کے لیے اسے آکسیجن کی سپلائی دینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے برف پڑتے جسم کو گرمائش دینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے اس تحفظ بھرے لمس نے تینوں کام کیے تھے۔ سانس نارمل ہونے لگے تھے۔ جسم کی کپکپاہٹ تھمنے لگی تھی۔ برف پڑتے جسم میں حرارت لوٹنے لگی تھی۔ وہ ساتھ ہوتا تھا تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اس کے آنسو جو عالیار کے سویٹر کو بھگو رہے تھے اب تھم چکے تھے۔ اس نے سر موڑ کر عالیانہ کو دیکھا، اسے تکلیف ہو رہی تھی، اتنی کہ وہ بتا نہیں سکتا تھا۔

تم ٹھیک ہو؟ اس نے کہنا چاہا مگر خاموش رہا، پھر اسے خود سے الگ کیے بغیر اس کے بکھرے بالوں کو چہرے سے پیچھے کیا اور ذرا سر جھکا کر اسے دیکھنے

لگا ۔شاید وہ سو چکی تھی۔آخر کیا وجہ تھی جو وہ اتنی تکلیف میں تھی۔آخر اس نے کیا دیکھا تھا؟تو وہ میرے مرنے سے ڈرتی تھی؟میرے مرنے سے اسے واقعی فرق پڑتا ہے؟

اس کی آنکھیں بند تھیں۔جاذب نقوش اور ملائم جلد والا مہربان چہرا۔وہ لاشعوری طور پر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے یوں ہی اسے دیکھتا رہا۔وہ بے ضرر تھی،حساس تھی، معصوم تھی۔اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی اس نے انسانیت نہیں کوئی تھی۔پھر اس نے بڑی احتیاط سے اسے خود سے الگ کیا اور تکیے پر لٹا دیا۔اس نے اس کے سویٹر کو مٹھی میں لیا ہوا تھا۔وہ نیند میں کسمسائی،شاید اب بھی وہ ڈر رہی تھی۔وہ کچھ دیر اسی حالت میں ذرا سا آگے کو جھک کر بیٹھا رہا،اس کے گہری نیند میں جانے کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے آہستگی سے اپنے سویٹر سے اس کا ہاتھ ہٹایا اور تکان بھری سانس لے کر اسی جھکے ہوئے انداز میں اسے دیکھتا رہا۔کیا اسے واپس آفس چلے جانا چاہیے؟اگر وہ دوبارہ ڈر گئی۔پھر وہ اٹھا اور کمرے میں ایک جانب رکھی کرسی کو بڑے احتیاط سے شور پیدا کیے بغیر اس کے بستر کے کنارے،اس کے چہرے کے عین سامنے رکھا اور اس پر بیٹھ گیا۔کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ایک بج کر ستائیس منٹ ہو چکے تھے۔پھر اس نے کرسی کے ہینڈل پر کہنی جمائی اور تھوڑی تلے مٹھی جمائے اسے یوں ہی دیکھتا رہا،پھر اس کی نظر پہلوؤں میں رکھے اس کے سفید مخروطی انگلیوں والے ہاتھ پر پڑی۔اس نے وہ انگوٹھی پہن رکھی تھی،نا چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی جانب بڑھا اور اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ہاتھ اب بھی ٹھنڈا تھا مگر پہلے سے کم۔وہ اپنے گرم ہاتھوں میں اس کا ٹھنڈا ہاتھ لیے بیٹھا رہا۔ٹک ٹک ٹک۔گھڑی کی چھوٹی سوئیاں چند

گھنٹے اپنے چکر میں لے چکی تھیں۔وہ جو بستر پر لیٹی تھی،اس کو اپنی آنکھوں میں کچھ محسوس ہوا،اس نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں،اس سے پہلے کہ اسے رات والے خواب کے بارے میں سوچتی،اس نے غیر ارادی طور پر سر موڑ کر دائیں جانب دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی۔

عالیار کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے،انگوٹھی والا ہاتھ گال تلے جمائے اسے دیکھ رہا تھا۔جب وہ کافی تب بھی اس نے اس سے نظریں نہیں اٹھائیں۔اس کے چہرے پر کوئی واضح فرق بھی نہ پڑا۔پھر اس نے سوالیہ ابرو اٹھا کر عالیار کو دیکھا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"جب وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تو اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"کیسے دیکھ رہا ہوں؟"اس نے اسی انداز میں پوچھا۔

"ایسے۔"اس نے سر سے اس کے گال تلے جمے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔وہ مسکرا یا،داہنے گال میں ڈمپل نمودار ہوا تھا۔

"انسان جسے دیکھتا ہے،اُس کے مطابق اُس کی نظر بھی بدل جاتی ہے۔"وہ واقعی سمجھ سے باہر تھا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟"عالیار نے گال کے نیچے سے ہاتھ ہٹایا،کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

چار بج کر سولہ منٹ ہو چکے تھے۔وہ خود بھی ایک دم ٹھٹھکا تھا۔کیا اتنا وقت گزر چکا تھا۔کیا وہ دو گھنٹے اکتالیس منٹ تک یوں ہی ایک ہی جگہ بیٹھے اسے دیکھتا رہا تھا ؟کیا واقعی اتنا وقت گزر چکا تھا؟اس کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ اب تھم چکی تھی ۔وہ پھر سے نہیں بہک سکتا تھا۔اس بار نہیں۔اس بار وہ اپنے دل کا ٹوٹنا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔وہ اس کے سوال کو بھول تقریبا بول چکا تھا، پھر وہ ایک دم سے اٹھا اور واپس جانے کے لیے پلٹا ایک قدم اٹھایا۔رکا۔واپس مڑا۔

"اپنا خیال رکھا کرو۔"اس نے کہا اور آفس چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

ارسل بیس آچکا تھا۔

عالیار کو ارسل میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔وہ اپنے دن بھر کے کاموں اتنا مصروف رہا کہ اپنی صبح کی ورزش بھی چھوڑ دی۔

اس وقت وہ لفٹ میں تھی۔جیسے ہی وہ لفٹ سے نکلی، دروازوں کے کھلنے کی مخصوص آواز نے سب کو اُس کی موجودگی کا احساس دلایا۔ارسل جو کونے میں کھڑا معاذ سے بات کر رہا تھا، اب اُس کی نظریں براہِ راست اُس پر جمی ہوئی تھیں۔

ارسل کا چہرہ اسے ہمیشہ کی طرح جانا پہچانا لگا،اُس کا وجود بھی۔ ارسل اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بے چینی سے مسکرایا، تو وہ مسکراہٹ بھی کچھ مانوس سی لگی۔وہ بلکل ویسا ہی تھا۔بلکل ویسا ہی۔ایسا لگتا تھا کہ اب بھی وہ وہی ارسل ہے جو اس کا سب سے پہلا دوست

تھا۔ جس نے اسے آزاد کروایا تھا۔ جس نے اس کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ جس نے کہا تھا کہ کاش وہ مر جاتی۔ جس نے اسے اپنے گھروں نکالا تھا۔ جس نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ انسان دوستوں سے ساتھی بنتا ہے، پھر دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور آخر کار بے رخی کی سرحد پر آکر رک جاتا ہے۔

"اسلام وعلیکم!"اُس نے کہا۔

"وعلیکم السلام "ارسل نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"ہیلو! معاذ۔"اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ معاذ جب سے بیس آیا تھا وہ کچھ بیمار تھا۔ آج ارسل کے آنے کے بعد نا جانے کیوں وہ اتنا ایکٹو ہو گیا تھا۔ وہ عالیار کے آنے سے پہلے سو جایا کرتا تھا۔ دونوں کی ارسل کے گھر والی ملاقات کے بعد کبھی براہ راست ملاقات نہیں ہوئی۔

"ہیلو!" معاذ خوشی سے ہاتھ ہلانے لگا، اُس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ وہ ارسل کے قریب کھڑا، جوش میں تھا۔

"کیوں نہ تم نہالو؟"اُس نے معاذ کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا، اور پھر دھان کی طرف اشارہ کیا۔ دھان فوراً سمجھ گیا، پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور معاذ کا ہاتھ تھاما۔ "رات کے کھانے کے بعد میں تمہیں یہاں موجود سائیکلوں کا استعمال سکھاؤں۔"

اُس کی آواز مدھم ہوگئی جب وہ دونوں لاکر روم کی طرف روانہ ہوئے۔اس کے جانے کے بعد، کمرے میں موجود ہر شخص نے سکون کا سانس لیا۔

وہ اپنی جگہ کھڑا رہی، دل کو مضبوط کیا، پھر آگے بڑھی۔

"مجھے بہت افسوس ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں...." ارسل نے پہلی بار معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"ارسل۔"اُس نے فوراً بات کاٹ دی، اضطراب اور پریشانی کے ساتھ۔اسے وہ سب ابھی کہنا تھا، فوراً۔"داس نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔"

ارسل تھم سا گیا۔وہ ایک لمحے کے لیے بالکل ساکت ہو گیا۔

"میں تمہارے لیے نہیں روئی لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں ہو۔"اُس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی، جیسے یہ بات کہنا اُس کے لیے بھی مشکل ہو۔

ارسل کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔"ٹھیک ہے۔"اُس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئی گہری سانس لی۔

کمرے کے ایک کونے سے داس اُس کی طرف دیکھ رہا تھا، ہاتھ ہلا کر اُس کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ ابھی بھی اُس سے ناراض تھی۔اُس نے فیصلہ کیا کہ جب تک وہ یہ معاملہ حل نہ کرلے، تب تک داس سے بات نہیں کرے گی۔

"ارسل! مجھے واقعی بہت افسوس ہے..."

"نہیں!" ارسل نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ اُس کا چہرہ دھندلا اور عجیب سا ہو گیا۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم یہ کہنے والی ہو۔" وہ ہنسا، لیکن اس کی ہنسی میں تکلیف کی لہر تھی۔ "میں نے سوچا، پہلے سے جاننے سے تکلیف کم ہو گی۔" اُس نے ایک تکان بھری سانس لی۔ "لیکن نہیں ابھی بھی درد وہی ہے۔ دل ویسے ہی ٹوٹا ہے جیسے پہلے لمحے ٹوٹا تھا۔" اُس کی نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں تم سے یہ کہنے والی ہوں؟" اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے آنے سے پہلے میں نے اُسے بتایا تھا۔" داس نے کمرے کے کونے میں کھڑے ہو کر اسے بتایا اور اس کی طرف ایک سنجیدہ نظر ڈالی۔ "میں نے اُسے وہ سب بتا دیا جو ہم نے کل بات کی تھی۔"

"پھر وہ ابھی بھی یہاں کیوں ہے؟" وہ حیران رہ گئی تھی۔ اُس نے ارسل کی طرف مڑ کر دیکھا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم مجھے دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتے۔"

"مجھے وہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" ارسل نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

"تو... کیا تم واقعی ٹھیک ہو؟ عالیار کے ساتھ؟" اُس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

ارسل کے چہرے پر اچانک غصے کی ایک لہر آئی۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت کی چمک تھی۔ "کیا تم پاگل ہو؟ میں اُس کا سر دیوار میں مارنا چاہتا ہوں!"

"پھر تم ابھی تک یہاں کیوں ہو؟" وہ اُلجھن میں پڑ گئی۔

"کیونکہ میں مرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں اکیلے مرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا اگر میں مر جاؤں تو کسی کو علم ہی نہ ہو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا میرا جنازہ پڑھانے والا وہاں کوئی نہ ہو۔ کیونکہ میں اپنے دوستوں کو نہیں کھونا چاہتا۔ کیونکہ میں دن رات دماغ لڑا رہا تھا۔ میرے پاس کوئی حل نہیں بچا۔ کیونکہ باہر شدید سردی تھی، اور جلد ہی وہاں بجلی بھی کٹ جانے کو تھی۔" اُس کے سانس لینے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ "مجھے نہیں پتہ تھا کیا کرنا ہے، اس لیے اب میں یہاں ہوں۔ اپنی عزت نفس گٹر میں ڈال کر، امید کر رہا ہوں کہ میں اپنی سابقہ گرل فرینڈ کے نئے بوائے فرینڈ کے گھر میں رہ سکوں۔ اور میں یہ سب برداشت کر سکتا ہوں اگر اس کا مطلب ہو کہ میرے دوست محفوظ ہیں۔ لیکن فلحال میں انتظار کر رہا ہوں کہ تمہارا کمانڈر آ کر مجھے مار ڈالے۔"

"پہلی بات، وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے، دوسری بات، اُسے کوئی پرواہ نہیں کہ تم یہاں ہو۔"

ارسل نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "بکواس!" وہ غصے سے بولا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔" اُس نے اصرار کیا۔

ارسل کھڑا ہوا، اُس کی آنکھوں میں گہری حیرانی تھی۔ "تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں یہاں رہ سکتا ہوں، اُس کے کمرے میں، اُس کا کھانا کھا سکتا ہوں، اور وہ مجھے کچھ نہیں کہے گا؟" "تم ابھی بھی اُس آدمی کو نہیں سمجھ رہی۔ وہ عام انسانوں کی طرح نہیں سوچتا۔

وہ پاگل ہے۔اور تم واقعی پاگل ہو اگر تم سمجھتی ہو کہ اُس جیسے شخص کے ساتھ رہنا ٹھیک ہے۔"

وہ چونکی، اندر ہی اندر زخمی ہو گئی۔"ارسل! تم آئندہ سے مجھ سے بات کرتے وقت احتیاط کرنا۔ میں تمہاری بے عزتی دوبارہ برداشت نہیں کروں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم یہاں کھڑی ہو کر مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہو۔"اُس کا چہرہ غصے سے بگڑا ہوا تھا، جس میں کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔

"میں تمہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش نہیں کر رہی...."

"تمہیں یہ تب سوچنا چاہیے تھا جب تم اس پاگل کی بانہوں....!"

"ارسل!"داس کی زوردار غصے سے بھری آواز کمرے کے کونے سے تیز ہوئی۔ "اپنی زبان قابو میں رکھو۔ تم نے کہا تھا کہ تم سکون سے بات کرو گے۔"

"میں سکون میں ہوں۔"وہ غصے میں چلایا۔"مجھے نہیں لگتا اس وقت کوئی اور اتنا سخی ہو گا جتنا میں ہوں۔ تمہیں کوئی اور نہیں ملے گا جو میرے جتنا بڑا دل رکھتا ہو۔"اُس نے دوبارہ اُس کی طرف دیکھا، اُس کی آنکھوں میں شکایتوں کا طوفان تھا۔"تم سارا وقت مجھ سے جھوٹ بولتی رہی۔ ہمارے تعلقات میں تم مجھے دھوکہ دے رہی تھیں..."

"نہیں، میں نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔"اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ سب کچھ راتوں رات نہیں ہو سکتا۔ کسی سے یوں اچانک محبت ختم نہیں کر سکتی۔"

"یہ ختم ہو چکا، ارسل۔ میں دوبارہ یہ بات نہیں کر سکتی، تم یہاں رہ سکتے ہو، خاص کر داس کے لیے، لیکن تم مجھے دوبارہ بے عزت نہیں کر سکتے۔ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔" ارسل کی مٹھیاں سخت ہو گئیں، اُس نے اپنی چیزیں اٹھائیں اور غصے میں لاکر روم کی طرف بڑھ گیا۔

••••••☆☆☆••••••

"میں اُس سے بات کروں گا۔" ارسل کے جانے کے بعد، داس نے بے بسی سے کہا۔ عالیانہ دکھی سے انداز میں وہاں دیکھتی رہی جہاں سے وہ غائب ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ داس کا دل دکھا تھا۔

"عنہ!" وہ اس کے پاس آیا۔ "جب میں اُس سے ملنے گیا تھا تو وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ اداس تھا، لیکن وہ پُر سکون تھا۔"

"ہاں، شاید میرا چہرہ اُس کے لیے اچھی یاد نہیں ہے۔" وہ تھکی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

داس ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ "آئی ایم سوری لیکن ارسل جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ جب میں آخری بار وہاں گیا تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ اس کا آدھا سامان خراب ہو چکا تھا۔ وہاں اتنی سردی تھی، اور وہ اکیلا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔"

وہ خاموشی سے اُس کی بات سن رہی تھی، اُس کے دل میں ہمدردی تھی، مگر دماغ میں الجھنیں۔

"مجھے سمجھ آ رہی ہے لیکن یہ سب ختم ہونا چاہیے۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

اُس نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوئی دوڑ رہا تھا، کوئی وزن اٹھا رہا تھا، تو کوئی مشق کر رہا تھا۔ ہر کسی کی نظریں کسی اور طرف تھیں۔

داس اُس کے سامنے بیٹھ گیا، نظریں اُٹھائے بغیر، دھیمی آواز میں بولا۔ "وہ تم سے اس طرح بات نہیں کر سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں اُس کے ساتھ یہ باتیں بار بار سننی پڑیں۔"

اُس نے گہری سانس لی۔ "تم اُسے یہاں لائے ہو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے صرف چار ہفتے رہ گئے ہیں، ہم پہلے ہی پیچھے ہیں۔ مجھے یہاں آ کر روزانہ ٹریننگ کرنی ہے، میں نہیں چاہتی کہ مجھے ہر وقت اُس کے رویے کی فکر ہو۔ میں نہیں چاہتی اسے نکاح والی بات بھی معلوم ہو۔ وہ ٹوٹ جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں، میں سنبھال لوں گا۔" داس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔"

داس نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ "تو کیا تم سنجیدہ تھیں؟ جب تم نے کہا کہ حیدر کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہاں ہے؟" اس نے اچانک سوال کیا۔

"ہاں، بالکل۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت اُتر آئی۔ "یہ تو عجیب بات ہے۔"

"ایک دن تمہیں پتہ چلے گا کہ حیدر اتنا برا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔"

"یا شاید ایک دن ہم تمہارے دماغ سے وہ چپ ڈھونڈ کر نکال لیں گے جو تمہیں اُس کے بارے میں ایسا سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔" داس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چپ رہو!" وہ ہنس کر اُسے ہلکا سے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"چلو اب اُٹھو، کام کا وقت ہے۔" داس اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی کھینچنے لگا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ اپنی تربیت بہت اچھے سے کر رہی تھی۔ وہ خود پر بہت محنت کر رہی تھی یہی وجہ تھی کہ کہ وہ ابھر کر باہر نکل رہی تھی۔ اس وقت کیسر اس حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ "تمہاری چوٹیں تمہاری صلاحیتوں کی بنیاد ہیں۔ اگر تم نے کبھی اپنے اندر کی طاقت کو کم کیا یا خود پر قابو کھو دیا، تو تم کمزور ہو جاؤ گی۔ ہمیشہ تیار رہنا ضروری ہے۔ اگر تم یہ کرتی رہو گی، تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکے گی۔"

"اس وقت مجھے تم سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے،" داس نے مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

"جل رہے ہو؟" اُس نے ہنستے ہوئے داس کو چھیڑا۔

"میں تمہاری طرف دیکھ بھی نہیں سکتا۔" داس نے آنکھیں پھیرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔" عالیار کمرے میں داخل ہوتا نظر آیا، اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، اُس کی نظریں سب کو دیکھتے ہوئے بھی کسی ایک پر مرکوز نہیں تھیں۔ ارسل کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے وہ سیدھا اس کے سامنے رکھے بینچ پر بیٹھ گیا۔ مجھے ہمیشہ یقین تھا کہ جب تم خود کو پہچان لو گی تو تم بے مثال بن جاؤ گی۔ "اس آنکھوں میں گہری نظریں ڈال کر بولا۔

اس کی سانس رک سی گئی۔ کیا یہ آدمی نہیں جانتا کہ سب اسے ہی دیکھ رہے ہیں؟

اس نے آخر کار اس سے نظر ہٹا کر کمرے کے باقی افراد پر نگاہ دوڑائی۔ "سب کو شام بخیر۔" اُس نے کہا اور کیسر کی طرف سر ہلایا۔ ایک حاصل قسم کی تسلیم۔

ارسل کی نظریں عالیار پر جم گئیں، اُس کی آنکھوں میں تلخی اور نفرت واضح تھی، جیسے وہ دل ہی دل میں عالیار کو نقصان پہنچانے کا سوچ رہا ہو۔ عالیانہ کے دل میں بے چینی بڑھنے لگی۔ اُس کی نظریں ارسل اور عالیار کے درمیان بار بار ہچکولے کھا رہی تھیں۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے یا کیا ہونے والا ہے۔

"ہیلو! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" معاذ کی بلند آواز نے سب کو چونکا دیا۔ وہ تربیتی کمرے میں آیا اور عالیار کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں یہاں رہتا ہوں۔" عالیار نے بھنویں اُٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تمہارا گھر ہے؟"

"کسی حد تک، ہاں۔ یہ میری رہائش گاہ ہے، میں اوپر والے حصے میں رہتا ہوں۔" عالیار نے سر ہلاتے ہوئے بتایا۔

"یہ جگہ بہت پیاری ہے۔ میں نے آج پہلی بار تمہیں یہاں دیکھا ہے۔ تم نیچے نہیں آتے؟"

"میں تب آتا ہوں جب تم سو چکے ہوتے ہو۔"

"ہاں! سب مجھے زبردستی سلا دیتے ہیں۔ آج ارسل آیا اس لیے میں جاگا ہوا ہوں۔" معاذ نے منہ بناتے ہوئے بتایا۔ "میں نے سنا کہ مجھے تم سے نفرت کرنی چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"معاذ!" عالیانہ نے اس کی طرف تنبیہ بھری نظروں سے دیکھا۔

"کیا؟" معاذ نے معصومیت سے پوچھا۔

"اگر تم چاہو تو مجھ سے نفرت کر سکتے ہو۔ تمہیں مجھ سے نفرت کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"تمہیں فرق پڑنا چاہیے! مجھے تو بہت برا لگے گا اگر کوئی مجھ سے نفرت کرے۔"

"تم ابھی بچے ہو، اس لیے۔" عالیار نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں بچہ نہیں ہوں، میں تقریباً چودہ سال کا ہوں۔" معاذ نے فخریہ انداز میں کہا۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تم بارہ سال کے ہو۔"

"میں نے کہا تھا تقریباً چودہ۔" اس نے آنکھیں گھماتے ہوئے کہا پھر وہ سوالیہ انداز میں بولا۔ "تمہاری عمر کتنی ہے؟"

کمرے میں سب کی نظریں اس مکالمے پر جمی تھیں۔ معاذ کے علاوہ کوئی بھی اس سے اتنی ذاتی گفتگو کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

عالیار نے لمحہ بھر کے لیے سوچا "میں پچیس سال کا ہوں۔"

معاذ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم ارسل اور داس سے صرف چند سال بڑے ہو! تمہارے پاس اتنی اچھی چیزیں کیسے ہیں جبکہ تم ان دونوں سے صرف چند سال بڑے ہو؟ میں کسی کو نہیں جانتا جو تمہاری عمر کا ہو اور اُس کے پاس اتنی زیادہ چیزیں ہوں۔"

عالیار نے لمحے بھر کے لیے عالیانہ طرف دیکھا، پھر معاذ کی طرف، پھر دوبارہ عالیانہ کی طرف۔ "تم اس گفتگو میں کچھ کہنا چاہتی ہو عالیانہ؟" اُس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔

"تم اُس کا نام اتنے پیار سے کیوں لیتے ہو؟ میں نے پہلے بھی کئی بار دیکھا ہے تم جس طرح اس کو پکارتے ہو یہاں پر موجود اور کسی کو نہیں پکارتے۔ تم ہر ایک سے روڈ بات کرتے ہو، سوائے اس کے۔ کیا تم اُس سے محبت کرتے ہو؟"

عالیار پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ ساکت۔ جامد۔

"کیا ہوا؟" معاذ نے معصومیت سے پوچھا۔

"کیا؟"

"کیوں؟ تمہیں عالیانہ پسند ہے؟" عالیار نے الٹا سوال کیا۔

"نہیں! وہ مجھ سے بہت سال بڑی ہے!"

"کیا کوئی اس بات چیت کو جاری رکھنا چاہتا ہے؟" عالیار نے گروپ کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تمہارے پاس اتنی ساری چیزیں کیوں ہیں؟" اُس کے لہجے میں معصومیت تھی۔ "میں بدتمیزی نہیں کر رہا، بس حیرت ہو رہی ہے۔ تمہارے پاس اتنا زیادہ کھانا ہے۔ یہاں پانی گرم ہے۔ ہمیشہ اتنا کھانا ہونا، کیا یہ بری بات ہے؟"

وہ چند لمحے کے لیے خاموش رہا، پھر معاذ کی طرف توجہ سے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "نہیں، یہ بری بات نہیں کہ تمہارے پاس ہمیشہ کھانا اور گرم پانی ہو۔"

"تو کیا تم میرے سوال کا جواب دو گے؟ تمہارے پاس یہ سب کہاں سے آیا؟" اس نے ضدی لہجے میں پوچھا۔ وہ نہیں بتانا چاہتا تھا، مگر وہ اسے ٹال بھی نہیں پا رہا تھا۔

"میں سیکٹر فائیو کا کمانڈر اور ریجنٹ ہوں۔ ہم ایک فوجی اڈے پر ہیں، اور میرا کام یہاں کے فوجیوں اور ان کے خاندانوں کی نگرانی کرنا ہے۔ مجھے اس سب کے لیے تنخواہ ملتی ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور بوجھل آواز میں کہا۔

"اوہ۔" معاذ کا چہرہ زرد پڑ گیا؛ وہ اچانک خوفزدہ لگنے لگا۔ "تم درستور کے لیے کام کرتے ہو؟"

"ارے، فکر نہ کرو، دوست۔ تم یہاں محفوظ ہو، کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔" داس فوراً مداخلت کرتے ہوئے بولا۔

ارسل نے غصے سے عالیانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ آدمی جس میں تمہیں دلچسپی ہے؟ جو بچوں کو خوفزدہ کرتا ہے؟"

عالیار نے چہرا موڑ کر ارسل جانب دیکھا۔ چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ "تم سے دوبارہ مل کر خوشی ہوئی، ارسل۔ تمہیں یہاں رہنا کیسا لگ رہا ہے؟" وہ معمول کے لہجے میں بولا۔ ارسل کا چہرہ غصے سے سرخ تھا، وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا۔

معاذ نے ایک بار پھر عالیار سے پوچھا۔ "تو کیا تم واقعی درستور کے لیے کام کرتے ہو؟" اس کی آواز بس ایک سانس کی طرح مدھم تھی، اس کی نظریں ابھی تک عالیار پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ درستور کی کہانیاں جانتا تھا۔

عالیار نے کچھ دیر کے لیے تذبذب کا مظاہرہ کیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر واپس اس کی طرف دیکھا، نظریں چرائیں، جب بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی۔ "نظریاتی طور پر ہاں۔"

"کیا مطلب؟" عالیار اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"نظریاتی طور پر سے کا کیا مطلب ہے؟" اس نے ضد سے پوچھا۔

"تم وضاحت چاہتے ہو؟ یا تمہیں 'نظریاتی طور پر' کا مطلب نہیں معلوم؟"

معاذ چند لمحوں کے لیے جھجھکا، پھر اس کا خوف مایوسی میں بدل گیا۔ اس نے ناراضگی سے چہرہ بنایا۔ "ٹھیک ہے۔ 'نظریاتی طور پر' کا مطلب کیا ہے؟"

"نظریاتی طور پر، میں درستور کے لیے کام کر رہا ہوں۔ لیکن، ظاہر ہے کہ میں ایک سرکاری فوجی اڈے پر بغاوت کرنے والے گروپ کی میزبانی کر رہا ہوں اور وہ بھی اپنے ذاتی کوارٹرز میں اور اس گروپ کو مدد فراہم کر رہا ہوں تاکہ وہ موجودہ حکومت کا تختہ اُلٹ سکیں، تو میں کہوں گا کہ نہیں، میں درستور کے لیے کام نہیں کر رہا۔ میں نے بغاوت کی ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔"

معاذ نے کافی دیر تک اُسے گھور کر دیکھا۔ "یہی 'نظریاتی طور پر' کا مطلب ہوتا ہے؟"

عالیار نے دیوار کی طرف دیکھا۔ پھر سے گہری سانس لی۔

عالیانہ دیکھ سکتی تھی عالیار اکتا رہا ہے، وہ کم گو تھا، زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا۔ کوئی اس سے اس طرح سوال نہیں کرتا تھا، وہ خود بھی نہیں۔ وہ نارمل رہنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ لبوں پر ایک تبسم سا ابھرا، جسے اس نے دبانے کی کوشش کی۔ "تو پھر تم بُرے آدمی نہیں ہو، تم ہماری طرف ہو، ہے نا؟"

عالیار آہستہ سے معاذ کی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے مڑا۔ بولا کچھ نہیں۔

"کیا ہوا؟ کیا تم ہماری طرف ہو؟"

عالیار نے پلکیں جھپکائیں۔ دو بار۔ "شاید" اُس نے کہا جیسے وہ خود اس بات پر یقین نہیں کر رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ مزید کوئی بات ہوتی، کیسر نے مداخلت کی۔ "ہمیں واپس کام پر توجہ دینی چاہیے۔ دھان نے تم سب کے لیے ٹیم سوٹ ڈیزائن کیے ہیں۔ اس نے اس پر بہت محنت کی ہے، وہ کچھ مزید تفصیلات بتانا چاہتی ہے۔"

"اوکے" داس نے پر جوش انداز میں کہا۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار عین عالیانہ کے سامنے کھڑا تھا، اس کا سر ایک جانب ذرا جھکا ہوا تھا۔ کمرے میں موجود سب کی نظریں ان دونوں پر مرکوز تھیں۔

"مجھے مکا مارو۔" اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

عالیانہ نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف چاہتا ہوں کہ تم کوشش کرو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

اس کے بازو آرام دہ انداز میں اس کے پہلو میں جھول رہے تھے۔ اُس کا انداز بہت غیر رسمی تھا۔ آج ہفتے کی صبح تھی، جس کا مطلب تھا کہ حیدر کو اپنی روزانہ کی سخت ورزش سے چھٹی تھی، سو آج اُس نے یہ وقت عالیانہ کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے ایک بار پھر سر نفی میں ہلا دیا۔

عالیار ہنس دیا۔ ایک خفیف مسکراہٹ اُس کے چہرے پر پھیل گئی۔ "تمہاری داس کے ساتھ تربیت اچھی ہے لیکن یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ تمہیں لڑنا سیکھنا ہو گا۔ تمہیں اپنے دفاع کا طریقہ آنا چاہیے۔"

"لیکن میں اپنا دفاع کر سکتی ہوں۔ میں کافی مضبوط ہوں۔" عالیانہ نے اصرار کیا۔

"طاقت بہت اچھی چیز ہے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں اگر تمہارے پاس تکنیک نہ ہو۔ اگر تمہیں زیر کیا جا سکتا ہے، تو تم مضبوط نہیں ہو۔" عالیار نے نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ مجھ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔"

"مجھے تمہاری خود اعتمادی پسند ہے۔" عالیار کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کیونکہ یہ سچ ہے۔" اُس نے فوراً جواب دیا۔

عالیار کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی۔ "جب تم نے پہلی بار میرے بابا سے ملاقات کی تھی، کیا تمہیں ابتدائی طور پر زیر نہیں کیا گیا تھا؟"

اُس کے الفاظ سن کر وہ لمحہ بھر کے لیے ساکت ہو گئی۔اس کے اندر عجیب سا خوف سرایت کرنے لگا تھا۔

جب میں نے ایلفا پوائنٹ چھوڑا تھا اور تم لڑنے نکلی تھیں، تو کیا تمہیں دوبارہ زیر نہیں کیا گیا تھا؟" عالیار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا۔

اب وہ اپنی مُٹھیاں بھینچنے لگی تھی۔

"اور جب تمہیں دوبارہ گرفتار کیا گیا تھا، میرے والد نے ایک بار پھر تمہیں زیر نہیں کیا تھا"

اس کے چہرے پر ایک غیر محسوس نرمی آئی۔"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا دفاع کر سکو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لڑنا سیکھو۔ داس بالکل صحیح تھا جب اُس نے کہا کہ تم اپنی بہادری اور طاقت کو یوں ضائع نہیں کر سکتیں۔ تمہیں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا۔ تمہاری ہر حرکت محتاط اور دانستہ ہونی چاہئیے۔ تمہیں اپنے مخالف کو ذہنی اور جسمانی دونوں طریقوں سے سمجھنا آنا چاہیے۔ لڑائی کے لیے طاقت صرف پہلا قدم ہے، جیتنے کے لیے مہارت ضروری ہے۔"

اس نے اپنا سر اٹھایا اور عالیار کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اب مجھے مکا مارو۔"

"مجھے نہیں پتہ کیسے۔" اس نے جھجھکتے ہوئے اعتراف کیا۔ عالیار نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

"کیا تم رضاکاروں کی تلاش میں ہو؟ کیونکہ اگر عالیانہ کو دلچسپی نہیں، تو میں خوشی سے تمہیں ماروں گا۔"

"داس!" اُس نے غصے سے پلٹ کر داس کی طرف گھورا، اُس کی آنکھیں تنگ ہو گئیں۔

"کیا؟" داس نے مصنوعی معصومیت سے کہا۔

عالیار نے داس کی بات کو نظرانداز کیا اور دوبارہ اُس سے مخاطب ہوا۔ "چلو! میں چاہتا ہوں کہ تم کوشش کرو۔ اپنی پوری طاقت کو استعمال کرو۔ اور پھر مجھے مکا مارو۔" اُس کی پوری توجہ عالیانہ پر تھی، جیسے کمرے میں کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

"اگر تمہیں چوٹ لگ گئی تو؟" اُس نے جھجھکتے ہوئے کہا۔

عالیار اس بار دل سے ہنسا تھا۔ اس کی گال کا ڈمپل واضح ہوا۔ "تم مجھے نقصان نہیں پہنچا سکو گی، مجھ پر بھروسہ کرو۔"

"کیونکہ تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو؟"

"نہیں! کیونکہ تمہیں ابھی تکنیک نہیں آتی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کی پیشانی پر شکنیں اُبھریں۔

اس نے اپنا مکا ہوا میں لہرایا، جیسا کہ وہ سمجھتی تھی کہ مکا مارنا ہوتا ہے، لیکن حرکت اتنی کمزور اور بے ترتیب تھی کہ وہ درمیان میں ہی رک گئی۔

عالیار نے اُس کا بازو تھام لیا اور اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "توجہ دو۔ تصور کرو کہ تم خوفزدہ ہو۔ سمجھو تمہیں گھیر لیا گیا ہے، اور تمہیں اپنی جان بچانے کے لیے لڑنا ہے۔ اپنے آپ کو بچاؤ۔ اپنے دفاع کے لیے لڑو۔"

اُس نے زیادہ شدت سے اپنا بازو پیچھے کھینچا۔ عالیار نے فوراً اُسے روک کر اس کی کہنی پکڑی اور اسے سیدھا کیا۔ "تم بیس بال نہیں کھیل رہی، مکا مارنے کے لیے بازو کو پیچھے نہیں لے جانا ہوتا اور نہ ہی اپنی کہنی کو کان کے پاس لے جانے کی ضرورت ہے۔ اپنے مخالف کو کبھی یہ مت بتاؤ کہ تم کیا کرنے والی ہو۔ ضرب اچانک ہونی چاہیے۔" اس نے دوبارہ کوشش کی۔

"میرا چہرہ یہاں ہے۔ یہاں پر۔" اس نے ٹھوڑی پر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم میرے کندھے پر مکا مارنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے دوبارہ کوشش کی۔

"بہتر... اپنے بازو پر قابو رکھو... بایاں مکا اوپر رکھو... اپنے چہرے کی حفاظت کرو..." وہ ہدایت دے رہا تھا جب عالیانہ نے پوری طاقت سے مکا مارا۔
عالیار کا چالاکی سے غیر متوقع حملہ، حالانکہ وہ سمجھ رہی تھی کہ عالیار تیار نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی رفتار برق کی سی تھی۔ وہ اس میں بھی ماہر تھا۔ اس کا ہاتھ فوراً عالیانہ

کے بازو کے گرد لپٹ گیا، اور اس نے سختی سے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ عالیانہ توازن کھو بیٹھی اور بے اختیار اس کے قریب آ گئی۔ اتنے قریب کہ وہ اس کی آفٹر شیونگ کی خوشبو سونگھ سکتی تھی۔

عالیانہ نے شرمندگی سے اوپر دیکھا۔ عالیار کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "یہ اچھا تھا، لیکن دوبارہ کوشش کرو۔" وہ دھیرے سے بولا۔

اس نے ایک اور وار کیا، لیکن عالیار نے مہارت سے اس کے مکے کو اپنے ہاتھ کی پشت سے روکتے ہوئے، اس کے بازو کو ایک طرف دھکیل دیا۔

وہ مایوس نہ ہوئی اور دوبارہ حملہ کیا عالیار نے اسی ہاتھ سے اس کا بازو پکڑ کر اسے دوبارہ اپنی طرف کھینچا اور قریب آتے ہوئے بولا۔ "کسی کو اپنے بازو اس طرح پکڑنے مت دو کیونکہ اگر کوئی ایک بار تم پر قابو پالے تو تمہاری گرفت کمزور پڑ جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسے قدرے نرمی سے پیچھے دھکیل دیا۔

اس کے چہرے پر غصے کی ایک جھلک آئی، عالیار نے فوراً اس کا اندازہ لگا لیا، وہ سر جھٹک کر دھیرے سے مسکرایا۔

"کیا تم واقعی چاہتے ہو کہ میں تمہیں چوٹ پہنچاؤں؟" عالیانہ نے تنگ نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کر سکتی ہو۔" عالیار نے بے نیازی سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے تم اس معاملے میں بہت مغرور ہو۔"

"مجھے غلط ثابت کرو۔" عالیار نے بھنویں اٹھا کر کہا۔

"پلیز میم!" اس نے ہلکا سا سر بھی جھکایا تھا۔

عالیانہ نے ایک بار پھر مکا مار، عالیار نے پھر سے اسے روکا۔ اس نے دوبارہ کوشش کی۔ اس نے ایک بار پھر اس کا وار آسانی سے روک دیا۔ اس کے بازو لوہے کی طرح مضبوط تھے۔

"یہ مکا مارنے کی تربیت ہے۔ تم بار بار میرے بازوؤں پر وار کیوں کر رہی ہو؟" عالیار نے اپنے بازو کو رگڑتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

"تمہاری اصل طاقت تمہارے ارادے میں نہیں ہوتی ہے، مکا بس
ایک اوزار ہے۔"

اس نے ایک اور وار کرنے کی کوشش کی لیکن آخری لمحے میں اس کی خوداعتمادی ڈگمگا گئی، اور وہ ہچکچاتے ہوئے درمیان میں رک گئی۔

عالیار نے اس کا بازو پکڑا کر چھوڑ دیا۔ "اگر تم ہچکچاتی ہو تو جان بوجھ کر ہچکچاؤ۔ اگر تم چوٹ پہنچانے والی ہو تو ارادے سے پہنچاؤ۔ اور اگر تم کوئی لڑائی ہارنے والی ہو تو اسے وقار کے ساتھ ہارو۔"

"میں یہ ٹھیک سے نہیں کر پا رہی۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور میرے بازو درد کرنے لگے ہیں۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"دیکھو، میں کیا کر رہا ہوں۔ میری حرکتوں پر غور کرو۔"

اس نے اپنے پیروں کو کندھوں کی چوڑائی کے برابر رکھا گھٹنے ہلکے سے موڑے، اور بایاں مکا چہرے کی حفاظت کے لیے اٹھایا، جبکہ دایاں مکا قدرے اوپر اور آگے کو کیا۔ دونوں کہنیاں اس کے سینے کے قریب تھیں۔ اس نے آہستہ سے ایک وار کیا تاکہ عالیانہ اس کی تکنیک کو سمجھ سکے۔ اس کا جسم تناؤ میں تھا، ہر حرکت قابو میں تھی۔ اس کے عضلات جانتے تھے کہ کیسے حرکت کرنی ہے کیسے لڑنا ہے۔ لڑائی کی مہارت اتفاقیہ نہیں ہوتی، یہ سالوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ عالیار کے ہلکے سے مکے نے عالیانہ کی ٹھوڑی کو چھوا۔ وہ سمجھ گئی کہ کسی کو مکا مارنا اتنا آسان نہیں جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔ کیا تم پوزیشنز بدلنا چاہتی ہو؟" عالیار نے پوچھا۔ "اگر میں تم پر وار کروں تو کیا تم دفاع کر سکتی ہو؟"

"نہیں۔"

کوشش کرو۔ تم بس دفاع کرنے کی کوشش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" اُس نے کہا، حالانکہ اُس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ خود کو بے وقوف محسوس کر رہی تھی۔

عالیار نے دوبارہ آہستہ سے اس پر وار کیا اور اس کا بازو جھٹک کر اپنے ہاتھ نیچے کر لیے اور مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔ "تم اس سے کہیں زیادہ بدتر ہو جتنا میں نے سوچا تھا۔"

اُس نے منہ بنایا۔ شرمندہ بھی ہوئی۔ "اپنے بازوؤں کا استعمال کرو۔ میرے مکے کو بلاک کرو۔ تمہیں خود کو خطرے سے دور کرنا ہے۔ اپنے جسم کو اس کے ساتھ موڑو۔ جب تم بلاک کرو تو اپنا سر بھی حرکت دو۔ تمہیں خود کو خطرے سے دور کرنا ہے۔ بس کھڑی ہو کر تھپڑ مارنے کی کوشش نہ کرو۔"

اُس نے سر ہلایا۔ عالیار نے مکا مارنے کی کوشش کی۔ اُس نے جلدی سے بلاک کیا، اُس کا بازو عالیار کے مکے سے ٹکرایا۔ زور سے۔

"پیش بندی کرنا اچھا ہے لیکن بے صبری مت دکھاؤ۔" ایک اور مکا۔

اس نے عالیار کا بازو پکڑا، اور اس کے بازو کو نیچے کھینچنے کی کوشش کی جیسے اس نے اُس کے ساتھ کیا تھا لیکن عالیار کا بازو بالکل نہیں ہلا۔ ایک انچ بھی نہیں۔ بلکل لوہے کی سلاخ کی طرح جو زمین میں دفن ہوتی ہے۔

"یہ... ٹھیک تھا۔" عالیار نے مسکراتے ہوئے اسے سراہا۔ "دوبارہ کوشش کرو۔ توجہ مرکوز کرو۔" عالیار اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"توجہ دو۔"

"میں توجہ دے رہی ہوں۔" اُس نے جھنجھلاہٹ اور غصے سے کہا۔

اپنے پاؤں پر نظر ڈالو۔ تم اپنے پاؤں کے اگلے حصے پر وزن ڈال رہی ہو۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے اگلے ہی لمحے گر جاؤ گی۔ اپنی جگہ پر جم جاؤ لیکن حرکت کے لیے تیار رہو۔ تمہارا وزن تمہارے پاؤں کی ایڑیوں پر ہونا چاہیے۔" اُس نے اس کے پاؤں کے پچھلے حصے کو ہلکی سی ٹھوکر ماری۔

"ٹھیک ہے۔" اُس نے غصے سے جواب دیا۔

عالیار نے اسے غور سے دیکھا۔ "غصے میں کبھی لڑائی مت کرو۔ غصہ تمہیں کمزور اور غیر محتاط بنا دے گا۔ یہ تمہاری توجہ کو بکھیر دے گا۔ تمہاری جبلتیں تمہیں دھوکہ دیں گی۔"

اُس نے اپنے گال کو کاٹتے ہوئے اسے گھورا۔

"دوبارہ کوشش کرو۔ پرسکون رہو۔ خود پر بھروسہ رکھو۔ اگر تمہیں یقین نہیں کہ تم یہ کر سکتی ہو تو تم کبھی نہیں کر پاؤ گی۔"

اس نے سر ہلایا، کچھ مطمئن ہو کر اُس نے خود کو سنبھالا۔

میں تیار ہوں۔" اس نے عالیار کو بتایا۔

عالیار نے مکا مارا۔ اس کا بایاں بازو کہنی پر مکمل نوے ڈگری زاویہ پر مڑا۔ اس کا بازو اتنی شدت سے عالیار کے مکے سے ٹکرایا کہ اس کی حرکت رک گئی۔ عالیار نے پہلے ہی اپنا سر

اس کے وار کی سمت سے ہٹالیا تھا۔ اس کے پاؤں عالیار کے حملے کی سمت میں مڑ گئے تھے، لیکن وہ اپنی جگہ پر مضبوط کھڑی تھی۔

عالیار کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

اس نے دوسرا مکامارا۔

اس نے ہوشیاری سے عالیار کے بازو کو فضا میں پکڑ لیا، اس کی مٹھی، عالیار کی کلائی کے گرد مضبوطی سے بند ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ عالیار سنبھل پاتا، اس نے موقعے کا فائدہ اٹھا کر اس کا توازن بگاڑ دیا۔ اس کے بازو کو نیچے کی طرف کھینچتے ہوئے، عالیار کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ تقریباً اس سے ٹکرا ہی گیا۔ اس کا چہرہ اس کے بالکل سامنے آ گیا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔ لمحے بھر کے لیے اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کرے۔ وہ عالیار کی بھوری آنکھوں میں کھو سی گئی۔

"مجھے پیچھے کو دھکا دو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ جلدی سے ہوش میں آئی، اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر اسے پیچھے کی جانب دھکیلا۔

عالیار پیچھے کی طرف لڑھکتا ہوا دیوار کے قریب جا پہنچا، اور زمین پر گرنے سے پہلے ہی خود کو سنبھال لیا۔

وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی، حیرت اور فخر کے ملے جلے جذبات سے مغلوب۔

ایک دم کسی کے سیٹی بجانے کی آواز گونجی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔

"کمال کر دیا! شہزادی!

"مجھے نہیں پتہ تھا تم میں یہ مہارت بھی ہے۔"

اس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ آدھی شرمندہ اور آدھی فخر سے بھرپور تھی۔

اس نے دوبارہ عالیار کی طرف دیکھا، وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "ویری گڈ۔ تم نے جلدی سیکھ لیا، لیکن ابھی ہمیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔" عالیار نے سر ہلاتے ہوئے اسے تاکید کی۔

اس نے آخر کار اپنی نظریں ہٹائی، جیسے ہی اس کی نظر آدھی دوری پر کھڑے ارسل پر پڑی، اس کا چہرہ کا ہر رنگ اڑ گیا۔ اس کے چہرے پر غصہ صاف جھلک رہا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

پانچ دن یوں گزر گئے جیسے وقت کی پتنگیں ہوا کے دوش پر کہیں دور اڑ گئی ہوں۔ عالیار نے ہر صبح عالیانہ کے ساتھ کام کرنا اپنا معمول بنالیا تھا۔ اپنی ذاتی ورزش مکمل کرنے اور داس کے ساتھ عالیانہ کی تربیت کے بعد، وہ دو گھنٹے صرف عالیانہ کے ساتھ گزارتا تھا، ہفتے کے ساتوں دن۔

عالیار ایک غیر معمولی استاد ثابت ہوا۔ وہ ہمیشہ صبر و تحمل اور خوش دلی سے پیش آتا۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا تھا، کبھی بھی اس بات سے پریشان نہیں ہوتا تھا کہ اسے نئ چیز

سیکھنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ وہ ہر تفصیل، ہر حرکت، ہر پوزیشن کے پیچھے کی منطق کو سمجھانے میں وقت لگاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہی ہے، اسے گہرائی میں جا کر سمجھے۔ وہ اس بات کو یقینی بناتا کہ وہ معلومات کو اندرونی طور پر جذب کرے، نہ کہ صرف اس کی حرکات کی نقل کرے۔

وہ ہمیشہ اس کے ساتھ صبر اور خوشگواریت سے پیش آتا۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا تھا۔

وہ سیکھ رہی تھی کہ کئی جہتوں میں کس طرح مضبوط ہونا ہے۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ مکامارنے کا علم اس کی زندگی میں اتنا بڑا فرق ڈال سکتا ہے۔ اپنے دفاع کی بنیادی سمجھ نے اس کے اندر بے پناہ خوداعتمادی پیدا کر دی تھی۔ اب وہ اپنے آپ سے زیادہ باخبر ہو چکی تھی۔

چلتے پھرتے وہ اپنی ٹانگوں کی طاقت کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ اپنے جسم کے انفرادی عضلات کا شعور حاصل کر چکی تھی اور جانتی تھی کہ انہیں کب اور کیسے استعمال کرنا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ اگر وہ کوئی غلطی کرے تو اس کے کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اس کے رد عمل پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہو چکے تھے، اور اس کے حواس زیادہ حساس ہو گئے تھے۔ اب وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو بہتر سمجھنے لگی تھی، خطرے کو پہچان سکتی تھی اور جسم کی زبان کے چھوٹے چھوٹے تغیرات کو بھی جان سکتی تھی جو غصے یا جارحیت کی علامت ہوتے تھے۔

اب وہ بغیر دستانے پہنے اور اپنے ہاتھ زخمی کیے بغیر چیزیں توڑنا سیکھ رہی تھی۔ عالیار نے اس کے لیے مختلف اشیاء اکٹھی کی تھیں تاکہ وہ انہیں ہدف کے طور پر استعمال کر سکے: لکڑی اور دھات کے ٹکڑے، پرانی کرسیاں اور خستہ حال میزیں، سب کچھ جس سے اس کی طاقت اور مہارت کو آزمایا جا سکے۔ داس ان چیزوں کو ترتیب دیتا اور میلیسا تربیت کے بعد جگہ صاف کرتی۔ یہ بھی ان کے لیے ایک ورزش کی طرح تھا، عالیار کی ترتیب دی ہوئی۔

شروع میں یہ تربیت بہت سخت تھی، جس کے لیے عالیانہ کو اپنے آپ پر مکمل قابو پانا پڑتا تھا، لیکن جلد ہی یہ اس کے پسندیدہ مشاغل میں سے ایک بن گیا۔ اب وہ کسی بھی چیز کو بغیر اپنے ہاتھ زخمی کیے توڑ سکتی تھی۔ کوئی بھی ہدف اس کے لیے مشکل نہ رہا تھا۔ داس کا خیال تھا کہ اسے نئی تربیت کی ضرورت ہے۔ اس وقت وہ، عالیار اور داس تربیتی کمرے میں بندوقوں والی دیوار کے پاس کھڑے تھے۔

"میں اسے باہر لے جانا چاہتا ہوں۔" وہ عالیار سے اتنی بے تکلفی سے بات کر رہا تھا کہ اسے عجیب لگا۔ "مجھے لگتا ہے کہ اسے کھلے مقام پر دوڑنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم بہت محدود ہیں۔ یہ زیادہ دیر تک نہیں بھاگ سکتی، میں نے خود اسے دیکھا تھا۔" داس کو وہ دن یاد آیا جب وہ عالیار کو یرغمال بنا کر لائے تھے۔

"تم کیا سوچتی ہو؟" عالیار نے عالیانہ کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ محفوظ ہو گا؟"

"خیر، اس سے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ کچھ ہفتوں میں تو ویسے بھی ہم خود کچھ ظاہر کر دیں گے۔"

"اچھا نکتہ ہے۔" داس مسکرانے کی کوشش کی، مگر دل سے نہیں۔

پچھلے چند ہفتوں سے ارسل بالکل خاموش تھا۔ شاید یہ خاموشی داس کی وجہ سے تھی، جس نے اسے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی، یا پھر وہ واقعی حالات کو قبول کر چکا تھا۔ وہ اور داس اکثر کونے میں بیٹھ کر بات کرتے تھے۔ وہ ان دونوں کے چہروں کے تاثرات پر غور کرتی رہتی۔ کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ غلط ضرور تھا۔ وہ دونوں کچھ چھپا رہے تھے۔ عالیانہ نے کئی بار ارسل سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بات نہیں کرتا تھا۔ اگر وہ کسی سے بات کر رہا ہوتا اور عالیانہ قریب آتی تو فوراً وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا۔ کبھی راستے ٹکراتے تو اجنبیوں ہی طرح راستہ بدل دیتا۔ کبھی نظریں ملتیں تو نظریں پھیر لیتا۔ اس سب کے علاوہ کمزور دکھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے ہی رنگت زرد پڑنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کے نیچے حلقہ ہلکے ہلکے نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ وہ واقعی بدل گیا تھا۔ وہ ارسل جو خوبصورت ہوا کرتا تھا، وہ ارسل جو اس کا پہلا دوست تھا، وہ ارسل جس نے اس کے لیے اپنی جان پر کھیل کر بغاوت کر دی تھی، وہ ارسل جو اس کی وجہ سے مر جانے والا تھا، وہ ارسل جو اسے دیکھ کر مسکراتا تھا، وہ ارسل جو داس کے مزاحیہ باتوں پر مسکرا دیا کرتا تھا، وہ ارسل جو ہمیشہ ہشاش بشاش اور وجیہہ دکھتا تھا، وہ ارسل جس کی ظاہری حالت اتنی پرکشش تھی کہ ہر

نظر اس پر ٹھہر جاتی تھی، وہ والا ارسل کہیں کھو گیا تھا۔ اب جو ارسل یہاں موجود تھا ،اس کی وہ چمک ماندھ پڑھ گئی تھی۔ اس کا لباس عام سا ہوتا تھا۔ اس کے بال الجھے ہوئے ہوتے تھے۔ اس کی رنگت زرد پڑھ چکی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ رہے تھے۔ وہ کمزور ہو گیا تھا، لیکن خوبصورت وہ آج بھی تھا، پرکشش وہ آج بھی تھا، اس کا دوست وہ آج بھی تھا۔ اس نے کئی بار داس سے کہا کہ وہ اس سے کہے کہ وہ اپنا خیال رکھے لیکن کوئی بدلاؤ نظر نہ آتا۔ اسے خود ہی کچھ کرنا تھا۔ اسے خود ہی ارسل سے بات کرنی تھی۔ اسے ہمت کرنی تھی، وہ زیادہ دیر تک اس سے ناراض نہیں رہ سکتی تھی۔

معاذ مستقل عالیار سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ معاذ ایک تجسس بھرا بچہ تھا، اور عالیار اپنی قدرتی خاموش طبیعت کی وجہ سے اس کے سوالات کا سب سے بڑا ہدف بن جاتا تھا۔ ان دونوں کی بات چیت باقی سب کے لیے تفریح کا سامان ہوتی۔ وہ اس کے ذاتی سوالوں سے اکتا بھی جاتا تھا، وہ اس کے چہرے کے بگھڑے زاویوں کو دیکھ سکتی تھی، اور وہ اس منظر کو بہت پسند کرتی تھی۔ اسے یہ بگھڑے تاثروں والا، ضبط سے بیٹھا عالیار بہت پسند تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ سختی کیوں نہیں برتتا تھا۔ عالیانہ کے ایک بات پوچھنے پر اس نے بتایا کہ معاذ اسے للی کی یاد دلاتا ہے۔ اگر وہ صحت یاب ہوتی تو بلکل معاذ کی طرح ہوتی۔

معاذ بلا جھجک سوالات کرتا تھا، اور عالیار سے بات کرتے وقت اس میں وہ دلیری ہوتی تھی جو یہاں موجود کسی اور میں نظر نہیں آتی تھی۔

اصل میں سب عالیار سے معاذ کی طرح بات کرنا چاہتے تھے، مگر اس کی سنجیدہ اور تیکھی شخصیت کے باعث زیادہ تر لوگ محتاط رہتے۔ عالیار بات کم کرتا تھا، مگر جب کرتا تو اگلے کو لاجواب کرنا اس کے مزاج کی خاصیت تھی۔

میلیسا اکثر کہا کرتی تھی کہ عالیار بات 'کرتا' نہیں، سامنے والے کو 'بات مارتا' ہے۔" اس کی بات پر عالیانہ ہنس دیتی۔ سیم کہا کرتا تھا کہ وہ ایک کھڑوس باس کی طرح ہے، جس کا کبھی منہ سیدھا نہیں ہوتا۔

سیم تو باقاعدہ عالیار کے چلنے، بات کرنے، پیشانی پر بل ڈالنے، اور غصے میں بولنے کی نقل اتارتا تھا۔ ایک بار تو وہ اپنی اداکاری میں پکڑا بھی گیا۔

سیم نے ایک دن گروپ کے سامنے عالیار کی نقل اتارنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ پیٹھ دروازے کی طرف کیے لفٹ کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا۔ سب لوگ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ داس نے ایکشن کہا اور سیم کی اداکاری شروع ہوئی۔

سیم نے گردن اونچی کی، اکڑنے والے انداز میں کندھے پھیلائے، اور چہرے کو حد سے زیادہ سنجیدہ بنالیا۔ مصنوعی وقار کے ساتھ قدم اٹھاتا، وہ گروپ کے قریب آیا اور سب کو ایک کھا جانے والی نظر سے دیکھا۔ پھر وہ عالیانہ کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔ سب ایک ساتھ ہنس دیے۔ وہ بھی ہنس دی۔ عالیانہ کو دیکھ کر عالیار کے لبوں پر آنے والی بے اختیار مسکراہٹ کو عالیار کے علاوہ سب نوٹ کرتے تھے۔ قہقہوں کے بیچ اس نے دیکھا کہ گروپ کا چہرا ایک دم بدلا ہے، لیکن پھر بھی اس کا جوش کم نہ ہوا۔ اس کو لگا داس

اور میلیسا اسے اشارہ کر رہے ہیں، پھر اسے لگا کہ وہ شاید اسے ڈسٹریکٹ کر کے ہنسانے کی کوشش کر رہے ہیں، سو اس نے انہیں نظر انداز کیا۔" عالیانہ! یہ کمانڈر تمہیں دیکھ کر ہمیشہ مسکراتا کیوں ہے۔ ہمیں تو کھا جانے والی نگاہوں دیکھتا ہے۔" اس نے پوچھا، لیکن جلد ہی اسے محسوس ہوا کہ عالیانہ اسے نہیں دیکھ رہی، وہ تو اس کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہی ہے۔ اس نے گروپ کو دیکھا وہ بھی اس کے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

سیم نے ان کی نظروں کی سمت دیکھا، اور تقریباً گرتے گرتے بچا۔ سامنے عالیار کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ کوٹ جس سے جھلکتی سفید شرٹ کے سامنے کے دو بٹن کھلے ہونے کی وجہ سے اس کی کارکربون اور گردن میں پہنی زنجیر واضح دکھ رہی تھی۔ بال جیل سے ایک جانب سمٹے ہوئے تھے۔ وہ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے، آنکھیں چھوٹی کیئے سیم کو گھور رہا تھا۔

" جو پوچھنا چاہتے ہو، براہ راست مجھ سے پوچھ لو؟" اس نے اسے ایسی گھوری سے بخشا کہ اس کا دل چاہا وہ اس سے بھی نچلی منزل میں دھنس جائے۔ سیم کے علاوہ باقی سب نے اس کو انجوائے کیا تھا۔

اس کے علاوہ، باقی سب بھی اپنی اپنی جگہ پر بہتر ہو رہے تھے۔ اشعل اور دھان اپنی بہترین حالت میں واپس آ چکے تھے۔ کیسر اچھے مزاج میں نظر آ رہا تھا۔ میلیسا، جو خود

میں ہی مگن رہنے والی لڑکی تھی۔چونکہ یہاں کوئی مریض نہیں تھا تو وہ بھی تربیت کرتی۔وہ اور سیم ایک دوسرے کی صحبت میں سکون محسوس کرنے لگے تھے۔

••••••☆☆☆••••••

"آج مجھے للی سے ملنے جانا ہے۔" یہ جملہ ان کے دن کا آغاز تھا۔

عالیار اپنے آفس سے باہر آیا تو بال بکھرے ہوئے تھے، بھوری آنکھوں میں الجھن کی جھلک تھی۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی، شرٹ کے پہلے دو بٹن کھلے تھے۔وہ پوری طرح بکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا مجموعی تاثر کسی ایسے شخص کا سا تھا جو رات بھر سو نہ سکا ہو۔پچھلے چند دنوں سے وہ بہت الجھا ہوا رہتا تھا۔خاص طور پر جب وہ ملیک سے ملتا تھا،اس کے بعد۔وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کی زندگی میں کیا چل رہا ہے، لیکن وہ سمجھتی تھی کہ وہ یہ سوال پوچھنے کا حق نہیں رکھتی۔بدتر یہ کہ اسے معلوم تھا، اگر وہ کچھ پوچھتی بھی، تو عالیار اسے کچھ نہیں بتاتا۔

وہ قربت جو کبھی ان کے درمیان ہوا کرتی تھی، اب ختم ہو چکی تھی۔سب کچھ جس تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھ، اچانک تھم گیا تھا۔

ہر جذبہ جیسے رک سا گیا تھا۔خیالات اور جذبات جیسے منجمد ہو چکے تھے۔دونوں کے درمیان بہت سا فاصلہ آ گیا تھا۔

لیکن اسے اُس کی کمی محسوس ہوتی تھی۔وہ ہر روز اس کے سامنے ہوتا، ان کی روز کی تربیت اور کام کا معمول جاری رہتا، مگر وہ سب کچھ محض ایک رسمی تعلق تک محدود ہو گیا

تھا۔اس کو ان کی بے تکلف گفتگو یاد آتی تھی، وہ لمحے جب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا کرتا تھا، اسے اس کی وہ کھلی مسکراہٹیں یاد آتی تھیں جو دل کو گرماتی تھیں۔

وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی، مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے، اور اگر بات شروع کرے تو کیا بات کرے۔

"آج کیوں...؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"آج اس کی سالگرہ ہے۔" عالیار نے طویل خاموشی کے بعد جواب دیا۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا، نظریں جھکائے، اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"اوہ!" اس کے دل میں درد کی لہر سی اٹھی تھی۔عالیار گود میں پڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔"تم داس کے ساتھ باہر کی مشق کرنا چاہتی تھیں۔میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔میں تمہیں غیر منظم علاقے میں چھوڑ دوں گا، اور واپسی پر پک کر لوں گا۔ٹھیک ہے؟"

"ہاں! ٹھیک ہے۔"

عالیار کی آنکھیں اب بھی بے توجہ اور ادھوری تھیں۔وہ دیوار کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے وہ ایک کھڑکی ہو۔

"عالیار!" اس نے اسے پکارا۔

"جی!" اس نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا۔

"تم اس سے ملنے پر خوفزدہ ہو رہے ہو؟" اس نے گہری سانس لی اور تکان سے بھری سانس خارج کی۔

"مجھے کبھی نہیں پتہ ہوتا کہ جب میں اس سے ملنے جاتا ہوں تو کیا امید رکھوں۔ وہ ہر بار مختلف ہوتی ہے۔" اس کی آواز مدھم، ٹوٹی ہوئی اور زخمی تھی۔

" کبھی وہ اتنی نشے میں ہوتی ہے کہ بالکل بھی حرکت نہیں کرتی۔ کبھی اس کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور وہ بس کھڑکی سے باہر گھورتی رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی..." اس نے چند لمحے توقف کیا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔ "وہ بلکل ٹھیک ہوتی ہے، بس وہ مجھے دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ مجھے پہچانتی بھی نہیں۔"

اس کا دل مروڑ کھانے لگا۔

"میں نے کچھ دن پہلے اسے کیفین دینے سے منع کر دیا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے... بہت زیادہ۔ ملیک روزرات کو اس کی نازک حالت کے بارے میں بتاتا ہے۔ مجھے سن کر اتنی تکلیف ہوتی ہے تو دیکھ کر کیا ہو گا؟ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں نہیں دیکھ پاؤں گا۔ یہ احساس کہ وہ میری وجہ سے تکلیف میں ہے، مجھے تکلیف دے رہا ہے۔ لیکن عالیانہ!" اس نے گہری زخمی سانس لی اور نظریں اٹھا کر سامنے کھڑی عالیانہ کو دیکھا۔

"میں یہ سب اسے ٹھیک کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں، وہ ٹھیک ہو جائے۔ میں چاہتا ہوں وہ پھر سے مجھے بھائی کہے۔ میں چاہتا ہوں وہ دوبارہ مجھ سے

ویسی باتیں کرے جیسے وہ پہلے کیا کرتی تھی۔ میں اسے بہت مس کرتا ہوں عالیانہ!" اس نے زخمی سے انداز میں کہا۔

"Lilly is all i have!"

اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔ "للی ہی میرا سب کچھ ہے۔ میرے پاس صرف وہی بچی ہے، اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اگر میں نے اسے بھی کھو دیا تو میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گا۔ میں کھو جاؤں گا۔ میں اسے تکلیف نہیں دینا چاہتا، میں بس اس کا علاج کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ شاید اندر ہی اندر خود کو اس کی تکلیف کا الزام دے رہا تھا۔

"جب بھی میں اس سے ملنے جاتا ہوں، وہ تکلیف میں ہوتی ہے۔ یہ اتنی بار ہو چکا کہ اب مجھے اس تکلیف کا عادی ہو جانا چاہیے، پر نہیں ہر بار پہلے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے، ہر بار نئے انداز سے تکلیف ہوتی ہے۔" وہ آہستہ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھی۔ اس کی گود میں رکھے داہنے ہاتھ کو تھاما۔ عالیار نے بے اختیار نظر اٹھا کر پہلے عالیانہ کو دیکھا پھر اس کے ہاتھ کو جس سے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پھر دوبارہ نگاہیں سامنے پھیر لیں۔

"یہ اچھا ہے کہ تم اس سے ملنے جاتے ہو۔ یہ ضروری ہے۔" وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ تھپتھپانے لگی۔

"میرے جانے سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ مجھے پہچانتی ہی نہیں ہے اور اگر پہچان بھی لے تو وہ مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہے۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"مجھے نہیں لگتا میرا جانا ضروری ہے۔"

"ضروری ہے۔"

"کیسے؟" وہ اب اس کی طرف دیکھ رہا تھا، آنکھوں میں الجھن کا سایہ واضح تھا۔

"کیونکہ اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس کر سکے کہ تم اس کے کمرے میں ہو، تو تم نے اسے بہت قیمتی تحفہ دیا ہے۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش نہیں ہے۔ وہ جانتی ہے کہ تم وہاں ہو۔ چاہے وہ اسے ہمیشہ ظاہر نہ کر سکے، لیکن وہ جانتی ہے کہ تم وہاں ہو۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ اس کے لیے بہت معنی رکھتا ہو گا۔"

"تم نے بہت خوبصورت بات کہی ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی انگھوٹھی کو گھمانے لگا۔

"میں سچ میں یہی مانتی ہوں۔"

"جانتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ تم سنجیدہ ہو۔"

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے، وہ عالیار کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہی۔ اس نے کہا تھا یہ انگھوٹی اس کی ماں نے اسے دی تھی۔ کیا یہ اس کی ماں کے بارے میں سوال پوچھنے کے لیے مناسب وقت ہو گا۔

"تو یہ انگوٹھی تمہیں تمہاری ماں نے دی تھی؟" انگوٹھی پر گھومتے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔ وہ ساکت ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا دل تیز دھڑکنے لگا ہے۔

"ہمم؟" وہ آہستہ سے بولا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں لیے اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کی۔" یہ والی۔"اس تر مری کی انگوٹھی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جو وہ ہمیشہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنے رکھتا تھا۔ وہ اسے کبھی نہیں اتارتا تھا۔ نہ نہاتے وقت، نہ سوتے وقت، کبھی بھی نہیں۔اس نے بہت آہستہ سے سر ہلایا۔

"لیکن... تم اس کے بارے میں بات کرنا پسند نہیں کرتے۔"اُس نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ جب آخری بار انگوٹھی کا ذکر کیا تھا تو اس نے جواب نہیں دیا تھا۔

طویل لمحے خاموشی میں گزر گئے، پھر اُس نے بہت دھیرے سے بولنا شروع کیا۔

"مجھے کبھی تحائف وصول کرنے کی اجازت نہیں تھی، کسی سے بھی۔ میرے بابا کو تحائف کا خیال سخت ناپسند تھا۔ وہ سالگرہ کی تقریبات اور تہواروں سے نفرت کرتے تھے۔انہوں نے کبھی کسی کو اجازت نہیں دی کہ کوئی مجھے کچھ دے، میری ماں کو بھی نہیں۔ان کا کہنا تھا کہ تحفے قبول کرنے سے میں کمزور ہو جاؤں گا۔ان کا ماننا تھا کہ تحفے مجھے دوسروں پر انحصار کرنا سکھائیں گے۔"ایک لمحے کا توقف۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"تو ہم ایک دن چھپ رہے تھے، میری ماں اور میں۔"اس کی نظریں سامنے تھیں، کہیں دور ماضی میں گم۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ خود سے بات کر رہا ہو۔"وہ میری پندرھویں سالگرہ تھی۔ میں نے اپنی ٹریننگ چھوڑ کر اپنی بیمار ماں کے ساتھ وقت گزارا۔ میں کم از کم اپنی زندگی کا ایک دن اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا تھا۔ بابا کو چھٹی کرنا پسند نہیں تھا، خاص طور پر ماں یا للی کے لیے۔ انہیں لگتا تھا کہ جذبات انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں، رشتے

انسان کو کمزور بنا دیتے ہیں۔ تو... " اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ " مجھے اپنی غلطی کی سزا ملنی تھی۔ ہر غلطی کی سزا دس کوڑے تھے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ دس کوڑوں کے لیے میں بہت چھوٹا تھا؟"

اس نے زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔ عالیانہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی، وہ خود ہی بول پڑا۔ " شاید نہیں۔ لیکن ماں کو لگتا تھا کہ میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ ماں تھیں نہ... ماؤں کو اولاد کی ذرا سی بھی تکلیف بھی پہاڑ جتنی لگتی ہے۔ میں نے انہیں بارہا بتایا کہ ان کا بیٹا بہت بہادر ہے۔ میں نے کہا کہ ان کے بیٹے میں سمندر جتنا ضبط ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس تکلیف کی عادت ہے، کہ یہ دس کوڑے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن میں نے کہا نہ وہ ماں تھیں۔ وہ میرے لیے پریشان تھیں۔"

اس کی آواز مدھم اور جذبات سے عاری ہوتی جا رہی تھی۔ " ماں مجھے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے یاد ہے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ مجھے یاد ہے کیونکہ میں ان ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان ہاتھوں کو، جنھوں نے مجھے اپنے سینے سے لپٹایا ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ گزرے لمحوں کی یادیں اسے جکڑنے لگی تھیں۔

" میں نے اپنی زندگی میں زیادہ زیورات نہیں دیکھے تھے۔ ماں نے مجھے انگوٹھی کی طرف دیکھتے پایا اور شاید مجھے مصروف رکھنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتی تھیں کہ میں کسی اور چیز

میں مشغول ہو جاؤں، شاید مجھے خوف سے بچانے کے لیے۔ حالانکہ میں توان کے لیے خوفزدہ تھا۔"

"پھر انہوں نے مجھے ایک کہانی سنائی۔ ایک لڑکے کی کہانی، جس کی آنکھیں بے حد بھوری تھیں۔ ایک آدمی ان کی بھورائیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اُس نے دنیا بھر میں ایک ایسا پتھر تلاش کیا، جو انہی آنکھوں کی رنگت کا ہو۔" اس کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی جا رہی تھی، اتنی ہلکی کہ سننا مشکل ہو رہا تھا۔ "ماں نے کہا کہ وہ لڑکا میں تھا، اور یہ انگوٹھی اسی پتھر سے بنی تھی۔ اُس آدمی نے یہ انگوٹھی ماں کو دی تھی تا کہ ایک دن وہ اسے مجھے دے سکیں۔ یہ میری سالگرہ کا تحفہ تھا۔"

وہ کچھ دیر رکا، پھر گہری سانس لی۔ "پھر انہوں نے انگوٹھی اتاری اور میرے انگوٹھے میں پہنائی۔ انہوں نے کہا، اگر تم اپنے دل کی حفاظت کرو گے اور اپنے جذبات کو ظاہر نہیں کرو گے، تو کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

اس کی نظریں اب دیوار پر مرکوز تھیں، بے تاثر۔ اس کی آنکھوں میں آنسو پیچھے کی جانب بہہ رہے تھے۔

"یہ واحد تحفہ ہے جو کبھی کسی نے مجھے دیا ہے، اور یہ میری ماں کے ساتھ میری آخری سالگرہ تھی۔ اس کے بعد ماں چلی گئیں۔ ہمیشہ کے لیے۔"

••••••☆☆☆••••••

دن بھر عالیانہ کو ایک عجیب سا احساس رہا۔ دل پر جیسے کوئی بوجھ تھا۔ داس خوش تھا کہ وہ بیس کے باہر جا رہے تھے۔ باقی سبھی لوگ حسد کر رہے تھے کہ انہیں یہ موقع کیوں نہیں ملا۔ اس کو بھی خوش ہونا چاہیے تھا، جوش و خروش سے بھرا ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے باوجود ایک بے چینی اس کے دل کو جکڑے ہوئے تھی۔

اس کا ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ عالیار کی کہانی تھی، جو اس کے دماغ سے نکلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ بار بار عالیار کو ایک چھوٹے، خوفزدہ بچے کے روپ میں تصور کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ آج عالیار کہاں جا رہا ہے، نہ ہی کوئی کسی کو اس کی اندرونی کشمکش کا پتہ تھا۔ وہ اپنی باتوں اور اعمال پر مکمل قابو رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح پر سکون اور محتاط نظر آ رہا تھا۔

عالیار پہلے ہی داس کو باہر نکلنے کے راستے کے بارے میں تلقین کر چکا تھا۔ اب وہ دونوں ایک شوٹنگ رینج سے گزر رہے تھے۔ یہ جگہ بندوقوں کی پریکٹس کے لیے مختص تھی، جہاں دور نشانے کے اہداف رکھے گئے تھے۔ فی الحال یہ جگہ سنسان تھی، جو عالیار کے ذاتی پریکٹس رومز میں سے ایک تھی۔

سامنے ایک دروازہ تھا۔ داس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

ان دونوں نے باہر عالیار سے ملنا تھا۔ عالیار داس کو باہر نکلنے کے راستے کے بارے میں تلقین کر چکا تھا۔ اب وہ دونوں ایک شوٹنگ رینج سے گزر رہے تھے۔ یہاں بندوقوں

کے اسٹیشن تھے اور دور نشانہ لگانے کے لیے اہداف رکھے ہوئے تھے۔ فی الحال یہ جگہ سنسان تھی، یہ عالیار کے پریکٹس رومز میں سے ایک کمرہ تھا۔ آگے ایک دروازہ تھا۔ داس نے دروازہ کھولا۔

دروازے کے دوسرے پار ایک وسیع اسٹوریج فیسلٹی اُن کے سامنے تھی۔ یہ جگہ بے حد بڑی تھی، کم از کم چار سو فٹ چوڑی اور دگنی اونچائی کی۔ اُس نے اپنی زندگی میں کبھی ایک ساتھ اتنے زیادہ باکسز نہیں دیکھے تھے۔ نہ ہی اُسے معلوم تھا کہ ان میں کیا ہے، اور سوچنے کا وقت بھی نہیں تھا۔

داس بڑی تیزی سے اُسے بھول بھلیوں میں گھسیٹ رہا تھا۔

الیکٹریکل کیبلز اور بھاری سامان کو اٹھانے کے لیے استعمال ہونے والی مشینری سے بچتے ہوئے، وہ دونوں بڑی مہارت سے مختلف سائز کے باکسز کے بیچ سے گزرتے رہے۔ ہر طرف قطار در قطار شیلفس اور راستے تھے، جو حصوں میں تقسیم تھے۔ ہر راہ اور شیلف کو لیبل کیا گیا تھا، مگر قریب جا کر پڑھنے کا موقع نہیں تھا۔

جب وہ اسٹوریج روم کے اختتام پر پہنچے، تو وہاں دو بڑے دروازے تھے، تقریباً چالیس فٹ کے، جو باہر کی طرف کھلتے تھے۔ یہ لوڈنگ زون ٹرکوں اور ٹینکوں کے لیے مخصوص تھا۔ داس نے اس کا بازو پکڑ لیا، اور وہ تیزی سے چلتے ہوئے قریب سے باہر نکل آئے۔

وہ ٹرکوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے، یہاں تک کہ آخر کار اس جگہ پہنچے جہاں انہیں عالیار سے ملنا تھا۔

اور اپنی بات کے مطابق وہ وہیں تھا۔ ایک ٹینک کے ساتھ ٹیک لگائے، اس پوزیشن میں کھڑا تھا کہ وہ ان دونوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سیاہ شرٹ۔ سیاہ کوٹ۔ سیاہ پینٹ۔ سیاہ ہی جوتے۔ بال ایک طرف سمٹے ہوئے۔ وہ واقعی بے عیب تھا۔ خوبصورت بھی۔ پرکشش بھی۔ وہ اردگرد دیکھتے ہوئے لوڈنگ یونٹس کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے پاس سے گزرتے سپاہیوں اسے دیکھ کر سر ہلا کر سلام کر رہے تھے۔

ٹینک کے دونوں دروازے کھلے تھے۔ وہ دونوں پیچھے کی جانب سے چھپتے چھپاتے آئے اور مسافر سیٹ پر بیٹھ گئے۔ کسی کو بھی خبر نہ ہوئی، عالیار کو بھی نہیں۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلا۔ نہ ہی اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر عالیار کو اپنے آنے کا بتاتی، عالیار ٹیک چھوڑ کر تیزی سے مسافر سیٹ کی جانب بڑھا۔ "اپنے بازو سنبھالو۔" اس نے اس کو دیکھے بغیر کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ دوسری طرف سے ٹینک میں بیٹھا اور ٹینک چلانا شروع کر دیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم پہنچ گئے ہیں؟ کیا تمہاری پیچھے کی طرف بھی دو خفیہ آنکھیں ہیں؟" داس نے فوراً پوچھا۔

اس کی نظریں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں۔ "نہیں! میں لوگوں کی موجودگی کو محسوس کر سکتا ہوں۔ حاصل طور پر اُس کی۔" اس کی مطلب عالیانہ کی۔

"واقعی؟ میں تمہیں کیسا محسوس ہوتا ہوں؟ گلاب کی پنکھڑی جیسا؟" عالیار کے چہرے پر کوئی تاثر نہ ابھرا۔ البتہ اس نے ذرا سا جھک کر نیچے سے کچھ اٹھایا۔ نظریں اب بھی سامنے ہی تھیں۔

داس نے گلا صاف کیا۔ "عنہ! میرے خیال میں تمہیں اپنی جگہ بدل لینی چاہیے۔"

"کیوں؟"

"مجھے لگتا ہے تمہارا بوائے فرینڈ مجھے چھیڑنے کی کوشش رہا ہے۔"

"تم اپنے بارے میں بہت خوش فہمی کا شکار ہو۔" عالیار نے سنجیدگی سے کہا اور اسے گھورا۔

"عنہ! میرے ساتھ جگہ بدل لو۔ یہ مجھے ایسا محسوس کروا رہا ہے جیسے یہ مجھے چھرا گھونپنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے ایک لمبی سانس لی اور جگہ تبدیل تبدیل کی کوشش کی۔ مگر یہ مشکل تھا۔

"اوہ! عنہ! تمہاری کہنی ٹھیک میرے چہرے پر لگی ہے۔"

"معاف کرنا!" وہ اس کے گھٹنے کے اوپر سے ہوتی ہوئی عالیار کے ساتھ بیٹھی۔

"ہٹ جاؤ۔ خدا! تمہارا وزن کتنا ہے؟"

اس نے ایک ہی دفعہ میں حرکت کی، اور اسے ہلکا سا دھکا دیا تاکہ وہ جگہ بدل سکے۔ اس کا سر جا کر عالیار کی کندھے کے ساتھ لگا۔ وہ فوراً سیدھی ہو گئی، اتنی شرمندہ کہ حساب ہی نہیں۔

اُس کا دل چاہا کہ داس کو ناک پر گھونسا دے مارے۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

جیسے جیسے وہ غیر منظم علاقے کے قریب پہنچے، منظر بدلنے لگا۔ سادہ، بے نشان نیم پختہ راستے پرانے دور کی گلیوں کی جگہ لے رہے تھے۔ وہ رنگ جو کبھی گھروں کو رنگین دکھاتے تھے، اب ختم ہو چکے تھے۔

پھر ایک محسوس جگہ پر عالیار نے ٹینک روکا۔ وہ باہر نکلا اور دوسرے دروازے کی طرف آیا۔ اس نے ظاہر کرایا کہ اس نے کسی مسئلے کا اندازہ لگانے کے لیے یہاں ٹینک روکا ہے۔ صرف اس صورت میں اگر کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ ویسے تو ارد گرد کوئی نہیں تھا، مگر وہ محتاط رہتا تھا۔ اسے محتاط رہنا سکھایا گیا تھا۔

داس نے جلدی سے باہر چھلانگ لگائی۔ عالیانہ ابھی بھی وہیں تھی۔ اس نے اترنے سے پہلے وہیں بیٹھے بیٹھے عالیار کا پہلو میں گرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کی انگلیاں عالیار کے ہاتھ کے گرد مضبوطی سے لپٹ گئیں۔ عالیار کی نظریں فرش پر جمی تھیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ایک ہمدردی۔ ایک امید۔ ایک دلاسہ۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ بس زمین کو دیکھتا رہا۔

"تم جلدی واپس آؤ گے؟"

"ہاں! ڈیڑھ گھنٹے میں۔ اتنا وقت کافی ہو گا؟"

"ہاں۔"

"گڈ! پھر میں تمہیں یہیں ملوں گا، اسی جگہ پر۔"

"ٹھیک ہے۔"

کچھ دیر کے لیے دونوں خاموش رہے۔ اُس نے عالیار کا دونوں ہاتھوں میں پکڑا ہاتھ زور سے دبایا۔ عالیار پہلی بار زخمی سا مسکرایا، اور سر جھکا لیا۔

وہ کھڑی ہوئی۔ عالیار اُسے گزرنے کے لیے راستہ دیتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔ جب وہ اُس کے قریب سے گزری، تو اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، ہلکا سا تھپتھپایا۔ ایک یاد دہانی کہ میں تمہارے لیے موجود ہوں۔ کچھ پل وہ اپنی جگہ کھڑا رہا، وہ اس رویے کا عادی نہیں تھا۔

محبت تو وہ پہلے بھی اس سے کرتا تھا، لیکن جب سے وہ اس کی بیوی بنی تھی، محبت مزید بڑھ گئی۔ عقیدت بڑھ گئی۔ وہ اس کا عادی ہونے لگا تھا۔ اسے اس کی عادت ہونے لگی تھی اور عادتیں بھولانے میں سالوں لگ جاتے ہیں۔ سب ٹھیک ہونے کے بعد وہ چلی جائے گی، یہی پہلے دن سے طے تھا۔ وہ چلی گئی تو اس کا کیا ہو گا؟ اس نے سن ہوتے دماغ میں آتے خیالات کا جھٹکا اور واپس ٹینک میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔

••••••☆☆☆••••••

داس اور اُس کی تربیت کا سیشن نیم کامیاب رہا تھا، زیادہ تر وقت یہ طے کرنے میں گزرا کہ اُنہیں کہاں کھڑا ہونا چاہیے۔ اب وہ دونوں تھکے ماندے اور مایوس کھڑے تھے، کیونکہ اُن کی کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی تھی، اور وہ بالکل اُسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں عالیار نے اُنہیں اتارا تھا۔ اس کے آنے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔

" کبھی تمہیں پرانا وقت یاد آتا ہے داس؟"

داس کا پاؤں کیچڑ سے لپٹا ہوا تھا۔ وہ ایک پاؤں پر کھڑا تھا، اپنے چمڑے کے جوتے سے کیچڑ صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جب اس نے سر اٹھا کر عالیانہ کی طرف دیکھا اور ماتھے پر بل ڈالے۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا یاد کرتی ہو، عنہ، لیکن پرانا وقت اس وقت سے زیادہ بہتر نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟"

داس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا "تم اپنی پرانی زندگی کے بارے میں کیسے یاد کر سکتی ہو؟ تم نے خود کہا تھا کہ تمہیں اپنے والدین کے ساتھ گزاری زندگی سے نفرت تھی، تم نے کہا تھا کہ وہ ظالم تھے۔"

اس نے رخ موڑ کر داس کو دیکھا۔ "وہ تھے، لیکن پھر بھی ایسی کچھ چیزیں ہیں جو مجھے یاد کرنا اچھا لگتا ہے۔ کچھ اچھے لمحے، درستور کے اقتدار میں آنے سے پہلے۔ وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو مجھے خوشی دیتی تھیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے داس کی طرف دیکھا۔

داس نے سوالیہ انداز میں بھنویں اٹھائیں۔"جیسے؟

"دوپہر میں آئس کریم والے کی آواز؟"عالیانہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔"وہ ڈاکیا جو خط بانٹتا تھا۔میں شام کو کھڑکی کے پاس بیٹھ کر لوگوں کو کام سے گھر آتے دیکھتی تھی۔"

داس نے گہری سانس لی۔"ہمم۔"

"تمہیں ایسا نہیں لگتا؟"اس نے پھر سوال کیا۔

داس نے اپنی جوتی کا معائنہ کیا جو اب کیچڑ سے صاف ہو چکی تھی۔"پتہ نہیں، بچی۔وہ آئس کریم والے کبھی میرے محلے میں نہیں آئے۔میری دنیا تھکی ہوئی، نسل پرست اور انتہائی غیر مستحکم تھی۔ایسی دنیا جو کسی بھی گھٹیا حکومت کے قبضے کے لیے تیار تھی۔ہم پہلے ہی تقسیم شدہ تھے، فتح آسان تھی۔"اس نے تکان سے بھری سانس لی ۔"بہرحال، میں دس سال کی عمر میں یتیم خانے سے بھاگ گیا تھا، اس لیے مجھے وہ چھوٹی خوشگوار باتیں یاد نہیں ہیں۔"

اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔"تم یتیم خانے میں رہتے تھے؟"اس کی آواز میں کھنچاؤ آیا۔

داس سر ہلاتے ہوئے ہنسا"ہاں، ان سیکٹرز کے بننے سے پہلے ایک سال تک میں سڑکوں پر رہتا رہا، یہاں تک کہ کیسر نے مجھے پا یا۔"

"کیا؟" "تم نے اتنے وقت تک یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی؟"

داس نے کندھے اچکائے۔ "کیا تم اپنے والدین کو جانتے تھے؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ "ان کے ساتھ کیا ہوا؟"

"یہ اہم نہیں ہے۔"

"یہ کیسے اہم نہیں ہے؟" اس نے داس کی کہنی کو تھاما۔ "داس!"

"ہم سب کے مسائل ہیں، ہم سب کے پاس اپنے بوجھ ہیں، ماضی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" داس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یہ ماضی پر غور کرنے کے بارے میں نہیں ہے۔ میں تمہاری زندگی، تمہارا ماضی جاننا چاہتی ہوں۔ یہ میرے لیے اہم ہے۔"

داس نے گہری سانس لی اور آخر کار مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں تھکاوٹ جھلک رہی تھی۔ وہ ایک پرانی سڑک کے داخلی راستے کی طرف جانے والی ٹوٹی سیڑھیوں پر چڑھ کر سرد کنکریٹ پر بیٹھ گیا اور اپنے ساتھ والی جگہ پر ہاتھ مارا۔ وہ بھی جلدی سے سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

وہ ایک قدیم چوراہے کو دیکھ رہے تھے۔ "تو، میری ماں مسلمان نہیں تھی۔ میرا مطلب شروع میں مسلمان نہیں تھیں۔ وہ کرسچن تھیں۔ شادی کے بعد وہ مسلمان ہو گئیں۔" اس نے بھاری سانس لی۔

"جہاں میں پلا بڑھا، لوگ میرے جیسے چہرے 'جس کی ماں سابقہ کرسچن ہو' کے عادی نہیں تھے۔ کچھ لوگوں کو میں پسند نہیں تھا، وہ۔ مجھے ناجائز کہتے تھے۔ میری ماں کو بھی ناجائز کہتے تھے۔ ہم ایک خراب علاقے میں رہتے تھے، جہاں بہت سے جاہل لوگ تھے۔" اس کے بولنے کے دوران، اس کی سانسیں دھویں کی طرح ہوا میں معلق ہو رہی تھیں۔ "اور اسی وقت جب 'درستور' اپنی مہم شروع کر رہی تھی، نسل کے تعلقات اپنے بدترین مقام پر تھے۔ پورے براِعظم میں تشدد ہو رہا تھا۔ مذہبی کمیونیٹیز آپس میں لڑ رہی تھیں، ایک دوسرے کو مار رہی تھیں۔ اگر تم کسی اور مذہب کے
ہوتے، تو" اس نے انگلی سے بندوق کی شکل کا نشان بنایا۔ "تو لوگ تمہیں غائب کر دیتے تھے۔"

"میرے خاندان کے ساتھ سب سے برا یہ ہوا کہ لوگ ہمارے باہر ہونے پر بری باتیں کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میری ماں کبھی گھر سے باہر نہیں جانا چاہتی تھی۔" اس کے جسم میں تناؤ محسوس ہو رہا تھا۔

"بہرحال۔" اس نے کندھے جھٹکے۔ "میرے والد۔" اس کا چہرہ غمگیں ہو گیا جب اس نے والد کا لفظ استعمال کیا۔ "وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ لوگ ان کی بیوی اور

بیٹے کے بارے میں ایسی شرمناک باتیں کریں۔ وہ غصے میں آجاتے تھے۔ایسا نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ غصے میں آجاتے لیکن جب کبھی ایسا ہوتا، کبھی یہ غصہ جھگڑے پر ختم ہوتا، کبھی کچھ نہیں ہوتا تھا۔جو بھی تھا یہ دنیا کے اختتام جیسا نہیں لگتا تھا۔مجھے یاد ہے میری ماں ہمیشہ میرے والد سے کہتیں چھوڑ دو،اور وہ نہیں مانتے تھے۔"اس کا چہرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔"اور میں انہیں قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ظاہر ہے ان کو غصہ آنا تھا۔"

"ایک دن بہت براہوا۔ان دنوں سب کے پاس بندوقیں تھیں، یاد ہے؟ عام شہریوں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔یہ آج کے 'دستور' کے تحت تصور کرنا عجیب لگتا ہے، لیکن اس وقت، ہر کوئی اپنی حفاظت کے لیے مسلح تھا۔"اس نے ایک مختصر سا توقف لیا۔"میرے والد نے بھی ایک بندوق خریدی۔انہوں نے کہا کہ کسی بھی صورت حال میں اپنی حفاظت کے لیے ہمیں اس کی ضرورت ہے۔"داس نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔"اور اگلی بار جب ایسی بات ہوئی، میرے والد تھوڑا زیادہ بہادر بن گئے اور انہوں نے ان کی اپنی بندوق بابا کے خلاف استعمال کی۔ بابا کو گولی لگی۔انہیں روکنے کی کوشش میں ماں کو گولی لگی۔ میں نو سال کا تھا۔"

"تم وہاں تھے؟" وہ حیرت سے کہتی ہے۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھا ہے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"میں نے یہ بات کبھی کسی کو نہیں بتائی۔" اس کی پیشانی پر شکن ڈلی۔ "یہاں تک کہ کیسر کو بھی نہیں۔"

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیوں؟"

اس نے تکان سے سر ہلایا۔ "پتہ نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا اور دور خلا میں گھورتا رہا۔ "جب میں کیسر سے ملا تو یہ سب بہت تازہ تھا۔ بہت حقیقی۔ جب اس نے میرا قصہ جاننا چاہا، میں نے کہا کہ میں اس کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے بہت بار یہ سوال کیا، میں نے ہمیشہ یہی کہا۔" داس نے آخر کار اس کی طرف دیکھا۔ "بالآخر، اس نے پوچھنا چھوڑ دیا۔"

وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

داس نے دوسری جانب چہرا موڑ لیا۔ انگلی کی نوک سے داہنی آنکھ میں آیا آنسو چھوا اور زخمی سا ہنسا۔ "یہ سب بلند آواز میں کہنے کے بعد بہت عجیب لگ رہا ہے۔ شکریہ!" پھر اس نے آخری تیز سانس لیا، اور اپنی جگہ سے چھلانگ لگا کر اٹھا، اور اپنا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا تاکہ وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ اس نے دو بار بہت گہرا سانس لیا اور پھر اپنے بھورے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔ "میرا خیال ہے کہ میں ہم سب میں سے واحد ہوں جسے اپنے والد سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں اپنے والد سے بے حد محبت

کرتا تھا۔" وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ پھر داس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ تیس منٹ بیت چکے تھے۔ عالیار دس منٹ لیٹ تھا اور ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"تمہارا رومیو دس منٹ لیٹ ہے، ابھی بھی دور دور تک اس کا کوئی نام ونشان نہیں۔"

یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر عجیب تھی۔ پہلی یہ کہ عالیار کبھی بھی کسی بھی چیز کے لیے دیر نہیں کرتا تھا۔۔ دوسری یہ کہ اگر کبھی دیر کرتا بھی تو ایسی صورتحال میں نہیں، جہاں ہر لمحہ خطرے سے بھرا ہوا ہو۔ عالیار کبھی بھی ایسی حالت کو ہلکے میں نہ لیتا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ کبھی غفلت نہیں برتتا تھا۔ اُس نے بے چینی سے دائیں بائیں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔"

"شاید وہ کسی ضروری کام میں پھنس گیا ہو۔ کمانڈر نگ یونو۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کمانڈر نگ صرف ایک لفظ نہیں ہے داس۔"

"اس میں حروف تو ہیں نا؟ میرے لیے تو یہ لفظ ہی ہے۔ ویسے بھی میں کون سا کمانڈر ہوں۔"

"اس وقت میرے پاس بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔"

داس نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ سردی کی وجہ سے اپنے جوتے زمین پر مار رہا تھا، اُس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ "وہ آجائے گا۔"

"داس! مجھے کچھ عجیب سالگ رہا ہے۔"

"مجھے بھی کچھ عجیب لگ رہا۔ اوہ عنہ! مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔"

"حیدر لیٹ نہیں ہوتا۔ وہ کبھی دیر نہیں کرتا۔" وہ ٹہلتے ہوئے مسلسل یہ بات دہرا رہی تھی۔ دماغ میں لاکھوں گمان ابھر رہے تھے۔

"تمہیں کیسے پتا؟ تم اُسے کتنے عرصے سے جانتی ہو؟ آٹھ مہینے؟ تمہیں واقعی لگتا ہے کہ تم اُسے اچھی طرح جانتی ہو؟ شاید وہ کسی خفیہ جاز کلب میں پھنسا ہو، جہاں وہ بغیر ساز کے گاتا ہو، چمکدار واسکٹ پہنتا ہو، اور کین کین ڈانس کرنے کا شوقین ہو۔"

"عالیار کبھی چمکدار واسکٹ نہیں پہنے گا۔" اُس نے غصے سے کہا۔

"لیکن تمہیں لگتا ہے کہ وہ کین کین ڈانس کرے گا؟"

"داس! میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں، لیکن ابھی میں اتنی بے چینی اور بے سکونی محسوس کر رہی ہوں کہ جتنا زیادہ تم بول رہے ہو، اتنا ہی میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں قتل کر دوں۔"

"مجھ سے اس طرح محبت بھری باتیں مت کرو۔ عنہ، میں شرما بھی جاتا ہوں۔" وہ جھنجھلاہٹ سے ایک لمبی سانس لے کر رہ گئی۔ اُس کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آ رہی تھی۔ خدا! وہ کتنی زیادہ پریشان ہو رہی تھی۔

کیا وقت ہو رہا ہے؟"

"پونے دو۔"

"کچھ تو غلط ہے۔ ہمیں اُسے ڈھونڈنا چاہیے۔"

"لیکن ہمیں یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"کیا؟ کیسے؟" داس حیران رہ گیا۔

وہ لمحہ بھر کو رکی۔ "تمہیں یاد ہے جب ہم نے سکندر سے پہلی بار ملاقات کی تھی؟ تمہیں یاد ہے کہ ہم برچ اسٹریٹ کیسے پہنچے تھے؟"

"ہاں...! کیوں؟" داس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ وہاں سے تین گلیاں نیچے ہے۔"

"وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟" داس نے ناسمجھی میں سوال کیا۔

"تم میرے ساتھ چلو گے؟ پلیز؟ ابھی؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ مجھے تجسس ہو رہا ہے۔ اور اس لیے کہ یہاں اتنی سردی ہے کہ اگر میں چلا نہ تو شاید میں جم جاؤں گا۔"

"شکریہ!" پھر داس نے اپنا بازو اُس کے بازو میں ڈالا اور دونوں خاموشی سے آگے بڑھنے لگے، اُن کی سانسوں کی بھاپ رات کی ہوا میں گم ہو رہی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

یہی وہ جگہ ہے۔

سفید رنگ کے سب سے خوبصورت شیڈ کا گھر۔ وہی گھر جہاں میں وہ جاگی تھی۔ وہی گھر جہاں اسے گولی لگی تھی۔ وہی گھر جہاں عالیار رہتا تھا۔ وہی گھر جہاں اُس کی بہن کو رکھا گیا تھا۔ وہ دونوں گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ بالکل ویسا ہی نظر آ رہا ہے جیسا پہلے تھا۔ سادہ، خوبصورت اور خوفناک۔

"عالیار یہاں کیوں ہو سکتا ہے؟"

"میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں نہیں؟"

"کیونکہ یہ میرا راز نہیں ہے۔"

"اب کیا کرنا ہے؟" داس ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔

"کیا تم یہاں انتظار کر سکتے ہو؟"

"اگر تم میرے بغیر اندر جانے والی ہو تو پلیز جلدی کرو۔ پہلے ہی سردی سے میری جان نکلی جارہی ہے۔"

"اوکے۔ میں جلدی واپس آؤں گی۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ یا وہ یہاں اندر ہے بھی کہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ اندر نہیں ہے تو شاید وہ ہمیں وہیں پر ملے گا جہاں اس نے ہمیں اتارا تھا۔"

"اور یہ ہمارے وقت کا ضیاع ہو گا۔"

"سوری۔ مجھے واقعی افسوس ہے۔ لیکن مجھے بس کنفرم کرنا ہے۔"

"جاؤ اور جلدی واپس آؤ۔"

"ٹھیک ہے۔ شکریہ۔" وہ اس سے الگ ہو کر سیڑھیاں چڑھی، چھوٹے سے برآمدے کی طرف بڑھی۔ ہینڈل چیک کیا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اسے گھمایا، دروازہ کھولا۔ اندر قدم رکھے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں اُسے گولی لگی تھی۔ زمین جہاں اُس کا خون بہا تھا، صاف ہو چکی تھی۔ قالین بدل دیا گیا تھا۔ یادیں اب بھی وہاں کی فضا میں بسی ہوئی تھیں۔ اس گھر میں قدم رکھتے ہی ایک بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ ہر چیز عجیب اور غلط محسوس ہو رہی تھی، جیسے کچھ غیر معمولی ہوا ہو۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ تو غلط ہے۔

اس نے آہستہ سے پیچھے مڑ کر دروازہ بند کیا۔ پھر دبے پاؤں سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ خاموشی میں گھر ہوا کی ہلکی آواز جیسا محسوس ہو رہا تھا۔ اوپر پہنچ کر اُس نے تین دروازے گنے۔ تین کمرے۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا جیسے جیسے وہ قریب پہنچ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا توقع کر رہی ہے، کیا اُمید کر رہی ہے حتیٰ کہ اُسے اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ عالیار ابھی یہاں ہے یا نہیں۔

پہلا کمرہ چھوڑ کر ، دوسرا کمرہ۔ عالیار کا پرانا کمرہ، وہی جہاں وہ جاگی تھی۔ بے آواز قدم اٹھاتے وہ عالیار کے کمرے کے باہر رکی، تب ہی اُس احساس ہوا تیسرے کمرے کا دروازہ کھلا ہے۔ وہاں سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر دیکھتی، کمرے سے ملیک نکلتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں استعمال شدہ ڈرپ تھی۔ ملیک نے اسے دیکھا، پیچھے سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور سر ہلا کر سلام کرتا ایک طرف سے نکل گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفظ نہیں۔ لیکن وہ پریشان تھا۔ اس کے ماتھے پر بل تھے۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کوئی انجانی طاقت دروازے کھولنے اور حقیقت جاننے کے لیے اُسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ گہری سانسیں لیتے ہوئے دروازے کے ہینڈل کو پکڑا اور آہستگی سے مروڑ کر کھولا۔ اُس نے اپنے قدموں کو دروازے کی چوکھٹ پار کرتے دیکھا۔

اس نے لمحہ بھر کو واپس جانے کا سوچا، لیکن تب تک اس کی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے چکی تھیں۔ اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

سامنے ایک بستر تھا۔

ایک سنگل بیڈ، مشینوں، آئی وی بوتلوں اور سفید بیڈ شیٹ سے گھرا ہوا۔ کمرے میں جگہ جگہ کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔ تازہ للی کے پھول چار مختلف گلدانوں میں رکھے ہوئے تھے، اور ہر دیوار کا رنگ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ایک کونے میں چھوٹی سی میز، اُس کے ساتھ میچنگ کرسی، اور اس پر ایک پودا رکھا ہوا تھا۔ تصویری فریم ہر جگہ موجود تھے۔ دیواروں پر، میز پر، اور بستر کے ساتھ رکھی میز پر۔

تصویر میں ایک سنہری بالوں والی عورت تھی جس نے سنہری بالوں والی بچی کو اٹھا رکھا تھا، اور اس کے ساتھ ایک گہرے بھورے بالوں والا لڑکا اپنی ماں کا
ہاتھ تھامے کھڑا دکھائی دیا۔ وہ پہلی ہی نظر میں عالیار کو پہچان گئی تھی۔ تصاویر کبھی ایک مخصوص وقت سے آگے نہیں جاتیں، ہمیشہ ایک ہی لمحے میں قید رہتی ہیں۔

اس نے دوبارہ بستر کی طرف دیکھا۔ ایک چودہ سالہ بچی۔ بلکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے سنہری بال تکیے پر بکھرے تھے۔ اس کے مدھم سانسوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سیدھ میں اس کے پہلو میں تھے۔ ساتھ ہی آکسیجن ماسک رکھا تھا۔ سائیڈ ٹیبلز پر استعمال شدہ سرنجیں، کھلی ادوایات، پانی کا جگ، سب کچھ الجھا ہوا تھا۔ اس نے بائیں سمت دیکھا۔ عالیار کونے میں خود کو سمیٹ کر بیٹھا تھا، گھٹنوں کو اپنے سینے کے ساتھ لگائے، بازوؤں کو اپنی ٹانگوں کے گرد لپیٹے، سر اپنے بازوؤں میں چھپائے ہوئے تھا۔ اُس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ ایک لمحے

کو تو وہ اپنی نظروں پر یقین نہیں کر پائی۔ سب کچھ ایک ساتھ تھم گیا تھا حتی کہ اسکی سانسیں بھی۔

اُس نے کبھی عالیار کو اِس حال میں نہیں دیکھا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ وہ بالکل فریم میں کھڑے چھوٹے بچے کی طرح لگ رہا تھا۔ ڈرا ہوا، بے بس، اور بالکل تنہا۔

وہ قدم اٹھاتی اس تک پہنچی، اور اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ عالیار جانتا ہے ہے وہ یہاں ہے۔ کیا وہ اُسے اس وقت دیکھنا چاہتا تھا یا نہیں۔ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اگر وہ اُسے پکارے گی تو اُس کا ردعمل کیا ہو گا۔ مگر اُسے کوشش کرنی تھی۔

اُس نے آہستگی سے عالیار کے بازو کو چھوا۔ پھر اُس کے کندھے ہاتھ رکھا۔ عالیار نے سر اُٹھایا۔ اس کی لمبی، مڑی ہوئی پلکیں گیلی تھیں۔ اُس کی آنکھوں کی رگیں گلابی ہو چکی تھیں، اُس کے چہرے پر درد کی چھاپ تھی۔ عالیانہ کا دل ٹوٹ گیا۔

"للی مر رہی ہے۔" عالیار بمشکل کہہ پایا۔

"عالیار! وہ مر نہیں رہی۔ وہ ٹھیک ہو رہی ہے۔" اس لڑکی کی آواز مہربان تھی۔ اس کی شکل بے عیب۔ فرشتے کی طرح۔

عالیار خاموش رہا۔ اس کو دیکھتی آنکھیں بھی بھیگ رہیں تھیں۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے آہستگی سے دلاسہ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی للی کے اکھڑتے سانسوں کی آواز کمرے کی خاموشی کو چیرتے ہوئے ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ ایک دم کرنٹ کھا کر کھڑا ہوا۔ بھاگ کر للی کے پاس پہنچا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ایمر جنسی بٹن دبایا۔ ایک بار۔ دو بار۔ تین بار۔ پھر اس نے للی کا پہلو میں گرا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ تکلیف میں تھی۔ وہ اکھڑتے سانسوں کے ساتھ بیڈ سے آٹھ آٹھ انچ اوپر اٹھ رہی تھی۔ عالیار جیسے اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ سرخ آنکھوں میں اب نمی چمکنے لگی تھی۔ وہ کبھی دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرا تھامتا۔ کبھی اس کے ماتھے کو چومتا۔ کبھی اس کے گال کو۔ کبھی اس کے ہاتھ کو۔ کبھی وہ اس کے چہرے پر آتے بال پیچھے کرتا، وہ کچھ بھی کرنا چاہتا تھا بس وہ اس کی تکلیف کم کرنا چاہتا تھا۔

اُگلے ہی لمحے ملیک وہاں تھا۔ اس کے چہرے کا ہر رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ عالیار کو زبردستی پیچھے دھکیلا۔ سائیڈ ٹیبل سے انجیکشن اٹھایا، سرنج میں بھرا۔ اب وہ للی کو انجیکشن لگا رہا تھا، وہ اکھڑتے سانسوں سے ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ عالیار کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے کٹورے بھر چکے تھے۔ اس کے دل کو کوئی الٹی چھری سے کاٹ رہا تھا۔ عالیانہ نے ایک نظر عالیار کو دیکھا۔ وہ بے چینی سے کنپٹی مسل رہا تھا۔ کچھ پل گزرے اور للی کا وجود ڈھیلا پڑنے لگا اور وہ دوبارہ پر سکون ہو گئی۔ ملیک نے اُسے دیکھ کر سر ہلایا اور واپس باہر چلا گیا۔ عالیار کچھ پل یوں ہی کھڑا اس معصوم فرشتے کو دیکھتا رہا۔ للی کی سفید رنگت اور گلابی گال ماند پڑ چکے تھے۔ وہ کمزور دکھ رہی

تھی۔ پھر وہ آگے بڑھا۔اس کے بستر کے کنارے پر بیٹھا اور جھک کر نا جانے کتنی بار اس کا ماتھا، اس کے گال، اس کے ہاتھوں کو چوما ، پھر اس کے پہلو میں رکھے ہاتھ پر ماتھا ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کتنی ہی دیر وہ اس کے پہلو میں رکھے ہاتھ پر ماتھا ٹکائے بیٹھا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور قدم قدم پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ دیوار سے جا لگا۔ پھر وہ وہیں بیٹھ گیا۔ سارا ضبط جواب دے گیا اور وہ سر گھٹنوں میں سر دے کر ایک دم رونے لگا۔ وہ جلدی سے اس کے پاس آئی۔ گھٹنے موڑ کر اس کے سامنے بیٹھی۔ "عالیار!" نرمی سے اسے پکارا۔ عالیار نے آنسوؤں سے بھیگا چہرا اٹھایا۔ "للی ٹھیک ہو جائے گی۔ دیکھ لینا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے کچھ نہیں کہا، بس لب بھینچتے ہوئے سر جھکا لیا، اس کے خاموش آنسو زمین پر گرنے لگے۔ عالیانہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ وہ تکلیف میں تھا تو چین میں وہ بھی نہیں تھی۔

عالیانہ نے اپنے بازو اس کے گرد پھیلائے اور زمین پر بیٹھے بیٹھے اس کو گلے لگا لیا، اسے لگا اس میں بیٹھنے کی ہمت نہیں ہے، تو اس نے آہستگی سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ دیا۔ اس نے بھی مزاحمت نہیں کی کیونکہ وہ تھک چکا تھا۔ اب وہ زمین پر لیٹا تھا، سر عالیانہ کی گود میں تھا۔ عالیار نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی بند آنکھوں سے لڑھکتے آنسو عالیانہ کی گود میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے نرمی سے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا، پیشانی پر آیا پسینہ صاف کیا، اس کی کنپٹی پر ہلکا سا بوسہ دیا اور پھر جھک کر اپنا گال اس کی پیشانی پر رکھ لیا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اس کی مدد کر رہے ہو۔ تم اسے تکلیف نہیں پہنچا رہے۔ تم بہت اچھے بھائی ہو۔ تم دنیا کے سب سے اچھے بھائی ہو۔" وہ بات بار یہ دہرا رہی تھی۔ عالیار کا سر اب بھی اس کی گود میں تھا۔ وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ٹینشن کے عالم میں سو چکا تھا۔ پر سکون نیند۔ وہ اٹھنا چاہتی تھی، داس باہر تھا۔ کاش وہ داس کو اندر آنے کا کہہ دیتی۔ وہ کیا کرے یہاں عالیار تو وہاں داس۔ وہ اتنا پر سکون لگ رہا تھا کہ اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی کہ اس کو نیند سے جگائے۔ وہ اس وقت بالکل مختلف لگ رہا تھا۔ کتنے رنگ تھے اس شخص کے۔ ہر رنگ ہی منفرد۔ خوبصورت۔ اس وقت وہ معصومیت کے رنگ میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ اس کی بند آنکھوں کو، لمبی پلکوں کو، اس کے مضبوط ہاتھوں کو۔ سمندر جتنا ضبط تھا اس انسان میں۔ طوفان بھی گزر جاتا تھا تو کسی کو خبر نہیں ہونے دیتا تھا۔ نا جانے کتنی بار وہ ان حالات سے گزرا ہو گا، نا جانے کتنی بار اسے کسی کی ضرورت تھی، لیکن اس کے پاس کوئی نہیں تھا جو اسے تسلی دیتا، اسے سنبھالتا، کوئی نہیں جو اسے سمجھتا۔ یہ خیال اس کے دل میں ٹیسیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے دوبارہ جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے نرمی کے ساتھ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

اُسی لمحے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ عالیار سے محبت کرتی ہے۔

پہلی بار، عالیانہ نے عالیار کو اپنے شوہر کے روپ میں مکمل طور پر تسلیم کیا۔ پہلی بار، اس کے دل میں یہ خیال کوئی خوف نہیں لایا تھا۔ پہلی بار، وہ اس حقیقت سے ڈری نہیں تھی۔ پہلی بار، اسے عالیار کی بیوی ہونے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی۔

عالیار اس کا شوہر تھا، اور وہ اس کی بیوی۔ بس، بات ختم۔ اب اسے کسی کی رائے، کسی کے رویے، یا کسی کی باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس نے اپنے دل میں مضبوطی سے وعدہ کیا کہ وہ عالیار کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گی۔ وہ اُس کے ساتھ رہے گی، جب تک کہ اُس کا درد ختم نہ ہو جائے، جب تک کہ وہ زندگی اُسے نہ مل جائے جہاں کوئی اُسے اذیت نہ دے سکے۔

وہ دونوں ایک ایسی زندگی میں قید تھے جس کا انتخاب انہوں نے خود نہیں کیا تھا۔ لیکن اب وہ ساتھ تھے، اور ساتھ ہی رہیں گے، چاہے حالات کچھ بھی ہوں، چاہے کوئی کچھ بھی کہے   اب وہ اپنے دل سے انکار نہیں کرے گی۔

••••••☆☆☆••••••

ان کے واپس آنے پر داس ٹینک میں انتظار کر رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ مسافر سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جب عالیار اور عالیانہ ٹینک میں داخل ہوئے، تو اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

عالیانہ نے داس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔ اس نے پہلے ہی اپنے ذہن میں ایک بہانہ تیار کر رکھا تھا کہ عالیار کو گھر سے نکالنے میں اسے اتنا وقت کیوں لگا۔ لیکن پھر داس نے اس کی طرف دیکھا۔ واقعی اس کی طرف دیکھا۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

عالیار نے بھی کوئی بات نہیں کی۔ اس نے تو اونچا سانس بھی نہیں لیا۔ بیس پہنچ کر اس نے ان دونوں کو وہیں اتارا جہاں سے وہ آئے تھے۔ اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا، حتیٰ کہ عالیانہ سے بھی نہیں۔ جیسے ہی وہ ٹینک سے باہر نکلے، عالیار نے دروازہ بند کیا اور دوبارہ اندر بیٹھ گیا۔

عالیانہ کچھ پل اسے ٹینک چلاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ اداس تھا۔ کتنی مشکل زندگی تھی اس کی۔ ایسی حالت میں بھی پورے سیکٹر کی نگرانی۔ تب ہی داس نے اس کو بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

وہ دونوں بغیر کسی مشکل کے اسٹوریج فسیلیٹی سے واپس آ گئے۔ شوٹنگ رینج سے بھی آسانی سے گزر گئے۔ لیکن جیسے ہی وہ عالیار کی ٹریننگ فسیلیٹی کے دروازے پر پہنچے، داس نے اس کو ایک طرف کھڑا کیا۔

"میں تمہارے پیچھے آیا تھا۔" اس نے بغیر تمہید کے کہا۔

"تم بہت وقت لگا رہی تھیں اور میں فکر مند ہو گیا تھا۔ اس لیے میں تمہارے پیچھے آیا۔" ایک وقفہ ہوا۔ ایک بھاری سا وقفہ۔ "میں نے تم دونوں کو دیکھا تھا۔ میں نے

عالیار کو دیکھا تھا۔" داس نے بہت آہستگی سے کہا۔"اس کمرے میں۔ میں نے اس بچی کو بھی دیکھا تھا۔"

"ہمم۔"

"میں بس..." داس نے گہری سانس لی۔"میں بس کنفیوز ہوں۔ مجھے تمام تفصیلات جاننے کی ضرورت نہیں۔ مجھے احساس ہے کہ جو کچھ وہاں ہو رہا تھا وہ جاننا میرا کام نہیں ۔ لیکن کیا تم ٹھیک ہو؟ کیا کچھ ہوا؟"

عالیانہ نے سانس چھوڑی۔ آنکھیں بند کیں۔"اس کی بہن بیمار ہے۔"

"کیا؟ کیا وہ...؟اس کی بہن بھی ہے؟" داس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! وہ کافی عرصے سے بیمار ہے۔ سکندر نے اسے اس گھر میں مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ حیدر اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سکندر نے عالیار کو سزا دینے کے لیے اس چودہ سال کی بچی کو کیفین کا عادی بنا دیا، اب وہ کیفین کی عادی ہو چکی ہے، اور حیدر نے دل پر پتھر رکھ کر اس بیماری کے آخری علاج کو منتخب کیا ہے۔ وہ اس کی کیفین چھڑوا رہا ہے جس کی وجہ سے وہ ننھی سی بچی بہت تکلیف میں ہے۔" وہ اب خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی تھی، اپنے جذبات کو مزید روکنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔" عالیار کبھی بھی مجھے ہتھیار کے طور پر استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ سب سارا سینیریو صرف اس لیے بنایا تا کہ وہ اپنے باپ کو کوئی کہانی سنا سکے۔ اس نے مجھے حادثاتی طور پر ڈھونڈا تھا میرے نام کی وجہ سے۔ اس کی بہن کا نام بھی عالیانہ ہے۔ جب اس نے میرا

نام دیکھا تو اس نے مجھے اس ازائلم سے نکالنے کی کوشش کی۔اس نے میرے نام کی وجہ سے میری مدد کرنا چاہی کیونکہ وہ گلٹ میں تھا۔کیونکہ وہ اپنی بہن عالیانہ کو ٹھیک نہیں کر پا رہا تھا۔"

داس نے گہری سانس لی۔"مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ اس انسان میں جذبات نامی کوئی چیز بھی ہے۔"

"تم اسے بالکل بھی نہیں جانتے۔تم سمجھتے ہو کہ تم اسے جانتے ہو لیکن حقیقت میں تم اسے بالکل نہیں جانتے۔"

داس خاموش رہا۔

"چلو! مجھے کچھ وقت چاہیے سانس لینے کے لیے۔سوچنے کے لیے۔"

عالیانہ جانے کے لیے پلٹی۔

"عالیانہ! داس نے اسے روکتے ہوئے کہا،اس کا ہاتھ ابھی بھی اس کے بازو پر تھا۔

عالیانہ رکی۔

"مجھے افسوس ہے۔مجھے واقعی افسوس ہے۔"اس نے اپنی آنکھوں میں جمع ہوتے آنسوؤں کو تیزی سے پلکیں جھپک کر روکا۔اپنے گلے میں اٹھتے جذبات کو نگلا۔اور بس دھیرے سے سر ہلا یا۔

••••••☆☆☆••••••

"ارسل کو حیدر کو بتانا چاہیے کہ وہ بھائی ہیں۔" یہ پہلی بات تھی جو اس نے واپس آکر داس سے کی تھی۔ بیس واپس آکر وہ تناؤ میں تھی۔ تکلیف میں وہ تھا، درد اسے ہو رہا تھا۔ وہ کہاں ہو گا؟ وہ کیا کر رہا ہو گا؟ وہ ہمیشہ سے اکیلا تھا۔ نا جانے کتنی بار اسے کسی سہارے کی ضرورت تھی اور وہ تنہا تھا۔"

"آہستہ بولو۔ کوئی سن لے گا۔ تم جانتی ہو کہ ارسل اس بارے میں کیسا محسوس کرتا ہے۔"

"یہ انصاف نہیں ہے۔ حیدر کو سچائی جاننے کا حق ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں لگتا ہے کہ وہ اور ارسل دوست بن جائیں گے؟"

اس نے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں سنجیدہ اور مضبوط تھیں۔ "عالیار اس کا بھائی ہے داس۔ اسے اس کی ضرورت ہے۔"

داس کا جسم تن گیا، چہرے کے تاثرات بدلے۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا اور ایک ابرو اُٹھایا۔

"میں نے تو کبھی..... میں نے تو کبھی اس زاویے سے نہیں سوچا۔"

"یہ جاننا اس کا حق ہے کہ اس کا اس دنیا میں بھائی ہے۔ ارسل ہمارے ساتھ ہے۔ کم از کم اس کے پاس اس کے دوست ہیں، لیکن حیدر اکیلا ہے۔ وہ ہمیشہ سے اکیلا تھا۔ عالیانہ

بیمار ہے۔ مجھے لگتا ہے، اسے ایک بھائی کی ضرورت ہے۔" داس آنکھیں چھوٹی کیئے کچھ سوچ رہا تھا۔

"اسے جاننے کا حق ہے۔ داس! اس کو یہ جاننے کا حق ہے۔ وہ اس کا خون ہے۔"

داس نے گہری سانس لی۔ بولا کچھ نہیں۔

"اگر ارسل اُسے نہیں بتاتا، تو میں بتاؤں گی۔"

"تم ایسا نہیں کرو گی۔"

عالیانہ نے اس پر سخت نگاہ ڈالی۔

"یہ بہت غلط ہے عنہ! تم یہ نہیں کر سکتی۔ یہ تمہارے حصے کی بات نہیں۔"

"تم اسے اپنا شوہر مان چکی ہو؟" عالیانہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں صرف تجسس میں ہوں۔ یہ ایک ججمنٹل فری زون ہے عنہ۔" اس نے ہنسنے کی کوشش کی مگر اسکی آنکھیں اداس تھیں۔

"ہاں! میں اسے اپنا شوہر مان چکی ہوں۔ اور مجھے اس کی بیوی ہونے میں کوئی شرمندگی نہیں۔ میں موقع ملتے ہی سب کو بتادوں گی۔"

داس ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "تم ابھی ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ ہم جنگ کے بیچ میں ہیں، ایسے میں معاملات مزید خراب ہو جائیں گے۔ تھوڑا سا انتظار کر لو شہزادی پلیز۔" لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

ارسل کمرے کے دوسرے کونے میں کھڑا دھان اور سیم سے بات کر رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اٹھی اور ارسل کی جانب بڑھی۔ داس کی بات اس کے منہ میں رہ گئی۔ جیسے ہی وہ ارسل قریب پہنچی، ان کی باتیں اچانک رک گئیں۔ ارسل نے بے ساختہ اسے دیکھا، صرف ایک پل اس کی آنکھوں میں دیکھا اور نظریں جکا لیں۔ اس نے اس کی آنکھوں میں ایسے جذبات دیکھے جو پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ لیکن پلک جھپکتے اس کے جذبات نیوٹرل ہو گئے۔

"کیسے ہو؟" اس نے بمشکل پوچھا۔ ارسل نے ایک دم سے حیران ہوا۔ اس نے بے اختیار چہرا اٹھایا۔ جیسے وہ اس سوال کی امید نہیں رکھتا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ دیکھ سکتی تھی اس نے کتنی مشکل سے یہ الفاظ ادا کیئے ہیں۔ ایک دو تین پل خاموشی میں گزرے۔

"تم مجھ سے خفا ہو۔" عالیانہ نے نرمی سے پوچھا۔ اس نے پلکیں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا، بس ایک نظر اور دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ پھر ہلکا سا ہنسا۔ اس کی ہنسی میں دنیا بھر کی تکلیف تھی۔

"میں تم سے خفا ہو سکتا ہوں؟ اتنی جلدی بھول گئی؟" سوال نہیں تھا شکوہ تھا۔

"میں تم سے خفا نہیں ہوں، نہ ہی میں تم سے خفا ہو سکتا ہوں۔ میں کسی سے بھی خفا ہو سکتا ہوں تم سے نہیں۔"

"پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ کیوں مجھے دیکھ کر اپنا راستہ بدل دیتے ہو۔ اپنی نظروں کا رخ پھیر لیتے ہو۔ کیوں مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔ تم میرے دوست تو ہو نا ارسل؟ تم میرے سب سے پہلے دوست ہو ارسل۔ میں آج بھی تمہاری دوست ہوں۔ ایک منٹ کے لیے تم سب مسئلے علیحدہ کر کے، سب کچھ بھول کر مجھے اپنا دوست سمجھ کر دیکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پلیز ارسل! میں اپنا دوست نہیں کھونا چاہتی۔ خاص طور پر تم جیسا دوست۔"

"تم میری محبت سے پہلے میری دوست ہو عالیانہ! یہ حقیقت کبھی نہیں بدلے گی۔ میں تمہیں نظر انداز نہیں کر رہا۔ میں بس..... مجھے.... میں شرمندہ ہوں۔ مجھے تمہیں وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں نے غلطی کی، مجھے دوستی اور محبت میں سے دوستی کو چننا چاہیے تھا، لیکن نہیں چن پایا۔ کیونکہ میں نے تمہارے دوست ہونے کا حق بھی گوا دیا ہے۔ اگر مجھے دوبارہ موقع ملے، تو میں محبت اور دوستی میں سے، تمہاری دوستی چنوں گا۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔ "لیکن بدقسمتی سے موقع ہی تو نہیں بچا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو۔ مجھے دنیا کا وہ آخری شخص ہونا چاہیے تھا جو تم سے اس طرح بات کرتا۔ میں رات کو سو نہیں پاتا کیونکہ میری وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچی۔" کہہ کر وہ پلٹنے ہی والا تھا جب عالیانہ نے اسے پکارا۔

"ارسل، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"کہو۔"

"تمہیں اُسے بتانا ہو گا۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"کسے کیا بتانا ہو گا؟"

ارسل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"سچ! تمہیں حیدر کو حقیقت بتانی ہو گی، اور اگر تم نے نہیں بتایا، تو میں بتاؤں گی۔"

اگلے ہی لمحے، ارسل کی آنکھیں منجمد سمندر کی طرح سرد اور خالی ہو گئیں۔ "ایسی باتیں مت کرو جن پر بعد میں تمہیں پچھتاوا ہو۔"

"تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم یہ بات اُس سے چھپاؤ۔ اس کے پاس اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے، م اسے سچائی جاننے کا حق ہے۔" اس نے اپنے الفاظ میں مزید سختی شامل کی۔

"یہ میرا معاملہ ہے۔ اس میں دخل مت دو۔"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"تم بھی تو مجھے تکلیف دے رہی ہو۔ تمہیں واقعی مجھ پر ترس نہیں آتا؟ ترس چھوڑو رحم بھی نہیں آتا؟ میں انسان ہوں یار۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مجھے اذیت ہوتی ہے۔ مجھے درد بھی ہوتا ہے۔ تم جانتی ہو مجھے۔ تم سب سے زیادہ جانتی ہو مجھے۔ تم جانتی ہو تمہیں تکلیف پہنچا کر سب سے زیادہ مجھے خود تکلیف ہوتی ہے۔ مجھے خود سے نفرت ہوتی ہے، مجھے خود سے اتنی گھن آتی ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ اور میں جانتا ہوں کہ تم جانتی ہو۔ پھر کیوں ایسی باتیں کرتی ہو جن کا اختتام میری موت ہو۔ پلیز مجھے معاف

کر دو۔ مجھے پر ترس کھاؤ۔" پھر اس نے وہ کیا جس کی اس نے امید بھی نہیں کی تھی، ارسل نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ وہ رو دینے کے قریب تھا۔ "پلیز، مجھے بخش دو۔"

اس نے ایک دم سے اس کے ہاتھوں کو پکڑا۔

"ارسل! ایسے مت کہو۔ میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں تم خوش رہو۔ میں چاہتی ہوں تم اپنے بھائی سے ملو۔"

"میری خوشیاں ختم ہو چکی ہیں۔ میں اب خوش نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے خوشیاں نہیں چاہیے۔" اس نے کہا، اور تیزی سے لاکر روم کی جانب چلا گیا۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار تربیتی کمرے میں آچکا تھا۔ ان سب نے بینچوں پر بیٹھنا شروع کیا۔ ملیک عالیار کے کہنے پر سب کے لیے گرم مشروبات بھی لینے گیا تھا۔ عالیار نے اپنے بائیں ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں سے کنپٹی کو دبایا، وہ بس کھڑا تھا۔ اس کے سر میں کس شدت کا درد تھا یہ اس کی آنکھوں سے بھی واضح تھا۔ کیا اس نے کوئی دوا لی تھی؟ اس نے اسے تجسس بھری نگاہوں سے دیکھا۔ پھر سب باری باری اسے دن کی رپورٹس دے رہے تھے، مگر وہ ایک مبہوت زاویے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سب سے بات کے دوران اس نے غیر ارادی طور پر دو سے تین بار اپنی آنکھوں کو دو انگلیوں سے دبایا تھی۔ اس نے سنجیدگی سے سب کی باتیں سنی۔ انہیں چند ایک ہدایات دیں اور پھر وہ ہال میں چلا گیا، شاید

وہ چاہتا تھا کہ وہ سب ہچکچائے بغیر چائے، کافی پی سکیں۔اس نے وہیں بیٹھے ہال میں دیکھا۔وہ آنکھیں بند کیئے کنپٹی مسل رہا تھا۔جب اس کے سر میں درد ہوتا، وہ یوں ہی کنپٹی مسلتا تھا۔وہ باقی سب کو وہیں چھوڑ کر ہال میں پہنچی۔

"عالیار؟"وہ انگوٹھا اور دو انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھے ہوئے تھا۔شاید سر درد کی وجہ اس کی آنکھوں میں بھی درد تھا۔

"جی؟"اس کے پکارنے پر بے اختیار اس کی جانب پلٹا۔اس کی آنکھوں کی رگیں اتنی سرخ ہو چکی تھیں کہ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کی آنکھیں جل رہی ہیں۔، شاید اسے ٹھنڈے پانی سے آنکھیں دھونی چاہیئں،اس نے کہنا چاہا لیکن خاموش رہی۔

"کام ختم ہو گیا ہے،اوپر چلیں۔"اس نے نرمی سے کہا تو عالیار نے تھکے ہوئے انداز میں سر ہلایا۔

"تمہارے سر میں درد ہو رہا؟"لفٹ کا دروازہ اس کے آفس کی جانب کھلا تھا جب عالیانہ نے سوال کیا۔

"ہمم۔"اس نے اسے دیکھے بغیر سر ہلایا۔لاپرواہی سے۔جیسے یہ عام سی بات ہو ۔لیکن یہ عام سی بات نہیں تھی۔یہ انزائٹی ہیڈ ایک تھا۔وہ للی کی وجہ سے پریشان تھا ،اسی وجہ سے یہ درد ہو رہا تھا۔اب وہ کمرے میں کھڑا تھا۔دونوں بازو سینے پر باندھے ۔دائیں کندھے سے دیوار کو ٹیک لگائے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ جو ڈریسنگ مرر کے سامنے بیٹھی تھی۔وہ جس کے سنہری بال تھے۔وہ جو مہربان تھی۔اس کی نگاہیں خود

پر اٹکی نگاہیں محسوس کر کے اس نے سر موڑ کر اسے دیکھا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس نے اس عورت کے چہرے کو دیکھا، اس کی آنکھیں مہربان، دھندلی اور خوبصورت تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے تصدیق کی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ کبھی کبھار وہ اسے بہت خوبصورت نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔

"ایسے پوچھو گی تو جیسا بھی ہوا، ٹھیک ہو جاؤں گا۔" کاش وہ ٹھیک ہو سکتا۔ وہ مسکرایا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر افسردگی بھی تھی۔ پھر اس نے ایک آخری نگاہ اس پر ڈالی اور کنپٹی کو دو انگلیوں سے دباتے ہوئے باتھ روم چلا گیا۔

وہ وہیں بیٹھی تھی جب باتھروم کا دروازہ کھلا اور اس کی توجہ وہاں منتقل ہوئی۔ عالیار نے لمبی آستینوں والی سفید شرٹ اور سیاہ ٹریک پینٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ دھویا ہوا تھا۔ اس کے بالوں کا اگلا حصہ بھیگا ہوا تھا۔

"سو کیوں نہیں رہی؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھایا اور لمبی آستینوں کو کہنیوں تک موڑتے ہوئے اس کے پاس آیا۔

"میں نے نہیں سو رہی۔"

"کیوں؟" سر درد سے اس کے ماتھے پر شکنیں ڈلی تھیں۔اس نے اسے دیکھتے ہوئے اپنا کندھا اور سر دیوار سے لگا لیا۔

"کیونکہ تم سو رہے ہو۔" وہ ایک دم سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ عین سامنے۔

"میں...."

"آج تم آفس میں نہیں سوگے۔اپنے بستر پر سوگے۔" اس سے پہلے وہ کچھ کہتا اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔اس کے آگے کے بال گیلے تھے۔بہت خوبصورتی سے اس کے ماتھے پر چپکے تھے۔ناجانے کیوں اس کا دل چاہا وہ اس کے بالوں کو چھوئے۔

"کیا میں تمہارے بالوں کو چھو سکتی ہوں۔" وہ بے اختیار ہنس دیا۔بوجھل آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"جو چاہو کر سکتی ہو۔" اس نے اسی انداز میں کہا اور اس کے آگے ذرا سا سر جھایا۔وہ مسکرا دی۔داہنے ہاتھ سے اس کے بالوں کو نرمی سے چھوا،اور اس کے گیلے بالوں کو مزید الجھا دیا۔عالیانہ کی یہ حرکت اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی لیکن اس کا سر اتنا درد کر رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک مسکرا نہیں سکا۔اس کی بائیں آنکھ درد کی شدت سے نم ہو گئی تھی۔

"تمہارا سر درد کر رہا ہے، تم ظاہر نہیں کر رہے ہو لیکن تمہاری آنکھوں سے واضح ہے۔اس لیے آج تم یہاں سوگے اور میں تمہارا سر دباؤں گی۔اگر تم نہیں کہوگے تو یہ اور بھی ٹھیک ہے۔" اس نے ہلکے سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں ہی کہوں گا۔" اس نے اعتراض کیا۔ وہ اتنی تکلیف میں بھی اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر تھکے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے سر ہلایا اور اپنے بائیں ہاتھ سے اپنے سر کو دبایا۔ عالیانہ نے اس کے ٹیک لگائے ہوئے بازو کو پکڑ کر اسے بستر کی طرف کھینچا۔ "چلو کمانڈر عالیار، تمہارے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔"

اس بات نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے دیوار سے ٹیک ہٹالی اور ہار مان لی۔ "میں آفس میں بھی اچھی نیند سو سکتا ہوں۔" لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

پھر وہ بستر کے دائیں طرف تک گیا، کمبل اٹھایا اور جب وہ بستر پر بیٹھا تو اس نے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور پوری طرح بستر میں جا کر خود کو ڈھانپ لیا۔ جب اس نے اس پر کمبل اوڑھا تو اسے اس کی خوشبو محسوس ہوئی۔ کمبل بھی اس کی خوشبو میں مہکنے لگا تھا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹ کر تھکی ہوئی نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ وہ بستر کے کنارے پر عین اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھ دیا اور اسی لمحے اس کی بائیں آنکھ سے ایک قطرہ آنسو بہہ نکلا۔ وہ رو نہیں رہا تھا، اس کا سر درد اس کی آنکھوں کو آبدار کر رہا تھا لیکن یہ منظر اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

اس نے اپنی انگلیوں کی پشت سے اس کا آنسو پونچھا۔

"کیا تمہیں انزائٹی ہیڈیک ہے؟ ہمیشہ ایسے درد ہوتا؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

اس نے بہت آہستہ سے سر ہلایا۔

"مجھے آکسیجن لینی پڑتی تاکہ یہ ٹھیک ہو۔"

"یہ حملے اکثر ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔جب زیادہ پریشان ہوتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا اس کا کوئی علاج نہیں ہے؟ تمہارے پاس سب کیو ٹینیس انجیکشنز نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو شاید میں لگا سکوں۔" اس نے ذرا سا آگے ہو کر انگوٹھے اور دو انگلیوں سے اس کے سر کو دبانا شروع کیا۔

"جب میں سو جاؤں گا تو یہ گزر جائے گا۔" اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سر گوشی کی۔عالیانہ نے نرمی سے اپنے انگوٹھے کو عالیار کے بائیں ابرو کے اوپر رکھا اور ہلکا سا دباؤ ڈالا، پھر اپنی انگلی کو آہستہ آہستہ اوپر کی جانب حرکت دی۔وہ نہیں جانتی تھی کہ اس قسم کے سر درد کو مساج کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن ایسا کرنا اسے کچھ سکون پہنچا سکتا تھا۔عالیار نے لمحہ بھر کو آنکھیں کھولیں۔ابھری سرخ رگوں والی بھوری آنکھیں۔پھر اس نے داہنے ہاتھ سے اپنے ماتھے پر رکھے عالیانہ کے ہاتھ کو پکڑا اور اس کا ہاتھ اپنی بند آنکھوں پر رکھا اور گہری سانس لی یوں جیسے اس کے ٹھنڈے ہاتھوں نے اس کی آگ سی آنکھوں کو سکون دیا ہے۔

"کچھ کہو۔" اس نے بند آنکھوں سے کہا۔اس کا ہاتھ اب بھی اس کی آنکھوں پر رکھے عالیانہ کے ہاتھ پر تھا۔

"کیا کہوں؟"

"کچھ بھی کہو۔" اس نے بند آنکھوں سے کہا۔

"ہوا کے بارے میں، پانی کے بارے میں۔ کسی بھی بارے میں۔"

"جب میرا سر درد کرتا ہے تو کسی کا بات کرنا مجھے بہت پریشان کرتا ہے۔"

"تمہارا بات کرنا مجھے پریشان نہیں کرے گا۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔ایک مسکراہٹ سی ابھری تھی اس کے لبوں پر۔وہ واقعی میں اس سے پریشان نہیں ہوتا تھا۔ واقعی میں ناراض نہیں ہوتا تھا۔اس نے اس کی لمبی سیاہ پلکوں کے سائے کو دیکھتے ہوئے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

"پریشان مت ہو۔ تمہاری بہن ٹھیک ہو جائے گی۔" ایک تسلی۔ایک دلاسہ۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"ان شاءاللہ۔"

وہ آہستہ سے اس کے بالوں کو سہلا رہی تھی۔شدید سر درد کے باوجود وہ نیند میں جا سکا، وہ خوش تھی۔جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ گہری نیند میں ہے، اس نے اپنا ہاتھ اس کے بالوں سے ہٹا لیا۔پھر آرام سے اس کے دائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے سے اٹھا کر آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ایک پیار بھری نظر اس پر ڈالی ۔

"شب بخیر۔" اس نے آہستہ سے کہا اور وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

••••••☆☆☆••••••

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔اس وقت وہ اپنے کمرے میں تھی۔عالیار اور ملیک کمرے کے کونے میں کھڑے بات کر رہے تھے۔ناشتے کی ٹرالی عالیانہ کے سامنے رکھی تھی۔اس نے بہت سے کھانے میں سے سیب کا ٹکرا اٹھایا اور عالیار کو دیکھتے ہوئے کھانے لگی۔ملیک سے بات کرتے کرتے عالیار نے ایک نظر اس کو دیکھا،اور مسکرا دیا، پھر ملیک کو آخری ہدایات دے کر وہ اس کے پاس آگیا۔ملیک جا چکا تھا۔

"ناشتہ کر لو۔"اس نے سر ہلایا لیکن بیٹھا نہیں۔کیا وہ کچھ پوچھنا چاہتا تھا؟عالیانہ نے سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"تم واقعی کل میرے لیے پریشان ہوئی؟"

"کیوں نہیں ہو سکتی؟"اس نے الٹا سوال کیا۔

"میرے لیے یہ اعزاز کی بات ہے کہ تم میرے لیے پریشان ہوئیں۔"اس نے نرمی سے کہا۔وہ کچھ نہ کہہ سکی۔بس اسے دیکھتی رہی۔وہ پریشان تھا۔الجھا ہوا۔تھکا ہوا۔

"عالیار؟"

"ہاں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے ساری پریشانیاں بھلا کر میرے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کر لو۔"اس نے ہونٹوں سے لمبی سانس خارج کی۔

"اس انداز میں پوچھو گی تو میں سب کچھ ممکن بنادوں گا۔" اس نے اس کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں ؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیونکہ تم چاہتی ہو۔" وہ مسکرادی اور اس کے لیے چائے ڈال کر اس کے آگے کی۔ عالیار نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"کیا تم اس کے بارے میں بات نہیں کرو گے ؟"

عالیار اتنی دیر تک خاموش رہا کہ اس مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ ٹھیک ہورہی ہے۔ملیک بتارہا تھا کہ وہ ریکور کررہی ہے۔" اس کی آواز میں نرمی اور اطمینان تھا۔ "یہ میرے لیے بہت بڑی تسلی ہے۔ اگر میں اس کو صحت یاب دیکھ لوں گا، تو میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان بن جاؤں گا۔ تم نہیں جانتی میرے کان اس کی آواز سننے کو ترس رہے ہیں۔ میرے کان ترس رہے ہیں یہ سننے کے لیے کہ وہ دوبارہ مجھے بھائی کہے۔" وہ اسے تسلی دینا چاہتی تھی لیکن وہ خاموش رہی۔

کچھ پل گزرے۔

"عالیانہ !" عالیار نے دھیرے سے کہا۔

"جی ؟"

اس نے گہری سانس لی۔

"شکریہ ! میری زندگی میں آنے کے لیے۔" وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ عالیانہ نے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا۔

"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی۔" اس نے بے اختیار نظر اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا بھر کی حیرت تھی۔ بے یقینی بھی۔ الجھن تھی۔ "جب تمہیں میری ضرورت ہوئی تب بھی، جب تمہیں میری ضرورت نہ ہوئی تب بھی۔" اس نے اس کے ہاتھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ "یہ بات یاد رکھنا۔ ہمیشہ یاد رکھنا۔ صرف عالیار نہیں، عالیانہ بھی عالیار کے لیے ہمیشہ موجود رہے گی۔ میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گی۔" وہ اب بھی اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اسے ابھی تک یقین نہ آرہا ہو کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" اس نے کہا۔ پھر وہ اٹھی اور وارڈروب کے دروازے کی جانب بڑھی۔ وہ دروازے سے اندر جا چکی تھی لیکن وہ دروازے کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک اس کی ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھ پایا۔ مگر یہ الفاظ سب سے خوبصورت، پرسکون الفاظ تھے جو بھی اس نے سنے تھے، جو کبھی کسی نے اس سے کہے تھے، جو کبھی اس نے ایسے براہراست محسوس کیئے تھے۔ یہ احساس بہت خوبصورت تھا۔ کسی اپنے کے آپ کے ساتھ ہونے کا احساس بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ اس نے یہ احساس پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔ الفاظ درد مٹا دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ الفاظ زخمی روح پر مرہم کا کام کرتے ہیں۔ بلاشبہ الفاظ زندگی

دیتے ہیں۔اسے زندگی مل گئی تھی۔ مگر کیا اس کی باتوں کا واقعی وہ مطلب ہے جو اس نے سمجھا تھا۔ یہ غلطی وہ ایک بار پہلے بھی کر چکا ہے۔ لیکن امید۔ ایک الھڈ باقی تھی، دل کی راکھ تلے چھپی ایک امید۔ اور امید انسان کو بہت کچھ کرنے مجبور کر دیتی ہے، یقین کیا چیز ہے۔

••••••☆☆☆••••••

کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے انسان کو زندگی ضرور دینی چاہیے، اس کی پسندیدہ عورت کی صورت میں اُسے زندگی مل گئی تھی۔

وہ اس سے کبھی شادی نہ کرتی اگر یہ اس کی مجبوری نہ ہوتی۔ وہ بھی کبھی اس سے شادی نہ کرتا اگر اسے بھی مجبوری نہ ہوتی۔ زندہ رہنا عالیانہ کی مجبوری تھی، اور اس کی حفاظت کرنا عالیار کی مجبوری تھی۔ وہ اس پر زبردستی مسلط نہیں ہونا چاہتا تھا، اس کی مرضی کے بغیر نہیں۔ یہ بھی سچ تھا کہ اس نے اس کی حفاظت کے لیے اس سے شادی کی
، لیکن دوسری وجہ آج بھی وہی تھی جو پہلے دن سے تھی۔ وہ اس کی محبت تھی۔ اس کی زندگی تھی۔ وہ اس کے لیے مر سکتا تھا، مار سکتا تھا پر اس پر آنچ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، سو اسے اپنا اصول توڑنا پڑا۔ اس کی حفاظت کے لیے وہ ہر اصول توڑ سکتا تھا۔ اگر اس کی حفاظت کے لیے اسے جان بھی دینی پڑتی تو وہ دے گا۔ اس کو اس کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ رہی بات اس کو گولی مارنے کی، رہی بات اس کا دل توڑنے کی، تو وہ اسے اس کی معافی مانگے بغیر ہی معاف کر سکتا تھا۔ وہ تو اسے ہزار بار

معاف کر سکتا تھا۔ ہر بار معاف کر سکتا تھا۔ سو ثابت ہوا تھا کہ یہ مجبوری کا رشتہ ان کا نصیب تھا اور اب وہ دونوں اپنے نصیب پر ایک دوسرے سے بڑھ کر خوش تھے۔

کل اُنہیں اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ اس وقت وہ سب بیس کے ٹریننگ روم میں گول دائرہ بنائے بیٹھے تھے۔

"تو واقعی دستُور کا سپریم کمانڈر یہاں آئے گا؟ اشعل اور میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا، ایک بار بھی نہیں، حالانکہ اُس کے آدمیوں نے ہمیں قید میں رکھا تھا۔"

دھان نے سر ہلایا اور عالیانہ کی طرف دیکھا۔ "وہ کیسا دکھتا ہے؟"

"وہ بہت خوبصورت ہے۔" عالیانہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

میلیسا اسے مزاح سمجھ کر ہنسنے لگی۔

"میں سنجیدہ ہوں، وہ واقعی بہت خوبصورت ہے۔" عالیانہ نے اصرار کیا۔

"واقعی؟" اشعل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، وہ بہت خوبصورت آدمی ہے۔ حیدر بالکل اپنے باپ پر گیا ہے،" داس نے سر ہلاتے ہوئے تائید کی۔

"مطلب تم مان رہے ہو کہ حیدر خوبصورت ہے؟" یہ سوال نہیں تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" داس نے بیزاری سے جواب دیا۔

"مطلب وہی ہے!" دھان بے ساختہ بولا۔

"تمم....." اس سے پہلے کہ داس کچھ کہتا سیم بول پڑا۔

"تم نے کہا کہ اس کا نام سکندر ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے لگتا تھا کہ حیدر کا آخری نام حیدر ہی ہے، نہ کہ سکندر۔" اس نے کچھ لمحوں کے لیے سوچا۔ "تو اس کا نام حیدر سکندر ہے؟"

"نہیں۔ تم صحیح ہو۔ حیدر اس کا آخری نام ہے لیکن اس کے والد کا نہیں۔ وہ اپنے باپ کا نام اپنے نام کے ساتھ نہیں جوڑتا کیونکہ وہ اپنے والد سے وابستہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔"

ارسل کونے میں کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا۔

"تو حیدر کا پہلا نام کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم ہے؟"

اس نے خاموشی سے سر ہلایا۔

"تم ہمیں نہیں بتاؤ گی؟" دھان بولا۔

"اس سے خود پوچھو۔ اگر وہ تمہیں بتانا چاہے گا تو ضرور بتا دے گا۔"

"یہ کبھی نہیں ہونے والا۔ میں اس آدمی سے ذاتی سوالات نہیں پوچھوں گا۔" دھان نے منہ بسور کر کہا۔

اس نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکی۔

"کیا تمہیں سکندر کا پہلا نام معلوم ہے؟" سیم نے دوبارہ سوال کیا۔ "یا یہ بھی کوئی راز ہے؟"

"مجھے سمجھ نہیں آتی، یہ سب اپنے ناموں کو اتنا خفیہ کیوں رکھتے ہیں۔"

"پتہ نہیں، شاید سیکورٹی ایشوز۔ اور نہیں، میں سکندر کا پہلا نام نہیں جانتی۔ میں نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔"

"تم کچھ نہیں جانتیں۔" دھان نے سر جھٹک کر کہا۔

"اس کا نام۔" ارسل اپنے جوتوں کو گھورتے ہوئے بولا۔ "اس کا نام سلطان سکندر ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟" سب نے ایک ساتھ ایک ہی سمت میں دیکھا۔ یہ ان میں سے کسی نے نہیں پوچھا تھا تو پھر کس نے پوچھا۔

سب حیرت عالیار کو دیکھ رہے تھے، جو لفٹ کے باہر کھڑا تھا۔ ابھی اس کی آمد کا اشارہ ہوا تھا، اور لفٹ کے دروازے اس کے پیچھے بند ہو رہے تھے۔ وہ حیرانی سے ارسل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ارسل نے ایک نظر عالیار کو دیکھا پھر عالیانہ کو، پھر دوبارہ عالیار کو دیکھنے لگا۔

تمہیں کیسے معلوم؟" اس بار اس کی آواز پہلے سے بلند تھی۔ پھر وہ غصے سے ارسل کی جانب بڑھا۔ اس کی حرکت اتنی تیز تھی کہ ارسل کو کوئی ردعمل دینے کا موقع بھی نہیں

ملا۔ اگلے ہی لمحے ارسل اس کے آہنی شکنجے میں تھا۔ عالیار نے اُسے شرٹ سے پکڑا اور دیوار کے ساتھ دھکیل دیا۔

اس نے عالیار کو کبھی اتنا غصے میں بولتے نہیں سنا۔ اس نے اسے کبھی اتنا غصے میں نہیں دیکھا۔ وہ غصے کا تیز تھا یہ صرف اس نے سنا تھا، آج دیکھ بھی لیا۔

"تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟ تمہارا کمانڈر کون ہے؟" وہ دھاڑا۔

"مجھے نہیں پتہ تم کس بارے میں بات کر رہے ہو!" ارسل بھی چیخ کر بولا۔ وہ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن عالیار نے اسے دونوں مٹھیوں سے دیوار کے ساتھ مزید دبایا۔

"تم کب سے اس کے لیے کام کر رہے ہو؟" عالیار دوبارہ چلایا۔ "تم نے کب سے میری بیس میں دراندازی کر رکھی ہے؟"

"حیدر! وہ جاسوس نہیں ہے۔" عالیانہ فوراً کھڑی ہوئی، ساتھ ہی داس بھی۔

"یہ ایسی بات کیسے جان سکتا ہے؟" وہ اسے دیکھے بغیر بولا۔"

"ایسی حساس معلومات کوئی عام انسان نہیں جان سکتا جب تک وہ سپریم گارڈ کا رکن نہ ہو۔ اور وہ بھی ہر رکن نہیں، صرف چند منتخب افراد۔ آزمائے گئے، وفادار۔ عام سپاہی کو ایسی معلومات کبھی نہیں دی جاتیں۔"

"میں سپریم گارڈ کارکن نہیں ہوں!" ارسل نے صفائی دینے کی کوشش کی۔ "میں قسم کھاتا ہوں۔"

"جھوٹ!" عالیار غصے سے بولا۔ ارسل کی قمیض پھٹنے کے قریب تھی۔ "تم یہاں کیوں بھیجے گئے؟ تمہارا مشن کیا ہے؟ کیا تمہیں مجھے مارنے کے لیے بھیجا گیا ہے؟"

ارسل مزاحمت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ساکت کھڑا تھا۔ قسمت ایک بار پھر اس کی مرضی کے خلاف باقی پلٹنے والی تھی۔

"حیدر؟" اُس نے آگے بڑھتے ہوئے التجا کی تاکہ عالیار کی نظر کے دائرے میں آسکے۔ "پلیز اسے چھوڑ دو۔ وہ سپریم کے لیے کام نہیں کر رہا، میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"تم کیسے یقین کر سکتی ہو؟" عالیار نے بالآخر اُس کی طرف دیکھا، وہ ابھی بھی غصے میں کانپ رہا تھا۔ "میں تمہیں بتا رہا ہوں، اس کے لیے یہ جاننا ناممکن ہے!"

"وہ تمہارا بھائی ہے۔ تم دونوں کا باپ ایک ہی شخص ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہہ ڈالا اور یہ وہ لمحہ تھا جب سامنے کھڑا عالیار ساکت ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے سب کچھ تھم گیا تھا۔ وقت۔ گھڑی کی سوئیاں۔ اس کی سانسیں۔ اس کے ہاتھ، وہ خود بھی۔ اس کی تیز سانسیں مدھم ہونے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی گہری ہوتی گئی۔

"کیا؟" اس کی آواز سرد اور کھوکھلی تھی۔

"یہ سچ ہے۔" عالیانہ نے تیزی سے بتایا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔۔ "تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ ارسل تمہارا بھائی ہے۔ تم دونوں کا باپ ایک ہی شخص ہے۔"

اور دیکھتے ہی دیکھتے عالیار حیدر کے چہرے کی ہر چمک ماند پڑھ گئی۔ اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ ارسل کے گرد ڈھیلے ہونے لگے۔ شل دماغ۔ ماؤف ہوتا ذہین۔ بے یقینی۔ حیرت۔

"نہیں!" اس کی آواز دھیمی اور شکستہ تھی۔ اس نے بے بسی سے اپنے لرزتے ہاتھوں کو دیکھا پھر اس کی نظریں ارسل کی جانب گئیں۔ وہ بار بار کچھ کہنے کو لب کھولتا مگر اسے الفاظ کا سہارا نہ ملا۔

"اسے بتاؤ، ارسل! اسے سچ بتاؤ!" عالیانہ نے ارسل کے قریب جاتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں التجا تھی۔

ارسل خاموش کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اس کی آنکھیں جذبات سے عاری جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو۔

"خدا کا واسطہ، ارسل! اسے سچ بتاؤ!" اس کی بلند آواز میں غصہ اور دکھ دونوں شامل تھے۔

عالیار نے سر موڑ کر عالیانہ کی جانب دیکھا تھا۔ "تم جانتی تھی؟" اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا جو سمجھ سے باہر تھا۔ "تم اس سارے وقت سے جانتی تھیں؟ اور تم نے کبھی کچھ نہیں کہا؟"

میں بتانا چاہتی تھی لیکن یہ میرا راز نہیں تھا۔" اس نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"نہیں!" اس کا سر دوبارہ سے درد کرنے لگا تھا۔ پھر اس نے کنپٹی کو چھو کر سر جھٹکا۔ "یہ سب بے معنی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کی نظریں خلا میں بھٹکنے لگیں۔ ارد گرد کی حقیقت کہیں غائب ہو چکی تھی۔

پھر اس نے ارسل کی طرف دو قدم بڑھائے، غصے سے بھری آنکھوں کے ساتھ۔ "سچ بتاؤ! مجھے جاننے کا حق ہے!"

ارسل نے آخر کار ہونٹوں کو ہلایا۔ "یہ سچ ہے۔" تین الفاظ۔ دنیا کو ہلا دینے والے تین الفاظ۔ وقت جیسے تھم گیا۔ ہر پل ٹھہر سا گیا۔ لمحہ یادگار بن گیا تھا، ایک ایسا لمحہ جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عالیار دھیرے دھیرے دو قدم پیچھے ہٹا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ماتھے کو چھوا۔ اس کی سانسیں تیز ہونے لگی تھیں۔ وہ بے قابو ہو کر کبھی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا، کبھی چہرے پر ہاتھ پھیرتا، کبھی گردن کا پچھلا حصہ دباتا۔

"کیسے؟" اس کی مدھم آواز بوجھل تھی۔ پھر جیسے پردہ اٹھنے لگا۔

ارسل کے منہ سے سچائی ایک ایک لفظ بن کر نکلنے لگی۔ ہر لفظ ایک زخم کو اور گہرا کر رہا تھا، ماضی کی چھپی ہوئی حقیقتیں یکے بعد دیگرے سامنے آنے لگیں۔ باقی سب خاموش تماشائی تھے۔ اس وقت وہ دونوں بھائی دنیا کی سب سے مشکل گفتگو کر رہے تھے۔

••••••☆☆☆••••••

عالیار ایک کونے میں بیٹھا تھا، ارسل دوسرے کونے میں۔ دونوں نے انہیں تنہا چھوڑنے کی درخواست کی تھی۔

ارسل تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا، مگر شکست خوردہ نہیں۔ وہ تھکا ہوا تھا، لیکن پریشان نہیں۔ اس کے چہرے پر اس سکون کا امتزاج تھا، جو اس نے کافی عرصے سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ مطمئن نظر آ رہا تھا، جیسے کسی نہ ختم ہونے والے تنازعے کا اختتام ہو چکا ہو۔

شاید ارسل یہ سوچ رہا تھا کہ عالیار کو سچ بتانے سے ان کے درمیان زندگی بھر کی جنگ چھڑ جائے گی۔ لیکن عالیار بالکل ناراض نہیں ہوا۔ وہ نہ الجھا، نہ غصہ ہوا۔ وہ بس حیران تھا، یقین کی حد سے باہر۔

ایک باپ۔ دو بھائی، دو بھائی جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ سب اس دنیا کے ظلم کی وجہ سے، جس میں انہیں پالا گیا تھا۔ اُن جھوٹوں کی وجہ سے، جو انہیں سنائے گئے تھے۔ ایک باپ، جو ایک قاتل تھا اور جس نے ہر کسی کی زندگی برباد کی۔ حالانکہ اس نے اکیلا رہنے کی درخواست کی تھی، لیکن وہ خود کو اس کے قریب جانے سے نہ روک سکی۔ اس لمحے اس کو اس کے پاس ہونا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتے

ہوئے وہ اس کے قریب گئی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ عالیار نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ ایک ٹانگ سیدھی کیے اور دوسری موڑ کر بیٹھا ہوا تھا، سر جھکائے۔ جب عالیانہ اس کے قریب آئی، تب بھی اس نے سر نہیں اٹھایا۔ جب وہ اس کے پاس بیٹھی تب بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تب بھی وہ بے حس و حرکت رہا۔

کچھ پل خاموشی میں گزر گئے۔

"تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" عالیار نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس کا چہرہ اب بھی جھکا ہوا تھا۔

"تمہیں اندازہ نہیں کہ میں نے کتنی بار یہ بات تمہیں بتانے کا سوچا تھا۔"

اس نے گہری سانس لی۔ "تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "مجھے واقعی افسوس ہے۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ ایک اور لمبی خاموشی۔

"میرا ایک بھائی ہے۔"

عالیار نے پہلی بار سر اٹھا کر عالیانہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا کرب تھا

"میرا ایک بھائی ہے اور میں نے اسے تقریباً مار دیا تھا۔"

اس کی نظریں دور کہیں خلا میں مرکوز تھیں، درد اور الجھن میں جکڑی ہوئی، وہ پچھتاوے جیسی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"مجھے واقعی افسوس ہے۔" عالیانہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ "آئی ایم سوری۔"

"مجھے پہلے ہی معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔ اس کی آنکھیں ہمیشہ مجھے جانی پہچانی لگتی تھیں۔ اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ اس کی آنکھیں بلکل بابا کی آنکھوں جیسی ہیں۔"

عالیار نے گہری سانس لی۔ "یہ ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ ہے۔ میں اپنی پوری زندگی اس سے نفرت کرنے کے لیے تیار تھا۔"

"کیا مطلب... کیا اب تم اس سے نفرت نہیں کرتے؟"

عالیار نے سر جھکا لیا۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ وہ بمشکل سن سکی۔ "میں اس کے غصے سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں، جب میں جانتا ہوں کہ یہ کہاں سے آتا ہے۔ میں اس کے بابا کے ساتھ تعلقات کی حد بخوبی تصور کر سکتا ہوں۔ میرے بابا نے اسے ایسا بنایا ہے۔ میں بس حیران ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ انسانیت کے ساتھ بچ گیا ہے۔" ایک وقفہ۔ "نہیں! میں اس سے نفرت نہیں کرتا، اور اگر میں یہ کہوں کہ میں اس کی تعریف نہیں کرتا تو یہ جھوٹ ہو گا۔" اس کے آنسو نکلنے کو تھے۔ اسے لگا وہ رو پڑے گی۔

ان کے درمیان چند لمحات گزرے صرف خاموش سانسوں کی آواز کے ساتھ۔

"چلو!" اس نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اب آرام کرنا چاہیے۔"

عالیار نے سر ہلایا، اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ مگر اس نے ارسل کو دیکھا۔ پھر وہ رک گیا، الجھا ہوا، شدید درد میں مبتلا۔ وہ ارسل کو دیکھنے لگا، ارسل نے بھی اسے واپس دیکھا۔ کافی دیر تک وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر وہ قدم اٹھاتا ارسل کے قریب پہنچا۔ ارسل فوراً دفاعی انداز میں کھڑا ہوا مگر جیسے ہی عالیار قریب پہنچا، اڑ کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، اور عالیار بول رہا تھا۔ وہ سن نہیں سکتی تھی وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن وہ دیکھ سکتی تھی ارسل کا چہرہ سنجیدہ ہے۔ اُس نے نیچے فرش کی طرف دیکھا، پھر سر ہلایا۔

عالیار بات کرتا رہا، ارسل نے دوبارہ سر ہلایا۔ پھر وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں ایک دوسرے کو تسلیم کرتے رہے، اور پھر عالیار نے اپنا ہاتھ ارسل کے کندھے پر رکھا۔ اور ہلکا سا تھپتھپایا۔ اسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ چند مزید الفاظ کا تبادلہ ہوا، پھر عالیار نے ایک آخری نظر ڈالی اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

لفٹ کے دروازے بند ہونے کے ساتھ ہی اس نے پوچھا۔

"تم نے اسے کیا کہا؟"

عالیار نے بس ایک نظر اس طرف دیکھا جب بولا تو اس کی آواز نرم تھی۔

"یہ واقعی ایک ناممکن کام ہے، کسی کو قتل کرنے کی کوشش کرنے پر معافی مانگنا۔ پھر بھی، میں نے کوشش کی۔ میں نے اسے بتایا کہ اب میں اسے سمجھتا ہوں۔ اس کا درد۔ اس کا غصہ۔ اس کے اعمال۔ میں نے اسے بتایا کہ اس نے ہمارے باپ کی پرورش کے باوجود ایک بہت بہتر انسان بننے میں کامیابی حاصل کی، جو میں کبھی نہیں بن سکوں گا۔" اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھوڑا زور سے دبایا۔ لفٹ کے دروازے کھلتے ہی وہ بیڈروم کی طرف چل دیے۔

"تمہیں کچھ بدلا بدلا لگ رہا ہے؟" اس نے اچانک چہرا موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"یہ کہ ارسل اور میں... بھائی ہیں، یہ جاننے کے بعد تمہیں کچھ بدلا سا محسوس نہیں ہو رہا۔"

"نہیں، مجھے کافی عرصے سے معلوم تھا، اس سے میرے لیے کچھ نہیں بدلا۔"

"میرا ایک بھائی ہے۔ میرے لیے یہ بہت خوبصورت احساس ہے۔"

"تو کیا تم خوش ہو؟"

عالیار نے فوراً جواب نہیں دیا۔ "میں ناخوش نہیں ہوں۔"

"مجھے تو یہ سب بہت زبردست لگ رہا ہے!"

"اور تم اتنی خوش کیوں ہو؟ میں نے پہلے کبھی تمہیں اتنا خوش نہیں دیکھا۔"

اس نے اپنی آنکھیں اس کی طرف موڑیں۔ "کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ تم خوش رہو، کہ تمہیں ایسے لوگ ملیں جو تمہاری پرواہ کرتے ہوں۔"

"میرے پاس للی ہے اور یہ کافی ہے۔" اس کا چہرا ایک دم سے اتر گیا۔ کیا وہ اب اس کی زندگی میں نہیں رہی تھی۔ کیا اب وہ ان لوگوں کی فہرست میں نہیں آتی جنہیں اس کی پرواہ ہو۔

اس پہلے کے اس کی آنکھیں آنسو بہاتیں اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

"تمہیں اس کے علاوہ بھی کسی کی ضرورت ہے۔" اس نے کہا لیکن عالیار نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ایک بات پوچھوں؟" کچھ دیر بعد عالیار اس سے مخاطب ہوا۔

"میں تمہارا دوست ہوں؟" اس نے اس انداز میں پوچھا کہ ایک پل کے لیے وہ اس کو پہچان ہی نہیں پائی۔ اس نے بے ساختہ چہرا اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں! تم میرے دوست ہو۔"

"مگر تمہارا سب سے اچھا دوست نہیں۔ وہ داس ہے، ہے نا؟"

"ہاں! مگر تم میرے پسندیدہ دوست ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ عالیار کی آنکھیں ایک دم بدلیں۔ کیا اس نے ابھی پسندیدہ کہا تھا؟ کیا اس نے عالیار کو اپنا پسندیدہ دوست کہا تھا۔ کچھ پل وہ ٹھہر کر سامنے بیٹھی عورت کو دیکھنے لگا۔

"شکریہ!" وہ مسکرایا تھا۔ زندگی نے جو کچھ بھی اس سے چھینا تھا، وہ سب اس شخص کی صورت میں لوٹا دیا تھا۔

••••••☆☆☆•••••

وہ بستر کے کنارے بیٹھی تھی، کہنیاں گھٹنوں پر ٹکی ہوئی تھیں، اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا طوفان برپا تھا۔

"تم تیار ہو؟" عالیار کی نرم آواز نے خاموشی توڑی۔

اس نے آہستہ سے سر اٹھایا، آنکھوں میں الجھن تھی، پھر وہ دھیرے سے کھڑی ہوئی، سر ہلا کر اس کی بات کا اقرار کیا۔

"گہری سانس لو۔" عالیار اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک تھی جو عزم اور پختہ یقین سے بھری ہوئی تھی، وہ چمک جس نے ہمیشہ اسے محفوظ محسوس کرایا۔ "تم کر سکتی ہو۔ تم غیر معمولی ہو۔" اس نے سر ہلایا۔ مسکرانے کی کوشش کی، مگر مسکراہٹ ادھوری رہ گئی۔

"کسی بات کا خوف نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تم پر آواز بھی نہیں اٹھا سکے گا۔"

آج ان کے لیے بہت بڑا دن تھا۔ آج ان کے پلان ون پر عمل ہونے والا تھا۔
عالیار نے ایک بڑا اجلاس بلایا تھا۔ "سپاہی غیر مسلح ہوں گے۔" عالیار نے پہلے ہی اسے بتایا تھا۔ سب اس کی بات سننے آئے تھے۔ داس، کیسر، اور باقی سب، آج بولنے والی صرف وہ تھی۔ اُس نے خود کو قیادت کے لیے پیش کیا تھا، وہ چاہتی تھی کہ پہلی مشکل خود برداشت کرے۔

عالیار نے اسے اپنے بیڈروم کے دروازے سے باہر لے جا کر، ہال کی طرف اس کی رہنمائی کی۔ جیسے ہی وہ ہال میں داخل ہوئے۔ دونوں ہال کے خالی راستوں سے گزرے۔ فوجی، جو پہلے اس کے کمرے کے آس پاس گشت کر رہے تھے، جا چکے تھے، وہ اجلاس میں پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔۔ جیسے جیسے وہ لفٹ کی طرف بڑھ رہی تھی، حقیقت اس پر حاوی ہونے لگی۔ آج کا دن ایک فیصلہ کن لمحہ تھا۔ آج جو ہونے والا تھا، اس کا اثر گہرا اور دور رس ہو گا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو، وہ خود کو ظاہر کرنے جا رہی تھی۔ یہ ان کا سکندر کے لیے پیغام تھا۔

"میں زندہ ہوں۔" اس نے اپنے دل میں دہرایا۔ "میں تمہاری اپنی فوجوں کا استعمال کرتے ہوئے تم تک پہنچوں گی، اور تمہیں فنا کر دوں گی۔"

عالیار نے اس کا ہاتھ تھام لیا، اور اس نے آہستگی سے اس کی انگلیوں کو دبایا۔ وہ سنجیدہ تھا ۔ وہ دونوں لفٹ سے اوپر گئے۔ ایک بڑے دروازے سے گزرنے کے بعد وہ ایک کھلے صحن میں پہنچے، وہی صحن جہاں وہ پہلے قیدی بن کر آئی تھی۔ اب نہ وہ قیدی تھی اور نہ

خوف زدہ۔ وقت کی دوڑ میں سب بدل گیا تھا کچھ نہیں بدلا تھا تو وہ جو اس وقت اس کے ساتھ تھا، وہی بھورے بالوں والا لڑکا جو پہلی بار اسے یہاں لایا تھا۔

عالیار نے آگے بڑھنے سے پہلے تصدیق کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے معمولی سا سر ہلایا، عالیار نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ دونوں آگے بڑھے۔

نیچے کھڑے فوجی حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کا کمانڈر ان کے سامنے کھڑا تھا۔ یونیفارم میں ملبوس۔ لال پیلے سبز امتیازی بیجز۔ اکھڑے تیور۔ سنجیدہ چہرا۔

اس نے اپنی جیب سے چھوٹا جالی دار ٹکڑا نکالا اور اسے اپنے لبوں سے لگا کر مٹھی میں مضبوطی سے بند کیا۔

"سیکٹر فائیو!" اُس کی آواز بلند ہوئی۔ ہر جانب خاموشی چھا گئی۔

سپاہیوں نے فوراً رد عمل دیا، ان کی دائیں مٹھیاں ان کے سینوں پر آ گئیں، اور بائیں مٹھیاں آزاد ہو کر نیچے لٹک گئیں۔

"آپ کو بتایا گیا تھا کہ ہم نے 'ایلفا پوائنٹ' نامی مزاحمتی گروپ کو شکست دے دی تھی۔ آپ کو یقین دلایا گیا تھا کہ ہم نے مزاحمت کو کچل دیا ہے۔ آپ کو یہ بھی کہا گیا تھا کہ ہم نے ان کا گھر تباہ کر دیا اور ان کے باقی بچ جانے والوں کو ختم کر دیا۔"

وہ بول رہا تھا۔اس کی آواز پورے صحن میں گونج رہی تھی۔وہی پر سکون لہجہ، وہی گہرا اور نرم مگر سرد لہجہ۔کتنا خوبصورت بولتا تھا وہ۔دل چاہتا تھا کہ وہ بولتا رہے اور برسوں وہیں کھڑے اسے سنتے رہیں۔

"آپ کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ 'درستور' کی طاقت پر کبھی شک نہ کرنا۔ہم ناقابل شکست ہیں۔"

سپاہی ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئے۔عالیار کی بات جاری رہی۔

"اور مجھے امید ہے کہ آپ نے ان جھوٹوں پر یقین نہیں کیا ہو گا۔"

وہ ان کے تاثرات کی پرواکیے بغیر بول رہا تھا۔

"عالیانہ سلیم زندہ ہے۔وہ میرے ساتھ ہے۔آج وہ آپ سب کو ایک پیشکش کرنے آئی ہے۔"

اس نے ایک لمحے کو توقف کیا اور ایک نظر عالیانہ پر ڈالی۔سر کی معمولی جنبش سے اسے آگے آنے کا اشارہ دیا۔

عالیانہ نے قدم بڑھایا،اس کے ہاتھ سے جالی لے کر اسے ہونٹوں سے لگایا۔

"آپ میرا تعارف جانتے ہیں۔میں عالیانہ سلیم ہوں،اور میں 'درستور' کو تباہ کرنا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز اتنی بلند تھی، اتنی زور سے مجمع پر گونجی کہ ایک لمحے کے لیے وہ خود حیران رہ گئی۔ فوجی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ حیرت، بے یقینی، اور سکتہ ان کے چہروں پر نمایاں تھا۔ پھر سرگوشیاں ہونے لگیں، جیسے وہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

"میں آپ کو جنگ میں قیادت کرنا چاہتی ہوں۔ میں لڑنا چاہتی ہوں...." لیکن کوئی بھی اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔

منظم صفوں کی ترتیب اب بگڑ چکی تھی۔ سپاہی ایک ہجوم میں بدل چکے تھے، ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے، چلا رہے تھے اور آپس میں بحث کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ اس نے اتنی جلدی ان کی توجہ کھو دی، وہ مایوس ہو گئی۔

"ہچکچاؤ نہیں! تمہیں فوراً ردعمل دینا ہو گا۔ ابھی۔" عالیار نے قریب آ کر سرگوشی کی۔

اس وقت عالیانہ زمین سے تقریباً پچاس فٹ اونچائی پر ایک پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ اگر وہ اوپر جانا چاہے تو یہاں مزید تین سطحیں ہیں۔ سب سے اونچی سطح پر علاقے کے اسپیکرز نصب تھے، جو پورے علاقے میں آواز پہنچا سکتے تھے۔

عالیار نے اس کا بازو پکڑا اور اسے ساتھ لیے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ نیچے موجود فوجی اپنی توجہ دوبارہ کھو چکے تھے۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے عالیانہ کی طرف اشارے کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ عالیانہ کو اندازہ نہیں تھا کہ آیا یہ خبر پہلے

ہی عوام یا سپریم کمانڈر کے جاسوسوں تک پہنچ چکی ہے، لیکن اس وقت وہ ان باتوں کی فکر کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔ ابھی اس کی تقریر مکمل نہیں ہوئی تھی، اور وہ پہلے ہی ان کی توجہ کھو چکی تھی۔ یہ صورت حال خطرناک تھی۔

اب وہ دونوں زمین سے تقریباً پچاس فٹ بلند ہو چکے تھے ا۔ جب وہ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی، تو اس نے دوبارہ نیچے موجود ہجوم پر نظر ڈالی۔

اس بار ان کی توجہ دوبارہ اس کی طرف مرکوز ہو چکی تھی۔ عالیانہ نے مائیکروفون کو اپنی مٹھی میں مضبوطی سے تھاما اور بولنا شروع کیا،

"میرے پاس آپ سب سے صرف ایک سوال ہے۔"

اس کی آواز مضبوط اور واضح تھی، پورے مجمع پر گونج رہی تھی۔ ہجوم مکمل خاموشی میں اس کی بات سننے لگا۔

"درستور نے تمہارے لیے کیا کیا ہے؟"

اب وہ واقعی توجہ دے رہے تھے۔ ہر آنکھ اور ہر کان اس کے الفاظ کو سننے کے لیے تیار تھا۔

"انہوں نے آپ کو کچھ نہیں دیا، سوائے معمولی اجرتوں اور ایسے مستقبل کے وعدوں کے جو کبھی پورے نہیں ہوں گے۔ انہوں نے آپ کے خاندانوں کو تقسیم کر دیا، انہیں مختلف زمینوں میں بکھیر دیا۔ آپ کے بچوں کو بھوک سے بلکتا چھوڑا اور آپ کے گھروں

کو تباہ کر دیا۔ وہ آپ کو جھوٹ پر جھوٹ سناتے ہیں، آپ کو اپنی فوج میں شامل ہونے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ آپ کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔ اور آپ کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچتا۔ اس لیے آپ ان کی جنگیں لڑتے ہیں، اپنے ہی دوستوں کو مارتے ہیں، صرف اپنے خاندانوں کو زندہ رکھنے کے لیے۔ اور ان کے زندہ رہنے کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔"

اب ہجوم کی مکمل توجہ اس پر تھی۔

"وہ شخص جسے آپ نے اس قوم کا سربراہ مان لیا ہے، وہ ایک بزدل انسان ہے!"

عالیانہ کی آواز میں حقارت واضح تھی۔

"وہ ایک کمزور انسان ہے، جو عوام کے سامنے آنے سے ڈرتا ہے۔ وہ چھپ کر رہتا ہے، ان لوگوں سے دور، جو اس پر انحصار کرتے ہیں۔ اور پھر بھی، اس نے آپ کو سکھایا کہ اس سے ڈرنا ہے۔ اس نے آپ کو سکھایا کہ اس کا نام سنتے ہی آپ کی روح کانپنے لگے۔"

عالیانہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"شاید آپ نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہو، لیکن میں نے اسے دیکھا ہے۔ اور میں متاثر نہیں ہوئی۔"

پھر اس نے ہجوم کی جانب نظریں گھمائیں اور زور دے کر کہا۔

"ایک نئی مزاحمت میں شامل ہو جائیں! ہم اکثریت میں ہیں۔ ہم متحد ہو سکتے ہیں۔ کیا آپ اسی طرح جینا چاہتے ہیں؟"

اس نے دور کمپاؤنڈز کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ ہمیشہ بھوکے رہیں گے؟ کیونکہ وہ آپ سے ہمیشہ جھوٹ بولتے رہیں گے!"

اس کی آواز گہری اور پرزور تھی۔

"ہماری دنیا ناقابل مرمت ہے۔ اسے بچایا جا سکتا ہے۔ ہم اپنی فوج بنا سکتے ہیں، ہم ایک ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ میرے ساتھ شامل ہو جائیں! میں وعدہ کرتی ہوں کہ حالات بدل جائیں گے!"

"کیسے؟" کسی نے ہجوم میں سے چیخ کر پوچھا۔

"تم اس طرح کا وعدہ کیسے کر سکتی ہو؟"

عالیانہ نے پل بھر کے لیے توقف کیا، پھر اپنی بات پوری قوت سے کہی۔

"مجھے درستور سے کوئی خوف نہیں ہے، اور میرے پاس وہ طاقت ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ طاقت جس کا سپریم کمانڈر مقابلہ نہیں کر سکتا!"

میرے پاس یقین کی طاقت ہے! خود پر یقین۔ خود پر یقین آپ کو بڑی سے بڑی جنگیں جتوا سکتا ہے۔" اس نے بلند آواز میں اعلان کیا۔

"آپ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں اگر آپ کو خود پر یقین ہے۔ آپ لڑ سکتے ہیں اگر آپ کو خود پر یقین ہے۔ آپ جیت سکتے ہیں اگر آپ کو خود پر یقین ہے۔ میرے ساتھی بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ لڑیں گے!"

اب ہر آنکھ اس پر تھی۔

اس نے نچلی سطح پر کھڑے داس کی طرف دیکھا، وہ فخریہ والدین کی طرح مسکرایا۔ اس نے اپنا بہترین تعارف پیش کیا تھا۔

"آپ تنہا نہیں ہیں۔ اب آپ کو مزید خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنی دنیا واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اپنے خاندانوں اور دوستوں کی زندگیاں بچانا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو بہتر مستقبل ملے۔ اور ہم لڑنا چاہتے ہیں۔ ہم جیتنا چاہتے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں جذبہ تھا۔ "اور ہم آپ سے مدد مانگ رہے ہیں۔"

ایک لمحے کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔ اور پھر، اچانک، خوشی کے نعرے، چیخیں اور قدموں کی دھمک پورے مجمع میں گونجنے لگیں۔

عالیار نے قدم آگے بڑھائے۔ مائیکروفون تھاما۔ "سیکٹر فائیو! کل سب کچھ بدل جائے گا۔ سپریم چند دن میں یہاں ہو گا۔ جنگ کی تیاری کرو۔"

••••••☆☆☆••••••

"کیسا رہا؟"

"شاندار!" داس نے مسکراتے ہوئے معاذ کو اٹھا لیا۔

کیسر نے اس کے کندھے پر تھپکی دی "بہت عمدہ کام کیا، عالیانہ۔"

دھان اور اشعل مسکراتے ہوئے اس کی طرف بھاگے۔ "یہ زبردست تھا! ایسا لگ رہا تھا جیسے تم دونوں سیلیبرٹی ہو!"

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہ کام کرے گا؟" میلیسا نے آخر کار پوچھا۔

"یہ ایک آغاز ہے۔ ہمیں تیزی سے آگے بڑھنا ہو گا۔" داس نے کہا مگر اگلی بات عالیار نے سنبھال لی۔

"بیس محفوظ ہو چکی ہے۔ ہم لاک ڈاؤن میں ہیں۔ کوئی بھی اندر یا باہر نہیں جا سکے گا۔" عالیار نے ہر سکون انداز میں سب پر ایک سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے بتایا۔

"تو اب ہم کیا کریں؟" سیم نے پوچھا۔

"ہم انتظار کریں گے، اگر انہیں ابھی تک علم نہیں ہوا، تو اگلے پانچ منٹ میں ہو جائے گا۔ سپریم کو علم ہو جائے گا کہ تمہارے گروپ کے کچھ افراد اب بھی زندہ ہیں۔ کہ عالیانہ اب بھی زندہ ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ میں نے اس کی نافرمانی کی ہے اور اس کے خلاف عوامی طور پر کھڑا ہوا ہوں۔ اور وہ بہت، بہت غصے میں ہوں گے۔ یہ میں بالکل یقین سے کہہ سکتا ہوں۔"

"تو ہم جنگ میں جائیں گے۔" اشعل بولا۔

"ہاں۔" عالیار بہت پر سکون تھا۔ "ہم جلدی لڑیں گے۔"

"اور سپاہی؟ کیا وہ واقعی تیار ہیں؟" عالیانہ نے پوچھا۔

"ہاں! میں ان کے جذبے کی گہرائی محسوس کر سکتا ہوں۔ تمہارے لیے ان کا اچانک احترام۔ ان میں سے بہت سے لوگ اب بھی ڈرتے ہیں، اور کچھ ابھی بھی شکوک و شبہات میں سختی سے جکڑے ہوئے ہیں، لیکن تم نے صحیح کہا، وہ شاید خوفزدہ ہیں، لیکن وہ اس طرح کے سپاہی نہیں بننا چاہتے۔ وہ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔"

"اور عام شہری؟"

"وہ بھی پیروی کریں گے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟"

"میں اس جگہ پر ہوں جہاں میں کسی بھی چیز کو یقین نہیں کر سکتا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میں نے کبھی، اس سیکٹر میں اپنے پورے وقت کے دوران اپنے آدمیوں میں اس طرح کی امید محسوس نہیں کی جیسی آج میں نے دیکھی کی۔ یہ اتنی طاقتور تھی، اتنی بھرپور تھی کہ، میں اسے دور سے بھی محسوس کر سکتا ہوں۔ یہ تقریباً میرے خون میں دوڑ رہی ہے۔"

••••••☆☆☆••••••

عالیانہ! ارسل کا چہرہ تھوڑا مضطرب لگ رہا تھا، بے چینی اُس کی حرکات سے عیاں تھی۔

"کیسے ہو؟" اُس نے ہلکی آواز میں کہا۔

"بہتر ہوں... "اُس نے ہلکی سی سانس لی۔ "جو تم نے کیا، وہ زبردست تھا۔ میں .... "اس نے ماتھے کو چھوا۔ "میں بس تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ پہلے نہیں تھا اب ہوں۔ میں پیچھے نہیں ہٹوں گا، نہ اب نہ آئندہ کبھی۔ "کچھ پل وہ اسے دیکھتا رہا۔

ارسل نے ایک لمبی سانس لی۔ "تم واقعی بدل گئی ہو؟" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں! میں بدل گئی ہوں۔ "ارسل نے ایک بار پھر سر ہلایا، ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری، پھر وہ پیچھے مڑنے ہی والا تھا، پھر واپس پلٹا۔

"کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟" اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر ارسل نے اسے خاموش کروا دیا۔

"جواب ہاں یا نہ میں ہونا چاہیے۔"

"اف کورس ہاں! ناں کی گنجائش تو ہے ہی نہیں۔ تم پہلے سے ہی میرے دوست ہو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ارسل یکدم پر سکون نظر آیا۔ اس کے کندھوں پر سے جیسے منوں کا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ مسکرا دیا۔ آج بہت دنوں بعد اسے اس ارسل میں پرانا ارسل دکھائی دیا تھا۔

تب ہی لفٹ سے عالیار آتا دکھائی دیا۔اس نے پہلے ارسل کو دیکھا، پھر عالیانہ کو، پھر دوبارہ ارسل کو۔ارسل نے معمولی سی جنبش سے اسے سلام کیا۔عالیار قریب آیا۔ارسل جانے کے لیے مڑا۔"تم یہاں کھڑے رہ سکتے ہو،اگر تم چاہو۔"عالیار نے پیچھے سے کہا۔ارسل کے قدم زنجیر ہوئے۔اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔وہ واپس پلٹ گیا۔تب ہی داس نے عالیانہ کو آواز دے کر بلایا،وہ معذرت کرتی داس کے پاس چلی گئی۔شاید وہ دونوں انہیں اکیلا چھوڑنا چاہتے تھے تاکہ وہ بات کر سکیں۔

"تمہیں مجھے شروع سے ہی بتا دینا چاہیے تھا،شاید میں خود سے اتنا شرمندہ نہ ہوتا، جتنا اب ہوں۔"ارسل خاموش رہا۔

"لیکن اس میں بھی تمہارا قصور نہیں۔شاید میں بھروسے کے قابل ہی نہیں ہوں۔"ارسل اب بھی خاموش تھا۔

"جانتے ہو ہماری ایک بہن بھی ہے؟"وہ جو خاموش کھڑا تھا،ایک دم سے چونکا۔

"کیا؟واقعی؟"ارسل بے ساختہ بول اٹھا۔اس کا چہرا ایک دم کھل اٹھا۔

عالیار نے اثبات میں سر ہلایا۔"خوشی کی بات یہ کہ وہ مجھ جیسی نہیں ہے۔وہ بہت معصوم ہے۔بہت پیاری۔کیا تم اس سے ملنا چاہو گے؟"

"ہاں!ضرور۔"ارسل بار بار اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔"مجھے کچھ کام ہیں۔کچھ انتظامات کروانے کے بعد میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔"عالیار پلٹنے لگا جب ارسل بولا۔

"شکریہ!" عالیار سر ہلایا اور اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔ پہلی بار، زندگی میں پہلی بار عالیار ارسل کو دیکھ کر ایسے مسکرایا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ دونوں ٹریننگ روم کے ایک کونے میں کھڑے تھے۔ عالیار کے ہاتھ مضبوطی سے اس کے کندھوں پر جمے تھے۔ اس کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک تھی، جیسے اُس نے چاند آسمان سے اُتار کر اُسے دکھا دیا ہو۔

"مجھے فوراً جانا ہوگا۔" اُس کے لہجے میں عجلت تھی۔ "اب بہت کچھ ہے جو کرنا ہوگا، مجھے ملیک سے دوبارہ ملنا ہے۔ میں فوجی تیاریوں کی ہر تفصیل کا خیال رکھوں گا، میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ میرے آدمی پوری طرح تیار ہوں گے۔"

وہ خاموشی سے سر ہلائے جارہی تھی، شکر گزاری کے الفاظ اس کے لبوں سے ادا نہیں ہو پارہے تھے۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اس شخص کے احسانوں تلے دب چکی تھی۔ عالیار ابھی بھی اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس کے ہاتھ آہستہ سے اس کے چہرے کی طرف بڑھے، اس کے انگوٹھے نے اُس کے گال کو بہت نرمی سے چھوا۔

"تم عظیم بنو گی! میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتا۔ میں نے تمہیں پانے کا حق کبھی نہیں پایا۔" جب وہ بولا تو اس کی آواز نرم مگر گہری تھی۔ وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ غلط

ہے، کہ وہ اب ایسا نہیں سوچتی لیکن وہ خاموش رہی۔ کیونکہ یہ موقع ان باتوں کا نہیں تھا۔

"آج تم بہت خوش لگ رہے ہو، بہت پر سکون۔ بہت آرام دہ۔"

"تم مجھے جاننے لگی ہو۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"ملیک آیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ للی کو مکمل طور پر ہوش میں آگئی ہے، اس نے ریکور کر لیا ہے۔ اب وہ کفین اور دوا کے بغیر رہ سکتی ہے۔"

اس کی آواز اتنی پر سکون، اتنی میٹھی، اتنی خوبصورت۔" جانتی ہو اس نے ملیک سے کیا کہا؟"

"کیا؟" عالیانہ نے بے اختیار پوچھا۔

"اس نے کہا کہ وہ عالیار بھائی سے ملنا چاہتی ہے۔ مطلب وہ مجھے پہچانتی ہے۔ اسے.... اسے میں یاد ہوں۔ وہ اپنے بھائی کو نہیں بھولی۔ میں شروع سے یہی سوچتا تھا، بھلا کوئی بہن اپنے بھائی کو بھول سکتی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتی کہ میں کتنا خوش ہوں۔ میں بہت خوش قسمت ہوں۔ مجھے ایک ساتھ دو رشتے ملے ہیں۔ ایک بھائی اور ایک بہن۔" وہ اتنا خوش تھا، اتنا خوش تھا جیسے اسے پوری دنیا مل گئی ہو۔ وہ زندگی میں پہلی بار اتنا خوش، اتنا مطمئن، اتنا پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں وہ سفید گھر یاد ہے نہ؟ جہاں عالیانہ رہتی ہے؟ میرا گھر۔" اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

"وہاں کا راستہ بھی معلوم ہے؟" اس نے دوبارہ سر ہلایا۔ پچھلی بار جب وہ داس کے ساتھ وہاں گئی تھی، تو اس نے راستے یاد کر لیے تھے۔

"اب ہم خود کو ظاہر کر چکے ہیں، اب کسی کو کسی سے چھپنے کی ضرورت نہیں، تو.... تو دو گھنٹوں بعد ٹھیک پانچ بجے۔" اس نے کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی۔ "کیا تم ارسل کو وہاں لے کر آسکتی ہو؟ میرے لیے؟ میں چاہتا ہوں وہ بھی خود سے وابستہ رشتوں کو جان لے۔ اور للی بھی اسے دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔"

"دو گھنٹے میں، ٹھیک دو گھنٹے بعد میں تمہیں اس وائٹ ہاؤس ملوں گا۔ اوکے؟ تب تک مجھے کچھ کام نپٹانے ہیں۔"

پھر اس نے اپنا داہنا ہاتھ اس کی گال پر رکھا۔ نرمی سے۔ پیار سے۔ عقیدت سے۔ "میں بہت خوش قسمت ہوں، کہ تم میری زندگی میں آئی۔ 'تم میرا لکی چارم ہو'۔"

"عالیار!" اس سے پہلے وہ جاتا، عالیانہ نے اسے پکارا۔

"ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے؟" اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ گال کا ڈمپل واضح ہوا تھا۔

"ہمیشہ رہوں گا۔" اس نے اسی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"وعدہ!" کہہ کر اس نے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اس کی جانب بڑھائی۔ وہ سر جھٹک کر مسکرایا اور اپنی چھوٹی انگلی سے اس کی انگلی ملائی۔ "وعدہ!" اسے یاد آیا للی نے بھی ایک بار اس سے ایسا وعدہ لیا تھا۔

"اور اگر میں اس سب کے ساتھ خوش نہ رہ سکی؟" اس کا اشارہ اس کی کمانڈرنگ کی طرف تھا، کیونکہ وہ دن رات کام کرتا تھا۔ اگر سب کچھ ٹھیک ہونے کے بعد وہ اسے وقت نہ دے سکا۔

"تو میں ایک لمحے سے پہلے یہ سب چھوڑ دوں گا۔ میرے لیے یہ سب ضروری نہیں ہے۔ تم ضروری ہو۔ تمہاری خوشیاں ضروری ہیں۔" جب وہ بولتا تھا تو اس کے الفاظ واقعی مرحم لگتے تھے۔

"یہ سب میرے لیے بے مول ہے۔ تم ضروری ہو۔ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں، میری اس عام سی زندگی میں تم بہت خاص ہو۔ اور عالیار حیدر کا، عالیانہ سلیم کے سوا کوئی مول نہیں۔" عالیانہ کی آنکھوں کے کٹورے بھیگنے لگے تھے۔ یہ انسان اس کی پوری زندگی کے حساروں کا صلہ تھا، اسے خوبصورت تو ہونا ہی تھا۔

"اگر میں تمہیں خوش بھی نہ رکھ پاؤں تو لعنت ہے عالیار حیدر پر۔ تم ہو تو میں ہوں۔ تم ہو تو سب ہے۔ تم میری زندگی کا سب سے قیمتی متاع ہو۔"

"اور اگر تم تھک گئے؟ میری ڈھال بنتے بنتے، مجھے سنبھالتے سنبھالتے، میری حفاظت کرتے کرتے اگر ایک دن تم تھک گئے تو؟ اگر تم ہمت ہار گئے تو؟" وہ جانتی تھی وہ نہیں

تھکے گا، وہ جانتی تھی اس کی ہمت جواب نہیں دے گی لیکن وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔ وہ کچھ پل ٹھہر کر اسے دیکھتا رہا۔ کیا وہ اس پر یقین نہیں کرتی تھی؟

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میں مر کر بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتا، چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ تم نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تھک جاؤں گا۔ اگر مجھے سات زندگیاں بھی ملیں تو میں اپنی ساتوں زندگیاں خوشی خوشی تمہاری حفاظت میں گزار سکتا ہوں۔ میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں کبھی تم سے نہیں تھکوں گا۔ میں تمہیں
کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک زندہ ہوں، تم ہمیشہ مجھے اپنے پہلو میں اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی۔" یہ شخص اللہ کی دی گئی نعمتوں کی فہرست میں سب سے پہلے آتا تھا۔

چند لمحات وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر بہت نرمی سے اس کے ماتھے کو چوما، ایک آخری نگاہ اس پر ڈالی اور چلا گیا۔ وہ ابھی بھی لفٹ کے دروازے بند ہوتے دیکھ رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ارسل پر پڑی۔ وہ ہال کے دہانے پر کھڑا داس سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے جذبات نیوٹرل تھے۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ شاید وہ اپنے جذبات چھپانا سیکھ گیا تھا۔ اگر وہ پہلے والا ارسل ہوتا، تو وہ عالیار کو اس کے ارد گرد دیکھ کر آج بھی غصے میں ہوتا۔ کاش! وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں نہ ہوتا۔ کاش!

••••••☆☆☆••••••

دو گھنٹوں بعد۔

یہ دن کوئی عام دن نہیں تھا۔ یہ خاص دن تھا۔ وہ سرکاری کار ڈرائیو تھا۔ بیس سے وائٹ ہاؤس تک کا راستہ اسے آج سے پہلے کبھی اتنا لمبا نہیں لگا جتنا آج لگ رہا تھا۔ یہ سفر اس کی زندگی کا سب سے طویل اور اہم سفر تھا۔ سفید شرٹ پر سیاہ کوٹ اور سیاہ ہی پینٹ۔ سیاہ ٹائی۔ بال ایک جانب سمٹے ہوئے۔ آج اس کے چہرے پر ایک مختلف قسم کا سکون تھا۔ وہ منظر، جسے وہ ہزاروں بار اپنے ذہن میں دیکھ چکا تھا، آج حقیقت میں دیکھنے والا تھا۔ یہ اس کا سب سے خوبصورت منظر تھا، جو اس نے کبھی تصور کیا تھا۔ اس کی بہن صحت یاب ہوگئی تھی۔ اس کی عالیانہ اسے پہچاننے لگی تھی۔ اس کی للی اس سے ملنا چاہتی تھی۔ اس نے سالوں بعد اسے بھائی کہا تھا۔ یہ ملیک کے منہ سے سننے میں اتنا اچھا لگ رہا تھا تو اس کے منہ سے سننے میں کتنا اچھا لگے گا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت، سب سے خوشگوار دن ہونے والا تھا۔ وائٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی رکی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے نکلا اور مرکزی گیٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم جلدی جلدی اٹھ رہے تھے، لیکن گیٹ کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکا۔ کچھ تھا جو یہاں کی فضا میں مختلف محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے آہستہ سے گیٹ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ مرکزی گیٹ سے صدر دروازے تک ایک سیدھی راہداری جاتی تھی۔ راہداری کے ایک جانب لاؤنج تھا اور دوسری جانب گھاس کا میدان، جہاں چند پودے لگے تھے۔ للی کے پودے، جن پر سفید اور شفاف پھول کھلے ہوئے تھے۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ان خوبصورت پھولوں کو دیکھنے لگا، پھر سیدھا اندر جانے کے بجائے للی کے پھولوں کی طرف بڑھ گیا۔

زمین کی سخت سطح سے ہٹ کر نرم مٹی پر قدم رکھتے ہوئے وہ آگے بڑھا تو اچانک کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ اس نے بے اختیار نیچے دیکھا۔ ٹوٹے ہوئے کانچ کے ٹکڑے زمین پر بکھرے پڑے تھے اور ساتھ ہی ایک عدد بیلچا زمین پر گرا تھا جو اس کے پاؤں سے ٹکرایا تھا۔ بیلچے کے قریب زمین تھوڑی ابھری ہوئی نظر آرہی تھی، جیسے وہاں تازہ کھدائی کی گئی ہو۔ شاید ملیک نے کوئی مالی رکھ لیا تھا جو جنگ کا سن کر کام چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ عرصہ ہوا تھا کہ اس گھر کا کوئی مناسب خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

یہاں کچھ تو غیر معمولی تھا، لیکن اس وقت وہ اس پر غور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابھی اس کا دھیان صرف اپنی بہن پر تھا۔ اپنی صحت یاب بہن پر۔

وہ ابھری زمین کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ ابھری گیلی زمین پر اس کے قدموں کے نشان چھپ گئے تھے۔ اس نے ایک للی کا پھول توڑا۔ یہ للی کا پھول وہ اپنی للی کو دے گا۔ ساڑھے چار ہو چکے تھے۔ پانچ بجے عالیانہ اور ارسل یہاں آنے والے تھے۔ وہ کچھ لمحے اپنی بہن کے ساتھ تنہائی میں گزارنا چاہتا تھا۔ تیس منٹ۔ یہ تیس منٹ بہت اہم تھے۔ پھول اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ صدر دروازے سے اندر بڑھا۔ دروازے میں لگا گھنٹیوں والا ساز زمین پر گراپڑا تھا۔ شاید ہوا سے گرا ہو۔ اسے نظر انداز کرتا وہ سیدھا زینے چڑھا۔ پہلا کمرہ، دوسرا کمرہ اور وہ تیسرے

کمرے کے سامنے کھڑا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا مگر ہلکا سا کھلا تھا، اتنا کہ وہ اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کئی بار اس منظر کا تصور کیا تھا، آج یہ سچ ہونے والا تھا اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا، ہاتھ بڑھا کر کمرے کا دروازہ کھولا تو ساری دنیا رک گئی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ دروازہ کھولے گا اور للی، عالیار بھائی پکارتے پکارتے بھاگتی ہوئی اس سے آکر لپٹ جائے گی۔ جیسے وہ پہلے اس سے لپٹا کرتی تھی۔ اس نے سوچا تھا ملیک اس کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا ہوگا۔ لیکن سامنے والا منظر مختلف تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اس سے نہیں لپٹی، نہ ہی ملیک پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سامنے پڑا بستر خالی تھا۔ ملیک بستر کے داہنی جانب زمین پر کمر کے بل گرا تھا۔ اس کے آس پاس بہت سا خون جمع تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پایا کہ خون کہاں سے بہہ رہا۔ اس نے تیزی سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں عالیانہ نہیں تھی۔ وہاں اس کی للی نہیں تھی۔ اس کا دل اس کی کنپٹی میں دھڑک رہا تھا۔ کوئی اس کے دل پر الٹے خنجر سے وار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا للی کا پھول بے اختیار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ وہ تیزی سے چوکھٹ پھلانگتا اندر داخل ہوا۔ "للی! ملیک۔" وہ بلند آواز میں چلایا، اور تیزی سے ملیک کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ اس کا چہرا تھپتھپایا۔ "ملیک! کیا ہوا؟ للی کہاں ہے؟" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ حلق تالو تک خشک ہو چکا تھا۔ اس کی آواز گلے میں کہیں پھنس رہی تھی۔ "ملیک! ملیک! خدا کے لیے کچھ بولو۔" ملیک نے آنکھیں کھولیں۔ وہ نیم بے ہوش تھا۔ "ملیک کیا ہوا ہے۔ یہ سب کس نے کیا۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ للی ٹھیک

ہے۔"کسی نے اس کے پیٹ میں خنجر سے وار کیا تھا، جان سے مارنے کے لیے نہیں، صرف زخمی کرنے کے لیے۔ عالیار نے اس کے زخم پر ہاتھ رکھ کر زخم پر دباؤ ڈالا تاکہ خون رک جائے، ملیک بے اختیار کراہا۔ "س سر.... و ...وہ ... للی..." وہ مشکل سے بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھے عالیار کی جان نکل رہی تھی۔

"خدا کے لیے ملیک! مجھے بتا دو للی کہاں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں تمہیں بچالوں گا۔" ملیک اب بھی بولنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر تکلیف کے باعث اس کے الفاظ آواز میں نہیں ڈھل رہے تھے۔ عالیار اس کے ہلتے لب دیکھ رہا تھا، اگلے ہی لمحے انکشاف ہو چکا تھا۔ اس کی گردن کی گلٹی معدوم ہوئی۔ وہ بے اختیار پیچھے کو گرا۔ دائیں آنکھ سے بے اختیار آنسو لڑھک کر زمین پر گرا۔ اس نے بمشکل تھوک نگھلا۔ بے یقینی کے عالم میں چند پل ملیک کو دیکھتا رہا۔ چہرا جذبات سے بھرا تھا، مگر اب آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔ بھوری آنکھیں بنجر زمین کی مانند تھیں۔

"بابا؟" وہ بس اتنا ہی بول پایا۔ ملیک نے کراہتے ہوئے بمشکل اثبات میں سر ہلایا۔ ایک ٹیس سی اٹھی تھی اس کے دماغ میں، اس کے دل میں، اس کے پورے وجود میں۔ دل تھا جو منوں کے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تکلیف ہی تکلیف تھی۔ درد ہی درد تھا ۔اس نے بے اختیار کنپٹی کو مسلا اور وہ دوبارہ ملیک کی جانب لپکا۔ اس کا کالر پکڑ کر اسے زور سے جھنجھوڑا۔ "ملیک! للی کہاں ہے؟" وہ چلایا۔ ملیک آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر.... اس کی بار بار بند ہوتی آنکھیں پوری طرح بند ہو

گئیں۔ عالیار نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر جا لگا۔ بیلچا۔ نئ کھودی ہوئی زمین۔ داخلی دروازے پر لگا ساز۔ ماؤف ہوتا دماغ۔ سر درد۔ شل ہوتا وجود۔ اس کا دماغ جو انکشافات دے رہا تھا اس پر وہ مر کر بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سختی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یوں لگتا تھا اگلے پل اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ دماغ جو آگاہی دے رہا تھا، دل اسے تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔ اگر عالیانہ کو کچھ ہوا تو وہ پوری زندگی خود کو معاف نہیں کر پائے گا۔ ٹن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن۔ سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ اس میں سر اٹھانے کی ہمت بھی نہ تھی۔ اس میں اٹھنے تک کی ہمت نہیں تھی۔ لیکن نا جانے کیسے وہ اٹھا، باہر کی جانب دوڑا۔ چوکھٹ میں گرا للی کا پھول اس کے پاؤں تلے کچلا گیا۔ تیزی سے زینے اترتے وہ سیدھا وہاں پہنچا جہاں للی کے پھول لگے تھے۔ وہاں جہاں کانچ بکھرا تھا۔ وہاں جہاں تازہ زمین کھودی گئی تھی، وہاں جہاں اسے ٹھوکر لگی تھی۔ وہاں جہاں اس، کے قدموں کے نشان تھے۔ اب وہ وہاں کھڑا تھا۔ شاک میں۔ شل ہوتے وجود کے ساتھ وہ گیلی ابھری مٹی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹوٹے ہوئے کانچ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی حالت بھی ان کانچ کی کرچیوں سی تھی۔ اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ بے اختیار لڑکھڑایا۔ اس کے گھٹنے مڑے اور وہ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل زمین پر گرا۔ کانچ کی بہت سے کرچیاں اس کی ہتھیلیوں میں دھنس گئی مگر اس کا جسم سن ہو چکا تھا۔ وہ خشک آنکھوں سے اکھڑی مٹی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے جوتے کے نشان ابھری مٹی پر واضح نظر آ رہے تھے۔ اسی جگہ پر سے چل کر وہ للی سے ملنے گیا تھا۔ اگلا کام جو اسے کرنا تھا، اس کو کرنے کی اس میں ہمت

نہیں تھی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کو حرکت کرتے دیکھا۔ اس نے اپنے خون سے لتھڑے ہاتھوں کو مٹی کھودتے دیکھا۔ وہاں بیلچا موجود تھا، لیکن اسے اس وقت کچھ یاد نہیں تھا، یاد تھا تو بس یہ کہ اس کی بہن نے اُسے ملنے کی خواہش کی تھی، یاد تھا تو یہ کہ للی اس کی پوری زندگی ہے۔ وہ اپنے بے جان پڑتے ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔ ابھی تھوڑا سا ہی کھودا تھا کہ مٹی کے نیچے سے سفید کپڑے کا ہلکا سا نشان نظر آیا۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت میں تیزی آئی۔ وہ اتنی تیزی سے مٹی کھود رہا تھا کہ گیلی مٹی اس کے زخموں اور ناخنوں میں پیوست ہو گئی۔ اس کے ناخنوں کی اندرونی جلد پھٹ چکی تھی۔ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کے ناخن بھی خون آلود ہو چکے تھے۔ لیکن اسے اس وقت اس تکلیف کی پرواہ نہیں تھی، یہ تکلیف اس کے لیے کچھ نہیں تھی۔ نا جانے اس میں کہاں سے ہمت آئی تھی لیکن وہ زمین کھودتا گیا، کھودتا گیا، یہاں تک اسے وہ نظر آیا جو وہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک ننھا سا وجود مٹی تلے واضح ہوا۔ ایک لمحے کو، اس کے ہاتھوں کی حرکت تھمی۔ وہ بس ایک لمحے کو رکا، پھر اس نے اس ننھے وجود سے مٹی ہٹائی۔ اور بس وہ وہیں مر گیا۔ اس کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔ اسے اپنی جان نکلنے کی آواز اپنے کانوں میں سنائی دی۔ آنسو کا گولا ایک دم اس کی آنکھوں میں ابھرا۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتا آگے کو ہوا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے للی کے ننھی وجود کو گھرے گڑھے سے نکالا اور نرمی سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔ اس کے ہاتھ مٹی اور خون سے لت پت تھے۔ وہ اسے گندے ہاتھوں سے کیسے چھو سکتا تھا پھر اس نے کوٹ اتارا اور شرٹ سے مٹی آلود ہاتھ رگڑ رگڑ کر صاف کیئے۔ سفید شرٹ مٹی اور خون سے داغدار

ہو گئی۔ پھر اس نے صاف ہاتھوں سے اس کے چہرے پر بکھرے بال پیچھے کیئے اور اس کے چہرے پر لگی مٹی کو نرمی سے صاف کیا۔ وہ سفید سلیولس فراک پہنے ہوئے تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی معصومیت تھی۔ اگر اس کا سفید وجود نیلا نہ پڑ گیا ہوتا تو وہ یہی سمجھتا کہ وہ سوئی ہوئی ہے۔ اس کا سفید فراک گدلا پڑ گیا تھا۔ اس کے لب جامنی ہو چکے تھے۔ اس کا پھول مرجھا چکا تھا۔ اس کی للی مرجھا چکی تھی۔ وہ ابھی تک یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ تقدیر اس طرح اس کے منہ پر طمانچہ مار سکتی ہے۔ چند منٹ پہلے تک تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ وہ خوش تھا۔ پر سکون تھا۔ شاید زندگی زندگی پہلی بار مطمئن تھا۔ پھر کیوں ہوا ایسا۔ اس نے تو ایسا کوئی گناہ بھی نہیں کیا تھا، جس کی اتنی کڑی سزا ملتی۔

"للی!" اس نے کانپتی آواز میں اسے پکارا۔

"للی! تمہارا بھائی۔ تم نے کہا تھا تمہیں مجھ سے ملنا ہے۔ دیکھو تمہارا بھائی آیا ہے۔ تمہارا بھائی تم سے ملنے آیا ہے۔" اس نے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی کو چوما، اس کی بند آنکھوں کو چوما، اس کے گالوں کو چوما۔ "میں آ گیا ہوں۔ للی تم مجھ سے ملے بغیر ایسے کیسے جا سکتی ہو۔" وہ اس کے سرد پڑتے ہاتھ چوم رہا تھا۔ وہ اس کے گالوں کو چوم رہا تھا۔ وہ کچھ بھی کر کے بس اسے زندہ کرنا چاہتا تھا۔

"میں آنے والا تھا للی، تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔" وہ بار بار اسے چوم رہا تھا۔ وہ رو نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ بنجر۔

"آئی ایم سوری! میں بہت برا بھائی ہوں۔ میں تمہارا خیال نہیں رکھ پایا۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر پایا۔" اس نے اس کے بے جان وجود کو خود سے لگا لیا۔ وہ اسے مضبوطی سے اپنے سینے میں بھینچے ہوئے تھا۔ کہنے کو الفاظ ختم ہو چکے تھے، کرنے کو امید ختم ہو چکی تھی۔ بولنے کو زبان بند ہو چکی تھی۔ بہنے کو آنسو ختم ہو چکے تھے۔ زندہ رہنے کو اس کی زندگی ختم چکی تھی۔

وہ زندگی میں کبھی ایسے نہیں ٹوٹا تھا جیسے اس وقت وہ، للی کو خود سے لگائے ٹوٹا تھا۔ سامنے لگے سفید للی کے پھول جیسے غم سے جھک گئے تھے۔ شاید مرجھا گئے تھے۔ یا شاید نیلے پڑھ گئے تھے۔ قسمت اتنی بے رحم اور ظالم بھی ہو سکتی ہے، اسے آج اندازہ ہوا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

ارسل اور عالیانہ وائٹ ہاؤس کے داخلی گیٹ کی جانب آتے دکھائی دیئے۔

"میں حیدر کو بتا دوں گی کہ ارسل نے ہمیں دس منٹ لیٹ کیا۔" عالیانہ نے چلتے چلتے کہا۔

"شاید کوئی تیار ہو کر کھڑا تھا، اور کسی کو اپنے ٹینس شوز نہیں مل رہے تھے۔ شاید وہ تم تھیں؟ نہیں؟" ارسل نے بھی طنزاً کہا۔ وہ دونوں مرکزی گیٹ کے بلکل سامنے پہنچ چکے تھے، گیٹ پار کرتے اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ اس کی نظر ارسل پر پڑی، جس نے ایسا منہ بنایا تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ اس کا چہرا سفید پڑ گیا تھا۔ کیا

ہوا ارسل ؟ پوچھ کر اس نے مڑ کر ارسل کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ وہ ایک دم کرنٹ کھا کر ٹھٹکی۔ اس کا چہرا زرد پڑ گیا۔ عالیار! اس نے پکارنا چاہا مگر آواز حلق میں دب گئی ۔عالیار ان کے سامنے تھا۔ اس کی سفید شرٹ مٹی اور خون سے گھدلی ہو چکی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ حلیہ متنفر تھا۔ سیاہ کوٹ ایک جانب پڑا تھا۔ وہ زمین پر ننھے بے جان وجود کو خود سے لگائے بیٹھا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ شاید ان آمد کے بارے میں جان چکا تھا، مگر اس میں سر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی، ایسا لگتا تھا ایک بے جان وجود نے دوسرے بے جان وجود کو تھاما ہوا ہے۔ وہ دونوں بے اختیار اس کی جانب دوڑے۔

ارسل بے یقینی کے عالم میں اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا۔ عالیانہ عالیار کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ عالیار نے سر نہیں اٹھایا، البتہ نظر اٹھا کر پہلے سامنے بیٹھے ارسل کو دیکھا، پھر اپنے ساتھ بیٹھی عالیانہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی رگیں سرخ ہو چکی تھیں، آنکھوں کے پپوٹے سوج چکے تھے۔ آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر پلکیں گیلی تھیں۔ آنکھیں گیلی تھیں۔ پھر اس نے للی کو خود سے الگ کیا۔ احتیاط سے اس کا سر اپنے گھٹنے پر ٹکایا۔ پھر سر اٹھا کر ارسل کو دیکھا۔ "یہ میری بہن ہے۔" اس کی آنکھوں میں پانی ابھرنے لگا تھا۔ ارسل سانس نہیں لے پایا۔

"یہ ہماری بہن ہے۔"ارسل کے پنجے اس کا وزن اٹھانے سے انکاری دے گئے۔ وہ بے اختیار زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ ہماری عالیانہ ہے۔"بیک وقت دونوں کی آنکھوں سے ایک ساتھ آنسو لڑھک کر گیلی مٹی پر گرے اور وہیں جذب ہو گئے۔ کسی کو دیکھے بغیر، کسی سے ملے بغیر، کسی کو جانے بغیر کسی سے اتنی محبت کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ سوال کل سے وہ خود سے پوچھ رہا تھا جب سے عالیار نے اسے بتایا تھا کہ ان کی ایک بہن بھی ہے، وہ پوری رات نہیں سو پایا تھا۔ وہ پوری رات سوچتا رہا کہ وہ اپنی بہن سے کیسے ملے گا۔ وہ پوری رات اس خوشی کو محسوس کرتا رہا جو اسے تب ہوئی جب اسے علم ہوا کہ اس کی ایک بہن بھی ہے۔ ایک بہن کا ہونا بہت خوبصورت ہوتا ہے، اس بات کا کل ہی اسے اندازہ ہوا تھا۔ اور ایک ہی لمحے میں سب کچھ بدل گیا۔ خوشی سے خوش ہونے سے پہلے ہی اُس سے خوشی چھین لی گئی تھی۔ اس نے عالیار کے خون سے لت پت ہاتھوں کو دیکھا، خون جم چکا تھا۔ پھر اس نے اس کی گود میں پڑے للی کے وجود کو دیکھا۔ اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ اس کا خون تھی۔ اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا۔ "میری بہن!"اس نے کپکپاتے لبوں سے خود کو کہتے سنا۔

"یہ میری للی ہے۔ میرا سفید پھول۔"عالیار نے بتایا۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ۔

"انہوں نے میری بہن کو مار دیا، ارسل! انہوں نے میری للی کو مار دیا، میری عالیانہ کو! انہوں نے مجھ سے میری زندگی چھین لی، ارسل"

"کوئی کسی کو بہن کو کیسے مار سکتا؟"

"کوئی باپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے مار سکتا ہے؟"

"کوئی باپ اپنی چودہ سالہ بیٹی کا قتل کیسے کر سکتا؟"

"کوئی باپ بیٹے کو سزا دینے کے لیے اپنی ہی بیٹی کو کیسے مار سکتا؟ وہ ایسے سوال پوچھ رہا تھا جس کے جواب کوئی نہیں جانتا تھا سوائے اس کے باپ کے۔

"انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" ارسل کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔

"میں اتنی بڑی سزا ڈیزور نہیں کرتا تھا۔ کیا میں اتنا برا ہوں؟" اس نے عالیانہ کی جانب دیکھا۔ عالیانہ نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ صرف وہی تھا جو رو نہیں رہا تھا ۔ارسل، عالیانہ اور للی کے پھولوں سمیت پورا گھر اس پر رو رہا تھا۔

"پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ پھر میرے اللہ کو مجھ پر ترس کیوں نہیں آیا؟ پھر میرے باپ کو مجھ پر ترس کیوں نہیں آیا؟" اس نے کپکپاتی سانسوں کے درمیان پوچھا۔ وہ رو کیوں نہیں رہا تھا؟

"میں یہ برداشت نہیں کر پا رہا۔ یہ بہت زیادہ ہے۔" اس نے جھک کر اپنے گال للی کی پیشانی پر رکھا اور نفی میں سر ہلانے لگا۔ ارسل اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رونے لگا تھا۔ اتنا جتنا شاید وہ آج تک کبھی نہیں رویا تھا۔ ماں کے مرنے پر بھی نہیں۔ سڑک پر

سوتے ہوئے بھی نہیں۔ تب بھی نہیں جب وہ دس دس دن بھوکا رہتا تھا۔ یہ خون کی کشش تھی۔ یہ خون کی تکلیف تھی۔ یہ بہن کا غم تھا۔

"کوئی باپ اپنے بیٹے کو اتنی بڑی سزا کیسے دے سکتا ارسل؟ کوئی باپ ایسا کیسے کر سکتا؟" اس نے ارسل کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ارسل نے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

"مجھے لگتا ہے میں جانتا ہوں۔" اس نے خود سے سر ہلایا۔

"یہ میری وجہ سے ہوا ہے۔ وہ میری بہن تھی اس لیے اسے مار دیا گیا۔ وہ میری بہن تھی اس لیے اسے اتنی بے دردی سے مارا گیا۔ اس کے ساتھ یہ سب اس لیے ہوا، کیونکہ وہ عالیار کی بہن تھی۔ میں اس کی حفاظت نہیں کر پایا۔ یہ سب میری غلطی ہے۔" للی کی پیشانی پر سر ٹکائے وہ بار بار یہ الفاظ دہرا رہا تھا۔ عالیانہ عالیار کے بازو پر سر ٹکائے رو رہی تھی۔ ارسل اس کے سامنے آنکھوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔ کوئی کسی کو دلاسہ نہیں دے رہا تھا۔ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ یہ سپریم کا جنگ کے آغاز کا ہلکا سا اشارہ تھا، جس نے ان سب کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں تھیں۔

••••••☆☆☆••••••

چار گھنٹے قیامت کی طرح گزرے۔ اس میں اٹھنے کی ہمت نہیں تھی، لیکن ایک انجانی سی طاقت نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ اُس نے اپنے ہاتھوں سے کھودی ہوئی زمین کے ساتھ ایک اور قبر کھودی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اسے کسی اور کی کھودی ہوئی قبر میں نہیں سونے

دے گا۔ ارسل اور عالیانہ نے مدد کرنے کی کوشش کی مگر اُس نے منع کر دیا۔ قبر کھود کر اُس نے عالیانہ کے ننھے وجود کو اندر لٹایا اور کتنی ہی دیر ساکت بیٹھا قبر کو گھورتا رہا۔ آنکھیں اب بھی خشک تھیں، لیکن چہرے کی ہر چمک ماند پڑھ چکی تھی۔

اس نے ارسل اور عالیانہ کو اُسے اکیلا چھوڑ دینے کا کہا تھا، مگر وہ نہیں گئے۔ اِس وقت اُسے تنہا چھوڑنا اُنہیں صحیح نہیں لگا تھا۔ تقریباً آٹھ بجے کے قریب وہ وہاں سے اٹھا۔ ان سب کے ساتھ بیس کے زمینی راستے سے تربیتی کمرے میں پہنچا۔ عالیانہ اُس کے ساتھ جانے لگی مگر اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے منع کر دیا۔ وہ کچھ وقت اکیلا رہنا چاہتا تھا سو اُس نے اُس کی بات مان لی۔ ارسل اور اُس کے علاوہ باقی سب گروپ بھی بہت پریشان تھا۔ اُنہوں نے کبھی عالیار کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ دوسری طرف وہ جنگ کے بیچ میں تھے۔ جنگ شروع ہو چکی تھی اور اُن کا سب سے بڑا مسیحا ٹوٹ چکا تھا، بکھر چکا تھا۔ وہ جنگ لڑنے کی حالت میں نہیں تھا، وہ ایک فوج کی قیادت کرنے کے قابل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ ایک جانب عالیار کا دکھ، غم، تکلیف، دوسری جانب اُن کی سالوں کی محنت۔ لیکن اُس وقت اُسے صرف ایک ہی چیز کی پرواہ تھی، اور وہ تھا عالیار ۔اس وقت وہ اُس کے علاوہ کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچ پا رہی تھی، سب دکھ ایک طرف، اور عالیار کو تکلیف میں دیکھنے کا دکھ ایک طرف۔ آج اُسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اُس سے کتنی محبت کرتی ہے، اتنی کہ اُس کی تکلیف کے آگے اُسے اپنی محنت، اپنے خواب، اپنی خواہشات دھندلی نظر آ رہی تھیں۔

"تمہیں اُس کے پاس ہونا چاہیے۔اُسے تمہاری ضرورت ہے۔"

وہ ٹریننگ روم میں رکھے بینچ پر بیٹھی تھی، جب ایک مانوس آواز نے اُس کی توجہ اپنی جانب کھینچی۔ارسل اُس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ،آنکھوں میں اداسی، ماتھے پر بل ڈالے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔وہ اپنے خیالات میں اتنی اُلجھی ہوئی تھی کہ اُسے ارسل کی آمد کا علم ہی نہ ہوا۔

"کیا؟" وہ یقین ہی نہیں کر سکتی تھی، کہ یہ بات ارسل اُسے کہہ رہا تھا۔یقیناً اُس نے کچھ غلط سنا۔

"میں کہہ رہا ہوں اُسے اکیلا مت چھوڑو۔ تمہیں اُس کے پاس ہونا چاہیے۔اُسے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میں بس اُسے اسپیس دے رہی ہوں۔"

"غم میں سپیس نہیں دی جاتی، تسلی دی جاتی ہے۔ غمگسار بنا جاتا ہے۔ساتھ رہ کر غم میں شریک ہوا جاتا ہے۔جاؤ۔ تمہارے ساتھ ہونے سے اسے کچھ حوصلہ ہوگا۔اُس کا غم بہت بڑا ہے۔"اس کے بعد اُس کی اور ارسل کی چند باتیں ہوئیں، اور اُسے احساس ہوا کہ یہ ارسل پرانے ارسل سے مختلف ہے۔یہ ارسل اُس ارسل سے مختلف ہے جس کے ساتھ وہ بیس سے بھاگی تھی۔یہ ارسل اُس ارسل سے مختلف ہے جس نے اُسے گھر سے نکالا تھا۔سامنے کھڑا ارسل وہ ارسل تھا جو وہ عالیار کے اُسے قبول کرنے کے بعد وجود میں آیا تھا۔یہ ارسل کا سب سے خوبصورت ورژن تھا۔اُس کے اندر کا

غصہ اور آگ جیسی ڈھل چکی تھی، زندگی کی تلخیاں انسان کو تلخ بنا دیتی ہے۔ مصیبتیں، تکلیفیں انسان کو بدمزاج بنا دیتی ہیں۔ لیکن جب سے اُس نے عالیار کو سب بتا دیا تھا، اُس کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ اُسے اپنا بھائی مل گیا تھا، خون کا رشتہ۔ خون کی کشش انسان کو بدل دیتی ہے۔ وہ بھی بدل گیا تھا۔

جب وہ عالیار کے کمرے میں پہنچی، تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ یہ رات کا اندھیرا نہیں تھا، بلکہ قسمت کا ایسا اندھیرا تھا جس کا سورج شاید کبھی طلوع نہ ہو۔ عالیار سر جھکائے خاموشی سے بستر پر بیٹھا تھا، ہاتھ گود میں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے تھے۔۔ وہ اس کیفیت میں نہیں تھا کہ غم کا اظہار کرتا، وہ اُس حالت میں تھا جب انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ قدم اٹھائے۔ بتی جلائی۔ کمرہ ایک دم روشن ہوا۔ ایک پل کو عالیانہ کی آنکھیں چندھیا گئیں لیکن عالیار کو جیسے کوئی فرق ہی نہ پڑا۔ اس کی آنکھیں ویسے ہی تھیں، جھکی ہوئیں۔ بے تاثر۔ خشک۔ بنجر۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔

عالیانہ قدم اٹھاتی اس تک آئی۔ اس نے پھر بھی سر نہیں اٹھایا۔ اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ اس نے نظریں نہیں اٹھائیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اپنے کیچڑ سے لت پت جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے زندہ وجود سے کسی نے جان کھینچ لی تھی۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی تپش نہیں تھی۔ وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی تو عالیار نے

جھکی نظریں اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا اور اس کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔اس کا دل خالی کا خالی رہ گیا۔

"عالیار!"اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے گال پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ عالیار نے اس کی ہتھیلی پر اپنا چہرہ دبالیا۔کچھ دیر یوں ہی اس کے ہاتھ کو اپنے چہرے کے ساتھ لگا رہنے دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔کچھ پل، کچھ سانسیں...

عالیانہ کی آنکھوں میں نمی چھلک گئی۔دنیا میں سب سے زیادہ وہ اسی شخص سے محبت کرتی تھی۔اس نے دوسرے ہاتھ سے گود میں رکھے عالیار کے ہاتھوں کو تھاما، اسے لگا اس نے کسی مردہ انسان کے ہاتھ تھام لیے ہیں، اس کے ہاتھ جو ہمیشہ گرم ہوتے تھے، آج برف کی مانند ٹھنڈے تھے۔اس کے سفید شفاف خوبصورت ہاتھ مٹی اور خون سے آلودہ تھے۔اس کے دائیں ہاتھ کے تین ناخن جڑ سے اکھڑ چکے تھے۔ناخن کے اندر کا ماس پھٹ چکا تھا، اوپری سفید جگہ پر جما خون صاف نظر آرہا تھا۔اتنی تکلیف پر وہ کیسے خاموش تھا؟اس نے اس کے سر کے بالوں کو نرمی سے چھوا اور اس کی لاپتہ نظروں کا تعاقب کیا۔

پھر وہ اٹھ کر وارڈروب تک گئی۔وہاں رکھا فرسٹ ایڈ باکس اٹھایا اور دوبارہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر احتیاط سے اس کی ہتھیلیوں میں پیوست کانچ نکالے اور روئی کی مدد سے اس کے زخموں اور اکھڑے ناخنوں پر مرہم لگایا۔اتنی تکلیف کے باوجود اس کے لبوں سے ایک آہ تک نہ نکلی۔مرہم لگانے کے بعد اس نے جھک کر اس

کے جوتے اتارے۔ اس کے پیچھے تکیے رکھ کر اسے بیڈ پر بٹھایا۔ پھر باتھ روم گئی، جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں گیلا تولیہ تھا۔ اس نے گیلے تولیے سے اس کی پیشانی، اس کا چہرہ، اور اس کے ہاتھ صاف کیے۔ وہ بالکل ویسے اس کا خیال رکھ رہی تھی جیسے ماں اپنے بیمار بچے کا خیال رکھتی ہے۔

پھر وہ ڈریسنگ ٹیبل سے نیل کٹر لائی، بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس کے ناخن کے اندر تک مٹی پھنسی ہوئی تھی، اس نے نیل کٹر کی پچھلی جانب سے احتیاط سے اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں سے گیلی مٹی نکالی۔

عالیار دوبارہ گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا، یہ وہی ہاتھ تھے جن سے اُس نے اپنی للی کو دفنایا تھا۔ عالیانہ فرسٹ ایڈ باکس اٹھا کر اُسے واپس وارڈروب میں رکھنے کو پلٹی، کسی احساس کے تحت اُس نے پلٹ کر ایک نظر عالیار کو دیکھا۔ اُس کا دل ڈوب سا گیا۔

"Lilly Was all I had!"

اس سارے وقت میں اُسے پہلی بار عالیار کی خشک بنجر آنکھوں میں آنسو کا قطرہ نظر آیا۔ پھر دھیرے دھیرے آنسوؤں کا سلسلہ بڑھتا گیا، اور نہ جانے کتنے خاموش آنسو اُس کی آنکھوں سے بہہ گئے۔ اس نے اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپالیا اور بے آواز رونے لگا۔ اس کے کندھے لرز رہے تھے۔

عالیانہ نے فرسٹ ایڈ باکس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور فوراً اُس کے قریب آگئی۔ پھر اُس نے دونوں ہاتھوں سے عالیار کے کندھوں کو تھاما اور اُس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے

اُسے اپنے قریب کیا اور دونوں بازو اس کے گرد حمائل کر لیئے۔ عالیار نے کسی سہمے ہوئے زخمی بچے کی طرح دونوں بازو اُس کی کمر کے گرد لپیٹ کر لب بھینچے اور اُس کے سینے پر سر رکھے رونے لگا۔ وہ آنکھیں جو ایک بار بھی نہیں بھیگی تھیں، اب ان کا پانی تھم ہی نہیں رہا تھا۔

"وہ میری وجہ سے مری ہے۔" اس نے سسکیوں کے بیچ کہا۔

"نہیں، وہ تمہاری وجہ سے نہیں مری۔" عالیانہ نے ایسے ہی کھڑے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"میں اس کی حفاظت نہیں کر سکا، عالیانہ۔" اس کا سر اب بھی اس کے سینے پر تھا۔ وہ تیز ہوتی سانسوں کے درمیان روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی، عالیانہ اس۔ مجھے ایک آخری بار اس کے منہ سے بھائی سننے کی مہلت کیوں نہیں ملی؟" نہ جانے کتنے آنسو عالیار کی آنکھوں سے بہے اور کتنے عالیانہ کی آنکھوں سے۔ وہ ایک ہاتھ سے اُس کے بالوں کو نرمی سے سہلا رہی تھی اور دوسرا بازو اس کی گرد لپٹا تھا۔ "کوئی باپ اپنی چودہ سالہ بیٹی کو زندہ زمین میں کیسے دفنا سکتا ہے؟ جانتی ہو کتنی تکلیف ہوتی ہے، جب اکھڑی سانسوں کو آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جانتی ہو تاریکی کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ جانتی ہو قبریں کتنی تاریک ہوتی ہیں۔" اس کے الفاظ بمشکل اس کے لبوں سے نکل رہے تھے۔ ٹوٹ ٹوٹ کر۔ لرز لرز کر۔ بکھر بکھر کر۔ "انہوں نے میری بہن کو مار دیا۔ انہوں نے مجھے سزا

دینے کے لیے اسے اتنی بری موت دی۔ ناجانے کتنی بار اس تاریک قبر میں اس نے مجھے پکارا ہو گا اور میں اس کے لیے وہاں نہیں تھا۔" عالیانہ نے اسے خود سے الگ کیا۔ اس نے اسے دیکھے بغیر دوبارہ سر جھکا لیا۔

"دیکھو میں کتنا بد قسمت انسان ہوں۔" وہ بے اختیار اس کے سامنے بیٹھی۔ "میری طرف دیکھو۔" عالیار نے ایک لمحے کے لیے چہرہ اٹھایا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھی۔ "تم اکیلے نہیں ہو۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔ ہمیشہ رہوں گی۔" وہ اس کے دونوں ہاتھوں میں چہرہ جھکائے ہوئے تھا۔

"میری وجہ سے میری بہن مری ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اس کی موت کا۔" اس نے نظر اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں اتنا درد تھا کہ اس نے ایک بار پھر، اس بار مضبوطی سے اسے گلے لگایا۔

"یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔ تم وہ آخری انسان بھی نہیں ہو، جو اپنی بہن کی موت کا ذمہ دار سکتا ہے۔ اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا داہنا کندھا چوما تھا۔ ایک دلاسہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ عالیار نے پہلو میں گرے ہاتھ اٹھا کر عالیانہ کے گرد پھیلائے اور اسے مضبوطی سے گلے لگاتے ہوئے اپنا ماتھا اس کے کندھے پر رکھ لیا اور شکست خوری کے عالم میں آنسو بہاتا رہا۔ اس کے گرم آنسو عالیانہ کے کندھے کو بھگوتے رہے۔

اگراس وقت عالیار اپنے حواس میں ہوتا تو یقیناً حیران ہوتا کہ اُس کی آنکھوں میں اتنے آنسو کہاں سے آئے ہیں۔

اس رات، اس لمحے، وہ صرف اپنی للی کے لیے نہیں رویا، وہ اپنی زندگی کے ہر دکھ پر رویا۔ ہر اذیت پر رویا۔ ہر غم پر رویا۔ وہ اُن سب محرومیوں اور آزمائشوں پر رویا جن کا اس نے برسوں سے سامنا کیا تھا لیکن کبھی اُن پر آنسو نہیں بہائے۔ وہ اپنے دل میں دبی ان ماضی کی اذیتوں اور زخموں پر رویا، جو کبھی بھر نہیں سکے تھے۔ وہ اپنے اُن سب دکھوں، آزمائشوں اور تکلیفوں پر رویا جن پر وہ پہلے کبھی نہیں رویا تھا۔ آج اپنی بیوی کے کندھے پر ماتھا ٹکائے وہ اپنی زندگی کے تمام خساروں پر رویا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

سائیڈ ٹیبل پر سونے اور سر درد کی دوائیں اور پانی کا خالی گلاس پڑا تھا۔

وہ دوائیں لے کر سو چکا تھا، لیکن گہری نیند میں نہیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر پٹیاں بندھی تھیں۔ وہ کرسی اُس کے سرہانے رکھے اُس کے قریب بیٹھی تھی۔ اُسے سوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ شکر ادا کر رہی تھی کہ اللہ نے نیند جیسی چیز بنائی جو انسان کو کچھ لمحوں کے لیے سکون دیتی ہے۔ وہ پر سکون انداز میں سویا تھا، عالیانہ کی طرف کروٹ لیے، ایک ہاتھ چہرے کے نیچے اور دوسرے ہاتھ سے عالیانہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے۔ ایک تحفظ کا احساس۔

اس کی آنکھوں میں نیند کی ہلکی سی چمک بھی نہیں تھی، وہ بنا پلک جھپکائے اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کی سانسیں گنتی رہی۔ کبھی وہ اس کا ماتھا دباتی، کبھی اُس کے بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرتی، کبھی نرمی سے اس کی پیشانی کو چومتی، اس کے زخمی ہاتھوں کو چومتی ۔وقت بہ وقت یہی عمل بار بار دہراتی رہی۔ نہ جانے کیوں، پر ایسا کر کے اُسے اچھا لگ رہا تھا، اُسے سکون محسوس ہو رہا تھا۔ شاید عالیار کو بھی۔ اُس کے چہرے پر ایک انجانی سی راحت تھی۔

یہ وہ شخص تھا جو اُس کے لیے کسی بھی چیز سے بڑھ کر تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو اُس کے لیے پوری دنیا سے بغاوت کر سکتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اُسے بچانے کے لیے گولی کھائی، اپنی جان خطرے میں ڈالی، تھپڑ کھائے، اپنے باپ کے خلاف کھڑا ہوا۔ اُس کے ہاتھوں دل تڑوانے کے باوجود، دل تڑوانے کے باوجود، دھتکارے جانے کے باوجود بھی اُس نے اُس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اگر اللہ کی رحمت کی کوئی انسانی شکل تھی تو وہ یہی انسان تھا۔ وہ بد قسمت تھی جب تک عالیار اُس کی زندگی میں نہیں آیا۔ اُس نے اُسے خوش نصیب بنایا۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ اب وہ اُسے تکلیف دینے والے ہر انسان کو جان سے مار ڈالے گی، چاہے وہ اُس کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ شخص اب اُس کی زندگی تھا۔ اُس کا سب کچھ تھا۔ وہ اُس پر ایک آنچ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اُسے تکلیف پہنچانے والے کو وہ جان سے مار ڈالے گی، اُس نے اُس رات خود سے عہد کر لیا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ عالیار کے پہلو میں رکھے ہاتھ پر سر رکھے سوئی ہوئی تھی۔ روشنی کی ہلکی سی کرن پر اس کی آنکھ کھلی۔ اُس کا ہاتھ اب بھی عالیار کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے صرف نظریں اٹھا کر عالیار کا چہرہ دیکھا، وہ شاید گہری نیند میں تھا۔ چہرے پر معصومیت کی چادر اوڑھے، وہ سوتے ہوئے اور بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔ رات کی اداسی کے باوجود، اُس لمحے اُس کا چہرہ اتنا معصوم اور پُر سکون تھا کہ اُس کے چہرے سے نظریں اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ اُس کے چہرے میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ پرفیکٹ تھا۔ ریاضیاتی فارمولے کی طرح پرفیکٹ۔

عالیانہ کچھ دیر تک بغیر پلک جھپکائے، یوں ہی اُسے دیکھتی رہی۔ لیکن پھر ارسل، داس، اور باقی سب کا خیال اُس کے ذہن میں ابھرا۔ اُس نے بے اختیار سر اٹھایا، گھڑی دیکھی، صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ سوچوں میں اُلجھے، نہ جانے کب اُس کی آنکھ لگ گئی، اُسے پتہ نہیں چلا تھا۔ چہرے پر بکھرے بال کان کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے، نرمی سے اپنے ہاتھ سے عالیار کا ہاتھ نکالا اور ٹریننگ روم کی جانب چلی گئی۔

وہ لفٹ سے نکلی تو ارسل سامنے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ یقیناً اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر فوراً اٹھا اور اُس تک آیا۔

"کیسا ہے وہ؟" اُس نے بے اختیار پوچھا۔ چہرہ تھکا ہوا تھا، جیسے پوری رات نہیں سویا۔۔۔

"رات میں تو اُس کی حالت بہت خراب تھی۔۔۔ بہت مشکل سے سویا ہے۔۔۔ اب بھی سویا ہوا ہے۔۔۔ اُسے ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا۔۔۔ زخم بہت گہرا اور غیر متوقع ہے۔"

ارسل کا بوجھل چہرہ مزید بوجھل ہو گیا، تب ہی اُس نے داس اور کیسر کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ داس کا چہرہ سنجیدہ تھا، پریشان... اُلجھا ہوا... بال بکھرے ہوئے... کیسر کی آنکھیں بھی اداس تھیں... یہ رات سب کے لیے بھاری تھی۔

"حیدر کیسا ہے؟" وہ اس "کیسا ہے" کا مطلب جانتی تھی... اُس نے بس نفی میں سر ہلایا... کیسر پوچھ رہا تھا کہ وہ جنگ لڑنے کے لیے تیار ہے۔ اُس کے بغیر ان کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔ اس کے بغیر وہ کبھی بھی جنگ نہیں جیت سکتے تھے۔ یہ بات سب جانتے تھے اور یہ بات انہیں اندر ہی اندر سے کھا رہی تھی۔

"تمہیں اُسے سمجھانا ہو گا۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہم جنگ کے بیچ میں ہیں۔ تم اُسے سمجھاؤ کہ یہ خود غرضی دکھانے کا وقت نہیں ہے۔" کیسر کی بات نے جیسے اُسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا... وہ غصے کے سب سے اوپری درجے پر سوار ہو گئی۔

"کیا کہا؟ خود غرضی؟ تمہیں لگتا ہے وہ خود غرضی دکھا رہا ہے؟ تمہیں لگتا ہے وہ خود غرض ہے؟" وہ غصے سے لال ہو کر اونچی آواز میں بولی۔ اُس نے داس کو افسوس سے دیکھا۔ "تمہیں بھی، تم سب کو لگتا ہے وہ خود غرضی دکھا رہا ہے؟"

"نہیں عنہ..." داس کچھ کہنے ہی لگا جب اُس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے منع کر دیا۔ ارسل بھی عالیانہ کی بات سے متفق تھا۔ وہ بھی غصے میں تھا۔ وہ کیسر سے اس بات کی توقع نہیں کرتا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم ایسا سوچ رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ وہ کل رات کس حالت میں تھا۔ تم نہیں جانتے کہ وہ کل رات کتنی تکلیف میں تھا، کتنی اذیت میں تھا۔ تم نہیں جانتے کیونکہ تم وہاں نہیں تھے۔ میں وہاں تھی۔ میں نے اُس انسان کو دیکھا، جس کی دنیا ایک ہی لمحے میں اُجاڑ دی گئ م۔ میں نے اس انسان کو دیکھا جسے جیتے جی مار دیا گیا۔ میں نے اس انسان کو دیکھا جسے بے دردی، بے حسی اور بے رحمی سے زخمی کر دیا گیا۔
وہ اپنے آپ میں بھی نہیں ہے اور تم اُسے خود غرض کہہ رہے ہو۔ تم وہاں نہیں تھے۔ میں وہاں تھی۔ ارسل وہاں تھا۔"

"وہ صرف چودہ سال کی بچی تھی، اُسے زندہ دفنا دیا گیا، صرف اُس انسان کو سزا دینے کے لیے جسے تم خود غرض کہہ رہے ہو کیونکہ اُس نے باغیوں کے ساتھ اتحاد کر کے اپنے باپ سے بغاوت کی تھی۔ کیونکہ اس نے موجودہ حکومت سے بغاوت کی تھی۔ مجھے واقعی یقین نہیں..."

"اتنا پیار کرتی ہو اپنے شوہر سے؟" وہ ایک دم کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی۔ اُسے لگا اُس نے کچھ غلط سن لیا۔ کیسر کے الفاظ دھماکے کی طرح اُس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔
اُس نے بے اختیار داس کی جانب دیکھا۔ اس بارے میں صرف داس جانتا تھا، اُسی نے کیسر کو بتایا ہوگا، اس وقت ارسل بھی یہاں کھڑا تھا۔ داس نے دھیرے سے دائیں سے بائیں سر ہلایا۔ "اُس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔" کیسر نے اسے داس کی جانب دیکھتے پایا تو بول پڑا۔

"کیا مطلب؟ کسی کو؟ کیا سب کو پتہ ہے؟" اُس نے پہلے کیسر کو دیکھا، پھر داس کو۔ پھر ارسل کو۔ ارسل پہلے ہی اُسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں، لیکن ارسل نظریں چرا گیا۔

"مس عالیانہ! سب جانتے ہیں۔ ہم یہاں آنے کے کچھ دن بعد ہی جان گئے تھے۔ مجھے نہیں لگتا تھا آپ ہمیں بیوقوف سمجھتی ہیں۔"

"میں نہیں... مجھے بس صحیح موقع نہیں ملا... میرا مطلب..." اُس نے دوبارہ ارسل کی جانب دیکھا۔ وہ اُسے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ اپنے جوتوں کو گھور رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر اُسے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی... اس بار نہیں۔ "ارسل، میں نے... شروع میں... اصل میں یہی ایک طریقہ..." الفاظ جیسے اُس کے ذہن سے کھینچ لیے گئے تھے۔

"میں نے اِسے کچھ نہیں بتایا۔" داس نے بات شروع کی۔ "جب میں اس سے ملنے گیا، اور جب میں نے اِسے دیکھا تھا، ارسل بہت بُری حالت میں تھا۔ وہ بیمار تھا، بھوکا تھا، پیاسا تھا، اُس نے ایک ساتھ اپنے سب دوستوں کو کھو دیا تھا۔ وہ نیم بے ہوش تھا، اگر اُس دن میں وہاں نہ جاتا تو شاید ارسل آج تمہارے سامنے نہ ہوتا..." آنسو لرز کر اُس کے گال سے ہو کر گردن پر گر گیا۔

"میں نے اِسے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ اُس نے انکار کر دیا۔ میرے بہت کہنے پر اُس نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ جانتی ہو سوال کیا تھا؟" داس نے رُک کر ارسل کو دیکھا۔ "اُس نے مجھ سے پوچھا، 'عالیانہ نے تمہیں بتایا؟' اور میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے...

اُسے مجھ سے پہلے کا پتہ تھا عالیانہ، وہ بس تمہارے منہ سے سچ سننا چاہتا تھا۔ اور جب تم نے سچ نہیں کہا، تو اُس نے خود کو غلط دکھا کر تمہیں خود سے دور کر دیا اور خود پیچھے ہٹ گیا۔ تمہیں شرمندہ کیے بغیر، تمہیں احساسِ جرم محسوس کروائے بغیر، اُس نے خود کو تمہارے سامنے ایک بُرے انسان کی طرح پیش کیا تا کہ تمہیں کوئی گِلٹ نہ ہو۔" اسے بے اختیار وہ رات یاد آئی، جس دن اس کا اور ارسل کا سامنا ہوا تھا۔ وہی رات جب عالیار ارسل کے گھر آیا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی دیکھی تھی۔ اسے یاد آیا ،اس سے اگلی صبح ہی ارسل نے اسے گھر سے نکالا تھا۔ تو یہ سب اس نے عالیانہ کے لیے کیا تھا۔ "اِس عظیم انسان نے واپس آنے کی شرط یہ رکھی کہ میں اپنا منہ بند رکھوں اور پھر میں نے وعدہ کر لیا۔"

"اور توڑ بھی دیا۔" ارسل غصے سے بولا۔ داس ایک دم خاموش ہو گیا...
ارسل اُسے وعدہ خلاف والی نظروں سے دیکھ رہا تھا، ایسے جیسے ابھی مکا مار کر اُس کا جبڑا توڑ دے گا۔

"میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ بس مجھے لگا کہ یہ بتا کر میں تمہیں مزید تکلیف دوں گی..." عالیانہ نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"مگر تم نے مجھے نہ بتا کر زیادہ تکلیف دی۔ مجھ پر بھروسہ نہ کر کے مجھے زیادہ اذیت دی۔"

"I am sorry! "

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ میں تم سے خفا نہیں ہوں، نہ ہو سکتا ہوں... مگر مجھے ایک بات کا شکوہ ضرور ہے تم سے، تم نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا..."

عالیانہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ارسل چند پل اس کے جھکے چہرے پر بہتے آنسو دیکھتا رہا۔

"اچھا! میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ اب رونا بند کرو۔ یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔" ارسل کا لہجہ ایک دم نرم ہو گیا۔ ارسل نے اُس کے کندھے کے گرد بازو ڈالا۔ داس بھی ہنستے ہوئے آگے بڑھا اور دوسری طرف سے اُس کے کندھے پر بازو رکھا۔

"میں تو سمجھا تھا چھوٹی اداس اور رونے والی لڑکی اب مجھے کبھی نہیں دکھائی دے گی..." عالیانہ اب بھی سر جھکائے رو رہی تھی۔

"داس! تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"ہاں تا کہ یہ مکا، جو ارسل صاحب نے آج بہت مشکل سے روکا، بہت پہلے میرا جبڑا توڑ چکا ہوتا... سچ کہوں، مجھے اِس کے مکّے سے بہت ڈر لگتا ہے... میں نے کئی بار اِسے اپنے مکّے سے لوگوں کو مارتے دیکھا ہے۔ مجھے اپنا چہرہ بہت عزیز ہے۔" داس اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر بولا تو ارسل اور عالیانہ دونوں ہنس دیے۔ داس کا اسے ہنسانے کا مشن کامیاب ہو گیا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

چھ بج چکے تھے اور اب تک عالیار کے بارے میں بات چل رہی تھی۔ سیم، ملیسا، ارسل اور داس سب ایک جگہ جمع تھے۔

"جو بھی ہو کیسر، وہ خود غرضی نہیں دکھا رہا۔ تمہیں یہ بات ماننی پڑے گی۔" وہ اب تک اسی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ وہ اچھا خاصا برا مان چکی تھی۔

"ہاں! میں بھی اس سے متفق ہوں۔" ارسل بولا۔

"میں بھی۔" داس نے کندھے اچکائے۔

"ٹھیک ہے پھر، تم اس سے بات کرو... ہم آخر میں آکر یہ جنگ ایسے ہی نہیں ہار سکتے... ہم سب مر جائیں گے..."

"میں کیا بات کروں اس سے... تم چاہتے ہو میں خود غرضی دکھاؤں؟ معاف کرنا پر میں مرنا بہتر سمجھوں گی..." عالیانہ نے درشتی سے کہا۔

"میں بھی..." داس نے بھی کہا۔

کیسر نے گہری سانس لی۔

"پھر ہمیں ایک نئی منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی..." یہ آواز۔ ایک غیر متوقع آواز۔ ایک شناسا سی آواز۔ ایک مانوس آواز۔ ایک پر سکون آواز۔ ایک خوبصورت آواز۔ سب نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا... حیرت سے... بے یقینی سے...

عالیار ان کے پیچھے چوکھٹ پر کھڑا تھا۔اپنے مخصوص ڈیزائن کے کپڑوں میں۔ چمکتے جوتے۔ سنجیدہ، بے تاثر سنجیدہ چہرہ، بال سمٹے ہوئے،اس کی شخصیت شہزادوں سی نہیں، بادشاہوں کی سی تھی۔ وہ دائیں کندھے سے دروازے سے ٹیک لگائے، کلائی موڑ کر وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ بالکل تیار تھا، جیسے وہ روز ہوتا تھا۔اس نے گھڑی والا ہاتھ پہلو میں گرایا،اور نظریں اٹھا کر سب کو دیکھا۔ ہاتھوں پر اب بھی پٹیاں بندھی تھی۔

"I already have a plan!"

اُس نے بے نیازی سے کہا۔ یہ پلان اُس نے کب بنایا؟ ابھی ایک گھنٹہ ہوا تھا، وہ اُسے اوپر سویا ہوا چھوڑ کر آئی تھی اور اب وہ اُن کے سامنے کھڑا ہے، ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ایک بار پھر ماننا پڑے گا، سمندر جتنا ضبط تھا اِس انسان میں۔ وہ اس انسان کو آج تک نہیں سمجھ پائی تھی۔اس کو سمجھنا شاید ناممکن تھا۔

پھر اُس نے عالیانہ کو دیکھا، سر کو معمولی سی جنبش دی، جیسے شکریہ کہہ رہا ہو۔ عالیانہ نے بھی سر ہلایا۔ پھر وہ ارسل کی جانب بڑھا۔ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیسے ہو؟" یہ سوال تو ارسل کو اس سے پوچھنا چاہیے تھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔" اُس نے "اب" پر زور دیا۔ اُس نے دو تین بار اثبات میں سر ہلایا، اُس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

"گڈ!" اُس کے کندھے سے ہاتھ ہٹایا، نظریں اٹھائیں، پورے گروپ کی جانب دیکھا جو آنکھیں پھاڑے اُسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی نظر نہ آنے والی مخلوق دیکھ لی ہو۔

"It's time to fight!"

••••••☆☆☆••••••

باقی سب خوف کے غالب آنے سے پہلے لمحوں میں منجمد تھے۔ وہ سب پُر امید تھے، لیکن پھر بھی فکر مند تھے۔ عالیار اپنی فوج کو اکٹھا کر چکا تھا، شہریوں کو پہلے ہی اطلاع دے دی گئی تھی۔ اگر وہ ان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے، تو ہتھیاروں اور گولہ بارود کے لیے ایک اسٹیشن قائم کیا گیا تھا۔ انہیں صرف اپنے آر آر کارڈ دکھانے ہوں گے تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ سیکٹر فائیو کے رہائشی ہیں، اور انہیں معافی دے دی جائے گی۔ فوجی بیرکوں میں پناہ کے مراکز بنائے گئے تھے تاکہ باقی ماندہ مرد، عورتیں اور بچے، جو جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے یا نہیں ہونا چاہتے، یہاں پناہ لے سکیں اور خونریزی ختم ہونے کا انتظار کریں۔

یہ سب اضافی انتظامات عالیار نے کیے تھے۔

"اگر اس نے دوبارہ سب کو بم سے اُڑا دیا تو؟" سیم نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔ "جیسے اس نے ایلفا پوائنٹ کے ساتھ کیا تھا؟"

"وہ نہیں کریں گے۔ وہ بہت مغرور ہیں، اور یہ جنگ ان کے لیے ذاتی ہو چکی ہے۔ وہ ہمیں تکلیف دینا چاہیں گے، وہ اسے جتنا ممکن ہو سکے طول دینا چاہیں گے۔ وہ ہمیشہ اذیت دینے کے خیال سے متاثر رہے ہیں۔ یہ سب ان کے لیے ایک تفریح ہو گی۔"

"تو وہ قریب کہیں ٹھہرا ہوا ہے؟ یہاں؟" دھان نے پوچھا۔

"میری یہی سمجھ ہے۔ ہاں! عام طور پر وہ بیس پر ٹھہرتے ہیں، لیکن چونکہ ہم اس وقت دشمن ہیں، یہ تھوڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ بظاہر انہوں نے ملک بھر کے فوجیوں کو اجازت دے دی ہے کہ وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں، ان کے پاس اپنی ایلیٹ گارڈز ہیں، اور وہ فوجی ہیں جو دارالحکومت کو سنبھالتے ہیں، لیکن وہ ملک بھر سے بھی آدمی اکٹھے کر رہا ہے۔ اور میں جانتا ہوں یہ سب محض دکھاوے کے لیے ہے۔ ہم تعداد میں اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ انہیں اتنے لوگوں کی ضرورت ہو۔ وہ صرف ہمیں ڈرانا چاہتے ہیں۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ میدان جنگ میں نہیں ہو گا؟ یہ منصوبے کا سب سے اہم حصہ ہے۔"

عالیار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بابا.... "وہ ایک لمحے کو رکو۔ "سپریم!" اس نے جیسے خود کی تصیح کی۔ "سپریم! کبھی اپنی جنگوں میں نہیں لڑتا۔ وہ کبھی اپنا چہرہ نہیں دکھاتا۔ اور ہم اس کی بزدلی پر بھروسہ کر رہے ہیں تاکہ ہمیں سب سے بڑا فائدہ ملے۔ انہیں اپنی جان پر حملے کا کوئی اندازہ نہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن وہ بھول چکے ہیں کہ

اس بار ان کے سامنے ان کا بیٹا کھڑا ہے۔ وہ کھیل کھیل رہے ہیں اور میں اس کھیل میں ان سے دو قدم آگے چلوں گا۔" اس کا چہرا تاثرات سے پاک تھا۔ 'ہمیں امید ہے کہ وہ نظر نہ آنے والے حملہ آوروں کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے۔"

"وہ خود یہاں نہیں آئیں گے۔ سب سے پہلا کام جو انہوں نے کیا، وہ مجھے اذیت دینا تھا۔ میں جانتا تھا وہ مجھے اذیت ضرور دیں گے، مگر اس طرح دیں گے، یہ نہیں جانتا تھا۔ ان کا مقصد صاف ہے، انہوں نے یہ اس لیے کیا تاکہ مجھے توڑ سکیں، تاکہ جنگ کے بیچ میرے جذبات آجائیں اور جب میں ٹوٹ جاؤں گا تو ہم جنگ ہار جائیں گے۔ ان کو ہمیشہ سے لگتا تھا کہ میں اپنے فرائض کے بیچ جذبات لے آتا ہوں۔ انہوں نے میری اس کمزوری کو استعمال کر کے مجھے توڑا۔ ان کو لگتا ہے اس غم نے میری کمر توڑ دی ہو گی۔ ان کو لگتا ہے انہوں نے ہمیں کمزور کر دیا، ہماری بنیادیں ہلا دیں ہیں اور ان کی یہ سوچ ہمارے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی۔ دشمن کو پہلے سے اپنی قابلیت دکھا کر جیتا نہیں جا سکتا۔ ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں کمزور سمجھیں۔"

"ہم پلان بدلیں گے؟" سیم نے جلدی سے کہا۔

"نہیں! ہر پلان کا ایک پلان بی ہوتا ہے۔ پلان اے دشمن کو دکھانے کے لیے ہوتا ہے، اور پلان بی عمل کرنے کے لیے۔ ہمارا پلان ابھی بھی وہی ہے، بس ہم اس پلان پر عمل سپریم کے پلان کے مطابق کریں گے۔ ہم وہ کریں گے جو وہ چاہتے ہیں، لیکن صرف ظاہری طور پر۔ عملی طور پر ہم اپنا پلان انجام دیں گے۔ اب پلان کی جانب بڑھتے ہیں۔"

ایک لمحے کا توقف۔

"بہر حال میں شروع سے جانتا تھا کہ سپریم کسی طرح سے مجھے خود تک بلائے گا۔ وہ جنگ میں نہیں آئے گا۔ اس کی فوج جنگ میں مصروف ہو گی۔ سپریم کے پاس صرف چھے سپریم گارڈز ہوں گے۔ تم دونوں چھے گارڈز سے لڑ پاؤ گے؟ شاید نہیں، وہ بہترین تربیت یافتہ ہیں... تم لوگوں کو حکمت عملی سے انہیں راستے سے ہٹانا ہے۔"

"وہ گروپ میں دائیں بائیں چل کر اپنی باتیں ان تک پہنچا رہا تھا۔

"ہمارے پاس تین سے چار دن ہیں۔ انہوں نے مجھے خود تک پہنچانے کے لیے للی کا سہارا لیا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں، تین دن سوگ منا کر میری تکلیف غصے میں بدلے گی اور میں ان کو ڈھونڈ نکالوں گا، اور اس کے مطابق وہ انہی جگہوں میں سے ایک میں رکے ہیں، جن کے بارے میں جانتا ہوں۔ ان کا مقصد مجھے وہاں بلا کر مجھے قابو کرنا ہے۔ جب تک وہ مجھ میں الجھے ہوں گے، تم لوگ اس وقت کا فائدہ اٹھاؤ گے۔ سپریم کو لگے گا کہ میرے پیچھے میری فوج کو لیڈ کرنے والا کوئی نہیں۔ میری فوج کو ارسل لیڈ کرے گا، کیونکہ وہ فوجی معاملات بخوبی جانتا ہے، میں اس معاملے میں اس سے زیادہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ داس، عالیانہ بیپر سے دیئے میرے سگنلز کو فالو کر کے سپریم کا ٹھکانہ ڈھونڈیں گے۔ باقی سب... دھان، اشعل اور میلیسا، شہریوں کو لیڈ کریں گے۔ کیسران بچوں، بوڑھوں اور خواتین کا خیال رکھے گا جو جنگ میں نہیں جا رہے۔"

"لیکن وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔" ارسل اور عالیانہ نے ایک ساتھ کہا۔اور ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر عالیار کی طرف۔ عالیار زخمی سا مسکرایا۔

"ہم ایک مشکل سفر پر نکل رہے ہیں۔شاید بابا مجھے جان سے نہیں ماریں گے۔وہ بس مجھے تکلیف دیں گے، اذیت دیں گے، سزا دیں گے۔یا شاید بغاوت روکنے کے لیے مجھے باغیوں کے سامنے عبرت کا نشانہ بنائیں گے۔بہر حال، جو بھی ہو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ میرے ساتھ کیا کریں گے۔میرا مقصد ان لوگوں کا تم سب سے دھیان ہٹانا ہے۔" کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے لیا تھا۔

"ایک لمحے کا توقف۔اس نے عالیانہ کو دیکھا جو ایسے لگ رہا تھا، ابھی رو دے گی۔اس کا چہرا زرد پڑ گیا تھا۔عالیار کچھ پل آنکھیں چھوٹی کیئے اسے دیکھتا رہا۔پھر سر جھکا کر دھیرے سے ہنس دیا۔گال کا ڈمپل واضح ہوا۔پھر قدم قدم چلتا وہ عالیانہ کے عین سامنے کھڑا ہوا۔وہ جانتا تھا وہ اس سے ناراض ہو گی، وہ اسے خود سے ناراض کر سکتا تھا، مگر مسئلہ اس کی حفاظت کا تھا، اگر اسے کچھ ہو گیا تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کو پائے گا۔سو اسے یہ قدم اٹھانا تھا۔چاہے وہ مانے یا نہ مانے۔وہ اپنے لیے نہیں لڑا تھا، اپنی بہن کے لیے نہیں کر سکا، مگر اپنی پسندیدہ عورت کے لیے وہ لڑے گا۔وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔" تم پیچھے نہیں ہٹو گی۔اگر اس سب میں میری جان بھی چلی گئی تو تم پیچھے نہیں ہٹو گی۔میرے ساتھ جو بھی ہو گا، میں تیار ہوں۔کم از کم میں ایک اچھے مقصد کے لیے مروں

گا۔ میری موت ضائع نہیں جائے گی۔ میں سکون کی موت مروں گا۔ پر تم سب۔" وہ گروپ کی جانب مڑا۔

"میں نہیں چاہتا کوئی بھی پیچھے ہٹے۔ میں نہیں چاہتا اگر میں مر جاؤں تو میری قربانی ضائع جائے۔ میں اپنی جان اس جنگ میں انویسٹ کر رہا ہوں۔ تم سب کو یہ جنگ جیتنی ہو گی۔ ہر حال میں۔ ہر قیمت پر۔ ہمیں جیتنا ہے۔ میں اپنی بہن کی قربانی کو یوں ضائع ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے سنجیدگی سب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"از دیٹ کلیئر؟" ناچاہتے ہوئے بھی سب نے سر ہلایا، سوائے عالیانہ اور ارسل کے۔

••••••☆☆☆••••••

اب سب اگلے قدم کا انتظار کر رہے تھے، جو عالیار نے اُٹھانا تھا۔ اس وقت وہ دونوں اپنے کمرے میں تھے۔ جب سے وہ کمرے میں آئے تھے، عالیانہ مسلسل اسے نظرانداز کر رہی تھی، وہ کوئی بات کرتا تو جواب نہ دیتی۔

وہ دونوں کمرے میں تھے۔ عالیار دیوار سر سے سر ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بالوں کو۔ وہ ڈریسنگ مرر کے سامنے کمرے سے نیچے جاتے سنہری بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی۔ کسی کے بال اتنے خوبصورت کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے بال اچھے خاصے انسان کو ہیپنوٹائیز کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ وہ ٹیک چھوڑ کر بے اختیار س کی جانب بڑھا۔ "کیا ہوا؟ تم مجھ سے خفا ہو؟" آخر کار اُس نے پوچھا اور عین اس کے پیچھے کھڑا ہوا۔ آئینے میں دونوں کی نظریں ملیں، اور اس نے نظریں ہٹائے بغیر اس کے ہاتھ سے

کنگھا پکڑا۔ایک دو تین پل اسے دیکھنے کے بعد وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس کے بالوں کی جانب متوجہ ہوا۔اور آہستگی سے اس کے بالوں میں کنگھا پھیرنا شروع کیا۔ وہ اب بھی شیشے میں اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پوری طرح سے اس کے بالوں پر متوجہ تھا۔

"میں بھلا کون ہوتی ہوں تم سے خفا ہونے والی..."

"خفا ہونے کے لیے کوئی تعلق ہونا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہے تو تم بیوی ہو میری..."اور آئینے کے پار کھڑی لڑکی کے چہرے پر قوس وقزح کے سارے رنگ ایک ساتھ بکھرے تھے۔ پہلی بار اُس نے اپنے منہ سے اُس کے لیے 'بیوی' کا لفظ استعمال کیا تھا، وہ بھی اتنے مان سے۔ عالیانہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، عالیار مسکرایا، اور وہ برف کی طرح پگھل گئی۔ وہ خود کو مسکرانے سے نہ روک پائی۔

"اب بتاؤ؟ کیا ہوا؟ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"اس نے اس کا رخ اپنی جانب کیا اور اطمینان سے پوچھا۔ ہاں! اس نے غلطی کی تھی۔ وہ ہمیشہ کرتا تھا۔ وہ اپنے سے پہلے اس کا خیال رکھتا تھا۔ بھلا یہ خود کے ساتھ کون سا انصاف ہوا۔ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں۔

"تم نیچے کیسی بات کر رہے تھے؟"

"کیسی بات کر رہا تھا؟"اس کی آنکھوں کی نمی دیکھ کر وہ ایک دم پریشان ہوا تھا۔ کیا واقعی اس نے کوئی غلطی کی تھی؟ کیا؟ وہ صرف عالیانہ جانتی تھی۔

"تم ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے میں ہوں ہی نہیں تمہاری زندگی میں... جیسے تمہاری زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں... جیسے تمہیں میری کوئی پرواہ نہیں..."

"میں نے ایسی باتیں کہیں؟" اس نے دہرایا کیونکہ اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

"ہاں!"

"کھل کے کہو..." اس کے ماتھے کر بل ڈلے۔

"تم نے کہا تمہاری جان جا سکتی ہے۔ تم نے کہا اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو پیچھے مت ہٹنا۔ تم جانتے ہو اُس انسان کو، وہ تمہیں مار دے گا۔ تم جانتے ہو وہ۔ تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ تم سب کچھ جانتے ہو پھر بھی تم نے... تم نے ایسا کیوں کہا؟" وہ بات کرتے کرتے چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے رونے لگی۔

"وہ تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ وہ تمہیں مار دے گا۔ اس نے خواب میں بھی ایسا ہی کیا تھا۔" عالیار ماتھے پر شکن ڈالے اُس کے جھکے چہرے کو دیکھتا رہا۔ آنسو گالوں سے لڑھک کر اُس کی گردن پر گر رہے تھے۔ اس کے رونے سے اسے تکلیف ہوتی تھی۔

"اگر تم میرے لیے ایسے روگی تو میں خود کو اپنا دشمن سمجھوں گا، عالیانہ۔"

وہ شخص اسے اس قدر سمجھتا تھا، اسے اتنا سنتا اور محسوس کرتا تھا کہ یہ احساس اس کے لیے چند ماہ پہلے تک اجنبی تھا۔

"میں جانتی ہوں میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ تمہیں سمجھا نہیں۔ تمہاری قدر نہیں کی۔ مجھے سمجھنے میں دیر ہو گئی مگر میں سمجھ چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں میں نے تمہیں تکلیف دی لیکن میں تمہارا مجھ سے ایسا رویہ برداشت نہیں کر سکتی..."اس نے چہرا نہیں اٹھایا۔ عالیار نے بھی اس سے نظریں نہیں اٹھائیں۔

"تم نے ایسی باتیں کرنے سے پہلے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا۔ شاید اب میں تمہارے لیے معنی نہیں رکھتی... لیکن..."

"میرے لیے تم بہت خاص ہو......"اُس نے داہنے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اُوپر کی۔ نرمی سے۔ محبت سے۔

"تم میرے زندگی کا سب سے اہم انسان ہو۔ تم میرا آخری اثاثہ ہو۔ تم نہ ہو تو میں دینا کا سب سے غریب انسان بن جاؤں گا۔ اور پھر بھی تم ایسے کہہ رہی ہو۔ تمہیں مجھ سے شکوہ کر رہی ہو کہ میں نے تمہارے بارے میں نہیں سوچا، اور مجھے خود سے شکوہ ہے کہ میں نے تمہارے سوا کچھ نہیں سوچا۔"آنسو اب بھی اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا کہ تم میرے لیے معنی نہیں رکھتی؟ کیا میرے رویے سے تمہیں ایسا لگا؟ عالیانہ سلیم، عالیار حیدر کی پہلی اور آخری محبت ہے... میں کبھی تم سے منہ نہیں موڑ سکتا... چاہ کر بھی نہیں۔"

"پھر تم ایسی باتیں کر رہے تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مجھے تکلیف ہو گی..."

"عالیانہ!" اس کی آواز سنجیدہ تھی۔ "مجھے ایسا کرنا ہوگا... میں گوشت کا وہ ٹکڑا ہوں، جسے شکار کو پکڑنے کے لیے شکار کے سامنے پھینکا جاتا ہے... گوشت کے اس ٹکڑے کے بغیر شکار کو باہر لانا ممکن نہیں۔ تم جانتی ہو، میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا، میں نہیں چاہتا میں تمہاری تکلیف کی وجہ بنوں۔ میں دنیا کا وہ آخری شخص بھی نہیں ہوں گا جس کی وجہ سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ لیکن یہ مجبوری ہے... آئی ایم سوری! میں اپنے لیے نہیں لڑا، میں للی کے لیے نہیں لڑا، عالیانہ! لیکن میں تمہارے لیے لڑوں گا۔ تمہاری زندگی کے لیے لڑوں گا۔ میں اپنی بہن کی قربانی رائیگاں نہیں جانے دوں گا... وہ ہمارے مقصد کی وجہ سے مری ہے.. بابا کو اُن کے کیے کی قیمت چکانی ہوگی.. اور میں ان سے یہ قیمت چکواؤں گا، چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

"کیوں بار بار میرے سامنے اپنے مرنے کی بات کرتے ہو۔"

"میرے لیے مت رویا کرو عالیانہ۔ تمہارت آنسوؤں کی وجہ میں ہوں یہ جان کر مجھے خود سے نفرت ہوتی ہے۔ میں تمہاری آنکھوں میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔" ایک لمحے کا توقف۔

"اگر میرے سوری کہنے سے تم رونا بند کرو گی تو آئی ایم سوری!" اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"تمہیں اتنا یقین کیسے ہے کہ میں زندہ رہوں گی؟ ہو سکتا میں بھی جنگ میں ماری جاؤں۔" ایک لمحے کے لیے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے چہرے پر سے سایہ سا گزرا تھا۔

"ایسامت کہو! تم زندہ رہو گی۔ زندہ رہنا تم پر سب سے زیادہ جچتا ہے۔"

"تم پر بھی!"

"اگر مجھے کچھ ہو بھی گیا تو خیر ہے، مجھے تو وہاں حور مل جائے گی۔" اس نے تناؤ ختم کرنے کے لیے مزاح کیا لیکن یہ سن کر وہ مزید رونے لگی۔

"واقعی؟ تم مجھے۔ چھوڑ دو گے؟" اس نے اسے کندھوں سے تھاما۔

"میں نہیں جانتا، میں حوروں کو ڈیزرو کرتا ہوں یا نہیں، لیکن اگر مجھے انتخاب کا موقع ملا تو میں ہمیشہ تمہیں ہی چنوں گا۔" وہ ہنسا اور داہنے ہاتھ سے اس کی جھکی ٹھوڑی اٹھائی اور آگے کو جھک کر نرمی سے اس کی ٹھوڑی کو چوما۔ اس لمس میں محبت تھی۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی مسکرادی۔ اس کے گال گلابی ہونے لگے تھے۔

"میری بیوی بہت بہادر ہے۔ وعدہ کرو تم پیچھے نہیں ہٹو گی... اگر..."

"پہلے تم وعدہ کرو تم اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کرو گی۔ تمہاری زندگی میرے لیے بہت اہم ہے۔ تم بہت اہم ہو، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ وعدہ کرو تم اپنے لیے لڑو گے۔ وعدہ کرو تم زیادہ بہادر نہیں بنو گے۔"

"نہیں بنوں گا۔" وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔

"وعدہ!" وہ کچھ پل خاموش رہا، جیسے اُس کے الفاظ ختم ہو گئے ہوں.. وہ ان وعدوں سے بہت ڈرتا تھا... پھر اُس نے سر ہلایا۔ کچھ کہے بغیر اسے گلے لگایا۔ "وعدہ!"

زندگی میں اس کے پاس بس ایک ہی اثاثہ بچا تھا، وہ اسے نہیں کھو سکتا تھا، کسی شرط پر نہیں، کسی قیمت پر نہیں۔

"میں تمھیں کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمھیں بچالوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔" وہ پیچھے ہٹی۔ عالیار اسے دیکھ کر مسکرایا گہری سانس لی اور صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ واقعی ہو رہا ہے؟" عالیار نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ عالیانہ نے پلٹ کر اسے دیکھا، ایک پل گزرا اور وہ بھی اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

"کیا؟" عالیار اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا تھا۔ لکیریں کو۔

"یہ سب کچھ۔ مجھے لگتا ہے جب میری آنکھ کھلے گی تو یہ لمحے کسی خواب کی طرح ثابت ہوں گے۔" اس نے نظر اٹھا کر عالیانہ کو دیکھا۔ "لیکن پھر میں تمھیں مجھ سے بات کرتے ہوئے سنتا ہوں۔ میں تمھاری آواز میں اپنے لیے اپنائیت اور محبت محسوس ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھے کس نظر سے دیکھتی ہو اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب حقیقیت ہے۔ میں تمھارے جذبات کی سچائی کو محسوس کر سکتا ہوں، اور جس طرح سے تم میرے لیے پریشان ہو رہی ہو، یہ سب میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ یہ سب میرے لیے بہت زیادہ ہے۔ تم میرے لیے پریشان ہو رہا ہے، یہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تمھیں دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں، کہ نا جانے تم میری کون سی نیکی کا صلہ ہو۔ زندگی میں پہلی بار کسی کو میری جان جانے کا خوف محسوس ہوا۔ یہ

احساس بہت خوبصورت ہے، عالیانہ۔" عالیانہ نے اس کی آنکھوں کے کناروں کو بھیگتے دیکھا۔ وہ نظریں چرا گیا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں کہ اللہ نے مجھے تم جیسے انسان سے نوازا۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اور اپنا سر اس کے سینے پر رکھ لیا۔ پیار سے۔ مان سے۔ عقیدت سے۔ عالیار کو ایک پل کے لیے بلکل ساکت ہو گیا "شکریہ میری زندگی میں آنے کے لیے۔" کہتے ہوئے اس نے عالیانہ کے گرد بازو پھیلا لیا۔

"تم میرا سب کچھ ہو۔ اور اس 'سب کچھ میں' کیا کیا آتا ہے میں وہ انگلیوں کے پوروں پر گن کر نہیں بتا سکتی۔ یہ بات یاد رکھنا۔ ہمیشہ یاد رکھنا۔" عالیانہ نے کہا۔

"I love you,Aliyana! "

کچھ پل خاموشی میں گزرے۔ "دن بہ دن میرے پاس تمہیں بیان کرنے کے الفاظ ختم ہو رہے ہیں، عالیانہ!" اس کی سرگوشی عالیانہ کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ ہنس دی، اس کا گال اس کے سینے پر ٹکا ہوا تھا۔

"مجھے دیکھو، میں تمہارے تمام الفاظ پڑھ لوں گی۔" اس نے سر جھکا کر عالیانہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

کیا آسمان مٹی کے رنگ جیسا بھورا ہو سکتا تھا؟

اس لمحے ہوا تھا۔

کیا زمین پر ستارے اتر سکتے تھے؟

اس لمحے اترے تھے۔

"پڑھ لیا؟" اس نے پوچھا۔

عالیانہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "پڑھ لیا۔"

"کیا پڑھا؟"

"خود کو۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر جیسے تصیح کی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھنے لگی، وہ بھی اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔ پھر دوبارہ سر شاری سے اس کے سینے پر ماتھا ٹکا لیا۔

"I am blessed!"

عالیار نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے بالوں کو نرمی سے چوما۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ دنیا کا کوئی بھی مرد عالیار جیسا نہیں تھا۔ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے سینے آنکھیں موندے عالیانہ نے سوچا۔ "دنیا کی کوئی بھی عورت عالیانہ جیسی نہیں تھی۔ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے عالیار نے سوچا۔

••••••☆☆☆••••••

وہ دونوں کمپاؤنڈز گئے تھے۔ عالیار شہریوں کی تیاریاں دیکھنا چاہتا تھا، عالیانہ نے اصرار کیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے، سو وہ بھی اُس کے ساتھ تھی۔

اس وقت وہ ملیک کے ساتھ کھڑا تھا، دھوپ کے خلاف آنکھیں چھوٹی کیے کمپاؤنڈز کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اب وہ ہاتھ کے اشارے سے ملیک کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پریشان تھیں، کوئی نہ کوئی بات اسے اندر سے ستا رہی تھی۔ کیا؟ وہ نہیں جانتی تھی؟

عالیانہ دھوپ سے آنکھیں چھوٹی کیے اس سے چند فٹ دور کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے ہال کے دوسرے دہانے سے ایک نوجوان اور ادھیڑ عمر عورت کو دیکھا۔ بوڑھی عورت بمشکل چل پا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ عالیار کے پاس رک گئیں۔ شاید انہوں نے سنا تھا کہ وہ آیا ہے، اسی لیے وہ یہاں آئیں تھیں۔ ان کے چہرے سے یہ صاف واضح ہو رہا تھا۔

وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی رہی۔ عالیار بوڑھی عورت کو فوراً پہچان گیا تھا۔ اس نے سر کے جھکاؤ سے انہیں سلام کیا۔ بوڑھی عورت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی، وہ جھجک رہا تھا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے ایسے دیکھے۔

ایک خوبصورت سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری تھی۔ اس کی کس نیکی کا صلہ تھا وہ ؟آنکھیں گلابی ہونے لگیں۔

ملیک کو آخری ہدایات دے کر وہ قدم قدم چلتا اُس کے قریب آیا اور عین اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے دیکھتی رہی۔ وہ دھوپ کا راستہ روکے اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ ایسا ہی تو تھا وہ، ہمیشہ اُس کی ڈھال بن جاتا تھا۔ زندگی کے ہر سورج کی تیز تپتی

دھوپ میں وہ شخص نہ صرف اُس کی ڈھال بنتا بلکہ اپنے سائے سے اُسے چھاؤں بھی بخشتا تھا۔ وہ شخص جنگ کے دنوں میں امن کی طرح تھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ ہوا نہیں۔ بس سوچ رہی ہوں..."

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں کہ میں نے اتنا وقت ضائع کر دیا۔ کاش میں نے تمہیں سمجھ لیا ہوتا۔" اب وہ دونوں قدم اُٹھائے آگے بڑھنے لگے۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اُسے سلام کرتے، وہ سر کے جنبش سے اُنہیں جواب دیتا، لیکن وہ پوری طرح سے اُس کی جانب متوجہ تھا۔

"ساری زندگی ہم ہر جگہ سکون تلاش کرتے ہیں اور ہر جگہ دیکھتے دیکھتے ہم اپنے آس پاس دیکھنا بھول جاتے ہیں۔ سکون ہماری پلکوں کے نیچے ہوتا ہے اور ہم نظریں اُٹھا کر اُسے دور کسی دوسری جگہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ تم میرے پاس تھے اور میں اپنے سکون کو پہچان ہی نہیں پائی۔"

عالیار کا چہرہ پر سکون لیکن سنجیدہ تھا۔ وہ ہلکا سا سر جھکائے اپنے قدم گن رہا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب تھا ہی نہیں۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"جب پہنچیں گے تب بتاؤں گا۔" ایسے ہی باتیں کرتے کرتے وہ کمپاؤنڈ سے نکل کر ایک کھلے مگر نارمل سائز میدان کے سامنے رکے۔ یہ جگہ اس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ یہ پورے کمپاؤنڈ سے مختلف تھی ہریالی سے گرا کھلا میدان۔ درخت، پھول، گھاس۔

"یہ کیا ہے؟"

"میری خواہش۔"

"تمہاری خواہش؟" اُس نے سر ہلایا۔

"تم نے مجھ سے پوچھا تھا میری خواہش کیا ہے؟ یہ ہے میری خواہش۔"

عالیانہ نے اس کے خاموش اور اداس چہرے کو دیکھا، اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس کی افسردہ مسکراہٹ نے اس کے دل کو دکھ سے بھر دیا۔ اس لمحہ ایک نیا انکشاف ہوا یہ کہ عالیار کی اداس مسکراہٹ اسے تکلیف پہنچاتی تھی۔

" ماں کو یہ جگہ بہت پسند تھی۔ اس ہریالی کی وجہ سے۔ میں نے اُن سے کہا کہ ایک دن میں اُنہیں یہاں گھر بنوا کر دوں گا۔ جہاں میں، ماں اور للی ساتھ سے رہیں گے، لیکن پھر ماں چلی گئیں۔ میں نے سوچا میں اور للی یہاں رہیں گے، وہ بھی نہیں ہو پایا۔ اب ایک اور امید ہے۔ اگر میں زندہ رہا... " وہ سامنے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

"ہم ضرور رہیں گے!" وہ ایک دم سے بولی۔

"ہم یہاں رہیں گے۔ ہم یہاں گھر بنائیں گے۔ ہم دونوں مل کر اُسے سجائیں گے۔ بس بات ختم۔ اگر، مگر کچھ نہیں..."

"جیسا آپ کہیں، آپ کے آگے ہم کچھ کہہ سکتے ہیں۔" عالیار نے مسکراتے ہوئے ہار مان لی۔

"تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے؟

"تمہیں چھوڑ کر میں کہاں جاؤں گا یار، میرا ملک تم ہو۔"

"اب میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گی۔"

"تم جیو گی۔ میں نے کہا تھا نہ جینا تم پر سب سے زیاد خوبصورت لگتا ہے۔" وہ کچھ پل یوں ہی اس شخص کو دیکھتی رہی۔ وہ بہت خوبصورت بولتا تھا۔ چاشنی بھرا نرم لہجہ۔ سرد اور گہری آواز۔ کیوں تھا وہ اتنا خوبصورت؟

"تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟" کچھ دیر بعد عالیانہ نے اس سے پوچھا۔ سوال غیر متوقع تھا مگر جواب آسان تھا، لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔

"تم یہ سوال مجھ پوچھ رہی ہو؟ واقعی؟"

"ہاں! میں جانتی ہوں لیکن تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"

"کچھ بھی کر سکتا ہوں! جان بھی دے سکتا ہوں..."

"ہاں! بس یہ جان مجھے چاہیے۔"

"میں چاہتی ہوں تم اپنی جان کو میری جان سمجھ کر اُس کی حفاظت کرو۔ مجھے تمہاری جان چاہیے۔ لیکن اپنے پاس۔ زندہ۔ صحیح سلامت۔ پرانی کہانیوں میں جیسے چڑیل کی جان دیو میں ہوتی تھی، ویسے ہی میری جان تم میں ہے۔ تمہیں کچھ ہوا تو میں جی نہیں پاؤں گی۔"

"تم خود کو چڑیل کہہ رہی ہو؟"

"نہیں، میں تمہیں دیو کہہ رہی ہوں۔"

اُس کی اس بات پر وہ بے اختیار ہنس دیا۔ اُس کی گال کا ڈمپل واضح ہوا۔ وہ بھی اُسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔ دونوں ہنسنے لگے۔ زندگی میں پہلی دفعہ عالیانہ نے اُس کی آنکھوں میں زندگی کی تپش دیکھی۔ سامنے پیپل کے درخت کے پار قسمت خاموشی سے کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

کمپاؤنڈ سے آنے کے بعد عالیانہ ٹریننگ روم چلی گئی تھی۔ لفٹ سے نکل کر وہ نیچے آیا۔ نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔ پھر ہال کے دہانے پر اسے وہ نظر آیا جسے وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چہرے کا ہر تاثر بدل گیا تھا۔

وہ داس کے ساتھ کھڑی اس کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ اس کی ہنسی خزاں میں بہار جیسی تھی۔ وہ سردی کی دھوپ تھی۔ وہ گرمی کی چھاؤں تھی۔ اگر اس کو زندگی کہتے

ہیں تو یہ بہت خوبصورت تھی۔اس کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں بکھر گئے، لیکن اس کی آنکھیں پریشان تھیں۔

کچھ دیر یونہی اسے دیکھنے کے بعد وہ آگے بڑھا۔اس کے پاس گیا۔داس سے بات کرتے کرتے اس نے عالیار کو دیکھا اور سر کی جنبش سے سلام کیا۔اس نے بھی سر ہلا کر جواب دیا۔

"کون سا سب سے بہتر ہے؟" وہ ٹریننگ روم کی دیوار پر لگے ہتھیاروں کو دیکھ رہی تھی جن کے بارے میں اس نے سب کو خاص طور پر تنبیہ کی تھی کہ کوئی اس کے ہتھیاروں کو ہاتھ نہ لگائے۔

ملیک آج صبح ہی خبر دینے پہنچا تھا۔ سپریم آگیا تھا۔ وہ سیکٹر فائیو کے ایک فوجی جہاز پر ٹھہرا ہوا ہے۔اس کی حفاظت اُس کے پیچھے تھی۔ اُس کی فوجیں بھی جلد ہی پہنچ جانے والی تھیں۔

"جو چاہو لے لو۔ یہ سب لیٹسٹ ماڈلز ہیں۔ میری ساری کلیکشن ایک سے بڑھ کر ہے۔" پھر عالیار آگے بڑھا اور ایک گن اٹھائی۔

"مجھے دو چاہیے۔" اس نے فوراً کہا۔عالیار نے سر موڑ کر اسے دیکھا اور ہنس دیا۔

"ٹھیک ہے۔" صرف وہی تھا جو ہنس رہا تھا۔

باقی سب خوف کے غالب آنے سے پہلے لمحوں میں منجمد تھے۔ وہ سب پر امید تھے، لیکن پھر بھی فکر مند تھے۔ عالیار نے اپنی فوج کو پہلے ہی اکٹھا کر لیا ہے۔ ارسل بھی تیار تھا۔ سب تیار تھے۔

••••••☆☆☆••••••

وہ سفید رنگ کے گھر میں کھڑا تھا۔ وہاں جہاں للی کے پھول تھے۔ وہاں جہاں عالیانہ رہتی تھی، شاید اب بھی رہتی ہے۔ اس وقت وہ اس گھر کے لان میں بنی ایک کچی قبر کے سامنے کھڑا تھا۔ سسد و ساکت، جامد، بس قبر کو دیکھتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ پھر اس نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ فاتحہ پڑھی اور پنجوں کے بل قبر کے قریب بیٹھا۔ اپنا زخمی ہاتھ قبر کی مٹی پر پھیرا اور ایک مٹھی میں قبر کی مٹی لے کر ناک تک لایا۔ آنکھیں بند کیں، گہری سانس کے ساتھ اس مٹی کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔

"Your brother is Missing you, Lily!"

داہنی آنکھ سے آنسو کا قطرہ گیلی مٹی پر گرا اور جذب ہو گیا۔ ان آنسوؤں کو رکنے کی کوشش میں اس کا حلق اندر تک کڑوا ہو چکا تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہو، عالیانہ۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد تمہارا بھائی تم سے ملنے یہاں نہ آسکے۔ ہو سکتا ہے اب ہم کہیں نہ ملیں، نہ اس جہاں میں، نہ اُس جہاں میں... "اس کی آنکھوں کے آنسو اب واضح ہونے لگے تھے۔

"کہتے ہیں، مرنے والا اس جہاں میں اپنے رشتہ داروں سے ملتا ہے، مگر تم تو فرشتہ ہو، تم تو جنت کے لیے بنی ہو... اور میں..." ایک ساتھ دو آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پر گرے۔ "میں اپنے اعمال کی گواہی نہیں دے سکتا، عالیانہ... ہو سکتا ہے تم مجھے وہاں بھی نہ ملو جہاں سب بچھڑے لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔" اب وہ رو رہا تھا، سسکیوں سے...

"میں چاہتا ہوں اب تم مجھ سے کبھی نہ ملو... کیونکہ میں تمہارا بھائی بننے کے قابل نہیں ہوں۔ لیکن پھر بھی..." وہ رو رہا تھا، وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پا رہا تھا۔ "لیکن پھر بھی تم سے ملنا چاہتا ہوں... چاہے میں تمہارے قابل نہیں ہوں، چاہے تم مجھ سے نفرت کرو، میں پھر بھی تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں... میں بہت خود غرض ہوں..."

وہ آگے کو جھکا اور جھکتا چلا گیا یہاں تک کہ اس کا ماتھا قبر کی مٹی سے جا لگا۔

"تمہارا بھائی بہت خود غرض ہے، عالیانہ... تمہارا بھائی ہر زندگی میں صرف تمہارا بھائی بننا چاہے گا۔"

وہ زندگی میں کبھی اتنا نہیں رویا جتنا اس دن عالیانہ کی قبر پر ماتھا ٹیک کر رویا تھا۔ شاید یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ ایک آخری الوداع۔

••••••☆☆☆••••••

وہ دونوں کمرے کے درمیان کھڑے تھے۔ عالیار کے ہاتھ مضبوطی سے اُس کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

"اب مجھے جانا ہو گا۔" اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔ "جانے سے پہلے میں نے ہر فوجی تفصیل خود سے دیکھ لی ہے۔ میں نے یہ یقینی بنایا ہے کہ تمہیں ہر وہ چیز ملے جو تمہیں چاہیے، اور میرے سپاہی ہر طرح سے تیار ہوں۔" وہ خاموشی سے سر ہلا رہی تھی، شکریہ ادا کرنے کی کوشش میں، مگر الفاظ اُس کی زبان پر آ نہیں پا رہے تھے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے جب زندگی اچھی لگنے لگتی ہے تو زندگی چھین لی جاتی ہے۔ ابھی تو اس کی زندگی میں رنگ آئے تھے۔ کیا یہ رنگ بے رنگ ہو جائیں گے؟ کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ ابھی تو اس نے زندگی سے خوش ہونا سیکھا تھا۔ ابھی تو اسے اپنے نصیب پر رشک آنا شروع ہوا تھا۔ ابھی تو اس نے اس انسان کو سمجھنا شروع کیا تھا۔ ابھی تو زندگی خوشگوار ہوئی تھی۔ کیا یہ سب ختم ہو جانا تھا۔ نا جانے دل کیوں بے چین تھا۔ نا جانے کیوں وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ جائے۔ نا جانے کیوں وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ نا جانے کیوں اس کا دل بند ہو رہا تھا۔

"تمہارا بیپر؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"میرے پاس ہے۔ میں سگنل دے دوں گا۔" اگر اس نے نہ دیا تو؟ اگر اس نے اس کو خطرے میں نہ ڈالنے کے لیے بٹن نہ دبایا تو؟ اگر وہ اس کو بچا نہ پائی تو؟

وہ اب بھی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، جیسے وہ کسی ایسی قیمتی چیز کو دیکھ رہا ہے جسے چھوڑنا اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔

"بہت ظالم ہو تم... "اس نے خفا ہو کر کہا۔ عالیار نے اس کی گال پر ہاتھ رکھا اور تھکن سے مسکرایا۔

"میرے لیے ایسے پریشان ہو گی تو میں ہر روز اپنی جان خطرے میں ڈالنا پسند کروں گا۔"

"کیوں کرتے ہو ایسی باتیں؟ بدلہ لے رہے ہو؟"

"اچھا، سوری۔" یہ لڑکی اس کی دھڑکنوں پر اختیار رکھتی تھی۔

اُس کا انگوٹھا نرمی سے اُس کے گال کو چھو رہا تھا۔ عالیانہ نے اپنے چہرے پر رکھے عالیار کے ہاتھ کو پکڑا اور اس کی کھلی ہتھیلی کو چوما۔

"اللہ تعالی تمہارے بغیر کے دن مجھے کبھی نہ دکھائے۔"

اس کی آنکھوں کے کٹورے بھیگنے لگے تھے۔ پھر کچھ کہے بغیر عالیار نے اسے گلے لگا لیا۔ جب وہ اس کے قریب ہوتا تھا تو سکون ملتا تھا، پھر آج اس کا دل بے چین کیوں تھا۔ آج اتنی بے سکونی کیوں تھی؟ اس نے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ لیا۔ آنکھیں بند کیں۔ یہ جگہ اس کا سیف زون تھی۔ "تم بہت ظالم ہو۔" اس نے گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی دھڑکنیں سن سکتی تھی... مدھم سا شور۔ وہ اس کی خوشبو محسوس کر سکتی تھی۔ عالیار کی خوشبو آج بھی اس کی پسندیدہ خوشبو تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ اس کی محفوظ پناہ گاہ تھی، جہاں وہ جتنی دیر چاہے رہ سکتی تھی، جہاں کوئی حساب کتاب نہیں تھا۔ جہاں صرف محبت تھی۔ اپنائیت تھی۔ تحفظ تھا۔ وہ چاہتی تھی سب تھم جائے، کوئی جنگ نہ ہو، نہ عالیار کہیں جائے۔ کچھ پل یوں ہی سب بھول کر اس کے سینے پر رکھ کر اس کی خوشبو محسوس کرنا چاہتی تھی، اسے محسوس کرنا چاہتی تھی۔

وہ اس کی زندگی تھا... اس کا سکون، اس کا محفوظ ٹھکانہ۔

"تم بڑے مقام تک پہنچو گی۔ اپنا خیال رکھنا۔" عالیار نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا۔ اس کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ یہ الوداع کا وقت تھا۔ اور الوداع ہمیشہ تکلیف دیتے ہیں۔

پھر وہ آہستہ سے آگے جھکا اور نرمی سے اُس کے ماتھے کو چوما اور دروازے کی جانب پلٹا۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔ اس سے پہلے وہ چوتھا قدم اٹھاتا۔

"عالیار!" اس کے قدم بے اختیار رکے۔ اس نے پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ پرانی کہاوتوں میں لکھا ہے جو پیچھے دیکھتا وہ پتھر کا ہو جاتا، وہ پتھر کا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ عالیانہ نے چار قدموں کا فاصلہ طے کیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا بازو پکڑا۔ "تم زندہ رہو گے نا؟" وہ آنکھیں چھوٹی کیئے اسے دیکھ رہا تھا۔ سنجیدہ سا۔

"میرے لیے لڑو گے نا؟" اس نے آنکھوں میں نمی کا سمندر لیے پوچھا تو عالیار ایک لمبی سانس لے کر زخمی سا مسکرا دیا اور اپنے بازو سے اس کا ہاتھ اٹھا کر نرمی سے اس کے ہاتھ کو چوما۔

"ان شاءاللہ۔ تمہارے لیے ہی تو لڑ رہا ہوں۔"

یہ اُس کی اور عالیار کی آخری ملاقات تھی، اُس کے بعد وہ کہاں گیا کسی کو علم نہیں... تو اُن کا پلان شروع ہو چکا تھا۔ جنگ چھڑ چکی تھی۔ سپریم سپاہی یہاں آ چکے تھے۔ عالیار نے اب تک اُنہیں بیپر کے ذریعے کوئی پیغام نہیں بھیجا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

جانے کا وقت آ گیا ہے۔

سب لوگ عالیار کے کمرے سے اوپر جا رہے تھے، لیکن داس اور وہ پچھلے راستے سے نکلنے والے تھے، اس طرح کہ کوئی ان کی موجودگی کو محسوس نہ کرے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ سب، حتیٰ کہ فوجی بھی، یہ سمجھیں کہ وہ جنگ کے بیچوں بیچ ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی کو بھی پتہ نہ لگے کہ وہ کہاں چلے گئے ہیں۔

وہ دونوں پیچھے کھڑے ہوئے، دیکھتے رہے جب ان کے دوست لفٹ میں سوار ہو کر اوپر مین فلور کی جانب جا رہے تھے۔ معاذ تب تک ہاتھ ہلاتا رہا، جب لفٹ کے دروازے بند ہو گئے اور اسے پیچھے چھوڑ گئے۔

داس نے معاذ کو الوداع کہتے ہوئے زور سے اس کے سر پر بوسہ دیا۔ "اس جگہ کا خیال رکھنا۔ اگر کوئی یہاں آیا تو اُسے خوب مارنا۔"

"ٹھیک ہے۔" معاذ نے ہنستے ہوئے جواب دیا، تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ وہ رو رہا تھا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔ بس اُسے مارنا شروع کر دینا۔ بالکل پاگل ہو جانا۔" اُس نے اپنے ہاتھوں سے لڑائی کی ایک عجیب حرکت کی۔ "پاگل پن کے ساتھ پاگل کو مات دینا۔"

"یہاں کوئی نہیں آئے گا، معاذ۔" اُس نے داس کی جانب سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنی حفاظت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ تم بالکل محفوظ رہو گے۔ کچھ دیر تم اکیلے رہو گے پھر ہم واپس آ جائیں گے۔"

"سچ میں؟" اپنی معصوم آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بے ساختہ پوچھا۔ "تم سب؟"

"ہاں،" اُس نے جھوٹ بولا۔ "ہم سب واپس آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ گڈ لک۔"

"آنسو بہانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" داس نے اُسے زوردار گلے لگا کر کہا۔ "ہم جلد ہی واپس آئیں گے۔" معاذ نے سر ہلا دیا۔

داس پیچھے ہٹا اور پھر وہ دونوں گن وال کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ عالیار نے انہیں ایک مخصوص جگہ آنے کا کہا تھا۔ اس سے آگے اس نے کہا تھا کہ وہ انہیں سگنل دے گا۔

یہ پہلا حصہ سب سے زیادہ مشکل ہونے والا تھا۔ سکندر نے یقیناً اپنی جگہ کو مکمل طور پر محفوظ بنایا ہوا تھا۔

داس اور وہ خاموشی سے گاڑی میں سوار تھے جو تیزی سے منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب عالیار نے انہیں بتایا کہ سپریم بندرگاہ پر ٹھہرا ہوا ہے، تو داس کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے۔ ارسل، داس اور باقی سب کو بھی معلوم تھا، سوائے اُس کے۔ وہ دونوں مخصوص لوکیشن پر پہنچ چکے تھے۔ ایک بحری جہاز۔ جو سمندر کنارے کھڑا تھا۔ یہ جہاز شہر کی طرح دکھتا تھا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اُس کو اُس کا آخری کنارہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں بیرونی علاقے کا جائزہ لے رہے تھے، یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہ احاطے میں داخل ہونا کتنا مشکل ہو گا۔ انتہائی مشکل۔ تقریباً ناممکن۔

یہ داس کے الفاظ تھے، کچھ ترمیم کے ساتھ۔

"شٹ! یہ بہت ٹف ہے۔ میں نے کبھی ایسی سیکیورٹی نہیں دیکھی۔ یہ تو بہت زیادہ ہے۔" اُس نے تبصرہ کیا۔

اور وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ ہر جگہ فوجی موجود تھے۔ زمین پر، داخلے پر، عرشے پر۔

"تو ہم کیا کریں گے؟"

داس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر سوچا۔ "کیا تم تیرنا جانتی ہو؟"

"کیا؟ نہیں۔"

"شٹ۔"

"ہم سمندر میں چھلانگ نہیں لگا سکتے۔ داس"

"ہاں اور ہم اُڑ بھی نہیں سکتے۔"

"شاید ہم ان سے لڑ سکتے ہیں؟"

"تم پاگل ہو گئی ہو؟ تمہیں لگتا ہے کہ ہم سو فوجیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ میں بہت پر کشش آدمی ہوں۔ عنہ! لیکن میں جیکی چن نہیں ہوں۔"

"جیکی چن کون ہے؟"

"جیکی چن کون ہے؟" اس نے اس کا سوال دہرایا۔ "اوہ میرے خدا۔ ہم اب دوست نہیں رہ سکتے۔"

"کیوں؟ کیا وہ تمہارا دوست تھا؟"

"بس چپ رہو۔ ابھی میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر ہم اندر کیسے جائیں گے؟"

"مجھے نہیں پتا۔ اور ہم ان سب کو جہاز سے کیسے اتاریں گے ؟" وہ جہاز سے بہت دور کھڑے دوربین کی مدد سے پورے جہاز کا جائزہ لے رہے تھے۔

"ایک منٹ رکو!" وہ سنجیدہ چہرہ لیے دوربین کی مدد سے سامنے دیکھنے لگا۔

"تم نے نوٹس کیا۔ وہ سپاہی۔ سپریم کے سپاہی بار بار اسی جانب دیکھ رہے ہیں۔ جیسے وہ پہلے سے جانتے ہیں کہ کوئی یہاں آئے گا۔" اس نے دوربین نیچے کی اور سنجیدگی سے عالیانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ عالیانہ نے اس کے ہاتھ سے دوربین لی اور خود دیکھنے لگی۔ داس واقعی صحیح کہہ رہا تھا۔ وہ غیر متوقع حرکت کر رہے تھے۔ کچھ تو غلط تھا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" عالیانہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہ ایک جال ہے۔"

"سپریم یہاں نہیں ہے۔ یہ صرف ہمیں بھٹکانے کے لیے ہے۔ جہاز کی سیکیورٹی بھی اتنی نہیں ہے جتنی ظاہری طور پر وہ دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"لیکن حیدر؟ اگر وہ اندر رہا؟" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"وہ اندر نہیں ہو سکتا عالیانہ! وہ وہاں ہے جہاں سپریم ہے۔" اگر وہ وہاں تھا تو ابھی تک سگنل کیوں نہیں بھیجے۔ تب ہی عالیانہ کے کوٹ کی جیب میں رکھا بیپر تین بار تھرتھرایا۔ ایک لوکیشن، شہر سے دور۔ کہیں ویرانے میں۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ یہ سگنل وہی دے رہا۔" داس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ یہ حیدر ہے۔اس نے کہا تھا وہ تین بار سگنل دے گا۔"

"لیکن ایک بات سمجھ نہیں آرہی جہاں تک میرا خیال ہے، جس جگہ کی یہ لوکیشن ہے، وہاں تو دور دور تک کوئی رہائش نہیں۔"

"پھر اس نے سگنل وہیں کیوں دیا؟"

"شاید اس لیے کیونکہ اگر اس سے آگے وہ بیپر اپنے ساتھ لے کر جاتا تو پکڑا جاتا۔"

"پوائنٹ ہے ویسے۔" داس نے سر ہلایا۔

"ہمیں جلدی پہنچنا ہو گا، حیدر کی جان خطرے میں ہے۔"

"ہمارے پاس وقت نہیں ہے داس! جلدی کرو۔"

"صبر کرو... سوچنے دو۔ وہاں ہم گاڑی پر جا سکتے ہیں، لیکن نہیں جا سکتے۔ ہم نظر میں آ جائیں گے۔" کچھ لمحے اس نے سوچا۔

"چلو پھر ہم گاڑی میں ہی جائیں گے۔ رسک لے لیتے ہیں۔" اور وہ دوبارہ ایک نئے سفر پر چلنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹہ ڈرائیور کرنے کے بعد، وہ بالکل اسی جگہ پر تھے جہاں کا سگنل دیوائس نے دکھایا تھا۔ یہاں تک تو وہ آ گئے تھے، آگے کیا کرنا ہے، وہ نہیں جانتے تھے۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سپریم کی موجودگی کا کوئی گماں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن انسان تو انسان ہے، جتنا بھی تربیت یافتہ ہو، کہیں نہ کہیں غلطی کر ہی جاتا ہے، یہی

چیز اسے انسان بناتی ہے۔ سپریم نے بھی غلطی کی تھی۔ اپنے بیٹے کو بے وقوف سمجھنے کی غلطی۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ عالیار کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے... لیکن اس وقت وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی موت اتنی قریب ہے۔

"یہاں سے ہم کہاں جائیں گے؟ ہم کیا کریں داس! ہمارے پاس وقت نہیں ہے..." وہ اونچی روہانسی آواز میں چلائی۔

"پر سکون ہو جاؤ۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔"

"کیسے داس؟ کیسے؟ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں پوری زندگی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی..."

"ارے رونا بند کرو۔ ایک تو پتہ نہیں لڑکیاں ذرا سی بات پر پینیک کیوں ہو جاتی ہیں۔"

"ذرا سی بات داس؟ تم اس انسان کو جانتے ہو وہ کتنا خطرناک ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"ہاں! جانتا ہوں وہ کچھ کر سکتا ہے، لیکن شاید تم بھول گئی ہو۔ حیدر نے کہا تھا کہ اسے اذیت دینا پسند ہے۔ وہ ایسے ہی اسے نہیں مار دے گا۔ پہلے وہ...."

"چپ ہو جاؤ، داس! ورنہ میں تمہیں مار دوں گی۔" ایک تکلیف سی ابھری تھی اس کے چہرے پر۔ ایک ٹیس سی اٹھی تھی اس کے دل میں۔

"ہاں مار دو پھر اکیلی ڈھونڈتی پھرنا اس صحرائی قسم کی جگہ پر اپنے شوہر کو۔ تب ہی ڈیوائس پر ایک اور سگنل آیا۔ صرف ایک بار۔ عالیار نے کہا تھا وہ تین بار بٹن دبائے گا۔ یہ وہ نہیں ہے۔

"بیپر کا سگنل صرف ایک بار۔" داس نے زیر لب دہرایا۔

"ہمیں رسک لینا ہو گا، داس.... "وہ جھپٹے سے بولی۔

"یہ جال بھی ہو سکتا ہے...."

"ہو سکتا وہ کسی مشکل میں ہو۔ ہو سکتا وہ ایسی صورتحال میں ہو کہ وہ صرف ایک بار بٹن دبا سکا۔" داس ماتھے پر بل ڈالے اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

"میں چانس لوں گی۔ میں اس کے بغیر یہاں اس جگہ نہیں جاؤں گی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کو بچاؤں گی۔ اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" ایک پل دو پل تین پل گزرے خاموشی میں گزرے اور پھر وہ مشرقی سمت میں چلنے لگی۔ داس سینے پر بازو باندھ کر آنکھیں تنگ کیئے اسے دیکھتا رہا۔ سنجیدگی سے۔ اس نے اس کا ایک قدم نہیں اٹھایا۔ عالیانہ کو لگا وہ اس کے پیچھے آئے گا لیکن وہ نہیں آیا، کسی احساس کے تحت وہ رکی۔ پلٹ کر داس کو دیکھا۔ وہ وہیں کا وہیں کھڑا تھا... اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، وہ سنجیدہ تھا۔ انتہا سے زیادہ سنجیدہ۔ پھر اس نے اس کے ہونٹوں کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا "سیریئسلی؟"

"کیا؟" عالیانہ نے سر ہلا کر پوچھا۔

"Are you sure?"

"کس بات پر؟" اس نے وہیں کھڑے ہو کر پوچھا۔

"کہ تم صحیح سمت جا رہی ہو۔" اس نے دایاں ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"کیا؟" اور وہ جو سنجیدہ کھڑا تھا، بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "میں اکیلی چلی جاؤں گی۔" اس نے زنانہ آواز میں اس کی نقل اتارتے ہوئے دوہرایا۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلائے قہقہوں سے ہنس رہا تھا۔ عالیانہ کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا۔ اس نے ہنسی روکی اور گہری سانس لی۔ "اوکے میں نہیں ہنس رہا۔"

"اس طرف نہیں، اس طرف جانا۔ اس نے سر سے مغرب کی جانب اشارہ کیا۔ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا اور ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔" بڑی آئی اکیلے جانے والی۔ چلو اب۔" اس نے کہا اور دوسری جانب قدم بڑھائے۔ چار قدم اٹھائے، مڑ کر دیکھا وہ وہیں کھڑی تھی۔ اس نے اسے دیکھا، پھر چہرا واپس موڑا۔ سر جھٹک کر مسکرایا اور پھر واپس پلٹا۔ عالیانہ کی جانب بڑھا اس کا بازو پکڑا۔

"شہزادی! تمہیں لگتا ہے میں تمہیں بیچ راہ میں چھوڑ دوں گا؟ دوست اس لیے تو نہیں ہوتے۔ اب چلو۔" اس نے اس کے بازو میں بازو ڈالا۔

"مریں گے تو ساتھ ایک مریں گے، زندہ رہیں گے تو ایک ساتھ زندہ رہیں گے..."

عالیانہ ایک دم پر سکون ہو گئی۔ پھر وہ دونوں چلنے لگے۔ ایک نئی منزل کی جانب۔

••••••☆☆☆••••••

اس وقت وہ دونوں ہاتھ میں ٹریکنگ ڈیوائس پکڑے ایک کاٹیج کے سامنے کھڑے تھے جس پر انہیں عالیار کے سگنل ملے تھے۔ان دونوں نے ایک ساتھ پہلے کاٹیج کو دیکھا، پھر ایک دوسرے کو۔گہرے جنگل کے درمیان،ایک قدیم کاٹیج تھا جس کی دیواروں پر مٹی جمی ہوئی تھیں اور کھڑکیوں کے شیشے چٹخنے اور ٹوٹے ہوئے تھے۔کاٹیج کے قریب ایک چھوٹا سا تالاب تھا، جس کا پانی سیاہ اور گھدلا تھا۔ہوا میں ایک عجیب سا سکون تھا۔کاٹیج کے دروازے پر ایک زنگ آلود قفل لگا ہوا تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کئی سالوں سے اس دروازے کو نہیں کھولا گیا۔زمین پر ہر جگہ پتے بکھرے تھے۔

"عالیانہ! بھوت پریت نہیں ہوتے۔"

"تم ڈر رہے ہو؟"

"میں بھلا کیوں ڈروں گا۔ تمہیں بتا رہا ہوں تاکہ تمہیں ڈر نہ لگے۔"

"یار! مجھے نہیں پتہ تھا کہ ہمارے ملک میں بھی ایسی کوئی جگہ ہے۔"

"مجھے بھی..."

"لیکن ایسا لگتا ہے یہاں برسوں سے کوئی نہیں آیا..."

"مطلب..."ان دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"مطلب ہم صحیح جگہ کھڑے ہیں۔"ان دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

پھر داس نے گردن موڑ کر ارد گرد دیکھا۔ کچھ غیر معمولی تلاش کرنے کے لیے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر آگے بڑھا، کاٹیج کے ارد گرد بے شمار پتے بکھرے تھے۔

اس کی نظریں ایک جانب ٹھہریں۔ کچھ غیر معمولی۔ ایک طرف بکھرے پتے ایسے دکھ رہے تھے، جیسے انہیں خود بکھیرا گیا ہو۔ انسانی دماغ قدرتی اور مین میڈ منظر نامے میں فرق کر سکتا ہے۔ وہ ایک پنجے کے بل وہاں بیٹھا۔

"یہاں سے ہم اندر جائیں گے..." اس نے ہاتھوں سے پتے ہٹائے ہوئے کہا۔ وہاں ایک زمینی گٹر تھا۔ سیاہ ڈھکن والا۔ اس نے آہستہ سے ڈھکن اٹھایا۔ اس کے ہاتھ ہر کام میں ماہر تھے۔ وہ تربیت یافتہ تھا۔ دس سے پندرہ زینے تھے جو نیچے کی جانب لے جا رہے تھے۔ نیچے زندگی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اندھیرا۔ گھپ اندھیرا۔ تاریکی۔

"یار! تم مجھے دھکے کیوں مار رہی ہو؟" اس نے سرگوشی کرتے ہوئے دانت پیسے۔

"اچھا سوری!" اندھیرا اتنا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"پسٹل پاس ہے نا؟ ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ آگے خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں!"

"آہستہ بولو۔"

"سپریم یہاں ہے تو اصولاً سپریم گارڈز کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔" عالیانہ بولی۔

"ہو سکتا آگے سیکیورٹی ہو۔" وہ دونوں سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔

"وہ ویل ٹرینڈ سپاہی ہیں۔ انہیں حکمت عملی سے ہرانا ہو گا۔" وہ وہیں کھڑے تھے۔ عالیانہ بے چین تھی۔

"اب کیا کرنا؟"

"انتظار! اچھے موقعے کا! ہو سکتا آگے جال ہو۔ سپریم اپنی رہائش اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"

"دیکھو داس، ہم بس یہاں کھڑے رہ کر اچھے موقع کا انتظار نہیں کر سکتے۔ حیدر اندر ہے۔ ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔"

"تو پھر جاؤ اور مر جاؤ ان کے ہاتھوں۔ تم نے سپریم گارڈز دیکھے ہیں؟ تم تین ہو تو وہ ایک بنتا ہے۔"

"بحث کرنا بند کرو۔" اس نے غصے سے داس کو دیکھا۔ پھر داس نے آگے قدم بڑھائے۔ وہ صحیح کہہ رہی تھی۔ وہ یہاں کھڑے رہ کر صرف انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں خطرہ مول لینا تھا۔ زینے ختم ہوتے ہی ایک تاریک راہداری تھی، اس سے آگے دنیا بالکل مختلف تھی۔ کاٹیج باہر سے جتنا پرانا تھا، اندر سے بالکل اس کا متضاد تھا۔ یہ اتنا بلا خوبصورت تو نہیں تھا پر اتنا بدصورت بھی نہیں تھا، جتنا باہر سے لگتا تھا۔ داس آگے تھا اور وہ پیچھے۔ راہداری ختم ہوتے ہی داس کے قدم جم گئے۔ عالیانہ نے اس کی طرف دیکھا، حالانکہ اندھیرا تھا پھر بھی وہ اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ

سکتی تھی، جو ایک دم بدل گئے تھے۔ کوئی سایہ سا گزرا تھا اس کے چہرے سے۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ ماتھے پر بال ڈالے۔

"داس! کیا ہوا۔" اس نے پہلے داس کو دیکھا پھر سامنے ہال کو۔ اور وہ پتھر کی ہو گئی۔ وقت تھم گیا۔ اس کا دل رک گیا، دل کو جیسے بھاری ٹرک نے کچل دیا تھا۔

"عالیار!" اس نے زیرِ لب پکارا۔

••••••☆☆☆••••••

سپریم وہاں موجود تھا، تھری سیٹر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا۔ اس کے سامنے میز پر ایک مرتبان رکھا تھا، جس میں سے وہ کچھ کھا رہا تھا۔ وہ اپنے سامنے کھڑے دو سپاہیوں سے بات کر رہا تھا، مسکراتے ہوئے، بے حد سکون کے ساتھ۔

سپریم نے اپنی بات مکمل کی اور ایک کمرے کی جانب اشارہ کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ سپاہی باہر آئے۔ ان کے پیچھے دو اور سپاہی تھے، جن کے درمیان عالیار تھا۔ سپاہیوں نے اس کے بازو پکڑنے کی کوشش کی، مگر عالیار نے اسے ایسا گھورا کہ اس نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

عالیار سپریم کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ وہ عالیار نہیں تھا جو سیکٹر فائیو کا کمانڈر تھا۔ یہ عالیار کی پرچھائی تھی۔ اس کا چہرہ کمزور اور رنگت زرد پڑی تھی۔ آنکھوں کا سفید حصہ سرخ ہو چکا تھا.. سفید شرٹ پر جگہ جگہ خون کے دھبے تھے۔ شرٹ کا گریبان کھلا تھا۔ اوپر کے تین

بٹن غائب تھے، اور گردن پر گہرے لال نشان واضح تھے۔ کسی نے رسّی سے اسے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ کلائیوں پر بھی رسیوں کے نشان موجود تھے۔ پیشانی کے بائیں جانب ایک گہرا زخم تھا، جس سے بہتا ہوا خون جم چکا تھا۔ بال بکھرے اور حالت غیر تھی۔

زخموں سے چور ہونے کے باوجود اس کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔ نظریں جھکی نہیں تھیں۔ وہ بے خوف تھا۔ پر سکون تھا۔

سکندر صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے پر سکون انداز میں اسے دیکھ رہا تھا... عالیار نے نظریں نہیں جھکائیں، وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اسے دیکھتا رہا۔ سپریم نے آخر کار ہاتھ کے ایک ہلکے سے اشارے سے حکم دیا۔ اگلے ہی لمحے سپاہی جھپٹ کر آگے بڑھے اور عالیار کو بازوؤں سے پکڑ کر زمین پر گھٹنوں کے بل بٹھا دیا۔

"اس سے پہلے کہ میں تمہیں جان سے ماروں، اپنے آخری لمحات میں اپنے قصور یاد کر لو۔" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھے عالیار نے چہرہ اٹھا کر سکندر کو دیکھا۔ زخمی سا مسکرایا۔ "آپ آرام سے ماریں مجھے۔ مجھے اپنے تمام قصور معلوم ہیں۔"

سکندر نے صرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔ اور سپاہی نے ایک زنائے دار تھپڑ اس کے منہ پر دھرا۔ اس کا سر بے اختیار بائیں جانب جھکا۔ تھپڑ اتنا زناٹے دار تھا کہ اسے اپنا جبڑا تک ہلتا محسوس ہوا۔ اس کے ہونٹ سے بے اختیار خون پھوٹا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے ہونٹ سے بہتا خون صاف کیا۔ پھر دوبارہ سر اٹھا کر سکندر کو دیکھا۔

"مجھے مار دیں بابا! ورنہ میں آپ کے لیے بہت بڑا۔ حطرہ بنوں گا۔"

سکندر نے بے اختیار قہقہ لگایا۔ "ماروں گا۔اس بار نہیں چھوڑوں گا تمھیں۔غداری کی سزا ملے گی مگر مجھ سے بغاوت کی سزا کے بعد۔" یہ کہہ کر اس نے سپاہیوں کی جانب دیکھا اور صرف سر ہلایا۔

ایک سپاہی فوراً آگے بڑھا اور عالیار کی ٹانگ پر زور سے ٹھوکر ماری۔ پھر ایک ٹھوکر اس کے پیٹ میں۔ عالیار اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا۔اس کے بعد بوٹوں کی ٹھوکریں یکے بعد دیگرے اس کی پسلیوں اور پیٹ پر لگنے لگیں، لیکن وہ بدستور اپنی جگہ پر جما رہا۔ یہاں تک کہ اس کی خاموشی آہیں سرد آہوں میں بدل گئیں۔اتنی سی تکلیف اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔

••••••☆☆☆••••••

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔سامنے کا ہال بلکل خالی تھا۔وہاں تو سپریم، اس کے گارڈز اور عالیار کو ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔دھول مٹی سے بھرا ہال۔ فرنیچر ٹوٹا پھوٹا۔ایسا لگتا تھا برسوں سے یہاں کوئی نہیں آیا۔

"عالیار!" وہ ایک دم گھٹنوں کے بل گر گئی۔ گالوں پر آنسو بہنے لگے۔داس بے ساختہ اس کے ساتھ بیٹھا۔اس کے کندھوں کو تھاما۔

"داس! میں نے اس سے وعدہ کیا تھا میں اسے بچا لوں گی۔ داس! میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس سے ڈھونڈ لوں گی۔" وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔ داس بھی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"امید مت چھوڑو! ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔"

"کہاں؟ کہاں ڈھونڈیں گے ہم اسے؟ وہ یہاں نہیں ہے۔ وہ مشکل میں ہے۔ میں محسوس کر سکتی ہوں۔ وہ تکلیف میں ہے، داس!" محبت کرنے والوں کو سینس تحفے میں ملتی ہے۔ اور یہی سینس اسے بتا رہی تھی کہ اسے ،اس کی ضرورت ہے

۔

"سپریم اسے مار ڈالے گا، داس۔ ہم اسے کہاں ڈھونڈیں؟ داس کچھ کرو۔ مجھے وہ واپس چاہیئے۔ اگر میں اس کو بچا نہ سکی تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گی۔" وہ رو رہی تھی۔

"اٹھو عنہ! یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہمارے پاس موقع ہے۔ وہ کہیں آس پاس ہے۔ سگنل یہیں سے ملا تھا۔ اور اگر یہ جال ہوتا تو کوئی ہمیں مارنے یہاں ضرور آتا۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ وہ آس پاس ہے۔" داس کھڑا ہوا۔ عالیانہ نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیئے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ عالیانہ نے جانے سے پہلے ہال میں ایک سرسری نگاہ دورائی۔ سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، سوائے ایک بڑی پینٹنگ کے۔ کچھ زیادہ ہی بڑی۔ اس طرح کی کاٹیج میں ایسی پینٹنگ اس کی آنکھوں

میں کھٹکی تھی۔ مگر داس نے اس کا بازو پکڑا، اور دونوں دوبارہ باہر جانے کے لیے راہداری کی جانب مڑے تب ہی اس کے پاؤں سے کچھ ٹکرایا، وہ پنجے کے بل بیٹھی، جو چیز اس کے پاؤں سے تکرائی تھی، وہ عالیار کا بیپر تھا۔

••••••☆☆☆••••••

پینٹنگ کے دوسرے پار۔

وہ اب بھی سپریم کے سامنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔

"ایک بار اپنے منہ سے اپنی غلطی کا اقرار کرو۔ معافی مانگو۔ ہو سکتا تمہارا باپ ہونے کے ناطے تمہاری موت آسان کر دوں۔" وہ اٹھا۔ عالیار کے عین سا منے کھڑا ہوا۔ عالیار نے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں مر کر بھی اعتراف نہیں کروں گا۔ آپ کو جو کرنا، آپ اپنے فیصلے میں آزاد ہیں۔ پر میں معافی نہیں مانگوں گا۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔ سکندر اس بار مسکرایا نہیں۔ وہ سنجیدہ تھا۔ اس نے جھک کر عالیار کے بال پکڑ کر اس کا سر پیچھے کی جانب کھینچا، تا کہ اس کا چہرہ مزید اوپر کر سکے۔

"جس ماں کے تم بیٹے ہو، تم سے اس بات کی ہی توقع کی جا سکتی ہے۔

"میری ماں کو بیچ میں مت لائیں۔" اس نے بے خوف انداز میں کہا۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑ دیئے۔

"وہ وہی منحوس عورت ہے جس نے مجھے تم جیسی گھٹیا اولاد دی۔ اس نے مجھے ایسا بیٹا دیا جس نے باپ سے بغاوت کر دی۔ اس نے مجھے ایسی بیٹی دی، جس نے تمہیں کمزور کر دیا۔"

"مجھے تو کبھی کبھی لگتا تم میرا خون کی نہیں ہو۔ اتنا گندہ خون میرا تو نہیں ہو سکتا۔"

"کاش! کاش میں آپ کا خون نہ ہوتا۔ میرے بس میں ہو تو اپنے جسم سے یہ سارا گندہ خون نکال دوں، اس خون کی ایک بوند بھی اپنے اندر برداشت نہیں ہوتی مجھ سے۔ کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے ؟ مار کیوں نہیں سکتے مجھے ؟" عالیار کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ ساتھ تکلیف بھی تھی۔ کرب بھی تھا۔

"مجھے شرم آتی ہے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔ مجھے گھن آتی ہے جب تم مجھے بابا کہتے ہو، کاش تم میرے بیٹے نہ ہوتے۔" ایک سایہ سا گزرا تھا عالیار کے چہرے سے۔ اس کے دل میں کچھ چبھا تھا۔ کچھ کبھی نہ جڑنے کے لیے ٹوٹا تھا۔ کچھ پل تو وہ کچھ نہ بول پایا۔

"مجھے بھی شرم آتی ہے کہ میں آپ جیسے انسان کا بیٹا ہوں۔ مجھے بھی گھن آتی ہے خود سے یہ سوچتے ہوئے کہ میں ایک انسان کا نہیں ایک وحشی کا بیٹا ہوں، جو اپنی ہی چودہ سالہ بیٹی کو کھا گیا۔ مجھے اپنے آپ سے اتنی گن آتی ہے، اس کا آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں آپ جیسے خود غرض، اور خود پسند انسان کا بیٹا ہوں۔" سکندر نے اس کی ٹھوڑی کو اتنی زور سے پکڑا کہ اس کے ناخن اس کی ٹھوڑی میں دھنس گئے۔

"میں نے تمہیں اس عہدے تک پہنچایا، میں تمہیں کچھ بڑا بنانا چاہتا تھا، لیکن تم اپنی ماں کی طرح گندگی کے ڈھیر پر بیٹھے۔ میں تمہارے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"کاش میں آپ کا بیٹا نہ ہوتا۔" اس کی آنکھوں کی رگیں مزید سرخ ہو گئی تھیں۔ سکندر کی باتوں کا زہر اسے اندر ہی اندر سے کھا رہا تھا۔

"کاش! آپ نے للی کو نہ مارا ہوتا۔" سکندر نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا اور دونوں بازو پیچھے باندھے اسے دیکھتے رہے۔ سنجیدگی سے۔

"میں جانتا ہوں، میں مرنے والا ہوں۔ اسی لیے ایک سوال میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک ایسا سوال جس کا جواب میں بچپن سے جاننا چاہتا تھا۔" ایک لمحے کا توقف۔

"آپ کو مجھ پر ترس نہیں آتا بابا؟" اس نے تکلیف سے بھرپور نظریں سکند کی نظروں میں گھاڑ کر پوچھا۔

"زندگی میں ایک بار بھی آپ کو مجھ پر ترس نہیں آیا؟"

"میرا چھوڑیں، للی کو مرواتے ہوئے بھی آپ کو ترس نہیں آیا۔ آپ کے ہاتھ نہیں کانپے؟"

"میں برا ہوں، میں مانتا ہوں۔ میں آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اترا۔ میں نے آپ کو مایوس کیا۔ میں نے غلطیاں کیں۔ پر للی، وہ تو معصوم تھی۔ وہ تو آپ سے پیار کرتی تھی۔ اس نے تو کبھی آپ کو مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ تو آپ کی بیٹی تھی۔ پھر کیوں؟ کیسے

کوئی باپ اپنی ہی چودہ سالہ بیٹی کو، صرف اپنے بیٹے کو سزا دینے کے لیے قتل کروا سکتا ؟" پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنسو ابھرے تھے۔

"آپ کو کوئی پچھتاوا نہیں؟" اس کی لمبی مڑی ہوئی پلکیں بھیگ چکی تھیں۔

"نہیں!" انہوں نے بے پرواہی سے ایک ہی لفظ میں اس کے تمام سوالوں کے جواب دے ڈالے۔ پھر وہ واپس صوفے پر جا کر بیٹھ گئے اور داہنا ہاتھ اٹھا کر سپاہیوں کو اشارہ کیا۔

سپریم گارڈز چھ ہوتے ہیں۔ یہاں چار سپاہی تھے۔ باقی دو پہرے پر تھے۔ اشارے پر دو سپاہیوں نے اسے اس کے پاؤں پر کھڑا کیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ دو سپاہی آگے بڑھے اور ایک بھاری چیز اس کے سر میں دے ماری۔ ایک دو تین ضربیں۔ ایک نے بوٹ سے اس کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔ بے اختیار کراہتے ہوئے وہ بس لڑکھڑایا، گرا نہیں۔ وہ دوبارہ سیدھا کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس کی پسلی میں کچھ اتنا سخت سے لگا کہ اسے لگا اس کی جان نکل گئی ہے۔ تکلیف ہی تکلیف تھی۔ درد ہی درد تھا۔ اذیت ہی اذیت تھی ۔اس نے سپاہی کے ہاتھ میں لپٹی زنجیر کو دیکھا، جو مٹھی کے گرد سختی سے بندھی ہوئی تھی۔ وہ ابھی سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ ایک اور ضرب دوسری جانب سے پوری قوت سے لگی۔ اس کے پاؤں لڑکھڑائے، اور وہ تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔ عالیانہ اس کے لیے رو رہی تھی۔" اس نے فورا آنکھیں کھولیں، اگر وہ نہ کھولتا تو ، وہ منظر دیکھ کر مر جاتا۔

تب ہی کسی نے اس کے گھٹنوں کے پیچھے پوری قوت سے ماری تھی۔اس کے گھٹنے بے اختیار زمین سے ٹکرائے۔

پیچھے سے ایک زور کی ضرب اس کی کمر پر لگی۔وہ جو گھٹنوں کے بل تھا، تکلیف سے مزید آگے کو جھک گیا۔ہاتھ بے اختیار زمین پر جا لگے۔تکلیف سے چور چہرہ اٹھا کر اس نے سکندر کو دیکھا۔ان کا چہرہ بے تاثر تھا۔ایک انجانی سی تکلیف نظر آئی تھی عالیار کی آنکھوں میں۔ تبھی ایک زوردار ضرب اس کے گال پر لگی، ساتھ ہی ایک وار اس کے کندھے پر ہوا، ٹھیک وہاں جہاں عالیانہ نے گولی ماری تھی۔"آہ!"وہ کراہ داہنی جانب ڈھے سا گیا۔آہیں بے اختیار اس کے ہونٹوں سے نکل رہی تھیں۔چند پل کے لیے وہ کروٹ لیے لیٹا رہا۔پھر تکلیف سے گہری سانسیں لیتے ہوئے وہ زمین پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا، کمر کے بل۔چہرہ چھت کی جانب تھا۔ڈھندلی ہوتی بصارت سے اس نے سکندر کو اپنے سر پر کھڑے پایا۔

تکلیف سے اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔پورے جسم میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔اور دیکھتے ہی دیکھتے سکندر نے بوٹ سے اُس کے کندھے پر ٹھوکر ماری، اتنی شدت سے کی اس کو جان لبوں پر آتی محسوس ہوئی۔وہ تکلیف سے دہرا ہو کر صدمے اور کرب سے آنکھیں پھیلائے سکندر کو دیکھنے لگا۔

ایک اور ٹھوکر بالکل وہاں جہاں ملیک نے اسے گولی ماری تھی۔ ٹھوکر اتنی شدت سے لگی کہ وہاں سے اُس کی شرٹ تک پھٹ گئی۔ پھٹی قمیض سے جھلکتے اُس کے سینے سے خون رسنے لگا۔ درد۔۔۔۔اذیت۔۔۔۔تکلیف۔۔۔۔اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ وائٹ ہاؤس کے لاؤنج میں گھٹنوں کے بل بیٹھے ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔"

"اس نے للی کو زمین میں چار فٹ نیچے پایا۔ وہ نیلی پڑ چکی تھی۔"

وہ زمین پر دہرا ہوا لیٹا تھا۔ دماغ میں درد کی ٹیسیں اتنی شدت سے اٹھ رہیں تھیں کہ اسے لگ رہا تھا اگلی ہی لمحے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

"وہ للی کا سر گود میں رکھے رو رہا تھا۔"

"وہ اپنے ہاتھوں سے قبر کھود رہا تھا۔ اس کے ناخن گرد آلود اور زخمی ہو چکے تھے۔"

"وہ للی کو دفن کر رہا تھا۔ وہ اُس کے ننھے وجود پر مٹی ڈال رہا تھا۔"

"وہ اس کی قبر کے سامنے ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھ رہا تھا۔"

"وہ للی کی قبر پر ماتھا ٹیکنے رو رہا تھا۔"

سکندر مسلسل اسے ضربیں مار رہے تھے۔ وہ مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ وہ بس پڑا رہا۔ مار کھاتا رہا ایسے جیسے وہ خود بھی یہی چاہتا ہو۔ جیسے وہ خود کو سزا دے رہا ہو۔ درد کی شدت سے وہ بے اختیار کھانسا۔ بہت سے تھوک کے ساتھ اس کے منہ سے خون بھی نکلا تھا۔ وہ بھاری اور تیز سانس لے رہا تھا۔

("وعدہ کرو تم اپنے لیے لڑو گے؟") ایک دم ساری آوازیں تھم گئی۔ ہر شے خاموش ہو گئی۔ اس کے ذہین میں واحد خاموشی عالیانہ سے متعلق تھی۔

ایک اور ٹھوکر...

("میں تمہارے بغیر جی نہیں پاؤں گی۔")

ایک ٹھوکر سیدھا اس کے پیٹ میں ماری گئی۔ تکلیف سے سفید پڑتے چہرے سے اُس نے بے اختیار دائیں جانب کروٹ بدلی۔ سکندر بائیں جانب آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے بیٹے کے منہ پر بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ بوٹ جہاں لگا تھا وہاں سے بے اختیار خون رسنے لگا۔ اُس نے نیم بند پڑتی آنکھوں سے سکندر کو دیکھنے کی کوشش کی۔ تبھی ایک اور بوٹ اُس کے چہرے پر پڑا۔ اس بار پہلے سے زیادہ شدت سے۔ اس کی ناک سے خون کا فوارہ پھوٹا۔

("وعدہ کرو تم اپنے لیے لڑو گے...")

ان کا سیاہ چمکتا جوتا ایک بار پھر شدت سے اس کے منہ پر مارا گیا، بالکل ناک کے قریب جہاں پہلے سے خون رس رہا تھا۔ درد اُس کے دل کو کاٹ رہا تھا۔ سکندر نے ایک آخری نظر اس پر ڈالی اور ٹانگ پر ٹانگ جمائے پیچھے کو ٹیک لگائے واپس صوفے پر بیٹھ گئے۔ اگر وہ اس شدید تکلیف کے باعث بول سکتا، تو وہ ضرور پوچھتا، 'کوئی باپ اپنے موت کے منہ پر بیٹھے بیٹے کے منہ پر جوتا کیسے مار سکتا ہے۔ تین ٹھوکریں جو سکندر نے اُس کے چہرے پر ماریں، اس کی تکلیف باقی سب تکلیفوں سے زیادہ تکلیف دے رہی تھیں۔

"مجھ سے بغاوت کی سزا ختم ہوئی۔" سکندر نے قہر برساتی سنجیدگی سے کہا۔ غداری کی سزا باقی تھی اور غداری کی ایک ہی سزا ہے۔ وہ سب جانتے ہیں۔ موت!

وہ زمین پر گرا لاشعوری طور پر عالیانہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اسے بچائے گی، بلکہ اس لیے کہ وہ مرنے سے پہلے ایک آخری بار اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے اُسے جیتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ کمر کے بل گرا کھانس رہا تھا۔ اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

سکندر نے دوبارہ اشارہ کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سپاہیوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کیا۔ دو سپاہیوں نے ایک ایک طرف سے اس کے بازو پکڑ لیے۔ سامنے کھڑے سپاہیوں کے ہاتھ میں ہنٹر تھے۔ تیز جلد کو چیر دینے والے ہنٹر۔ ایک سپاہی اس کی پیٹھ پر ہنٹر چلاتا اور دوسرا اس کے سینے پر۔ تکلیف سے، درد سے، اذیت سے اس کا چہرہ آگے کو ڈھے گیا تھا۔۔ صحیح کہتی تھی عالیانہ، سمندر جتنا ضبط تھا اس انسان میں۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنی تکلیف کے باعث کب کا مر چکا ہوتا۔ لیکن وہ عالیار تھا۔

سپاہی اس کے سینے اور کمر پر زور زور سے ہنٹر چلا رہے تھے۔ ہر بار تکلیف سے آنکھیں بند کرنے پر اسے عالیانہ یاد آتی جس سے اسے مزید تکلیف ہوتی۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ آنکھیں بند نہ کرے۔ وہ کوشش کرتا رہا کہ تکلیف اس کی یاد پر غالب آجائے۔ مگر اسے ماننا پڑا، عالیانہ کی یادوں پر صرف موت ہی غالب آسکتی تھی۔

ایک اور کوڑا۔۔۔۔

("تم میرے لیے بہت اہم ہو.... "وہ اسے بتا رہا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔)

ایک اور ضرب۔ ہر ضرب کے ساتھ دماغ کی رگیں تک ہل جاتی تھیں۔

("وہ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے تھی۔ وہ اس کے بال چوم رہا تھا۔")

ایک ساتھ تین ضربیں۔ اس کے قدم لڑکھڑائے مگر سپاہیوں نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"کیوں بار بار اپنے مرنے کی بات کرتے ہو۔ تم جانتے ہو مجھے ایسی باتوں سے تکلیف (ہوتی ہے۔")

("میری بیوی بہت بہادر ہے۔" وہ جھک کر اس کی ٹھوڑی چوم رہا تھا۔)

ہر ضرب پر جسم سے نکلنے والے خون کے قطرے کے ساتھ اسے وہ پل یاد آنے لگے جو اس نے عالیانہ کے ساتھ گزارے تھے۔

اس کا پورا جسم زخموں سے چور تھا۔ ضربیں رک نہیں رہیں تھیں، وہ ہمت نہیں ہار رہا تھا۔ وہ ہر ضرب کو صبر سے سہہ رہا تھا۔

("وہ دونوں کمپاؤنڈ کے باہر کھڑے تھے۔ یہاں ہم اپنا گھر بنائیں گے۔ مل کے اسے سجائیں گے۔") اس کے سینے اور کمر پر خون کی دھاریں تھیں۔ شرٹ پھٹ چکی تھی۔

("وہ آنے سے پہلے اسے بازو سے پکڑ کر روکنے والے عالیانہ کے ہاتھ چوم رہا تھا۔")

"عالیانہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔ وہ اس کی ہتھیلی پر چہرہ دبائے، (آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔")

("وہ اس کی گود میں سر رکھے رو رہا تھا۔")

("پرانی کہانیوں میں چڑیل کی جان دیو میں ہوتی تھی میری جان تم میں ہے۔")

("وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھی۔ وہ اس کے دونوں ہاتھوں میں چہرہ جھکائے ہوئے تھا۔ 'میری طرف دیکھو۔ تم اکیلے نہیں ہو۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔ ہمیشہ رہوں گی۔")

سپاہی اب بھی اس پر کوڑے برسا رہے تھے۔

("وعدہ کرو تم پیچھے نہیں ہٹو گی۔ پہلے تم وعدہ کرو تم اپنی جان کو میری جان سمجھ کر اس کی حفاظت کرو گے..."

"وعدہ! اس نے خود کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔")

اس کا چہرا برف جیسا سفید پڑ گیا تھا۔ آخری بات جو اس کے ذہن میں گونجی۔

("میں تمہیں بچالوں گی۔ وعدہ۔") اس کے بعد اسکا ذہین ماؤف ہو گیا۔ اب وہ کسی بھی سوچ کو سوچ نہیں سکتا تھا۔

گولی چلنے کی آواز۔ ایک نہیں ایک ساتھ دو گولیاں چلنے کی آوازیں۔ پیچھے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہاتھ ایک دم ڈھیلے پڑے اور اگلے ہی لمحے دونوں سپاہی منہ کے بل زمین پر

جا گرے۔ سکندر بے اختیار کھڑے ہوئے۔ زخموں سے چور عالیار لڑکھڑایا۔ وہ پلٹ نہیں سکا۔ لیکن وہ جانتا تھا کون ہے۔ چوکھٹ سے دو لوگ اندر آتے دکھائی دیے۔ اس سے پہلے کہ ہاتھ میں ہنٹر پکڑے سپاہی کچھ کرتے، عالیانہ اور داس نے ایک ساتھ نشانہ بنائے ان کے ماتھوں پر گولی چلائی۔ دو شعلے کی لپیٹوں میں لپٹی گولیاں ان دونوں کے ماتھوں پر لگیں۔

سکندر اپنی جگہ جم گیا۔ "عالیار!" عالیانہ نے پکارا اور وہ جو اتنا صبر کیے کھڑا تھا، اس کا سارا صبر جواب دے گیا۔ ٹانگیں جواب دے گئیں۔ وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل زمین پر گرا۔ اس نے کنکھیوں سے عالیانہ کو دیکھا جو سکندر پر بندوق تانے، گلابی پڑتی آنکھوں سے عالیار کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی تکلیف کے باوجود ایک سکون کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑی تھی۔ اس نے عالیانہ کو دیکھ لیا، اب وہ آسانی سے مر سکتا تھا۔ اس کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں۔ منظر دھندلے پڑ رہے تھے۔ پھر اس کا وجود کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دائیں جانب گر گیا۔ اس کا چہرہ سیدھا زمین پر جا لگا۔

"میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔" اس نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔

عالیانہ کی آنکھوں کی تکلیف دیکھتے ہی دیکھتے قہر اور غصے سے بھر گئی تھی۔ اس نے ایک بھی سیکنڈ کا انتظار کیے بغیر سکندر کی پیشانی کے عین درمیان نشانہ باندھا اور پلک جھپکنے کی سی تیزی سے ٹریگر دبایا۔ شعلے سے لپٹی گولی سکندر کا ماس چیرتے ہوئے اس کے ماتھے پر لگی۔ یہ عالیار کے لیے۔ "تم نے پہلی ملاقات پر مجھے سکندر کی کہانی سنائی تھی، اس کا

اختتام سنانے کا نہ تمہیں موقع ملا نہ مجھے مہلت۔ چونکہ تم اس کہانی کا اختتام بھول چکے تھے، آج اس کہانی کا اختتام میں سناتی ہوں۔ تم بھول گئے تھے سکندر کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ مر گیا تھا۔ خالی ہاتھ۔ بلکل تمہاری طرح۔"

ایک اور فائر۔ پیٹ پر۔ یہ ارسل کے لیے۔ ایک اور گولی۔ ٹانگ پر۔ میرے اور میرے دوستوں کے لیے۔ ایک نفرت انگیز نظر سکندر پر ڈال کر، اس کے ہاتھوں میں پکڑی بندوق بے اختیار زمین پر گری۔ اس نے عالیار کو دیکھا، وہ زمین پر گرا تھا، تکلیف سے زبردستی آنکھیں کھولے۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا، وہ سکندر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی دائیں آنکھ سے آنسو بہہ کر زمین پر بالوں میں جذب ہو گیا۔ وہ جو مرا تھا، اس کا باپ تھا۔ سکندر کا بے جان وجود لڑھک کر زمین سے جا لگا۔ بلکل اس کے سامنے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ زندہ تھا۔ اس کا باپ۔

"میں نے آپ کو اپنے سب حق معاف کیے سوائے للی کے۔" سکندر کے بے جان وجود کو دیکھتے ہوئے اس نے دل میں دعا کی۔

پھر اس نے زخمی نگاہوں سے عالیانہ کو دیکھا۔ ہر چیز سلو موشن میں ہوتی دکھائی دینے لگی۔ عالیانہ بھاگتی ہوئی اس کے سامنے زمین پر آ کر بیٹھی۔ اس کا خون سے لت پت چہرا اپنی گود میں رکھا۔ عالیانہ دھندلی پڑ رہی تھی۔ وہ بار بار پلکیں جھپکتا، کیونکہ اگر یہ آخری لمحات تھے تو وہ جی بھر کر اسے دیکھنا چاہتا تھا، لیکن اسے اپنی آنکھیں پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی محسوس ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ تکلیف کے

باعث اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔وہ اس سے کچھ کہہ رہی تھی مگر وہ سن نہیں پا رہا تھا۔عالیانہ کے گرم آنسو اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔داس اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔اداس۔خاموش۔دم شکستہ۔وہ جو کہتا تھا مسکراہٹ انسان کو خوبصورت بناتی ہے،آج وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں،پھر بھی وہ بار بار بند ہوتی آنکھیں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ہوتے ہیں کچھ لوگ جن کو دیکھ کر دل چاہتا ہے جیا جائے۔زندگی میں پہلی بار اسے زندگی نے زندگی سے نوازا تھا۔زندگی میں پہلی بار اسے جینے کی خواہش ہوئی تھی۔زندگی میں پہلی بار وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔زندگی میں پہلی بار سارے خساروں کے بدلے ملے تھے۔زندگی میں پہلی بار خوشیاں ملی تھیں۔

"عالیار! تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔" وہ سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔وہ اپنی گود میں رکھا اس کا زخموں سے چور ماتھا چوم رہی تھی۔داس بالکل خاموش تھا۔تسلی کے دو بول آج اس کے پاس بھی نہیں تھے۔

"عالیانہ...." ٹوٹی ہوئی آواز پر عالیانہ نے اپنا جھکا چہرا اٹھایا۔عالیار کے سر سے بہنے والا خون اس کے چہرے پر پھیل چکا تھا،اور منہ سے نکلنے والا خون اس کی ٹھوڑی سے ہوتا ہوا گردن تک پہنچ رہا تھا۔

"م....مج...مجھ... مجھے...مجھے معاف کر دو..." اس کا دل ٹوٹ گیا۔وہ اس سے معافی مانگ رہا تھا" اس نے ٹوٹی سانسوں کے بیچ کہا۔عالیانہ نے دونوں ہاتھوں سے اس کا

چہرا تھاما۔ عالیار نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، سانس اندر کھینچا، لیکن یہ سانس لینا بھی اس کے لیے اذیت ناک تھا۔ خون سے لتھڑے ہوئے لرزتے ہاتھ سے اس نے اپنے چہرے پر رکھے عالیانہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"میں تم سے محبت کرنے میں بہت دیر کر گیا۔"

"نہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیر نہیں کی۔"

"مجھے معاف کر دو۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ وہ اپنی پھٹی ہوئی آنکھوں سے، جو درد اور خون سے بھری ہوئی تھیں، اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں وعدہ نہیں نبھا پایا۔ میں وعدے نبھانے میں اچھا نہیں ہوں۔" اس نے اپنے ہاتھ کو عالیانہ کے ہاتھ پر مزید زور سے دبایا۔

"مجھ سے نفرت مت کرنا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کی ٹھوڑی تک آ رہے تھے۔ عالیار اسے الوداع کہہ رہا تھا۔

"ایسی باتیں مت کرو۔" اس نے روتے ہوئے اس کا ہاتھ اٹھا کر چوما۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا، ایسی باتیں مت کرو۔" اس نے کہا، لیکن اس کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کی گود میں پڑا عالیار کا سر اپنی جگہ سے داہنی جانب سرک گیا۔ اگر یہ اس کی موت تھی تو وہ مطمئن تھا کیونکہ وہ عالیانہ کی گود میں سر رکھے دم توڑ رہا تھا۔ اس سے اچھی موت بھی ہو سکتی ہے بھلا۔ جسم میں اٹھنے والی ٹیسیں اس کے

دل ودماغ، اس کی پسلیوں، جسم کے ہر عضو کو کاٹ رہی تھیں۔ اور پھر تکلیفیں ایک دم سمٹ گئیں۔ دھندلے منظر ایک دم سیاہ ہو گئے۔ آخری خیال جو اس کے ذہین میں ابھرا تھا، وہ ارسل کا تھا۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ہر جانب اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔

"عالیار!" اس نے چیخ کر اس پر جھکتے ہوئے اس کا نام پکارا۔

"کچھ کرو داس!" وہ بے بسی سے چیخ رہی تھی۔

"مدد کرو داس، مءں اسے کھو رہی ہوں!" اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے بچا لے گی مگر وہ نہیں بچا پائی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ زندگی رہے گا مگر وہ نہیں رہ پایا۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے اور داس نے عالیار کے بھاری وجود کو اٹھا کر گاڑی میں لٹایا۔ سپریم کی لاش بھی گاڑی میں ڈالی۔ اس کی لاش جنگ جیتنے کا ثبوت تھا۔ بیس میں آتے ہی میڈیکل اسٹاف فوراً عالیار کو میڈیکل وِنگ لے گیا اور اس کا علاج شروع ہو گیا۔ اس نے داس کو اس کے پاس ٹھہرنے کا کہا۔ اسے بہت اہم قدم اٹھانا تھا۔ وہ لفٹ میں سوار ہو کر اوپر تک آئی، جہاں اسمبلی کا مقام تھا۔ ایک دروازہ کھولا، پھر دوسرا، یہاں تک کہ وہ صحن میں پہنچ گئی۔ وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی رہی، یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچی جہاں سب کچھ شروع ہوا تھا۔ وہاں جہاں اس نے عالیار کے ساتھ کھڑے ہو کر اعلان جنگ کیا تھا۔

یہاں ایک تکنیکی اسٹینڈ تھا، جو پورے سیکٹر میں چلنے والے اسپیکر سسٹم کا مرکز تھا۔ اس کے ذہن میں سب کچھ دوبارہ ابھرنے لگا، اس کے ہاتھ اب بھی کانپ رہے تھے اور اس کے کپڑوں پر عالیار کا خون لگا تھا۔

یہی اس کا منصوبہ تھا۔

اسے یہ پورا کرنا تھا۔

اس نے کی پیڈ میں پاس کوڈ ڈالا۔ ایک کلک کی آواز سے باکس کھلا۔ اس نے مختلف فیوز اور بٹن دیکھے اور پھر وہ سوئچ دبایا جس پر "آل اسپیکرز" لکھا ہوا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے انٹرکام کا بٹن دبایا۔

"توجہ دیں۔ سیکٹر فائیو!" اس کی آواز پورے علاقے میں گونجی۔ "درستور کا سپریم کمانڈر مر چکا ہے۔ دارالحکومت نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ جنگ ختم ہو چکی ہے۔" اس کا جسم اب اتنی شدت سے کانپ رہا تھا کہ بٹن پر اس کی انگلی پھسلنے لگی تھی۔ "میرا نام عالیانہ سلیم ہے۔ میں دوبارہ دہراتی ہوں کہ درستور کا سپریم کمانڈر مر چکا ہے۔ دارالحکومت نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ جنگ ختم ہو چکی ہے۔"

وہ نیچے آئی۔ اسے عالیار کے پاس جانا تھا لیکن اس سے پہلے اسے کہیں اور جانا تھا۔ اسے اپنے گروپ کو دیکھنا تھا۔ عالیار کے پاس داس تھا۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں جیسے وہ ابھی کر ٹوٹ جائیں گی، مگر وہ خود کو زبردستی آگے بڑھنے پر مجبور کرتی رہی۔ چلتی رہی۔اپنے آپ کو اس دروازے سے باہر نکلنے، لفٹ سے نیچے اترنے اور میدان جنگ میں قدم رکھنے کے لیے تیار کرتی رہی۔

اسے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

زمین پر خون میں لت پت لاشوں کے ڈھیر بکھرے پڑے تھے، لیکن اس کے باوجود سینکڑوں لوگ اب بھی زندہ تھے۔جتنے زندہ تھے،ان سے کہیں زیادہ کی اُسے امید تھی۔ خبر اس کی توقع سے زیادہ تیزی سے پھیل چکی تھی۔یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کو پہلے ہی پتہ چل چکا ہے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ سکندر کے سپاہی اب اس کے ساتھ کھڑے تھے۔اس کی آمد اور سکندر کے مرنے کی خبر ہر جگہ پھیل چکی تھی۔ہر کوئی حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔کوئی دعاؤں میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا، کوئی آسمان کی طرف نظریں جمائے ہوئے تھا۔کچھ اپنے پیاروں کو لاشوں کے بیچ تلاش کر رہے تھے۔لوگوں کے چہروں پر راحت اور خوف دونوں عیاں تھے۔ان کے تھکے ماندہ جسم اب مزید چلنے کے قابل نہیں تھے۔

بیرکوں کے دروازے کھل چکے تھے،اور بچے کچے شہری یہاں پر جمع ہو گئے تھے،اپنے پیاروں سے دوبارہ ملنے کے لیے دوڑتے ہوئے۔ایک لمحے کے لیے منظر اتنا دلخراش اور خوبصورت تھا کہ اُسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ درد میں چیخے یا خوشی میں روئے۔

اسے اپنے دوستوں کو دیکھنے کی ضرورت تھی۔ اُسے یقین کرنا تھا کہ وہ سب خیریت سے ہیں لیکن اُسے بصری تصدیق چاہیے تھی کہ وہ زندہ ہیں۔

جیسے ہی اس نے ہجوم میں قدم رکھا، سیکٹر فائیو کے سپاہی قابو سے باہر ہو گئے۔

خون میں لت پت اور شکست خوردہ سپاہی چیخ و پکار کر رہے تھے، جنگ کی بربادی کے باوجود وہ اس کے ارد گرد کھڑے ہو کر اُسے سلامی دے رہے تھے۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا، تو اُسے احساس ہوا کہ یہ سپاہی اب اس کے ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اس پر بھروسہ کیا، اس کے ساتھ مل کر لڑے اور جیت گئے۔ یہی وہ بات تھی جو عالیار پہلی ملاقات سے اسے بتاتا تھا۔ عالیار کے جملے اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ تم بہت کچھ کر سکتی ہو۔ میں تمہیں دنیا فتح کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں۔ تم غیر معمولی ہو۔ تم عظیم بنو گی۔ آج اس کے سب الفاظ سچ ثابت ہوئے تھے۔ یہاں تک وہ اس کی بدولت آئی تھی۔ وہ اس پورے سفر میں اس کے ساتھ رہا تھا، آج جب وہ منزل پر پہنچی تو وہ ساتھ نہیں تھا۔ کاش وہ اس کے ساتھ ہوتا۔ کاش وہ ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ ہوتا۔ اس کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑا ہوتا۔ اگر اس وقت وہ یہاں موجود ہوتا تو سب سے زیادہ خوش وہی ہوتا۔ وہ اس کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی، انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھوں میں نظر بند کرنا چاہتی تھی۔ زندگی میں ایک شخص جو اسے اپنے سے آگے دیکھنا چاہتا تھا، عالیار تھا۔ بلاشبہ اس کے دوست بھی یہی چاہتے تھے، مگر ان سب میں اور عالیار میں فرق تھا۔ وہ سب یہاں تک عالیار کی مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ ہمیشہ سے اعلیٰ

عہدے پر فائز تھا،اس نے کبھی نہیں چاہا کہ وہ خود سپریم بنے۔ایک بار بھی نہیں۔حالانکہ اگر وہ ایسا چاہتا بھی تو وہ حق پر تھا۔اس نے ہمیشہ اپنے سے پہلے عالیانہ کو دیکھا۔عالیار حیدر، عالیانہ سلیم کو اپنے سے آگے دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ سپاہیوں کو دیکھ رہی تھی۔پہلے انہوں نے اس پر بھروسہ کیا،اب وہ ان پر بھروسہ کرے گی۔وہ اس کے لیے لڑے،اب وہ ان کے لیے لڑے گی۔

وہ عالیار کے لیے بہت بہت پریشان تھی مگر عجیب سے سکون کی لہر اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

وہ واقف چہروں کی تلاش میں تھی۔اسے امید تھی کہ وہ اُسے دیکھیں گے اور آگے آئیں گے۔سب کے سب زندہ ہوں گے۔ان شااللہ! وہ بار بار دل میں دعا کر رہی تھی۔

وہ وہاں کھڑی رہی۔سیکنڈز، دنوں مہینوں اور سالوں کی طرح گزر رہے تھے۔اسے صرف سپاہیوں اور ان کے خاندانوں کے چہرے نظر آرہے تھے۔اس کے دوست کہیں دکھائی نہیں دیئے۔اس کا دل دھڑکنے لگا۔پتہ نہیں وہ یہاں کیسے کھڑی تھی۔عالیار اندر تھا وہ نہیں جانتی تھی وہ کیسا ہے،اسے اس کے پاس واپس جانا تھا۔

وہ ہجوم میں جاکر اپنے دوستوں کو تلاش کرنے ہی والی تھی کہ اچانک امید کی کرن اس کے دل میں جاگ اٹھی۔

ایک ایک کرکے،لوگ میدان کے ہر کونے سے، بیرکوں کے اندر سے، کمپاؤنڈ کے پار سے نمودار ہونے لگے۔ان میں سے کئی خون میں لت پت اور زخمی تھے، لیکن پھر بھی وہ

آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سب سے پہلے ارسل، پھر کیسر، میلیسا، اشعل، دھان اور سیم۔

انہوں نے اسے دیکھ کر اسے مسکراہٹ دی۔ کیسر نے سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔ میلیسا نے اسے فلائنگ کس دی۔ سیم نے فنگر گن کا اشارہ کیا۔ اور دھان اور اشعل نے ہاتھ ہلایا۔ سب بے حد خوش نظر آرہے تھے۔

وہ سب کو دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، جو محض قوت ارادی کے سہارے قائم تھی۔ پھر سب اس کے سامنے آگئ اور گروپ کی شکل میں گلے ملے۔ سب خوش تھے۔ سب سے پہلے ارسل نے عالیار کی موجودگی محسوس کی۔

"حیدر؟ حیدر کہاں ہے؟" عالیانہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سب کے چہروں کی مسکراہٹ تھمی۔

"عالیانہ! مجھے بتاؤ حیدر کہاں ہے؟ کیا وہ ٹھیک ہے؟" ارسل نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔ اس کا رنگ اڑ چکا تھا۔

عالیانہ نے نظریں چرا لیں۔

"مجھے بتاؤ وہ ٹھیک ہے۔ زندہ ہے۔" ارسل نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔" ارسل کے ہاتھ ڈھیلے پڑے۔ چہرے پر خوف و پریشانی۔

"ہاں وہ زندہ ہے، پر وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ رو دینے کے قریب تھی۔

••••••☆☆☆••••••

اس نے خواب میں عالیار کو مرتا ہوا دیکھا تھا، کیا اس کے وہ خواب سچے تھے؟ وہ عالیار کے پاس آگئی۔ اُس کی نگاہیں اس کی بند آنکھوں پر جم گئی۔ وہ اُس کے سرہانے کھڑی تھی۔ اُس نے اُس کا دایاں ہاتھ تھام لیا۔

'عالیار! اٹھو! دیکھو ہم جیت گئے ہیں۔ عالیار! سونا نہیں۔ ایک دفعہ سو گئے تو دوبارہ اٹھ نہیں پاؤ گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حفاظت کرنا، پھر کیوں اس حالت میں پڑے ہو۔ ہمیں ایک ساتھ بہت کچھ دیکھنا ہے، ابھی تو ہم نے ایک ساتھ اچھا وقت گزارنا ہے۔ خوشیاں ہمارے اتنے قریب ہیں۔ عالیار! پلیز ایک آخری دفعہ میرے لیے اٹھ جاؤ۔ تم نے کہا تھا کہ ہم اپنا گھر بنائیں گے۔ عالیار! ہم اپنا گھر بنائیں گے، وہ گھر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔" وہ اُسے دیکھ کر دل میں کہہ رہی تھی۔

"میں نے وعدہ لیا تھا تم سے۔ ایک دفعہ اٹھ جاؤ۔ اس بار وعدہ نبھا دو۔ اس کے بعد میں تم سے کوئی وعدہ، کوئی عہد نہیں لوں گی۔ تمہیں تمہاری محبت کا واسطہ، عالیار پلیز اٹھ جاؤ۔"

اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ عالیار ماسک میں سانس لے رہا تھا، ای سی جی مشین میں دل کی دھڑکن کی لکیریں مچلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ان لکیروں کو دیکھ رہی تھی، یہ لکیریں بہت ظالم تھیں جو کسی کے اپنے کو نہیں لوٹاتی تھیں۔

'عالیار اٹھو! مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ بس ایک آخری بار میری بات مان لو۔ عالیار اٹھو۔"

اُس نے جھک کر اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ "داس یہ بول کیوں نہیں رہا۔"

"اِسے اٹھاؤ۔ خدا کے لیے ارسل اِسے اٹھاؤ۔ یہ تمہارا بھائی ہے۔ کوئی تو اِسے اٹھائے۔ میں نے اِس کے لیے دعائیں کی تھیں۔ میں نے اِس کی سلامتی کی دعائیں کی تھیں پھر بھی یہ کیوں نہیں اٹھ رہا۔"

وہ اُس کے شانے جھنجھوڑنے لگی۔ ارسل نے پیچھے سے اُسے پکڑا۔ "مت کرو، عالیانہ!"

"ارسل! یہ کیوں نہیں اٹھ رہا۔ اِسے کہو آنکھیں کھولے۔ مجھے اِس سے پوچھنا ہے اِس نے وعدہ کیوں نہیں نبھایا۔ اِس نے وعدہ کیا تھا... ارسل... پلیز! میرا دل پھٹ جائے گا..."

وہ زور سے رونے لگی۔ "مت کرو، عالیانہ! وہ واقعی مر جائے گا۔" ارسل نے سامنے پٹیوں سے چور، زرد پڑتے عالیار کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

"یہ مر نہیں سکتا۔ یہ کیسے مر سکتا ہے... میں زندہ ہوں تو یہ کیسے مر سکتا ہے... اللہ اتنا ظالم نہیں ہے، اللہ مجھ پر ایسا ظلم نہیں کر سکتا..."

"ارسل! اس نے آج تک میری کوئی بات نہیں ٹالی، آج یہ میری بات کیوں نہیں مان رہا... اسے بتاؤ... میں اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی... میں کچھ نہیں چاہتی... میں بس اسے زندہ چاہتی ہوں... اسے اپنے پاس چاہتی ہوں..." وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا پٹی والا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سالوں پہلے بھی وہ زندگی میں اکیلی تھی۔ آج پھر وہ اکیلی ہونے جا رہی تھی۔ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔ عالیار مر رہا تھا، اور وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اسے خود سے محبت کرنا سکھا کر کیسے مر سکتا تھا؟

ڈاکٹرز نے کہا تھا کہ جسم میں اندرونی چوٹیں زیادہ گہری ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ جتنی چوٹیں اسے آئی ہیں، اس کا اب تک زندہ رہنا کسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔ لیکن ڈاکٹرز کا 'اب تک' کا کیا مطلب تھا۔ "وہ زندہ رہے گا... اسے کچھ نہیں ہو گا... اس کا عالیار بہت بہادر ہے..." اس نے دل میں کہا... روتے روتے اس نے سر اٹھا کر عالیار کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح آج بھی خوبصورت تھا۔ پر سکون تھا۔ سفید تھا یا شاید زرد بھی۔ جگہ جگہ چوٹوں پر مرہم لگی تھی۔ ماتھے کے زخم پر مربعہ شکل کی پٹی لگی تھی۔ چہرے پر گردن پر جگہ جگہ زخم تھے۔

وہ دوبارہ اس کے سرہانے کھڑی ہو گئی۔ "تمہیں کچھ نہیں ہو گا عالیار۔ تمہیں میری آواز آ رہی ہے... مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ... میں مر جاؤں گی..."

اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ ویسے ہی لیٹا رہا۔ آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ داس اور ارسل اس کی بائیں جانب کھڑے تھے۔ وہ پر امید نہیں تھے... وہ پر یقین نہیں تھے۔

"عالیار!" ای سی جی مشین پر لکیریں ابھی سیدھی نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اس کے چہرے پر جھکی۔ نرمی سے اپنے ہاتھ پیالی کی صورت میں اس کے چہرے پر پھیلائے۔ "عالیار... آنکھیں کھولو... تمہیں میرا واسطہ... تمہیں تمہارے پیار کا واسطہ... پلیز اٹھ جاؤ... پلیز..." روتے روتے وہ گھٹنوں کے بل اس کے بستر کے قریب بیٹھ گئی۔

ڈاکٹرز، ارسل اور داس نے اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کی مگر وہ بضد تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہلی۔

"عالیار! آنکھیں کھولو... میرے لیے... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی... تم مجھے خود سے محبت کروا کے ایسے بیچ راستے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم بیچ راہ میں چھوڑ جانے والوں میں سے نہیں ہو، تم بزدل نہیں ہو۔"

اس بار شاید اس نے سن لیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے آنکھیں کھولیں۔ بس کچھ سیکنڈز کے لیے۔ وہ نیم غنودگی کی حالت میں تھا۔ اس کی نیم بند آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں۔

"اس نے دوبارہ آنکھیں کیوں بند کر لیں؟ کیا ہوا؟" وہ خوفزدہ نظروں سے اس کی بند آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارسل... ڈاکٹر... دیکھیں؟ اسے کیا ہوا؟ داس؟ تم نے دیکھا اس نے آنکھیں کھولی تھیں... میں سچ کہہ رہی ہوں... میں نے دیکھا... اس نے مجھے دیکھا تھا... میں جھوٹ نہیں بول رہی ارسل..."

"جانتا ہوں۔" ارسل نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر اسے کہو یہ آنکھیں کھولے..."

"عالیانہ! اب وہ ٹھیک ہے... وہ سو رہا ہے۔ داس نے کندھے سے تھام کر اسے عالیار سے پیچھے کیا۔

"وہ سو رہا ہے۔" اس نے دہرایا۔ "کیا یہ سو رہا؟ تم کہہ رہے ہو عالیار مر نہیں رہا، سو رہا ہے..." اس نے تصدیق کی۔

ارسل نے بس سر ہلایا۔

"عالیار زندہ رہے گا نا داس؟"

داس نے بس سر ہلایا۔ وہ ارسل کی جانب پلٹی۔

"عالیار زندہ رہے گا نا، ارسل؟"

"ہاں وہ بچ جائے گا۔ آؤ ہم باہر چلتے ہیں۔ تمہاری اس کے علاوہ اب اور بھی بہت ذمہ داریاں ہیں۔ سپریم کمانڈر عالیانہ سلیم!"

••••••☆☆☆••••••

رات ہو چکی تھی۔ عالیار ابھی بھی میڈیکل ونگ میں تھا۔ اسے ہوش نہیں آیا تھا، مگر اب وہ خطرے سے باہر تھا۔ کیسر، داس، اشل دھان، اور معاذ سب اسے دیکھنے آئے تھے، اور زندگی میں پہلی بار وہ سب حیدر کے لیے فکر مند تھے۔ اس وقت سب سو چکے تھے۔

عالیانہ میڈیکل ونگ کے صوفے پر بیٹھی تھی، یوں کہ گردن صوفے کی پشت پر ٹکی ہوئی تھی۔ سب نے اسے سونے کے لیے جانے کو کہا، مگر وہ بضد تھی کہ وہ یہی عالیار کے پاس رہے گی۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی، تب میڈیکل ونگ کا دروازہ کھلا اور ارسل دروازے سے اندر آتا دکھائی دیا۔

ایک نظر عالیار پر ڈال کر، اس کی نظر بے اختیار عالیانہ کی جانب پھسلی۔ وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے سو چکی تھی... شاید پر سکون نیند۔ کتنی محبت کرتی تھی وہ اس شخص سے، اور کتنی محبت کرتا تھا وہ اس لڑکی سے۔ جینے کی جو وجہ زندگی نے دی تھی، قسمت نے وہ بھی اس سے چھین لی تھی۔

اس کو عالیار کے ساتھ دیکھنا آج بھی ویسے ہی تکلیف دیتا تھا، جیسے پہلے دیتا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اب وہ اس درد کا عادی ہو چکا تھا۔ ذہن میں آئے خیالات کو جھٹک کر، اس نے نظریں عالیانہ سے ہٹائیں اور عالیار کی جانب قدم بڑھائے۔

وہ اس کے چہرے کے سامنے کھڑا تھا۔ اگر اس کے چہرے، گردن اور ہاتھوں پر زخم نہ ہوتے، تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ پر سکون نیند میں سویا ہوا ہے۔ آکسیجن کی نالیاں اس کے ناک سے ہوتی ہوئی گردن کے پیچھے تک جا رہی تھیں۔ ہاتھوں میں کینولا لگا تھا۔

اس نے نظر پھیر کر ڈرپ کی بوتل دیکھی، جو تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ شاید عالیانہ اس کی ڈرپ کے ختم ہونے کے انتظار میں سو گئی تھی۔ پھر اس نے سرنج کینولا سے جدا کی اور اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ حیدر کے لیے اتنا پریشان ہو گا کہ اسے نیند نہیں آئے گی۔ عالیار کی مدھم سانسوں کا شور خاموشی میں گونج رہا تھا۔ یہ سانسیں بہت قیمتی ہوتی ہیں، اگر کسی ایک کی بھی سانسیں تھم جائیں، تو یہ نہ جانے کتنے لوگوں کو جیتے جی مار دیتی ہیں۔

پھر اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر، عالیار کے پہلو میں رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا، مگر تھکا ہوا تھا۔ پریشان تھا۔

"I don't want you to die!"

اس نے آہستہ سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک آخری نگاہ اس پر اور عالیانہ پر ڈال کر، وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

••••••☆☆☆••••••

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ وہ میڈیکل وِنگ میں لیٹا تھا... دائیں طرف ای سی جی مانیٹر اسکرین پر دل کی دھڑکنوں اور بلڈ پریشر کی ریڈنگ دکھا رہا تھا۔ انفیوژن پمپ اس کے جسم کے ساتھ لگا تھا جس کے ذریعے اسے دوا دی جا رہی تھی۔ ہاتھ پہلو میں رکھے تھے۔ دائیں ہاتھ پر کینولا لگا تھا۔ بائیں بازو پر بلڈ پریشر مانیٹر لگا ہوا تھا۔ انگشت شہادت پر پلز آکسی میٹر (چٹکی نما آلہ جو خون میں آکسیجن کی مقدار اور دل کی دھڑکنوں کی پیمائش کرتا ہے۔) لگا ہوا تھا۔ چہرے سے آکسیجن ماسک ہٹا کر نیزل کینولا لگا دیا گیا تھا، جس کی نالیاں ناک کے نیچے سے گردن تک جا رہی تھیں اور سینے پر سے ہو کر ای سی جی مانیٹر کی تاروں سے جڑی ہوئی تھیں۔ مشینوں میں جکڑے ہوئے عالیار کی بھاری پڑتی آنکھیں کمرے کی چھت پر تھیں۔ اس کے ذہن میں کوئی سوچ نہیں تھی۔ ذہن ماؤف تھا۔ کوئی جذبات محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ آہٹ سے دروازہ کھلا۔ اس نے نظریں نہیں پھیریں۔ اسے قدموں کی چاپ اپنے قریب آتی سنائی دی۔ اس نے پھر بھی نگاہیں نہیں پھیریں۔ وہ جانتا تھا کون ہے۔ وہ اسے محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اس کی خوشبو پہچانتا تھا۔ وہ اس کے قدموں کی چاپ پہچانتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چل کر اس کے سرہانے کے پاس قریب آئی۔ تین سیکنڈ گزرے۔ اس سے پہلے عالیار نظریں پھیر کر اس کی جانب دیکھتا، اس نے جھک کر اپنے دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گرد پھیلا لیے۔ عالیار کی دبی آہ حلق میں ہی کہیں دم توڑ گئی۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے یوں عالیار سے آلگنے سے اس کے کچے زخموں میں تکلیف اٹھ رہی تھی، مگر وہ اسے خود سے دور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ

اس کے اس عمل سے اسے تکلیف ہو رہی ہے، مگر اس وقت اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس وقت اسے عالیار کا کندھا چاہیے تھا۔ وہ اس کے کندھے پر ماتھا ٹکائے بے آواز روتی رہی۔

"میں ڈر گئی تھی عالیار! میں واقعی بہت ڈر گئی تھی۔ تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔"

وہ اس کے پٹیوں سے جکڑے کندھے پر سر رکھے مسلسل رو رہی تھی۔ اس کے گرم گرم آنسو اس کے کندھے کو بھگو رہے تھے۔ یہ آنسو عام آنسو نہیں تھے۔ یہ خوشی کے آنسو تھے۔ سکون کے آنسو تھے۔ شکر کے آنسو تھے۔ عالیار کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

"مجھے لگا میں تمہیں کھو دوں گی۔ تم نے مجھے بہت رلایا تھا۔ تم بہت ظالم ہو۔" آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ عالیار کے ہاتھ اب تک پہلو میں تھے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دینا چاہتا تھا مگر نہیں کر پایا۔ ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔ اس کے آنسو عالیار کو تکلیف دے رہے تھے۔

اس کے شانے پر سر رکھ کر روتے روتے اسے عالیار کے کندھے میں لرزش سی محسوس ہوئی، سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس کے ہوش واپس آئے، وہ بے اختیار سر اٹھا کر پیچھے ہٹی، اس نے دیکھا عالیار کا چہرہ تکلیف سے سفید پڑ چکا ہے۔

"اوہ عالیار! آئی ایم سوری!" اس نے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"تم بولے کیوں نہیں۔ اوہ خدا! مجھے سمجھ نہیں آیا۔ تکلیف ہو رہی تھی تو بولے کیوں نہیں۔"

"تمہیں میرے کندھے کی ضرورت تھی۔" اس نے کمزور خلش زدہ آواز میں کہا۔ آواز سرگوشی جتنی آہستہ تھی۔ ایک ساتھ پھر بہت سے آنسو آنکھوں میں ابھرے تھے۔ کیوں تھا یہ شخص ایسا؟ کیوں وہ اپنے بارے میں نہیں سوچتا تھا؟ کیوں اسے اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں صاف کیں۔

"عالیار! تم پاگل ہو۔" عالیار کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ ابھری۔ مسکراتے ہوئے بھی اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا عالیار کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے ہیں، اس کی آنکھوں میں نمی صاف جھلک رہی تھی۔ آنکھیں سمٹنے سے پہلے اس نے جو منظر دیکھا تھا، وہ کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنے باپ کو مرتے ہوئے کوئی بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ عالیار اسے نہیں دیکھ رہا تھا، اس کی نگاہیں دوبارہ چھت کی جانب تھیں۔ وہ جانتی تھی وہ کیسا محسوس کر رہا ہے، وہ جانتی تھی وہ کس کیفیت میں مبتلا ہے۔

کچھ پل یونہی اسے دیکھنے کے بعد وہ ذرا سا آگے ہوئی اور جھک کر نرمی سے اپنے لب عالیار کی پیشانی پر رکھے۔ عالیار نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ پل گزرے۔ کچھ سانسیں لیں۔ عالیار نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ عالیانہ نے نرمی سے اس کی پیشانی کو چوما۔ عالیار کی بند آنکھوں سے آنسو لڑھک کر کنپٹی سے ہوتا اس کے بالوں میں جذب ہو گیا۔

اس سب میں سب سے زیادہ جس کا نقصان ہوا تھا، اسی شخص کا ہوا تھا۔ جس کو سب سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی، وہ یہی شخص تھا۔ جس نے سب کچھ کھو دیا تھا، وہ بھی عالیار تھا۔

پھر وہ اس کے سرہانے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ نرمی سے اس کا آکسی میٹر لگا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جھک کر اس کے ہاتھ پر ماتھا ٹکا لیا۔ کچھ پل ایسے ہی اس کا ہاتھ پیشانی سے لگا رہنے دیا۔ پھر نرمی سے اس کی ہتھیلی کو چوما۔

"شکریہ! زندہ رہنے کے لیے۔ شکریہ۔" وہ بار بار اسے بتا رہی تھی۔

"تم میری زندگی ہو۔" چھت کو دیکھتی آنکھیں ایک لمحے کو بند ہوئیں، اور بند آنکھوں اسے ایک اور آنسو لڑھک کر اس کی گردن میں جذب ہوا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

اس کا باپ مر چکا تھا۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ اپنے سینے میں اٹھتے ناگوار بوجھ کو برداشت کرنے کی کوشش کی۔

"اس کا باپ مر چکا تھا۔"

چار دن بیت چکے تھے جب اس کے والد کو قتل کیا گیا تھا، اس نے جس سے وہ محبت کرتا تھا، اس کے ماتھے پر گولی ماری۔ اس نے اسے مار کر اس پر مہربانی کی تھی۔ وہ

اس سے زیادہ بہادر تھی، اس نے وہ قدم اٹھایا جو وہ کبھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ وہ ایک درندہ تھا۔ اس کے ساتھ بدتر سلوک ہونا چاہیے تھا۔

لیکن پھر یہ درد۔ اس نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ کر گہری سانس لی
۔ آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ کل اسے میڈیکل ونگ سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

"اس ماں مر چکی تھی۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ کو اٹھایا۔ "اس بہن مر چکی تھی۔" اس نے پانی گلاس میں انڈھیلا۔

"سب مر چکے تھے۔ اس کی ماں، اس کا باپ، اس کی بہن۔" اس نے پانی کا گھونٹ بھرا۔ پھر وہ اٹھا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ آئینے میں پلک جھپکائے بغیر دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ دھندلے انداز میں آئینے میں دکھائی دے رہا تھا، لیکن اتنا کافی تھا کہ وہ دیکھ سکے کہ اس نے کافی وزن کم کر لیا ہے۔ اس کا رنگ زرد تھا، آنکھیں کی چمک ماند پڑ چکی تھی۔ چہرے پر مندمل زخموں کے نشان۔ گردن پر رسی کے نشان۔

"جو کچھ وہ تھا، جو کچھ اس نے کیا، جو کچھ وہ ہے، سب کچھ، اس کے والد کے اعمال اور بے عملی کی بدولت تھا، ان کے بغیر، وہ کون تھا؟"

اس نے اپنے ہاتھ ڈریسنگ مرر کے کنارے پر رکھے۔ آگے جھکا، اس آدمی کی جھلک پکڑنے کی کوشش کرنے لگا جو وہ بن چکا تھا۔اسے اپنا آپ پرانا اور بے چین محسوس ہو رہا تھا۔

اچانک، دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔"ہیلو!"وہ بے اختیار پلٹا۔ کھلے گریبان کی سفید ڈریس شرٹ ،سیاہ پینٹ اور اس سے جھلکتے سفید پاؤں ۔

عالیانہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ پیچ سکرٹ پر سفید شرٹ،اس کی آنکھوں میں فکر اور محبت واضح تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟"

"تم ٹھیک ہو؟"وہ زخمی سا مسکرایا۔ایک تو وہ جب ایسے مسکراتا تھا تو اندر تک دل ٹوٹ جاتا تھا۔

اس نے دوبارہ آئینے میں دیکھا۔"میں اپنے آپ کو پہچان نہیں پا رہا۔"اس کی ہنسی میں اداسی چھپی ہوئی تھی۔

عالیانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔وہ زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا،اس لیے وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا۔

"ہم کب بات کریں گے؟اس سب کے بارے میں؟"

عالیار نے چونک کر اس سے نظریں چرائیں۔ "میں ٹھیک ہوں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ "بس کچھ معمولی چوٹیں ہیں، یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"تم جانتے ہو کہ میں اس بارے میں بات نہیں کر رہی۔" عالیانہ نے دھیرے سے کہا اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

عالیار دوسری طرف دیکھنے لگا، کہیں خلا میں۔ دونوں خاموش ہو گئے۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" اُس نے دھیرے سے کہا۔ "کیونکہ میں نے اُسے گولی ماری؟" اُس کا جسم سن ہو گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"نہیں! بالکل نہیں۔" اُس نے جلدی سے کہا، جیسے انکار میں کوئی تاخیر ناقابل برداشت ہو۔ "نہیں! یہ بات نہیں ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے وہ کیا، جو میں نہیں کر سکتا تھا۔ تم نے میری بہن کا بدلہ لے کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔ کچھ پل وہ یوں ہی اسے دیکھتی رہ، پڑھتی رہی۔ اسے وقت لگا، پر وہ عالیار کو پڑھنے کا فن جان چکی تھی۔

"تمہیں اپنے باپ کے مرنے پر غمزدہ ہونے کا حق ہے، چاہے وہ کتنے ہی برے انسان ہی کیوں نہ ہوں۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں، تمہارے لیے یہ بہت مشکل ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کا چہرا بے تاثر مگر سنجیدہ تھا۔ "تم کوئی روبوٹ نہیں ہو۔"

وہ ٹوٹا ہوا اور الجھا ہوا نظر آیا۔ یہ ادھورا سا غم اُسے اندھیرے میں دھکیل رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ اُس کے دکھ کو اُس کے والد کے اعمال کی توثیق سمجھا جائے گا، اور وہ اس معاملے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا، اس لیے وہ اعتراف نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنے والد کے لیے غمگین ہے، کہ وہ اُس شخص کے مرنے کا دکھ محسوس کر رہا ہے جس نے اُسے پالا۔ اس تلخ حقیقت کی وجہ سے وہ اپنے باپ کی موت پر پتھر کی مانند بے حرکت رہا۔ لیکن سامنے بیٹھی لڑکی اسے جانتی تھی کیونکہ اب وہ عالیار حیدر کو پڑھنے کا فن جان چکی تھی۔

"مجھے اُن سے نفرت تھی۔ شدید نفرت، جو شاید میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی۔ نفرت کی آگ محبت کے بغیر نہیں جل سکتی۔ اگر میں ان سے محبت نہ کرتا تو شاید مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ اور یہی ہے، میرے باپ کے لیے میری غیر متوقع محبت، ہمیشہ میری سب سے بڑی کمزوری رہی ہے۔ اس لیے میں، اُس غم میں ڈوبا ہوا ہوں جس کا کبھی اظہار نہیں کر سکتا، جبکہ پچھتاوا میرے دل کو کھائے جا رہا ہے۔ میں اب یتیم ہوں۔" وہ یہ سب کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں سکا۔ اسکی بجائے وہ خاموش رہا۔ اس فرشتہ صف لڑکی کو پلک جھپکائے بغیر دیکھتا رہا۔

"باپ اچھا ہو برا ہو، باپ باپ ہوتا ہے۔ تمہارا باپ اچھا انسان نہیں تھا، مگر وہ تمہارا باپ تھا۔ میں جانتی ہوں تم تکلیف میں ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم غمگین ہو۔ میں چاہتی ہوں تم اداس ہو لو۔ تم میرے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر لو۔ خود کو تکلیف مت

دو۔" وہ کچھ نہیں بولا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔ عالیار کی آنکھیں تکلیف میں تھیں۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ تھک گیا تھا۔ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ اس زندگی سے تھک گیا تھا۔ خود سے تھک گیا تھا۔ ہر چیز سے تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دل سے تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دماغ سے تھک گیا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر عالیار نے اس کے کندھے پر ماتھا ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ دل شکستگی کے عالم میں۔ ایک تھکے ہارے انسان کی مانند۔ اور کتنی ہی دیر اس کے شانے پر ماتھا ٹکائے آنکھیں بند کیئے بیٹھا رہا۔ آنکھیں نم تھیں مگر آنسو نہیں بہے۔ رونے کے دن ختم ہو چکے تھے۔ اچھے دن شروع چکے تھے۔

••••••☆☆☆••••••

دس دن گزر چکے تھے، جن میں زندگی معمول پر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آج کا دن اہم تھا۔ آج درستور کی نئی سپریم کمانڈر عالیانہ کا پہلا براہِ راست اجلاس تھا۔ ہال میں تقریباً پچاس کمانڈرز اور ریجنٹس موجود تھے، جن کا عہدہ عالیار کے برابر تھا۔ ہال میں شور و غل کا سماں تھا۔ لوگ ابھی تک اپنی نشستیں سنبھال رہے تھے۔

عالیانہ پوڈیم پر کھڑی تھی، اور اسٹیج پر اس کے ساتھ عالیار بھی موجود تھا۔ ان دونوں کے پیچھے پوری ٹیم کھڑی تھی۔ انہوں نے تمام حفاظتی تدابیر اختیار کی تھیں، کسی کو بھی ہتھیار کے ساتھ اندر آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

انہوں نے طے کیا تھا کہ متحد ہو کر کھڑے ہونے سے سب سے مضبوط پیغام جائے گا۔سب اندرونی طور پر بے چینی کا شکار تھے، لیکن ظاہری طور پر مضبوط نظر آنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔

عالیانہ بے چینی سے کھڑی تھی۔عالیار اس کے قریب ہو کر اسے تسلی دے رہا تھا۔ہال میں فوجی چہروں کا سمندر تھا۔ہر یونیفارم پر درستور کی مخصوص سرخ، سبز،اور نیلی پٹیاں نمایاں تھیں۔یہ سب انسان تھے، لیکن اس وقت وہ مشینوں کی طرح منظم اور سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔

"اسلام وعلیکم !"اس نے کہااور سر موڑ کر عالیار کو دیکھا۔عالیار نے سر کو معمولی سے جنبش دی اور اس نے اپنی تقریر کا آغاز کیا۔اس کے بولتے ہی ہال میں موجود تمام افراد نے بیک وقت سر اٹھالیے۔ان کی نظروں میں اس کی قبولیت کا اظہار تھا،

یہ لوگ عالیانہ کی عزت کرتے تھے،اور جب وہ لوگوں کے لیے اپنی محبت کا اظہار کر رہی تھی،ان محنتی مردوں اور عورتوں کے لیے جن کی زندگیاں درستور نے برباد کر دی تھیں،وہ دیکھ سکتی تھی کہ ہجوم کے چہرے پر کتنی اطمینانیت اور سکون ہے۔اس کی تقریر ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔اس نے عالیار کو دیکھا جواب اسٹیج پر اتر کر سامنے کھڑا تھا۔اپنے ہاکی یونیفارم میں۔سنجیدگی اسے دیکھ رہا تھا۔شاید وہ اسے سامنے سے دیکھنا چاہتا تھا ۔عالیانہ نے ایک نظر اس کو دیکھا،بس ایک نظر پھر دوبارہ سامنے دیکھنے

لگی۔ "اپنی تقریر کے اختتام پر میں ایک اپنا ایک اہم فیصلہ آپ سب کو سنانا چاہتی ہوں۔ "

عالیار چونک کر آنکھیں پھیلائے اسے دیکھنے لگا۔اس کی ٹیم بھی۔ سامنے بیٹھے لوگ بھی۔

"یہ عالیانہ کس بارے میں بات کر رہی ہے؟جو تقریر ہم نے بنائی تھی وہ تو ختم ہو چکی ہے؟" ارسل نے نظریں اس پر سے ہٹائے بغیر داس سے سرگوشی میں پوچھا۔

"آہ! میں خود نہیں جانتا۔ یہ پاگل لڑکی کیا کرنے والی ہے۔" داس بڑبڑایا۔

"میں آپ سب کو بتانا چاہتی ہوں، کہ سیکٹر فائیو کا کمانڈر میرا شوہر ہے۔" اس نے جوں ہی کہا ہجوم میں ایک انجان سے خاموشی چھاگئی۔ عالیار حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ ابھی تک سامنے جو ہو رہا تھا اس پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں آج جو بھی ہوں، اسی کی وجہ سے ہوں۔" وہ عالیار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس شخص نے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا، بلکہ ہم سب کا۔اس کے بغیر آج ہم یہاں نہ کھڑے ہوتے۔" سب لوگ ابھی بھی خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔اس کے دوست بھی۔ارسل کے چہرے پر سے سایہ سا گزرا تھا۔

"آج میں سب کے سامنے اپنے شوہر کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ تم نے ہمیشہ مجھے خود سے آگے دیکھنا چاہا لیکن، "کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔ "میں خود کو تمہارے آگے نہیں تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے آگے نہیں، تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔ تمہارا ہاتھ تھام کر، تمہارے کندھے سے کندھا ملا کر، تمہارے قدم کے ساتھ قدم اٹھا کر۔ "وہ آنکھیں چھوٹی کیئے ابھی تک اسے اسی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ سوالیہ نظروں سے۔ "میں سپریم کمانڈر نہیں، سپریم کمانڈر کی بیوی بن کر رہنا چاہتی ہوں۔ "وہ جو سامنے کھڑا تھا، اسے لگا وہ کھڑا نہیں رہ پائے گا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اسے اپنی سماعت پر ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا ۔ "میں اپنے عہدے سے دستبردار ہوتی ہوں۔ میں عالیانہ سلیم، آج سب کے سامنے، پورے دل سے، کسی بھی دباؤ میں آئے بغیر اپنے عہدے سے دستبردار ہو کر اپنا عہدہ خوشی خوشی اپنے شوہر کو سونپتی ہوں۔ میں سیکٹر فائیو کے کمانڈر حیدر سکندر کو اپنے عہدے کے لیے چنتی ہوں۔ میں اپنا عہدہ انہیں دیتی ہوں، کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں۔ "اس نے آخری بات پر ایک پل کے لیے عالیار کو دیکھا، اور دوبارہ ہجوم کی جانب دیکھنے لگی۔ ایک دم سے ہر جانب خاموشی چھا گئی۔ کوئی بھی اس کی اس غیر متوقع حرکت کے لیے تیار نہیں تھا۔

••••••☆☆☆••••••

"تم ٹھیک ہو؟" عالیانہ نے نرمی سے پوچھا۔ وہ ناشتے کے ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ ارسل ہال سے اندر آتا دکھائی دیا۔

"کیسر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔" ارسل نے اچانک کہا۔

"کیسر نے تمہیں بھیجا ہے؟" عالیانہ نے اپنی حیرانی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

ارسل نے کندھے اچکائے۔ "میں اس کے کمرے کے پاس سے گزر رہا تھا۔"

"اچھا، ٹھیک ہے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ جب عالیانہ اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی، ارسل وہیں کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا ارسل اپنے خیالات میں کہیں کھو گیا ہے۔

"سنو! تم ٹھیک ہو؟" اس نے دوبارہ نرمی سے پوچھا۔

ارسل نے چونک کر اوپر دیکھا۔ "کیا؟ ہاں! میں ٹھیک ہوں۔

"وہ تم جانتی ہو..." وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" اس کی نظریں کمرے کے ارد گرد بھٹکنے لگیں۔

"عالیار ناشتے پر نہیں آیا، ہے نا؟"

عالیانہ نے حیرانی سے بھنویں اٹھائیں۔ "تم عالیار کو ڈھونڈ رہے ہو؟"

"نہیں! بس، میں سوچ رہا تھا۔" عالیانہ نے گہری نظر سے ارسل کو دیکھا۔

وہ خاموش تھا۔ ارسل کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی۔ "وہ کام میں مصروف تھا، اس نے کمرے میں ہی ناشتہ کرلیا ہے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

اس نے ہنسی دبائی۔ "وہ.... وہ اسٹڈی میں ہی ہوتا ہے زیادہ تر۔ ملیک سے پوچھ لو۔" اس کے بعد ارسل ایک منٹ نہیں رکا اور چلا گیا۔ وہ سر جھٹک کر مسکرا دی۔

••••••☆☆☆••••••

اسٹڈی کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ جوں ہی وہ دروازے کی جانب بڑھا، ملیک دروازے سے نکل رہا تھا، مطلب عالیار اندر ہی تھا۔ ملیک نے اسے دیکھ کر سر کے اشارے سے سلام کیا۔

اس نے گہری سانس لی۔ اور اندر کی جانب قدم اٹھائے۔ سفید اور سنہری دیواروں میں گرا یہ کمرا بہت روشن تھا۔ کمرے کی تین دیواریں کتابوں اور فائلوں سے بھری تھیں۔ سیدھ میں دیکھیں تو سب سے آخر میں ایک میز رکھی تھی، جس پر عالیار بیٹھا تھا، سنجیدگی سے ہاتھ میں پکڑی فائل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ آہٹ پر اس۔ نے بے اختیار سر اٹھا کر سامنے دیکھا، اس کے سنجیدہ نقوش ایک دم نرم پڑے۔ ارسل وہیں جم گیا۔ عالیار نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا، کھڑا ہوا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"کیسے ہو؟" عالیار نے پوچھا، یہ سوال تو اسے پوچھنا چاہیے تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا، کیونکہ وہ ٹھیک نہیں تھا۔

"کچھ کہنا چاہتے ہو؟" عالیار آنکھیں چھوٹی کیئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ... میں... ڈر گیا تھا۔ جب تم میڈیکل ونگ میں تھے، میں بہت ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا میں اپنا واحد رشتہ بھی کھو دوں گا۔" کیا اس نے ابھی رشتہ کہا تھا۔ عالیار خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"عالیار...." اس نے پکارا۔ عالیانہ کے علاوہ وہ کسی کو بھی خود کو عالیار کہنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ لیکن آج جب ارسل نے اسے اس نام سے پکارا تو وہ غصہ نہیں ہوا۔ اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر عالیار کو دیکھا، وہ بار بار دھندلا ہو رہا تھا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ.... میں.... میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔ میں بس...." اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"میرے پاس تم پر غصہ کرنے کی ہر وجہ تھی، عالیار۔ تمہارے پاس وہ سب کچھ تھا، جو میرے پاس نہیں تھا۔

تمہارے پاس باپ تھا... جیسا بھی تھا، تمہارے ساتھ تھا۔ تمہیں کبھی خود اپنی حفاظت کی فکر نہیں کرنی پڑی۔

تمہارے پاس ماں تھی... جو تم سے پیار کرتی تھی۔ تم اپنے ماں باپ کی جائز اولاد تھے۔

تمہیں زندہ رہنے کے لیے وہ سب نہیں کرنا پڑا جو مجھے کرنا پڑا۔" اس کی آنکھیں گلابی ہونے لگی تھیں۔

"میں اکیلا تھا حیدر.. میرے پاس کوئی نہیں تھا... میرے ساتھ... کوئی نہیں تھا۔" اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونا شروع ہو گیا۔

"برسوں بعد زندگی نے مجھے کچھ دیا... اور میں خوش تھا۔ میں اتنا خوش تھا کہ اپنی پوری زندگی کے حسرتیں بھول گیا۔ پھر تم آئے، اور جو واحد چیز میرے پاس تھی، وہ بھی تمہاری ہو گئی۔ میں شروع سے تمہارے لیے اس کی بدلتی آنکھیں دیکھ سکتا تھا، لیکن میں نے اسے وہم سمجھا۔" عالیار خاموشی سے آنکھیں چھوٹی کیئے اسے سن رہا تھا۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، اب میں نہیں سمجھتا کہ یہ سب تمہاری غلطی ہے... کیونکہ یہ میرا نصیب تھا اور کوئی کسی کے نصیب کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمہا اب میں تم سے نفرت نہیں کرتا... میں بتانا چاہتا ہوں کہ... میں تمہارا برا نہیں چاہتا۔

میں بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی کے باقی سال میں بغیر کسی رشتے کے نہیں گزارنا چاہتا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ اب میں تمہیں اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں... اگر مجھے معاف کر سکو تو..."

اس کے لب کپکپا رہے تھے۔ عالیار اب بھی آنکھیں تنگ کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں تم بھی مجھے..."

اس بار بھی وہ نہیں کہہ سکا اور اس نے سر جھکا لیا۔ آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

کچھ پل عالیار اس کے جھکے سر کو دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا، وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ یہ برسوں کا فاصلہ اسی کو طے کرنا تھا، کیونکہ وہ بڑا بھائی تھا پھر وہ آگے بڑھا اور دونوں بازو ارسل کے گرد پھیلا کر اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔ یہ عملی ثبوت تھا کہ میں بھی تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔

ارسل نے سر نہیں اٹھایا، البتہ اپنے بھائی کے کندھے پر اپنا سر رکھ کر ایک بار پھر سے لب بھینچ کر رو پڑا۔ اس کے آنسو تیز ہو گئے تھے۔ پھر اس نے پہلو میں گرے ہاتھ اٹھا کر عالیار کے گرد باندھ دیے اور مضبوطی سے اسے گلے لگا یا۔ زندگی میں کبھی وہ ایسے نہیں رویا جیسے وہ عالیار کے کندھے پر سر کر رو یا تھا۔

اس کا پورا بدن لرز رہا تھا، شاید اسے زندگی میں پہلی بار تحفظ کا احساس ہوا تھا۔ گرم گرم آنسو عالیار کے کندھوں کو بھگوتے رہے۔

"آئی ایم آنرڈ ٹو بی یور برادر۔" عالیار نے اس کے کندھے کو چومتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"تم میرے بھائی ہو۔ میں تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دوں گا۔ میں تمہیں کبھی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔" ارسل روتے ہوئے مسلسل اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"تم ناجائز نہیں ہو۔ خبردار جو دوبارہ کبھی یہ لفظ اپنے لیے استعمال کیا۔" وہ اسے گلے لگائے آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے کئیں برسوں تک یوں ہی اسے سہارا دینے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا۔

••••••☆☆☆••••••

10 دن بعد۔

کمپاؤنڈز کی تعمیر ابھی جاری تھی۔ عالیار نے سپریم کمانڈر کے عہدے پر آنے کے بعد پہلا کام جو کیا تھا، وہ کمپاؤنڈز کو گھروں میں تبدیل کرنے کا تھا۔ اس نے ان دس دنوں میں وہ گھر بھی بنوالیا تھا، جس میں رہنے کا اس نے خواب دیکھا تھا۔

اس وقت وہ کمپاؤنڈز کے زیرِ تعمیر گھروں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ سرمئی پینٹ کوٹ، بال ہمیشہ کی طرح سلیقے سے سمٹے ہوئے۔ وہ دوبارہ صحت مند نظر آنے لگا تھا۔ کمپاؤنڈز میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھ کر، سر کو معمولی سی جنبش سے سلام کرتے، وہ دونوں پیپل کے درخت کے پار ، گھر کے سامنے پہنچے۔

یہ گھر بالکل اُس گھر جیسا تھا جہاں عالیانہ رہتی تھی... جہاں اس کی ماں رہتی تھی... جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ وہ حیرت سے دونوں ہاتھ منہ تک لے گئی۔ اس کی نظر اب بھی اس گھر پر تھی۔ عالیار نے سر موڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

کہتے ہیں کہ زندگی کو جس کھڑکی سے دیکھو، وہ ویسی ہی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ سچ تھا۔ وہ جی رہا تھا۔ اس کی کھولی ہوئی کھڑکیاں سبز پہاڑیوں اور دھوپ بھرے دنوں کی طرف

کھلتی تھیں۔ وہ صرف دھوپ بھرے دن نہیں تھی، بلکہ وہ خود سورج تھی۔ وہ سورج جو دنیا کے گرد گھومنے سے نہیں بلکہ اس کی آنکھوں کی ہنسی سے روشن ہوتا تھا۔

"کیسا لگا؟" اس نے اُسی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت... بہت اچھا..." یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی جھلک رہی تھی۔

پھر عالیار بھی سر موڑ کر گھر کو دیکھنے لگا۔ ایک گہری سانس لی اور دایاں بازو اس کے گرد پھیلا لیا۔ عالیانہ روتی ہوئی، ہنستی ہوئی کبھی عالیار کو دیکھتی اور کبھی گھر کو۔

زندگی... باسم سے باسم تک کا سفر ہے۔ اس میں خوشیاں ضرور ملتی ہیں۔ کبھی انسان کی صورت میں، تو کبھی کسی چیز کی صورت میں۔

••••••☆☆☆••••••

آج صبح وہ اکیلی ناشتہ کر رہی تھی تنہا، لیکن اکیلی نہیں۔

ان دس دنوں میں کچھ نہیں بدلا تھا سوائے اس کے کہ اب وہ سب حیدر کا پہلا نام جانتے تھے۔ مطلب وہ ان سب کو قابل یقین سمجھتا تھا۔

ناشتے کا کمرہ مانوس چہروں سے بھرا ہوا تھا، سب کسی نہ کسی چیز میں مصروف تھے۔ کچھ نیند پوری کر رہے تھے۔ کچھ کام نمٹا رہے تھے یا آدھی ادھوری بات چیت مکمل کر رہے تھے۔ یہاں کی توانائی ہمیشہ کیفین اور چائے کی مقدار پر منحصر ہوتی تھی اور اس وقت ماحول کافی خاموش تھا۔

دھان، صبح سے کافی کا کپ تھامے بیٹھا تھا، نے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ بلایا۔ اس نے بھی جواباً ہاتھ بلایا۔ وہ خوش مزاجی کا مجسمہ تھا۔ اشعل کو کافی پسند نہیں تھی مگر دھان یکجہتی کے اظہار کے لیے کافی کا کپ تھامے رکھتا۔ ان دونوں نے ایک ساتھ بہت کچھ برداشت کیا تھا۔ درحقیقت ان سب نے۔ دھان اور اشعل میلیسا کے ساتھ بیٹھے تھے، سامنے اسکیچ بک کھلا ہوا تھا، اور یقیناً وہ جنگ میں مدد کے لیے کچھ نیا ڈیزائن کر رہی تھی۔ وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ملنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی، ورنہ وہ ان کے گروپ میں شامل ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی، اس کے بجائے اس نے اپنی ٹھوڑی ایک ہاتھ میں رکھ لی اور اپنے دوستوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگی، سیسے دوستوں کو پانے پر وہ دل سے شکر گزار تھی۔ اسے داس سے ناشتے پر ملنا تھا یہی ان کے ورک ڈے کا آغاز ہوتا تھا جو واحد وجہ تھی کہ اس نے ابھی تک اپنی پلیٹ نہیں اٹھائی تھی۔ بدقسمتی سے داس کی دیر سے آمد کی وجہ سے اس کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ شروع ہو گئی تھی۔ تب ہی داس اور عالیار ناشتے کے کمرے میں آتے دکھائی دیئے۔ دونوں اپنے مخصوص خلیے میں تھے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ داس نے گروپ کی جانب ہاتھ ہلایا، عالیار ٹیبل کی درمیانی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عالیانہ عالیار کے داہنی جانب جب کہ داس بائیں جانب بیٹھ گیا۔

"گڈ مارننگ۔" عالیار نے کہا اور تھرمس سے کافی نکال کر کپ میں انڈیلی۔

"گڈ مارننگ۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ داس نے مصنوعی گلا کنکھار کر اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی۔

"تم نے مجھے ایک سنائپر شوٹر ڈھونڈنے کا کام دیا تھا، تو۔" اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"میں نے ایک بندہ ڈھونڈا ہے۔ مجھے امید ہے تم اسے جانتے ہو گے۔ مجھے اس کے بارے میں چند سوالات کرنے ہیں۔"

"کون ہے۔" وہ پوری طرح داس کی جانب متوجہ تھا

"نبیل احمد۔ سابقہ سپریم گارڈ۔" اس کی بھنویں ایک ساتھ اٹھیں۔ اس نام سے وہ اچھی طرح وابستہ تھا۔ وہ وہی انسان تھا جس نے عالیار کا راستہ روکا تھا اور عالیار نے آئندہ اسے خود سے دس فٹ دور رہنے کا حکم دیا تھا۔

"ہاں میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ پوچھو... کیا سوالات پوچھنا چاہتے ہو۔" اس نے بیزاری سے کہا تھا۔

"سب سے پہلا سوال، تم اتنے بدتمیز کیوں ہو؟" عالیار نے عالیانہ کی جانب دیکھا۔

"مجھے لگتا تمہارا دوست مجھ سے اپنا ناک تڑوا بیٹھے گا۔"

"اچھا چھوڑو۔ بتاؤ وہ کیسا انسان ہے۔"

"اگر یہ میں تمہیں بتاؤں تو تمہاری حصے کی ذمہ داری کیا تھی۔" اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔ کافی کا ذائقہ مر چکا تھا، بلکل۔ اس کے موڈ کی طرح۔

"بہرحال نبیل احمد کم اہل ہے۔ وہ خود پسند ہے۔ بگڑا ہوا۔ مغرور۔"

"ٹھہرو.... ہم تمہاری بات کر رہے ہیں یا نبیل کی؟"

عالیار کو یہ طنز برا نہیں لگا۔ "تم ایک اہم فرق کو سمجھنے میں ناکام ہو رہے ہو، داس۔ یہ سچ ہے کہ میں پر اعتماد ہوں۔ لیکن نبیل مغرور ہے۔ ہم ایک جیسے نہیں ہیں۔"

"مجھے تو ایک ہی چیز لگتی ہے۔" عالیار نے ٹیبل پر ہاتھ جوڑے اور آہ بھری، بالکل ایسے جیسے وہ کسی ضدی بچے کے ساتھ صبر کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"غرور جھوٹا اعتماد ہے۔ یہ عدم تحفظ سے پیدا ہوتا ہے۔ نبیل دکھاوا کرتا ہے کہ وہ کسی سے ڈرنے والا نہیں ہے۔ وہ دکھاوا کرتا ہے کہ وہ ظالم ہے۔ وہ آسانی سے جھوٹ بولتا ہے۔ یہ اسے کسی حد تک، خطرناک حریف بناتا ہے۔ لیکن زیادہ تر وقت، اس کے اعمال خوف سے متاثر ہوتے ہیں۔"

عالیار نے اوپر دیکھا۔ "اور یہ سب ایک انسان کو کمزور بناتا ہے۔" داس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"اچھا، ٹھیک ہے۔ کیا اس کے بارے میں کوئی خاص بات ہے؟ کچھ ایسا جس سے ہمیں خبردار رہنا چاہیے؟"

"زیادہ کچھ نہیں۔ وہ زیادہ تر چیزوں میں اوسط درجے کا ہے۔ وہ کبھی کبھار ہی کسی چیز میں مہارت دکھاتا ہے۔ وہ فیزیک (جسمانی بناوٹ) سے بہت زیادہ آبسیسڈ ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اس کی سب سے بڑی مہارت سنائپر رائفل کے ساتھ ہے۔"

داس کا سر فوراً اوپر اٹھا۔ "فیزیک (جسمانی بناوٹ) سے بہت زیادہ آبسیسڈ، ہاں؟ تمہیں یقین ہے کہ تم دونوں کا کوئی رشتہ نہیں؟"

اس پر عالیار کا چہرہ بگڑا۔ "میں اپنے بارے جسم کے بارے میں آبسیسڈ نہیں ہوں..."

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، پر سکون ہو جاؤ۔" داس نے اپنے ہاتھ ہوا میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "اپنا خوبصورت سا چہرہ اس بات پر پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے تم سے نفرت ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے جذبات ایک دوسرے کے لیے یکساں ہیں۔"

"میں اس انسان کے ساتھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ اور میں تم سے سنائپر شوٹر ڈھونڈنے کی ذمہ داری واپس لیتا ہوں۔" عالیانہ ہنسی دبائے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں کی نوک جھوک عالیانہ سمیت پورے گروپ کی فیورٹ تھی۔ اس وقت بھی سب کنکھیوں سے ان کی گفتگو سن کر ہنسی دبائے ہوئے تھے، ابھی تک وہ عالیار کے سامنے یوں ہی اس کی گفتگو پر ہنسنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ داس اس کا ناشتہ، کافی اور موڈ تینوں ایک ساتھ خراب کر چکا تھا۔ اسے ارسل سے ملنا تھا، سو وہ اٹھا۔ عالیانہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ناشتہ؟" اس نے داس کو گھورا۔

"ہو گیا ناشتہ۔" اس نے دانت چبا کر کہا اور چلا گیا۔ وہ جو ہنسی دبائے بیٹھے تھے، اس کے جاتے ہی ایک دم قہقہوں میں ڈھل گئے۔

••••••☆☆☆••••••

"کیسے ہو؟" عالیار نے خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔ ارسل اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے، خاموشی سے سر ہلاتا رہا۔ وہ دونوں چھت پر بیٹھے تھے، سردی اور کنکریٹ کے درمیان گھرے ہوئے، ایک خاموش گوشے میں جہاں عالیار کبھی کبھار پناہ لیا کرتا تھا۔ وہاں سے پورا اسیکٹر دکھائی دیتا تھا۔ دور افق پر سمندر کا کنارہ نظر آ رہا تھا، اور سورج آہستہ آہستہ دن کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نیچے لوگ، کھلونا سپاہیوں کی طرح، اِدھر اُدھر چل پھر رہے تھے۔

"ٹھیک ہوں۔" ارسل نے آخرکار کہا مگر اس کی آواز میں تناؤ واضح تھا۔ وہ صرف ایک ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا، تیز سردی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔

عالیار نے خاموشی سے سر ہلایا۔

داس نے اوپر دیکھا، ہلکی سی بے چینی سے ہنسا، اور پھر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔

"یہ سب سچ نہیں لگتا نا؟"

چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"ہمم۔" عالیار نے آخرکار کہا۔

ارسل نے ناک سے لمبی سانس خارج کی۔ "میں نے پہلے کبھی تم سے یہ نہیں کہا کہ۔" اس نے آہستگی سے اوپر دیکھا، لیکن عالیار کی طرف نہیں۔ "اُس رات، تم سے جو کہا تھا۔ وہ میرے لیے بہت مطلب رکھتا تھا۔"

عالیار نے دور افق پر نظریں جماتے ہوئے آنکھیں سکیڑ لیں۔

کسی کو قتل کرنے کی کوشش پر معافی مانگنا واقعی ایک ناممکن کام ہوتا ہے۔ پھر بھی، عالیار نے کوشش کی تھی۔ اس نے ارسل کو بتایا تھا کہ وہ اس کے جذبات سمجھتا ہے۔ اس کا درد، اس کا غصہ، اس کی بے بسی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ سکندر جیسا باپ ہونے کے باوجود ایک بہتر انسان بن گیا تھا، جو وہ کبھی نہیں بن سکا۔

"میں نے دل سے کہا تھا۔" عالیار نے دھیمے لہجے میں کہا۔

ارسل نے اپنی مٹھی کو اپنے منہ کے قریب کے جا کر گلا صاف کیا۔ "جب تم میڈیکل ونگ میں تھے، میں تمہارے لیے ڈر گیا تھا۔ میں چاہتا تھا تم زندہ رہو۔" وہ بمشکل بول پایا۔ عالیار کی آنکھوں میں کچھ بدلا تھا۔ عالیار خاموش رہا۔

"یہ تمہاری طرف سے بہت فیاضی تھی۔" عالیار نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو اب ہم کیا کریں؟" ارسل نے آخر کار عالیار کی طرف دیکھا، لیکن عالیار اب بھی ارسل کی آنکھوں میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ "ہم اسے کیسے ٹھیک کریں؟"

عالیار نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ "میں نہیں جانتا لیکن میں اسے ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بھائی مانتا ہوں۔ اس دن سے جب مجھے علم ہوا کہ تم میرے بھائی ہو۔ اور میں شکر گزار ہوں۔"

"واقعی؟"

عالیار نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے بعد وہ دونوں خاموش رہے۔

تمہارے لیے یہ بہت مشکل ہو گا! "عالیار نے دوبارہ پوچھا۔

"کیا؟"

"اپنی محبت کو کسی اور کے ساتھ دیکھنا۔" ارسل کے چہرے سے سایہ سا گزرا۔ تو وہ جانتا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مجھے لگتا تھا، کہ تم اس سے محبت نہیں کرتے۔ مجھے لگا یہ وقتی پسند گی ہے، لیکن اب مجھے سمجھ آ رہی ہے کہ وہ تمہارے محبت کرنے کا انداز تھا۔ تمہاری محبت پہلے دن سے سچی تھی، تم نے اپنا سب کچھ اس کے لیے داؤ پر لگا دیا۔ تم اس سے محبت کرتے تھے میں نہیں سمجھ پایا کیونکہ میں اپنی محبت دیکھتا رہا۔ اگر مجھے شروع سے علم ہوتا کہ تم میرے بھائی ہو تو میں اس سے دور رہتا۔ اسے اپنی زندگی میں شامل نہ کرتا، مگر اب۔" اس نے ارسل کو دیکھا۔ "اب میں اسے اپنی زندگی سے نہیں نکال سکتا۔ یہ میرے اختیار نہیں ہے۔ تم مجھ سے کچھ بھی مانگ لو، سوائے اس کے۔ کیونکہ اس کے معاملے میں تم ہمیشہ مجھے خود غرض پاؤ گے۔"

"میں یہ چاہتا بھی نہیں ہوں۔ یہ سچ ہے کہ اس سے محبت کرتا ہوں، مگر شاید تم سے کم۔ تم اس کو مجھ سے زیادہ خوش رکھ سکتے ہو۔ تم میں وہ ہے جو مجھ میں نہیں ہے۔ میری محبت ایک طرفہ ہے اور میں اس میں خوش ہوں۔ میں اس بات پر خوش ہوں، کہ وہ خوش ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"سچ کہوں تو، میں قسمت کی تقسیم سے ناخوش ہوں۔ لیکن مجھے کہنا پڑے گا، اسے کوئی تم جیسا ہی ڈیزرو کرتا ہے۔ تم جیسی محبت اس سے کوئی نہیں کر سکتا، میں بھی نہیں۔ اور رہی میری بات، تو محبتیں بھلائی نہیں جاتیں، بھلانے کی اداکاری کی جاتی ہے۔ میں اداکار نہیں ہوں، مگر میں کوشش کر رہا ہوں۔ میں اب اسے اپنی زندگی میں نہیں چاہتا۔ مجھے اب اس کی چاہ نہیں رہی مگر محبت رہے گی، ہمیشہ رہے گی۔ دل کی وہ خلا کبھی پر نہیں ہو سکے گی۔ لیکن میں اب اس سے دستبردار ہو چکا ہوں۔ اب میں اس کا دوست بن کر رہنا پسند کرونگا۔ مجھے تم جیسا بھائی مل گیا ہے، اب میں اپنے نصیب سے خوش ہوں۔" عالیار نے چہرا موڑ کر اسے دیکھا، ارسل نے بھی اسے دیکھا۔ عالیار مسکرایا تھا۔ پھر ان نے دوبارہ نظریں سامنے پھیر لیں۔ اس کے بعد وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

••••••☆☆☆••••••

"تم نے میری محبت کو جھوٹا کہا۔ تمہیں لگتا تھا میں تم سے محبت نہیں کرتا۔ میری ساری کوششیں تمہیں بھول گئیں۔ میری ساری قربانیاں تمہیں بھول

گئیں۔ میری دوستی بھول گئی۔ تمہیں میری محبت پر سوال نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ تمہیں میری محبت کو جھوٹا کہہ کر میرے اعمال نامے تماچے کی طرح میرے منہ پر نہیں مارنے چاہیے تھے۔ تم نے مجھے چھوڑنا تھا، مجھے بتاتی میں خود راستے سے ہٹ جاتا، مگر جس طرح سے تم نے میرا دل توڑا، میں کم از کم اس کا مستحق نہیں تھا۔ مجھے بس یہی شکوہ ہے تم سے۔ یہ شکوہ مجھے تم سے ہمیشہ رہے گا۔ اس زندگی میں نہیں، تو روز قیامت میں تم سے پوچھوں گا۔ یہ شکوہ روز قیامت کے لیے رکھ کر اس دنیا میں، میں تمہیں اپنے دل سے آزاد کرتا ہوں۔ لیکن نہیں، میں روز قیامت بھی تم سے شکوہ نہیں کرنا چاہتا، میں تمہیں اپنے سامنے شرمندہ ہوتا نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس لیے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اب اس دل میں تمہاری محبت کی جگہ نہیں۔ اب تم صرف میری دوست ہو۔ کہتے ہیں برے خواب کسی کو بتانے سے ان کی تعبیر سچی نکلتی ہے۔ میں نے تو اپنے برے خواب کسی کو نہیں بتائے تھے، پھر بھی وہ سچ ہو گئے۔ کیوں؟ اس کیوں کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ دور افق کو دیکھتے ہوئے یہ وہ آخری خط تھا جو آج ارسل ابراہیم نے اپنے دل پر خون کی سیاہی سے لکھ کر اس پر ختم شد کی مہر لگا دی۔ باب واقعی ختم ہو چکا تھا۔ ضروری تو نہیں کہ کہانی کے ہر کردار کی ہیپی اینڈنگ ہو۔ کچھ کرداروں کو اختتام پر بھی خوشیاں نہیں ملتیں۔ اس کہانی کا وہ کردار ارسل ابراہیم ہی سہی۔

ہر وہ انسان باسم ہے جو اس ظالم دنیا میں ابھی تک انسان ہے۔ ہر وہ انسان باسم ہے جو اس تلخ زندگی کو جینا نہیں چھوڑتا۔ جو ہزار مصیبتوں اور آزمائشوں کے بعد بھی امید

نہیں چھوڑتا۔ جو اپنے لیے لڑتا ہے۔ جو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ جو مسکرا کر ہر تکلیف سے لڑتا ہے۔ مسکرا کر سے مراد ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ سجانا نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے صبر۔ لفظ باسم میں مسکراہٹ کا مطلب صبر ہے۔ امید ہے۔ بہادری ہے۔

باسم صرف مسکراہٹ کا نام نہیں، باسم زندگی ہے۔ "زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب۔ زندگی مغموم سے باسم تک کا سفر ہے۔ زندگی مکمد سے باسم تک کا سفر ہے۔ زندگی عبوس سے باسم تک کا سفر ہے۔ زندگی باسم سے باسم تک کا سفر ہے۔

باسم مسکراہٹ کا نام ہے اور مسکراہٹیں انسان کو خوبصورت بناتی ہیں۔

ہر باسم، مسکرانے والا نہیں ہوتا،

اور ہر مسکرانے والا باسم نہیں ہوتا۔

ختم شد!